احسن المسائل

اردو ترجمہ

کنز الدقائق



ہر سائز کے قرآن مجید اور ہر قسم کی کتابیں ملنے کا پتہ

ملک سراج الدین اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

Price 5—0

دینیات

حصّہ سوم

(لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے)

ناشرین

ملک سراج الدّین اینڈ سنز
ایجوکیشنل پبلشرز
کشمیری بازار - لاہور (پاکستان)

قیمت ۸/-

ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

الحمد للہ والمنۃ کہ کتاب مستطاب

مسمی بہ

احسن المسائل

یعنی

ترجمہ کنز الدقائق بزبان اردو

بتحشیہ جناب مولانا مفتی مولوی محمد وصی علی ملیح آبادی

بعہد مائیش

ملک سراج الدین اینڈ سنز تاجران کتب بازار کشمیری لاہور

ماہ جون سنہ ۱۹۵۱ء

لاہور آرٹ پریس انارکلی لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ قابل التوب وغافر الذنوب ستار العیوب وکشاف الکروب بیدہ الامر وکل شیٔ الیہ یؤب خلق السمٰوٰت والارض وما بینہما فی ستۃ ایام وما مسہ من لغوب والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد دافع الخطوب الذی بنور توحیدہ نور القلوب وعلیٰ اٰلہ واصحابہ ما تردد القمران بین الطلوع والغروب بعد حمد وصلوٰۃ کے احقر محمد وصی علی ملیح آبادی تجاوز ربہ عن ذنبہ الخفی والجلی برادران ویاران باصدق ویقین کیخدمت میں عرض پرداز ہے کہ مولانا شاہ اہل اللہ صاحب برادر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے فقہ کی مشہور ومستند کتاب کنز الدقائق کا بنظر عموم نفع فارسی زبان میں ترجمہ فرمایا تھا۔ ترجمہ میں شاہ صاحب قدس سرہ مترجم نے کئی خوبیوں کا التزام فرمایا تھا۔ مثلاً اکثر جگہ فرعیات میں امام ابوحنیفہ رح کے قول کا ماخذ حدیث شریف سے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ امام شافعی رح کے خلاف کو بھی نقل فرمادیا گیا یا کنز کی عبارت میں کوئی خاص لفظ ایسا تھا کہ جس کے معنی علیحدہ لکھے جانے کی ضرورت تھی تو صرف اس کے ترجمہ پر قناعت نہ کی بلکہ حسب اقتضا علیحدہ اُس کے معنی کی تشریح فرمادی گئی یا کوئی مسئلہ اختصار کی وجہ سے بلا مثال ناقابل فہم تھا تو اس کی مثال بھی بیان فرمادی گئی

الغرض یہ ترجمہ مترجم رحمۃ اللہ علیہ کے مفید اضافوں کی وجہ سے کنز کی گویا ایک مختصر شرح ہے مگر چونکہ انقلاب زمانہ کی وجہ سے باسباب چند در چند باشندگان ہندوستان کی ہمتیں تحصیل عربی وفارسی سے قاصر ہیں اس لئے مترجم رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقصد عام نفع رسانی خلق اللہ تھا وہ فوت ہورہا تھا۔ اس غرض سے پھر اس ترجمہ فارسی کو عام فہم اُردو کا لباس پہنایا گیا۔ اور ترجمہ فارسی حامل المتن تھا ترجمہ اُردو میں متن کا لکھنا زائد جانکر صرف ترجمہ پر اکتفا کیا گیا البتہ عبارت شرح کو اس طرح کے ( ) مقوس خطوں میں لکھدیا گیا ہے۔ تاکہ ترجمہ میں بھی امتیاز متن وشرح قائم رہے نیز جسقدر عبارت فارسی شاہ صاحب مترجم کی تھی اسی قدر پر اکتفا کیا گیا۔ اور جہاں کہیں کچھ بڑھانے کی ضرورت تھی وہاں مضمون اضافہ کردہ کو مترجم اُردو نے اپنی طرف منسوب کرکے داخل کتاب کردیا ہے گو اس ترجمہ میں

مسائل کے منقح اور صاف کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا گیا۔ تاہم بوجہ اختصار اکثر مسائل کی تنقیح و تشریح کما حقہ نہ تھی نیز بعض مسائل غیر مفتی بہ مندرج تھے اور کہیں کہیں پر صرف ائمہ کا اختلاف ذکر کر کے چھوڑ دیا گیا تھا کسی ایک قول کی ترجیح اور وجہ ترجیح بیان نہ کی تھی نظر برایں وہ ترجمہ اردو محتاج وضاحت تھا۔ چنانچہ باصرار محترمی ملک سراج الدین صاحب تاجر کتب کشمیری بازار لاہور میں نے اپنے ذمہ لیا اور جہاں جہاں پر ضرورت دیکھی مسائل کو ادلہ نقلیہ و عقلیہ کے ساتھ حاشیہ پر منقح و مدلل کر دیا۔ اور وضوح مسائل کے خیال سے بعض مثالیں بھی لکھدیں حتی الوسع مختلفہ مسائل میں ترجیح اور وجہ ترجیح بیان کر دی اور جو مسائل مفتی بہ تھے اس کی تصریح کر دی ضمناً تبعاً بہت سے مسائل جزئیہ بھی اضافہ کر دیئے جس کیوجہ سے گویا مسائل کی ایک مستقل کتاب حاشیہ پر چڑھ گئی خدا کی ذات سے امید ہے کہ اب ہر اردو دان اس کے مسائل بخوبی سمجھ لیگا۔ خدائے پاک کی درگاہ میں دعا ہے۔ کہ وہ اس کو قبول فرما کر میرے اور محرک اور طابع اور مصحح اور کاتب سب کے لئے باقیات صالحات سے کرے آمین ثم آمین۔ واٰخر دعوانا ودعوٰے جمیع المسلمین ان الحمد للہ رب العالمین ہ

فہرست مضامین احسن المسائل

جلد اول

تمام شد فہرست احسن المسائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب[1] الطہارت

اس کتاب میں پاک ہونے کے مسائل ہیں **فصل**[2] وضو کے بیان میں جاننا چاہیے۔ کہ وضو نماز کے درست ہونے کی شرط[3] ہے یعنی جبتک وضو نہ ہو گا۔ نماز جائز نہ ہو گی اور نماز اسلام کے پانچ[4] رکنوں میں سے ایک رکن ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔ اس لئے وضو کا جاننا ضروری ہوا۔

[5] وضو کے فرض یعنی ایسی چیزیں جن کے نہ ہونے سے وضو درست نہیں ہوتا۔ یہ ہیں اوّل[1] نمازی کو اپنا منہ ایک بار دھونا یعنی پیشانی کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک طول میں دونوں کانوں کی لو تک عرض میں دوم[2] دونوں ہاتھوں کا دونوں کہنیوں کے ساتھ ایک دفعہ دھونا سوم[3] دونوں پاؤں دونوں ٹخنوں تک ایک مرتبہ دھونا چہارم[4] چوتھائی سر اور داڑھی پر مسح کرنا یعنی بھیگا ہاتھ پھیرنا۔

تنبیہ سر کے مسح میں مقدار فرض امام مالکؒ کے نزدیک تمام سر ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسح کا لفظ جسپر بول سکیں گو وہی بال سر کے ہوں مقدار فرض ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ نعمان کوفی رح کے نزدیک مقدار فرض چوتھائی سر ہے اس لئے کہ حدیث صحیح[6] میں وارد ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشانی کے بالوں اور سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا اور یہ مقدار چوتھائی سر کے قریب ہے۔ اور اگر اس سے کمتر درست

ف۱ اصل میں کتاب کا اطلاق مکتوب پر ہوتا ہے مگر اصطلاح میں کچھ حصۂ مسائل کو کہتے ہیں جسکے مستقل ہونیکا اعتبار کیا گیا ہو ۱۲
ف۲ فصل متن میں نہ تھی شارح نے مطلب کی آسانی کیلئے زیادہ کر دی ہے ۱۲ ف۳ شرط خارجی فرض کو کہتے ہیں لہذا وضو نماز سے خارج اور نماز کے لئے فرض ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ف۴ پانچ رکن یہ ہیں اول ادا کرنا کلمہ طیبہ کا یعنی خدا کو ایک اور محمدؐ کو اس کا رسول کہنا دوسرے نماز تیسرے روزہ چوتھے زکوٰۃ پانچویں حج ۱۲ ف۶ مغیرہ بن شعبہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قوم کے گھوڑے پر تشریف لائے یعنی اس قوم کا کوڑا وہاں پڑا تھا۔ پس حضور نے استنجا کیا اور وضو کیا۔ اور مسح کیا سر کے اگلے حصے کا اور موزے کا۔ ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

ہوتا۔ تو آپ اپنی امت کے واسطے کبھی تو دو ایک دفعہ کرتے حالانکہ کمتر پر مسح ثابت نہیں ہوا۔ اور داڑھی کے مسح کو سر کے مسح پر قیاس کیا ہے۔ فائدہ شریعت میں فرض ایسے حکم کو کہتے ہیں جو ایسے یقین سے ثابت ہو کہ اس میں شبہ نہ ہو ایسے فرض کا چھوڑنے والا فاسق ہوتا ہے۔ اور انکار کرنے والا کافر۔ اور کبھی فرض ایسی بات کو کہتے ہیں جس کے بدون عمل درست نہو اس طرح کا فرض عمل کے رکن کی مانند ہوتا ہے۔ اور سنتیں وضو میں۔ یہ چیزیں ہیں اوّل یہ معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ سنت دین اسلام کے جس طریق جاری کو کہتے ہیں جس کا حکم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بدون واجب کرنے کے یا آپنے عمل کیا ہو مگر ہمیشہ نہ کیا ہو۔ پس اس طرح کی چیزوں میں سے وضو میں اول دونوں ہاتھوں کا پہنچوں تک ابتداء وضو میں دھونا ہے۔ جیسے کہ وضو کے شروع میں بسم اللہ کہنا بھی سنت[1] ہے یہ دو سنتیں ہوئیں تیسرے مسواک کرنا چوتھے کلی کرنا پانچویں ناک میں پانی دینا[2] چھٹے ڈاڑھی اور انگلیوں میں خلال کرنا۔ ساتویں ہر عضو کا تین بار دھونا۔ آٹھویں وضو کا دل سے ارادہ کرنا نویں سارے سر پر ایک دفعہ مسح کرنا۔ دسویں دونوں کانوں کا مسح کرنا سر کے مسح کے بچے ہوئے پانی سے۔ گیارہویں اس ترتیب[3] کی رعایت رکھنی جو قرآن مجید میں مذکور ہے بارھویں اعضا کا لگاتار دھونا۔ فائدہ دل سے ارادہ کرنا اور ترتیب وار۔ اور پے در پے دھونا امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ نعمانؒ کے نزدیک سنت ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے۔ کہ وضو کی آیت میں سوائے تین اعضا کے دھونے کے اور سر کے مسح کرنے کے اور کوئی بات مذکور نہیں اور کلام مجید پر آحاد حدیثوں سے کچھ بڑھا لینا درست نہیں۔ اور یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ یہاں مراد عملوں کا ثواب ہے۔ نہ ان کی درستی اور اگر درستی اعمال ہی مراد ہوتی ہو تو چاہیئے تھا۔ کہ بدن اور کپڑے اور مکان کو پاک کرنا اور برہنگی کو چھپانا اور قبلہ کیطرف منہ کرنا بدون نیت کے درست نہوتا حالانکہ یہ چیزیں بدون نیت کے درست ہیں اور یہ بات ٹھہری ہوئی ہے کہ عمل کا ثواب بدون نیت کے حاصل نہوتا بخلاف عمل کی صحت کے کہ وہ بدون نیت بھی ہو جاتی ہے اور حرف ف کہ فَاغْسِلُوا میں ہے وہ اسواسطے ہے کہ نماز

---

[1] ہدایہ میں لکھا ہے کہ وضو کے شروع میں بسم اللہ کہنا مستحب ہے۔ اور اس قول کو اصح بتلایا ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

[2] تین بار کلی کرنا کہ ہر بار نیا پانی لیا جاوے اور ایسے ہی تین بار ناک میں پانی ڈالنا کہ ہر بار نیا پانی ہو یہ سنت ہے ۱۲

[3] یعنی پہلے منہ پھر ہاتھ پھر مسح سر پھر پیر دھوئے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔ + + + + +

پر کھڑے ہونے کے ارادے سے پیچھے سب اعضاء کو دھونا چاہیئے اُس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بعض اعضاء کو پہلے اور بعض کو پیچھے دھوویں اسی طرح لگاتار دھونا بھی آیت سے نہیں نکلتا ایک زائد بات ہے اور نہ متواتر اور مشہور حدیثوں سے ثابت ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل فرمانا اُس کے مسنون ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور وضو کے مستحب یہ ہیں کہ اعضاء کے دھونے میں داہنے سے شروع کرنا اور گردن[١] کا مسح کرنا اور مستحب اُس فعل کو کہتے ہیں جسکو آں حضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے اپنی عادت شریف کے طور پر کیا[٢] ہو اور وضو کو توڑتا ہے کسی ناپاک چیز کا مصلی کے بدن سے نکلنا جاننا چاہیئے کہ جو چیز بدن سے نکلتی ہے۔ اُس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ مقام پاخانہ یا پیشاب سے نکلے وہ تو بلا خوف تھوڑی ہو یا بہت وضو کو توڑتی ہے۔ دوسرے وہ کہ دونوں مقاموں کے سوا کسی اور جگہ سے نکلے جیسے قے اور خون اور پیپ۔ قے میں بہت[٣] ہونا شرط ہے اور خون اور پیپ میں زخم کے مُنھ سے بہ جانا شرط ہے۔ اس دوسری قسم میں امام شافعی کا خلاف ہے اور دلیل امام اعظم رحمہ اللہ کی یہ ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو کوئی نماز کو پورا کرکے[٤] لے اور منھ بھر قے کا ہونا بھی وضو کو توڑتا ہے اگرچہ پت ہو یا جما ہوا خون یا کھانا یا پانی۔ لیکن اگر بلغم یا خون ایسا ہے جس پر تھوک غالب ہو تو وہ وضو کو نہ توڑیگا یعنی اگر تھوک ملنے سے خون زردی مائل ہوگا تو وضو نہ توڑے گا اور اگر سُرخ رہیگا تو توڑے گا۔ کیونکہ خون غالب ہے۔ اور جی کا متلانا جو قے کا سبب ہوتا ہے۔ کئی بار کی قے کو جمع کر دیتا ہے یعنی اگر قے تھوڑی تھوڑی چند بار ہووے تو دیکھنا چاہیئے کہ اگر متلانا ایک ہی دفعہ ہو تو سب جدا جدا قے کو ایک جاننا چاہیئے۔ ورنہ جُدا جُدا اور ہر قے میں وضو توڑنے کے لئے بھر منھ ہونا شرط ہے اور لیٹے ہوئے سونا اور دونوں سُرین زمین پر ٹکا کر اور پأوں داہنی طرف کو نکال کر سونا بھی وضو کو توڑتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کھڑا ہو یا رکوع میں سووے گا تو وضو نہ ٹوٹے گا۔ اور بے ہوشی اور دیوانہ پن اور مست ہونا۔ وضو کو ہر حال میں توڑتا ہے مخصوص پالتی مارنے والے اور لیٹنے والے سے نہیں اور بالغ نمازی کا

---

١ گردن کا مسح نئے پانی سے ہو یعنی سر کے مسح سے بچا ہوا نہ ہو ١٢ ٢ یا اس کے کرنے کی رغبت فرمائی ہو ١٢ ٣ بہت کی ادنیٰ مقدار یہ ہے کہ منھ بھر کر ہو جیسا کہ مصنف نے آگے بیان کیا ہے ٤ یہ جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ نئے سرے سے پڑھے ١٢ مفتی محمد حبیب علی ملیح آبادی

آواز[۱] سے ہنسنا اگرچہ سلام پھیرنے کے وقت ہو وضو کو توڑتا ہے۔ واضح ہو کہ آواز سے ہنسنے کے باعث وضو کا جاتا رہنا مشروط ہے اس بات پر کہ نمازی بالغ ہو نہ لڑکا اور نماز بھی رکوع اور سجدہ والی ہو۔ جنازہ کی نماز نہ ہو اسواسطے کہ وضو کا ٹوٹنا کھلکھلانے سے ظاہر قیاس کے خلاف ہے تو جس جگہ نص میں آیا ہے اُسی پر موقوف رکھیں گے اس کے سوا میں اُس کا حکم نہ لیں گے اور روایت حدیث میں یوں وارد ہے کہ ایک اندھا شخص نماز جماعت کی صف کے سامنے گر پڑا لوگ اُسپر آواز سے ہنسے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی آواز سے ہنسا ہو چاہیئے کہ وضو اور نماز کو پھر سے ادا کرے۔ اور مباشرت فاحشہ بھی وضو کو توڑتی ہے یعنی مرد عورت بدون آڑ اور حجاب کے ایسی طرح ملیں کہ ایک کی شرمگاہ دوسرے کی شرمگاہ سے ملجاوے اور زخم میں سے کیڑے نکلنا وضو کو نہیں توڑتا۔ اور نہ ذکر کو اور عورت کو ہاتھ لگانا اس لئے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا۔ تو آپنے فرمایا کہ ذکر تجھ میں سے ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ یعنی جیسے اور بدن کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں جاتا ایسے ہی ذکر کے چھونے سے نہیں جاتا اور نیز ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج طاہرات کا وضو میں بوسہ لیتے تھے اور وضو نماز کے لیئے دوبارہ نہ کرتے تھے۔ اس مسئلہ میں امام شافعی رح کا خلاف[۲] ہے

فصل[۳] غسل کے بیان میں۔ غسل میں فرض منھ کا دھونا اندر سے اور ناک[۴] میں پانی ڈالنا اور تمام بدن کا دھونا ہے اور بدن کو ملنا اور جس کے ختنہ نہ ہوئی ہو اسکو اپنے زائد چمڑے میں پانی کا ڈالنا فرض نہیں اور غسل میں سنت یہ ہے کہ اول اپنے دونوں ہاتھ تین بار دھووے پھر اپنی شرمگاہ کو اور نجاست ظاہری کو دھووے پھر وضو کرے اور پاؤں کے دھونے کو بعد پر رکھے پھر اپنے تمام بدن پر تین بار پانی کا ڈالنا فرض نہیں اور غسل میں سنت یہ ہے کہ اول اپنے دونوں ہاتھ تین بار دھووے پھر اپنی شرمگاہ کو اور نجاست ظاہری کو دھووے پھر وضو کرے اور پاؤں کے دھونیکو بعد پر رکھے پھر اپنے تمام بدن پر تین بار پانی بہاوے جاننا چاہیئے کہ اگر غسل تختہ خواہ پتھر

فصل غسل کے بیان میں۔

۱ ہنسی تین قسم کی ہوتی ہے اول قہقہہ دوسرے ضحک تیسرے تبسم۔ قہقہہ کی ادنی مقدار یہ ہے کہ پڑوس والے لوگ سنیں قہقہہ نماز میں وضو اور نماز دونوں کو توڑ دیگا۔ اور ضحک یہ ہے کہ خود سنے نماز میں ضحک نماز کو توڑ دیگا وضو کو نہ توڑیگا۔ اور تبسم مسکرانے کو کہتے ہیں اس سے نہ نماز جائیگی نہ وضو ۲ یعنی امام شافعی رح کے نزدیک عورت اور عضو تناسل کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ۱۲ ۳ یہ فصل اصل کتاب میں نہیں ہے شارح نے تسہیل کیلئے زیادہ کردی ہے ۱۲ ۴ غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ہمارے نزدیک فرض ہے۔ اور امام شافعی رح کے نزدیک سنت ہے۔ دلیل انکی وہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس چیزیں سنت سے ہیں۔ اور ان دس میں سے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو شمار کیا اسی واسطے ہم [illegible] وہ حدیث ہے۔ فرمایا حضور نے کہ یہ دونوں وضو میں سنت اور غسل میں فرض ہیں۔ اور پہلی حدیث محمول ہے وضو پر ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

پر کرے تو ضرور نہین کہ پانوں کا دھونا پیچھے پر رکھے اسواسطے کہ پانوں پھر خراب نہو نگے اور ان کا سب کے بعد دھونا اسی مصلحت کے لئے ہے۔ اور عورت کے بالون کی جڑ اگر تر ہو جاوے تو گُندھے ہوئے بالون کا کھولنا ضرور نہیں۔ اور غسل فرض ہے اس منی کے نکلنے پر جو کود کر نکلے اور اپنی جگہ سے جُدا ہونے کے وقت لذت کے ساتھ جدا ہو۔ یعنی لذت اور شہوت اپنی جگہ سے جدا ہونیکے وقت شرط ہے نہ ذکر[1] سے باہر نکلنے کے وقت اور نیز غسل فرض ہے جبکہ ذکر کا سر پیشاب گاہ یا مقام پاخانہ میں غائب[2] ہو جاوے اور اس صورت میں فاعل اور مفعول دونوں پر واجب ہے واضح ہو کہ ذکر کا داخل کرنا مقام پاخانہ مرد و عورت میں حرام و ناجائز ہے لیکن اگر اس امر ناشائستہ کے مرتکب ہو جاویں تو غسل دونوں پر واجب ہوتا ہے اور فرض ہے حیض کے موقوف ہونے پر جو خون معمولی عورت کا ہوتا ہے۔ اور نفاس کے بند ہونے پر جو بچہ ہونے کے بعد خون ظاہر ہوتا ہے اور واجب نہیں مذی کے نکلنے کے وقت جو پتلا پانی ہوتا ہے اور عورت کے چھیڑنے کے وقت ذکر سے تیزی کے بعد نکلتا ہے اور نہ ودی کے نکلنے کے وقت جو پیشاب کرنے کے بعد گاڑھا پیشاب نکلتا ہے۔ اور نہ خواب میں صحبت کرنے سے بدون تری نکلنے کے اور غسل کرنا جمعہ اور دونوں عیدون کے لئے اور احرام باندھنے کے واسطے اور عرفہ کے روز سنت ہے اور واجب ہے غسل دینا مردے کو اور اُس شخص کو جو حالت ناپاکی میں مسلمان ہوا ہو اور اگر ناپاک نہ تھا تو صرف مسلمان ہونے کے لئے غسل مستحب ہے جاننا چاہیے کہ شریعت میں واجب ایسا حکم ہے جو ثابت ہوا ہو کسی ایسی دلیل سے جسمیں شبہہ ہو۔ اُس کے ترک کرنیوالے کو فاسق[3] شمار کرتے ہیں اور اس کے منکر کو کافر نہیں جانتے

پانی کے مسئلے۔ مینھ کے پانی اور چشمہ اور دریا کے پانی سے وضو کیا جاوے۔ اگرچہ کوئی پاک چیز اس کی تین صفتوں میں سے جو رنگ ... اور بو اور مزہ ہیں ایک کو بدل دے۔ خواہ بہت دنوں رہنے کے باعث بدبودار ہو جاوے۔ مگر جو پانی کہ پتوں کے گرنے سے بدل گیا ہو یا اس میں کوئی چیز پکانے سے متغیر ہوا ہو یا کسی درخت

[1] یعنی اگر کسی کے لذت و شہوت کے ساتھ منی اپنی جگہ سے جدا ہوئی اور اُس نے عضو تناسل کا منھ پکڑ لیا یہاں تک کہ جب شہوت ٹھنڈی ہو گئی تب چھوڑا اور منی نکلی تو غسل واجب ہوگا ۱۲ [2] بوجہ حدیث کے کہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب دونوں ختنے ملجاویں اور سر ذکر غائب ہو جاوے تو غسل واجب ہوگا۔ انزال ہوا ہو۔ یا نہ ہُوا ہو ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ [3] بشرطیکہ بغیر کسی تاویل اور شبہے کے ترک کرے ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی ۱۲ ۱۲ ۱۲

خواہ میوے سے نکالا گیا ہو جیسے گنے کا رس اور تربوز کا پانی یا دوسری چیز کے اجزا پانی پر
غالب ہو جاویں جیسے ستو تو ایسے پانی سے وضو نہیں ہوگا اور نہ اس ٹھیرے ہوئے
پانی سے جسمیں ناپاکی ہو اور دہ دردہ اور دہ دردہ ہونے کی صورت میں وہ پانی
ایسا ہے جیسا بہتا پانی اور بہتے پانی کی تعریف یہ ہے کہ تنکا بہا لیجاوے واضح ہو کہ اصل اس
مسئلہ کی یہ ہے کہ بڑے حوض اور بڑے چشمے سب کے نزدیک پاک ہیں اور سلف کے اماموں
نے ان کے طول وعرض میں سے ہر ایک کے مقدار کو دس گز اور گہراؤ کو اس قدر کہ چلو بھرنے سے
زمین نہ کھل جاوے ٹھیرایا ہے یعنی چاروں طرف اس کے کپڑے کے گز سے جو چھ مٹھی یا چوبیس
انگل کا ہوتا ہے دس گز ہو اور بعضوں نے عقاہی گز کو اختیار کیا ہے جو سات مٹھی اور ایک
کھڑی انگلی کا ہوتا ہے پس جس صورت میں کہ پانی کا طول زیادہ ہو اور عرض کم یا گہرا بہت
ہو اور چوڑا کم مگر پیمایش کے حساب سے اگر ضرب کیا جاوے تو مکسر دہ دردہ ہو جاتا ہے۔ تو
بعض روایات میں ایسے پانی پر دہ دردہ کا حکم لگایا ہے۔ اور مخفی نہ رہے کہ امام مالک رح
کے نزدیک پانی خواہ تھوڑا ہو یا بہت ناپاک نہیں ہوتا جب تک اثر رنگ اور بو اور
مزہ نجاست کا اس میں ظاہر نہ ہو۔ اور امام شافعی رح کے نزدیک پانی کا ناپاک
نہ ہو۔ اور امام شافعی رح کے نزدیک پانی کا ناپاک نہ ہونا قلتین کی مقدار پر مخصوص ہے۔
جو تخمیناً پانچ مشکیں متوسط ہوتی ہیں۔ اور امام اعظم رح نے دلیلوں کا خلاف ملاحظہ
فرما کر دہ دردہ اختیار کیا ہے جس میں سب مذہبوں سے زیادہ تر احتیاط ہے اور
حدیثوں اور آثار سب کی رو سے طاہر اور پاک ہے پس دہ دردہ پانی سے وضو کیا
جاوے بشرطیکہ ناپاکی کا اثر یعنی مزہ اور رنگ اور بو اس میں معلوم نہ ہو۔ اور پانی
میں اگر ایسا جانور مر جاوے جسمیں خون جاری نہ ہو جیسے مچھر اور مکھی اور بر اور بچھو[1]
مچھلی اور مینڈک اور کیکڑا تو پانی کو ناپاک نہیں کرتا۔ اور جو پانی کہ ثواب کیلئے
استعمال کیا گیا ہو۔ مثلاً اس سے وضو پر وضو کیا ہو یا حکمی ناپاکی کے دور کرنے میں
خرچ کیا ہو۔ مثلاً وضو ہو جانے پر اس سے وضو کیا ہو۔ اور یہ پانی کسی جگہ میں مثلاً زمین پر یا کسی برتن میں

۱ے مچھر و مکھی و بھڑ و بچھو اگر پانی میں مر جانے سے امام شافعی رح کے نزدیک پانی نجس ہو جاتا ہے کیونکہ کسی چیز کا حرام ہونا جبکہ کرامت کی
وجہ سے ہو جیسا کہ آدمی میں ہے۔ تو اُنکے نزدیک یہ اُس کے نجس ہونے کی دلیل ہے لہذا مکھی وغیرہ کی حرمت جبکہ کرامت کیوجہ سے نہیں ہے
تو اس کا نجس ہونا ثابت ہوا پس ان چیزوں کے مرنے سے پانی نجس ہو جائیگا۔ اور امام ابو حنیفہ رح کیطرف سے یہ جواب ہے کہ ان چیزوں میں بہنے
والا خون نہیں ہوتا ہے پس ان کے مرنے سے پانی نجس نہ ہوگا اور کسی چیز کا حرام ہونا اس کے نجس ہونیکی دلیل نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ مٹی
حرمت اس کی کرامت کی وجہ سے نہیں ہے۔ اور نجس بھی نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

بھٹر جاوے گو وہ خود پاک ہے مگر پاک کرنیوالا نہیں یعنے بدن یا کپڑا ایسے پانی مستعمل میں بھر جاوے تو اُس کا دھونا ضرور نہیں الّا دوبارہ اس سے وضو کرنا درست نہیں اس لیئے کہ وہ پاک کرنیوالا نہیں لیکن اگر اس مستعمل پانی سے حقیقی نجاست کو دھو ڈالیں تو پاک ہوجاوے گی۔ کیونکہ نجاست[1] حقیقی کے دور کرنے میں بھی شرط ہے کہ بہنے والی چیز اور پاک نجاست کو دور کرنے والی ہو اور سب باتیں مستعمل پانی میں موجود ہیں گو کہ اس سے نجاست حکمی پاک نہیں ہوتی اور کنوئیں کے مسئلے میں تین مذہب ہیں۔ ح ح طا جیم علامت نجاست کی ہے اور حا علامت بحال خود رہنے کی اور طا کی علامت طہارت کی اختصار کے لئے حرف کو رکھ لیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی مرد ناپاک جو اپنے بدن نجاست[2] حقیقی نہ رکھتا ہو کنوئیں میں گر جاوے یا ڈول نکالنے کو اس میں غوطہ مارے تو امام اعظم کے نزدیک کنواں بحال خود پاک ہے۔ اور آدمی بدستور ناپاک۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک کنواں اور آدمی دونوں پاک ہیں اور چمڑا کہ دباغت دیا جاوے وہ پاک ہوجاتا[3] ہے مگر سور اور آدمی کا چمڑا پاک نہیں ہوتا۔ دباغت یہ ہے کہ چمڑے کی رطوبت اور بدبو اور اس کا سڑ جانا دوا سے خواہ مٹی ملنے سے خواہ آفتاب میں سوکھانے سے دور کردیا جاوے اور معلوم رہے کہ یہ حکم مرے ہوئے جانور کے چمڑے کا ہے ورنہ ذبح کئے ہوئے جانور کا چمڑا بدون دباغت کے بھی پاک ہے اور آدمی جانور کے بال اور ہڈیاں پاک[4] ہیں اس لئے کہ ان میں جان نہیں کیونکہ ان کو بذات خود درد معلوم نہیں ہوتا۔ تو مر جانا باعث نجاست نہیں ہونے کا۔ کنوئیں کے مسائل کنوئیں میں اگر ناپاکی گر پڑے تو اُس کا پانی کھینچا جاوے الّا اونٹ یا بکری کی مینگنیوں میں اختلاف ہے اور جو جانور کھائے جاتے ہیں ان کا پیشاب نجس ہے ہرگز پینا نہ چاہیئے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دوا کے واسطے اس کا پینا

لہ نجاست کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور حکمی نجاست حقیقی جیسے پاخانہ پیشاب منی وغیرہ اور نجاست حکمی جیسے حدث یعنی بیوضو ہونا اور جنابت یعنی بے غسل ہونا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۔ **کہ** یعنی اگر نجاست حقیقی ہوئی تو کنواں سب کے نزدیک ناپاک ہوجاویگا ۱۲ **سہ** اس میں پانی لیکر وضو کرنا اسپر نماز پڑھنا جائز ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔
کہ امام شافعی رح کا اسمیں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نجس ہے کیونکہ مردار کا جز ہے دلیل امام اعظم کی یہ ہے کہ اس میں موت حلول نہیں کرتی کیونکہ موت زوال حیات کو کہتے ہیں اور اسمیں حیات نہیں کیونکہ کاٹنے سے اُسے درد محسوس نہیں ہوتا ۱۲ مفتی

جائز ہے۔ امام اعظم رح کے نزدیک ناجائز ہے اور جو چیز باعث بے وضو ہو جانیگا نہ ہو وہ ناپاک نہیں یعنے تھوڑی سی قے یا خون اور پیپ کہ بہے نہوں۔ اگر پانی میں گر جاویں یا کپڑا اور بدن ان میں بھر جاوے تو ناپاک نہیں ہوتا اور چوہے مانند جانور کے مر جانے سے بیس ڈول بیچ کی[1] اس کے نکالنے چاہئیں اور چالیس[2] ڈول کبوتر کی برابر کے مرنے سے اور بکری جیسے جانور کے مرنے یا کسی جانور کے پھول جانے اور پھٹ جانے سے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا تمام پانی کو کھینچنا چاہیے۔ اور اگر تمام پانی کا نکالنا نہو سکے مثلاً کنواں چشمہ دار ہو کہ اس کا پانی ٹوٹتا نہ ہو تو دو سو ڈول نکالے جاویں اور اگر چوہا پھول جاوے یا پھٹ جاوے اور اس کے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو تو کنوئیں کو تین دن رات سے ناپاک کر دیتا ہے اگر پھولا نہو تو ایکدن رات سے مترجم کہتا ہے کہ فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے کہ جسوقت جانور کو کنوئیں میں دیکھیں اسوقت سے ناپاک متصور ہوگا خواہ پھولا ہو یا نہو اور پسینے کا حال مثل جھوٹے کے ہے۔ اور آدمی اور گھوڑے اور ان جانوروں کا جھوٹا جن کا گوشت کھایا جاتا ہے پاک ہے اور کتے اور سور اور درندہ چوپایوں کا جھوٹا مثلاً شیر اور چیتے اور بھیڑیئے کا جھوٹا ناپاک ہے۔ اور بلی[3] اور گلیوں میں پھرنیوالی مرغی کا اور درندہ پرندوں کا مثل باز اور جرہ کے اور گھر کے رہنے والے جانوروں کا جھوٹا مثل چوہے اور سانپ کے مکروہ ہے۔ کہ طہارت میں نقصان رکھتا ہے مگر نقصان بہت نہیں اور گدھے اور خچر کے جھوٹے کے پاک ہونے اور ناپاک ہونے میں شک ہے یعنی بعض دلیلیں اس کی پاکی کو چاہتی ہیں۔ اور بعض اسکی ناپاکی کو پس اس سے وضو کرکے تیمم بھی کرے اگر پاک پانی میسر نہو۔ اور وضو اور تیمم میں سے جس کو اول کرے درست ہے بخلاف اس پانی کے جس میں خرما تر کیے ہوں اس میں علماء کا اختلاف اسی صورت میں ہے کہ پانی پتلا اور بہتا ہوا ہو اور کھٹا اور نشہ آور اور گاڑھا نہ ہو۔ ورنہ سب کے نزدیک اس سے وضو کرنا جائز نہیں

باب تیمم کے بیان میں۔ جس صورت میں کہ نمازی پانی سے ایک میل دور ہو یا مرض یا

---

[1] یعنی اوسط درجہ کا ڈول نہ بہت بڑا نہ بہت چھوٹا ۱۲ [2] امام محمدؒ سے روایت ہے کہ دو سو ڈول سے لیکر تین سو ڈول تک نکالے جاویں لیکن ہدایہ میں اس قول کو اشبہ بالفقہ بتایا ہے کہ جو شخص جن کو پانی نکالنے میں اندازہ ہو۔ اس کنوئیں میں جتنے ڈول پانی ہونا تجویز کریں اتنے ڈول نکال دیئے جاویں بس کنواں پاک ہو جاویگا مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

[3] بلی کا جھوٹا مکروہ ہے لیکن اگر چوہا کھا کر فوراً ہی منھ ڈالدیا ہے تو نجس ہو جاویگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۱۲

سردی سے ضرر رکھتا ہو یا درندہ یا دشمن یا پیاس کا خوف ہو یا سامان پانی کا مثل ڈول اور رسی کے نہ رکھتا ہو۔ ایسی صورت میں تیمم کرے واضح ہو کہ میل کی مقدار چار ہزار گز ہے چوبیس انگل کے گز سے اور تیمم کی صورت یہ ہے کہ جنس زمین پر جو پاک ہو گو غبار نہ رکھتی ہو نیت تیمم کرکے دو ضرب لگاوے اول ضرب کے بعد اپنے تمام منہ پر ہاتھ پھیرے اور دوم ضرب کے بعد دونوں ہاتھوں پر کہنیوں[۱] تک ہاتھ پھیرے اگرچہ ناپاک ہو یا حیض والی عورت ہو لیکن انکو بھی دو ضرب چاہئیں اور اگر باوجود میسر ہونے جنس زمین کے غبار سے تیمم کرلے تب بھی درست ہے۔ اور بدون نیت کے تیمم جائز نہیں مخفی نہ رہے کہ جنس زمین ان چیزوں سے مراد ہے جو نہ جلیں نہ گلیں جیسے خاک اور ریت اور پتھر اور سرمہ اور چونا ان کے مثل ہیں۔ پس کافر کا تیمم کرنا بیکار نہ وضو کرنا اس لئے کہ تیمم میں نیت شرط ہے نہ وضو میں اور کافر اپنے کفر کی جہت سے نیت کا اہل نہیں۔ اور تیمم کو اسلام سے مرتد ہونا نہیں توڑتا اسواسطے کہ تیمم کیوقت ایسا نہ تھا کہ اس کی نیت درست تھی۔ بلکہ جو چیز وضو کو توڑتی ہے۔ اور نمازی کا قدرت پانا ایسے پانی پر جو اس کی حاجت ضروری سے بچ رہے ابتدا ر تیمم کرنے کو منع کرتا ہے اور پہلے اگر تیمم کیا ہو وہ اس قدرت سے جاتا رہتا ہے۔ اور جس شخص کو توقع پانی ملنے کی ہو وہ آخر وقت[۲] تک نماز نہ پڑھے اور تیمم کرنا وقت سے پہلے اور دو فرضوں کے لئے اور نماز جنازہ اور عیدین کے جاتے رہنے کے خوف سے درست ہے۔ اگرچہ تباہی کے طور پر ہو لیکن نماز تو وضو سے شروع کی تھی الآ نماز میں بے وضو ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ تیمم کرکے اسی نماز کو پورا کرلے اور جمعہ کے جاتے رہنے اور وقتی نماز کے جاتے رہنے کے خوف سے تیمم درست نہیں اس لئے کہ ان دونوں نمازوں کا بدلہ موجود ہے کہ جمعہ کا بدلہ ظہر ہے اور وقت کی نماز کا بدلہ اس کی قضا اور جنازہ اور عیدین کی نمازوں کا کچھ بدلہ نہیں فائدہ جاننا چاہیئے کہ امام شافعی رہ کے نزدیک تیمم طہارت ضروری ہے یعنی ضرورت کے واسطے مشروع ہوا ہے پس وقت سے پہلے اور دو فرضوں[۳] کے واسطے اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک تیمم وقت سے پہلے اور دو فرضوں

---

[۱] کیفیت اس کی یہ ہے کہ پہلے بائیں ہاتھ کی چھنگلیا اور پاس والی دو انگلیوں اور تھوڑی سی ہتھیلی سے داہنے ہاتھ کی پیٹھ کی انگلیوں کے سرے سے کہنیوں تک مسح کرے پھر داہنے ہاتھ کے پیٹ کو انگوٹھے اور کلمے والی انگلی اور باقی ہتھیلی سے مسح کرے کہنیوں سے انگلیوں کے سرے تک اور اسی طرح داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کا مسح کرے ۱۲ [۲] مراد آخر وقت سے یہ ہے کہ وقت مکروہ نہ آجاوے۔ مثلاً عصر کی نماز اتنی آخر نہ کرے کہ دھوپ میں زردی آجاوے ۱۲ مفتی محمد وصی علی مسیح آبادی [۳] مثلاً ظہر اور عصر کے لئے ایک ہی تیمم کرلے ۱۲

باب دوم موزوں پر مسح کرنے کے بیان میں

کیواسطے جائز نہ ہوگا۔ اور امام اعظم رح کے نزدیک تیمم صرف طہارت ہے مگر اس میں پانی کا نہونا یا نہ ملنا شرط ہے۔ پس شرط کے موجود ہونے پر پانی اور مٹی پاک کرنے میں۔ ایک حکم رکھتی ہے خواہ وقت سے پہلے ہونا نہیں اور ارشاد آں حضرت صلعم کا کہ خاک مسلمان کی پاک کرنیوالی ہے اگرچہ دس برس تک استعمال کرے ظاہر میں تائید اُسی بات کو کرتی ہے جو امام اعظم رح فرماتے ہیں۔ اور اگر نمازی اپنے خیمہ میں پانی بھولجاوے اور اسی وجہ سے تیمم کر نماز ادا کرے اور نماز کے بعد یاد آوے کہ پانی تھا تو نماز کو دوبارہ نہ پڑھے اور پانی کو مقدار ایک تیر کی تلاش کرے اگر یہ گمان ہو کہ پانی نزدیک ہے ورنہ تلاش نہ کرے اگر رفیق کے پاس پانی ہو تو اس سے طلب کرے اگر وہ نہ دے تو تیمم کرے۔ اگر بدون دام واجبی کے نہ دے اور اس کے پاس دام ہوں تو تیمم نکرے ورنہ تیمم کرے یعنے اگر وہ دام زیادہ مانگے یا نمازی کے پاس واجبی دام نہوں تو تیمم جائز ہوگا۔ اور اگر نمازی کے اکثر اعضا جن کو دھونا چاہیئے زخمی ہو تو تیمم کرے اور اگر اکثر درست ہوں تو انکو دھووے اور دھونے اور تیمم میں جمع نکرے مثلاً اس طرح نہ کرے کہ منھ پر تیمم کرے اور ہاتھوں کو دھولے یا ہاتھوں پر تیمم کرلے اور منھ کو دھولے۔ **باب دوم موزوں پر مسح کرنے کے بیان میں**

مسح کرنا موزوں پر اگرچہ عورت ہو درست ہے[1] مگر ناپاک کیلیے درست نہیں۔ اور شرط مسح کرنے کی یہ ہے کہ دونوں موزوں کو ایسی طرح پہناوے کہ حدث کے وقت وضو کامل ہو گو موزہ پہننے کیوقت کامل نہو۔ مثلاً ایک شخص نے پاؤں دھوکر موزے پہنے بعد اسکے باقی وضو تمام کیا پھر بے وضو تمام کیا پھر بے وضو ہوا تو اس صورت میں یہ شخص بے وضو ہوتے وقت وضو کامل رکھتا اگرچہ موزہ پہننے کے وقت وضو ناقص تھا اب اسکو موزوں پر مسح کرنا درست ہے۔ اور مدت مسح کی مقیم کے واسطے ایک دن رات اور مسافر کے واسطے تین دن رات حدث کے شروع سے ہے اور صورت موزوں پر مسح کرنے کی یہ ہے کہ بھیگے ہوئے ہاتھ کی تین انگلیاں موزوں کے اوپر کی جانب پاؤں کی انگلیوں پر رکھ کر ایک بار پنڈلیوں تک کھینچ دے[2] اور بہت پھٹن مسح کی مانع ہے اور وہ بقدر پاؤں کے تین چھوٹی انگلیوں کے ہے اور اس سے کمتر پھٹن مانع نہیں اور اگر ایک موزہ میں کئی جگہ پھٹن ہو تو اسکو

---

[1] موزوں پر مسح درست ہے لیکن اگر کوئی شخص موزے کی مسح کو درست جانتا ہے مگر مسح نہیں کرتا پیر دھولیتا ہے تو ثواب ملیگا ۱۲

[2] بوجہ حدیث مغیرہ ابن ابی شعبہ رضی اللہ عنہ کے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھے دونوں ہاتھ اپنے موزوں پر اور کھینچا دونوں کو ایک بار مسح کر گئے اور گویا کہ اسوقت میں دیکھ رہا ہوں اثر مسح کا اوپر موزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تھا انکے انگلیوں سے کھینچے ہوئے خط ہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

ایک جا کیا جائیگا۔ یعنی اگر سب مل کر مقدار تین انگلیوں کے ہوجاویگی تو مسح کی مانع ہوگی اور اس سے کمتر مانع نہ ہوگی اور دونوں موزوں میں اگر تھوڑی تھوڑی پھٹن ہوگی۔ تو ایک جا نہ کیجاویگی۔ لیکن اگر نجاست دونوں موزوں میں تھوڑی تھوڑی ہو تو وہ جمع کیجاویگی یعنے اگر دونوں موزوں کی نجاست مقدار ایک درم کے ہوجاویگی۔ تو ان پر بدون پاک کئے مسح درست نہوگا۔ اسی طرح برہنگی کا حال ہے۔ اگر تھوڑی تھوڑی کئی جگہ سے کھلتی ہو تو اسکو جمع کرکے حساب کرنا چاہیئے۔ اگر چوتھائی عضو کی برابر ہو تو نماز جائز نہ ہوگی ورنہ نماز درست ہوگی اور جو چیز وضو کو توڑتی ہے وہ مسح کو توڑتی ہے۔ اور مسح کو موزہ کا نکالنا اور مدت مسح کا پورا ہوجانا بھی توڑتا ہے بشرطیکہ مدت پوری ہونے پر سردی کے باعث پاؤں کے جاتے رہنے کا خوف نہ ہو۔ اور اگر خوف ہوگا۔ تو مسح بحال خود رہیگا۔ اور موزے کو نکالنے اور مدت مسح پورا ہوجانے کے بعد صرف دونوں پاؤں دھو ڈالے یعنے اگر وضو اسوقت موجود ہو تو سارے وضو کا پھر سے کرنا ضرور نہیں اور بہت سے پاؤں کا موزے سے باہر چلے آنا بھی نکالنا ہے یعنے موزے کے نکلنے میں سارے پاؤں کا نکلنا معتبر نہیں۔ اگر اکثر حصہ نکل آوے گا۔ تب بھی مسح جاتا رہیگا۔ اور اگر کسی مقیم نے مسح کیا اور ہنوز ایک دن رات نہ ہوا تھا کہ وہ مسافر ہوگیا۔ تو اس صورت میں وہ تین دن رات نہ ہوا تھا۔ کہ وہ مسافر ہوگیا تو ایک دن رات پورا کرلے اور مسح کرنا موزے کے اوپر کے موزے پر اور چمڑے کی جرابوں پر جنمیں جوتے کی شکل کا چمڑا لگا ہو۔ یا ایسے سخت ہوں کہ بغیر باندھے پنڈلی پر ٹھیر جاویں تو درست ہے۔ اور مسح کرنا پگڑی اور ٹوپی اور برقع اور دستانوں پر درست نہیں[1] اور ٹوٹی ہڈی کی بندش پر اور زخم کی پٹی یا اسی طرح کی اور چیز پر مثل فصد کی پٹی کے مسح کرنا دھونے کے حکم میں ہے یعنے اس کے لیئے کوئی وقت معین نہیں اور غسل کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔ اس طرح کہ بعض اعضا کو دھو ڈالیں اور بعض پر مسح کریں اور یہ مسح پٹی کا درست ہے۔ اگرچہ پٹی کو بے وضو باندھا ہو۔ اور مسح تمام پٹی پر کرے خواہ اس کے نیچے زخم ہو یا نہ ہو۔ پس اگر پٹی یا پھاہا جس پہ مسح کیا تھا۔ بباعث زخم کے اچھے ہوجانے کے گر پڑے تو مسح باطل ہوجاوے گا[2] اور بدون اچھا ہوئے گرے تو مسح نہ جاوے گا۔ اور موزے کے مسح کرنے اور سر پر

۱۔ اس لئے کہ ان چیزوں کے اُتارنے میں کچھ حرج نہیں۔ اور رخصت حرج دور کرنے کی غرض سے ہتی ۱۲

۲۔ اور اس عضو کو دھونا پڑے گا۔ کیونکہ جس عذر کی وجہ سے مسح تھا وہ عذر باقی نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔

باب حیض کے بیان میں

مسح کرنے میں نیت کی احتیاج نہیں یعنے مسح تیمم کی طرح نہیں ہے۔ کہ بدون نیت
کے جائز نہووے۔ **باب حیض کے بیان میں** حیض اُس خون کو کہتے ہیں۔ جوایسی
عورت کے رحم میں سے جو مرض اور لڑکپن سے سلامت ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو خون
مرض سے یا لڑکپن میں نکلے گا۔ اس کو حیض نہ کہیں گے بلکہ اس کا نام استحاضہ ہے
اور مدت حیض کی کم سے کم تین دن[1] رات ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ دس دن رات[2] اور جو خون
تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ ہے وہ استحاضہ ہے۔ اور سفیدی خالص کے سوا جو رنگ
ہے وہ حیض ہے۔ اور حیض نماز اور روزہ کا مانع ہے مگر عورت روزہ کی قضا کرے نماز
کی قضا نکرے یعنے ان ایام کی نماز معاف ہے۔ اور اس حالت میں مسجد کے اندر
جانا اور خانہ کعبہ کے گرد پھرنا اور ناف سے لیکر عورت کے زانو تک مرد کو نزدیکی کرنا
اور قرآن مجید پڑھنا اور اس کو ہاتھ لگانا ممنوع ہے مگر غلاف کے ساتھ ہاتھ لگانا
منع نہیں ہے اور بے وضو ہونا بھی ہاتھ لگانے کا مانع ہے مگر قرآن پڑھنے کا مانع نہیں
اور ناپاکی اور نفاس دونوں کا مانع ہے یعنی ناپاکی اور حیض اور نفاس کی حالت میں
قرآن کا پڑھنا اور اس کو ہاتھ لگانا دونوں ممنوع اور بے وضو ہونے کی حالت میں
چھونا ممنوع ہے اور پڑھنا جائز ہے) اور عورت سے صحبت کیجاوے بدون غسل
کے جس صورت میں کہ خون حیض اکثر مدت یعنی دس روز پر منقطع ہوا ہو اور جس صورت
میں کہ کمتر مدت کے بعد یعنی تین روز سے لے کر نو روز تک کے پیچھے بند ہوا ہو تو صحبت
نہ کیجاوے یہاں تک کہ عورت غسل کرے یا خون بند ہونے پر کمتر وقت نماز کا گذر جاوے
یعنی اگر خون دس روز کے بعد بند ہوا ہے تو صحبت کرنی مرد کو درست ہے۔ اگرچہ
عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اگر خون دس روز سے کم مدت میں بند ہوا ہے تو صحبت کرنی جائز نہیں
جبتک کہ غسل نہ کرے یا اتنا وقت گذر جاوے کہ اسمیں نہانا اور نماز کی نیت ہو سکے اور پاک ہو جانا دو خون
کے درمیان خون کی مدت میں حیض اور نفاس ہی ہے۔ یعنی اگر عورت مدت حیض و نفاس
میں کچھ دنوں کو پاک ہو جاوے اور خون بند ہو جاوے تو اسکو حکم پاک ہونیکا نہوگا بلکہ وہی حیض
و نفاس ہوگا اور کمتر مدت پاک رہنے کی پندرہ دن ہیں اور زیادہ مدت کی کچھ انتہا نہیں مگر جس عورتیں

[1] امام شافعیؒ کا اسمیں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ مدت حیض کی کم سے کم ایکدن رات ہے ۱۲ [2] امام شافعیؒ کے نزدیک اکثر مدت حیض کی پندرہ دن ہیں۔ دلیل ہماری وہ حدیث ہے کہ جسکو علامہ زیلعی نے اخراج کیا ہے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ کم مدت حیض کی عورت کے لئے تین دن ہیں اور زیادہ مدت دس دن ہیں ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی ۱۲

کہ خون ہمیشہ جاری رہے اور اس عورت کی کوئی عادت مقرر ہوئے یعنی پاک رہنے کیلئے زیادہ مدت کی کچھ حد مقرر نہیں حتیٰ کہ بعض عورتیں برسوں تک پاک رہتی ہیں لیکن اگر کسی کو خون استحاضہ جاری ہو جاوے اور پاک رہنے کے لئے اس کی عادت کچھ مقرر تھی تو ایسی صورت میں اسکی عادت کی عدت رہنے کی مدت کہیں گے اور خون استحاضہ مانند دوام کی نکسیر کے ہے نماز اور روزہ اور صحبت کا مانع نہیں اور اگر خون اکثر مدت حیض و نفاس سے بڑھ جاوے تو جسقدر اس کی عادت قدیم سے بڑھیگا وہ استحاضہ[۱] ہوگا اور اگر عورت کو پہلے ہی پہل استحاضہ ہو جاوے تو اس کا حیض دس دن کا ہوگا۔ اور نفاس چالیس[۲] دن کا۔ اور جو عورت استحاضہ رکھتی ہو اور جس شخص کا پیشاب جاری یا پیٹ چلتا ہو یا ریح نکلتی رہتی ہو یا نکسیر بند نہوتی ہو یا زخم کا خون نہ تھمتا ہو ایسے شخص ہر ہر فرض کے وقت نیا وضو کریں اور اس وضو سے نماز فرض اور نفل ادا کریں اور یہ وضو صرف وقت کے نکلنے سے جاتا رہتا ہے یعنی دوسری نماز کے وقت آنے پر نہیں جاتا جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے اور نہ وضو کے بعد وہی عذر واقع ہونے سے جاوے) اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ ان عذر والوں پر کوئی فرض کا وقت ایسا نہ گزرے جس میں عذر مذکور ان کو نہ ہو۔ ورنہ معذور نہ کہلاوینگے اور ان کا وضو عذر مذکور سے جاتا رہیگا اور نفاس وہ خون ہے جو بچہ کے پیدا ہونے کے بعد آیا کرتا ہے اور جو خون کہ حاملہ عورت کو آتا ہے، وہ استحاضہ ہوتا ہے اور جو پیٹ گر پڑتا ہے۔ اگر اس میں بعض اعضا موجود ہوں تو اس کا حکم بچہ کا ہے اس کے بعد کا خون نفاس ہوگا۔ اور اگر محض گوشت کا لوتھڑا ہو تو بچہ نہیں اور نہ اس کے بعد کا خون نفاس ہے۔ اور کمتر مدت نفاس کی کچھ حد نہیں یہاں تک کہ بعض عورتوں کو ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوتا۔ اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس[۳] روز ہے اور چالیس[۴] سے بھی زیادہ بڑھ جاوے۔ تو جسقدر بڑھیگا۔ وہ استحاضہ ہوگا۔ اور جڑواں بچوں کے ہونیمیں مدت نفاس کی اوّل سے ہوتی ہے دوسرے بچے سے نہیں ہوتی۔

باب نجاستوں کے بیان میں

باب نجاستوں کے بیان میں۔ بدن اور کپڑا پانی سے اور ہر بہتی چیز نجاست کی دور کرنے والی سے پاک ہو جاتا ہے۔ مثلاً سرکے اور گلاب سے اگر دھو دیں تو پاک ہو جاتا ہے مگر تیل سے پاک نہیں ہوتا اور موزے پر اگر نجاست گاڑھی لگی ہو تو خاک پر رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے اور اگر گاڑھی نہو مثلاً

---

[۱] ۔ مثلاً کسی عورت کی عادت ہمیشہ سے آٹھ دن حیض آنے کی تھی۔ اور اسے گیارہ دن حیض آیا تو آٹھ دن حیض کے اور تین دن استحاضہ ہوگا۔ ایسے ہی اگر کسی عورت کی عادت مثلاً تیس روز نفاس آنے کی تھی۔ اور اب اکتالیس روز خون آیا تو تیس روز نفاس اور گیارہ روز استحاضہ سمجھا جاویگا ۱۲ [۲] اور عدت خیر بچہ سے ختم ہوتی ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

شراب یا پیشاب لگ جاوے۔ تو موزے کو دھونا چاہیئے۔ اور خشک مٹی رگڑنے سے پاک ہوتی ہے۔ اور اگر خشک نہو بلکہ تر ہو تو دھوئی جاوے۔ واضح ہو کہ امام شافعی رحؒ کے نزدیک منی پاک ہے دھونے اور رگڑنے کی حاجت نہیں رکھتی الا طبیعت کی لطافت کی جہت سے دھونا مضائقہ نہیں اور امام مالک رحؒ کے نزدیک ناپاک ہے بدون دھونیکے صرف رگڑنے سے پاک نہیں ہوتی اور امام اعظم رحؒ کے نزدیک بھی ناپاک ہے اگر تر ہو تو دھونا چاہیئے۔ اگر خشک ہو تو رگڑنے سے بھی پاک ہو جاتی ہے اور یہ مذہب سب مذہبوں سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ منی کا پاک ہونا ایسی صورت میں کہ غسل کا باعث ہے اور پیشاب گاہ سے نکلتی ہے آثار اور قیاس سے بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔ اور منی خشک کا رگڑنے سے پاک نہونا بھی خلاف احادیث صحیحہ کے ہے۔ جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہوئی ہیں چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں منی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کپڑے پر سے اگر تر ہوتی تھی تو دھو یا کرتی تھی اور خشک ہوتی تو رگڑ دیا کرتی تھی۔ اور آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ کو ایسا ہی ارشاد فرمایا تھا اور تلوار جیسی چیزیں مثلاً چھری اور خنجر اور آئینہ اسقدر پونچھنے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ کہ نجاست کا اثر دور ہو جائے اور زمین خشک ہونے اور نجاست کا اثر دور ہو جانے سے نماز کے لئے پاک ہو جاتی ہے مگر تیمم کے لئے پاک نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ تیمم میں زمین کا پاک ہونا۔ قرآن شریف سے ثابت نہیں اور ایک وجہ یہ ہے کہ خاک اپنی طبیعت سے پاک کرنے والی چیز نہیں تو ضرور ہوا کہ طہارت کی رعایت اس میں خوب طرح پر کرنی چاہیئے اور مقدار ایک درم کی اور مقدار چوڑائی ہتھیلی کی بڑی نجاست میں سے معاف ہے جیسے خون اور شراب اور مرغی کی بیٹ اور ایسے جانوروں کا پیشاب جو کھائے نہیں جاتے اور لید اور گوبر یعنے بڑی نجاست اگر جسم دار ہو تو وزن ایک درم کا ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے۔ معاف ہے۔ اور اگر پتلی ہو جیسے شراب اور پیشاب ہے۔ تو ہتھیلی کی چوڑائی کے برابر معاف ہے اور اگر ان دونوں مقداروں سے بڑھ کر ہو تو دھونا فرض ہے ورنہ مستحب) اور چوتھائی کپڑے سے کم بھرنا ہلکی نجاست میں مثلاً ایسے جانوروں کے

ف ۱۔ اس لئے کہ ان چیزوں کے اُتارنے میں کچھ حرج نہیں اور رخصت حرج دور کرنیکی غرض تھی ۱۲ ف ۲۔ اور اس عضو کو دھونا پڑیگا کیونکہ جس عذر کی وجہ سے مسح تھا وہ عذر باقی نہیں رہا ۱۲۔ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۱۲ ۱۲

پیشاب میں جو کھائے جاتے ہیں یا گھوڑے کے پیشاب میں اور ایسے پرندوں کی بیٹ میں جو
نہیں جلتے اور مچھلی[1] کے خون میں خچر اور گدھے کے لعاب[2] میں معاف ہے اور نیز آدمی کا پیشاب
کہ سوئی کے ناکے کے برابر چھینٹیں پڑ جاویں معاف ہے یعنے ہلکی نجاست میں اگر چوتھائی سے
کم کپڑا بھر جاوے معاف ہے اور جو چوتھائی بھرے تو دھونا چاہیئے مگر چوتھائی میں علماء کا اختلاف ہے
بعضے کہتے ہیں کہ چہارم اُسقدر کپڑے کا مراد ہے جس سے ستر عورت کم سے کم میں ہو جاوے
اور بعضے کہتے ہیں کہ جو کپڑا بھرا ہوا اسکی چوتھائی مراد ہے جیسے دامن اور آستین اور پردہ اور
پیچھا اور کلی کہ ہر ایک جدا کپڑا ہے جو ان میں بھرے اُسی کی چوتھائی لینی چاہیے اور بعضے چوتھائی
کو ایک بالشت چوڑا کہتے ہیں اور اس کو سب سے زیادہ مناسب جانتے ہیں اور جو نجاست
کہ سوجھتی ہے وہ اسقدر دھونے سے کہ اس کا جسم جاتا رہے پاک ہو جاتی ہے مگر جس کا اثر
دور ہونا مشکل ہو مثلاً رنگ اور بو نہ جا سکتی ہو تو وہ تین بار دھونے اور ہر دفعہ نچوڑنے سے
پاک ہو جاتی ہے اسی طرح وہ نجاست جو سوجھتی نہ ہو۔ اور جس چیز کا نچوڑنا ممکن نہو۔ مثلاً
بوریا اور بچھونا اور پتھر تو ایسی چیزیں تین بار دھو کر خشک کرنے سے پاک ہوتی ہیں یعنے
ہر دفعہ دھو کر اتنا چھوڑ دے کہ اس میں سے پانی ٹپکنا موقوف ہو جاوے اور مسنون ہے
بعد پاخانہ پھرنے کے استنجا کسی پاک کرنے والی چیز مثل پتھر اور اینٹ اور ڈھیلے وغیرہ کے
کرنا اور اس کے لئے کوئی شمار مسنون نہیں اور بعد استنجے کے اسجگہ کا دھونا مستحب ہے
جاننا چاہیئے کہ استنجے میں طاق عدد امام شافعی رح کے نزدیک مسنون ہے کہ تین یا پانچ یا سات
ڈھیلے ہوں اور امام اعظم رح کے نزدیک پاک ہونا ضروری ہے نہ شمار اور لفظ وتر کہ بعض حدیثوں
میں آیا ہے وہ ایک پر بھی بولا جاتا ہے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی ڈھیلے لے اس کو
چاہیئے کہ طاق لے جس نے یہ کیا اس نے اچھا کیا۔ اور جس نے نہ کیا تو اس پر کچھ حرج
نہیں یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔ کہ طاق شمار مسنون نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اور
مقام پاخانہ کا دھونا واجب ہے جس صورت میں کہ نجاست مقام پاخانہ سے بڑھ
جاوے اور بڑھنے میں وہی مقدار معتبر ہے جو پاکی کی مانع ہے یعنے مقدار ایک درم یا ہتھیلی کے
عرض کے برابر مقام پاخانہ سے زائد ہو جاوے اس لئے کہ اس مقام کا بھرنا معاف ہے اسلئے ڈھیلوں وغیرہ

[1] مچھلی خون کا خون کا جانور نہیں کیونکہ خون کا حیوان پانی میں زندہ نہیں رہتا مگر لال پانی جو اس میں ہے نکلتا باعتبار اسکو خون کہدیا ۱۲
[2] کیونکہ خچر اور گدھے کے لعاب کے نجس ہونے میں شک ہے اور طاہر چیز شک سے نجس نہ ہوگی ۱۲ مفتی محمد ولی علی پلیح آبادی ۱۲ -

اکتفا ممکن ہے مگر جب اس مقام سے زیادہ ایک درم کے برابر بھر جاوے تو دھونا واجب ہے۔
اور کمی کی صورت میں مستحب مگر ہڈی اور لید اور کھانیکی چیز سے استنجا ممنوع ہے اور داہنے ہاتھ سے
بھی بدون عذر کے نہ کرنا چاہیئے بلکہ مخصوص اس کام کے واسطے بایاں ہاتھ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتاب الصلوٰۃ

یعنے اسمیں نماز کا ذکر ہے۔ جاننا چاہیئے کہ بعد ادا کرنے کلمہ طیبہ کے سب سے بڑا اسلام کے حکموں میں اور سب سے زیادہ ضروری شرع کے احکام میں نماز ہے جس کے لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے حافظوا علی الصلوٰۃ اور فرمایا وأمر اهلك بالصلوٰة واصطبر عليها[1] اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص چھوڑ دے نماز کو جان بوجھ کر وہ کافر ہے[2] یہانتک کہ بعض علما نے نماز کے چھوڑنے والے کو مار ڈالنا جائز رکھا ہے باب[3] نماز کے وقتوں کے بیان میں۔ فجر کا وقت صبح صادق سے لیکر آفتاب کے نکلنے تک ہے اور ظہر کا وقت آفتاب کے ڈھلنے سے اسوقت تک ہے۔ کہ سایہ ہر چیز کا سوائے سایہ اصلی کے جو ٹھیک دوپہر کو ہوتا ہے۔ اسچیز سے دونا ہو جاوے جاننا چاہیئے کہ امام شافعی رح کے نزدیک ظہر کا وقت آفتاب کے ڈھلنے سے اُس وقت تک ہے۔ کہ سایہ ہر چیز کا سوائے سایہ اصلی کے جو ٹھیک دوپہر کو ہوتا ہے اُس چیز سے دونا ہو جاوے۔ جاننا چاہیئے۔ کہ امام شافعی رح کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل تک رہتا ہے۔ اور اکثر حدیثیں اسی کی تقویت کرتی ہیں اور امام اعظم رح کے نزدیک ایک روایت میں موافق امام شافعی رح کے ہے اور ظاہر روایت میں دو مثل تک ہے اسوجہ سے کہ حدیثوں میں حکم ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا ہے اور عرب کی زمین میں دو مثل سے پیشتر ٹھنڈا کرنا متصور نہیں تو جب شک واقع ہوا تو دوسرے وقت کا آجانا یقینا ثابت نہوا اور عصر کا وقت دو مثل سے لیکر آفتاب کے غروب تک ہے۔ اور مغرب کا وقت شفق کے ڈوبنے تک ہے۔ اور شفق وہ سپیدی ہے جو سُرخی کے بعد ہوتی ہے اور امام شافعی رح کے نزدیک شفق اُسی سُرخی کا نام ہے جو غروب کے بعد ہوتی ہے اور امام اعظم رح کی دلیل یہ ہے کہ حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ نماز عشا پڑھے ایسے وقت میں کہ آسمان کے کنارے سیاہ اور تاریک ہو جاویں اور یہ صورت شفق سفید کے جانے

پانچوں اوقات نماز کے بیان میں

[1] نگہبانی کرو نمازوں پر ۱۲ [2] اور حکم کر اپنے گھر والوں کو نماز کا اور صبر کر اسپر ۱۲ [3] حدیث میں کافر سے مراد کفران نعمت کرنیوالا ہے یا وہ شخص کہ جو بطریق انکار نماز کو چھوڑے کیونکہ نماز کی فرضیت کا منکر کافر ہے اور تارک نماز فاسق ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ [4] یمن میں نشان باب نہیں ۱۲

ترتیب ضروری ہے اگرچہ دونوں کا وقت ایک ہے۔ اور جس شخص کو عشا اور وتر کا وقت نہ ملے۔ یہ دونوں اس پر واجب نہیں ہوتے۔ مثلاً بعض زمین کے حصوں میں صبح صادق شفق کے غروب ہوتے ہی ہوجاتی ہے تو ایسی جگہ کے رہنے والوں پر عشا اور وتر واجب نہیں اور مستحب ہے نماز فجر کو اور گرمیوں کی ظہر کو دیر کرکے پڑھنا اور عصر کو دیر سے پڑھنا بشرطیکہ آفتاب کا رنگ زردی مائل نہو۔ اور عشا کو ایک تہائی رات تک تاخیر کرنا اور وتر کو آخر شب تک دیر کرنا ایسے شخص کے لئے جس کو اپنے جاگنے پر اعتماد ہو ف۱ فائدہ امام شافعی رح کے نزدیک سب نمازوں میں جلدی کرنی مستحب ہے۔ اور امام اعظم رح کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ کہ صبح کی نماز روشنی میں پڑھو۔ اور ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں اور جاڑوں کی ظہر کو اور مغرب کو اول وقت پڑھنا اور جن نمازوں کے شروع میں عین ہے یعنے عصر اور عشا کو ابر کے دن جلد ف۲ پڑھنا اور ابر کے دن میں ان دونوں کے سوا اور نمازوں کو دیر کرکے پڑھنا یعنے فجر اور ظہر اور مغرب کے لئے ابر و غبار میں تاخیر کرنی مستحب ہے۔ اور آفتاب کے نکلنے کے وقت اور ٹھیک دوپہر میں جب آفتاب سر پر ہو اور اس کے ڈوبنے کے وقت نماز اور سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ ممنوع ف۳ ہے مگر اسی روز کی عصر میں غروب کے وقت پڑھنی درست ہے اور بعد نماز فجر اور عصر کے نفل پڑھنے ممنوع ہیں مگر نماز قضا اور سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ ان دونوں وقتوں میں درست ہے اور سوائے دو رکعت سنت فجر کے صبح صادق ہوجانے پر نفل پڑھنا اور قبل نماز مغرب کے اور امام کے خطبہ پڑھنے کیحالت میں جمعے کے روز نفل پڑھنی ممنوع ہے اور شافعی رح کے نزدیک جمعے کی سنتیں خطبے کے وقت درست ہیں اور دلیل امام اعظم رح کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو اپنے ساتھی کو کہے کہ چپ رہ اور امام خطبہ پڑھ رہا ہے تو تو حرکت لغو کرتا ہے پس جس صورت میں کہ اچھی بات کے امر کرنے میں جو واجب ہے۔ آپ نے لغو کا حکم فرمایا تو نفل کے باب میں کیا تصور کرنا چاہیئے علاوہ اس کے نماز خطبہ سننے سے روکتی بھی ہے اور دو نمازوں کا ایک وقت میں اکٹھا پڑھنا عذر کے ساتھ ممنوع ہے یعنی بوجہ سفر اور مینھ کے دو نمازوں کو ایک ساتھ نہ پڑھے اور امام شافعی رح اور امام مالک رح کے نزدیک جمع کرنا درست ہے

ف۱ اور اگر جاگنے پر بھروسہ نہ ہو تو وتر سوتے وقت پڑھ لینا مستحب ہے ۱۲ ف۲ اس واسطے کہ عصر میں دیر کرنے سے اندیشہ ہے کہ وقت مکروہ میں نہ پہنچ جائے اور عشا کی نماز میں تاخیر کرنے سے بوجہ ابر کے جماعت کی کمی متصور ہے۔ لہذا ابر میں یہ دونوں نمازیں جلد پڑھی جاویں ۱۲ ف۳ عقبہ بن عامر کی حدیث ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین وقتوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا خواہ جنازہ کی نماز ہو۔ ایک تو طلوع آفتاب کے وقت یہاں تک کہ آفتاب بلند ہوجائے دوسرے زوال کے وقت یہاں تک کہ آفتاب زائل ہوچکے تیسرے غروب آفتاب کے وقت یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوچکے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

اس لئے کہ حدیث شریف میں دو نمازوں کا جمع کرنا وارد ہوا ہے۔ اور یہ دلیل امام اعظم رح کی یہ ہے۔ کہ ابن مسعودؓ فرماتے کہ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی نماز بجز اسکے وقت کے اور کسی وقت میں نہیں پڑھی مگر دو نمازیں جمع کی ہیں ظہر و عصر کو عرفات[۱] میں اور مغرب اور عشا کو مزدلفہ میں اور جو روایتیں کہ دو نمازوں کے جمع کرنے وارد ہوئی ہیں وہ اکٹھا پڑھنا ظاہر کی رو سے تھا نہ وقت کے اعتبار سے یعنی آپنے آخر وقت ظہر میں نماز ظہر پڑھی اور اول وقت عصر میں نماز عصر اور اسی طرح مغرب اور عشا میں کہ اول کو آخر وقت میں پڑھا اور دوم کو اول وقت میں تو ظاہر کی رو سے اکٹھی ہوگئیں اور حقیقت میں ہر ایک اپنے وقت میں ہوئی۔ وَاللهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

باب اذان کے بیان میں

اذان کہنا واسطے فرض نمازوں کے بدون دو بار کہنے شہادتین کے اور بدون راگ کی آواز کے سنت ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ترجیع مسنون ہے اور وہ اس طرح کہ اوّل شہادتین یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ دو بار آہستہ آہستہ کہکے پھر دو بار بلند آواز سے کہے اسواسطے کہ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابی محذورہؓ کو اسی طرح سکھلایا تھا اور امام اعظم رح کے نزدیک ترجیع سنت نہیں اسلیئے کہ عبد اللہؓ بن زید وغیرہ کی روایت میں ترجیع نہیں ہے اور ابی محذورہؓ سکھلانے کی وجہ یہ تھی کہ شروع اسلام میں انھوں نے شہادتین کے ظاہر کرنے سے شرم کر کے خود آہستہ ادا کیے تھے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ارشاد فرمایا کہ بلند آواز سے کہو پس اُن کا آہستہ کہنا اصل اذان میں داخل نہ تھا واللہ اعلم اور موذن صبح کی اذان میں حی علے الفلاح کے بعد اَلصَّلٰوةُ[۲] خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ دو بار زیادہ کرے اور تکبیر مثل اذان کے ہے اور اس کے حی علے الفلاح کے بعد قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ دو بار زیادہ کرے اور اذان کے کلمات کو جدا جدا کہے یعنے ہر کلمہ کے بعد کچھ وقفہ کرے اور تکبیر کے کلمات جلد جلد کہے بدون بیچ میں وقفہ کرنے کے اور دونوں میں قبلے کیطرف[۳]

---

[۱] حاجی لوگ جب حج کرنے جاتے ہیں تو نویں تاریخ عرفات میں ظہر و عصر دونوں نمازوں کو ظہر کے وقت میں پڑھتے ہیں اسی حدیث کی بنا پر اور ایسے ہی اُسی دن بعد غروب آفتاب کے عرفات سے روانہ ہو کر مزدلفہ آتے ہیں اور وہاں مغرب اور عشاء پڑھتے ہیں عشاء کے وقت میں عرفات اور مزدلفہ یہ دونوں مقام کے نام ہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [۲] حدیث شریف میں آیا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوتا پایا کہ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ یہ الفاظ کہے حضور نے فرمایا کہ یہ الفاظ کیسے اچھے ہیں اے بلالؓ اس کو اپنی اذان میں کر لو اور صبح کی اذان اسواسطے خاص کی گئی کہ وہ غفلت اور نیند کا وقت ہے ۱۲ [۳] یعنی نماز اچھی ہے نیند سے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [۳] اگر قبلہ کیطرف منہ نہ کیا تو بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ کیونکہ سنت کے خلاف کیا ۱۲

منھ رکھے اور اذان و تکبیر کے درمیان میں کلام نہ کرے اور جب حیَّ علَی الصَّلوٰۃ حیَّ علَی الفَلاح
کہے تو اپنا منھ داہنے اور بائیں پھیرلے اور اذان کے منارہ میں گھوم کر اذان کہے[۱] تاکہ اسکی
کھڑکیوں میں سے لوگوں کو آواز پہنچے اور اپنی انگلیاں کانوں میں رکھ لے تاکہ آواز خوب
اونچی نکلے اور تثویب کرے اور اذان اور تکبیر کے بیچ میں ٹھیر جاوے لیکن مغرب کی
اذان کے بعد نہ ٹھیرے تاکہ نماز مغرب کی تاخیر جو مکروہ ہے لازم نہ آوے واضح ہو۔ کہ
تثویب اسکو کہتے ہیں کہ اذان کے بعد لوگوں کی تاکید کے لئے دوسری آواز کہیں تاکہ
لوگ جلد چلے آویں جیسے الصَّلوٰۃ پکار کر کہا کرتے ہیں۔ اور درمختار میں تثویب صرف
اذان صبح میں لکھی ہے مگر عنایہ حاشیۂ ہدایہ میں مسطور ہے کہ تثویب سب نمازوں میں
مکروہ ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ سے مروی ہے کہ آپنے کسی موذن کو نماز عشاء میں تثویب
کہتے سنا تو فرمایا۔ کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکالدو اور اسی طرح مجاہد نے حضرت ابن عمر رضؓ
سے اس کا بدعت ہونا نقل کیا ہے۔ اور قضا نماز کے لئے اذان اور تکبیر[۲] دونوں کہے اور
اسی طرح بہت سی قضا نمازیں اگر ادا کرے تو سب سے پہلی کے لئے اذان اور تکبیر دونوں
کہے اور باقی نمازوں میں اذان کے لئے اس کو اختیار ہے یعنے چاہے اذان اور تکبیر
دونوں کہے چاہے صرف تکبیر پر بس کرے اور وقت سے پہلے اذان نہ دیجاوے اور
اگر ایسا ہو جاوے تو وقت پر دوبارہ کہی جاوے اور اس مسئلے میں امام شافعی رح کا
خلاف ہے اور امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ اذان اس لئے ہے کہ لوگوں کو وقت نماز ہو
جانے کی خبر ہو۔ اور وقت سے پہلے کہنے میں یہ مضمون نہیں رہتا اور مکروہ ہے۔ ناپاک
آدمی کا اذان اور تکبیر کہنا اور بے وضو کا تکبیر کہنا اور عورت[۳] اور بدکار شخص کا جو فسق
میں مشہور ہو۔ اور بیٹھے ہوئے مرد کا اور متوالے کا اذان کہنا مکروہ ہے۔ مگر غلام اور
لڑکے اور حرامزادے اور اندھے اور گنوار کا کہنا مکروہ نہیں اور مسافر کو اذان اور
تکبیر دونوں کا چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ اور جو شخص اپنے گھر میں شہر کے اندر نماز پڑھے اسکو
دونوں کا چھوڑ دینا مکروہ نہیں اور اذان اور تکبیر ان دونوں کیلئے مستحب ہیں عورتوں کیواسطے مستحب نہیں یعنی اگر

[۱] یہ گھوم کر اذان کہنا اسوقت ہے کہ منارہ وسیع ہو بغیر گھوم کر کہے ہوئے لوگوں تک آواز نہ پہونچیگی ورنہ نہ گھومے اپنے ٹھکانے پر قائم رہے۔ کیونکہ یہ سنت ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [۲] کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب تعریس کی صبح کو فجر کی قضا اذان اور تکبیر دونوں کے ساتھ پڑھی تھی یہ حدیث امام شافعی پر حجت ہے ان کا ایک قول ہے کہ صرف تکبیر پر اکتفا کرنا قضا نماز میں کافی ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔ [۳] یعنی عورت کی کہی ہوئی اذان کا اعادہ کرنا مستحب ہے ۱۲

عورتیں جماعت کی نماز پڑھیں اور اذان اور تکبیر نہ کہیں تو مکروہ نہیں۔ **باب نماز کے شرطوں کے بیان میں** جاننا چاہیئے کہ شرط اسکو کہتے ہیں جو کام سے خارج ہو اور وہ کام اسپر موقوف ہو اسطرح کہ جب تک شرط نہو لے وہ کام درست نہ ہو نماز کی شرطیں یہ ہیں کہ نمازی کے بدن کا نجاست حکمی[1] اور نجاست حقیقی[2] سے پاک ہونا اور کپڑے اور نماز کی جگہ کا ظاہر ہونا۔ اور برہنگی کا ڈھانکنا اور برہنگی مرد کے لئے ناف کے نیچے تک ہے اور آزاد عورت کے لئے سوائے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں اور دونوں پاؤں کے تمام بدن برہنگی ہے سب کا ڈھانکنا واجب ہے۔ اور نماز میں عورت کی پنڈلی کا کھلا رہنا مانع نماز کی درستی کا ہے۔ اسی طرح سر کے بال[3] اور پیٹ اور ران اور شرمگاہ کا حال ہے کہ اگر ان میں سے چوتھائی کسی کی کھلجاویگی نماز درست نہوگی اور لونڈی برہنگی کے ڈھانکنے میں مثل مرد کے ہے فرق اتنا ہے کہ لونڈی کا پیٹ اور پیٹھ بھی برہنگی میں داخل ہے مرد کا نہیں اور اگر نمازی کو ایسا کپڑا ملا۔ جس کا چوتھائی پاک ہے اور اس نے نماز ننگے بدن پڑھ لی تو نماز درست نہوگی اور اگر چوتھائی سے کم پاک ہے تو نمازی کو اختیار ہے چاہے ننگے بدن نماز پڑھے خواہ اس کپڑے کو پہن کر پڑھلے اور اگر کپڑا بالکل میسر نہو تو چاہیئے کہ نماز بیٹھ کر پڑھے اور رکوع اور سجدہ اشارہ سے ادا کرے اور بیٹھ کر اشارہ سے پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ کھڑے ہو کر مع رکوع اور سجدے کے پڑھے اور نماز کی شرط نیت ہے بے فصل یعنے نماز کے ساتھ ہی نیت کرنی چاہیئے اور نیت میں ضروری یہ ہے۔ کہ اپنے دل سے یہ بات جانے۔ کہ کونسی نماز پڑھتا ہے یعنے یہ لازم نہیں کہ زبان سے نیت کے الفاظ کہے اور سنتوں اور نفلوں اور تراویح کے لئے مطلق نماز کی نیت کافی ہے اور فرضوں کے لئے فرضوں کا معین کرنا مثلاً عصر کے فرض یا ظہر کے فرض کو دل میں جان لینا ضرور ہے اور مقتدی امام کے پیچھے پڑھنے کی بھی نیت کرے اور نماز جنازہ میں نماز کی نیت خدا کے واسطے اور دعا کی مردہ کیلئے کرے اور نماز کی شرط قبلہ کیطرف منہ کرنا ہے تو جو شخص مکہ کا رہنے والا ہو اسکو ٹھیک کعبہ عمارت کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور جو مکہ میں نہ رہتا ہو وہ اسکی طرف منہ کرلے یعنے اسکے لئے ضرور

---

[1] نجاست حکمی جیسے حدث و جنابت حدث بے وضو ہونا جنابت بے غسل ہونا [2] نجاست حقیقی جیسے پاخانہ اور پیشاب وغیرہ ۱۲ [3] مراد بالوں سے وہ بال ہیں جو سر سے لٹکے ہوئے ہوں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

باب نماز کی صفت کے بیان میں

کہ ایسی طرح کھڑا ہو کہ خاص عمارت کعبہ کی سمت میں اس کا منھ ہو بلکہ کعبہ کی سمت کو منھ کر لینا کافی ہے اور جو شخص دشمن یا درندہ کا خوف رکھتا ہو وہ جسطرف کو ہو سکے نماز پڑھ لے اور جس شخص کو قبلہ معلوم نہ ہو وہ اٹکل کر لے اور اسی طرف کو کھڑا ہو جاوے اور اگر اٹکل میں غلطی ہو جاوے تو نماز کو دوبارہ نہ پڑھے۔ اور اگر غلطی عین نماز میں معلوم ہو تو نماز ہی میں قبلہ کی طرف کو پھر جاوے اگرچہ چند مقتدیوں نے مختلف سمتیں قبلے کے لئے اٹکل کیں اور امام کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ اُس کا منھ کسطرف کو ہے تو ان کے لئے کافی ہے اور جس شخص کو حال اپنے امام کا معلوم ہو۔ اور اس کے خلاف منھ کئے ہو تو اس کی نماز درست نہ ہوگی۔ باب نماز کی صفت کے بیان میں یعنی خود نماز اور اس کے اندر کے احوال میں نماز کے فرض یہ ہیں اللہ اکبر کہہ کر نماز میں داخل ہونا۔ اور کھڑا ہونا۔ اور قرآن پڑھنا۔ اور رکوع کرنا۔ اور سجدہ کرنا۔ اور آخر کو التحیات پڑھنے کی قدر بیٹھنا۔ اور نماز میں سے اپنے فعل سے باہر آنا۔ اور نماز کے واجبات یہ ہیں سورہ الحمد کا پڑھنا۔ اور دوسری صورت خواہ ایک آیت لمبی یا تین چھوٹی آیتوں کا الحمد کے ساتھ ملانا اور پہلی دو رکعتوں قرآن پڑھنے کے لئے معین کرنا۔ اور جو فعل ایک رکعت میں مقرر ہیں ان میں ترتیب کا لحاظ رکھنا جیسے سجدہ ہے کہ اگر دوسرے سجدہ کو چھوڑ دیا۔ اور دوسری رکعت کے لئے اٹھ کھڑا ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ ناقص ہو جائیگی مگر ترتیب غیر مکرر افعال میں مثلاً رکوع اور قیام میں فرض ہے اس کے اس کے چھوڑنے سے نماز نہیں ہوتی اور ارکان کو درستی سے کرنا یعنی رکوع اور سجدے میں اچھی طرح ٹھیرنا اور پہلی دفعہ بیٹھنا اور التحیات پڑھنا اور لفظ السلام علیکم ورحمتہ اللہ آخر نماز میں کہنا اور دعا قنوت نماز وتر میں اور دونوں عیدوں کی نماز میں تکبیریں کہنی اور آہستہ اور پکار کر پڑھنا جن نمازوں میں کہ آہستہ اور پکار کر پڑھا جاتا ہے اور نماز کی سنتیں یہ ہیں کہ تکبیر تحریمہ کیلئے دونوں ہاتھوں کا اٹھانا اور اپنی انگلیوں کا کھلا رکھنا۔ اور امام کو پکار کر اللہ اکبر کہنا اور سبحانک اللّٰھم آخر تک پڑھنا اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

۱؎ اسی لئے کہ اہل قبا نے قبا ایک مسجد ہے مدینہ منورہ میں جسوقت یہ سنا کہ قبلہ بجائے بیت المقدس کے کعبہ شریف ہوگیا ہے تو وہ لوگ نماز میں تھے اسی حالت میں بیت المقدس کیجانب سے کعبہ شریف کیطرف گھوم گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو پسند کیا ۱۲ ۲؎ یہ اس وقت ہے کہ اندھیری رات میں نماز شروع کی ہو ۱۲ ۳؎ تکبیر تحریمہ یعنی پہلی تکبیر نماز شروع کرنیکی انہیں کانوں تک ہاتھ اٹھانا اور ایسے ہی قنوت کی تکبیر اور عیدین اور نماز جنازہ کی تکبیر میں کانوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔

پڑھنا۔ اور آخر الحمد میں آمین کہنا اور ان سب کو پوشیدہ کہنا اور اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے[۱] رکھنا اور رکوع میں جانے کو اور اس سے سر اُٹھانیکو اللہ اکبر کہنا اور رکوع کے اندر تین بار[۲] سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیم کہنا اور رکوع میں اپنے دونوں گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑنا اور انکی انگلیوں کو کھلا رکھنا اور سجدے کیلئے اور اس سے اُٹھنے کے واسطے اللہ اکبر کہنا اور اس میں تین بار سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلیٰ کہنا اور دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں کو سجدے کے وقت زمین پر رکھنا اور التحیات میں بائیں پاؤں کو بچھانا اور داہنے کو کھڑا رکھنا اور رکوع اور سجدے کے درمیان میں کھڑا ہونا اور دونوں سجدوں کے بیچ میں بیٹھنا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود بھیجنا اور اللہ تعالےٰ سے دعا مانگنا اور نماز کے مستحبات ہیں کہ سجدے کی جگہ کو تاکتے رہنا اور جمائی کے وقت اپنا منھ بند کر لینا اور اللہ اکبر کہنے کے وقت آستینوں میں سے اپنے دونوں ہاتھوں کو نکالنا اور جسقدر ہو سکے کھانسی کو ٹالنا اور جب تکبیر میں حی علے الفلاح کہا جاوے۔ اسوقت کھڑا ہونا۔ اور جب قد قامت الصلوٰۃ کہا جاوے اسوقت امام کو نماز کا شروع کرنا فصل۔ اور جب نماز میں آیا چاہیے تو نمازی کو چاہیئے کہ اللہ اکبر کہے اور دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے برابر تک اُٹھاوے اور اگر نماز کے شروع میں اللہ اکبر کی جگہ سبحان اللہ یا لاالٰہ الا اللہ کہا یا فارسی میں کہا کہ اللہ بزرگتر است تو نماز درست ہوگی اور یہی حال ہے کہ اگر قرآن کو فارسی میں پڑھے اُس صورت میں کہ عربی میں پڑھنے سے عاجز ہو یا جانور ذبح کرے اور بسم اللہ فارسی میں کہے اور اگر شروع نماز میں اَللّٰھُمَّ اغفِرلِی کہیگا تو نماز درست نہ ہوگی اور پھر اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں پر ناف کے نیچے رکھے فَائِدَہ مترجم کہتا ہے کہ یہ صورت مردوں کے لئے ہے اور عورت ہاتھوں کو مونڈھوں تک اُٹھاوے اور ہاتھ سینے پر رکھے اور دعاے استفتاح یعنے سبحانک اللھم آخر تک آہستہ پڑھے اور قرآن پڑھنے کے لئے اعوذ باللہ بھی آہستہ کہے یعنے اعوذ باللہ قرآن پڑھنے کے تابع ہے اس سے یہ نکلا کہ مسبوق یعنے جس کو ایک دو رکعت امام کے ساتھ نہ ملی ہووے پیچھے آکے ملا ہو وہ اعوذ پڑھے اسواسطے کہ جو نماز اسکو

---

[۱] امام مالکؒ کے نزدیک ہاتھوں کا چھوڑنا اور امام شافعیؒ نزدیک سینہ پر باندھنا ہے اور دلیل ہماری وہ حدیث ہے کہ حضور کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کہ سنت سے ہے رکھنا داہنے ہاتھ پر نیچے ناف کے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [۲] تین بار کہنا ادنےٰ مقدار ہے اگر تین سے زائد بار کہے مگر طاق بار کہے تو مستحب ہے لیکن اگر امام ہو تو اتنا زائد نہ کہے کہ مقتدی پریشان ہو جائیں اور احتمال سجدے میں کہنے کا ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [۳] اس لئے کہ اس میں ستر زیادہ ہے ۱۲ ۱۲ ۱۲

اسواسطے کہ جو نماز اسکو رہ گئی ہے اسمین قرارت قرآن کریگا اور مقتدی اعوذ نہ پڑھے جس نے
امام کے ساتھ نماز شروع کی ہے اسواسطے کہ اسکو قرآن پڑھنا نہیں اور عید کی تکبیرون
کے پیچھے اعوذ پڑھے اس لیئے کہ پہلی رکعت میں قرآن پڑھنا تکبیرون کے بعد ہے اور ہر رکعت
میں آہستہ سے بسم اللہ کہے اور بسم اللہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے سورتوں کے جدا کرنے کے لئے
اتری ہے نہ تو الحمد کا ٹکڑا ہے نہ کسی اور سورت کا اور اس مسئلے میں امام شافعی رح کا خلاف ہے
وہ اسکو الحمد کا جز فرماتے ہیں اور دلیل امام اعظم رح کی یہ ہے کہ صحیح بخاری اور مسلم میں انس رض سے
روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز پڑھی آنحضرت صلعم کے پیچھے اور حضرت ابوبکر رض
اور عمر رض اور عثمان رض کے پیچھے مگر میں نے ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بسم اللہ پڑھتے ہوں
بلکہ الحمد سے قرأت شروع کیا کرتے تھے اور اس جیسی روایتیں بہت مروی ہیں اگر
بسم اللہ الحمد کا جزو ہوتی تو پکار کے پڑھنے کی نمازوں میں الحمد کیطرح اس کو پڑھتے اور
حدیث قدسی میں وارد ہے کہ نماز بٹ گئی ہے خدائے تعالےٰ اور بندے میں۔ جب
بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین اللہ تعالےٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے میری تعریف
کی روایت کیا اسکو مسلم نے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ الحمد سے شروع
ہوتی ہے۔ نہ بسم اللہ سے پھر الحمد اور ایک سورت یا تین آیتیں پڑھے اور امام اور
مقتدی الحمد کے بعد آہستہ سے آمین کہیں اور اللہ اکبر دونوں بے مد کے کہیں یعنے اللہ
کے الف کو نہ کھینچیں اس لئے کہ مشابہ ہمزہ استفہام کے ہوجاویگا اور یہ درست نہیں اور
نہ اکبر کی ب کو بڑھاویں اور اللہ اکبر کے بعد رکوع کرے اور اپنے دونوں ہاتھ زانوں پر
رکھے اور انگلیاں ہاتھوں کی کھلی رکھے اور پیٹھ کو برابر رکھے اور سر کو سُرین کے ساتھ
ہموار رکھے اور رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہکر سر اُٹھاوے اور امام سر اُٹھاتے
ہوئے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ پر کفایت کرے اور مقتدی اور اکیلا پڑھنے والا رَبَّنَا
لَکَ الْحَمْدُ کہہ لیں پھر اللہ اکبر کہے اور اپنے دونو زانو زمین پر رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر منھ کو
دونوں ہتھیلیوں کے درمیان میں رکھے اور اٹھنے میں اُس کا اُلٹا کرے یعنے جب سجدہ
سے سر اٹھاوے تو اوّل سر اُٹھاوے پھر دونوں ہاتھ پھر دونوں زانو اُٹھاوے اور سجدہ میں
ناک اور ماتھا دونوں زمین کو لگیں اور ان میں سے ایک پر کفایت کرنا یا پگڑی کے پیچ پر

سلہ یعنی سر اُٹھا رہے اور نہ جھکا ہے ۱۲ سلہ سُن لیا اللہ نے اس شخص نے کہ جس نے اُسکی تعریف کی ۱۲ سلہ اے رب ہمارے تیرے ہی لئے تعریف ہے ۱۲

سجدہ کرنا مکروہ[1] ہے اور سجدہ میں اپنے دونوں پہلو کو ظاہر رکھے یعنے بازوؤں[2] کو پہلو سے علیحدہ رکھے اور اپنے پیٹ کو رانوں سے دور رکھے اور اپنے دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلے رخ رکھے اور ہر سجدہ میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہے اور عورت اونچی نہ ابھرے بلکہ پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے ملا ہوا رکھے پھر اللہ اکبر کہتا ہوا اپنا سر اٹھاوے اور آرام سے بیٹھے پھر اللہ اکبر کہکر دوسرا سجدہ آرام کے ساتھ کرے اور کھڑے ہونے کے لئے اللہ اکبر کہے اور بدون کسی چیز کے سہارے اور بدون بیٹھنے کے دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہو یعنی اٹھنے میں ہاتھ پر زور نہ دے اور دوسرے سجدے کے بعد جلسہ استراحت[3] نکرے یعنی آرام کے لئے نہ بیٹھے اور دوسری رکعت مثل پہلی رکعت کے ہے اتنا فرق ہے کہ دوسری رکعت میں سبحانک اللھم اور اعوذ نہ پڑھے اور اپنے ہاتھ سوائے فقعس صمعج یعنے آٹھ جگہ کے اور جگہ نہ اٹھاوے۔ ف سے مراد افتتاح نماز یعنی شروع نماز میں اللہ اکبر کہنے کے وقت ق قنوت وتر کے وقت ع عیدین کی تکبیرات میں س استلام یعنی بوسہ دینے کے وقت حجر اسود کو ص صفا پر اللہ اکبر کہنے کے وقت م مروہ پر اللہ اکبر کہتے ہوئے ع عرفات میں ج جمروں کو پتھر مارنے میں۔ جاننا چاہیئے کہ امام شافعی رح کے نزدیک دونوں ہاتھوں کا اٹھانا ہر کھڑا ہونے اور رکوع کے لئے اللہ اکبر کہنے کے وقت ہر رکعت میں مسنون ہے اور امام اعظم رح کے نزدیک شروع کی تکبیر میں ہاتھ اٹھائیں اسکے سوا دوسری تکبیر میں بدلیل قول پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نہ اٹھائے جاویں مگر آٹھ جگہ جو مذکور ہوئیں روایت کیا اس کو حاکم اور بیہقی اور طبرانی نے اور عبد اللہ رض ابن مسعود رض ہاتھ نہ اٹھاتے تھے مگر شروع نماز میں اللہ اکبر کے وقت روایت کیا اسکو ابوداؤد اور ترمذی نے پھر جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اسپر بیٹھے اور داہنے پاؤں کو کھڑا رکھے اور پاؤں کی انگلیاں قبلے کیطرف رکھے اور اپنے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پہ رکھے اور ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھے اور عورت دونوں پاؤں داہنی طرف کو نکال کر چوتڑوں پہ بیٹھے اور التحیات وہ

۱؎ لیکن اگر کوئی عذر ہو تو مکروہ نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۲؎ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھوں کو پہلو سے اسقدر جدا رکھتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ ہاتھوں کے درمیان سے نکلنا چاہتا ہو تو نکل جاتا ہاں البتہ اگر صف میں ہو تو اسقدر ہاتھ نہ پھیلائے کہ لوگوں کو تکلیف پہنچے ۱۲ ۳؎ جلسہ امام شافعی رح کے نزدیک سنت ہے دلیل اُن کی بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا اور دلیل ہماری حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں کھڑے ہوجاتے تھے پنجوں کے بل یعنے جلسہ استراحت نہ کرتے تھے اور وہ بخاری کی حدیث کا جواب ہے کہ حضور کا سن شریف جب زیادہ ہوگیا تھا تو بباعث کمزوری جلسہ استراحت کر لیا کرتے تھے۔ پس عذر کی حالت پر محمول ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

پڑھے جو عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے[1] واضح ہو کہ اشارہ شہادت کی انگلی سے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ
آخر تک پڑھنے کے وقت التحیات میں بہت سی حدیثوں میں مروی ہے اور اکثر علما کا قول ہے چنانچہ
علماء حنفیہ نے بھی اسکو اختیار کیا اور اس اشارے کی کیفیت حدیث کی کتابوں میں چند
طور پر ثابت ہوئی ہے اور جو طور کہ ظاہر مذہب امام اعظم رح کے خلاف نہیں یہ ہے کہ شہادت کیوقت
انگشت شہادت کے وقت انگشت شہادت سے اشارہ کرے اور اوروں کو بند نہ کرے
اور بعد اشارہ کے کھولدے اور یہ طور حدیث سے زیادہ تر موافق ہوتا ہے واللہ اعلم اور بعد
پہلی دو رکعتوں کے اور رکعتوں میں صرف الحمد[2] پر کفایت کرے سورت نہ ملاوے اور آخر کا
بیٹھنا مثل اول کے بیٹھنے ہے اور شافعی رح کے نزدیک دوسرے قعدے میں چوتڑوں
پر بیٹھے جیسے عورتیں بیٹھتی ہیں اور دلیل امام اعظم رح کی یہ ہے کہ حضرت انس رض سے مروی
ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کتے کی طرح بیٹھنے اور چوتڑوں پر بیٹھے
جیسے عورتیں بیٹھتی ہیں اور دلیل امام اعظم رح کی یہ ہے کہ حضرت انس رض سے مروی ہے کہ رسول خدا
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں کتے کیطرح بیٹھنے اور چوتڑوں پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ اس
روایت کو احمد رح نے بیان کیا ہے اور رفاعہ بن رافع سے منقول ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک اعرابی کو فرمایا کہ جب تو بیٹھے نماز میں اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھ اسکو بھی احمد رح نے
روایت کیا ہے اس سے معلوم ہو کہ یہ صورت دونوں قعدوں میں مسنون ہے واللہ اعلم اور التحیات
پڑھے اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور ایسی[3] دعا مانگے جو مشابہ قرآن وحدیث
کے ہو نہ لوگوں کے کلام سے اور بعد دعا کے امام کے ساتھ سلام پھیرے مثل تحریمہ کے یعنی
جس طرح تحریمہ اپنے امام کے ساتھ کرے اسی طرح سلام بھی امام ہی کے ساتھ پھیرے اور دہنے
بائیں سلام پھیرنے میں لوگوں کی اور کراماً کاتبین کی نیت کرلے۔ کہ ہر سلام کہتا ہوں
اور جس طرف امام ہو وہ ہے خواہ بائیں اس طرف اس کی بھی نیت کرے اور اگر ٹھیک سامنے
ہو تو اس کی نیت دونوں طرف کرے اور امام اپنے دونوں طرف کے سلام میں لوگوں کی

---

[1] التحیات للہ والصلوٰت والطیبات السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی عفی عنہ

[2] الحمد کو کفایت کرنا افضل ہے ورنہ جائز یہ بھی ہے کہ فقط تسبیح یعنی سبحان اللہ کچھ پڑھتا رہے ۱۲

[3] بہتر ہے کہ وہ دعا مانگے جو حدیث میں منقول ہوئی ہے جیسے اللہم انی اعوذ بک من عذاب جہنم واعوذ بک من عذاب القبر واعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال واعوذ بک من فتنۃ المحیا والممات واعوذ بک من المأثم والمغرم اور اس کے علاوہ جو دعائیں حدیث میں آئی ہیں ان میں سے کوئی دعا پڑھے ۱۲

[4] اگر تنہا نماز پڑھتا ہے تو دونوں طرف سلام پھیرنے میں صرف فرشتوں کی نیت کرے ۱۲

اور کراماً کاتبین کی نیت کرے اور قرأت فجر کی نماز میں اور پہلی دو رکعتوں میں مغرب کی اور عشا کی پکار کر پڑھے گو قضا ہی پڑھتا ہو اور جمعہ اور دونوں عیدوں کی نماز میں بھی پکار کر پڑھے اور ان کے سوا اور نماز وں میں قرأت آہستہ پڑھے جیسے ظہر و عصر کی نماز میں اور نفل پڑھنے والا کہ وہ بھی قرأت آہستہ پڑھے اور جو شخص ایسی نماز جس میں پکار کر پڑھنا چاہیئے اکیلا پڑھے اسکو اختیار چاہے پکار کر پڑھے چاہے آہستہ پڑھے جیسے رات کو نفلین پڑھنے والا مختار ہے چاہے پکار کر پڑھے چاہے آہستہ اور اگر عشا کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں سورت چھوڑ دے تو اس کی دو رکعت پچھلی میں الحمد کے ساتھ پکار کر پڑھ لے اور اگر پہلی دونوں رکعتوں میں الحمد نہ پڑھی ہو تو الحمد کی قضا پچھلی دو رکعتوں میں نہ کرے اس لئے کہ الحمد کو دو دفعہ پچھلی دو رکعتوں میں پڑھیگا اور فرض ایک آیت کا پڑھنا ہے اور امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور اُن کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اُس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اور امام اعظمؒ کی دلیل قول خدا وندی ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ یعنے پڑھو جسقدر ہو سکے قرآن اور کلام الٰہی پر احادیث سے زیادتی کرنی درست نہیں الا حدیث آحاد پر عمل کرنا لازم ہے اسلئے الحمد کے پڑھنے کو واجب ٹھیرایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمایا کہ پڑھ جو کچھ تیرے پاس ہے قرآن شریف سے یعنے جو کچھ تجھے یاد ہے یہ حدیث بھی الحمد کے فرض نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اسلئے کہ اس حدیث کے آخر میں وارد ہوا ہے کہ پھر تیری نماز تمام ہوئی) اور قرأت کی سنت سفر میں سورہ الحمد اور ایک سورت ہے جو نسی چاہے اور حضر میں یعنے ٹھیرے رہنے کی صورتمیں اگر فجر اور ظہر کی نماز ہو تو ان میں دراز مفصل سورتیں مسنون ہیں اور اگر عصر عشا ہو تو میانہ سورتیں مفصل اور مغرب ہو تو چھوٹی سورتیں پڑھنی سنت ہیں مخفی نہ رہے کہ سورہ حجرات سے آخر کلام مجید تک جتنی سورتیں ہیں انکو مفصل کہتے ہیں انمیں سے حجرات سے لیکر سورہ والسماء ذات البروج تک دراز مفصل کہلاتی ہیں اور وہاں سے لیکر لم یکن تک میانہ اور وہاں سے سورہ ناس تک چھوٹی اور نماز فجر میں صرف اول رکعت کو دراز کیا جاوے نہ اس کے سوا اور کسی نماز میں یعنی صبح کی نماز میں اول رکعت کو دوسری کی نسبت زیادہ بڑھانا چاہیئے اور نمازوں میں ایسا نکرنا چاہیئے بلکہ دونوں رکعتیں مساوی پڑھیں اور کسی نماز کے لئے کوئی سورت قرآن کی مقرر نہیں ہوئی یعنے ایسا نہ چاہیئے کہ کسی نماز کیلئے کوئی خاص مقرر کر لیں اور اس کے سوا دوسری سورت کبھی نہ پڑھیں[۳]

---

[۱] اور اگر ان میں قضا پڑھ رہا ہے اور اکیلا ہے تو واجب ہے کہ آہستہ پڑھے پکار کر نہ پڑھے ہدایہ میں ایسا ہی لکھا ہے ۱۲ مفتی محمد یوسف علی ملیح آباد

[۲] کیونکہ اسمیں لوگوں کو جماعت کے لئے سے پوری نماز پڑھ لینے کے لئے مدد ہوگی ۱۲ [۳] کیونکہ اسمیں باقی قرآن کا چھوڑنا لازم آتا ہے ۱۲ ۱۲ ۱۲

اور مقتدی قرأت نہ کرے بلکہ چپکا سنے جاوے اگرچہ امام آیت رغبت یا آیت خوف کی پڑھے یا خطبہ پڑھنے والا خطبہ پڑھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ ان سب صورتوں میں چپکا سننا چاہیے لیکن کہتے ہیں کہ جب خطیب پڑھے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا تو سننے والے کو چاہیے کہ آہستہ درود بھیجے اور امام اور خطیب سے دور کا شخص اور پاس کا اس حکم میں برابر ہیں یعنے خواہ امام کا پڑھنا اور خطبہ پاس ہونے کی جہت سے سنتا ہو خواہ دور ہونیکے سبب سے نہ سنتا ہو دونوں حالوں میں کچھ نہ پڑھے اور چپ رہے۔ جاننا چاہیے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مقتدی پر قرأت الحمد کی واجب ہے بدلیل ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اور اس باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں اور دلیل امام اعظمؒ کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا تو اس آیت کی رو سے مقتدی کو سننا اور چپ رہنا لازم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کسی کا امام ہو تو امام کی قرأت اسکی قرأت ہے اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی سے الحمد کا پڑھنا حکماً ثابت ہے اور حضرت علی فرماتے ہیں کہ جو کوئی امام کے پیچھے پڑھتا ہے وہ فطرت سلیم چوکتا ہے یعنے طبع سلیم کے خلاف چلتا ہے اسکو ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اور حضرت جابر سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا امام کے پیچھے مت پڑھ گو وہ پکار کر پڑھے یا آہستہ روایت کیا اسکو ابن ابی شیبہ نے۔

باب۔ امامت کے بیان میں۔ جماعت سنت موکدہ ہے امامت کیلئے لائق تر وہ ہے جو سب میں زیادہ عالم ہو اسکے بعد وہ ہے جو قرآن سب سے اچھا پڑھتا ہو اسکے بعد جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ اس کے بعد جو سب میں عمر زیادہ رکھتا ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک قرآن کا اچھا پڑھنے والا عالم پر مقدم ہے اور امام اعظمؒ کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم امامت کا فرمایا اس لئے کہ آپ علم زیادہ رکھتے تھے قرآن کے قاری سب سے زیادہ تھے کیونکہ صحابہ میں قرآن مجید سے اچھا بالاتفاق حضرت ابی ابن کعبؓ پڑھتے تھے اور یہ امر آنحضرت کے آخر عہد مبارک میں ہوا

باب امامت کے بیان میں

۱؎ کیونکہ فرمایا اللہ تعالےٰ نے واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا یعنے جب قرآن پڑھا جاوے تو اسکی طرف کان لگاؤ اور چپ رہو ۱۲
۲؎ اے ایمان والو درود بھیجو انپر اور سلام بھیجو ۱۲ ۳؎ نماز نہیں ہے بدون الحمد کے ۱۲ ۴؎ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسکو سنو اور چپ رہو ۱۲ ۵؎ کیونکہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جماعت سنن ہدی سے ہے یعنی ایسے طریقوں سے ہے کہ جس کا اختیار کرنا ہدایت ہے اور چھوڑنا اس کا گمراہی ہے نہیں چھوڑتا ہے اس کو وہ شخص کہ منافق کی خصلت رکھتا ہو ۱۲ مفتی محمد فصیح علی ملیح آبادی ۱۲

تھا اور اسی سے لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا استحقاق ثابت کیا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کیوقت میں قرآن کے عمدہ پڑھنے والے زیادہ علم والے ہوتے تھے اسی جہت سے آنحضرت صلعم نے زیادہ علم والے کو مقدم فرمایا بخلاف اس زمانے کے کہ بہت سے قاری جاہل تر ہوتے ہیں علاوہ ازیں قرأت پر صرف ایک رکن نماز کا موقوف ہے اور علم پر نماز کے سب ارکان منحصر ہیں[1] اور بندہ اور گنوار اور فاسق معلن جو بدکاری میں مشہور ہو اور بدعتی جو مذہب سنت وجماعت کے خلاف رکھتا ہو اور اندھا اور حرامزادہ جو اس عیب میں مشہور ہو گیا ہو ان سب کا امام ہونا مکروہ ہے[2]۔ اور نماز کو اتنا لمبا کرنا جس سے لوگ گھبرا جائیں اور جماعت صرف عورتوں کی مکروہ ہے۔ اور اگر عورتیں جماعت کریں تو امام صف کے اندر کھڑا ہو ننگوں کی جماعت کی طرح کہ اُن کا امام بھی صف میں رہے آگے نہ بڑھے اور مقتدی اگر ایک ہو تو امام کی داہنی طرف کھڑا ہو اور دو خواہ زیادہ تو اس کے پیچھے کھڑے ہوں اور اول مرد صف باندھیں اور پھر دوسری صف میں لڑکے کھڑے ان کے پیچھے عورتیں صف کریں اور اگر جس نماز میں رکوع اور سجدہ ہوتا ہے مرد کے برابر ایک ہی جگہ میں بدون آڑ کے عورت بالغ کھڑی ہو جائے اور نیت اسکی برابر کرے اور ادا بھی اسکے ساتھ کرے اور امام نے اس عورت کے امام ہونے کی نیت کر لی ہو تو اس صورت میں مرد کی نماز جاتی رہے گی اور نماز جنازہ میں یہ حکم نہیں اس میں دونوں کی نماز ہو جاویگی۔ اور امام شافعی رح کے نزدیک پہلی صورت میں نماز نہیں جاتی اور امام اعظم رح کے قول کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورتوں کو پیچھے کرو جہاں کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو مؤخر کیا ہے اس حکم کے مخاطب مرد ہیں پس صورت مذکورہ بالا جو مرد برابر عورت کے کھڑا ہوا ہے اُس نے مقام فرض کو چھوڑا ہے نہ عورت نے اس لئے مرد کی نماز جاتی رہی اور یہ سب شرطیں مذکور ہوئی ہیں اسی واسطے ہیں کہ مرد اور عورت کی نماز میں اتحاد بھی طرح ہو جائے اور عورتیں جماعتوں میں حاضر نہ ہوویں یعنے خوف فتنے کی جہت سے اور ناجائز ہے اقتدا کرنا مرد کو عورت یا لڑکے کے پیچھے اور پاک کو عذر والے کا مثلاً جسکو سلسلبول ہو یا ریح نکلتی ہو یا پیٹ چلتا ہو اچھے شخص کو ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے اور پڑھے ہوئے کو

ف۱ پس اس زمانہ میں قاری جاہل پر غیر قاری عالم کو مقدم ہونا چاہیے ۱۲ مفتی محمود حسن علی ابیح آبادی ف۲ لیکن اگر ان میں سے کسی نے نماز پڑھادی تو جائز ہو جائیگی کیونکہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صلوا خلف کل بر وفاجر یعنی نماز پڑھو پیچھے ہر نیک شخص اور فاسق شخص کے ۱۲ ف۳ کیونکہ اس میں ستر زیادہ ہے ۱۲ ف۴ البتہ اگر بوڑھی عورتیں فجر اور مغرب وعشا کی جماعت میں حاضر ہوویں تو مضائقہ نہیں ۱۲

ایسے کی اقتدا جو قدرت پڑھنے کی رکھتا ہو اور کپڑے پہنے ہوئے کو ننگے کا جو ستر رکھتا ہو اور
تندرست کو ایسے شخص کا جو رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرے اور فرض پڑھنے والے کا یا اس شخص
کا کہ دوسرا فرض پڑھتا ہو اس لئے کہ یہ سب مقتدی اپنے امام کی نسبت عمدہ حال رکھتے ہیں۔
پس امامت اُسی طرح ہو جاویگی اور اقتدا وضو والے کا تیمم والے کے پیچھے اور دھونے
والے کا مسح کرنیوالے کے پیچھے اور کھڑا ہونیوالے کا بیٹھنے والے کے پیچھے اور اشارہ کرنے والے
کا لیٹے جیسے شخص کے پیچھے اور نفل پڑھنے والے کا فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز کو خراب
نہیں کرتا یعنے جائز ہے اور اگر مقتدی کو بعد نماز کے معلوم ہو کہ امام بے وضو تھا تو اپنی نماز کو پھر سے
پڑھ لے اور اگر ایک ان پڑھ اور ایک پڑھا ہوا ہو کسی ان پڑھ کے پیچھے نماز پڑھیں یا امام
پڑھا ہوا تھا پچھلی دو رکعتوں میں کسی ان پڑھ آدمی کو خلیفہ کرے تو سب کی نماز جاتی رہے گی
اس لئے کہ پڑھے کے ہوتے ان پڑھ کی امامت جائز نہیں ہوتی اور یہی حال ہے اگر پڑھا شخص
ان پڑھ کو پڑھے ہوؤں پر خلیفہ کر دے اور پچھلی رکعتوں کی قید اس لئے لگادی ہے کہ اس حکم
میں مبالغہ ہو جائے یعنی باوجودیکہ پچھلی رکعتوں کی قید اس لئے لگادی ہے کہ اس حکم میں مبالغہ
ہو جائے یعنی باوجودیکہ پچھلی رکعتوں میں قرأت نہیں انہیں اگر خلیفہ کریگا تو نماز جاتی رہے گی تو
اگر پہلی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے خلیفہ کر دے گا تو بطریق اولے نماز فاسد ہو جاوے گی

باب نماز میں بے وضو ہو جانے کے بیان میں جس شخص کا وضو نماز میں ٹوٹ
جائے وہ وضو کرے۔ اور جس جگہ سے نماز چھوڑی ہے۔ وہاں سے شروع[1] کرے اور اگر
امام ہو تو اپنا خلیفہ کسی کو کر دے اور یہی حال ہے اگر قرأت سے رُک جائے یعنی اسکو بھی
چاہیئے کہ خلیفہ کر دے تاکہ لوگوں کو قرأت سے نماز پڑھائے اور اس مسئلے میں امام شافعیؒ
کا خلاف ہے انکے نزدیک جتنی پہلی پڑھی ہے وہ جاتی رہی نئے سر سے پڑھے اور امام اعظمؒ
کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کسیکو قے آجاوے یا نکسیر تو چاہیئے
کہ نماز سے ہٹے اور وضو کرے اور پھر اپنی نماز پر بنا کرے یعنی جتنی پہلے پڑھلی ہے اس میں اور
ملا کر پوری کرے اسے روایت کیا اسکو ابن ماجہ نے اور ابن ابی شیبہ نے بھی اسیطرح کا مضمون حضرت ابوبکر
اور عمر اور علی اور ابن مسعود اور سلمان رضی اللہ عنہم سے بیان کیا ہے اور اگر وضو ٹوٹنے کے خیال

علہ یہ جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ نئے سر سے پڑھے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۔ اور پھر معلوم ہو کہ وضو نہیں ٹوٹا تو نئے سر سے
نماز پڑھنی چاہیئے ۱۲ اگر مسجد کے باہر نہیں نکلا تھا اور معلوم ہوا کہ وضو نہیں ٹوٹا ہے تو نئے سر سے پڑھنے کی ضرورت نہیں
جہاں سے چھوڑا ہے وہیں سے پڑھ لے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

سے مسجد سے باہر نکلجاوے یا دیوانہ ہوجاوے یا خواب میں انزال ہوجاوے یا بیہوش ہوجاوے
تو ان صورتوں میں نماز ازسرنو پڑھے پہلے کی نماز کو پورا نکرے اسلیے کہ یہ باتیں بہت کمتر ہوا کرتی
ہیں انکو عادت کے موافق امور پر قیاس نکرنا چاہیے اور اگر التحیات پڑھنے کے بعد وضو ٹوٹا
تو وضو کرکے سلام پھیرے اسلیے کہ لفظ سلام واجب تھا اسکے ذمہ پر باقی ہے اور اگر وضو دانستہ
توڑدیا یا بات کی تو نماز پوری ہوگئی کیونکہ اپنے فعل سے نماز سے باہر آنا فرض تھا وہ ادا ہوگیا اور
اگر نماز میں تیمم والا پانی دیکھے یا مسح کرنیوالے کی مدت مسح پوری ہوجاوے یا موزے کو تھوڑے
سے عمل سے نکالے تو نماز باطل ہوجاویگی اور تھوڑے عمل کی شرط اس لیے ہے کہ اگر عمل بہت ہوگا
تو عمل ہی سے نماز باطل ہوجاویگی طہارت قدم کے دھونے پر منحصر نرہیگی یا ان پڑھ نماز
میں کوئی سورت سیکھ لے یا ننگے کو کپڑا ملجاوے یا اشارہ سے پڑھنے والا رکوع اور سجدے پر
قادر ہو یا صاحب ترتیب کو قضا نماز یاد آجاوے یا پڑھنے والا کسی ان پڑھ کو نائب کرے
یا صبح کی نماز میں آفتاب نکل آوے یا جمعہ کی نماز میں عصر کا وقت آجاوے یا زخم اچھا ہو کر
پٹی گر پڑے یا عذر والے کا عذر مثل سلسلبول اور پیٹ چلنے کے دور ہوجاوے تو ان سب
صورتوں میں نماز باطل ہوجاویگی۔ اور جائز ہے نائب بنانا مسبوق کا اور مسبوق وہ ہے کہ جسکو
امام کے ساتھ کچھ نماز نہ ملی ہو پس مسبوق جب امام کی نماز تمام کرچکے وہ ایسے شخص کو اپنا
نائب کرے جسکو امام کے ساتھ پوری نماز ملی ہو اس کو مدرک کہتے ہیں یہ مدرک مقتدیوں کے
ساتھ سلام پھیرے اور مسبوق اپنی نماز پوری کرے اور مسبوق اگر کوئی کام نماز کے خلاف
کریگا مثلاً بے وضو ہوجاوے یا کھکھلاوے یا اور ایسا ہی کام کرے تو اس مسبوق کی نماز جاتی
رہیگی نہ اور لوگوں کی اسلیے کہ جب اسنے مدرک کو اپنا نائب کردیا تو امام مدرک ہوگا نہ
یہ مسبوق اب جو کام نماز کا مفسد مسبوق سے سرزد ہوگا اس سے صرف مسبوق کی نماز
جاویگی نہ اور لوگوں کی جیسے اگر امام نے اپنی نماز تمام کرنیکے وقت قہقہہ کیا تو اس صورت
میں بھی نماز مسبوق کی جاتی رہیگی اس لیئے کہ یہ فعل نماز کا مفسد امام کیطرف سے
مسبوق کی نماز کے بیچ میں ہوا ہے گو امام کی نماز کے ختم کیوقت ہوا ہے اور اگر امام مسجد
میں سے نکلجاوے اور باتیں کرنے لگے تو نماز نہیں جانیکی یعنی ان دونوں صورتوں میں امام کی

ف۱ اولی یہ ہے کہ امام مدرک یعنی پوری نماز پانے والے کو نائب بنانے تاکہ امام کی نماز تمام کرنے پر اُسے قدرت ہو۔ اور مسبوق کو مناسب ہے یہ ہے
کرے۔۔۔۔خود آگے بڑھنے سے رُکے لیکن اگر مسبوق کو نائب بنادیا تو جائز ہے ۱۲ ف۲ یعنی اول کی کچھ نماز نہ ملی ہو ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

نماز تمام ہوگئی اس لیئے کہ اپنے فعل سے نماز سے باہر گیا کوئی رکن اسکے ذمہ باقی نہیں ہا اس لیئے مسبوق
کی نماز بھی فاسد نہوئی کیونکہ نماز کے بیچ میں کوئی مفسد پیش نہیں ہوا بخلاف پکار کر کہنے کے نماز
کے اندر کہ وہ مفسد نماز ہے امام کے حق میں بھی اور مدرک اور مسبوق کے حق میں بھی اور اگر رکوع
میں خواہ سجدہ میں بے وضو ہوا ہو تو وضو کر کے پہلی نماز پر بنا کرے اور جس رکوع خواہ سجدہ میں بے
وضو ہوا ہو وے اُس کو دوبارہ کرے اس لئے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں سی جہ سے اسکو دوبارہ
ادا کرنا چاہیئے اور اگر نمازی کو حالت رکوع خواہ سجدہ میں یاد آیا کہ ایک سجدہ رہگیا ہے اور اس رہے ہو
سجدہ کو ادا کیا. تو جس رکوع و سجدہ میں یاد آیا ہوا اسکو دوبارہ ادا نکرے اور اگر مقتدی ایک ہی ہو تو نائب
ہونے کے لیئے وہی متعین ہو جاتا ہے بدون نیت کے یعنے اگر امام کے پیچھے صرف ایک ہی مقتدی ہو اور
امام بے وضو ہو جائے تو وہ مقتدی خود امام ہو جاتا ہے بدون نیت کے اور بدون خلیفہ بنانے کے

باب. اُن چیزوں کے بیان میں جو نماز کو فاسد کر دیتی ہیں اور جو نماز کے اندر مکروہ ہیں

نماز کے اندر بات[1] کرنی اور ایسی دعا مانگنی جو ہم لوگوں کی باتوں کے مشابہ ہو اور باریک آواز سے رونا
اور آہ آہ کرنا اور پکار کر رونا مصیبت اور درد اور بیماری سے نماز کا مفسد ہے اور بہشت اور دوزخ کو یاد
کر کے رونا مفسد نہیں اور بدون عذر کے کھانسنا یعنی بدون اس بات کے کہ گلے یا چھاتی میں بلغم اٹکا
ہو. یا اثر کھانسی کا ہو یا جیسے احیق کرنا اور چھینک کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا اور اپنے امام کے
سوا[2] غیر کو پڑھنے میں لقمہ دینا اور کسی کے جواب میں لا الٰہ الا اللہ کہنا اور سلام کرنا اور
اس کا جواب دینا اور شروع کرنا نماز عصر یا نفل کا بعد ایک رکعت ظہر کے نہ شروع ظہر کا یہ سب
بھی مفسد نماز ہیں یعنی ایک نماز کی ایک رکعت پڑھ لی پھر دوسری نماز شروع کی تو پہلی نماز فاسد ہو
جائے گی اور اگر پہلے ہی نماز کی نیت نئے سرے کی تو فاسد نہ ہوگی اور نمازی کا پڑھنا
قرآن دیکھ کر اور کھانا پینا یہ بھی مفسد نماز ہیں اور اگر کسی لکھی ہوئی چیز کو نماز کے
اندر دیکھا. اور اس کو سمجھ گیا. یا اپنے دانتوں کے درمیان کی چیز کھائی یا کوئی شخص
اس کی سجدہ گاہ میں کو گذر گیا. تو ان باتوں سے نماز نہیں جاتی اگرچہ گذرنے

---

[1] بھول کر بات کرلی یا قصداً کی دونوں برابر ہیں ۱۲

[2] اور اگر امام کو لقمہ دے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی خواہ امام نے لقمہ لیا ہو یا نہ لیا ہو لیکن مقتدی کو مناسب ہے کہ لقمہ دینے میں جلدی نکرے اور امام کو بھی چاہیئے کہ مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے بلکہ اگر اتنی مقدار قرأت پڑھ چکا ہے کہ جس سے نماز جائز ہو جائے گی تو رکوع کر دے یا دوسری آیت کیطرف منتقل ہو جائے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

والے پر گناہ ہوتا ہے۔ اور مکروہات نماز کے یہ ہیں۔ نمازی کا اپنے بدن اور کپڑے سے کھیلنا اور ایک دفعہ سے زیادہ سجدہ کے لئے کنکروں کو ہٹانا اور انگلیاں چٹخانا اور ہاتھ کوکھے پر رکھنا اور بائیں داہنے[1] دیکھنا اور کتے کی طرح چوتڑوں پر بیٹھنا اور دونوں ہاتھوں کو سجدہ میں کہنیوں تک بچھانا اور سلام کا جواب ہاتھ کے اشارے سے دینا اور بدون عذر پالتی مار کر بیٹھنا اور سر کے بالوں میں گرہ دینا اور کپڑے کو زمین پر گرنے سے بچانا اور اسکو بدون باندھے یا آنچل مارے لٹکا رہنا اور جمائی لینی اور آنکھیں بند کرنی اور مسجد کی محراب میں کھڑا ہونا مگر سجدہ کرنا محراب میں مکروہ نہیں اور صرف امام کا چبوترے پر کھڑا ہونا اور اس کا الٹا یعنی امام نیچے ہو اور مقتدی سب چبوترے ہوں اور ایسا کپڑا پہننا جسمیں تصویریں ہوں یا ایسی طرح کھڑا ہونا کہ سر کے اوپر خواہ سامنے یا برابر میں تصویریں ہوں[2] لیکن تصویر بہت چھوٹی ہو یا سر کٹی ہوئی یا بیجان چیز کی ہو مثلاً درخت اور پھول وغیرہ کی تو مکروہ نہیں اور آیتوں اور تسبیحوں کو ہاتھ پر گننا اور مکروہ نہیں سانپ اور بچھو کا تھوڑے سے عمل سے مار ڈالنا اور ایسے شخص کی پشت کی طرف نماز پڑھنا جو باتیں کرتا ہو یا قرآن مجید کیطرف کو یا لٹکی ہوئی بھی یہی حکم رکھتی ہے۔ یا شمع یا چراغ کی طرف کو نماز پڑھنی اور ایسے فرش پر نماز پڑھنی جسمیں تصویریں ہوں بشرطیکہ سجدہ تصویروں پر نہ ہو۔

فصل۔ پاخانہ پھرنے میں قبلہ کیطرف منہ کرنا اور پیٹھ کرنا مکانات میں مکروہ ہے پس جنگل میں بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا اور مسجد کا دروازہ مقفل کرنا اور اس کی چھت پر صحبت کرنی اور بول و براز کرنا مکروہ ہے نہ ایسے گھر پر پیشاب کرنا جس کے اندر مسجد ہو اور مکروہ نہیں مسجد کو گچ اور سونے کے پانی سے منقش کرنا۔

فصل

باب۔ وتر اور نوافل کے بیان میں۔ وتر نماز واجب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے اور امام اعظمؒ کی دلیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وتر حق واجب ہے ہر مسلمان پر روایت کیا اسکو ابوداؤد و ابن ماجہ اور نسائی نے اور وتر تین رکعتیں ہیں ایک سلام کے ساتھ اور دعاء قنوت

باب وتر اور نوافل کے بیان میں

---

[1] داہنے بائیں دیکھنا اگر گردن پھیر کر ہے تو مکروہ ہے اور اگر بغیر سر کے کنکھیوں سے آنکھ [illegible] داہنے بائیں دیکھا تو مکروہ نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی فتح آبادی

[2] زیادہ کراہت اس میں ہے کہ نمازی جس جانب کے سامنے تصویر ہو اس سے کم [illegible] نہیں ہے سر کے اوپر ہو اس سے کم داہنے طرف [illegible] ہے کہ بائیں طرف [illegible] بہت کم کراہت [illegible] تصویر [illegible] میں ہے اور پیروں کے نیچے ہو تو مکروہ نہیں کیونکہ اس میں اس کی کچھ تعظیم نہیں بلکہ پامال [illegible] وجہ سے توہین ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی فتح آبادی

[3] [illegible] اگر سامنے [illegible] جانیکا خوف کیا جاوے تو بغیر وقت نماز میں بند کر دینا مکروہ نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی فتح آبادی

[4] دعائے قنوت آہستہ آہستہ پڑھی جاوے گی ۱۲ مفتی محمد وصی علی فتح آبادی

تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہمیشہ پڑھے اور اول ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہہ لے اور امام شافعی رح کے نزدیک وتر میں قنوت نہ پڑھے مگر نصف اخیر رمضان کے وتر میں اور فجر کی نماز میں قنوت پڑھے اور ان کے یہاں قنوت رکوع کے بعد پڑھے نہ رکوع سے پہلے اور دلیل امام اعظم رح کی یہ حدیث ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قنوت پڑھتے تھے وتر میں رکوع سے پیشتر روایت کیا اس کو ابن ماجہ اور نسائی اور دار قطنی اور طبرانی اور ابو نعیم اور ابن ابی شیبہ نے اور نسائی میں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر تین تین رکعتیں پڑھتے تھے اور وتر کی تینوں رکعتوں میں الحمد اور ایک سورت پڑھے اور سوائے وتر کے اور نماز میں قنوت نہ پڑھے جیسے امام شافعی کے تابعین فجر میں پڑھتے ہیں اور جو امام کہ وتر میں قنوت پڑھتا مقتدی اس کی متابعت کریں اور اگر فجر کی نماز میں امام قنوت پڑھی اسکی متابعت نکریں اور یعنے امام اگر وتر میں قنوت پڑھے تو مقتدی بھی اس کے ساتھ پڑھیں اور اگر امام مذہب شافعی[1] ہو اور فجر کی نماز میں قنوت پڑھے تو مقتدی چپ رہیں کچھ نہ پڑھیں اور دعا قنوت یہ ہے اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَ نَسْتَغْفِرُکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَنَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ اور حدیث میں یہ دعا بھی آئی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ اور فجر کی نماز کے پہلے اور ظہر اور مغرب اور عشا کی نماز کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں اور ظہر سے پہلے اور جمعہ کے پیشتر اور جمعہ کے بعد چار رکعتیں سنت ہیں[2] اور عصر اور عشا کے پیشتر اور عشا کے بعد رکعتیں مستحب ہیں اور مغرب کے بعد چھ مستحب ہیں اور دن کی نفلوں میں ایک سلام سے چار رکعتوں سے زیادہ پڑھنی اور رات کی نفلوں میں آٹھ سے زیادہ ایک سلام سے ادا کرنی مکروہ ہے اور دن اور رات میں چار

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ شافعی مذہب والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے البتہ اگر کوئی ایسی بات شافعی مذہب سے ظہور میں آوے کہ جس سے ہمارے یہاں وضو ٹوٹ جاتا ہو اور ان کے نزدیک نہ ٹوٹتا ہو جیسے خون بہنا منہ بھر کر قے ہونا تو پھر اسکی اقتدا کرنا درست نہ ہوگا ۱۲

[2] امام ابو یوسف رح کے نزدیک بعد جمعہ کے چھ رکعتیں پڑھنا مسنون ہیں۔ اور دلیل انکی ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رض نماز جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے کبھی دو رکعتیں پہلے اور چار رکعتیں بعد میں اور کبھی چار رکعتیں پہلے اور دو رکعتیں بعد میں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

چار رکعتیں ایک سلام سے ادا کرنی بہتر ہیں اور دیر تک کھڑا رہنا اچھا ہے بہ نسبت بہت سجدہ کرنیکے یعنی اس بات سے بہتر ہے کہ تھوڑا کھڑا ہو اور رکعتیں بہت سی ادا کرے مگر یہ حکم نفل پڑھنے والے لوگوں کیلئے پڑھنے والیکا ہے ورنہ جماعت میں اسقدر رکعت کا زیادہ کرنا جس سے لوگ گھبرا جاویں مکروہ ہے اور قرآن کا پڑھنا فرضوں کی دو رکعتوں میں اور نفلوں اور وتروں کی سب رکعتوں میں فرض ہے اور نماز نفل شروع کرنے سے لازم[1] ہو جاتی ہے اگرچہ آفتاب غروب ہونے اور طلوع ہونے کے وقت کہ اوقات ممنوع ہیں شروع کی ہو اور امام شافعی رح کے نزدیک چونکہ نفل اصل میں لازم نہیں تو شروع کے بعد بھی لازم نہیں یعنے اگر بعد شروع کے فاسد کر دیگا تو اس کی قضا ان کے نزدیک لازم نہوگی اور دلیل امام اعظم رح کی قول خدا تعالےٰ کا ہے لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ یعنی مت بیکار کرو اپنے عملوں کو اور شروع کے بعد توڑ دینا بھی عمل کو باطل کرنا ہے اور حضرت عائشہ رضہ اور حفصہ رضہ سے منقول ہے ہم کہ روزہ سے تھے کہ ہمارے سامنے ایک کھانا آیا جس کو ہمارا دل چاہتا تھا ہمنے اسکو کھا لیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسکی قضا دوسرے دن کر لینا روایت کیا اسکو ابو داؤد اور ترمذی اور نسائی نے اور طبرانی میں یہ بھی ہے کہ آپنے فرمایا پھر ایسا کام مت کرنا اور اگر چار رکعت نفل کی نیت کی اور بعد پہلے قاعدے کے توڑ دی یا قاعدہ اولیٰ سے پیشتر فاسد کر دی یا چاروں میں کچھ نہ پڑھا یا صرف اول دو رکعتوں میں پڑھا یا صرف پچھلی دو رکعتوں میں پڑھا یا دو رکعتوں میں اول کی اور ایک پچھلی میں قرات کی یا ایک رکعت میں اور دو پچھلی رکعتوں میں پڑھا ان سب صورتوں میں دو رکعتیں قضا کرے اور اگر اول کی دو رکعتوں میں سے ایک میں اور پیچھے کی دو رکعتوں میں سے بھی ایک میں قرات کی یا ایک رکعت میں صرف پہلی دو میں سے پڑھا یا پچھلی دو میں سے تو ان صورتوں میں چاروں رکعتیں قضا پڑھے اور ایک نماز پڑھ کے پھر اس جیسی دوسری نہ پڑھی جائے جاننا چاہیئے کہ سلف سے یہ مضمون اسی طرح چلا آتا ہے۔ اور بعض علماء نے اسکو حدیث خیال کیا ہے اور اسکے معنی چند طور پر بیان کئے ہیں اول یہ کہ جو فرض چار ہیں ان کے بعد اور چار رکعتیں اسطرح نہ پڑھے کہ دو رکعتوں میں قرات ہو اور دو میں نہ ہو جیسے فرض پڑھتے

---

[1] یعنی اُس کا تمام کرنا واجب ہے۔ اگر تمام نکیا اور توڑ دیا۔ تو اس کی قضا واجب ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ نفل قصداً شروع کی گئی ہو بطور ظن کے نہ شروع کی گئی ہو جیسے کسی شخص کو گمان ہوا کہ مثلاً ظہر کی نماز ابھی نہیں پس ظہر کی نماز پڑھنی شروع کر دی اسکے بعد یاد آیا۔ کہ ظہر کی نماز پڑھ چکا ہے تو یہ نماز نفل ہو جائے گی مگر چونکہ اس کو نفل کے قصد سے نہیں شروع کیا ہے اس لئے اس کا تمام کرنا واجب نہیں اور اگر توڑ دے گا تو قضا لازم نہ ہوگی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔

+ + + + + + + + +

ہیں اس فعل کے بموجب یہ مضمون نفل کی کل رکعتوں میں قراءت کے فرض ہونے کا بیان ہے اور اسی توجیہ کو امام محمد رحمہ نے پسند فرمایا ہے دوسرے یہ کہ مسجدوں میں جماعتوں کے مکرر کرنے کو منع کیا ہے تیسرے یہ کہ نماز میں وسوسے جاتے رہنے کا ہوئے تو اسکو از سر نو پڑھنے کو منع کیا ہے اور باوجود قدرت کھڑا ہونیکے نفل پڑھنے والا شروع سے بیٹھ کر پڑھے اور کھڑا ہو کر شروع کی ہو تو بیٹھ کر تمام کرلے اور سوار آدمی شہر کے باہر اپنی سواری پر نفل[1] اشارے سے پڑھے اور منہ اسطرف کو کرے جدھر اُس کی سواری جاتی ہو اور[2] اتر کر جتنی باقی ہو اتنی پڑھ لے اور اگر زمین پر پڑھتا ہو تو سواری پر اسکو تمام کرنا درست نہیں یعنی اگر سواری پر نماز اشارے سے پڑھتا ہے اور اسی حال میں اُترا پہلی نماز پر بنا کرسکتا ہے اور اگر زمین پر پڑھتا تھا اور اسی حال میں سوار ہوا تو پہلی بنا پر بنا نہ کرے بلکہ نئے سر سے نماز پڑھے

فصل تراویح کے بیان میں

رمضان کے مہینے میں نماز عشا کے بعد بیس رکعتیں دس سلام سے وتروں سے پیشتر مسنون ہیں اور وتر کے بعد بھی آئی ہیں اور سنت ہے اُن میں جماعت اور قرآن کا پورا ایک بار سننا اور چار رکعتوں کے بعد بقدر چار رکعتوں کے بیٹھنا اور نماز وتر صرف رمضان میں جماعت سے پڑھے غیر رمضان میں جماعت سے نہ پڑھے

باب فرض نماز میں ملنے کے بیان میں

فرض ظہر کی ایک رکعت پڑھ چکا تھا کہ تکبیر ہوگئی تو دو رکعتیں پوری کرکے امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور اگر فرض فجر یا مغرب کی ایک رکعت پڑھنے پر تکبیر جماعت کی ہو تو نماز کو توڑ کر شامل جماعت ہو جائے اور جس مسجد میں اذان ہوگئی ہو اسمیں سے نکلنا مکروہ ہے جبتک کہ نماز نہ پڑھ لے اور اگر اذان سے پیشتر نماز پڑھ چکا ہو تو نکلنا مکروہ نہیں مگر ظہر اور عشا میں کہ باوجود نماز پڑھ چکنے کے مسجد سے نکلنا مکروہ ہے جبکہ تکبیر شروع ہوگئی ہو۔ اور جو شخص کہ اس بات کا خوف کرے کہ اگر سنت فجر کی ادا کروں گا تو فرض نہ ملینگے تو اس کو چاہیئے کہ سنتوں کو ترک کرکے جماعت میں ملجائے اور اگر فرضوں کے نہ ملنے کا خوف نہو تو سنتوں کو ترک نکرے۔ اور فجر کی سنتیں قضا نہ

فصل

باب فرض نماز میں ملنے کے بیان میں

---

[1] بوجہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سواری پر اشارے سے نماز پڑھتے دیکھا اس حال میں کہ وہ متوجہ تھے خیبر کیجانب ۱۲ [2] یعنی اگر سواری پر نفل نماز شروع کی اور کچھ نماز اشارے سے پڑھ چکا ہے اور اترنا چاہتا ہے تو جائز ہے کہ بقیہ نماز اتر کر رکوع سجدہ سے پڑھے ۱۲ [3] اور اس میں اختیار ہے چاہے سبحان اللہ وبحمدہ یا لا الہ الا اللہ پڑھے یا چپکا بیٹھا رہے [4] البتہ اس شخص کو نکلنا مکروہ نہیں کہ جس کی وجہ سے دوسری مسجد میں جماعت اکٹھا ہو جاتی ہو خاص طور سے کہ یہ اُس مسجد کا موذن یا امام ہو یا صاحب اثر ہو کہ اسکی موجودگی میں جماعت اکٹھا ہو جائیگی اور بے موجودگی میں لوگ منتشر ہو جائیں گے یا کم ہو جائیں گے ۱۲ [5] کیونکہ جماعت سے اعراض کی صورت ہے ۱۲

کیجاویں مگر فرضوں کے ساتھ ہیں یعنی اگر سنتیں صرف قضا ہو گئی ہوں فرض قضا نہوے ہوں تو سنتوں کو قضا نہ پڑھے ہاں اگر سنت و فرض دونوں قضا ہو گئے ہوں تو اسوقت قضا فرض کے ساتھ میں سنتیں بھی پڑھ لے اور ظہر کے پہلے کی چار رکعتیں ظہر ہی کے وقت میں بعد کی دو رکعت سنت سے پیشتر[1] ادا کیجائیں یعنی اگر چار سنتیں ظہر سے پہلے نہ ملی ہوں تو ان کو فرضوں کے بعد ہی دو سنتوں سے پیشتر ادا کرلے اگر وقت ظہر ہو اور ایک رکعت کے ملنے سے ظہر جماعت کے ساتھ نہوگی بلکہ ثواب جماعت کا ملیگا یعنی اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں ظہر کو جماعت کے ساتھ پڑھونگا اور سبکو ایک ایک رکعت ہاتھ آئی تو اُسپر قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور نماز فرض سے پہلے نفلیں اس صورت میں پڑھے کہ وقت کی نماز جاتے رہنے کا خوف نہو ورنہ نفل نہ پڑھے فرضوں پر کفایت کرنا چاہیئے بعض علما نے ان نفلوں سے مراد سنت لی ہے یعنی حکم سنتیں پڑھنے کا اسوقت ہے۔ کہ وقت کی نماز جانے کا خوف نہو۔ اور بعضوں نے نفلیں ہی مراد لی ہیں جب کوئی مسجد میں آوے اور جماعت میں دیر ہو۔ تو نفلیں پڑھے یہاں تک کہ خوف جماعت کا نہ ہوئے کہ وقتی نماز جماعت سے نہ ملیگی اور اگر امام کو رکوع میں پایا اور تکبیر کہکر کھڑا رہا یہانتک کہ امام نے سر اپنا رکوع سے اٹھا لیا تو مقتدی سے رکعت مذکور فوت ہو گئی یعنی شرط رکعت کے ملنے کی یہ ہے کہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جاوے۔ اور اگر رکوع امام کے ساتھ نہ ملا تو ساری رکعت اگر مقتدی نے امام سے پہلے رکوع کیا اور رکوع ہی میں امام نے اس کو جا لیا تو درست ہے اور اگر امام کے رکوع سے پہلے مقتدی نے رکوع سے پہلے سر اٹھا لیا تو نماز اس کی جاتی رہے گی۔ گو اول صورت میں نماز نہیں گئی مگر تاہم مقتدی کو نہ چاہیئے کہ امام سے پہلے کوئی کام نہ کرے

باب۔ قضا نمازوں کے ادا کرنے کے بیان میں

ترتیب نماز قضا اور نماز وقتی میں اور خود قضا نمازوں میں واجب ہے[2] اور ترتیب تین باتوں سے ساقط ہو جاتی ہے اول قضا نمازوں کا شمار پانچ سے زیادہ ہو جانے سے اور ترتیب نہیں پھر آتی بہت سی قضا نمازوں کے

باب قضا نمازوں کے ادا کرنے کے بیان میں

---

[1] اصح یہ ہے۔ کہ ظہر کے بعد پہلے دو سنتیں پڑھ لے تب پہلے والی چار سنتیں پڑھے جیسا کہ ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب چار رکعتیں ظہر سے پہلے کی فوت ہو جاتی تھیں تو بعد دو رکعتوں کے انکی قضا کیا کرتے تھے ۱۲ [2] امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ترتیب مستحب ہے اور دلیل ہماری دارقطنی کی حدیث ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص سو گیا یا بھول گیا کسی نماز کو بس نہیں یاد آئی لیکن اس حال میں کہ وہ امام کے ساتھ ہے تو اس کو چاہیئے کہ جو نماز امام کے ساتھ پڑھے پھر جس نماز کو یاد کیا ہے اُسے پڑھے پھر اس نماز کا اعادہ کرے کہ جس کو امام کے ساتھ پڑھا تھا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

کم ہوجانے سے یعنی اگر اس کے ذمے بہت سی نمازیں تھیں اور اس نے انہیں سے ادا کیں یہاں تک کہ پانچ سے کم رہگئیں تو اس سے صاحب ترتیب ہوجاویگا جبتک کہ سب ادا نہ کرچکے اگر کوئی شخص فرض وقت پڑھے حالانکہ اس کو یاد ہے کہ میرے ذمہ ایک نماز ہے گو وہ قضا نماز وتر ہو تو اس شخص کے فرض فاسد ہوویںگے مگر ان کا فساد موقوف ایک شرط پر رہیگا وہ یہ ہے کہ ان فرضوں کے بعد اگر قضا نماز ادا کرلے گا۔ تو یہ فرض فاسد ہوجاویں گے ان کو بھی دوبارہ پڑھے اور اگر اس قضا نماز کو ادا نہ کیا یہاں تک کہ چھ وقتی نمازیں ادا کرلیں تو سب نمازیں صحیح ہوجاوینگی اسلئے کہ کثرت کی حد میں داخل ہوگئیں اور کثرت ترتیب کو دور کرتی ہے جیسے بھولنا۔ اور وقت کا تنگ ہونا ترتیب کو ساقط کردیتا ہے مثلاً اگر بھولے سے وقتی نماز پڑھ لے تو جائز ہوجاتی ہے اسی طرح وقت تنگ ہو کہ وہ کہ قضا کو پڑھے گا تو وقتی نماز کا وقت نہ رہے گا تو اس صورت میں بھی قضا کو ملتوی کرکے وقتی کو پڑھے اور ترتیب کے واجب ہونے میں شافعیؒ کا خلاف ہے[1] اور امام اعظمؒ کی دلیل قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ جو شخص کوئی نماز نہ پڑھے اور بھولجاوے اور اسوقت یاد کرے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہو بس اس کو چاہیئے کہ جو نماز پڑھ رہا ہے اسکو چھوڑ دے پھر وہ نماز پڑھے جو اس کو یاد آئی ہے یعنی قضا کو پڑھے پھر اس نماز کو دوبارہ پڑھے جو امام کے ساتھ پڑھی تھی۔ اس حدیث سے ترتیب کا لازم ہونا قضا نماز اور وقتی نماز میں معلوم ہوتا ہے اور اس حدیث کو مالک اور دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور نیز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی نمازیں فوت ہوگئیں تو آپ نے اُن کو ترتیب وار ادا فرمایا اور ارشاد کیا کہ نماز اسی طرح ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے دیکھا اس حدیث سے قضا نمازوں میں ترتیب کا لازم ہونا پایا جاتا ہے واللہ اعلم

باب سہو یعنی بھول کے سجدوں کے بیان میں۔ جو فعل کہ نماز میں واجب ہے اس کے چھوڑنے سے بعد سلام[2] کے دو سجدے مع التحیات اور سلام کے واجب ہوتے ہیں اگرچہ ترک واجب مکرر ہوجاوے یعنی چند سہو کے لئے وہی دو سجدے کفایت کرتے ہیں اور سجدہ سہو واجب ہوتا ہے امام کے سہو سے نہ مقتدی کی بھول سے یعنی اگر امام نے سہو کیا تو مقتدی کو بسبب امام کی متابعت کے سجدہ

باب سہو یعنی بھول کے سجدوں کے بیان میں

---

[1] یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے کیونکہ ان کے نزدیک تو ترکی نماز واجب ہے ۱۲ [2] کیونکہ سجدے سہو کے ایک نماز میں دو بار نہیں کیئے جاتے اگر ایک نماز میں کئی سہو ہوں تو وہ سجدہ سہو بعد ہوجاوینگے لیس چاہیئے کہ بعد سلام کے سجدے سہو کیئے جاویں کیونکہ اگر سلام میں سہو ہو تو بھی ان ہی دو سجدوں سے پورا ہوجاوے بخلاف شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک قبل سلام کے دو سجدے سہو ہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

سہو لازم[1] ہو جاتا ہے اگر مقتدی سے سہو ہو[2] اور امام سے نہ ہوا تو مقتدی سے سجدہ سہو ساقط ہو جاتا ہے اور امام شافعی رح کے نزدیک سجدۂ سہو سنت ہے واجب نہیں اور سلام سے پہلے ہے نہ بعد اسکے اور دلیل امام اعظم رح کی ظاہر قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ ہر سہو کے واسطے دو سجدے ہیں بعد سلام کے روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے پس اگر نمازی پہلا قاعدہ بھولکر اُٹھے مگر قعدے سے نزدیک ہو تو بیٹھ جاوے اور قعدہ[3] کرے اور قیام سے نزدیک ہو تو نہ بیٹھے اور آخر میں قعدہ کی بھول کے واسطے سجدہ سہو کرے۔ فائدہ کہتے ہیں کہ دوری اور نزدیکی قعدے سے باعتبار نمازی ف
کے نیچے کے دھڑ کے ہے یعنی اگر نیچے کا آدھا دھڑ سیدھا نہیں ہوا تو قعدے کے نزدیک ہے ورنہ قیام کے نزدیک اور اگر قعدہ اخیر کو بھولکر اُٹھ کھڑا ہو تو جبتک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے بیٹھ جاوے اور سجدہ سہو کرلے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کیا تو سجدہ سے سر اُٹھاتے ہی فرض باطل ہو گئے اور وہ نماز نفل ہو گئی۔ اس صورت میں چاہیئے کہ پانچویں رکعت کے ساتھ چھٹی ملا لیوے اور اگر قعدہ اخیر کرکے اُٹھ کھڑا ہو تو پھر بیٹھ جاوے اور سلام پھیرے اور اگر اس صورت میں بھی پانچویں رکعت کے لئے سجدہ کرلیا تو فرض تو پورے ہو گئے مگر اس پانچویں کے ساتھ ایک[4] رکعت چھٹی ملاوے تاکہ یہ دونوں رکعتیں کہ چار کے بعد ہوئیں نفل ہو جاویں اور سجدہ سہو کرے اور اگر نماز نفل میں دو رکعت کے بعد سجدۂ سہو کرے تو اُن رکعتوں پہ اور دو رکعتیں بنا نکرے اسلئے کہ سجدہ سہو نماز کے آخر میں ہونا چاہیئے نہ بیچ میں اور اگر سہو والے نے نماز کا سلام پھیرا اور کسی شخص نے اس خیال سے کہ اُسپر سجدہ سہو باقی ہے اُس کا اقتدا کیا تو اگر یہ سہو والا سجدہ سہو کرے گا تو مقتدی کا اقتدا صحیح ہے ورنہ درست نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اقتدا بعد سلام کے یعنی نماز سے خارج ہونیکے بعد درست نہیں اور سجدہ کرنے کی صورت میں صحت اقتدا کی وجہ یہ ہے کہ اقتدا نماز کے اندر واقع ہو جاتا ہے اور سجدہ سہو اگر ذمہ ہوا ادا کرے گو سلام بہ نیت نماز کے تمام کرنے کے پھیرا ہو اور اگر مصلی شک کرے کہ کتنی رکعتیں ادا کی ہیں اور یہ شک اول ہی دفعہ ہوا ہو تو نمازنئے سر سے پڑھے اور اگر شک اکثر

ف ۱ پس اگر امام نہ سجدہ کرے، تو مقتدی بھی نہ کرے کیونکہ اگر بغیر امام کے کریگا تو امام کی مخالفت لازم آئیگی اور وہ جائز نہیں ۱۲ ف ۲ کیونکہ اگر تنہا مقتدی سجدہ کرے گا تو مخالفت امام کی ہوگی اور اگر امام بھی کرے تو قلب موضوع ہے کہ امام مقتدی کا تابع ہو جائیگا حالانکہ مقتدی امام کا تابع ہوتا ہے ۱۲ ف ۳ اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہوگا ۱۲ ف ۴ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ بتیرا سے منع فرمایا ہے ایک رکعت اور ملائے تاکہ دو رکعتیں نفل ہو جائیں اور اگر نہ پڑھے گا تو قضا لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ قصداً نہیں شروع کی گئی ہیں اور صلوٰۃ بتیرا یہ ہے کہ ایک رکعت کی نماز پڑھی جائے ۱۲ ف ۵ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب شک کرے کوئی تم میں کہ اپنی نماز میں کتنی نماز پڑھی پس چاہیئے کہ نئے سر سے نماز پڑھے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

پڑا کرتا ہو تو اٹکل سے[1] اپنے دل میں قیاس کرے کہ کتنی پڑھ چکا ہوں اور اگر دل کی شہادت سے کسی طرف کو ظن غالب نہو تو کمتر رکعتیں اختیار کرے یعنی اگر شک تین اور چار میں تھا تو تین کو اختیار کرکے ایک رکعت[2] اور پڑھے ظہر کی نماز پڑھنے والیکو گمان ہوا کہ میں نماز پوری پڑھ چکا اور اسی دھوکہ میں سلام پھیر دیا بعد اسکے جانا کہ دو رکعتیں پڑھی ہیں چار نہیں ہوئیں تو دو اور پڑھ لے اور سجدہ سہو کرلے لیکن یہ حکم جبتک ہے کہ اس نے سلام کے بعد کوئی کام نماز کا مفسد نکیا ہو۔ اور اگر کوئی امر خلاف نماز کے واقع ہوا ہو تو نماز پھر سے پڑھے۔ باب۔ بیمار کی نماز کے بیان میں جس شخص کو نماز میں کھڑا ہونا دشوار ہو یا مرض کی زیادتی کا خوف ہو تو وہ شخص نماز بیٹھکر رکوع اور سجدہ کے ساتھ پڑھے اور اگر رکوع اور سجدہ بھی مشکل ہو تو اشارے سے پڑھے اور سجدے[3] کو رکوع کی نسبت زیادہ پست کرے اور کوئی چیز اس کے منہ سامنے اسلئے نہ اٹھائی جاوے کہ اسپر سجدہ کرے مثلاً تکیہ خواہ لکڑی سجدے کے لئے نہ ابھاری جاوے اور اگر ایسا بھی ہو مگر سجدے میں سر رکوع سے پست[4] تر کرتا ہو تو جائز ہے اور اگر سر پست نہ کرتا ہو تو درست نہیں اور اگر بیٹھا بھی نہ جاوے تو نماز چت لیٹ کر یا کروٹ پر لیٹ کر اشارے سے پڑھے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو نماز ملتوی کیجاوے یعنی بعد شفا کے قضا کرے اور اشارہ دونوں آنکھوں اور دل اور بھوؤں سے نکرے اور بعض علما کے نزدیک جس طرح پر ہو سکے ادا کرے اور تندرستی کے قضا کرے اور یہ قول احتیاط کے قریب ہے۔ اور دلیل امام اعظم رح کی قول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ نماز پڑھ کھڑا ہوکر اور اگر نہو سکے تو بیٹھ کر اور نہو سکے تو چت لیٹ کر اور اور ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر نہو سکے تو البتہ سبحانہ وتعالےٰ عذر ماننے کیواسطے سزاوار تر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ آنکھ اور دل اور ابرو کا لازم نہیں واللہ اعلم اور اگر رکوع اور سجدہ مشکل ہو کھڑا ہونا دشوار نہو تو بیٹھا اشارے سے پڑھے اور اگر عین نماز کے اندر بیمار

---

[1] کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی نماز میں شک کرے یعنی اکثر شک ہوتا ہو تو رائے قائم کرے کہ کتنی نماز پڑھی ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [2] اور چاہیے کہ بعد تین رکعت کے قعدہ بھی کرے کہ شاید یہ چوتھی رکعت ہو تو قعدہ اخیرہ نہ کرے ہو ۱۲ [3] یعنی سجدے کے اشارہ کو بہ نسبت رکوع کے اشارہ کے زیادہ پست کرے کیونکہ یہ دونوں اشارے رکوع اور سجدہ کے قائم مقام ہیں اور رکوع سے سجدہ زیادہ پست ہوتا ہے لہذا اُن کے قائمقام بھی ایسے ہی ہونگے ۱۲ [4] یعنی اگر بوجہ سجدہ کے لئے کسی چیز کے ابھارنے کے سر جھکاتا ہے۔ اس طرح سے کہ رکوع کے سر جھکانے سے سجدہ کے لئے سر زیادہ جھکتا ہے تو جائز ہے کیونکہ اشارہ متحقق ہو جائے گا مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔

باب بیمار کی نماز کے بیان میں

ہو جاوے تو اسکو پورا کرے جس طور پر کہ ہو سکے خواہ بیٹھ کر خواہ بیٹھ کر خواہ کروٹ پر خواہ اشارہ سے اور
اگر بیٹھ کر نماز کو رکوع اور سجدے کے ساتھ پڑھتا تھا اور نماز ہی میں تندرست ہو گیا تو کھڑا ہو کر
باقی کو پورا کرے اور اگر رکوع و سجدہ اشارہ سے کرتا تھا۔ اور صحت پائی تو اس صورت میں اس نماز
پر بنا نہ کرے بلکہ کھڑا ہو کر نئے سر سے نماز پڑھے اور نفل والے کو تکیہ کرنا کسی چیز مثل دیوار اور لاٹھی
پر درست ہے[۱] بشرطیکہ تھک گیا ہو۔ اور اگر کشتی میں بدون عذر نماز[۲] بیٹھ کر پڑھے تو درست ہے[۳]
اور عذر کشتی کا سر گھومنا اور قے کا آنا وغیرہ ہے اور شروع نماز کیوقت قبلے کیطرف منہ کر لینا لازم ہے
اور بعد اس کے جسطرف کو قبلہ پھرے اسی طرف کو نماز کے اندر منہ کر لے اور جو شخص بیہوش یا مجنوں
ہو جاوے پانچ نمازوں کے وقت تک وہ نمازوں کو قضا کرے اور اگر پانچ نمازوں سے زیادہ ہو جاویں
تو قضا کرنا لازم نہیں[۴] باب۔ تلاوت قرآن کے سجدہ کرنے کے بیان میں سجدہ واجب ہے
ایک آیت کے پڑھنے سے چودہ آیات سجدہ میں سے اور نزدیک امام شافعی رح کے سجدہ تلاوت
سنت ہے اور دلیل امام اعظم رح کی یہ حدیث ہے سجدہ لازم ہے سننے والے اور پڑھنے والے سجدہ پر
اور ظاہر الفاظ اس حدیث کے واجب ہونیکو مقتضی ہیں ان آیتوں میں سے پہلے آیت سجدے کی
سورہ حج میں ہے اور ایک آیت سورہ ص میں اور نزدیک امام شافعی رح کے سورہ حج کے آخر آیت
سجدہ ہے[۵] اور سورہ ص میں ان کے نزدیک سجدہ نہیں اور دلیل امام اعظم رح کی یہ ہے کہ مصحف عثمانی
میں کہ معتمد علیہ اس باب میں ہے ان آیات پر علامت سجدہ کی بنی ہے غرض یہ کہ سجدہ کی آیتیں
ان سورتوں میں ہیں سورہ اعراف کے آخر میں۔ سورہ رعد میں۔ سورہ نحل میں۔ سورہ بنی اسرائیل
میں۔ سورہ مریم میں۔ سورہ مریم میں۔ سورہ حج میں اول آیت۔ سورہ فرقان میں۔ سورہ نمل
میں۔ سورہ الم تنزیل میں۔ سورہ حم سجدہ میں۔ سورہ ص میں۔ سورہ والنجم۔ سورہ اذا السماء انشقت
سورہ اقرا میں سجدہ واجب ہوتا ہے۔ اس شخص پر کہ آیت سجدہ کو تلاوت کرے گو امام ہو اور اس

باب تلاوت قرآن کے سجدہ کرنے کے بیان میں ف

---

[۱] اور اگر بلا تھکے ہوئے تکیہ کیا کسی چیز پر تو مکروہ ہے ۱۲ [۲] لیکن کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اس مسئلہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہمارے نزدیک جائز ہے لیکن کھڑے ہو کر افضل ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [۳] لیکن شرط یہ ہے کہ کشتی جاری ہو اور اگر بندھی ہوئی ہے تو کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے بیٹھ کر جائز نہیں کیونکہ وہ مثل کنارے کے ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [۴] اس لئے کہ یہ قلیل ہیں جو تکرار کو نہیں پہنچیں ان کے قضا کرنے میں شرعاً حرج نہیں متصور ہے اور جب پانچ سے زیادہ ہو جاویں تو وہ حد تکرار کو پہنچ گئیں ان کے قضا کرنے میں شرع نے حرج کا اعتبار کیا ہے لہذا ان کی قضا واجب نہیں ۱۲ مفتی وصی علی ملیح آبادی [۵] ہمارے نزدیک سورہ حج کی آخر آیت میں مراد سجدہ صلاتیہ ہے نہ سجدہ تلاوت کیونکہ جس مقام پر کلام مجید میں لفظ سجدہ کے ساتھ لفظ رکوع متصل ہے وہاں پر سجدہ صلاتیہ مراد ہے ۱۲ مفتی محمد وصی اعلی ملیح آبادی۔

شخص پر جو اُسکو سنے اگرچہ بے ارادہ سُنا ہو یا مقتدی اور واجب نہیں ہوتا مقتدی کی تلاوت سے یعنی اگر مقتدی نے آیت سجدہ نماز میں پڑھی ہو تو اُس پر یا امام پر سجدہ لازم نہوگا اور اگر آیت سجدہ نمازی نے اپنے سوا کسی اور سے سنی تو بعد نماز کے سجدہ کرے[1] اور اگر نماز میں سجدہ کرے تو بعد نماز کے پھر سے سجدہ کرے نماز کو نہ دوہراوے[2]۔ اور اگر امام سے آیت سجدہ سنی پھر اس کا اقتدا کیا پیشتر اس سے کہ امام سجدہ تلاوت کرے تو امام کے ساتھ سجدہ کرلے اور اگر اقتدا بعد سجدہ امام کے کیا تو اُسکو سجدہ نکرنا چاہیے[3] اور اگر اس امام کا اقتدا نہ کرے تو سجدہ تلاوت خود کرلے اور جو سجدہ کہ نماز کے اندر واجب ہوا ہو وہ نماز کے باہر قضا نکیا جاوے اور اگر آیت سجدہ نماز کے باہر پڑھی اور سجدہ کرلیا پھر نماز میں اُسی آیت کو دوبارہ پڑھا تو دوسری دفعہ سجدہ کرے اور اگر سجدۂ اول باہر نہیں کیا تھا تو ایک سجدہ کفایت کرتا ہے جیسے وہ شخص کہ آیت سجدہ کو ایک مجلس میں کئی بار پڑھے نہ کہ دو مجلسوں میں یعنی اگر آیت سجدہ کو ایک مجلس میں کئی بار پڑھا[4] تو ایک سجدۂ واجب ہوگا۔ اور کئی مجلسوں میں پڑھا تو ہر مجلس میں ایک سجدہ واجب ہوگا اور کیفیت سجدۂ کی یہ ہے کہ نماز کے شرائط کے ساتھ بدون ہاتھ اٹھانے کے اللہ اکبر کہہ کر سجدۂ کرے اور پھر اللہ اکبر کہکر سر اُٹھاوے التحیات اور سلام پھیرنا اس میں کچھ نہیں اور مکروہ ہے کہ کسی سورت کو پوری اور آیت سجدہ کو چھوڑ دیوے[5] اور اس کا اُلٹا یعنے آیت سجدہ کو صرف پڑھنا اور سورت کو نہ پڑھنا مکروہ نہیں

باب مسافر کی نماز کے بیان میں

جو شخص بارادہ سفر میانہ تین دن رات کے اپنے شہر کے گھروں سے باہر نکلجاوے[6] جنگل میں خواہ دریا میں خواہ پہاڑ میں تو وہ چار رکعت فرضوں کو دو رکعت پڑھے جاننا چاہیے کہ نماز کے قصر کرنے کے لئے میانہ چال سے سفر تین دن یا تین رات کا شرط ہے یعنی ایسی چال سے کہ قافلہ بھی پہنچ سکے پس جنگل اور دریا اور پہاڑ میں اس کا فاصلہ مختلف ہوگا اس لئے ہر جگہ میں اسی کے موافق تین دن رات کے سفر کی نیت کرنی چاہیے اور امام شافعی رح کے نزدیک دو دن رات کا سفر ہونا شرط ہے اور دلیل امام اعظم رح کی قول رسول خدا

باب مسافر کی نماز کے بیان میں

---

[1] کیونکہ یہ سجدہ افعال نماز سے نہیں ہے ۱۲ [2] کیونکہ وہ سجدہ اگرچہ افعال نماز سے نہ تھا تاہم مجرد سجدۂ نماز کے منافی نہیں نماز باقی رہی ۱۲ [3] کیونکہ امام کے ساتھ رکعت پالینے حکماً سجدہ بھی پالیا اگرچہ حقیقتاً نہیں پایا ۱۲ ۱۲
[4] یعنی اسی آیت کو ایک مجلس میں مکرر سہ کرر پڑھا ۱۲ [5] کیونکہ اسمیں سجدہ سے اعراض لازم آتا ہے البتہ یہ بات مستحسن ہے کہ آیت سجدۂ کو چپکے سے پڑھے تاکہ سننے والے پر واجب نہ ہوئے شاید کہ وہ بیوضو ہو تو سجدہ کرنے میں اُسے زحمت ہوگی ۱۲ [6] اسلئے کہ مجرد شہر کے گھروں میں داخل ہونے سے مقیم ہوجائیگا پس شہر کے گھروں سے نکلتے ہی مسافر ہوجائیگا اس بات میں حضرت علی رض سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر ہم بارادہ سفر اپنے ان جھونپڑوں سے تجاوز کریں تو قصر کریں گے ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی

صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ مسافر موزوں پر مسح کرے تین دن رات پس ہر مسافر کیلئے تین دن رات مدت مسح ہونی چاہیئے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسافت کم تین دن رات سے نہیں ہوتی ہے اور نیز امام شافعی رحمۃ کے نزدیک سفر میں قصر اور پوری نماز پڑھنی دونوں جائز ہیں اور امام اعظم رحمۃ کے نزدیک قصر لازم ہے اور پوری پڑھنی جائز نہیں اس دلیل سے کہ حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ نماز دو دو رکعت فرض ہوئی تھی پس سفر کی نماز تو ویسی ہی رہی اور حالت قیام میں زائد کی گئی۔ اور نیز ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ تمھارے نبیؐ کی زبانی اللہ تعالےٰ نے چار چار رکعتیں حالت قیام میں فرض کیں اور دو دو حالت سفر میں روایت کیا اسکو بخاری اور مسلم نے پس اگر سفر میں پوری چار رکعتیں پڑھیں اور دو رکعت کے بعد بیٹھا تو نماز درست ہوگی اور اگر دوسری رکعت کے بعد نہیں بیٹھا تو نماز جائز نہوگی اس لیے کہ مسافر کے حق میں اول قعدہ ہی قعدہ اخیر ہے جو فرض ہے تو اسکے ترک سے نماز نہوگی اور یہ حکم قصر کا جبتک ہے کہ مسافر اپنے شہر میں داخل ہو یا پندرہ روز کے ٹھیرنیکی کسی شہر میں یا گانوں نیت کرے نہ مکہ اور منیٰ میں یعنی پندرہ دن کی نیت اگر دو جگہ میں کریگا۔ تو اس سے مقیم نہوگا۔ اور ذکر مکے اور منیٰ کا مثال کے طور پر ہے اور اگر نیت ٹھیرنیکی پندرہ دن سے کم کرے خواہ کچھ نیت نکرے اور برسوں تک رہے تو سفر ہی کا حکم رہیگا نماز قصر کیجاوے یا نیت کرے پندرہ دن کے ٹھہرنے کی کوئی لشکر کسی دار الحرب میں گو وہاں کے کسی شہر کا محاصرہ کئے ہوں یعنی لشکر اسلام غالب ہو یا لشکر اسلام نے سرکشوں کا محاصرہ دار الاسلام میں ایسی جگہ کر رکھا ہو جو شہر نہو تو ان صورتوں بھی حکم سفر کا ہوگا نہ اقامت کا بخلاف اہل خیموں کے کہ جہاں کہیں گھاس اور پانی پاتے ہیں اپنے مواشی کے ساتھ وہاں خیمہ ڈالدیتے ہیں اُن کا وطن ہی خیمہ ٹھیر گیا ہے اور اس قسم کے لوگ ہمیشہ مقیم رہتے ہیں نہ مسافر۔ متن کتر میں لفظ خبیہ جمع خباکی ہے جسکے معنی خیمے کے ہیں اور اگر کوئی مسافر کسی مقیم کے پیچھے نماز پڑھے

ف۱ کیونکہ فرض ادا ہو گیا اور گنہگار ہوگا اسوجہ سے کہ سلام میں تاخیر کی اور کفر بنیت کیا۔ اور فرض کو نفل کے ساتھ ملادیا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ف۲ شہر اور گانوں کی قید اسواسطے لگائی کہ اگر جنگل بیابان میں پندرہ روز ٹھیرنے کی نیت کریگا تو اعتبار نہوگا ۱۲ ف۳ اسلئے کہ جناب حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ آذربیجان میں جو ایک مقام کا نام ہے چھ ماہ قیام پذیر رہے اور برابر قصر کرتے رہے کیونکہ نیت اقامت کی نہ تھی ۱۲ ف۴ کیونکہ وہ جائے اقامت نہیں وہاں کی اقامت میں تردد ہے ۱۲

مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

تو اس نماز کے وقت میں یہ اقتدا درست ہے اور مقیم کی متابعت سے مسافر بھی پوری نماز پڑھے اور اگر وقت نماز کا نہیں یعنی مقیم قضا پڑھتا ہو اور مسافر بھی وہی نماز قضا پڑھے تو اقتدا درست نہیں اور اگر مقیم مسافر کے پیچھے نماز پڑھے تو دونوں صورتوں میں اقتدا درست ہے خواہ وقت نماز ہو یا وقت کے بعد پڑھتا ہو لیکن جب مسافر امام اپنی دو رکعت پڑھ لے مقیم اپنی نماز کو چار رکعتیں کر لے۔ فائدہ مقیم جو دو رکعتیں اپنی پڑھے انکو ایسی طرح پڑھے گا گویا امام کے پیچھے ہے ف
یعنی ان میں الحمد نہ پڑھے بلکہ الحمد کی مقدار تک کھڑا رہکر رکوع و سجدہ کرے اور یہ مسئلہ کار آمد ہے اکثر عوام اس سے غافل ہیں اور وطن اصلی دوسرے وطن سے جاتا رہتا ہے سفر سے باطل نہیں ہوتا اور وطن اقامت دوسرے وطن اقامت سے اور اسجگہ سے سفر کرنے سے اور وطن اصلی میں چلے جانے سے باطل ہو جاتا ہے جاننا چاہیے کہ وطن اصلی اسکو کہتے ہیں۔ کہ آدمی اپنی اور اپنے اہل و عیال کی بود و باش مقرر کرے اور وطن اقامت وہ ہے کہ جہاں پندرہ روز یا زیادہ ٹھیرنے کی نیت کرے پس اگر ایک وطن اصلی کو چھوڑ کر دوسرا وطن اصلی اختیار کرے تو وطن اول باطل ہو جاتا ہے اور اسجگہ سے چند روز کے سفر کر جانے سے باطل نہیں ہوتا اور وطن اقامت کو چھوڑ کر اگر دوسرا وطن اقامت کر لے تب بھی باطل ہو جاتا ہے اور اگر اس سے سفر کرے یا وطن اصلی کو چلا جائے تب بھی جاتا رہتا ہے اور سفر کی قضا اور مقام کی قضا دو رکعتیں اور چار رکعتیں پڑھی جاویں یعنے سفر کی قضا دو رکعت ہیں اور حضر کی چار اور سفر اور مقام میں معتبر وقت آخر نماز کا ہے تو آخر وقت میں اگر نمازی مسافر ہوگا تو سفر کی پڑھنی پڑیگی اگر مقیم ہوگا تو اقامت کی اور سفر کی اجازت قصر وغیرہ میں گنہگار دوسروں جیسا ہے یعنے اگر بالعمد رہزنی یا سرکشی کے مثلاً سفر اختیار کرے تو اس سفر میں بھی اجازت قصر نماز اور افطار روزہ کی ہوتی ہے اس لئے کہ نافرمانی اس شخص کی دوسری بات میں ہے جو سفر کے بعد حاصل ہوگی اصل سفر میں نافرمانی نہیں اپنی ذات سے مباح ہے اور نیت اقامت اور سفر میں اصل کا اعتبار ہے تابع کا نہیں یعنی عورت اور غلام اور

۱؎ مستحب ہے امام مسافر کے لئے کہ جب اپنی نماز پڑھ چکے تو مقتدیوں سے کہدے کہ میں مسافر تھا جو لوگ مسافر نہوں اپنی اپنی نماز پوری کرلیں کیونکہ ایسا ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا جبکہ مکہ والوں کو حضور نے نماز پڑھائی تھی اس حال میں کہ حضور مسافر تھے ۱۲ مفتی محمد وصی علی [illegible] آبادی ۲؎ وطن اصلی میں آتے ہی نماز پوری پڑھے گا خواہ بہت تھوڑی ہی دیر کیلئے آیا ہو۔ وہاں آکر پوری نماز پڑھنے کے لئے ٹھہرنے کی نیت کرنا کچھ ضرور نہیں ۱۲ ۳؎ اس میں امام شافعی کا اختلاف وہ کہتے ہیں کہ جو شخص کسی گناہ کرنے کے لئے سفر کرے گا اس کو افطار صوم و قصر نماز وغیرہ کی رخصت حاصل ہوگی ۱۲ مفتی محمد وصی علی [illegible] آبادی

نماز جمعہ کے بیان میں

سپاہی کی نیت کا اعتبار نہیں بلکہ شوہر اور آقا اور حاکم کی نیت کا اعتبار ہے۔

باب۔ نماز جمعہ کے بیان میں۔ نماز جمعہ کے ادا کی یہ شرطیں ہیں ۱ اوّل شہر کا ہونا اور شہر وہ جگہ ہے جہاں کوئی حاکم ہو جس سے اہل اسلام کو تقویت ہو اور قاضی ہو کہ حدود و احکام شرعی کو جاری کرتا ہو خواہ عیدگاہ کا ہونا کہ شہر کے کنارہ ہوا کرتی ہے وہ بھی سب باتوں میں شہر میں داخل ہے۔ اور امام شافعی رح کے نزدیک شہر شرط نہیں اور انپر قول حضرت علی رض کا حجت ہے کہ آپنے فرمایا کہ جمعہ اور تشریق اور عید الفطر اور عید الضحیٰ سوائے شہر جامع کے اور جگہ نہیں روایت کیا اسکو ابن ابی شیبہ نے اور اس روایت کی تصحیح کی ابن حزم اور عبد الرزاق نے علاوہ ازین جب صحابہ اور تابعین نے ملک فتح کیئے تو شہروں کے سوا اور جگہوں میں نہ ممبر بنائے نہ جمعہ مقرر فرمایا اور منٰی ۲ شہر ہے عرفات شہر نہیں۔ اور ایک شہر میں جمعہ چند جا ادا کیا جاوے دوسری شرط ادائے جمعہ کی حاضر ہونا بادشاہ کا ہے یا اسکے نائب کا جو قاضی ہے اور اسمیں شافعی رح کا اختلاف ہے اور دلیل امام اعظم رح کی ارشاد حسن بصری رض کا ہے کہ آپنے فرمایا کہ چار چیزیں جو بادشاہ کو سپرد ہیں ان میں سے جمعہ اور عید ہے تیسری شرط وقت ظہر کا ہونا ہی پس اس کے نکلجانے سے جمعہ باطل ۳ ہوجاویگا چوتھی شرط نماز جمعہ سے پہلے خطبہ ہے اور مسنون یہ ہے کہ امام دو خطبے طہارت کے ساتھ کھڑا ہو کر ۴ پڑھے اور دونوں کے بیچ میں کچھ بیٹھے اور کفایت کرتا ہے ایک دفعہ الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ کہنا پانچویں شرط جماعت ہے اور وہ امام کے تین آدمی ہیں پس اگر سجدہ کرنے پیشتر جماعت کے لوگ بھاگ جاویں تو جمعہ باطل ہوجاویگا چھٹی شرط اذان عام ہے یہاں تک کہ جو کوئی چاہے آکر نماز میں مشغول ہوجائے اور جمعہ کے واجب ہونیکی شرطیں یہ ہیں اوّل مقیم ہونا کہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں دوسرے مرد ہونا کہ عورت پر نہیں تیسرے تندرستی کہ بیمار پر واجب نہیں چوتھے آزاد ہونا کہ غلام پر جمعہ نہیں پانچویں آنکھوں کا سلامت ہونا کہ اندھے پر واجب نہیں چھٹے پاؤں کا درست ہونا کہ لنگڑے اور اپاہج پر درست نہیں اور جو

۱؎ اور ایک روایت میں شہر کی یہ تعریف آئی ہے کہ جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے لوگ نہ سما سکیں شہر ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو بھی اختیار کیا ہے ۱۲ ۲؎ کیونکہ منیٰ میں آبادی ہے اور عرفات میں آبادی نہیں میدان پڑا ہے ۱۲ ۳؎ یعنی اگر جمعہ پڑھتے پڑھتے ظہر کا وقت نکل گیا تو جمعہ باطل ہوگیا اب اسکو قضا ظہر نماز کی کرنا ہوگی نئے سر سے ۱۲ ۴؎ پس اگر بیٹھکر یا بلا طہارت خطبہ پڑھا جائیگا تو جائز ہوگا لیکن مکروہ ہوگا ۱۲ ۵؎ کیونکہ ان لوگوں کے حاضر ہونے میں حرج و ضرر ہے اسلئے ان سے جمعہ ساقط ہوگیا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

شخص کہ جمعہ اُسپر واجب نہیں اگر وہ جمعہ کو ان شرائط کے ساتھ جو گذر چکیں ادا کرے تو یہ جمعہ فرض وقت یعنی ظہر کے بدلے میں ادا ہو جاویگا اور مسافر اور غلام اور بیمار کو جائز ہے کہ جمعہ میں امام ہو جاویں اور جمعہ ان لوگوں سے بھی ہو جاتا ہے یعنی اگر ایسے ہی لوگ ہوں انکے سوا اور نہوں اور جمعہ پڑھیں تو جائز ہو گا۔ اور جس شخص کو کوئی عذر نہو اگر وہ ظہر کی نماز جمعہ سے پیشتر پڑھ لے تو مکروہ ہے پھر اگر نماز پڑھ کر جمعہ کیلئے جاوے تو ظہر کی نماز اس کی باطل[1] ہو جاویگی اور معذور اور قیدی کو نماز ظہر جماعت کے ساتھ شہر[2] میں پڑھنا مکروہ ہے۔ اور جس شخص کو کہ جمعہ کی نماز میں التحیات یا سجدہ سہو امام کے ساتھ ملے تو وہ نماز جمعہ[3] تمام کرے اور جس وقت امام خطبے کے لیے نکلے اسوقت نہ کوئی نماز درست ہے نہ کوئی کلام اور واجب ہے جمعے کے واسطے چلنا اور خرید[4] و فروخت کو چھوڑنا پہلی اذان کے ساتھ پھر جب امام ممبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے اذان دیجاوے اور خطبہ پورا ہونے پر تکبیر نماز کہی جاوے (واللہ اعلم)۔

باب۔ دونوں عیدونکی نماز کے بیان میں

نماز عید کی اس شخص پر واجب ہے جسپر جمعہ واجب ہے اور شرطیں بھی وہی ہیں جو جمعہ میں تھیں سوا خطبے کے کہ عید میں شرط نہیں بلکہ سنت ہے، اور عید فطر میں مستحب ہے کہ کچھ کھاوے[5] اور غسل اور مسواک کرے اور خوشبو لگاوے اور سب سے عمدہ اپنے کپڑے پہنے اور صدقہ فطر دیکر عیدگاہ کو چلے اسطرح کہ تکبیر پکار کر نہ کہے اور نماز عید سے پہلے کوئی نفل[6] نہ پڑھے اور نماز عید کا وقت آفتاب کے اونچے ہونے سے لیکر اس کے زوال تک ہے اور نماز کی دو رکعتیں پڑھے اور دعا شروع یعنی سُبحانک اللھم زائد تکبیروں سے پہلے پڑھے زائد تکبیریں ہر رکعت میں تین تین ہیں اور دونوں رکعتوں کی قرأت ملادیوے یعنی اول رکعت میں تکبیر قرأت سے پہلے کہے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد اور زائد تکبیروں میں اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھاوے اور نماز کے بعد دو خطبہ پڑھے اور خطبہ میں صدقہ فطر کے احکام بیان کرے اور اگر کسی شخص کو امام کے ساتھ نماز عید نہ ملے تو قضا نہ پڑھے اور مینھ وغیرہ عذر کے باعث نماز عید

---

[1] چاہیئے کہ ظہر پھر سے پڑھے بشرطیکہ جسوقت یہ نماز جمعہ کیلئے جانے لگا ہے اُسوقت تک امام نے جمعہ سے فراغت نہ پائی ہو اور اگر یہ شخص جمعہ پڑھنے کے لیئے ایسے وقت چلا کہ امام جمعہ پڑھ کر فراغت پا چکا ہے تو اس کی ظہر باطل نہ ہوگی ۱۲ [2] شہر کی قید اس لئے لگائی کہ دیہات جہاں جمعہ نہیں ہوتا ہے اگر وہاں جماعت سے ظہر پڑھی تو مکروہ نہیں ۱۲ [3] یعنی کھڑے ہو کر دو رکعت جمعہ پڑھے یہ اس لیئے کہا کہ بعض کے نزدیک کھڑے ہو کر چار رکعت ظہر کی تمام کرے لیکن صحیح یہی اول ہے ۱۲ [4] اس لئے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے یا ایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع یعنی اے ایمان والو جب اذان دیجائے نماز جمعہ کیلئے اللہ کے ذکر کیطرف سعی کرو۔ اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو ۱۲ [5] اور میٹھی چیز کھانا مستحب ہے ۱۲ [6] اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجودیکہ نماز پر بہت حرص کرنے والے تھے پھر بھی نفل آپ نے عید سے پہلے نہیں پڑھی تو امت بھی نہ پڑھے ۱۲ [7] اور زائد تکبیروں کے درمیان ہاتھ چھوڑ دے ۱۲ تحفی محمد مہدی علی ملیح آبادی

باب دونوں عیدوں کی نماز کے بیان میں

میں کل تک کی تاخیر کریں یعنی اگر اول روز نہ پڑھ سکیں تو دوسرے روز پڑھ لیں تیسرے روز
پڑھنا جائز نہیں اور یہی احکام عید اضحیٰ[1] کے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ اس عید میں کھانا بعد نماز کے
کھاوے اور راستے میں پکار کر تکبیر کہے اور خطبے میں قربانی اور تکبیر تشریق[2] کے احکام بیان کرے اور
یہ نماز تاخیر کیجاوے تیسرے دن یعنی بارھویں تاریخ تک اور تعریف یعنی عرفہ کرنا کوئی مشروع بات نہیں
اور تعریف اسکو کہتے ہیں کہ عرفہ کے دن احرام باندھ کر حاجیوں کی طرح ننگے سر جنگل میں لبیک کہتے
ہوئے کھڑے رہیں۔ تو یہ امر مشروع نہیں اسواسطے کہ یہ عبادت ایک خاص جگہ میں مشروع ہے
دوسری جگہوں کو اسپر قیاس نکرنا چاہیے اور مسنون ہے عرفہ کے دن کی نماز فجر کے بعد سے آٹھ نمازوں تک
ہر نماز کے بعد ایکبار اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ کہنا بشرط
مقیم ہونے اور شہر میں ہونے اور نماز فرض اور نماز جماعت مستحب کے اور مستحب جماعت سے مردوں کی جماعت مراد
ہے عورتوں کی جماعت کے بعد تکبیر واجب نہیں اور اقتدا کے سبب سے عورت اور مسافر پر بھی تکبیر واجب
ہوجاتی ہے جاننا چاہیئے کہ ایام تشریق کی تکبیریں واجب ہیں اور کنز میں جو مسنون کا لفظ ہے
تو اس جہت سے ہے کہ ان کا ثبوت سنت[3] سے ہوا ہے چنانچہ اسی مسئلے میں لفظ یجب اسپر دلالت رکھتا ہے
اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالےٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک آخر ایام تشریق یعنی تیرہویں
تاریخ کے عصر تک واجب ہیں کہ تئیس نمازیں ہوتی ہیں۔ **باب۔ سورج گہن اور چاند گہن کی نماز میں۔** سورج گہن میں امام جمعہ دو رکعتیں مثل نفل کے یعنی بدون اذان اور
تکبیر کے جماعت کے ساتھ ایک ہی رکوع[4] سے ہر رکعت میں پڑھے اور قرأت پکار کر اور
خطبہ نہ پڑھے پھر دعا[5] مانگے یہاں تک کہ آفتاب کھل جاوے اور اگر امام جمعہ نہو یا لوگ جمع نہوں
تو اکیلے نماز پڑھیں مثل چاند گہن[6] کے اور اسی طرح اکیلے پڑھیں سخت اندھیری اور آندھی
اور خوف میں مثل زلزلے اور کڑک اور دشمن کے۔ **باب۔ مینھ کی طلب کے بیان میں** مینھ
کی طلب میں نماز تو ہے مگر جماعت کے ساتھ نہیں اور دعا مانگنا اور استغفار پڑھنا ہے نہ چادر

---

[1] اور اگر قبل نماز کے کھالیگا تو بھی مکروہ نہیں ہے مگر نہ ہونے کے قول کو شرح وقایہ میں قول مختار لکھا ہے ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی
[2] یعنی وہ تکبیر جو عرفہ کی صبح سے بعد ہر نماز جماعت کے تیرہ تاریخ کی عصر تک کہی جاتی ہے ۱۲
[3] یعنی سنت سے اس کا وجوب ثابت ہے ۱۲
[4] اس مسئلے میں امام شافعی رح کا خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر رکعت میں دو دو رکوع ہوں گے ۱۲
[5] اس لئے کہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب دیکھو تم اس قسم کی گھبراہٹ ناک چیزوں کو تو دعا کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ ۱۲
[6] چاند گہن میں لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھیں اس میں جماعت اس لئے نہیں کہ رات کی وجہ سے لوگوں کا اجتماع مشکل ہے ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی

باب۔ سورج گہن اور چاند گہن کی نماز کے بیان میں۔ باب۔ مینہ کی طلب کے بیان میں

لوٹنا اور اہل[1] ذمہ کا موجود ہونا بلکہ صرف یقین روز نماز کے لئے نکلیں جاننا چاہیئے کہ امام اعظم کے نزدیک مینھ کی نماز میں جماعت مسنون نہیں بلکہ مینھ کی طلب میں دعا مانگنا مینھ کے لئے اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہنی ہے اور اگر اکیلے اکیلے نماز پڑھیں تو ہو سکتا ہے اور صاحبین کے نزدیک دو رکعتیں جماعت[2] سے پڑھیں جیسے عید کی نماز پڑھتے ہیں اور چادر کو لوٹ[3] لیں یعنی ایک مونڈھے کی دوسرے پر کریں اور نیچے کی اوپر اور چاہیئے کہ اہل ذمہ نماز کی جگہ میں حاضر نہوں اور اس کام کے واسطے تین دن نکلیں۔ واللہ اعلم۔

باب خوف کے وقت کی نماز کے بیان میں

جس وقت کہ دشمن خواہ درندے سے خوف زیادہ ہو تو امام اپنی جماعت کے دو گروہ کرے ایک کو دشمن کے سامنے کھڑا کرے اور دوسرے کے ساتھ اگر مسافر[4] ہو تو ایک رکعت پڑھے۔ اور اگر اور اگر مقیم ہو تو دو رکعتیں پڑھے۔ پھر یہ گروہ دشمن کے سامنے چلا جاوے اور سامنے والا گروہ آکر امام کے پیچھے آوے اور امام باقی نماز ان لوگوں کے ساتھ پڑھ کر سلام پھیرے امام کے سلام کے بعد یہ گروہ دشمن کے مقابل جاوے اور پہلا گروہ آکر اپنی نماز بدوں قرأت کے تمام کرے اس لئے کہ وہ لوگ شروع سے امام کے ساتھ تھے اور سلام کے بعد یہ لوگ پھر دشمن کے سامنے جاویں اور دوسرا گروہ آکر اپنی نماز تمام کرے قرأت کے ساتھ اس لئے کہ یہ لوگ شروع نماز میں امام کے ساتھ نہ تھے اور جو پیچھے آکر ملتا ہے اُسکو قرارت پڑھنی چاہیئے اور جو پہلے سے شامل ہے اور بیچ میں کسی وجہ سے شامل نہیں رہا اسکو قرارت نہیں چاہیئے اسلئے کہ یہ لوگ شروع نماز میں امام کے ساتھ نہ تھے اور جو پیچھے آکر ملتا ہے اسکو قرأت پڑھنی چاہیئے اور جو پہلے سے شامل ہے اور بیچ میں کسی وجہ سے شامل نہیں رہا اسکو قرأت نہیں چاہیئے اس لئے قرأت پہلے گروہ پر نہ ہوئی اور دوسرے پر ہوئی اور نماز مغرب میں اول گروہ کو دو رکعت[5] پڑھاوے اور دوسرے کو ایک رکعت اور جو شخص لڑنے لگے گا اُس کی نماز باطل ہو جاویگی۔ اور اگر خوف بہت زیادہ ہو تو حالت سواری میں اکیلے اکیلے اشارے سے نماز جس طرف کو قادر ہوں پڑھیں اور خوف کی نماز بدون دشمن کے موجود ہو کے جائز نہیں۔

باب خوف کے وقت کی نماز کے بیان میں

---

[1] اہل ذمہ سے مراد کافر لوگ ہیں استسقا کی نماز وقت کے کافروں کی موجودگی نہ ہو کیونکہ یہ نماز نزول رحمت کی طلب کے واسطے ہے اور کافروں پر لعنت نازل ہوتی ہے ۱۲ [2] بوجہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء کی نماز پڑھائی دو رکعتیں مثل عید کی نماز کے ۱۲ [3] یعنی امام چادر کو لوٹ لے مقتدیوں کو نہ لوٹنا چاہیئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں کہ آپنے چادر لوٹنے کا حکم فرمایا ہو ۱۲ [4] کیونکہ مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو ہی رکعتیں واجب ہوتی ہیں جیسا کہ فجر کی نماز پس مسافر امام سوائے مغرب کے اور سب نمازوں میں پہلے گروہ کو ایک رکعت پڑھاویگا جیسا کہ دوسرے گروہ کو اور مقیم سوائے فجر کے اور سب نمازوں میں ہر گروہ کو دو دو رکعتیں پڑھا دیگا ۱۲ [5] کیونکہ مغرب میں تین رکعتیں فرض ہیں مسافر کیلئے بھی اور مقیم کے لئے بھی اور آدھا ایک ناممکن ہے اس لئے پہلے گروہ کو دو رکعت پڑھاویگا۔ کیونکہ وہ مقدم ہونے کی وجہ سے دو رکعتوں کا مستحق ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی

باب جنازہ کی نماز کے بیان میں جنازہ جیم کے زبر سے یعنی مردہ کے ہے اور جیم کے کسرہ سے اس تختے کو کہتے ہیں جس پر مردہ کو رکھتے ہیں جب آدمی کی موت قریب ہو تو اس کا منہ قبلے کی طرف داہنی کروٹ پھیر دیں اور اسکو کلمۂ شہادت سکھایا جاوے اور جب مر جاوے تو اسکے دونوں جبڑے باندھے جاویں اور دونوں آنکھیں بند کیجاویں اور ایک تختہ کو طاق مرتبہ یعنی ایک بار یا تین یا پانچ یا سات بار بسا کر اسپر اتاریں اور اس کی برہنگی ناف سے لیکر گھٹنوں تک ڈھانپ کر کپڑے اتاریں اور وضو بغیر کلی اور ناک میں پانی دینے کے کراویں بعدہٗ اسپر وہ پانی ڈالیں جسمیں بیری کے پتے خواہ اشنان جوش دیا ہو ورنہ خالص پانی ڈالیں ڈالیں اور اس کے سر اور داڑھی کے بالوں کو گلخیرو سے دھوویں اور بائیں کروٹ لٹا کر اتنا دھوویں کہ پانی بدن کے اس حصہ پر پہنچ جاوے جو تختے سے ملا ہو پھر داہنی کروٹ لٹا کر اتنا دھوویں کہ پانی نیچے تک پہنچ جاوے پھر اسکو سہارا دے کر بٹھلاویں اور اس کے پیٹ کو آہستگی اور نرمی سے سوتیں اور جو کچھ اس کے پیٹ میں سے نکلے اسکو دھو ڈالیں اور پھر دوبارہ غسل نہ دیویں اور اس کے بدن کو کپڑے سے پونچھ کر خشک کریں اور خوشبو مرکب اس کے سر اور داڑھی میں لگادیں اور سجدہ کی جگہوں یعنی پیشانی اور ناک اور ہتھیلیوں اور گھٹنوں اور تلووں پر کافور ملیں اسکے بالوں میں اور داڑھی میں کنگھی نکریں اور نہ بال اور ناخن کتریں اور مرد کا کفن مسنون اندر کی چادر اور پیراہن یعنی کفنی گردن سے لیکر گھٹنوں کے نیچے تک اور پوٹ کی چادر ہے اور کفن کفایہ اندر اور پوٹ کی چادریں ہیں اور مردے پر کفن کو اسکے بائیں طرف سے لپیٹیں پھر داہنی طرف سے اور اگر خوف کفن کے اڑنے اور کھلنے کا ہے تو گرہ دیدیں اور کفن ضرورۃً وہی جو کچھ میسر ہو جاوے اور عورت کا کفن مسنون پانچ کپڑے ہیں کفنی اور اندر کی چادر اور داہنی اور سینہ بند جس کو اسکی چھاتیوں پر لپیٹا جاتا ہے اور سینے سے زانو تک ہوتا ہے اور پوٹ کی چادر اور کفن کفایہ اس کے لئے تین کپڑے ہیں دونوں چادریں اور دامنی جس کو اوڑھنی

ل اس لئے کہ منہ اور ناک سے پانی نکالنا دشوار ہوگا ۱۲ ٢ اشنان ایک قسم کی گھاس کا نام ہے ۱۲ ٣ بائیں کروٹ اسوجہ سے لٹا دیں کہ ابتدا غسل کی داہنی طرف سے ہو کیونکہ یہ سنت ہے ۱۲ ٤ یعنی اگر تخفیف کے ساتھ کفن دینا منظور ہو تو صرف دو چادریں ہو سکتی ہیں اس سے کم نہ چاہیے ۱۲ ۵ تاکہ داہنا جانب اوپر واقع ہو ۱۲ ٦ یعنی درصورت میسر نہ ہونے کے جسقدر کپڑا میسر آجاوے وہی مرد اور عورت کو دیا جا سکتا ہے ۱۲ ٧ تین کپڑوں سے کم میں عورت کو کفن دینا مکروہ ہے البتہ اگر کپڑا میسر نہ ہو تو پھر جتنا مل سکے ایسے ہی مرد کو صرف ایک چادر میں کفن دینا مکروہ ہے لیکن اگر میسر نہ ہو تو ایک چادر میں کفن دینا مکروہ نہیں اس لئے کہ حضرت حمزہ رضؓ شہید ہوئے اور کفن میسر نہ ہونے کے باعث صرف ایک ایسی چھوٹی چادر میں کفن دیا گیا کہ سر بند کیا جاتا تھا تو پیر کھل جاتے تھے اور پیر بند کئے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ آخر کو سر بند کر دیا گیا اور پیروں پر گھاس ڈالدی گئی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔

کہتے ہیں اور عورت کو اس طرح کفن پہنایا جاوے کہ اول کفنی پہناویں پھر سر کے بالوں کو دو لٹیں کر کے چھاتی پر رکھیں اور دامنی پہناویں کفنی کے اوپر اور پوٹ کی چادر کے نیچے پھر سینہ بند[۱] اور چادر میں لپیٹیں اور کفن کے کپڑوں کو طاق مرتبہ پہنانے کے پیشتر بسالیں **فصل** جنازے کی نماز کے لیے بادشاہ لائق تر ہے اور یہ نماز فرض کفایہ ہے یعنے اگر کچھ لوگ ادا کریں تو سب کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے ورنہ سب گنہگار ہوتے ہیں۔ اور جنازہ کی نماز کی شرط مردے کا مسلمان اور پاک ہونا ہے پس کافر پر نماز جائز نہیں اسی طرح غسل سے پہلے نماز درست نہیں بعد بادشاہ کے لائق تر جنازہ کی امامت کے لئے قاضی ہے اگر وہ موجود ہو پھر محلہ کا امام پس مردہ کا ولی اور ولی کو جائز ہے کہ اپنے سوا کسی دوسرے کو نماز پڑھانے کی اجازت دیدے پس اگر بادشاہ اور ولی کے سوا اور کوئی نماز پڑھ لے تو ولی دوبارہ نماز پڑھ سکتا ہے اور ولی کے سوا دوسرا شخص پھر نہیں پڑھ سکتا اور اگر بدون نماز کے دفن کر دیا جاوے تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جاوے جب تک کہ اس کا بدن پھٹا نہو۔ اور نماز جنازہ چار تکبیریں ہیں اول تکبیر کے بعد سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ[۲] آخر تک پڑھ کر اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے اس کے بعد درود پڑھے اور تیسری بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے پھر دعا میت کے واسطے کرے پھر چوتھی تکبیر کہہ کر دونوں طرف سلام پھیر دے اور اگر امام پانچویں دفعہ کہے تو مقتدی اس کی پیروی نکریں یعنے وہ پانچویں دفعہ اللہ اکبر نہ کہیں اور دعا میت کے واسطے یوں کہے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ اور لڑکے کیلیے استغفار نہ کہے بلکہ یہ دعا پڑھے[۳] اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا۔ اور مسبوق یعنی جس سے پہلے کوئی ہو چکی انتظار امام کی تکبیر کا کرے کہ جب وہ اللہ اکبر کہے اس کے ساتھ مسبوق بھی کہہ کر ملجاوے نہ وہ شخص کہ موجود ہو یعنی موجود ہے اور پہلی تکبیر امام کے ساتھ نہیں کہی امام کی تکبیر کا انتظار نہ کرے بلکہ خود تکبیر کہکر شریک ہو جاوے اور

---

۱ سینہ بند میں شرط یہ ہے کہ اس کا موقع کسی جگہ سے کھل نہ جاوے بعض نے کہا ہے کہ چادروں کے اوپر باندھیں تاکہ کفن منتشر نہ ہو اور بعض کہتے ہیں کہ اندر کی چادر کے اوپر اور پوٹ کی چادر کے نیچے مناسب ہے ۱۲ ۲ اس نماز میں بعد وتعالیٰ جدک کے وجل ثناؤک بھی کہتے ہیں ۳ اور اگر لڑکی ہے تو اس کے لئے اس طرح پڑھے اللھما جعلھا لنا فرطاً واجعلھا لنا اجرا وذخرا واجعلھا لنا شافعۃ ومشفعۃ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

دوسری تکبیر امام کے ساتھ کہے اور مسبوق کو جو تکبیر رہ گئی ہو نماز کے ہو چکنے کے بعد قضا کر لے اور امام مرد و عورت کے سینے[1] کے مقابل کھڑا ہو اور اس نماز کو سوار ہو کر نہ پڑھیں اور نہ مسجد کے اندر ادا کریں اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسجد میں جائز ہے اور دلیل امام اعظمؒ کی یہ ہے کہ مسجد نماز پنجگانہ کے لئے بنی ہے نہ نماز جنازہ کے لئے علاوہ اس کے احتمال مسجد کے آلودہ ہو جانے کا ہے اور زمانہ صحابہؓ اور تابعینؒ میں جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھتے تھے مگر جب کوئی خاص ضرورت اسکی مقتضی ہوتی تھی تو پڑھتے واللہ اعلم اور جو بچہ کہ پیدا ہو کر آواز کرے اور مر جاوے اُسپر[2] نماز پڑھی جاوے ورنہ نہیں پڑھنا چاہیئے جیسے وہ لڑکا کہ اپنی ماں خواہ باپ کے ساتھ قید میں آکر مر جاوے تو اُسپر نماز نہ پڑھیں گے اسلئے کہ ماں باپ کی متابعت سے وہ بھی کافر گنا جاوے گا لیکن جس صورت میں کہ باپ خواہ ماں مسلمان ہو جاوے تو اس متابعت میں وہ بچہ کو مسلمان جانیں گے اور اسپر نماز پڑھیں گے یا وہ لڑکا خود مسلمان ہو جاوے بشرطیکہ[3] عاقل ہو یا اس کے ساتھ میں اس کا باپ خواہ ماں قید نہ ہوے ہوں تو اس صورت میں بھی اسکو دار السلام کی متابعت سے مسلمان تصور کرینگے اور نماز پڑھیں گے اور ولی اگر مسلمان ہو وہ کافر مردہ کو نہلاوے اور کفن دے اور دفن کر دے مگر سنت کے طور پر نہ ہو بلکہ اس پر پانی ڈال کر اور کپڑے میں لپیٹ کر گڈھے میں دبا دے اور جنازہ کی چارپائی کے چار پائے پکڑ کر جلد جلد لیجاویں مگر دوڑیں نہیں اور نہ پہلے جنازہ رکھنے سے بیٹھیں اور نہ اس کے آگے چلیں اور اسکے سرہانے کو پہلے اپنے داہنے کندھے پر رکھے پھر بائیں پر پھر پائنتی کیطرف اول داہنے پر رکھے پھر بائیں پر یعنی اگر اٹھانیوالے بہت سے ہوویں تو ہر ایک کو چاہیئے کہ نوبت بنوبت اسی طرح اٹھاویں اور قبر کھود کر لحد بنائی جاوے اور قبلہ کی طرف سے گور میں اتارا جاوے اور جو گور میں اتارے وہ کہے بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ اور گور میں رکھ کر منہ قبلہ کیطرف کو کیا جاوے اور کفن کے بند کھول دیئے جاویں اور کچی اینٹیں خواہ نل لحد کے اوپر رکھیں پکی اینٹیں اور لکڑی نہ رکھیں اور عورت کی قبر چھپائی جاوے نہ مرد کی پھر مٹی بچھا دے اور

---

[1] اسلئے کہ وہ قلب کی جگہ ہے اور قلب میں نور ایمان رہتا ہے پس قلب کے مقابل کھڑا ہو کر نماز پڑھانے میں اسطرف اشارہ ہوگا کہ ایمان کی وجہ سے اسکی مغفرت کے لئے سفارش کر رہا ہے ۱۲ [2] کیونکہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب بچہ پیدا ہو کر آواز دے تو نماز اُسپر پڑھی جاوے اور اگر نہ آواز دے تو نہ پڑھی جاوے [3] یعنی ہوشیار ہو کیونکہ ہمارے نزدیک ہوشیار بچہ کا اسلام لانا معتبر ہے ۱۲ [4] اس مسئلے میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ دو آدمی جنازہ اٹھاویں آگے والا اپنی گردن کی جڑ پر رکھے اور پیچھے والا سینہ پر رکھے [5] کیونکہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلد لیجو جنازہ کو کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو اسکو نیکی کی طرف جلد پہنچاؤ اور اگر وہ برا ہے تو اس اپنے کندھے جلد ہلکے کرو ۱۲ [6] شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ پہلے جنازہ کا سرہانہ اپنے داہنے کندھے پر رکھے پھر پائنتی داہنے کندھے پر رکھے

[illegible]

قبر کو اونٹ کے کوہان کی صورت بناویں چوکھونٹی چبوترے کی شکل نہ بناویں اور قبر کو چونیکی نہ بناویں
اور نہ مردہ کو قبر سے نکالیں مگر اس صورت میں کہ زمین زبردستی سے چھینی ہوئی ہو۔

باب شہید کے حکموں کے بیان میں شہید وہ شخص ہے جس کو کافروں اور یا رہزنوں نے مار ڈالا ہو یا میدان جنگ میں اس کی نعش ملے اور زخم کا نشان اسپر ہو یا اسکو کسی مسلمان نے براہ ظلم مار ڈالا ہو اور مارنے والے پر خونبہا لازم نہوا ہو یعنی دانستہ مارا ہو تو ایسے شخص کو کفن دیا جاوے اور نماز پڑھی جاوے بدون نہلانے کے اور خون کپڑوں کے ساتھ دفن کیا جاوے مگر جو کپڑے کفن کی جنس سے نہوں وہ اتار لئے جاویں اور زیادہ و رکھے گئے جاویں یعنی اگر کپڑے کفن سے کم ہوں تو زیادہ کر کے کفن پورا کر دیں اور زیادہ ہوں تو کفن سے زیادہ کو کم کریں اور اگر حالت ناپاکی میں مارا گیا ہو یا لڑکپن میں یا دیر میں موا ہو اس طرح کہ زخمی ہونیکے بعد کھاوے یا پیوے یا سووے یا علاج کیا جاوے یا اسپر ایک وقت نماز کا گذرے اور اسکے ہوش بجا ہوں یا لڑائی کی جگہ سے زندہ لایا جاوے یا وصیت کرے یا شہر میں لیجاوے اور یہ معلوم نہو کہ وہ ہتھیار سے براہ ظلم مارا گیا ہے یا حد مارنے کے سبب سے مر گیا ہو یا دوسرے کے مار ڈالنے کے عوض میں مارا گیا ہو تو ان سب صورتوں میں غسل دیا جاویگا۔ اور اگر کوئی شخص باغی ہونیکی جہت سے خواہ رہزنی کے باعث مارا گیا ہو۔ تو اس کو نہ غسل دینا چاہیئے اور نہ نماز پڑھنی چاہیے

باب کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بیان میں کعبہ کے اندر اور اوپر نماز فرض اور نفل دونوں درست ہیں۔ اور جو شخص کہ کعبہ کے اندر اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کرے گا تو جائز ہوگا لیکن پیٹھ اگر امام کے منھ کیطرف کو کریگا تو نماز درست نہ ہوگی اور اگر گرد کعبہ کے حلقہ کریں تو درست ہے نماز اس شخص کی کہ کعبہ سے امام کی لنسبت قریب تر ہووے بشرطیکہ وہ شخص امام کی طرف نہو اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ کعبے کے چاروں طرف نماز کو کھڑے ہوئے تو جو شخص کہ اس طرف میں ہے جدھر امام ہے اسکو نہ چاہیئے کہ کعبہ کیطرف کو اپنے امام سے نزدیک ہو جاوے۔ اس لئے کہ امام سے بڑھنا لازم آویگا اور جو شخص کہ اور تین طرف ہیں ان کو جائز ہے کہ امام کی لنسبت کعبہ سے نزدیک زیادہ ہو جاویں

---

۱ یعنی حق عبد کی جہت سے نکلا جائز ہے ۱۲ ۲ جیسے پوستین اور روئی وغیرہ کا بھرا ہوا کپڑا اور موزہ یہ چیزیں جنس کفن سے نہیں ہیں لہذا اتار لیجاویں اور ایسے ہی ہتھیار بھی اتار لئے جاویں ۱۲ ۳ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ جو شخص بغاوت یا رہزنی میں قتل کیا گیا ہو۔ تو اسکو غسل دیا جاوے۔ البتہ اسپر نماز نہ پڑھی جاوے محض زجر و توبیخ کے لئے اور اس لئے کہ لوگ عبرت حاصل کریں اور ایسے کام نہ کریں ۴ کیونکہ یہ امام سے تقدم ہوا اور امام سے آگے ہونے میں نماز نہیں ہوتی ہے ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی ۵ اور ایسے ہی اگر کعبہ کی چھت پر نماز پڑہی جاوے تو جائز ہے لیکن اس میں ترک تعظیم ہے اسلئے مکروہ ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۱۲

کتاب الزکوٰۃ

اس میں زکوٰۃ کا بیان ہے جاننا چاہیئے کہ زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ اور نماز کے بعد سب حکموں سے زیادہ اسی کی تاکید ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں اکثر جگہ زکوٰۃ کے دینے کو نماز کے برابر رکھنے کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور بعد وفات آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جب بعضے لوگ گروہ عرب کے زکوٰۃ دینے سے باز رہے[1] حضرت ابوبکر صدیق نے اُن کے مرتد ہوجانیکا حکم فرما کر اُنپر جہاد کیا زکوٰۃ شریعت میں مالک کرنا مال کا ہے صرف اللہ تعالےٰ کی رضامندی کے واسطے بلاعوض ایسے مسلمان فقیر کو جو ہاشمی نہو اور نہ ہاشمی کا غلام ہو اس شرط سے کہ مالک کی منفعت ہر طرح اس مال سے علیحدہ ہوجاوے زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرطیں یہ ہیں اوّل عاقل ہونا۔ دوم بالغ ہونا۔ سوم مسلمان ہونا چہارم آزاد ہونا پس[2] باؤلے اور لڑکے اور کافر اور غلام پر واجب نہیں پنجم مالک ہونا ایسے مال کا جو نصاب[3] کی مقدار ہو اور برس دن اسپر گذر گیا ہو اور قرض اور حاجت اصلی سے بچا ہوا ہو۔ اور بڑھنے[4] والا ہو۔ گو فرضاً ہی بڑھے۔ مثلاً سونا اور چاندی کہ اگرچہ بدون بڑھے اس پر برس گذر جاوے لیکن یہ دونوں چیزیں بڑھنے والے مال کے حکم میں ہیں اسلئے کہ تجارت کرتا تو ان کی مالیت زیادہ ہوجاتی اور شرط زکوٰۃ کے ادا کرنے کی نیت ہے خواہ دینے کے وقت خواہ مقدار واجب کے علیحدہ کرنے کے وقت بالکل خیرات کر ڈالنا ہے۔

باب چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ میں چرنے جانور وہ کہلاتے ہیں کہ سال میں بہت[5] دن چرنے پر گذارہ کریں یعنی گو بعض اوقات گھر سے انکو گھاس کھلائی جاوے مگر اکثر چرنے پر کفایت کرتے ہوں فصل۔ اونٹ کی زکوٰۃ کے ذکر میں پچیس اونٹوں میں ایک بنت مخاض ہے اور وہ ایسا ہوتا ہے جو ایک برس کا ہو کر دوسرا سال اسکو لگا ہو اور اگر اونٹ پچیس سے کم ہوں تو ہر پانچ اونٹ کی زکوٰۃ ایک بکری ہے اور چھتیس اونٹوں میں ایک بنت لبون دینی چاہیئے وہ ایسا ہوتا ہے کہ دو برس کا ہو کر تیسرے میں پاؤں دھرا ہو اور چھیالیس اونٹوں کی زکوٰۃ حقہ ہے یعنی

---

[1] انکا باز رہنا بطریق انکار کے تھا کیونکہ زکوٰۃ فرض ہے اسکا منکر یعنی یہ اعتقاد رکھنے والا کہ زکوٰۃ فرض نہیں۔ کافر ہے اور اگر فرضیت کو تو مانتا ہے لیکن بخل کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں دیتا وہ فاسق ہے کافر نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [2] اس مسئلے میں شافعی کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجنوں اور بچہ کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے۔ [3] نصاب لغت میں اصل کو کہتے ہیں اور فقہا کی اصطلاح میں اس مال نقد یا جانور یا اسباب کو کہتے ہیں جسپر زکوٰۃ واجب ہے ۱۲ [4] پس رہنے کے مکان میں اور پہننے والے کپڑوں میں اور سامان خانہ داری میں اور سواری کے جانوروں میں اور کام میں لانیوالے ہتھیاروں اور اوزاروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ۱۲ [5] پہلے تک پر اگر نصف سال جنگل میں مفت گھاس چرے اور نصف سال گھر میں گھاس کھلائی گئی تو بھی ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

وہ ہوتا کہ چوتھے سال میں ہو اور اکسٹھ اونٹوں میں ایک جذعہ ہے جس کو پانچواں سال ہو اور چھہتر اونٹوں
میں نوے تک دو بنت لبون ہیں اور اکانوے سے اونٹوں میں ایک سو بیس تک دو حقے ہیں پھر ایک سو بیس سے بڑھ گئے
ہر پانچ اونٹ پیچھے ایک بکری ہے یہاں تک کہ تعداد ایک سو پینتالیس ہو جاوے اس قدر میں دو حقے اور
ایک بنت مخاض مقدار زکوٰۃ ہے اور ایک سو پچاس اونٹوں میں تین حقے ہیں پھر ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری
اور ایک سو پچھتر اونٹوں میں تین حقے اور ایک بنت مخاض اور ایک سو چھیاسی میں تین حقے اور ایک بنت لبون
ہے اور ایک سو چھیانوے میں چار حقے ہیں دو سو اونٹوں تک پھر دو سو اونٹوں کے بعد نیا حساب کرے اس طرح
جیسا کہ ڈیڑھ سو کے بعد کیا ہے یعنی ہر پانچ پر ایک بکری اور پچیس پر بنت مخاض اور چھتیس پر بنت لبون اور
چھیالیس سے پچاس تک ایک حقہ اور بختی اونٹ پر مثل عربی اونٹوں کے ہیں انکی زکوٰۃ بھی اسی طرح ہونی چاہیے

فصل گائے کی زکوٰۃ میں تیس گایوں میں ایک بچھڑا خواہ بچھڑی ایک سالہ ہے اور چالیس میں
دو برس کا بچھڑا خواہ بچھڑی ہے پھر چالیس سے اگر بڑھیں تو انکی زکوٰۃ حصہ رسد حساب کر لیا جائے
یعنی اگر اکتالیس ہوں تو ایک دو برس کا بچھڑا یا اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ انکی زکوٰۃ ہوگی اسی طرح
اگر چالیس سے دو زائد ہوں تو دو چالیسویں حصے یعنی بیسواں حصہ قیمت کا بڑھا لیا جاوے گا یہاں تک کہ
تعداد ساٹھ ہوں پس ساٹھ گایوں میں برس برس کے دو بچھڑے ہونگے اور ستر میں ایک برس روزہ
کا اور ایک دو برس کی۔ اور اسی میں دو بچھڑیاں دو دو برس کی ہونگی پس مقدار زکوٰۃ ہر دہائی پر
بدلتی جاویگی کہ ایک برس کے بچھڑے کی جگہ دو برس کا ہو جاوے گا۔ یعنی ہر دہائی پر دیکھنا چاہیے
یکسالہ ہوویںگے اور سو میں تیس دو دفعہ اور چالیس ایک دفعہ ہے تو اس کی زکوٰۃ دو ایک سالہ بچھڑے
اور ایک دو سالہ بچھڑا ہوگا۔ اور علیٰ ہذا القیاس۔ اور ایک بھینس مثل گائے کے ہے زکوٰۃ کے باب میں

فصل بھیڑ بکری کی زکوٰۃ میں۔ چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے اور ایکسو بیس بکریوں میں دو بکریاں

ف۱ اور یہ بھی جائز ہے کہ بجائے جانور کے زکوٰۃ میں قیمت دیدی جائے اور زکوٰۃ لینے والے عامل کو چاہیے کہ اوسط درجہ کا جانور لے نہ اعلیٰ درجے کا کہ مالک کا نقصان ہوئے اور نہ ادنیٰ درجہ کا ہو کہ بیت المال کا نقصان ہے۔ اور جو جانور واجب ہوا ہے اگر مالک کے یہاں موجود نہیں تو اس کے بہم پہنچانے پر مجبور نہ کیا جاویگا۔ بلکہ موجود سے لیا جاویگا۔ اگر کمی ہے تو پوری کرا لیجاویگی اور اگر زیادتی ہے تو واپس کیجاوے گی۔ مثلاً اگر بنت لبون واجب ہوا اور مالک کے یہاں موجود نہیں بلکہ بنت مخاض ہے تو صدقہ وصول کرنے والا بنت مخاض لیوے اور بنت مخاض اور بنت لبون کی قیمت میں جو فرق ہے وہ مالک سے وصول کرلے ایسے ہی اگر بنت لبون نہ ہو بلکہ حقہ ہو تو حقہ لیکر بنت لبون اور حقہ کی قیمت میں جو فرق ہو مالک کو واپس کردے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

ف۲ کیونکہ بقر کا لفظ گائے اور بھینس دونوں کو شامل ہے اس لئے کہ بھینس بقر کی قسم سے ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی کے پاس مثلاً پندرہ گائے اور پندرہ بھینس ہیں تو دونوں ملا کر تیس ہو جاوینگی نصاب پورا ہو گیا۔ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

ہیں اور دو سو ایک بکریوں میں تین بکریاں ہیں اور چار سو میں چار پھر ہر سو پیچھے ایک بکری دینی چاہئے
اور بھیڑ مثل بکری کے ہے اور بکریوں کی زکوۃ میں ایک برس کا بکرا دو دانت کا لینا چاہیے جذع جو
ایک برس سے کم کا ہوتا ہے نہ لینا چاہیے اور گھوڑوں[1] اور گدھوں اور خچروں میں صرف بھیڑ کے بچوں
اور محض بوتوں اور نرے بچھڑوں اور کام کے مواشی اور گھر پر کھانیوالوں میں کچھ زکوۃ واجب نہیں اور
نہ اس مقدار میں جو معاف ہے اور نہ اسمیں کہ بعد زکوۃ کے واجب ہونیکے ہلاک ہوگئے ہوں یعنی اگر فقط
بچے ہی ہوں بڑے مواشی نہ ہوں تو انمیں زکوۃ نہیں اسی طرح جو جانور کھیتی وغیرہ کے کام میں لگے
ہوں یا انکو گھر سے گھاس دانہ دینا پڑتا ہو چرنے پر بسر نہ کرتے ہوں انپر بھی زکوۃ نہیں ایسا ہی دو
نصابوں کے بیچ میں جو عدد معاف ہیں جیسے تیس اور چالیس گایوں کے بیچ میں مثلاً پینتیس ہوں
تو تیس کی زکوۃ ہے پانچ کی کچھ نہیں اور یہی حال ہے جبکہ مال بعد زکوۃ واجب ہونیکے جاتا رہے کہ مال
کے جاتے رہنے سے زکوۃ واجب بھی جاتی رہتی ہے اور اگر کسی عمر کے جانور کا دینا زکوۃ میں لازم آوے
اور اس عمر کا جانور زکوۃ کے گلے میں پایا نہ جاوے تو زکوۃ دینے والے کو چاہیئے کہ تین باتوں میں
سے ایک کرے یا اس جانور سے زائد عمر کا دیوے اور زکوۃ لینے والے سے اوپر ادن پھیر لے یا اس
سے کم عمر کا مع اوپر اُن زکوۃ لینے والے کے حوالے کرے یا قیمت اس جانور کی جو لازم ہوئی ہے
دیدے مخفی نہ رہے کہ مقدار واجب کی قیمت دینے میں امام شافعی خلاف کرتے ہیں اور ان کے
اوپر قول حضرت معاذ بن جبل کا حجت ہے جو آن حضرت کی طرف سے یمن والوں سے زکوۃ لیتے تھے۔ کہ
انھوں نے فرمایا کہ تم چنے اور جو کے بدلے میں کمل دیدو۔ کہ تم پر بھی آسان ہو اور مدینہ منورہ میں
اصحاب کے کار آمد ہوں روایت کیا اسکو بخاری نے اور ثابت ہوا ہے کہ آن حضرت نے زکوۃ کے اونٹوں
میں ایک اونٹنی نہایت عمدہ دیکھی استفسار فرمایا کہ اسکو زکوۃ میں کیوں لیا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ دو
اونٹوں کے عوض میں آئی ہے آپنے فرمایا کہ خیر اس روایت سے بھی مقدار واجب کا بدل لینا ثابت
ہوتا ہے۔ واللہ اعلم اور زکوۃ میں میانہ جانور لینا چاہیے نہ سب سے اچھا اور نہ سب سے برا ہو۔ اور

---

[1] گھوڑوں اور گدھوں اور خچروں میں زکوۃ نہ ہونے کی یہ شرط ہے کہ وہ سوداگری کے لئے نہ ہوں اور نہ ان میں زکوۃ مثل مال تجارت دینی
ہوگی اور امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک اگر گھوڑے نر و مادہ ملے ہوئے ہوں اور اکثر سال جنگل میں مفت چرتے ہوں تو ان میں زکوۃ واجب ہے۔ اس طرح سے کہ مالک
کو اختیار ہے چاہے ہر گھوڑے کی طرف سے دینار دیدے اور چاہے قیمت لگا کر چالیسواں حصہ دیدے ۱۲ [2] کیونکہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے کہ لوگوں کے اعلے مالوں میں سے مت لو بلکہ اوسط درجہ کا مال لو ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

جو کچھ جنس نصاب سے سال کے بیچ میں حاصل ہو وہ نصاب میں ملا لیا جاوے یعنی اگر سال کے بیچ میں اونٹ خواہ گائیں یا بکریاں اور حاصل ہوئیں تو یہ بھی اُسی جنس میں ملا لیجاویگی کہ گویا برس روز اُنپر پورا ہوگیا۔ اور اگر باغی خراج اور وہ[۱] یکے اور زکوٰۃ لے لیویں تو دوسری بار نہ لینی چاہیئے اور اگر مالدار اپنے مال کی زکوٰۃ کئی برسوں کی خواہ کئی نصاب کی پیشتر سے ادا کردے تو جائز ہے۔

باب۔ مال نقد کی زکوٰۃ کے بیان میں۔ چاندی اگر وزن میں دوسو[۲] درم ہو اور سونا بیس دینار تو ان میں چالیسواں[۳] حصہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے خواہ انکی ڈلیاں ہوں خواہ زیور[۴] خواہ برتن خواہ روپیہ اشرفی پھر ہر پانچویں حصہ میں درم اور دینار کی تعداد سے اسی حساب سے ہے یعنی دوسو پر جب چالیس درم بڑھیگا اور بیس دینار سونے پر جب چار دینار زائد ہونگے تو ان کا بھی چالیسواں حصہ دینا پڑیگا اور زکوٰۃ کے ادا کرنے اور واجب ہونے میں درم اور دینار کا وزن معتبر ہے یعنی اگر چاندی یا سونے کے برتن کی قیمت مال کی نسبت زیادہ ہو تو اس کا اعتبار نہیں بلکہ وزن کا اعتبار ہے اور درموں میں وزن سبعہ معتبر ہے یعنی دس درم چاندی کے سات مثقال سونے کے برابر ہونے چاہئیں اور جسمیں چاندی غالب ہو وہ چاندی ہے نہ اُس کا الٹا یعنی اگر برتن یا روپیہ تانبے کا ملا ہوا ہو تو جسمیں چاندی زیادہ ہوگی وہ ایسا ہے جیسا خالص چاندی کا اور جسمیں تانبا زیادہ ہے وہ تانبے کے حکم میں ہوگا اور واجب ہے زکوٰۃ اسبابِ تجارت میں جس کی قیمت مقدار نصاب چاندی خواہ سونے کو پہنچ جاوے یعنی اگر کپڑا خواہ لکڑی یا پتھر یا گھوڑا یا گدھا تجارت کے واسطے لیا تو اگر اس کی قیمت دوسو درم چاندی کے خواہ بیس دینار سونے کے برابر ہوگی تو اُس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینی پڑیگی۔ اور سال کے بیچ میں مقدار مال کا نصاب سے کم ہو جانا زکوٰۃ کے واجب ہونیکو مضر نہیں بشرطیکہ مال کے دونوں سروں پر پوری نصاب ہو اور اسباب تجارت کی قیمت نقد چاندی سونے میں ملا لیجائے اور سونے کو چاندی میں قیمت کے اعتبار سے ملا لیا جائے نہ وزن کے اعتبار سے یعنی اگر سو درم چاندی کے اور دس دینار سونے کے جنکی قیمت سو درم ہو

---

۱ لیکن احتیاط اسمیں ہے کہ مالک زکوٰۃ کا اعادہ کرے کہ نہ خراج کا مصرف کفار سے مقاتلہ کرنیوالے لوگ ہیں اور باغی کفار سے مقاتلہ کرتے ہیں اس لئے یہ لوگ خراج کا مصرف ہیں اور زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہیں لہذا زکوٰۃ پھر سے دیجاوے ۱۲ ۲ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور ایک اوقیہ چالیس درم کا ہوتا ہے ۱۲ ۳ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ہر دوسو درم سے پانچ درم لو اور ہر بیس مثقال سونے سے آدھا مثقال لو۔ ۴ امام شافعی کا اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عورتوں کے زیور میں زکوٰۃ واجب نہیں ۱۲ ۵ پس جس میں کھوٹ زیادہ ہو وہ اسباب میں شمار ہوگا۔ اگر اس میں تجارت کریگا۔ تو اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائیگی تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ۱۲۔ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

اللھم اغفر لکاتبہ ولوالدیہ وللمومنین والمومنات

تو دو سو درم کی زکوٰۃ کہ پانچ درم ہوئے دیدے اور وزن کے اعتبار سے ملاویں مثلاً اگر مثال مذکور میں دس دینار سو درم کے نہ ہوں بلکہ نوے درم کے ہوں تو اس صورت میں گو وزن کے اعتبار سے آدھی نصاب چاندی کی اور آدھی سونے کی ہے مگر زکوٰۃ لازم نہ ہوگی۔

باب۔ زکوٰۃ لینے والے کے بیان میں جس کو عاشر کہتے ہیں عاشر وہ شخص جس کو بادشاہ سوداگروں سے زکوٰۃ لینے کے واسطے مقرر کرے پس اگر کوئی شخص سوداگروں میں سے کہے کہ میرے مال پر ابھی برس دن نہیں گذرا یا میرے ذمہ قرضہ ہے یا میں نے خود ایک فقیر کو دیدی ہے یا دوسرے عاشر کو حوالہ کی ہے جو اسی سال میں ہوا ہے اور ان باتوں پر قسم کھاوے تو اس کی بات مان لیجاویگی یعنی زکوٰۃ اس سے نہ لیویں مگر چرنے والوں کی زکوٰۃ میں اس کا قول آپ دیدینے کا نہ مانیں گے یعنی اگر وہ کہے کہ میں نے خود ایک فقیر کو زکوٰۃ ان چرنیوالوں جانوروں کی دیدی تو باوجود اس کے قسم کھانے کے نہ مانینگے[1] اور دوسری دفعہ اس سے زکوٰۃ لیں گے اور جس باب میں مسلمان کا قول مانا جاوے اس میں جزیہ دینے والے کا قول بھی مانا جاوے نہ کافر حربی کا لیکن ام ولد کے باب میں کافر حربی کا قول بھی مانا جاتا ہے یعنی اگر کوئی حربی امن لیکر دارالاسلام میں سوداگری کو آوے اور اپنی لونڈی کو کہے کہ یہ میری حرم ہے سوداگری کی نہیں تو اس کے قول کو مان لینگے اور عاشر کو چاہئیے کہ مسلمانوں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ لے اور ذمی سے یعنی جو کافر جزیہ یعنی چٹی دیکر دارالاسلام میں رہتا ہو اس سے بیسواں حصہ زکوٰۃ لیوے اور حربی[2] سے دسواں حصہ بشرطیکہ نصاب پوری ہو اور حربی بھی مسلمانوں سے لیتے ہوں یعنی اگر کافر دارالحرب میں مسلمان سوداگروں سے اہل اسلامی لیتے ہوں تو عاشر بھی کافر سوداگروں سے لیوے ورنہ نہ لیوے اور بدون دارالحرب سے دوبارہ آنے کے ایک برس میں دوبار زکوٰۃ نہ لیجائے یعنی اگر حربی ایک برس میں دوبارہ دارالحرب سے دارالاسلام میں آمد و رفت نہ کرے تو اس سے دوبارہ وہ ٹیکہ نہ لیویں اور شراب[3] کی وہ ٹیکہ لیجاوے نہ سور کی اس لئے کہ شراب مثلی چیزوں میں سے ہے یعنی ایسی

---

[1] کیونکہ اسکو جانوروں کی زکوٰۃ خود دینا جائز نہیں بلکہ سلطان اس سے لیکر مصرف پر صرف کریگا پس اس بارہ میں اُس کا قول معتبر نہیں ۱۲

[2] حربی سے دسواں حصہ جبھی لیں گے کہ یہ معلوم نہ ہو کہ انہوں نے ہم سے یعنی ہمارے تاجروں سے کتنا لیا ہے اور اگر معلوم ہو تو اتنی مقدار لیں گے جتنا انہوں نے ہمارے تاجروں سے لیا ہوگا بشرطیکہ کل نہ ہو یعنی اگر یہ علوم ہو کہ انہوں نے ہمارے تاجر سے کل لے لیا تو ہم ان سے کل نہ لیں گے ۱۲ مفتی محمد وصی علی صاحب ملیح آبادی ۱۲

[3] یعنی اگر کافر شراب لیکر گذرا تو اس سے راہ داری لیں گے۔ کیونکہ قیمت کا لینا بعینہ شراب کا لینا نہیں ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ اللھم اغفر لکاتبہ و لوالدیہ

چیز ہے کہ اس کے تلف کرنے سے ویسی ہی دینی پڑے تو اسکی قیمت خود شراب نہوگی اور سو قیمت والی چیزوں میں سے ہے کہ اسکے تلف سے قیمت دینی پڑتی ہے تو اسکی قیمت اسکی ذات کا حکم رکھتی ہے اور دونوں چیزوں کی ذات کا لینا ممنوع ہے اور نہ اس چیز کی زکوٰۃ لیں جو اس کے گھر میں ہو اور نہ اُس مال کی لیں جو کسی نے اسکو تجارت کے لیئے دیا ہو اور نہ مال مضاربت[1] کی اور نہ اُس شراب کی جو اُس کے غلام نے پیدا کیا ہو جس کو اُس نے تجارت کی اجازت دے رکھی ہو (یعنی اگر کوئی سوداگر ایسا گذرے جس کے گھر میں مال تجارت اتنا ہے کہ اسپر زکوٰۃ واجب ہے۔ تو اسی قدر مال کی زکوٰۃ لیں جو موجود ہے اور جو اس کے گھر میں ہے اس کی نہ لیں ایسا ہی حال زکوٰۃ مال بضاعت[2] کا ہے اور مال مضاربت اور غلام کی کمائی کا ہے کہ اسکو بھی نہ لینا چاہیے) اور وہ یکے دوبارہ لیجاوے اگر خارجیوں نے راہ داری لے لی ہو (یعنی اگر باغیوں نے ملک بادشاہ پر غالب ہو کر حربی سوداگروں سے راہداری لے لی ہو تو اُن سے دوبارہ لیجاوے) باب۔ رکاز (یعنی زمین کی چیزیں مثل کان اور خزانہ مدفون) کی زکوٰۃ کے ذکر میں۔ کان اگر نقد کی ہو یعنی سونے اور چاندی کی خواہ لوہے جیسی چیز کی ہو مثل تانبے اور سیسے کی اس طرح کی کان اگر زمین خراجی اور دہ یکے والی میں پائی جاوے تو اسمیں سے پانچواں[3] حصہ لیا جاوے اور اگر یہ کان پانیوالے کے گھر میں یا اسکی ملک کی زمین میں نکلے تو کچھ نہ لیا جاوے۔ اور ایسا ہی پانچواں حصہ خزانہ مدفون کا لیا جاوے اور باقی چار حصے زمیندار قدیم کو ملیں گے اور پارے میں سے بھی پانچواں حصہ لیا جاوے اور جو دفینہ اور کان کہ دار الحرب میں نکلے خواہ فیروزہ اور موتی اور عنبر دار الاسلام میں سے نکلے اس میں سے پانچواں حصہ نہ لیویں۔ باب عشر (یعنی محصول زمین میں سے دہ یکے لینے کے بیان میں۔ دہ یکے واجب ہے زمین عشری کے شہد[4] میں سے اور اس زمین کے پیداوار سے جسکو مینھ کا خواہ رو کا پانی پہنچا ہو۔ اور اسمیں کچھ شرط مقدار نصاب کی اور باقی رہنے کی نہیں (یعنی ایسی چیزیں خواہ تھوڑی ہوں خواہ بہت ٹھیرتی ہوں یا نہیں سب میں سے دہ یکے لیویں) لیکن لکڑی اور نرسل اور گھاس

---

[1] اُس مال کو مضاربت کا مال کہینگے کہ مال ایک شخص کا ہو اور محنت دوسرے شخص کی اور وہ تجارت کرے نفع میں دونوں شخص شریک ہوں آدھا آدھا نفع یا جو مقرر ہو ١٢ [2] بضاعت وہ مال ہے کہ دوسرے کے مال سے تجارت کرے اور نفع کل مالک کا ہو ١٢ [3] یعنی اس زمین میں کم جس کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے ١٢ [4] امام شافعی کا اسمیں اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کچھ نہ لیا جاوے البتہ اگر سونے چاندی کی کان ہے تو اس میں سے زکوٰۃ لیجاویگی ١٢ [5] امام شافعی کا اس مسئلے میں اس میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ شہد سے دسواں حصہ نہ لیا جاویگا۔ دلیل ہماری حدیث ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ شہد میں دسواں حصہ ہے ١٢ مفتی محمد وصی

باب عشر کے بیان میں
باب رکاز کی زکوٰۃ کے بیان میں

اگر پیدا ہوا اُس میں وہ بکے نہیں - اور بیسواں حصہ لیا جاوے اگر زمین کو چرس اور بڑے ڈول سے پانی دیا ہو اور مزدوری کا خرچ مجرا نہ دیا جاوے یعنی وہ بکے اور بیسواں حصہ کل پیداوار سے لیا جاوے یہ نہ کیا جاوے کہ بیلوں اور کارکنوں کا خرچ مجرا دیکر باقی کی وہ بکے اور پانچواں حصہ[1] لیا جاوے تغلبی شخص کی زمین عشری کے پیداوار میں گو وہ مسلمان ہو گیا ہو یا اس سے کسی مسلمان یا جزیہ دینے والے نے خرید لی ہو اور تغلبی ایک فرقہ نصاریٰ میں کا ہے جو جزیہ کے عوض دو چند بکے دیتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں اسی طرح ٹھیر گیا ہے) اور اگر زمین عشری کو مسلمان کے پاس سے کوئی ذمی مول لیوے تو خراج لیا جاوے گا اور اگر زمین عشری مذکور کو اس ذمی کے پاس سے کوئی مسلمان حق شفعہ کی جہت سے لے لیوے یا وہ ذمی اُس زمین کو بیع فاسد ہونے کی جہت سے پھر بائع کو پھیر دے جو مسلمان تھا تو اس صورت میں وہ بکے لیجاویگی اور اگر کوئی مسلمان اپنے گھر کو باغ بنالے تو اُس کا مقدار واجب پانی کے ساتھ بدلتا رہتا ہے (یعنی اگر پانی عشر والا دیا تو اس باغ کی پیداوار سے وہ بکے لیجاویگی اور اگر پانی خراج کا دیا تو خراج دینا پڑے گا) بخلاف جزیہ دینے والے یعنی ذمی کے کہ وہ اگر اپنے گھر کو باغیچہ کردے گا تو بھی دونوں صورتوں میں خراج ہی دینا پڑے گا اور ذمی کے گھر کی زمین آزاد ہے یعنی اس پر کچھ واجب نہیں مانند چشمہ قیر اور نفط کے زمین عشری میں کہ اُسپر بھی کچھ واجب نہیں) اور اگر یہ دونوں چشمے زمین خراجی میں ہوویں تو اُنپر خراج واجب ہوتا ہے (واضح ہو کہ عشر کا پانی مینھ اور کنوؤں اور دریاؤں کا ہے کہ کسی کے تابع حکم نہیں اور خراج کا پانی اُن نہروں کا پانی ہے جنکو عجم کے بادشاہوں نے کھدایا ہے اور ان چشموں کا جو زمین خراجی میں ہوں اور قیر اور لفظ نون کے کسرہ سے گوند کیطرح کی چیز ہے کہ آگ کے شعلے سے اُٹھتی ہے جیسے رال وغیرہ

باب - مال کی زکوٰۃ کے مصرف کے بیان میں

زکوٰۃ جس کو دیجاوے وہ فقیر ہے اور مسکین جو فقیر سے بھی خراب ہے اسلئے کہ مشہور یہ ہے کہ فقیر وہ ہے

---

[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان لوگوں سے اپنا جزیہ طلب کیا چونکہ یہ لوگ شریف تھے اور جزیہ دینے میں ایک قسم کی ذلت ہے اسلیئے ان لوگوں نے جزیہ دینے سے انکار کیا اور کہا کہ جس طرح مسلمان زکوٰۃ دیتے ہیں ہم اُن سے دونی زکوٰۃ دینگے حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ تم اسکو زکوٰۃ کہو ہم جزیہ کہیں گے تھہرا اسی پر صلح ہو گئی اور تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اتفاق ہو گیا پس تغلبی سے مسلمان دونا لیا جائے گا ۱۲ [2] دسواں حصہ اسوجہ سے لیا جائیگا کہ وہ زمین مسلمان کی تھی مسلمان کے پاس آگئی اور مسلمان کی زمین میں دسواں حصہ لیتے ہیں کیونکہ دسواں حصہ بنا عبادت ہے اور یہ لائق ہے مسلمانوں کے اور خراج ایک قسم کی عقوبت ہے جو کافروں کے لائق تر ہے. ہاں بعض وقتوں میں مسلمان سے بھی خراج لیا جاتا ہے. جبکہ اُس سے خراج لئے جانے کا کوئی فعل صادر ہو مثلاً زمین خراجی کا کافر سے مول لینا یا خراجی پانی سے سینچنا ۱۲ [3] بشرطیکہ اُن چشموں کے گرد اگر زراعت کے لائق زمین پڑی ہو ورنہ خراج نہ واجب ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی میرٹھ آبادی ۱۲

جو مالک نصاب نہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس ایک رات دن کی غذا نہو اور جو شخص بادشاہ کی طرف سے مال زکوٰۃ کی تحصیل کا عامل[1] ہو۔ اور مکاتب یعنی وہ غلام اور لونڈی کہ اس کے مالک نے ایک مقدار معین مال پر اسکو آزاد[2] کیا ہو اور قرضدار اور شکستہ حال غازیوں میں سے جو گھوڑا اور ہتھیار نرکھتا ہو اور مسافر کہ مال اپنے پاس نرکھتا ہو گو وطن میں مالدار ہو پس مال زکوٰۃ خواہ ان سب کو دیا جاوے خواہ ایک قسم[3] کے شخص کو۔ اور زکوٰۃ ذمی[4] کو ندیجاوے اور زکوٰۃ کے سوا اور صدقوں کا اسکو دینا جائز ہے اور نہ مال زکوٰۃ سے مسجد بناوے اور نہ مردے کو کفن دے نہ مردے کا قرض ادا کرے نہ آزاد کرنے کیلئے غلام خرید[5] دے اور نہ اپنی اصل یعنی ماں باپ دادا دادی نانا نانی وغیرہ کو دے اور نہ اپنی فرع یعنے بیٹا بیٹا بیٹی اور ان کی اولاد کو دے نہ عورت اپنے خاوند کو دے نہ خاوند اپنی بی بی کو اور نہ اپنے غلام اور مکاتب اور مدبر[6] اور ام ولد کو اور نہ اس غلام کو جس کا کچھ حصہ آزاد ہوگیا ہے اور ایسے شخص کو بھی نہ دے جو توانگر ہو نصاب کے مالک ہونے سے اور نہ اس کے لڑکے اور غلام کو دے اور بنی ہاشم کی قوم کو اور ان کے آزاد کئے ہوؤں کو بھی ندیوے جاننا چاہیے کہ بعض روایتوں کے بموجب بنی ہاشم کے فقرا کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ چونکہ ذوی القربیٰ کا حصہ ان لوگوں سے موقوف ہوگیا ہے تو ناچار زکوٰۃ کا مال انکو دینا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ اور اگر زکوٰۃ اٹکل سے دیدی پھر معلوم ہوا کہ جسکو دی وہ توانگر تھا یا ہاشمی تھا۔ یا کافر تھا یا اس خود کا باپ بیٹا تھا۔ تو جائز ہے اور اگر یہ معلوم ہوا کہ وہ شخص اس کا غلام یا مکاتب تھا تو جائز نہیں[7] دوبارہ زکوٰۃ دے اور مکروہ ہے زکوٰۃ کا اسقدر دینا کہ فقیر توانگر ہو جاوے مگر اتنا دینا مستحب ہے کہ اس دن کے سوال کی اسکو حاجت نرہے اور مکروہ ہے مال زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لیجانا بشرطیکہ دوسرے شہر میں اس کا کوئی رشتہ دار نہیں نہ اول شہر کی نسبت دوسرے میں زیادہ محتاج کیلئے دینے کیواسطے لیجاوے

ف[1] یعنی بادشاہ نے جس کو زکوٰۃ وصول کرنے پر متعین کیا ہو اور جو اسکے معین مددگار ہوں جیسے محرر محافظ اور دیگر عملہ والے ان سبھوں کو بقدر انکے عمل کے زکوٰۃ کے مال سے دیا جانا جائز ہے ۱۲ ف[2] یعنی شرط لگادی ہو کہ اتنا مال جب ادا کردیگا تو آزاد ہے ایسے لونڈی غلام کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے کہ وہ ادا کرکے اپنے کو آزاد کرائے ۱۲ ف[3] اس مسئلہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ ان مذکورہ اقسام سے ہر قسم کے تین تین آدمیوں کو دینا چاہیئے ۱۲ ف[4] کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ان کے امیروں سے زکوٰۃ لینا اور ان کے غریبوں کو دینا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہی کو دیجائے کیونکہ مسلمان ہی سے لیجاتی ہے پس ذمی یعنی اس کافر کو جو دار الاسلام میں جزیہ دیکر رہتا ہے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ف[5] کیونکہ ان صورتوں میں تملیک زکوٰۃ کے ادا ہونے کے لئے شرط ہے ۱۲ ف[6] مدبر وہ غلام ہے جس کو آقا نے کہا ہو کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔ اور ام ولد وہ لونڈی ہے جس کے آقا سے اولاد ہوئی ہو ف[7] کیونکہ ان لوگوں کو دینے سے دینے والے کی ملک میں باقی رہے گا۔ اور تملیک جو رکن ہے باقی نہ رہی ۱۲ محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ -

تو بلا کراہت درست ہے۔ اور جس شخص کے پاس ایک دن کی غذا ہو اسکو سوال کرنا نہ چاہیئے۔

باب صدقہ فطر کے بیان میں یعنی اُس صدقہ کے بیان میں جس کا دینا بعد رمضان کے روزوں کے واجب ہوتا ہے صدقہ فطر واجب ہے اُس شخص پر جو آزاد اور مسلمان صاحب نصاب[1] ہو اور وہ نصاب اس کے گھر اور کپڑوں اور اسباب اور گھوڑے اور ہتھیار اور غلاموں سے علاوہ ہو اور صدقہ فطر خود اپنی طرف سے اور اپنے لڑکے کی طرف سے جو مالدار نہ ہو اور اپنی خدمت[2] کے غلاموں کی طرف سے اور مدبر اور ام ولد کیطرف سے دیوے اور اگر بچہ غنی ہو تو اس کی طرف سے اسکے ذمے واجب نہیں نہ اپنی بیوی کی طرف سے اور نہ اپنے بڑے بیٹے کیطرف سے اور نہ مکاتب کی طرف سے اور نہ ایسے غلاموں کی طرف سے جو مشترک ہوں دو شخصوں میں اور اگر کسی غلام کو جاکر بیچ دیا ہے تو اس کا صدقہ ملتوی رہیگا یعنی اگر خریدار نے واپس کر دیا اور اس شخص کی ملک میں آگیا تب اسکو دینا پڑیگا اور اگر خریدار کی ملک میں جاویگا تو اسپر لازم آویگا اور (مقدار صدقہ) واجب (کی) آدھا صاع گیہوں خواہ اُس کا آٹا یا ستو یا خشک انگور یعنی کشمش ہے یا ایک صاع چھوارے یا جَو کا ہے اور صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور رطل تخمیناً شاہجہانی[3] وزن کے آدھ سیر کے برابر ہے اور وقت صدقہ کے واجب ہونیکا عید کے دن کی صبح ہے[4] پس جو شخص کہ صبح سے پہلے مرجاوے یا صبح کے بعد مسلمان ہو یا پیدا ہوا ہو اسپر صدقہ فطر واجب نہ ہوگا۔ اور اگر صدقہ عید کی صبح سے خواہ پیچھے[5] ادا کرے تو درست ہے

کِتَابُ الصَّوم

اس میں روزے کا بیان جاننا چاہیے کہ روزہ اسلام کے پانچویں رکن میں سے چوتھا رکن ہے۔ اور قدیم سے فرض ہوا ہے کہ پہلی امتوں پر بھی فرض تھا چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ یعنی تمپر روزہ کو فرض کیا گیا جیسے اُن لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو

[1] اس نصاب کیلئے بڑھنے والا ہونیکی شرط نہیں لہذا اگر کسی کے پاس سکونت سے زیادہ مکان ہیں نہ تجارت کیلئے اور انکی قیمت نصاب کو پہنچ جاتی ہے تو اسکو صدقہ فطر دینا پڑیگا اور زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ زکوٰۃ کے لیے مال کا بڑھنے والا ہونا شرط ہے اور صدقہ فطر کیلئے نہیں پس جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی اسپر صدقہ فطر ضرور واجب ہوگا اور جسپر صدقہ فطر واجب ہو اسپر زکوٰۃ واجب ہونا ضروری نہیں البتہ زکوٰۃ لینا ضروری حرام ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [2] یہاں تک کہ اگر خدمت کیلئے غلام نہوں بلکہ تجارت کیلئے ہوں تو انکی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں بلکہ انکی زکوٰۃ واجب ہے ۱۲ [3] شاہ جہانی آدھ سیر قریب چالیس روپیہ چہرہ دار کے ہوتا ہے ۱۲ [4] امام شافعی کے نزدیک صدقہ فطر واجب ہونیکا وقت غروب آفتاب ہے۔ رمضان کے اخیری دن میں پس جو شخص عید کی رات میں مرجاوے اسپر انکے نزدیک صدقہ فطر واجب ہوگا اور جو شخص عید کی رات میں پیدا ہو یا مسلمان ہوا اسپر ان کے نزدیک صدقہ واجب نہ ہوگا۔ اور ہمارے نزدیک ہوگا [5] یعنی اگر عید کے دن صدقہ فطر روانہ کیا تو واجب ہے۔ کہ بعد میں ادا کرے تاخیر کرنے سے ساقط نہوگا اور اگر عید کے دن سے پہلے صدقہ فطر نکالدے یا تو جائز ہے ادا ہو جائیگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ اللہم اغفر لکاتبہ ولوالدیہ

باب صدقۂ فطر کے بیان میں

کتاب الصوم

تم سے پیشتر تھے روزہ اسکو کہتے ہیں کہ جو شخص روزہ کا اہل ہو یعنی مرد مسلمان اور عورت پاک حیض و نفاس سے وہ نیت کے ساتھ کھانا اور پینا اور صحبت کرنی صبح صادق سے آفتاب کے ڈوبنے تک چھوڑ دے۔ اور رمضان کا روزہ جو فرض ہے اور نذر معین کا روزہ جو واجب ہے مثلاً کہے کہ اس جمعرات کا روزہ رکھونگا اور نفل کا روزہ ان تینوں روزوں کے لیئے اگر نیت مع تعیین رات سے لے کر دوپہر[1] تک کرلے خواہ مطلق نیت کرلے یعنی فرض اور واجب اور نفل کو معین نکرے خواہ نفل ہی کی نیت کرے تو درست ہونگے اور ان تینوں قسموں کے سوا اور روزے جو ہیں مثلاً قضا رمضان اور کفارے کے اور نذر غیر معین کے جیسے یوں کہے کہ خدا کیواسطے روزہ رکھونگا تو یہ روزے درست نہیں ہوتے جب تک نیت رات سے نکرے اور تعیین روزہ کی نکرے اور رمضان چاند دیکھنے سے یا شعبان کے تیس[2] دن ہو جانے سے ثابت ہوجاتا ہے اور شک کے روز یعنے تیسویں تاریخ شعبان کی اگر انتیسویں کو ابر و غبار میں چاند معلوم نہ ہوا ہو روزہ نفل کی نیت کے سوا نہ رکھا جاوے جاننا چاہیئے کہ روز شک کا روزہ امام شافعی کے نزدیک ممنوع ہے اسلئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی شک روزہ روزہ رکھیگا وہ میری نافرمانی کرے گا اور برہان میں مذکور ہے کہ اس روز کا روزہ امام احمدؒ کے نزدیک واجب ہے۔ اور امام اعظم رح کے نزدیک نفل کی نیت سے روزہ رکھنا جائز ہے اور فرض رمضان کی نیت سے ناجائز اور اس نیت سے بھی ناجائز نہیں کہ اگر کل رمضان ہے تو روزہ رکھوں گا اور اگر نہیں ہے تو روزہ نہیں رکھونگا اور دلیل امام اعظم کی یہ ہے کہ حدیثوں میں[3] رمضان کے مہینے سے پیشتر روزہ رکھنے سے ممانعت آئی ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ کیلئے دلیل ہے ان دونوں حدیثوں کی رعایت کرنے سے روزہ نفل جائز ہوگا اور فرض رمضان کی نیت سے جائز نہ ہوگا۔ اور ھدایہ میں ذکر کیا ہے۔ کہ آں حضرت نے فرمایا ہے کہ شک کے روز روزہ نہ رکھا جاوے

ف١ مراد دوپہر سے نصف النہار شرعی ہے اور نہار شرعی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے غروب آفتاب تک پس نصف النہار سے پہلے نیت ہونا چاہیئے تاکہ اکثر حصہ دن کا بانیت گذرے اور امام شافعی کا اس مسئلے میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ رات ہی سے نیت کرے اگر رات سے نیت نہ کی تو روزہ نہ ہوگا دلیل ان کی وہ حدیث ہے کہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ نہیں روزہ ہوا اس شخص کا جس نے رات سے روزہ کی نیت نہیں کی اور دلیل ہماری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس وقت کہ ایک اعرابی نے چاند دیکھنے کے دن میں شہادت دی اور حضور نے قبول فرما کر ارشاد فرمایا کہ خبردار جس شخص نے کچھ کھالیا ہو وہ بقیہ دن رکا رہے اور جس نے کچھ نہ کھایا ہو روزہ رکھ لے اور پہلی حدیث میں مراد ہے۔ کہ افضل روزہ نہ ہوگا اس کا جس نے رات سے نیت نہیں کی واللہ اعلم ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی

ف٢ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو پس اگر پوشیدہ رہے تو شعبان کے تیس دن پورے کرو ۱۲

ف٣ اس لیئے حدیث میں ممانعت ہے۔ اور اہل کتاب سے مشابہت ہے کیونکہ وہ اپنے روزوں کی تعداد میں زیادتی کر دیا کرتے تھے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

مگر نفل کی نیت سے اور یہ حدیث خواہ مرفوع ہو یا موقوف یعنی اس کی اسناد حضرت تک پہنچی ہو یا نہ پہونچی ہو اسی مذہب کے موافق ہے اور احتیاط زیادہ اس میں ہے کہ قاضی اور مفتی اور خواص[1] شک کے روز نفل کی نیت سے روزہ رکھیں اور عوام کو افطار کا حکم کریں اور جو کوئی چاند رمضان خواہ عید کا دیکھ لے اور اس کی گواہی نہ مانی جاوے تو اسکو چاہیئے کہ روزہ رکھے پس اگر افطار کرلے تو صرف ایک روزہ قضا رکھے یعنی کفارہ اسپر لازم نہیں۔ اور روزہ رمضان میں اسپر بسبب چاند دیکھنے کے لازم ہے اور عید میں بسبب سب مسلمانوں کی پیروی کے اور آسمان میں ابر و غبار کی جہت سے ایک عادل[2] کی خبر اگرچہ وہ غلام یا عورت ہو رمضان کیلئے مقبول ہوگی اور ماہ شوال کے لیئے دو مردوں خواہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی لیجاویگی۔ اور اگر آسمان میں ابر و غبار نہ ہو تو بڑی جماعت کا دیکھنا معتبر ہوگا رمضان اور شوال دونوں میں اور بڑی جماعت کے لیے پچاس آدمی مقرر کیئے گئے ہیں اور عید الضحیٰ مانند عید فطر کے ہے یعنی چاند کے دیکھنے میں اور گواہی کے قبول کے ہونے میں دونوں کا ایک حکم ہے اور مطلعوں کا مختلف ہونا معتبر نہیں یہاں تک کہ اگر تمام جہان میں اگر ایک ہی جگہ چاند دیکھیں تو پورب سے پچھم تک اور شمال سے جنوب تک چاند معلوم ہونے کا حکم ہوگا اور بعضے علماء کے نزدیک اختلاف اطراف کے مطلعوں کا معتبر ہے۔ اس روایت کے بموجب ہر ولایت میں اسی کے مطلع کا حکم معتبر ہوگا۔

باب۔ اُن چیزوں کے بیان میں جنسے روزہ فاسد ہوجاتا ہے اور جن سے نہیں ہوتا

اگر روزہ دار کھائے یا پیوے یا صحبت کرے مگر یہ باتیں بھولکر ہوجاویں یا خواب میں نہانیکی حاجت ہو یا شہوت سے دیکھنے کے باعث منی نکل پڑے یا تیل ملے یا سینگی سے خون نکلواوے یا سرمہ[3] لگاوے یا بوسہ لے اور اُس سے انزال نہ ہو یا اس کے گلے میں غبار یا مکھی جاوے اور اسکو اپنا روزہ یاد ہو یا اپنے دانتوں میں لگی ہوئی چیز کو کھاجاوے یا قے کرے اور وہ ہٹ کر اسکے حلق میں خود چلی جاوے تو اس کا روزہ نہ ٹوٹے گا۔ اور اگر قے خود نگل جاوے یا جان بوجھکر قے کرے یا کنکر یا لوہے کا ٹکڑا یعنی جو چیز کھانے کی نہ ہو نگل جاوے تو ان صورتوں میں صرف ایک روزے کی قضا کر

---

[1] خواص سے مراد وہ لوگ ہیں جو شک کے روز کی نیت سے واقف ہوں اور جو لوگ واقف نہوں عوام ہیں ۱۲ [2] عادل وہ ہے کہ برائیوں کی نسبت نیکیاں زیادہ کرتا ہو ۱۲ [3] سرمہ لگانے سے روزہ نہیں جاتا اگرچہ کھنکھار میں اسکی سیاہی نظر آوے ۱۲

[4] بشرطیکہ وہ کم ہو یعنی چنے کی مقدار سے کم ہو اور اگر چنے کی برابر یا اس سے زیادہ ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا ۱۲

مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

یعنی کفارہ لازم نہو گا۔ اور جو مرد صحبت کرے خواہ عورت صحبت کیجاوے یا غذا کھاوے یا دوا پیوے اور یہ باتین جان بوجھ کر ہوں تو روزے کی قضا کرے[۱] اور ظہار کا سا کفارہ دے یعنی ایک بردہ آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاوے یا دو مہینے برابر[۵] روزے اور کفارہ لازم نہ ہو گا اگر شرم گاہ کے سوا اور کسی عضو میں صحبت کرنے سے انزال ہو گا اور ایسا ہی حال[۲] رمضان کے سوا اور روزے کے توڑنے کا اور اگر حقنہ کراوے یا ناک میں دوا ٹپکاوے یا کان میں یا زخم پیٹ یا زخم کھوپڑی کا علاج کسی خشک خواہ تر دوا سے کرے اور وہ دوا اسکے پیٹ یا دماغ میں پہونچ جاوے تو ان صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر سوراخ ذکر میں کوئی دوا ڈالے تو روزہ نہ جاوے گا۔ اور مکروہ ہے بدون عذر کے کسی چیز کا چکھنا اور چبانا اسی طرح علک کا چبانا جو ایک قسم کا گوند ہے اور عذر یہ ہے کہ لڑکے کے لئے چبلئے کہ بدون اسکے چارہ نہ ہو یا کسی درد کے لئے چباوے کہ اس کے چبانے سے آرام ہو اور سرمہ لگانا اور مونچھوں پر تیل ملنا اور مسواک کرنی اور بوسہ لینا اس شرط سے کہ خوف صحبت کر بیٹھنے اور انزال ہو جانیکا نہو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک دن ڈھلے سے غروب آفتاب تک مسواک کرنی مکروہ[۵] ہے۔ اور ابنِ حجت ارشاد آنحضرت کا ہے کہ فرمایا اگر میں اپنی امت پر محنت نہ جانتا تو مسواک کا حکم ہر نماز کے وقت کر دیتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں بھی مسواک ظہر اور عصر کی نماز کے لئے مسنون ہے اور ابراہیم نے عاصم سے پوچھا کہ آیا روزہ دار تر مسواک کرے انھوں نے کہا البتہ اسلئے کہ مسواک کی تری پانی کی تری سے بڑھ کر نہیں یعنی کلی ہر وضو میں کرتے ہیں اور تری منھ میں پہنچتی ہے مسواک کی تری تو اس سے کم ہے۔ ابراہیم نے پوچھا کہ دن کے شروع میں مسواک کرے یا آخر میں۔ عاصم نے کہا کہ دونوں وقتوں میں ابراہیم نے پوچھا کہ یہ بات تم کس شخص سے روایت کرتے ہو انھوں نے کہا کہ میں انس سے روایت کرتا ہوں اور وہ نبی صلعم سے راوی ہیں۔ روایت کیا اس حدیث کو بیہقی نے

ف ۱ برابر روزے رکھے یعنی درمیان میں افطار نہ کرے اگر درمیان میں ایک دن بھی افطار کر لیگا تو پھر نئے سر سے رکھنا پڑیں گے ۱۲ ف ۲ یعنی رمضان کے سوا اور روزے مثلاً نفل و قضا و نذر و غیرہ ان روزوں کے توڑنے میں صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہ ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ف ۳ اور قضا لازم ہوتی ہے نہ کفارہ ف ۴ روزہ چکھنے اور چبانے سے نہ جائیگا اس لیے کہ اندر کوئی چیز نہیں گئی البتہ مکروہ اس لئے ہے کہ یہ روزہ کو فساد پر پیش کر دینا ہوا اور اگر عذر کیوجہ سے ہو تو مکروہ بھی نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ف ۵ امام شافعی صاحب زوال کے بعد روزہ دار کو مسواک کرنا مکروہ بتلاتے ہیں اسوجہ سے کہ روزہ دار کے منہ کی بو جو نہ کھانے پینے کی وجہ سے عموماً دوپہر سے پیدا ہو جاتی ہے

وہ اللہ پاک کو بہت محبوب ہے۔ مسواک کرنے سے وہ خدا کی محبوب چیز زائل ہو جاوے گی ۱۲

فصل۔ جو شخص بیماری کے بڑھ جانے[1] کا خوف رکھتا ہو اسکو روزے کا افطار کرنا درست ہے، اور جائز ہے افطار کرنا مسافر[2] کو بھی اور مسافر اگر روزہ رکھے تو مستحب ہے بشرطیکہ اسکو ضرر نہ کرے یعنی مسافر کو اگر مشقت اور ماندگی سفر کی نہ ہو تو باوجود افطار کے مباح ہونیکے روزہ رکھنا مستحب ہے۔ اور اگر ہو تو افطار کرنا مستحب ہے۔ اور بیمار اور مسافر اگر حالت بیماری یا سفر میں مر جاویں تو انپر روزے کی قضا نہیں یعنی بیمار اگر صحت نہ پاوے اور مسافر نہ ٹھہرے تو انپر لازم نہیں کہ اپنے وارثوں کو وصیت کرے کہ میرے ان روزوں کا فدیہ دیدینا اور اگر وہ دونوں اپنے وارثوں کو وصیت کر جاویں تو انکا وارث ہر روزہ کے عوض میں صدقہ دیوے مثل صدقہ عید فطر کے اور بدون وصیت کے لازم نہیں اور میت کی طرف سے روزہ اور نماز درست[3] نہیں اور اگر وہ دونوں روزہ رکھنے پر قادر ہو جاویں تو قضا رکھ لیں بدون شرط پے درپے رکھنے کے یعنی رمضان کے روزوں کی قضا میں یہ قید نہیں کہ سب ایک ساتھ ہوں۔ اگر جدا جدا رکھے گا۔ تب بھی جائز ہے[4] پس اگر اس عرصہ میں دوسرا رمضان آجاوے اور انکے ذمے قضا کے روزے باقی ہوں تو اُن کو چاہیئے کہ رمضان حال کے روزے اوّل رکھیں اور قضائے رمضان کے پیچھے[5] اور عورت حاملہ اور دودھ پلانیوالی کو افطار روزے کا درست ہے بشرطیکہ دونوں کو بچہ کا خوف ہو۔ یا حاملہ کو اپنی جان کا خوف ہو۔ اور جائز ہے۔ افطار نہایت بوڑھے شخص کو جو ناطاقتی کے باعث روزہ نہ رکھ سکے اور آئندہ کو بھی توقع نہ رکھتا ہو۔ اور صرف اس طرح کا بوڑھا اپنے روزے کی عوض میں فدیہ دیوے یعنی پیٹ والی عورت اور دودھ پلانیوالی کو فدیہ دینا لازم نہیں۔ اور جائز ہے نفلی روزے کو افطار کرنا عذر کے ساتھ سب روایتوں میں اور بدون عذر کے ایک روایت میں اس روزے کی وہ قضا کرے اسلئے کہ نفلی کو شروع کرکے اگر توڑ ڈالے گا تو اس کی قضا لازم[6] ہو جاویگی اور اگر رمضان کے دنوں میں کوئی لڑکا

ف۱ اس لئے کہ بیماری کی زیادتی سے کبھی ہلاکت کو پہنچ جائیگا اور ہلاکت سے بچنا واجب ہے ۱۲ ف۲ مسافر کو افطار جائز ہے اگرچہ سفر میں مشقت نہ ہو اور مریض کو اگر روزہ ضرر نہ پہنچاوے تو اسے افطار جائز نہیں فرق یہ ہے کہ سفر میں اکثر مشقت ہوتی ہے۔ لہذا سفر خود قائم مقام مشقت کے کر دیا گیا اور مرض کبھی روزہ سے کم ہو جاتا ہے جیسے کہ ہیضہ بس کہ ہیضہ پس جواز افطار کے لئے شرط ہے کہ مرض کی زیادتی کا خوف ہو ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ف۳ میت کیطرف سے روزہ نماز اس لئے درست نہیں کہ حدیث میں آیا ہے نہ روزہ رکھے کوئی کسی جانب سے اور نہ نماز پڑھے کوئی کسی کی طرف سے ۱۲ ف۴ اور مستحب ہے روزہ قضا پے درپے رکھ لینا تا واجب سے جلد سبکدوش ہو جاوے ۱۲ ف۵ یعنی دوسرے رمضان کے بعد پہلے رمضان کے روزوں کی قضا کریگا امام شافعی کے نزدیک اگر بلا عذر قضا میں تاخیر کی تو فدیہ واجب ہوگا۔ اور ہمارے نزدیک نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ف۶ اور فتوے اسپر ہے کہ بدون عذر افطار نہ کرے ۱۲ کذا فی الکافی ف۷ امام شافعی کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نفل روزہ توڑ دینے سے قضا واجب نہوگی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲۔

بالغ ہو یا کوئی کافر مسلمان ہو تو اُس روز امساک کرے یعنی افطار کرنے والی چیزوں میں سے کچھ نہ کرے اور کوئی روزہ اُس دن کی عوض قضا نہ رکھے۔ اور اگر کوئی مسافر افطار کی نیت کر کے چلے پھر اپنے شہر کو پھر آوے[1] اور روزے کے وقت میں نیت روزے کی کرلے یعنی دوپہر ڈھلے سے پہلے نیت کرلے تو اس کا روزہ درست ہوگا اور اگر روزہ دار کو بیہوشی عارض ہو جائے تو بیہوشی کے ایام کے روزے قضا کرے مگر جس رات میں بیہوشی ہوئی اُس کے دن کے روزے کی قضا نہ کرے یعنی اگر چند روز رمضان کے مہینے میں بیہوش رہا تو سب دنوں کی قضا کرے اس لئے کہ نیت روزے نہیں پائی گئی مگر اس دن کی قضا نہ کرے جس کی رات میں بیہوش ہوا ہو اسلئے کہ ظاہر یہی ہے[2] کہ اس رات میں نیت اس روزہ کی کی ہوگی اور قضا کرے روزہ کو بسبب ایسے جنون کے جو مدت تک کا نہ ہو یعنی مہینے میں کبھی ہو گیا ہو اور کبھی نہ ہوا ہو۔ اور اگر تمام مہینے جنون رہا ہو تو اسپر قضا نہ ہوگی اسلئے کہ ماہ رمضان میں اس کو موجود ہونا میسر نہوا جو کہ شرط روزے کے واجب ہونے کی ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ پس جو کہ حاضر ہووے تم میں سے مہینے میں وہ اس کے روزے رکھے اور بھی قضا کرے وہ شخص کہ افطار کی چیزوں سے بدون نیت کے باز رہے یعنی اگر کوئی کچھ نیت نکرے نہ افطار کرنے کی اور نہ روزہ رکھنے کی رمضان کے روزوں میں تو وہ شخص ان روزوں کی قضا رکھے اسلئے کہ روزہ بدون نیت کے جائز نہیں ہوتا اور اگر دن کو رمضان میں مسافر اپنے شہر میں پہونچ جاوے یا حیض والی عورت پاک ہو خواہ رات کے گمان سے سحر کھالے حالانکہ صبح ہوگئی یا رات ہو جانے کے گمان پر افطار کرلے حالانکہ آفتاب موجود ہو۔ ایسے لوگ دن کو افطار کی چیزوں سے باز رہیں اور اس روزے کی عوض قضا رکھیں اور کفارہ نہ دیں اور یہی حکم ہے بھول کر کھانے کے بعد جان بوجھ کر کھا لینے کا یعنی اگر کسی نے بھولکر کھالیا اور نادانی سے یہ سمجھا کہ میرا روزہ جاتا رہا پھر دانستہ کھالیا تو اسکو روزہ قضا رکھنا پڑیگا کفارہ لازم نہوگا اسی طرح اگر سوتی ہوئی اور دیوانی عورت سے صحبت کیجاوے تو ان دونوں پر قضا لازم ہوگی کفارہ نہوگا

---

[1] یعنی قبل نصف النہار شرعی کے جیسا کہ پہلے گذر چکا اور اگر مسافر رمضان میں قبل نصف النہار کے اپنے شہر میں آگیا اور نیت افطار کی رکھتا تھا اگر کچھ کھایا پیا نہیں تو اسپر واجب ہے کہ روزہ رکھ لے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [2] یہ اسوقت ہے کہ نیت کرنا اور نہ کرنا کچھ یاد نہ ہو کیونکہ تین حال سے خالی نہیں ایک یہ کہ نیت کرنا یاد ہے اس صورت میں ظاہر ہے کہ قضا نہوگی دوسرے یہ کہ نیت نہ کرنا یاد ہے اس صورت میں اس دن کی قضا بھی واجب ہوگی تیسرے یہ کہ کچھ یاد نہیں کہ اس رات میں نیت کی تھی یا نہیں صورت متن کی ہے ظاہر یہی ہے کہ مسلمان مکلف نے نیت کی ہوگی لہذا اس دن کی قضا واجب نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی [3] اور نیت کا وقت نہ تھا یا تھا مگر یہ پہلے اس سے افطار کی چیزوں سے باز نہیں رہا تھا تو اب بقیہ دن رکا رہے ۱۲ [4] دیوانی عورت نے روزہ دار ہونے کی یہ صورت ہے کہ شروع میں اچھی تھی اس کے بعد جنون عارض ہوا ۱۲

فصل۔ اور جو شخص کہ قربانی کے دن یعنی عید الضحیٰ کے روزہ رکھنے کی منت مانے تو وہ اُس روز افطار کرے اور اس کے عوض دوسرا روزہ رکھے اور اگر اس منت سے قسم مراد لے تو قسم کا کفارہ بھی دیوے اس لیے کہ اُسدن کا روزہ رکھنا جائز نہیں اسی لیے افطار کر کے قضا رکھے اور قسم کی نیت میں قسم کا کفارہ بھی لازم آتا ہے اور یہی حکم اور دنوں کے روزے کی نذر کا ہے جن میں روزہ رکھنا منع ہے جیسے ایام تشریق[1] اور عید فطر کا روزہ اور اگر نذر کرے کہ اس برس کے روزے رکھونگا تو چاہیے کہ جن دنوں میں روزہ ممنوع ہے یعنی دو عیدوں کے دن اور تین دن تشریق کے ان پانچوں روزوں میں افطار کرے اور ان کے عوض اور روزے رکھے اور قضا ان روزوں کی لازم[2] نہیں جس صورت میں کہ ان دنوں میں روزہ شروع کر کے افطار کر لیا ہو یعنی جسطرح اور روزوں میں ہے کہ نفل میں شروع کر کے افطار کرنے سے قضا لازم آتی ہے قضا ان روزوں کی لازم نہیں ہوتی

باب۔ اعتکاف کے بیان میں

مسجد میں روزہ اور نیت اعتکاف کے ساتھ ٹھیرنا۔ اعتکاف کہلاتا ہے اور وہ مسنون[3] ہے۔ اور کمتر مدت نفل اعتکاف[4] کی ایک ساعت ہے اور عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے اور اعتکاف والا بدون حاجت شرعیہ یا طبعیت کی حاجت کے مسجد سے باہر نکلے حاجت شرعی جیسے نماز جمعہ اور نماز جنازہ اور بیمار پرسی ہے اور حاجت طبعی مثل بول و براز کے ہے۔ پس اگر بدون عذر کے ایک ساعت کو باہر نکلیگا اعتکاف جاتا رہیگا[5] اور جائز ہے اعتکاف والے کو کھانا اور پینا اور سونا اور خرید و فروخت کرنا جس مسجد میں کہ اعتکاف کیا ہو اور مکروہ ہے بیچنے کی چیز کو مسجد میں لانا بلکہ صرف زبانی معاملہ و ادستار کا کرے اور مکروہ ہے اُس کو چپ رہنا اور نیک کلام کے سوا دوسری باتیں کرنی اور حرام ہے اسکو صحبت کرنا اور اسکے لوازم مثل بوسہ لینے اور گلے چمٹانے کے اور صحبت کرنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے اور چند روز کے اعتکاف کی نذر کرے تو ان روزوں کی راتیں بھی اُسپر لازم ہو جاتی ہیں اور دو روز کی اگر نذر کرے تو دو راتیں لازم ہونگی

باب۔ اعتکاف کے بیان میں

[1] گیارہویں بارہویں تیرہویں ذی الحجہ کو ایام تشریق کہتے ہیں ۱۲ [2] کیونکہ ان دنوں میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ خبردار ان دنوں میں روزہ نہ رکھو یہ دن کھانے پینے اور صحبت کرنیکے ہیں پس اگر ان دنوں میں روزہ رکھ کر توڑ دیگا تو قضا واجب ہوگی ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی [3] بعض اعتکاف واجب ہے جیسے اعتکاف کی نذر کی ہو اور بعض سنت موکدہ جیسے رمضان کے اخیری عشرہ کا اعتکاف کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسپر ہمیشگی کی ہے اور بعض اعتکاف مستحب ہے۔ اور مستحب وہ اعتکاف ہے جو ان دنوں کے علاوہ ہو ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ [4] اور وقایہ وغیرہ میں کمتر مدت ایک دن اور ایک رات ہے ۱۲ [5] مغنی میں ہے کہ اگر عذر کے سبب نکلا مگر بدون عذر کے باہر ٹھہر رہا۔ تب بھی جاتا رہیگا ۱۲ [6] البتہ اگر مخصوص دنوں ہی کی نیت کے ساتھ نذر کریگا۔ تو راتیں لازم نہ ہونگی [7] یعنی دو راتیں مع دو روز کے لازم ہونگے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ دو دن اور بیچ کی ایک رات لازم ہوگی ۱۲

۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

کتاب الحج

اس میں حج کا ان ہے جاننا چاہیے کہ حج کرنا خانہ کعبہ کا اسلام کے پانچوں رکنوں میں سے پانچواں رکن ہے اسلیے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا یعنی اللہ کے واسطے ہے لوگوں پر حج کرنا خانہ کعبہ کا جسکو قدرت ہو اُس کی راہ کی خاص طور پر زیارت کرنا خانہ کعبہ کا حج کے مہینوں میں حج کہلاتا ہے اور وہ عمر بھر میں ایکبار بشرط پائے جانے شرطوں کے فرض ہے اور شرطیں اسکی یہ ہیں اول آزاد ہونا. دوم بالغ ہونا سوم عاقل ہونا چہارم تندرستی مرض سے پنجم قادر ہونا راہ کے خرچ اور سواری پر جو زائد ہو اسکے مکان اور ضروری چیزوں سے ششم قادر ہونا خرچ آنے جانے اور گھر والوں کے اخراجات پر ہفتم راستے کا امن ہونا آٹھویں شرط عورت کیلیے ہے محرم کا یعنی باپ یا بیٹا یا خاوند ساتھ ہو. اس صورت میں کہ اسکے اور کعبہ کے درمیان فاصلہ سفر شرعی یا غلام احرام باندھے اور بعد احرام کے وہ لڑکا بالغ ہو جاوے یا غلام آزاد کیا جاوے اور پھر وہ دونوں باقی افعال حج کے بجالاویں تو انکے ذمے سے حج فرض یعنی حج اسلام ادا نہوگا اسلیے کہ احرام بالغ ہونے اور آزاد ہونے سے پیشتر باندھا تھا اور میقات یعنی وہ جگہیں جہاں سے احرام باندھتے ہیں اور بدون احرام کے گذرنا جائز نہیں۔ پانچ ہیں. اول ذو الحلیفہ. دوم ذات عرق. سوم جحفہ. چہارم قرن المنازل. پنجم یلملم۔ ان میں سے ہر ایک جگہ ان لوگوں کے واسطے جو وہاں موجود رہتے اور جو انپر کو گذرتے ہیں احرام باندھنے کا مقام ہے. اور جائز ہے ان جگہوں سے پیشتر احرام کا باندھنا مگر ان سے آگے بڑھ کر باندھنا جائز نہیں اور جو لوگ ان جگہوں کے اندر رہتے ہیں انکے لئے احرام باندھنے کی جگہ حل ہے یعنی حرم کے سوا اور مکہ کے رہنے والوں کی میقات اگر حج کے واسطے باندھیں تو حرم ہے اور عمرے کیلیے باندھیں تو حل ہے.

باب. احرام باندھنے کے بیان میں حج کے اعمال میں احرام مثل تحریمہ کے ہے افعال

۱ حج کے فرائض ہیں احرام اور عرفات میں ٹھہرنا اور طواف زیارت اور واجب پانچ ہیں۔ مزدلفہ میں ٹھہرنا اور سعی اور رمی اور طواف صدر باہر والوں کو اور بال ترشوانے ۱۲ ۲ یعنی راستے میں امن ہو خوف خطر نہو ۱۲ ۳ خواہ عورت جوان یا بوڑھی ہو اور امام شافعی کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر ثقہ عورتوں کی ہمراہی میں جاوے تو محرم یا خاوند کا ساتھ ہونا کچھ ضرور نہیں اور دلیل ہماری دارقطنی کی حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ نہ حج کرے کوئی عورت لیکن اس حال میں کہ اسکے ساتھ محرم ہو ۱۲ محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۴ حرم زمین مکہ کے چہار طرف کی ہے جس پر حضرت سے لیکر آج تک حدود و نشانات بنتے چلے آئے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب بن اسد کو اس کی حد بندی کیواسطے مامور فرمایا تھا ۱۲ ۵ مکے کے رہنے والوں کیلیے حج کا احرام حرم ہے اور عمرے کا حل ہے اسواسطے ہے کہ حج حل میں ہونا ہے چاہیے تاکہ ایک قسم سفر متحقق ہو جاوے اور عمرہ کا احرام تمام حل سے جائز ہے لیکن تنعیم سے افضل ہے تنعیم ایک جگہ کا نام ہے حل میں واقع ہے ۱۲

نماز ہیں اور جب تو احرام باندھنا چاہے تو وضو کرنا اور نہانا مستحب ہے اور وضو خواہ نہانے کے بعد ایک تہمد اور چادر رکھ دونوں نئی ہوں یا دھوئی پہن اور خوشبو لگا اور دو رکعتیں پڑھکے یوں کہہ کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ اور نماز کے بعد نیت حج سے تلبیہ کہہ یعنی یہ الفاظ زبان لا لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَاشَرِیْکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ اور ان الفاظ میں چاہے تو اور بڑھاوے مگر کم نہ کر جب تو نیت حج سے تلبیہ ف۱ کہہ چکے تو اب احرام باندھ چکا تو اب بُری باتوں اور گناہوں اور لڑائی اور جھگڑے اور شکار کے مارنے اور اسکی طرف اشارہ کرنے اور اسکو بتلانے اور کرتہ اور پاجامہ اور پگڑی اور قبا اور موزے پہننے سے پرہیز کر لیکن اگر جوتیاں میسر نہ ہوں تو موزوں کو ٹخنے کے نیچے سے کاٹ کر پہن لے اور ورس اور زعفران اور کسم کا رنگ مت پہن مگر یہ رنگین کپڑا اگر دھو یا ہوا ہو کہ بو نہ آتی ہو تو اس کا مضائقہ نہیں اور سر اور چہرہ کے ڈھانکنے اور اُن کو گلخیرہ وغیرہ سے دھونے اور خوشبو لگانے اور اپنے سر کے بال منڈانے اور کترانے اور ناخن دور کرانے سے بھی پرہیز کر اور نہانے اور حمام میں جانے اور مکان کے خواہ کجاوے کے سایہ میں ٹھیرنے اور ہمیانی کمر میں باندھنے سے پرہیز کرنا ضرور نہیں اور جب تو نماز پڑھے یا اونچی جگہ چڑھے یا پستی میں اترے یا سواروں سے ملے یا سحر کیوقت میں تلبیہ کثرت سے پکار کے کہتا رہ۔ اور جسوقت مکہ میں داخل ہو تو اوّل مسجد حرام میں جا اور خانہ کعبہ کو دیکھ کر اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ زبان پر لا اور پھر حجر اسود کے سامنے جا کر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوا اسکو بوسہ دے خواہ ہاتھ لگا کر ہاتھ کو بوسہ دے بدون دوسرے شخص کو تکلیف دینے کے اور خانہ کعبہ کے گرد اپنی چادر داہنی بغل کے نیچے سے نکالکر بائیں کندھے پر ڈالکر حطیم کو شامل کر کے سات بار پھر اور حطیم ایک دیوار کا ٹکڑا ہے کعبے کے ایک کنارہ کو اور پھر نا گرد کعبہ کے اپنی داہنی طرف سے شروع کر اُسجگہ سے جو دروازہ کعبے کے پاس ہے اور اول کے تین پھیروں میں ملکر یعنی مونڈھے ہلاتا ہوا جھپٹ کر اور جب حجر اسود کے پاس کو گذرے تو اگر ہو سکے تو بوسہ دے یا ہاتھ لگاوے اور ختم کر گردش حجر اسود کے بوسہ دینے پر بعد اس کے دو رکعت نماز مقام ابراہیم میں خواہ جسجگہ مسجد میں

ف۱ جب تک تلبیہ نہ کہیگا صرف نیت کرنے سے احرام نہ بندھیگا ۱۲ ف۲ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موزہ پہننے سے منع فرمایا لیکن اگر جوتا نہ میسر ہو تو ٹخنے کے نیچے سے کاٹ کر پہننے کی اجازت دی ہے ف۳ کیونکہ حضرت عمر نے احرام کیحالت میں غسل فرمایا ہے ۱۲ ف۴ کیونکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان حالتوں میں تلبیہ کی کثرت کرتے تھے اور پکارا اس لئے کہے کہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ افضل حج میں تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرنا اور خون بہانا یعنی قربانی کرنا مگر اسقدر آواز بلند کرے کہ جس سے تعب و مشقت ہو ۱۲ ف۵ یعنی حجر اسود کے پاس مجمع ہو تو لوگوں کو دھکے دیتا اور دھکیلتا ہوا اسکے بوسہ دینے کو نہ جاوے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ف۶ یہانتک کہ اگر کوئی خانہ کعبہ اور حطیم کے بیچ سے گذر کر طواف کریگا تو جائز نہ ہوگا ۱۲ ف۷ یہ نماز ہمارے نزدیک واجب ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک سنت ہے ۱۲

ہو سکے ادا کر اور یہ طواف خانہ کعبہ کے سامنے آئیگا ہے یعنی اسکو طواف قدوم کہتے ہیں اور یہ طواف
مکے کے رہنے والوں کے سوا کیلئے سنت ہے کیونکہ یہ طواف اول آنے کیواسطے ہے اور اہل مکہ تو وہاں ہی
رہتے ہیں دوسری جگہ سے نہیں آتے پھر مسجد میں سے نکلکر صفا کی پہاڑی پر جا اور خانہ کعبہ کیطرف کو منھ
کر کے تکبیر اور تہلیل کہہ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج اور اپنے پروردگار سے اپنی مراد
مانگ پھر وہاں سے اُتر کر مروہ کی طرف چل اور سبز میلوں کے درمیان میں دوڑ اور مروہ پر پہنچکر جو کچھ
صفا پر کیا تھا وہی افعال بجا لا اسیطرح ان دونوں کے درمیان سات پھیرے کر کہ شروع پھیروں کا صفا
سے اور ساتواں پھیرا تمام مروہ پر ہو۔ بعد اس کے مکہ میں احرام باندھے ٹھہر اور جب تیرا دل چاہے خانہ کعبہ
کا طواف کیا کر پھر ساتویں تاریخ ذی الحجہ کو امام کو چاہیے کہ خطبہ پڑھے اور اسمیں افعال حج کے بیان
کرے اور آٹھویں تاریخ منٰے کو جا اور نویں کو صبح کی نماز کے بعد عرفات کو جا وہاں امام خطبہ پڑھے اور
افعال حج کے لوگوں کو تعلیم کرے پھر دوپہر ڈھلے ظہر اور عصر کی نماز ایک اذان اور دو تکبیروں سے
پڑھ بشرطیکہ امام اور احرام ہو یعنی اگر احرام نہ باندھے یا اکیلا ہو تو اس صورت میں ایک وقت میں دو
نمازوں کو ساتھ نہ پڑھنا چاہیے پھر موقف کیطرف چل اور کوہ رحمت کے قریب ٹھہر اور عرفات کا میدان
سب ٹھہرنے کی جگہ ہے سوائے میدان عرفہ کے اور وہاں تحمید اور تکبیر اور تہلیل اور تلبیہ اور درود اور
دعائیں پڑھتا رہ پھر دن چھپنے کے بعد مزدلفہ کیطرف چل اور کوہ قزح کے پاس اُتر اور جماعت کیساتھ
مغرب اور عشا کی نماز ایک اذان اور ایک تکبیر سے پڑھ اور نماز مغرب کو راہ میں پڑھنا درست نہیں
پھر نماز فجر کی اندھیرے میں پڑھ کر تکبیر اور تہلیل اور تلبیہ اور درود اور دعائیں پڑھتا ہوا توقف کر اور مزدلفہ
میدان محسّر کے سوا سب جگہ ٹھہرنے کی ہے پھر روشنی ہو جانے کے بعد منٰی کو چل اور وہاں پہنچکر جمرہ عقبیٰ
کو پست نالے کے بیچ میں کھڑا ہو کر سات کنکریاں ایسی مار جنکو انگلی سے مار سکیں اور ہر کنکری کے ساتھ

۱ے سبز میل اسلئے کہا کہ جتنی دور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا چاہیے دو میل نصب کر دیئے گئے ہیں ایک میل سبز ہے اور زرد ہے ۱۲
مفتی محمد وصی علی آبادی ۲ے یعنی تکبیر اور تہلیل اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنی مراد مانگ ۱۲
مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۳ے صفا سے مروہ تک جانا ایک پھیرا ہوا اور مروہ سے صفا تک دوسرا اسی طرح ساتواں پھیرا صفا سے
مروہ تک ختم ہوگا ۱۲۔ ۴ے لیکن اس سے میں ان طوافوں کے بعد سعی یعنی صفا مروہ کا دوڑنا نہیں ہے کیونکہ صفا مروہ کا دوڑنا صرف ایکبار
مشروع ہے البتہ طواف کے ہر سات پھیروں کے بعد دو رکعت نماز پڑھے کیونکہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ طواف کرنیوالا ہر سات پھیروں
کے بعد دو رکعت نماز پڑھے کیونکہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ طواف کرنیوالا ہر سات پھیروں کے بعد دو رکعت نماز پڑھے ۱۲
۵ے ایک جگہ کا نام ہے مکہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر کہ حاجی لوگ وہاں ٹھہرتے ہیں ۱۲ ۶ے حاجیوں کے قیام کی جگہ ۱۲ ۷ے عرفا میں
ایک جگہ کا نام ہے جو ٹھیرنے کی جا نہیں ۸ے ایک گاؤں ہے عرفات اور منٰی کے درمیان ۹ے یہاں پر مغرب اور عشا ایک ہی تکبیر
سے پڑھی جائے گی اور وہاں عرفات میں ظہر اور عصر دو تکبیروں سے پڑھی جاتی تھیں وجہ یہ ہے کہ وہاں عصر قبل از وقت پڑھی جاتی
تھیں وجہ یہ ہے کہ وہاں عصر قبل از وقت پڑھی جاتی تھی لہذا تکبیر کے ساتھ عصر کو الگ کیا گیا تاکہ خوب طرح سے اطلاع ہو جاوے

۱۰ے ایک نقل ہے مزدلفہ کے قریب ... اور عشاء کی نماز ... ۱۲

اور یہاں مزدلفہ میں چونکہ عشاء اپنے وقت پر پڑھی جاتی ہے لہذا اس کے لئے دوسری تکبیر کی ضرورت نہیں لوگ خود ہی مطلع ہوں گے

اللہ اکبر کہہ اور لبیک کہنا اول ہی کنکری کے مارنے سے موقوف کر پھر قربانی کر پھر سر کے بال ایا کترا اور منڈانا مستحب ہے ان کاموں کے بعد تجھ پر سب احرام کی ممنوع چیزیں سوا عورت سے صحبت کرنیکے جائز ہو جاوینگی پھر اسی تاریخ دسویں کو یا گیارھویں خواہ بارھویں کو مکے میں آ اور طواف رکن کے جس کو طواف زیارت بھی کہتے ہیں سات پھیرے بدن رمل اور صفا مروہ دوڑنیکے بجا لا اگر یہ دونوں باتیں طواف قدوم میں کر لی ہوں اور اگر نہ کی ہوں تو طواف رکن میں کیجاویں۔ اس طواف کے بعد تجھ کو عورت سے صحبت کرنا درست ہو جاویگا اور مکروہ ہے اس طواف کو ذبح کے دنوں میں یعنی دسویں۔ گیارھویں بارھویں تاریخ سے پیچھے ڈالنا پھر طواف رکن کرنیکے بعد منیٰ کو جا اور قربانی کے دوسرے دن یعنی گیارھویں کو دوپہر ڈھلے سے پیچھے تینوں جمروں کو سات سات کنکریاں مار اور شروع اس جمرے سے کر جو مسجد خیف کے قریب ہے پھر جو اس کے قریب ہے پھر جمرہ عقبیٰ کو مار اور جس کنکر مارنے کے بعد دوسرا کنکر مارنا ہو تو اسکے بعد کچھ توقف کر یعنی جمرہ اول اور دوسرے کو کنکر مارنے کے بعد توقف کر اور جمرہ عقبیٰ کو مارنے کے بعد توقف مت کر پھر گیارھویں کو اسی طرح کر اور بارھویں کو بھی ایسا ہی کر اگر منیٰ میں ٹھیرا ہے اور اگر تیرھویں تاریخ کو کنکریاں مارے تو زوال سے پہلے کنکر مارنا درست ہے اور اول اور دوم جمرہ کو کنکریاں پیادہ ہو کر مارنی چاہئیں اور تیسرے کو سوار ہو کر بھی مارنا درست ہے اور مکروہ ہے کہ اپنا اسباب اور سامان مکے کو روانہ کرے اور خود کنکریاں مارنے کو منیٰ میں ٹھیرا رہے پھر محصب میں پہنچ اور محصب ایک پتھریلی زمین مکہ کے کنارہ پر ہے یہاں رات کو رہنا سنت ہے پھر محصب سے مسجد حرام میں داخل ہو کر طواف رخصت کے سات پھیرے پھر اور یہ طواف سوائے اہل مکہ کے اوروں پر واجب ہے اسکو طواف صدر بھی کہتے ہیں اور مکے والوں پر اسلئے نہیں کہ وہ اپنے وطن کو رخصت نہیں ہوتے پھر طواف رخصت کے بعد زمزم کا پانی پی اور ملتزم سے لپٹ اور یہ جگہ حجر اسود سے لیکر دروازہ کعبہ تک ہے اور خانہ کعبہ کے پردوں کو پکڑ اور دعا مانگ کر گریہ زاری کرتا علیحدہ ہو۔ **فصل** اور جو شخص مکہ میں نہ جاوے اور عرفات میں ٹھیرے اسکے ذمہ سے طواف قدوم جاتا رہیگا اور جو شخص عرفہ کے روز زوال کے

---

۱ دسویں تاریخ طواف رکن کرنا افضل ہے اگرچہ جائز بلا کراہت گیارھویں اور بارھویں کو بھی ہے ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی ۲ بڑی مسجد منیٰ کی جو بستی کے کنارہ پر ہے ۱۲ ۳ یعنی اپنے مقام پر ٹھیر کہ جہاں پر لوگ ٹھیرا کرتے ہیں اور وہ اعلیٰ وادی ہے اس مقام پر ٹھیر کر خدا کی حمد و ثنا اور لا الٰہ الا اللہ اور تکبیر کہہ اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج اور ہاتھ اٹھا کر اپنے لئے دعا مانگ ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی ۴ کیونکہ ان کے بعد ٹھیر کر حمد و ثنا اور دعا کی جاتی ہے اس لئے پیادہ ہونا چاہیئے تاکہ قریب بتضرع اور عاجزی کے ہو۔ اور تیسرے کے بعد ٹھیر نا اور دعا نہیں ہے۔ اس لئے سوار ہو کر مارے ۱۲ ۵ اور امام شافعی کے نزدیک یہ طواف مکے والوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے سنت ہے ۱۲ ۶ اور ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ مناسب ہے کہ پچھلے پیروں لوٹے اس طرح سے کہ منہ اللہ کی طرف اور

۷ ترک سے ترک واجب نہیں ہوتا ۱۲

بعد سے دسویں کی صبح تک ایک ساعت بھی توقف کرے گا تو اس کا حج پورا ہو جاوے گا گو بے جانے
یا سوتے ہو خواہ بیہوشی کی حالت میں توقف کرے اور اگر اس کی طرف سے بیہوشی کی جہت سے اسکا رفیق احرام
باندھ لے تو جائز ہے یعنی اُسکا حج ہو جائیگا۔ اور حج کے تمام افعال میں عورت کا حکم مثل مرد کے ہے
اتنا فرق ہے کہ عورت اپنا منھ کھولے سر نہ کھولے اور لبیک بلند آواز سے نہ کہے اور نہ طواف میں
مونڈھے ہلاوے اور نہ سبز میلوں کے درمیان دوڑے اور نہ سر منڈاوے بلکہ بال تھوڑے سے کترواڈالے
اور سیا ہوا کپڑا پہنے مترجم کہتا ہے کہ عورت مرد میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ عورت کو بباعث عذر
حیض کے طواف رکن میں تاخیر کرنی درست ہے۔ اور جو شخص کہ نفل کی بدنہ یعنی قربانی کے گلے میں خواہ
نذر کی بدنہ کے خواہ شکار کے عوض کے بدنہ کے گلے میں خواہ اور اس کی مانند مثل تمتع کے بدنہ کے
کلادہ باندھے اور اسکو حج کے ارادہ سے اپنے ساتھ لیکر کعبہ کی طرف متوجہ ہو تو اس کا احرام بندھ گیا
یعنی بدون تلبیہ کے اس عمل سے محرم ہو جاتا ہے اور اس مسئلہ میں امام شافعی کا خلاف ہے اور دلیل انپر
ارشاد آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ آپنے فرمایا کہ جو کوئی کلادہ باندھے بدنہ کو تو وہ محرم ہو
گیا پس اگر بدنہ کو اول روانہ کرے بعد اسکے خود روانہ ہو تو محرم نہو گا جب تک راہ میں اس سے نہ ملے مگر بدنہ
تمتع میں کہ بدون ملنے کے محرم ہو جاتا ہے پھر اگر اس بدنہ پر جھول ڈالے یا اس کے کوہان میں زخم
لگاوے یا بکری کے گلے میں کلادہ باندھا تو محرم نہ ہوگا اور بدنہ شریعت میں اونٹ اور گائے کا معتبر
ہے بکری کا نہیں۔ **باب۔ قران کے بیان میں** جاننا چاہیئے کہ حج کے افعال تین قسم

باب قران کے بیان میں

ہیں۔ قران اور تمتع اور افراد۔ قران ایک احرام سے حج اور عمرے کے ادا کرنے کو کہتے ہیں اور تمتع
ایک سفر اور دو احرام سے حج اور عمرہ کرنیکو کہتے ہیں۔ اور افراد اکیلا حج بدون عمرہ کے کرنے کو کہتے ہیں
ان قسموں میں سے افضل قران ہے۔ اس لئے کہ اس میں دو عمل ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اور احرام بہت
دنوں تک رہتا ہے جسمیں سب کاموں کی نسبت زیادہ مشقت ہوتی ہے قران کے بعد تمتع ہے
اسلئے کہ اسمیں دو عمل ادا ہوتے ہیں لیکن چونکہ احرام اول کے بعد حلال ہو جاتا ہے اسلئے اسمیں محنت بہت کم ہوتی

---

۱ اور یہ بھی جائز ہے کہ منھ پر کوئی کپڑا اس طرح ڈال لے کہ منھ سے الگ رہے خواہ لکڑی لگا کر یا کسی اور طریقہ سے تاکہ تستر حاصل رہے ۱۲
۲ کلادہ سے مراد پٹہ یا ہار ہے جو جوتے کے ٹکڑے یا بدھنے کی ٹونٹی یا درخت کی چھال سے گوندھا گیا ہو ۱۲ ۳ قولہ تو محرم نہ ہوگا کیونکہ
بی بی عائشہ ارشاد فرماتی ہیں کہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بدنی کے کلادہ بنایا کرتی تھی۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بدنہ کو
روانہ فرما کر خود مکہ میں رونق افروز رہتے بغیر احرام کے ۱۲ ۴ اونٹ اور گائے کا یعنی احناف کے نزدیک۔ اور امام
شافعی ارشاد فرماتے ہیں کہ بدنہ صرف اونٹ کا ہوگا گائے کا نہ ہوگا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ بدنہ بڑے بدن والے کو کہینگے
اور اس معنی میں گائے اور اونٹ مشترک ہیں اسی وجہ سے دونوں پر سات آدمی کی قربانی جائز ہے ۱۲ ۱۲ ۱۲
مشتاق محمد وصی ملیح آبادی ۱۲

قران کے اور تمتع کے بعد افراد ہے کہ اسمیں صرف حج کا ادا کرنا ہے نہ عمرے کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے آل محمد احرام باندھو حج اور عمرے کا ایک ساتھ اس حدیث کو طحاوی نے بیان کیا ہے اور امام شافعی کے نزدیک قران کی نسبت تمتع بہتر ہے[1] واللہ اعلم۔ اور قرآن کی صورت یہ ہے کہ میقات یعنی احرام باندھنے کی جگہ سے حج اور عمرے کا احرام اکٹھا باندھے اور یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْهُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّیْ[2] پھر مکے میں داخل ہو کر طواف اور سعی عمرے کی کرے پھر موجب بیان گذشتہ بالا کے حج ادا کرے پس اگر حج اور عمرے کیلئے دو طواف کریگا اور دو ہی سعی کرے گا یعنی صفا اور مروہ میں دو بار دوڑیگا تو جائز ہوگا۔ مگر برا کرے گا یعنی اس طرح کرنا مکروہ ہے[3] اور جب قربانی کے روز جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارچکے تو ایک بکری یا بدنہ کا ساتواں حصہ[4] ذبح کرے اس لئے کہ یہ ذبح واجب ہے۔ اور جو شخص ذبح کرنے سے عاجز ہووے وہ دس روزے رکھے اس طرح کہ تین تو ساتویں اور آٹھویں اور نانویں تاریخ کو رکھے اور سات جبکہ افعال حج سے فارغ ہوچکے گو مکے میں ہی ٹھیرا ہے اور اگر قربانی کے دن تک روزہ نہ رکھے گا[5] تو ذبح کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا[6] اور اگر قران والا مکے میں نہ جاوے کہ حج سے پہلے عمرہ ادا کرے اور عرفات میں توقف کرے یعنی حج کے ارکان شروع کردے تو اسپر عمرے کے چھوڑنے کا دم دینا لازم ہوگا۔ اور عمرے کی قضا کرے[7]۔

باب۔ تمتع کے بیان میں۔

اسکی صورت یہ ہے کہ میقات پر عمرے کا احرام باندھے پھر طواف عمرے کا اور سعی کرے اور سر کے بال منڈاوے اور احرام کھولکر حلال ہوجاوے ایسا شخص طواف کے اول ہی پھیرے میں لبیک کہنا موقوف کردے پھر آٹھویں تاریخ ذیحجہ کی احرام حج کا حرم سے باندھے اور حج کرے اور ذبح کرے پس اگر ذبح سے عاجز ہو تو اس کا حکم گذرچکا دس دن روزے رکھے اور اگر تین روزے ماہ شوال میں رکھے یعنی حج کے مہینوں میں سے کوئی سے تین دن رکھے۔ اور روزوں کے بعد عمرہ کرے تو یہ روزے تمتع کے تین روزوں کے عوض کافی نہونگے[8]۔ لیکن اگر عمرہ کا

تمتع کے بیان میں

---

[1] امام مالک کے نزدیک قران کی بہ نسبت تمتع افضل ہے اور امام شافعی کے نزدیک افراد افضل ہے ایسا ہی هدایہ میں مذکور ہے شاید مترجم سے سہو ہوا ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [2] اے اللہ میرے بیشک میں ارادہ کرتا ہوں حج اور عمرے کا پس ان دونوں کو میرے لئے آسان کردے اور مجھ سے دونوں کو قبول فرما ۱۲ [3] اسلئے کہ عمرہ کی سعی میں البتہ تاخیر کی اور اس سے پہلے حج کا طواف کرلیا [4] یعنے سات حصوں میں ایک حصہ کا شریک ہو ۱۲ [5] یعنی روزہ نہیں رکھا اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ آگئی تو اب ذبح کرنا متعین ہوگیا اب بعد اسکے سات روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ۱۲ [6] اور ارکان کچھ شروع کرنے یعنی عرفات میں وقوف کی نوبت نہیں آئی تھی صرف اسطرف روانہ ہی ہوا تھا کہ پھر کچھ خیال کرکے مکہ کی طرف واپس ہوا تو اسپر واجب ہوگا ۱۲ [7] یعنی احرام عمرہ کا باندھے ۱۲ [8] کیونکہ روزے بدلہ ہے ذبح کا اور ذبح واجب ہوتا ہے تمتع سے اور تمتع ہوگا عمرہ احرام سے پہلے روزے رکھنا قبل از وجوب ہے لہذا کافی نہونگے اور افضل ان روزوں میں بھی یہی ساتویں آٹھویں نانویں تک روزے رکھے جیسا کہ قران میں بیان ہوچکا

احرام باندھ کر طواف عمرہ سے پیشتر تین روزے رکھیگا تو البتہ تمتع کے روزوں کی عوض میں کافی ہونگے پس اگر تمتع کرنیوالا قربانی اپنے ساتھ لیجانا چاہے کہ یہ دوسری قسم تمتع کی ہے تو وہ احرام باندھ کر کو ہانکتا چلے اور اسکے گلے میں توشہ دان یا جوتی ڈالدے مگر اسکے کوہان میں زخم نکرے اور عمرہ کرنیکے بعد احرام کی قیدیں لگی رکھے حلال نہو جاوے اور آٹھویں تاریخ کو حج کے لیئے احرام باندھے اور آٹھویں سے پہلے باندھنا مستحب ہے پھر جب دسویں کو بال منڈا چکے اسوقت دونوں احراموں یعنی عمرہ اور حج سے حلال ہو جاوے۔ اور مکہ اور اس کے قریب کے باشندونکو تمتع اور قران درست نہیں پس اگر تمتع کرنیوالا اپنے شہر کو عمرے کے بعد لوٹ آوے اور قربانی نکو روانہ نہ کیا تو اس کا تمتع باطل ہو جاوے گا اور اگر قربانی روانہ کر چکا تھا اور عمرے کے بعد اپنے شہر کو واپس آیا تو تمتع باطل نہ ہوگا۔ اور جو شخص عمرے کے طواف میں کمتر پھیرے یعنی تین پھیرے یا ان سے کم حج کے مہینوں سے پیشتر کرلے اور حج کے مہینوں میں اس طواف کے باقی پھیرے پورے کرے اور حج ادا کرے تو تمتع باقی رہے اور اس کے برعکس کی صورت میں یعنی حج مہینوں میں زیادہ پھیرے نکرے بلکہ کمتر کرے تو وہ تمتع والا نرہیگا اور حج کے مہینے ماہ شوال اور ذیقعدہ اور دس روز ذیحجے کے ہیں اور حج کیلیئے ان مہینوں سے پیشتر احرام باندھنا جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ اور اگر کسی کوفہ کے رہنے والے نے حج کے مہینوں میں عمرہ کیا اور مکہ میں خواہ بصرہ میں ٹھیر گیا یعنی اپنے وطن کو واپس نہ گیا اور حج کیا تو اس کا تمتع جائز ہوگا۔ اور اگر عمرے کو فاسد کر دیا اور مکے خواہ بصرے میں ٹھیرا اور عمرہ فاسد کو قضا کر کے حج کیا تو اس صورت میں تمتع والا نرہیگا۔ مگر ایک صورت ہے کہ اپنے وطن کو واپس جاوے اور پھر آوے۔ اور عمرہ فاسد کو حج کے مہینوں میں قضا کر کے حج ادا کرے اس صورت میں البتہ اس کا تمتع درست ہوگا اور ان میں جو نسے کو فاسد کر دینا چاہیے کہ اس کے افعال کرتا ہے اور ذبح لازم نہ ہوگا۔ اس لیئے کہ حج خواہ عمرے کے فاسد کر دینے سے تمتع والا نرہا۔ اور اگر کسی نے تمتع کیا اور قربانی کی تو یہ قربانی تمتع کے دم کے عوض نہ ہوگی اس لیئے کہ تمتع کا دم قربانی کے سوا ہے اور اگر عورت احرام باندھنے کے وقت حائض ہو گئی تو طواف کے سوا سب ارکان حج کے ادا کرے اور اگر طواف رخصت کرنیکے وقت حائض ہو تو طواف رخصت کو چھوڑ دے اور اپنے

---

١ یعنی جتنا قبل احرام باندھے گا اتنا ہی افضل ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ٢ کیونکہ حج کے مہینوں میں عمرہ ہونا تمتع کے لیئے کافی تھا۔ اور اکثر پھیرے طواف کے حج کے مہینوں میں ہوئے پس اکثر کے لیئے حکم کل کا ہے واللہ اعلم ٣ کیونکہ بغیر افعال کے احرام سے عہدہ برائی نہیں ہو سکتی ۱۲ ٤ اس لیئے کہ طواف مسجد میں ہوتا ہے اور حائضہ کو مسجد میں داخل حرام ہے ۔۱۲ ٥ یعنی وقوف عرفات مزدلفہ اور منی میں رمی کرنا وغیرہ سب کام کریگی مگر طواف جب حیض سے پاک ہو جاویگی تب کریگی ٦ کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیض والی عورتونکو طواف رخصت ترک کرنیکی اجازت دیدی ہے ۱۲

وطن کو چلی جاوے یعنی اُس طواف کے چھوڑنے سے اُسپر کچھ لازم ہوگا جیسے وہ شخص کہ مکہ میں رہنا اختیار کرے یعنی حج کے بعد اگر کوئی شخص مکے کی اقامت اختیار کرے تو اُسپر بھی طواف رخصت لازم نہیں رہتا۔

باب احرام اور حج کے اعمال میں قصوروں کے بیان میں۔

ذبح کرنا ایک بکری کا واجب ہوتا ہے اگر محرم اپنے ایک عضو کامل پر[1] خوشبو لگاوے اور اگر ایک عضو سے کم کو لگاوے تو صدقہ دے اور اگر اپنے سر کو مہندی سے رنگین کرے یا زیتون کا تیل ملے یا کپڑا سیا ہوا پہنے یا دن بھر سر کو چھپاوے تو ان صورتوں میں بکری ذبح کرے اور ایک روز سے کم اگر سر کو چھپاوے تو صدقہ دے اور اگر چوتھائی سر کے خواہ ڈاڑھی کے بال منڈاوے تو دم دے اور چوتھائی سے کم میں صدقہ دے مثل مونڈنا نیوالے کے یعنی اگر محرم کسی کے بال مونڈے تو اُسپر صدقہ واجب ہوتا ہے اور اگر گردن کے بال خواہ دونوں بغلوں کے یا ایک کے یا پچھنے لگانے کی جگہ کے منڈاوے تو ان سب صورتوں میں دم دے اور مونچھ مونڈانے میں حکم ایک مرد عادل کا ہے کہ جو کچھ وہ کہے صدقہ دیدے اور محرم شخص اگر حلال آدمی کی مونچھیں مونڈے یا ناخن کترے تو کھانا دے اور اگر یہ دونوں ہاتھ پاؤں کے ناخن ایک مجلس میں کاٹے یا ایک ہاتھ خواہ ایک پاؤں کے کاٹے تو دم دے اور اگر اس سے کم کترا وے تو صدقہ دے اور یہی حال ہے اگر پانچ ناخن متفرق دونوں ہاتھ پاؤں میں سے لے ڈالے اور ٹوٹا ہوا ناخن دور کرے تو واجب نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی عذر کی جہت سے مثلاً بیماری کے باعث خوشبو لگا دے یا سیا ہوا کپڑا پہنے یا سر منڈاوے تو بکری ذبح کرے یا تین صاع گیہوں چھ مسکینوں کو دے۔ یا تین روزے رکھے اور بدون عذر کے ان چیزوں کے مرتکب ہونے سے ذبح کرنے کے سوا اور کوئی چیز درست نہیں

فصل

اور کچھ واجب نہیں ہوتا اس صورت میں کہ محرم کسی عورت کی شرمگاہ کیطرف شہوت سے دیکھے اور منی نکل پڑے اور اگر بوسہ دے خواہ شہوت سے اسکو چھووے یا اپنے حج کو فاسد کرے اسطرح کہ عرفات میں ٹھیرنے سے پیشتر صحبت کر بیٹھے تو دم دے اور اعمال حج کے لیئے چلا جاوے اس کی قضا کرے اور مرد عورت جنھوں نے ہمبستری کی ہو قضا کرنے میں حج کے یہ ضرور نہیں کہ جُدا جُدا ہوں[2]

---

[1] ایک عضو کامل جیسے سر و پنڈلی و ران و منہ وغیرہ ۱۲ [2] جدا جدا ہوں یعنی قضای حج کے لیئے نکلیں تو امام مالک کا مذہب ہے کہ گھر سے نکلتے ہی عورت مرد سے علیحدہ ہو جائے تاکہ پھر مبتلا نہو جائیں امام زفر کہتے ہیں کہ جب دونوں شخص احرام باندھیں اسوقت سے علیحدہ ہو جاویں اور امام شافعی رح کہتے ہیں کہ جس جگہ گذشتہ سال جماع میں مبتلا ہوا تھا جب اسجگہ پہنچے تو بی بی سے علیحدگی کرے لیکن ہمارے نزدیک کسی وقت اور کسی جگہ بھی علیحدگی کی ضرورت نہیں کیونکہ ایک بار قصور ہو گیا اس کی سزا میں پھر اتنی مشقت اُٹھانا پڑ رہی ہے اس سے اور ندامت ہو گی نہ کہ خیال جماع ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔

۱۰[?] - احرام اور حج کے اعمال میں قصور کرنے کا بیان

اور اگر عرفات پر ٹھیرنے کے بعد صحبت کی ہو تو بدنہ واجب ہوگا اور حج فاسد نہ ہوگا۔ اور اگر صحبت کرے حج میں بعد سر منڈانے یا عمرے میں طواف کے پھیروں یعنی چار یا زیادہ سے پیشتر تو دم دے اور عمرہ اس صحبت سے فاسد ہوجاوے گا اسکے اعمال بجالاوے اور اسکو قضا کرے اور اگر عمرے میں طواف کے اکثر پھیرنے کے بعد صحبت کریگا تو عمرہ فاسد نہ ہوگا۔ مگر اس صورت میں دم دینا لازم ہوگا اور بھولکر صحبت کرنی مثل جان بوجھکر صحبت کرنے کے ہے اور بکری ذبح کرے جس صورت میں کہ طواف رکن بیوضو کرے ورنہ بدنہ ذبح کرے اگر طواف رکن حالت ناپاکی میں کرے اور اس طواف کو اس صورت میں دوبارہ کرے اور اگر طواف قدوم کو یا طواف رخصت کو بیوضو کرے تو صدقہ دے اور بکری ہے اگر طواف رکن میں کے کمتر پھیرے چھوڑ دے اور اگر زیادہ پھیروں کو اس طواف کے چھوڑ دیگا تو محرم ہی بنا رہیگا چاہیئے کہ اسکو دوبارہ کرے بدون نئے احرام کے اور بکری دے اگر طواف رخصت کے اکثر پھیرے ترک کرے یا اسکو حالت ناپاکی میں کرے اور اگر اس طواف میں سے کمتر پھیرے یعنی تین یا دو یا ایک ترک کرے تو صدقہ دے اور بکری ہے اگر طواف رکن بیوضو کرے اور طواف رخصت باوضو ایام تشریق کے آخر دن میں یعنی تیرھویں تاریخ کرے اگر طواف رکن کو حالت جنابت میں کرے تو دم واجب ہوتے ہیں اور بکری ذبح کرے۔ اگر عمرے کا طواف اور سعی بیوضو کرے لیکن اس عمرے اور سعی کو دوبارہ کرنا لازم نہیں اور بکری ہے اگر سعی چھوڑ دے یا عرفات پر امام سے پیشتر چلا آوے یا مزدلفہ میں رہنا چھوڑ دے یا سب دنوں کی کنکریاں مارنے کو خواہ ایک دن کی کنکریاں مارنے ترک کرے یا بال بارھویں تاریخ کے منڈاوے یا طواف رکن کو بارھویں کے بعد کرے یا سر کو حرم کے باہر حل میں منڈاوے۔ اور اگر قران کرنیوالا ذبح سے پیشتر سر کے بال منڈاوے تو دو دم دینے لازم ہونگے

فصل۔ اگر کوئی محرم شکار کو مار ڈالے یا ایسے شخص کو شکار بتلادے تو جو اسکو مار ڈالے تو اسپر جزا

۱؎ یعنی اگر حج میں قبل عرفات پر ٹھیرنے سے صحبت کریگا تو حج فاسد ہوجاویگا! اور بعد وقوف کریگا تو دم دینا ہوگا اور عمرے میں اکثر پھیروں سے اگر پیشتر کرے تو دم دے اور عمرہ قضا کرے اور زائد پھیروں کے بعد کرے تو صرف دم دے ۱۲ ۲؎ یعنی اگر یہ طواف بلا وضو کیا تھا تو مستحب ہے اس کا اعادہ کرلینا اور جب اعادہ کرلیگا تو پھر دم وغیرہ کچھ دینا واجب نہیں ہوگا اور اگر جنابت کی حالت میں یہ طواف کیا تھا تو واجب ہے کہ پھر اعادہ کرے پس اگر بارھویں ذی الحجہ تک اعادہ کرے گا تو پھر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی لیکن اگر اس کے بعد اعادہ کریگا تو تاخیر کی وجہ سے دم دینا پڑیگا ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی ۳؎ یعنی طواف رکن حالت جنابت میں کیا تھا اور بارھویں تک دوبارہ نہیں کیا تیرھویں کو طواف رخصت کیا تو اس صورت میں دو دم واجب ہوتے ہیں کیونکہ تیرھویں یعنی ایام تشریق کے آخر دن میں جو طواف رخصت طہارت کے ساتھ کیا وہ طواف رکن میں شمار ہو جاوے گا۔ پس طواف رکن کی تاخیر اور طواف رخصت کی

واجب ہوتی ہے اور جزا شکار کی وہ قیمت ہے جو دو مرد عادل اسکے مار ڈالنے کی جگہ میں یا اس کے قریب ٹھیراویں اور امام شافعی کے نزدیک صورت مذکورہ میں اس شکار کی صورت کا جانور واجب ہوتا ہے اور دلیل اُنکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے مثل شکار پر تم میں کے دو صاحب عدل حکم کریں اگر صورت کا مثل اس سے مراد لیا جاوے تو دو شخصوں کے حکم کی کیا حاجت ہے صورت کے یکساں ہونیکو تو ہر کس و ناکس پہچانتا ہے پس ضرور ہوا کہ مثل سے غرض مال میں یکساں ہونا ہے اور وہ قیمت ہے صورت نہیں پس اس قیمت سے ہدی خرید کرکے ذبح کرے اگر قیمت میں ہدی کی گنجائش ہو اور اگر اتنی قیمت نہ ہو تو اُس سے جو اور گیہوں خرید کر مساکین پر صدقہ کرے مثل صدقہ فطر کے یعنی ہر مسکین کو ایک صاع جو اور نصف صاع گیہوں دے یا ہر مسکین کے یومیہ صدقہ کے عوض میں ایک روزہ رکھے یعنی حساب کرے کہ یہ اناج کتنے مساکین کو تقسیم ہوگا اسی قدر روزے رکھ لے اور اگر حساب میں مسکینوں کو دیکر نصف صاع سے کم بچ رہے تو اسکو خیرات کر دے یا اس کے عوض ایک دن روزہ رکھے اور اگر شکار کو زخمی کرے یا اس کا عضو کاٹ ڈالے یا بال اکھاڑے تو ان افعال سے جسقدر نقصان شکار کی قیمت میں ہوجائے اسقدر دام لیکر صدقہ کر دے اور اگر شکار کے شہپر اکھاڑ ڈالے یا اسکے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے یا اسکا دودھ دوہے یا اس کا انڈا توڑے یا اس میں سے مردہ بچے نکلے تو ان سب صورتوں میں اسکی پوری قیمت واجب ہوگی اور کوے اور چیل اور بھیڑیے اور سانپ اور بچھو اور چوہے اور باؤلے کتے اور مچھر اور چیونٹی اور پسو اور کلنی اور کچھوے کے مار ڈالنے سے کچھ لازم نہیں ہوتا اور جوں اور ٹڈی کے مار ڈالنے میں جو چاہے صدقہ دے مثلاً ایک مٹھی اناج خواہ اور ایسی ہی چیز خیرات دے اور درندے کے مار ڈالنے میں ایک بکری سے زیادہ قیمت نہ دیجاویگی یعنی اگرچہ قیمت درندے کی زائد ہو مگر بکری سے زیادہ واجب نہیں ہوتی اور درندہ محرم پر حملہ کرے تو اس کے مار ڈالنے سے کچھ واجب نہیں بخلاف بے اختیار کے یعنی اگر محرم بھوک سے مجبور ہوکر شکار کو کھانے کے لئے مار ڈالے تو اُسپر جزا لازم آتی ہے اور محرم کو ذبح

---

۱ اور ایسے ہی اگر قیمت شکار کی اتنی کم ہے کہ نصف صاع کم گیہوں خریدے جاسکتے ہیں تو پورے نصف صاع کو قیمت نہیں پہونچتی ہے تو بھی اختیار ہے چاہے گیہوں خرید کر مسکین کو دیدے چاہے اس کے عوض میں ایک روزہ رکھ لے ۱۲ عفی عنہ محمد وصی علی شیخ آبادی ۲ یعنی اول اور دوم شکار کی اور سوم میں دودھ کی اور چہارم میں انڈے کی اور پنجم میں بچوں کی قیمت دینی ہوگی ۱۲ کذا فی شرح الوقایہ ۳ کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزیں موذی ہیں قتل کی جائیں حل میں اور چیل اور کوا اور سانپ اور بچھو اور کتا باؤلا اور مچھر چیونٹی وغیرہ شکار نہیں ہیں اور مراد چیونٹی سے وہ چیونٹی ہے جو ایذا پہنچاوے اور جو ایذا پہنچاوے اس کا مارنا حلال نہیں اگرچہ اس کے مار ڈالنے سے کچھ جزا لازم نہیں آتی ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

کرنا بکری اور گائے اور اونٹ اور مرغی اور گھر کی پلی بطخ کا جائز ہے[1] اور اگر پاموز کبوتر کو یا پلے ہوئے ہرن کو ذبح کرے تو جزا لازم ہوتی ہے اور اگر محرم کسی شکار کو ذبح کرے تو وہ حرام ہو جاتا ہے اور تاوان دیکر اسکو کھانے یعنی ذبح کیے ہوئے کو کھالے تو قیمت اسکی مساکین پر صدقہ کرے۔ اور اگر اس جانور کو دوسرا محرم کھالے تو اسپر کچھ تاوان واجب نہیں اور محرم کو شکار کا گوشت حلال ہے جس کو حلال شخص نے مار کر ذبح کیا ہو بشرطیکہ محرم نے اسکو شکار نہ بتلایا ہو اور نہ حکم شکار مارنے کا کیا ہو اور مردہ حلال اگر حرم کے شکار کو ذبح کرے تو واجب ہے کہ اس کی قیمت خیرات کرے نہ روزہ رکھنا یعنی روزہ نہ رکھے جیسا شکار مارنے میں رکھتا تھا اور جو شخص کہ حرم میں شکار ساتھ لاوے تو اسکو چھوڑ دینا چاہیئے پس اگر اسکو بیچ لے اور شکار موجود ہو تو اس بیع کو واپس کرانا چاہیئے اور اگر شکار مر جاوے تو اس شخص بائع پر جزا لازم ہوگی اور اگر کوئی شخص احرام باندھے اور اس کے گھر میں یا اس کے ساتھ پنجرے میں شکار ہو تو اسپر لازم نہیں کہ اس شکار کو چھوڑ دے اگر کوئی حلال شخص شکار پکڑ کر احرام باندھ لے تو جو کوئی اسکو چھوڑ دے وہ ڈانڈ بھرے اسلئے کہ احرام کی حالت کے سوا میں شکار ممنوع نہ تھا جو پکڑنے والا نقصان اٹھاوے تو اس کے چھوڑنیوالے پر تاوان لازم ہوگا۔ اور اگر کوئی محرم اس شکار کو پکڑنے والا تاوان نہ دے اس لیئے کہ پکڑنا شکار کا حالت احرام میں ممنوع ہے تو اس کے چھوڑنیوالے پر تاوان نہوگا۔ پھر اگر دوسرے محرم نے اسکو مار ڈالا تو دونوں محرم تاوان دیں اول تو شکار پکڑنے کی جہت سے اور دوسرا اسکے مار ڈالنے کے سبب سے اور جس نے شکار پکڑا تھا وہ اپنا تاوان مارنیوالے سے بھر لے اس لیئے کہ وہ اگر نہ مارتا تو شاید پکڑنے والا اس شکار کو خود بخود چھوڑ دیتا تو اس کے ذمے کچھ بھی واجب نہ ہوتا اب تاوان دینا پڑا تو اس کے مار ڈالنے کی جہت دینا پڑا پس اگر محرم حرم کی گھاس کاٹے یا ایسا درخت جو کسی کی ملک نہو اور نہ ان چیزوں میں سے ہو جن کو لوگ بویا کرتے ہیں تو اسکی قیمت کا تاوان دے لیکن اگر گھاس اور درخت خشک ہو تو اس میں

۱ کیونکہ یہ پانچوں جانور شکار نہیں ۱۲ ۲ پاموز کبوتر کی اسلیئے شرط لگائی کہ اس میں امام مالک کا اختلاف ہے انکے نزدیک اسکے ذبح کرنے سے کچھ جزا لازم نہیں آتی ہے اور ہمارے نزدیک اس میں بھی جزا لازم ہوتی ہے ۱۲ ۳ جبکہ وہ شکار اسکے ہاتھ میں ہو اس لئے کہ اب وہ صید حرام ہو گیا اور حرم میں داخل ہونیکی وجہ سے مستحق امن ہو گیا ۱۲ ۴ اور بعضوں نے کہا کہ اگر پنجرا اسکے ہاتھ میں ہو تو چھوڑ دے شکار کو اسطور پر کہ ضائع نہو ۱۲ ۵ یعنی اس کی قیمت مالک کو دے ۱۲ ۶ یعنی دو قسم کے درخت ہوتے ہیں ایک وہ جن کو عادتاً لوگ بویا کرتے ہیں دوسرے وہ لوگ عادتاً انہیں نہیں بوتے پس جن درختوں کو لوگ عادتاً بویا کرتے ہیں انکے کاٹنے سے کچھ تاوان نہ دینا پڑیگا تمام اس سے کہ کسی نے اسے بویا ہو یا خود رستہ ہوا اور جو دوسری قسم ہیں اگر اسکو کسی نے بویا ہو تو بھی تاوان نہ دینا پڑے گا مگر جبکہ خود رستہ ہو تو تاوان دینا پڑے گا اور جتنی قیمت تاوان میں ہوگی اسے فقراء پر تصدق کرے اور بعد ادائے تاوان وہ اس درخت کا مالک ہو جائیگا مگر اس کا بیچنا جائز مع الکراہت ہوگا کیونکہ ممنوع طریقہ سے اس کا مالک ہوا ہے اور اگر وہ درخت کسی کا مملوک تھا تو مالک کو بھی

قیمت ادا کرے ۱۲ منہ محمد وصی علی ملیح آبادی

کچھ تاوان نہیں اور حرام ہے حرم کی گھاس کا چرانا اور کاٹنا سوائے اذخر کے اور وہ ایک گھاس خوشبودار ہے اس کا کاٹ لینا حاجت کیواسطے درست ہے اور جو قصور ایسے ہیں کہ اُن کے باعث تمتع حج کرنیوالے پر ایک دم لازم آتا ہے تو ان کی جہت سے قران والے پر دو دم لازم آتے ہیں ایک حج کیواسطے اور ایک عمرے کے لئے مگر ایک صورت میں کہ قران والا احرام باندھنے کی جگہ سے بدون احرام کے آگے بڑھ جاوے تو اس صورت میں تمتع حج کرنیولے اور قران والے پر دونوں پر ایک دم سے زیادہ لازم نہیں اور اگر دو محرم ملکر ایک شکار ماریں تو جزا دو دینی پڑینگی اور اگر دو حلال ملکر حرم کا شکار ماریں تو ایک جزا سے زیادہ لازم نہو گی اسلئے کہ یہ جزا حرم محترم کی تعظیم کے لئے ہے اور وہ ایک ہی ہے اور پہلی جزا احرام میں امر ممنوع کرنیکی جہت سے ہے اور وہ دو شخصوں سے سرزد ہوا ہے، اور اگر محرم شکار کو بیچے یا خریدے تو یہ خرید و فروخت باطل ہے اور اگر کوئی شخص حرم میں سے ہرنی پکڑ لاوے اور اس کے بچہ پیدا ہوا اور دونوں مرجاویں تو اسکو دونوں کا تاوان دینا چاہیے اور اگر وہ ہرنی کا تاوان دے چکے اسکے بعد وہ بچہ جنے اور وہ دونوں مرجاویں تو بچے کا تاوان نہ دے۔

باب میقات پر سے بدون احرام کے آگے بڑھنے کے بیان میں

جو شخص بدون احرام کے میقات سے گذر جاوے اور پھر میقات کو احرام باندھ کر لبیک کہتا ہوا لوٹ آوے یا بدون احرام کے آگے بڑھ گیا تھا پھر عمرے کا احرام باندھ لیا اور عمرے کو فاسد کر کے اسکو قضا کیا اس طرح کہ دوسرا احرام میقات پر سے باندھا تو جو فرض کرتا اس کے ذمے میقات پر سے بدون احرام نکلجانے کے باعث لازم ہوا تھا۔ وہ ساقط ہو جائے گا اور اگر کوفے کا کوئی رہنے والا یا کسی اور شہر کا بنی عامر کے باغ میں کسی اپنے کام کو آوے اور یہ باغ حرم کے باہر میقاتوں کے اندر واقع ہے تو اس شخص کو مکے میں بدون احرام داخل ہونا جائز ہے اور حج کے واسطے اس شخص کی میقات وہی باغ

ف ۱ اس لیئے کہ میقات پر سے ایک ہی احرام باندھنا واجب تھا اور ایک واجب کی تاخیر سے ایک ہی جزا واجب ہو گی ۱۲
ف ۲ کیونکہ اگر زندہ شکار فروخت کریگا تو اصل کے امن کو فوت کر کے اس کا پکڑنا لازم آئیگا۔ اور یہ ممنوع ہے اور اگر مار کر فروخت کیے گا تو مردار کی بیع ہوئی اور وہ ناجائز ۱۲
ف ۳ کیونکہ جب تک تاوان نہیں دیا تھا وہ ہرنی مستحق امن تھی۔ اسی واسطے اس کا حرم میں پھر واپس کرنا واجب تھا پس جب تک تاوان نہیں دیا گیا تھا۔ اس کا بچہ بھی مستحق امن تھا وہ دونوں کا تاوان دینا پڑا اگر جب ہرنی کا تاوان دیدیا تو اب ہرنی مستحق امن ہے اور نہ وہ جو بچہ پیدا ہوگا۔ لہذا ایک ہی تاوان رہا ۱۲
ف ۴ کیونکہ یہ باغ واجب التعظیم نہیں جو اس کے لئے احرام باندھے اور جب اس باغ میں داخل ہو گیا تو وہاں کے لوگوں کو بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے کیونکہ ہر دم انکو مکہ آنے جانے کی ضرورت رہا کرتی ہے ۱۲

باب میقات پر سے بدون احرام کے آگے بڑھنے کے بیان میں

ہے اور جو کوئی مکہ میں بدون احرام کے داخل ہو پھر اسی سال میں اپنے ذمے پر کے حج اسلام
کو ادا کرے تو یہ حج عوض اس حج کے جو اس کے ذمے پر کے میں احرام داخل ہونے سے
ہوا تھا جائز ہوگا اور اگر سال بدلجاوے یعنی حج اسلام دوسرے برس کرے تو اس کی عوض جائز
نہ ہوگا غرضیکہ جو کوئی مکہ میں بدون احرام چلا آتا ہے اسپر حج لازم ہوجاتا ہے اور اگر اسی سال
میں حج اسلام ادا کرے تو دوسرے حج کی ضرورت نہیں ایک ہی دونوں کے عوض ہوجائیگا

باب۔ ایک احرام سے دوسرا احرام کر لینے کے بیان میں۔ ایک مکہ کے
رہنے والے نے عمرے کے طواف کا ایک پھیرا کیا پھر احرام حج کا باندھ لیا تو حج کو
ترک کرے اور اسپر حج اور عمرہ دونوں کی قضا اور دم لازم ہوگا واسطے ترک کرنے حج کے
پھر اگر حج اور عمرے کے افعال پورے کر دیے تو جائز ہوگا اور دم لازم آویگا کہ مکی ہو کر دونوں کو
اکٹھا کیا اور اگر کسی شخص نے حج کا احرام کیا پھر قربانی کے دن یعنی دسویں تاریخ دوسرے حج کا
احرام کر لیا تو اگر اول حج میں اس نے بال منڈائے ہیں اسکو دوسرا حج کرنا لازم ہوگا اور دم
دینا نہ پڑے گا اور اگر بال نہ منڈائے ہوں تو حج و دم بھی لازم ہوگا اور دم دینا بھی پڑے گا
گو بال کتراوے یا نہ کتراوے یعنی دوسرے احرام میں کہ پہلے احرام کے بعد باندھے بال کترانے
سے دم ساقط نہ ہوگا اور کترانے سے مراد دور کرنا بالوں کا ہے خواہ منڈانے سے ہو یا کترانے سے
اور جو شخص سوائے بال منڈانے کے اپنے عمرے کے سب افعال سے فارغ ہو جاوے۔ پھر
احرام دوسرے عمرے کا باندھ لے تو اسپر دم لازم آویگا اسلئے کہ اسنے دو احراموں کو جمع
کر دیا اور جس شخص نے احرام حج کا باندھا پھر عمرے کا احرام کر لیا پھر عرفات میں ٹھیرا تو
اس نے عمرے کو ترک کیا اور صرف عرفات کی طرف چلے تو جب تک وہاں توقف نہ کریگا
عمرہ کا ترک کرنا متحقق نہ ہوگا۔ پھر اگر حج کا طواف کر کے عمرے کا احرام باندھے اور اسکے

۱؎ حج اسلام سے مراد وہ حج ہے جو اسلامی فریضہ اس کے ذمہ ہو ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۲؎ اسلیے کہ یہ صورت قران
کی ہوگئی اور مکی کو قران درست نہیں لہذا حج کو ترک کرے اور حج کے توڑنے سے ایک حج اور ایک عمرہ کی قضا لازم آتی ہے اور امام
ابویوسف اور محمد کہتے ہیں کہ عمرہ کو ترک کردے کیونکہ ایک کو ترک کرنا ضروری ہے اور عمرہ کا ترک آسان ہے کیونکہ اسمیں کام کرنا تھوڑا ہے اسکی قضا کے واسطے کوئی وقت
مقرر نہیں اور امام صاحب کے نزدیک حج کا ترک اولیٰ ہے کیونکہ عمرہ کا کام شروع ہوچکا ہے اور اس کا ایک پھیرا بھی ہوگیا ہے ۱۲ ۳؎ مراد اس طواف سے
طواف قدوم ہے یعنی حج کا طواف قدوم کر کے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور دونوں کے اعمال بجالایا تو صحیح ہوگیا کیونکہ گفتگو اس شخص میں
ہے جو مکہ کا رہنے والا نہیں اس کے لئے دونوں کا جمع کرنا مشروع ہے ہاں جمع کرنے کی وجہ سے ذبح کرنا لازم ہوگا اور اگر عمرہ کو ترک
کر دیگا تو مستحب ہے کیونکہ حج کا احرام طواف قدوم کی وجہ سے موکد ہو چکا ہے پس عمرہ ترک کرنے سے اس کی قضا لازم ہوگی مع ایک دم کے ۱۲

اعمال بجالاوے تو ذبح کرنا اسپر واجب ہے اور مستحب ہے کہ اس عمرے کو ترک کرے اور اگر قربانی کے روز عمرے کا احرام باندھے تو عمرہ لازم ہو جاتا ہے مگر اسوقت اس کا ترک کرنا لازم ہے اور اس عمرے کی قضا مع دم کے لازم ہے اگر اسوقت عمرے کو نہ چھوڑا اور حج اور عمرے کے افعال دونوں کئے تو جائز ہو جاویگا۔ اور دم دینا پڑیگا۔ اور جس شخص سے حج فوت ہو جاوے پھر وہ عمرے یا حج کا احرام کرلے تو دونوں کو اسوقت ترک کرے اور عمرے کی قضا میں صرف عمرہ کرلے اور حج کی قضا میں حج اور عمرہ دونوں کرے۔

باب حج سے رک جانیکے بیان میں

جو شخص کہ دشمن یا مرض کی جہت سے حج خواہ عمرے سے رک گیا ہو اسکو چاہیے کہ ایک بکری روانہ کرے اور اگر قران والا ہو تو دو دم روانہ کرے یہ دم اسکی طرف سے ذبح کیا جاوے اسکے بعد وہ احرام کھولدے اور اس دم کا ذبح ہونا حرم میں چاہیئے یہ نہیں کہ قربانی کے روز ذبح ہو اور جو کوئی کہ حج سے رک کر حلال ہو جاوے تو اسپر قضا ایک حج اور ایک عمرے کی ہے اور اگر عمرے سے رکا ہے۔ تو ایک عمرے کی قضا ہے اور قران والے پر ایک حج اور دو عمرے کی قضا ہے پھر اگر ہدی روانہ کرنیکے بعد رکاوٹ جاتی رہی اور وہ شخص ہدی کو پکڑ سکتا ہے اور حج ادا کر سکتا ہے تو حج کو چلا جاوے ورنہ نہ جاوے ہدی رکاوٹ کو کافی ہوگی اور حج یا عمرے کی قضا کرے اور جو عرفات میں ٹھیر چکا تو پھر روکا جانا معتبر نہیں اسلئے کہ اسکا حج پورا ہو گیا۔ اور جو رکن سب میں عمدہ تھا وہ تو ادا ہو گیا باقی رہا طواف رکن اور طواف رخصت اور سر منڈانا تو ان اعمال کو دیر سے ادا کرلیگا اور جو شخص دونوں رکنوں سے روکا جاوے یعنی عرفات پر ٹھیرنے اور طواف رکن کرنے سے وہ اگر مکہ معظمہ میں ہی ہو روکا ہوا کہلائیگا ورنہ روکا ہوا نہ ہوگا۔

باب حج کے نہ ملنے کے بیان میں

جس شخص کا حج عرفات پر نہ ٹھیرنے کے باعث فوت ہو جاوے تو اسکو چاہیئے کہ عمرہ کرکے حلال ہو جاوے اور اسپر سال آئندہ میں حج بدون ذبح لازم ہوگا یعنی حج کی قضا میں دم دینا واجب نہوگا اور عمرہ کا فوت ہونیکی چیز نہیں اور عمرہ یہ ہے کہ احرام کے بعد طواف اور سعی کرے اور سر منڈاوے

۱ اور ذبح کا ہونا حرم کو اس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ لیجانیوالے سے کہدے کہ فلاں دن اسکو ذبح کرنا پس اسدن کے بعد احرام کھولدے ۱۲

۲ کیونکہ وہ معنی میں فائت الحج کے ہے اور فائت الحج افعال عمرہ کرکے احرام حج سے حلال ہوا کرتا ہے لہذا ایک عمرہ کی بھی لازم ہوگی ۱۲

۳ یعنی اگر نہ ہدی ملیگی اور نہ حج تو جانا فضول ہے۔ اگر ہدی ملجائیگی اور حج نہ ملیگا تو بھی جانا بیکار ہے لیکن اگر ہدی نہ ملیگی اور حج ملجائیگا تو نہ جانا جائز اور جانا افضل ہے اور یہ صورت امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین کے نزدیک حج سے رکنے والے میں یہ صورت متحقق نہیں ہو سکتی کیونکہ انکے نزدیک حج سے رکنے والے کی ہدی کیواسطے دسویں تاریخ کو ذبح ہونا شرط ہے پس جو شخص حج پاویگا اسے ہدی ضرور ملجاویگی ۴ کیونکہ وہ افعال عمرہ کے حج کے احرام سے حلال ہوا تھا پس افعال عمرہ اس کے حق میں قائمقام دم کے ہو گیا ۱۲ ۵ کیونکہ اس کے واسطے کوئی وقت مقرر نہیں علاوہ پانچ دن کے سال بھر میں ذالحج نویں دسویں گیارھویں بارھویں

تیرھویں کہان دنوں میں عمرہ کرنا جائز ہے۔ مگر کراہت ۱۲ مفتی محمد وصی اللہ آبادی ۱۲

یا بال کترا دے اور یہ تمام سال میں جائز ہے مگر عرفہ کے روز اور قربانی کے دن اور ایام تشریق میں مکروہ ہے اور عمرہ سنت موکدہ ہے واللہ اعلم۔ **باب دوسرے کیطرف سے حج کرنیکے بیان میں** عبادت مالی میں جیسے زکوٰۃ یا صدقہ فطر کے دینے میں نیابت دونوں صورتوں میں ہوسکتی ہے آدمی خود قادر ہو یا نہ ہو اور عبادت بدنی میں مثل نماز اور روزے کے کسی صورت میں نیابت نہیں چل سکتی اور جو عبادت کہ مرکب ہو مالی اور بدنی سے جیسا حج اور عمرہ ہے اسمیں نیابت جب چل سکتی ہے کہ نائب کرنیوالا عاجز ہو اور اگر خود قادر ہو تو نیابت درست نہیں اور حج کرانیکے لئے یہ شرط ہے کہ جس کی طرف سے حج ہو وہ ہمیشہ کو اپنے مرنے تک عاجز ہو اور یہ شرط فرض حج کیلئے ہے نہ نفل کے لیئے یعنی نفل حج میں دوسرا شخص اگر قادر بھی ہو تو باوجود قدرت کے نائب کر دینا جائز ہے اور جو شخص دو آدمیوں کیطرف سے احرام باندھے وہ جتنا خرچ ہوا ہو ان دونوں کو ہٹا دے اسلئے کہ حج ہر ایک طرف سے جدا جدا چاہیئے تھا وہ ثابت نہیں ہوا اور رکن جانیکا دم بھیجنے والے کے ذمے ہے اور قران اور قصور کا دم نائب کے ذمے پس اگر نائب حج کے راستے میں مر جاوے تو جس کی طرف سے حج کو گیا تھا اسکے ترکہ میں جسقدر رہا ہو تہائی لیکر حج اس کی طرف سے اسی جگہ سے کرایا جاوے جہاں وہ رہتا تھا نہ اسجگہ سے جہاں نائب مرا ہے اور جو شخص حج کے لئے اپنے ماں باپ دونوں کی طرف سے احرام باندھے پھر اس کے بعد انمیں سے ایک کیلئے معین کر دے) تو جائز ہوگا **باب۔ ہدی کے بیان میں۔** جو حرم میں ذبح کے لئے بھیجی جاوے کم سے ہدی بکری ہے کہ اس سے کمتر درست نہیں اور ہدی اونٹ اور گائے اور بکری کی ہوسکتی ہے اور جو جانور قربانی کے لیئے درست ہیں وہ ہدی میں جائز ہیں اور بکری ہر قصور میں درست ہے مگر جو طواف فرض یعنی طواف رکن ناپاکی میں کیا ہو یا بعد عرفات پر ٹھیرنیکے صحبت کی ہو تو ان صورتوں میں بکری جائز نہیں بدنہ لازم آتا ہے جو اونٹ اور گائے کا ہوتا ہے اور صرف ہدی نفل اور تمتع اور قران کا کھانا درست ہے یعنی اگر صاحب ہدی چاہے تو انمیں سے کھاوے اور تمتع اور قران کے دم کا ذبح کرنا قربانی کے روز

---

۵۱ کیونکہ اول صورت میں مال کا فقراء کو پہنچانا مقصود ہے وہ دوسرے شخص سے بھی حاصل ہے اور اس صورت میں منظور مکلف کی مشقت ہے وہ دوسرے کے ادا کرنے سے نہ ہوگی ۱۲ **۵۲** یعنے شرط کہ جس کی طرف سے حج کیا جائے وہ ہمیشہ کے لئے مرتے دم تک عاجز ہے یہ شرط حج فرض کے لئے ہے پس اگر اس کی عاجزی اس قسم سے ہے کہ جس کے زائل ہونیکی امید کیجاتی ہے۔ جیسے حبس اور مرض تو جب ایسا مرض دور ہو جائیگا اسپر فرض ہوگا۔ کہ خود جاکر حج کرے وہ نائب کا کیا ہوا حج بدل کافی نہ ہوگا۔ لیکن اگر ایسا عجز تھا۔ کہ جس کے زائل ہونے کی امید نہیں جیسے نابینا ہونا اور اپاہج ہونا تو اگرچہ قدرت خدا سے یہ عجز زائل بھی ہو جائے تو بھی اس کے نائب کا کیا ہوا حج اس کی جانب سے کافی ہوگا۔ اس کو خود جاکر حج کرنا فرض نہیں ۱۲ **۵۳** کیونکہ اسکو جائز تھا کہ نفل حج کے لئے نہ مالی مشقت اٹھائے نہ بدنی جبکہ مالی و بدنی دونوں مشقتوں کا ترک اسے جائز تھا تو ایک کا ترک اور ایک کا اختیار کرنا بھی جائز ہے یعنی نائب بناکر مشقت مالی اختیار کی مشقت جسمانی ترک کر دی ۱۲ **۵۴** یعنے ایک شخص نے اپنی طرف سے حج کرانے کی وصیت کی تھی۔ اور بموجب اسکے نائب روانہ ہوا اور رستہ میں مر گیا۔ مفتی محمد وصی علی آبادی ملیح

باب دوسرے کی طرف سے حج کرنے کے بیان میں

باب ہدی کے بیان میں

مخصوص ہے صرف اسی روز ذبح کرے اور انکے سوا اور دم جب چاہے ذبح کرے اور تمام اقسام ہدی
کا ذبح کرنا حرم مخصوص ہے فقیر حرم پر مخصوص نہیں ہے بلکہ غیر حرم کے فقیروں کو بھی انکا دینا درست ہے
اور واجب نہیں ہے ہدی کا عرفات کو لیجانا۔ اور ہدی کی جھول اور نکیل کو صدقہ کردے اور قصائی کی
مزدوری اسمیں سے نہ دے اور بدون سخت ضرورت کے اسپر سوار نہو اور نہ اس کا دودھ نکالے اور
اسکے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑکدے کہ دودھ نہ ٹپکے کنز میں جو نضح کا لفظ ہے وہ نون کے پیش اور ضاد
اور خاء معجمہ سے آب سرد کے معنوں میں ہے پس اگر ہدی واجب مرجاوے یا عیب دار ہو یعنی اس میں ایسا
عیب ہو جاوے جو ہدی میں درست نہیں تو اس کی جگہ دوسری ہدی قائم کرے اور عیب دار اس کی
خود کی رہیگی۔ اسکو جو چاہے سو کرے اور اگر ہدی نفل کی ہو اور عیب دار ہو جاوے تو اسکو ذبح کردے اور
اسکے خون سے اسکے سم بھردے اور ایک چھاپہ خون کا اسکی گردن کیطرف لگادے جس سے معلوم ہو کہ ہدی
ہے اور اسکو کوئی غنی نہ کھاوے اور کلاوہ صرف نفل کے بدنہ اور قران اور تمتع کے بدنہ کے گلے میں باندھا
جاوے یعنی ان کے سوا اور دم مثل رہجانے کے اور محصور کے دم کے گلے میں کلاوہ نہ باندھیں اور اگر لوگ اثبات
کی گواہی دیں کہ حاجی عرفات میں ایک روز پہلے ٹھیرے ہیں تو ان کی گواہی قبول کیجاویگی یعنی دوسرے
روز پھر عرفات میں ٹھیرنا چاہیئے اور اگر یہ لوگ گواہی دیں کہ عرفہ سے ایک روز بعد ٹھیرے ہیں
تو قبول نہ کیجاویگی اور مراد گواہی سے ماہ ذیحجہ کے چاند دیکھنے کی گواہی ہے اسطرح کہ عرفات پر
ٹھیرنا عرفے کے روز سے ایک دن پہلے یا پیچھے لازم آتا ہے حاصل یہ ہے کہ اگر عرفات پر ٹھیرنے کی خطا
کا تدارک ممکن ہو تب تو گواہی قبول کیجاویگی ورنہ مقبول نہوگی اگر کوئی شخص اول جمرہ کو کنکریں
مارنی گیارہویں تاریخ ترک کرے تو اس کی قضا میں چاہے سبکو ترتیب کنکریاں مارے خواہ
صرف اول کو مارے اور یہی حال ہے بارہویں اور تیرھویں تاریخ کا بخلاف روز اول کے یعنی
دسویں کے کہ اسمیں سوائے جمرہ عقبہ کے اور جمرات کو کنکریاں نہیں مارتے اور جو شخص اپنے اوپر حج کو پاپیادہ

ف۱ یعنی یہ اسوقت ہے کہ جب ذبح ہونیکے قریب ہو لیکن اگر ذبح ہونیمیں کچھ دن کا عرصہ ہے تو دودھ نکال کر تصدق کردے تاکہ جانور کو تکلیف نہ پہنچے اور اس دودھ کا اپنے صرف میں لانا جائز نہیں اگر لادے تو اس کا دودھ یا اس کی قیمت خیرات کرے ہدایہ میں ایسا ہی لکھا ہے ۱۲ ف۲ کیونکہ عام لوگ مبتلا ہو چکے ہیں اور تلافی ممکن نہیں ہے اگر آئندہ سال اعادہ کا حکم دیا جائے تو اسمیں حرج ہوگا جو کہ ظاہر ہے ۱۲ ف۳ یعنے گیارہویں بارہویں تیرہویں میں کنکریاں مارنے کی یہ ترتیب تھی کہ پہلے جمرہ اولی کو کنکریاں مارے پھر وسطی کو پھر جمرہ عقبہ کو پس اگر کسی نے ان تاریخوں میں جمرہ اولی کی رمی چھوڑدی صرف جمرہ وسطی و عقبہ کو کنکریاں ماریں تو جب جمرہ اولی کو کنکریاں مارنے کی قضا کرے تو اس کو چاہیئے کہ جمرہ اولی کو کنکریاں مارنے کے بعد پھر ترتیب وار وسطے اور عقبہ کو کنکریاں مارے کہ ترتیب جو مسنون ہے حاصل ہو جاوے لیکن اگر صرف جمرہ اولی کو کنکریاں ماریں ترتیب کا لحاظ نہ کیا تو بھی کافی ہے کچھ ضرر نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

واجب کرلے مثلاً گدھ وغیرہ سے تو اسکو چاہیئے کہ سوار نہو جبتک کہ طواف رکن نہ کرلے اسلئے کہ یہ طواف فرض ہے اور حج کے ارکان اسپر تمام ہو جاتے ہیں بعد طواف کے اسکو اختیار ہے چاہے سوار ہو یا پیادہ ہے اور جو شخص کہ محرم لونڈی خریدے اور اس سے صحبت چاہے تو چاہیئے کہ اسکو پہلے حلال[1] کرے اور پھر صحبت کرے یعنی لونڈی کے احرام میں یہ چاہیئے کہ اس سے صحبت کرے اور اپنی صحبت سے اسکو حلال کرے بلکہ پہلے اسکو حلال کرلے پھر صحبت کرے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتاب[2] النکاح

اسمیں نکاح کا بیان ہے، جاننا چاہیئے کہ نکاح دنیا کی ضروری باتوں میں سے ہے کہ مثل کھانے اور پینے اور لباس اور رہنے کے مکان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نکاح کرنا میری سنت ہے جو شخص کہ میری سنت سے منھ پھیرے وہ میری امت میں سے اور میرے طریق پر نہیں نکاح ایک معاملہ ہے کہ عورت سے فائدہ لینے کے لئے قصداً ہوا کرتا ہے یعنی اس معاملہ میں قصد اصلی صحبت کا حلال کرنا ہوتا ہے ورنہ لونڈی کے خریدنے میں بھی صحبت حلال ہو جاتی ہے مگر قصد اولی سے نہیں ہوتی بلکہ اول ملک اس لونڈی کی خود کی ہوتی ہے اسکی تبعیت میں صحبت حلال ہو جاتی ہے اور نکاح سنت ہے اور جبکہ خواہش صحبت زیادہ ہو اس صورت میں نکاح واجب ہے تا کہ زنا میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے اور نکاح ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول ہو جاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ ایجاب اور قبول ایسے الفاظ سے ہوں جو زمانہ گذشتہ کیلئے بنائے گئے ہوں خواہ دونوں زمانہ گذشتہ کیلئے موضوع ہوں یا ایک مثلاً مرد کہے کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا اور عورت کہے کہ میں نے قبول کیا یہاں دونوں ماضی ہیں۔ یا عورت کہے کہ مجھ سے بیاہ کرلے اور مرد کہے کہ میں نے تجھ سے بیاہ کر لیا اسمیں ایک لفظ ماضی ہے اور نکاح لفظ نکاح اور تزویج اور ان لفظوں سے درست ہوتا ہے جو اسی وقت چیز کے مالک کر دینے کیلئے بنائے گئے ہیں مثلاً ہبہ کے لفظ سے درست ہو جاویگا

[1] یعنی بال کاٹ کر یا ناخن کاٹ کر پہلے اسکو احرام سے حلال کرلے تب صحبت کرے ۱۲ [2] عبادت کے مسائل بیان کرنے کے بعد نکاح کے مسائل بیان کرنا شروع کئے کیونکہ نکاح بھی ایک طریقہ سے عبادت ہے اس لئے کہ اس سے زنا کاری کرنے سے حفاظت ہو جاتی ہے نیز مجرد رہکر عبادت کرنے سے نکاح کرنا افضل ہے اور اس میں ثواب زیادہ ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ [3] اور بھی حدیثوں میں آیا ہے کہ ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو شوہر کو محبوب رکھتی ہوں اور بہت بچے جننے والی ہوں اور یہ حال انکی ماں بہنوں کو دیکھ کر معلوم ہو سکتا ہے بیشک میں تمہاری کثرت کی وجہ سے اور پیغمبروں پر فخر کروں گا ۱۲ [4] جبکہ اسے مہر دینا اور نفقہ دینے پر قدرت ہو اور اگر نفقہ اور مہر نہیں دے سکتا تو نکاح نہ کرے ایسے شخص کے واسطے حدیثوں میں آیا ہے کہ روزے رکھے اس سے اس کی شہوت کم ہو جاویگی ۱۲ [5] امام شافعی کا اسمیں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ لفظ نکاح اور تزویج کے علاوہ دوسرے لفظوں سے نکاح منعقد

لیکن اجارے کے لفظ سے درست نہوگا اسلیئے کہ لفظ اجارہ چیز کی ملکیت کیواسطے نہیں بنا بلکہ نفع کے مالک کر دینے کو بنا ہے اور وصیت کے لفظ سے بھی درست نہیں اسلیئے کہ وصیت اسی وقت چیز کی ملکیت کے نہیں ہے بلکہ بعد موت کے مالک کر دینے کو بنی ہے اور شرط یہ ہے کہ ایجاب و قبول دو آزاد مردوں خواہ ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں کے سامنے ہو اور وہ دونوں عاقل اور بالغ اور مسلمان[1] ہوں اگرچہ گنہگار ہوں یا گالی دینے کے بدلے اُنکو سزا شرعی ہوئی ہو یا دونوں اندھے ہوں یا دونوں خاوند بی بی کی اولاد ہوں اور اگر کوئی مسلمان مرد کسی ذمی عورت سے دو ذمیوں[2] کے سامنے نکاح کرے یعنی گواہ نکاح کے دو ذمی ہوں تو یہ نکاح درست ہے اور جس شخص نے کسی دوسرے سے کہا کہ میری صغیر لڑکی کا نکاح کر دے اور اس نے ایک مرد کے سامنے نکاح کر دیا اور باپ موجود تھا تو نکاح درست[3] ہوگا اور اگر موجود نہوگا تو نکاح درست نہوگا اسلیئے کہ باپ کے موجود ہونے سے باپ خود نکاح پڑھنے والا مانا جاویگا اور دو مرد اجنبی اور ایک جسکو نکاح کر دینے کو کہا تھا دونوں گواہ ٹھہرینگے اور اگر باپ موجود نہ ہوگا تو صرف ایک اجنبی شخص گواہ رہیگا اور یہ درست نہیں فصل اُن عورتوں کے بیان میں جنسے نکاح کرنا حرام ہے حرام ہے نکاح کرنا اپنی ماں سے اور بیٹی سے اگرچہ دور کی ہوں یعنی نانی ہو یا دادی یا نواسی ہو یا پوتی ایک مرتبہ کی ہو یا کئی مرتبہ[4] کی حرام ہے نکاح کرنا اپنی بہن اور بھانجی اور بھتیجی اور پھوپھی اور خالہ اور ساس اور اپنی بی بی کی لڑکی سے بشرطیکہ بی بی سے صحبت کر چکا ہو اور اگر صحبت نہ کی ہو تو نکاح اس کی لڑکی سے درست[5] ہے اور اپنے باپ کی بیوی سے اور اپنی بہو سے اگرچہ باپ اور بیٹا دور کا ہو یعنی دادا ہو یا پوتا اُن کی بی بی سے نکاح کرنا حرام ہے اور یہ سب رشتے دودھ کے ناتے سے بھی حرام ہیں جیسے نسب میں حرام ہیں اور حرام ہی جمع کرنا دونوں بہنوں کا نکاح میں یا صحبت میں یا خریدنے کی جہت سے یعنی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا چاہیے نہ خرید کر ایک ساتھ حرم بنانا چاہیے پس اگر کوئی شخص اپنی لونڈی سے صحبت کرے پھر اس کی بہن سے نکاح کرے تو اب دونوں میں سے ایک

[1] پس مجنوں یا بچہ یا کافر کی شہادت سے نکاح منعقد نہوگا ۱۲ [2] ذمی وہ کافر ہیں جو جزیہ دیکر دار الاسلام میں ہیں اور یہاں مراد ذمی وہ کافر ہیں جو اہل کتاب ہوں پس دو ذمیوں کی شہادت سے ذمیہ عورت کے ساتھ نکاح منعقد ہو جائیگا ۱۲ [3] اور اسی طریقہ سے اگر باپ نے اپنی بالغہ لڑکی کا نکاح ایک گواہ کے سامنے کر دیا اور لڑکی بھی اس مجلس میں موجود تھی تو نکاح درست ہو جائیگا کیونکہ اس صورت میں لڑکی خود نکاح کرنیوالی ٹھہریگی اور باپ اور گواہ دو گواہ ہو جائینگے لیکن اگر لڑکی موجود نہ تھی تو نکاح نہ ہوگا۔ کیونکہ باپ نکاح کرنیوالا ٹھہرا اور گواہ ایک ہی رہا ۱۲ [4] یعنے پوتی اور نواسی کی اولاد یا ان کی اولاد کی اولاد اسی طرح کسی مرتبہ نیچے تک ۱۲ - مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

[5] یعنے بلا صحبت کے طلاق دیدی ہو یا مر گئی ہو تو اس کی لڑکی جو پہلے شوہر سے تھی نکاح جائز ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

فصل

کے ساتھ بھی ہمبستر نہوا اسلیئے کہ دو بہنوں کا جمع کرنا صحبت میں لازم آجاویگا گو ایک کی صحبت نکاح سے ہوگی اور دوسری کی ملکیت کی جہت سے جبتک کہ خریدی ہوئی لونڈی کو بیچ نہ ڈالے اسکے فروخت کے بعد منکوحہ سے صحبت جائز ہو جاویگی اور اگر کسی مرد نے دو بہنوں سے دو عقدوں میں نکاح کیا اور یہ معلوم نہیں کہ اول کسکا ہوا تو اس مرد اور دونوں بہنوں میں جدائی کردی جاوے اور دونوں بہنوں کو آدھا مہر ملیگا۔ اسلئے کہ صحبت سے پہلے جدا ہونیکی صورتمیں آدھا مہر لازم آتا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ کس کو ملنا چاہیئے اسواسطے یہ آدھا مہر دونوں کو نصف نصف ملیگا۔ اور نہیں درست ہے جمع کرنا ایسی دو عورتوں کا کہ جونسی انمیں سے مرد مفروض کیجاوے تو دوسری کے ساتھ اس کا نکاح درست نہو مثلاً پھوپھی اور بھتیجی کو ایک ساتھ نکاح میں نرکھے اسلیئے کہ انمیں سے جسکو مرد فرض کریں تو اس کا نکاح دوسری سے درست نہیں اور زنا کرنا شہوت سے ہاتھ لگانا اور مرد کو شہوت سے عورت کی شرمگاہ کا دیکھنا یا اس کا عکس ان سب باتوں سے حرمت دامادی ثابت ہو جاتی ہے یعنی جسطرح منکوحہ کی ماں حرام ہے اسی طرح جس عورت سے زنا کیا ہو یا اسکو شہوت سے ہاتھ لگایا ہو۔ یا اس کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھا ہو اسکی ماں بھی نکاح کرنا حرام ہے اور حرام ہے اپنی طلاق دی ہوئی بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جبتک کہ وہ طلاق کی عدت میں ہو اور اسی طرح اپنی لونڈی سے نکاح کرنا اور غلام کو اپنی مالکہ سے نکاح کرنا اور مسلمان کو مجوسی اور بت پرست عورت سے نکاح کرنا ناجائز ہے اور درست ہے کتابیہ عورت سے یعنی یہودی خواہ نصرانی سے نکاح کرنا اور صابئیہ عورت سے بھی جائز ہے صابی ایک فرقہ نصاریٰ کا ہے جو زبور پڑھتے ہیں اور بعضے ستاروں کی تعظیم کرتے ہیں لیکن انکی تعظیم عبادت کے طور پر نہیں کرتے تاکہ مشرک ہو جائیں اور درست ہے احرام والی عورت سے نکاح کرنا اگرچہ مرد بھی محرم ہو۔ اور دوسرے کی لونڈی سے نکاح کرنا گو وہ لونڈی اہل کتاب میں سے ہو اور درست ہے لونڈی کے نکاح پر آزاد عورت سے نکاح کرنا نہ اس کا عکس یعنی جائز نہیں آزاد عورت

ف۱ اور اگر پہلے نکاح والی معلوم ہے تو اس کے ساتھ نکاح ٹھیک ہے دوسری کے ساتھ جو نکاح کیا درست نہوگا پہلی باقی رکھی جائیگی دوسری علیحدہ کردیجائیگی ۱۲

ف۲ اور اسی طرح اس کی لڑکی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے لیکن اگر کسی عورت کے ساتھ بوسہ لینے یا ہاتھ لگانے یا اس کی داخل شرمگاہ کیطرف نظر کرنے سے انزال ہو جائے تو حرمت دامادی ثابت نہیں ہوتی اور اس شخص کو اس عورت کی ماں یا بیٹی حرام نہیں ہوگی اور داخل شرمگاہ کی طرف نظر کرنا اسوقت متحقق ہوگا جبکہ عورت تکیہ لگائے ہو ۱۲ ف۳ کیونکہ ابتک نکاح اول باقی ہے۔ یعنی اس کے احکام مثل نفقہ وغیرہ کے باقی ہیں ۱۲

ف۴ مگر جب تک احرام سے حلال نہو جائے وطی کرنا درست نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

اگر نکاح میں ہو تو اسپر لونڈی سے نکاح کرے گو یہ لونڈی کا نکاح اس عورت آزاد کی عدت کے دنوں میں ہو تاہم جائز نہ ہوگا اور نکاح کرنا صرف چار عورتوں آزاد کا خواہ چار لونڈیوں کا درست ہی یعنی چار عورتوں کے سوا نکاح میں جمع کرنا درست نہیں خواہ آزاد ہوں یا لونڈیاں اور غلام کو صرف دو عورتوں سے نکاح کرنا درست ہے خواہ آزاد ہوں یا لونڈیاں اور نکاح اس عورت کا جسکو زنا سے پیٹ ہو درست ہے نہ دوسری طرح کا پیٹ یعنی جس عورت کا حمل زنا سے نہ ہو اس کا نکاح درست نہیں اور جائز ہے نکاح اس عورت کا جس سے صحبت ملک کے باعث یا زنا کے طور کی ہو یعنی بعد صحبت کے نکاح اس سے درست ہے۔ اور درست ہے نکاح اس عورت کا جو حرام عورت کے ساتھ عقد میں آئی ہو اس طرح کہ ایک عقد میں دو عورتوں سے نکاح کیا کہ ایک ان دونوں میں سے اسطرح پر حرام تھی تو دوسری کا نکاح درست ہوگا اور مہر جتنا ٹھہرایا ہو تمام و کمال اس حلال عورت کا ہوگا اس حرام عورت کو کچھ نہ ملیگا اور باطل ہے نکاح متعہ اور میعادی متعے کی صورت یہ ہے۔ کہ کسی عورت سے کہے کہ مجھ سے اسقدر روپے لے لے تاکہ میں تجھ سے اتنے دنوں کام نکالوں اور یہ معاملہ شروع اسلام میں مشروع تھا پھر منسوخ ہوگیا اور میعادی نکاح کی صورت یہ ہے۔ کہ کسی عورت سے نکاح کی سب شرطوں کے ساتھ نکاح کرے اور کہے کہ میں ایک مہینہ کیواسطے تجھ سے نکاح کیا ہے اس نکاح کا حال بھی متعے کا سا ہی اور جائز ہے کہ مرد کو صحبت کرنی ایسی عورت سے جو یہ دعوے کرے کہ تونے مجھ سے نکاح کیا ہے اور گواہوں کی رو سے اسپر حکم نکاح کا کر دیا جاوے حالانکہ واقع میں نکاح نہوا ہو یعنی ایک عورت نے قاضی کے سامنے دعوی کیا کہ اس مرد نے میرے سے نکاح کیا ہے اور اس دعوی پر گواہ گزرانے اور قاضی نے گواہی مانکر دونوں میں حکم نکاح کا کر دیا تو اس صورت میں اس عورت سے صحبت کرنی جائز ہے گو واقع میں نکاح نہیں ہوا تھا اور گواہوں نے جھوٹی گواہی دی تھی اور اس مسئلہ میں امام شافعی کا خلاف ہے

له کیونکہ حرہ کو لونڈی پر شرافت حاصل ہو حرہ کا نکاح یا بعض احکام نکاح کے ہوتے ہوئے لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا حرہ کیلئے موجب عار تو ہیں ۱۲ **ٹ** لیکن اگر وہ حمل اس نکاح کرنیوالے کی زنا سے نہیں تو جب تک وضع نہ ہو جاوے وطی کرنا درست نہیں اور اگر اسی کی زنا سے حمل ہی تو وطی بھی جائز ہوگی گو وضع حمل نہ ہوا ہو ۱۲ **۳** یہ امام صاحب رح کے نزدیک ہے اور صاحبین رح فرماتے ہیں کہ دونوں کے مہر مثل کے حساب سے حصہ رسدی ملیگا ۱۲ **۴** متعہ شروع اسلام میں صرف تین روز کے لئے مشروع رہا ہے اس کے بعد منسوخ ہوگیا اور اس کے منسوخ ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے حضرت عبد اللہ بن عباس کچھ دنوں متعہ کی اباحت کے قائل رہے مگر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے کہا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے روز متعہ کو حرام فرما دیا تو انہوں نے رجوع کیا اور متعہ کی حرمت کے قائل ہوئے تعجب ہے کہ حضرت علی متعہ کی حرمت کے قائل ہوں اور شیعہ جو اپنے کو شیعان علی کہیں وہ متعہ کو حلال جانیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی فتح آبادی ۱۲

وہ کہتے ہیں کہ چونکہ حقیقت میں نکاح نتھا اسلیئے کہ صحبت درست نہیں اور دلیل امام اعظم کی یہ ہے کہ اگر پہلے نکاح نہ تھا تو اب ہوگیا یعنی قاضی کے حکم نے گویا نیا عقد کردیا لیکن اس عورت کا حلال ہو جانا اس امر پر مشروط ہے کہ کوئی اور سبب مانع نکاح کا اس مرد و عورت میں نہ ہو مثلاً ایک دوسرے کے محرم نہوں اور دودھ کا رشتہ نہو اور روایت صحیح ہے کہ یہ مقدمہ حضرت علی کی خلافت میں واقع ہوا تھا کہ ایک شخص نے ایک عورت پر دعوے نکاح کا اور جھوٹے گواہ گزران دیئے حضرت علی نے اُن دونوں میں نکاح کا حکم کردیا عورت نے عرض کیا کہ بہتر اگر اب کچھ چارہ نہیں تو میرا نکاح اس مرد سے کردو اسلیئے کہ واقع میں نکاح نہیں ہوا آپنے فرمایا کہ انھیں گواہوں نے تیرا نکاح کردیا یعنی حاجت دوسرے نکاح کی نہیں **باب** - بیان میں ولیوں اور کفوؤں یعنی ہمسروں کے جو عورت کہ آزاد اور عاقل بالغ ہو اس کا نکاح بدون اجازت اسکے ولی کے جائز ہے اور اس مسئلے میں امام شافعی کا خلاف ہے کہ انکے نزدیک بدون ولی کی اجازت کے نکاح نہیں ہوتا اور دلیل امام اعظم کی یہ ہے کہ آیات قرآنی میں معاملات کی نسبت عورتوں کی طرف بہت جگہ ہے چنانچہ اس آیت میں فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ اور اس آیت میں فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت مالک عقد کی ہوتی ہے اور باکرہ عورت یعنے کنواری اگر بالغ ہو تو ولی کو نہیں پہنچتا کہ زبردستی سے اس کا نکاح کردے اس مسئلہ میں بھی امام شافعی کا خلاف ہے اور دلیل امام اعظم کی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ کنواری سے اس کے خود کے باپ میں اجازت طلب کیجاوے اور اس کا چپ رہنا اجازت ہے اور اسی کے موافق بہت سے قصے ہیں ابوداود اور نسائی اور ابن ماجہ اور احمد اور دار قطنی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے پس اگر ولی نے کنواری سے اجازت مانگی اور وہ چپ ہو رہی یا ہنس پڑی یا

ف ۱ کیونکہ اگر دونوں میں محرمیت ہوگی نسب سے یا دودھ کے رشتہ سے تو قاضی کا فیصلہ بھی نافذ نہ ہوگا اس کے لئے شرط ہے کہ دونوں آپس میں مناکحت کے اہل ہوں ۱۲ ف ۲ بشرطیکہ کفو یعنی برابر والے کے ساتھ نکاح کیا ہو اور اگر غیر کفو میں بلا اجازت ولی کے نکاح کیا تو جائز نہوگا ۱۲ ف ۳ عام اس سے کہ کفو میں کیا ہو غیر کفو میں بوجہ حدیث کے کہ لا نکاح الا بولی یعنی نکاح نہیں ہوگا بغیر ولی کے اور ہم جواب دیتے ہیں کہ مراد نابالغ ہے کہ نابالغ کا نکاح بغیر ولی کے نہوگا ۱۲ ف ۴ تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات جو عورتیں اپنے حق میں کریں ۱۲ ف ۵ پس منع کرو انکو کہ نکاح کریں اپنے خاوندوں سے ۱۲ ف ۶ خلاصہ اختلاف کا یہ ہے کہ امام شافعی رح کے نزدیک جبر کرنا کنواری عورت میں ہوگا بالغ ہو یا نابالغ اور ہمارے نزدیک نابالغ عورت میں ہوگا۔ کنواری ہو یا بیاہی پس اس میں چار صورتیں نکلیں گی۔ ایک یہ کہ کنواری ہو اور نابالغ اس میں ہمارا اُن کا اتفاق ہے کہ ولی زبردستی نکاح کرسکتا ہے دوسری یہ کہ بیاہی ہو اور بالغ ہو اس میں بھی ہمارا اُن کا اتفاق ہے کہ ولی زبردستی نہیں کرسکتا تیسری یہ کہ نابالغ ہو اور بیاہی ہو اسمیں اختلاف ہے ہم کہتے ہیں کہ ولی زبردستی کرسکتا ہے وہ کہتے ہیں کہ نہیں کرسکتا چوتھی یہ کہ بالغ ہو اور کنواری ہو اسمیں بھی اختلاف ہے اور یہی صورت متن میں مذکور ہے ہم کہتے ہیں کہ ولی زبردستی نہیں کرسکتا وہ کہتے ہیں کہ کرسکتا ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی مسیح آباد

باب بیان میں ولیوں اور کفوؤں کے

یہ کہ ولی نے اُسکا نکاح کر دیا اور وہ نکاح کو سنکر چپ ہو رہی تو یہ اذان میں داخل ہے لیکن اگر ایسا شخص اجازت مانگے جو ولی[1] نہو تو زبان سے اجازت دینی ضرور ہے جیسے اس عورت کی اجازت جو کنواری نہ ہو یعنی اس کا چپ رہنا یا ہنس دینا اجازت میں کافی نہیں زبان سے کہنا معتبر ہے اور جس عورت کی بکارت کودنے سے خواہ حیض سے خواہ زخم سے بہت دنوں ٹھیرنے سے خواہ زنا سے جاتی رہی ہو تو وہ زبردستی نکاح کرنے اور اجازت مانگنے میں مثل کنواری کے ہے اور اگر عورت اور شوہر چپ رہنے میں مختلف[2] ہوں تو عورت کا قول معتبر ہوگا اور ولی کو اختیار ہے چھوٹے لڑکے اور لڑکی کے نکاح کرنیکا خواہ ولی باپ ہو یا کوئی اور ولی عصبہ ہوتا ہے وراثت کی ترتیب پر یعنی جو شخص ارث میں مقدم ہے وہ ولی نکاح ہونے میں بھی مقدم ہے اور ان دونوں کو بعد بالغ ہونیکے اختیار عقد کے توڑنیکا ہے بشرطیکہ نکاح باپ دادا کے سوا کسی اور[3] نے کیا ہو اور قاضی کا حکم بھی واسطے اس عقد کے توڑنے کے شرط ہے یعنی نابالغ کو چاہیے کہ بعد بالغ ہونیکے قاضی کے یہاں رجوع کرے تاکہ وہ اس نکاح کو توڑ دے۔ اور صغیرہ کا اختیار جاتا رہتا ہے جس صورت میں کہ حال نکاح کا اُسنے اپنے کنوارے پن میں جانا اور بالغ ہونیکے چپ ہو رہی اور صغیرہ کا اختیار بعد بلوغ کے چپ رہنے سے نہیں جاتا جبتک راضی ہو جاوے گو رضامندی حال کی دلالت سے معلوم ہوتی ہو اور اگر ان دونوں میں سے نکاح کے ٹوٹنے سے پیشتر[4] کوئی مر جاویگا تو دوسرا اسکے ترکہ سے وراثت پاویگا اور غلام اور نابالغ اور دیوانے کو ولی ہونے کا حق نہیں اور نہ مرد کافر مسلمان عورت کا ولی ہو سکے اور جس صورت میں عورت کے کوئی عصبہ نہو تو ولایت ماں کو ہے پھر حقیقی بہن کو پھر علاتی بہن کو پھر اخیافی بھائی یا بہن کو پھر ذوی الارحام کو مثلاً نواسے کو یا بھانجے کو اور اگر یہ بھی نہوں حاکم کو حق ولایت ہے[5] یعنی بادشاہ یا قاضی کو۔ اور۔ اگر ولی قریب موجود نہو بلکہ اتنے فاصلہ پر ہو کہ وہاں تک جانے میں نماز قصر سے پڑھی جاوے تو دور کے ولی کو اختیار نکاح کے کر دینے کا ہے اور اس کا نکاح کیا ہوا قریب تر کے ولی کے آنے سے جاتا نہ رہیگا بلکہ بدستور صحیح رہیگا۔ اور دیوانی عورت کا ولی

۱ ولی تو ہی گو دور کا کہ ولایت اُس سے اقرب کو حاصل ہے ۱۲ ۲ یعنی شوہر کہے کہ مجھے خبر نکاح جب پہنچی تھی تو تو چپ ہو رہی تھی عورت کہے نہیں میں نے رد کر دیا تھا تو شوہر کو چپ رہنے کے ثبوت میں گواہ دینا پڑینگے اور نکاح ثابت ہو جائیگا اگر گواہ نہ دیسکا تو عورت کا قول معتبر ہوگا ۱۲ ۳ اور اگر خود باپ یا باپ کی عدم موجودگی میں دادا نے نکاح کر دیا ہو تو پھر بلوغ کے وقت صغیر صغیرہ کو اس کے توڑنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں رائے میں کامل اور شفقت میں پورے ہیں۔ ان کا کیا ہوا عقد لازم ہوگا جیسا کہ صغیر و صغیرہ بالغ ہونے کے بعد خود نکاح کرتے اور وہ لازم ہوتا ایسا ہی ہے ۱۲ ۴ یعنی قاضی کے تفریق کرانے سے پہلے گو بالغ ہونے اور اختیار فسخ حاصل ہونے کے بعد ہو کیونکہ جبتک قاضی تفریق نہ کرائے نکاح باقی رہیگا ۱۲ ۵ کیونکہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے السلطان ولی من لا ولی لہ یعنی جس کا کوئی ولی نہو اس کا ولی بادشاہ

اس کا لڑکا ہوتا ہے باپ نہیں ہوتا[1] **فصل** جو عورت غیر کفو سے نکاح کرلے تو قاضی خاوند بی بی
کو جدا کردے اور اسکے بعض ولیوں کا ساکتی ہونا ایسا ہی ہے جیسا سب کا راضی ہونا اور اسکے خاوند
سے مہر کا لینا اور اسی طرح کی بات کرنی مثلاً اسکے جہیز کا سامان کردینا رضامندی ہے۔ چپ
ہونا رضامندی نہیں۔ اور ہمسری اور برابری نکاح میں نسب کی راہ سے معتبر ہوتی ہے پس
قریشی آپس میں ایک دوسرے کے کفو اور برابر ہیں اور عرب کے لوگ سوائے قریش سب آپسمیں
کفو ہیں اور برابری کا اعتبار آزادی اور مسلمان ہونے میں بھی چاہیے اور جس کا باپ اور
دادا آزاد اور مسلمان ہو وہ مثل اس شخص کے ہے جسکی پشتہا پشت ایسی ہی ہوں یعنی جو شخص باپ اور
دادے سے مسلمان اور آزاد ہو وہ ایسے شخص کا کفو ہے جسکی بہت پشتیں آزاد مسلمان ہوں اور
برابری کا اعتبار پرہیزگاری اور بدکاری اور تونگری اور پیشہ وری کی راہ سے بھی چاہیے جیسے
لوہار اور بڑھئی اور جولاہا اور گاندھی اور حجام اور جاروب کش کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ہم پیشہ کے برابر
ہے اور اگر عورت اپنے نکاح میں مہر مثل سے گھٹا کر باندھے تو نکاح درست ہے مگر سوا باپ اور دادے
ہے اور اگر عورت اپنے نکاح میں مہر مثل سے گھٹاوے تو ولی کو اختیار ہے کہ نکاح کو توڑ دے یا مہر کو کامل
کردے اور اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کا نکاح غیر کفو سے کردیا مہر بہت گھٹا کر باندھا تو نکاح درست ہے مگر سوا باپ اور دادے
کے اور کسی کو یہ امر جائز نہیں **فصل** چچا کے بیٹے کو اختیار ہے کہ اپنے چچا کی دختر کا نکاح اپنے
آپ سے کرلے اور اگر عورت نے کسی کو وکیل اپنے نکاح کردینے کا کیا ہو تو اس کو بھی اختیار ہے کہ اس
وکیل کرنیوالی کو اپنے نکاح میں لے آوے اسلیئے کہ یہ دونوں اگر اپنے سوا کسی دوسرے سے ان
عورتوں کا نکاح کردیں تو جائز ہوتا ہے اگر خود اپنی ذات سے کرلینگے تب بھی درست ہوگا اور اگر غلام یا
لونڈی بدون آقا کے اپنا نکاح کرلے تو یہ نکاح آقا کی اجازت پر موقوف رہیگا جیسے فضولی کا نکاح
کہ وہ بھی طرفین کی اجازت پر موقوف رہتا ہے اور اگر اجازت دیں تو درست ہوجاتا ہے ورنہ باطل
نکاح میں فضولی اسکو کہتے ہیں کہ مرد عورت کی اجازت بدون خواہ بغیر ایک کی اجازت کے بالا بالا

---

[1] کیونکہ بیٹے کے ہوتے ہوئے باپ عصبہ نہیں ہوتا اور ولایت عصبہ کو پہنچتی ہے ۱۲ [2] اور اگر کسی کے باپ اور دادا مسلمان
اور آزاد نہیں تھے صرف باپ ہی مسلمان و آزاد ہوا تھا یا خود مسلمان و آزاد ہوا ہے تو وہ اس شخص کے برابر نہیں ہوسکتا۔ کہ جس کے
باپ اور دادا دونوں مسلمان و آزاد ہوئے تھے یا پشتہا پشت سے اس کی اسلام کی آزادی چلی آرہی ہے ۱۲ [3] یعنی فاسق شخص
پرہیزگار لڑکی کہ جس کا باپ بھی پرہیزگار ہے کفو یعنی برابر نہیں ہوسکتا اور ایسے جو شخص اتنا غریب ہو کہ مہر اور نان نفقہ
نہیں دے سکتا تو وہ غریب کسی امیر عورت کا کفو نہیں ہوسکتا ۱۲ [4] کیونکہ کمی مہر سے ولی کو عار پہنچتی ہے اور زیادتی مہر
سے افتخار حاصل ہوتا ہے ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی [5] یعنی صرف چچا کے بیٹے کے سوا اس لڑکی کا کوئی ولی نہیں
ولایت چچازاد بھائی کو پہنچی اور لڑکی نابالغ ہے یا بالغ ہی ہے تو یہ نکاح جائز ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

نکاح کر دے اور نصف عقد غائب شخص کے قبول کرنے پر موقوف نہیں رہتا یعنی اگر ایک طرف سے ایجاب ہو اور دوسری جانب سے وہاں موجود نہیں تو یہ ایجاب اسکی حاضری پر موقوف نہ رہیگا بلکہ اس کے آنیکے بعد نئے سر سے ایجاب کرنا چاہیے پہلا ایجاب جو ہوا تھا بیکار گیا اور اگر کسی شخص نے دوسرے کو وکیل کیا ہو کہ میرا نکاح ایک عورت سے کر دے اور وہ دونوں عورتوں سے اسکا عقد کر دے[1] تو وہ شخص اس کے حکم کا خلاف کرنے والا ہوگا یعنی اس کا عقد کرنا اسی اجازت پر موقوف رہیگا اور اگر لونڈی سے اس کا عقد کر دیگا تو پہلی ہی اجازت سے جائز ہوگا باب۔ مہر کے بیان میں۔ نکاح بدون ذکر مہر کے بھی درست ہے اور مہر کم سے کم دس درم ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک جو چیز کسی کار آمد شئی کی قیمت ہوسکے خواہ تھوڑی ہو یا بہت وہ مہر کے ہونیکی لیاقت رکھتی ہے دلیل امام اعظم کی قول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ مہر دس درم سے کمتر نہیں روایت کیا اس حدیث کو حاکم نے اور قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی ایسا ہی ہے روایت کیا اسکو دار قطنی اور بیہقی نے پس اگر مہر دس درم ٹھہرایا یا اس سے کم تو صحبت کرنے سے خواہ میاں بی بی میں سے ایک کے مر جانے سے دس درم واجب ہو جاتے ہیں اور قبل صحبت کے طلاق دیدینے سے مہر مذکور آدھا رہجاتا ہے اور اگر مہر معین نہ کیا ہو یا یہ کہا ہو کہ مہر نہ دونگا تو ان صورتوں میں عورت کو مثل یعنی اس جیسی عورت کا مہر بشرط صحبت یا مر جانے خاوند کے ملیگا اور اگر صحبت سے پیشتر خاوند اسکو چھوڑ دے تو جوڑا ملیگا اور اسمیں تین کپڑے ہیں پیراہن اور دامنی اور چادر اور جو چیز کہ عقد نکاح کے بعد ٹھیری ہو یا مہر پر بڑھائی گئی ہو[2] اسکو نصف کریں یعنی اگر صحبت سے پیشتر طلاق دیں تو اصل مہر کا نصف دلادیں جو زیادتی بعد ہوئی ہو اسکو نصف کریں اور جائز ہے عورت کا اپنے مہر کو گھٹا دینا یعنی اگر مہر زیادہ بندھا ہو اور عورت کہے کہ میں اسقدر کم کیے دیتی ہوں تو جائز ہے اور عورت سے خلوت کرنی بدون مرض کہ نہ خود مریض ہو نہ عورت اور بدون حیض اور بدون اپنے اور اسکے احرام کے اور بدون روزہ

باب مہر کے بیان میں

---

[1] یعنی ایک عقد میں دو عورتوں سے نکاح کر دیا تو اس وکالت کی رو سے یہ نکاح لازم نہیں ہوا کیونکہ اگر دونوں عورتوں کو اس کے ذمہ لازم کرتے ہیں تو اسکے حکم کے خلاف اور اگر ایک عورت کو لازم کرتے ہیں تو کس عورت کو کریں کسی کو ترجیح نہیں لہذا اب اگر نئی اجازت اس عقد کی ہوگئی تو جائز ورنہ ناجائز ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [2] تو نکاح جائز ہو جاتا ہے۔ اور مہر مثل واجب ہوتا ہے ۱۲

[3] جسے عربی میں متعہ کہتے ہیں فرمایا اللہ تعالے ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ یعنی متعہ دو ان عورتوں کو امیر آدمی پر اس کی حیثیت کے لائق ہے اور غریب آدمی پر اس کی حیثیت کے لائق پس اس جوڑے کو اتنا قیمتی ہونا چاہیے جتنی شوہر کی حیثیت ہو مگر یہ خیال رہے اس کی قیمت پانچ درم سے کم نہ ہونے پائے اور مہر مثل سے زیادہ نہ ہونے پائے ۱۲ [4] کیونکہ مہر اس کا حق ہے بندھ چکنے کے بعد اگر کل ساقط کر دے اگر ایسے ہی کچھ حصہ کا ساقط کر دینا بھی جائز ہے ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی

فرض کے صحبت کرنیکے حکم میں ہیں اگرچہ مرد ذکر کٹا یا نامرد یا خصیہ نکالا ہوا ہو کہ ان سب کا عورت کے ساتھ علیحدہ ہونا اسی طرح کہ عذر شرعی صحبت کے نہ کرنیکا موجود نہو خلوت صحیحہ[1] ہوتی ہے اور عورت کو ان سب صورتوں میں بعد طلاق کے یا خاوند کے مرجانیکے احتیاطاً عدت واجب ہے اگرچہ واقع میں صحبت کا ہونا ان شخصوں سے محال ہے اور مستحب ہے جوڑا دینا سوائے مفوضہ کے ہر ایک طلاق والی عورت کو خواہ اس سے صحبت کی ہو یا نہیں اور اگر مفوضہ کو پہلے صحبت کے طلاق دی ہو تو اسکو جوڑا دینا واجب ہے اور مفوضہ وہ عورت ہے جسکا نکاح بدون ذکر مہر کے ہوا ہو اور نکاح شغار میں مہر مثل واجب ہے۔ اور شغار اُس نکاح کو کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنی لڑکی خواہ بہن کا نکاح دوسرے شخص سے اس شرط سے کرے کہ دوسرا بھی اپنی لڑکی خواہ بہن کو اول شخص سے بیاہ دے اور سوائے اس شرط کے اور مہر کچھ نہ ٹھیرے پس اس صورت میں یہ شرط لغو[2] ہوگی اور مہر مثل لازم آویگا۔ اور اگر نکاح اس شرط پر کیا کہ شوہر آزاد منکوحہ کی خدمت بجالاویگا اسکو قرآن پڑھاویگا تو ان دونوں صورتوں میں بھی مہر مثل واجب ہوتا ہے نہ خدمت اور قرآن کا پڑھانا ہاں اگر شوہر غلام ہو اور شرط خدمت کرے تو البتہ اس صورت میں عورت کو بجائے مہر مثل کے شوہر سے خدمت لینی لازم[3] ہوگی اور اگر کسی عورت کا مہر ہزار تھا اور خاوند سے ہزار مہر کی بابتہ لیکر اسی کو ہبہ کر دے پھر اس عورت کو صحبت سے پہلے طلاق ہوگئی تو خاوند آدھا مہر یعنی پانسو عورت سے اور لے اسواسطے کہ ہزار جو مہر کے واجب تھے وہ اُس نے دیدیئے تھے مگر پہلے صحبت کے طلاق دیدینے سے اسکے ذمہ صرف پانسو ہی لازم ہوئے اسلئے پانسو عورت سے ہٹا لیوے اور وہ جو ہزار لیکر پا وہ ہبہ کئے تھے مہر سے انکو کچھ علاقہ نہیں[4] پھر اگر ایسی صورت ہو کہ عورت ہزار نہ لے یا پانسو ہی لے اور ہزار خاوند کو ہبہ کرے یا جو اسباب کہ مہر میں تھا اسکو قبضہ کرنے سے پہلے یا پیچھے خاوند کو ہبہ کر دے اور پھر صحبت سے پہلے طلاق دیجاوے تو اس صورت میں خاوند اس سے کچھ نہ پھیرے اسلیئے کہ اس صورت میں عورت کے پاس کچھ زائد نہیں پہنچا ہے کہ خاوند اس سے واپس کرے اور صورت مہر کے اسبابکو

ف ۱ یس خلوت صحیحہ سے بھی مہر ہوکر ہو جاتا ہے یعنی پورا مہر دینا پڑتا ہے جس طرف کہ وطی کر لینے سے دینا پڑتا تھا۔ ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ف ۲ اور دونوں نکاح جائز ہوں گے اس مسئلے میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ سرے سے دونوں عقد ہی باطل ہیں ۱۲۔ ف ۳ بشرطیکہ مولا بھی خدمت کرنے کی اجازت اُسے دیدے ۱۲

ف ۴ کیونکہ درہم و دینار متعین نہیں ہوتے پس یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہر ہزار جو عورت نے ہبہ کئے ہیں مہر والے ہزار ہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

قبضہ سے پہلے ہبہ کرنیکی یہ ہے کہ خاوند نے کوئی چیز مہر کے ادا کرنے پر ٹھیرائی تھی عورت نے وہ چیز مول لیکر خاوند کو ہبہ کردی اور اگر کسی عورت سے اس شرط سے نکاح کیا کہ اسکو اسکے وطن سے باہر نہ لیجاؤنگا یا اسپر دوسرا نکاح نہ کرونگا اور ہزار مہر ٹھیرائے یا یہ شرط کی کہ اگر اسکو اسکے وطن میں رکھونگا تو ہزار دونگا اور وطن سے باہر لیجاؤں گا تو دو ہزار دونگا پس اگر شرط کو پورا اور اسکے وطن ہی میں رہا تب تو اسکو ہزار دینے پڑیں گے اور اگر شرط پوری نہ کی اور اسکے وطن میں اسکے ساتھ نہ ٹھیرا تو اسکو مہر مثل دینا ہوگا[1] اور اگر مہر عورت کا نکاح میں دو غلاموں سے ایک کو کہا معین نہ کیا کہ کونسا ہے اور ان دونوں غلاموں کی قیمت مختلف ہے۔ تو اس صورت میں مہر مثل کو حکم کیا جاویگا یعنی مہر مثل جس غلام کی قیمت کے موافق ہوگا وہی غلام مہر میں دیگا[2] اگر نکاح کیا کسی گھوڑے یا گدھے کے عوض یعنی گھوڑا اور گدھا معین نہ کیا تو بیچ کی جنس تو بنی واجب ہوگی یعنی نہ بہت اچھا نہ بہت برا دینا ہوگا میانہ جانور کی قیمت واجب ہوگی۔ اور اگر مہر ایک تھان کپڑے کا مقرر کیا یا شراب یا سور ٹھیرایا یا کہا کہ اس سرکے پر نکاح کرتا ہوں اور وہ شراب تھی یا کہا کہ اس غلام خاص پر اور وہ آزاد تھا۔ تو ان سب صورتوں میں مہر مثل واجب ہے اور اگر دو غلاموں معین کو مہر ٹھہرایا اور ان میں سے ایک آزاد نکلا تو مہر صرف وہی غلام باقیماندہ ہوگا اور نکاح فاسد میں مہر مثل صرف صحبت سے واجب ہوتا ہے اور وہ بھی جسقدر خاوند بی بی نے مقرر کیا تھا اس مقدار سے زائد دینا نہ چاہیئے اور نکاح فاسد سے بچے کا نسب ثابت ہوتا ہے یعنی ولد الزنا نہ کہلاویگا۔ اور عدت بھی عورت پر لازم ہوتی ہے۔ اور مہر مثل عورت کے باپ کی قوم کا معتبر ہوتا جب دونوں عورتیں عمر میں اور خوبصورتی میں اور مال اور شہر اور زمانہ اور عقل اور دینداری اور کنواری ہونے میں برابر ہوں اور اگر اس طرح کی عورت باپ کی قوم میں نہ پائی جاوے تو اجنبی

ف۱ اور اس صورت میں جبکہ یہ شرط کی تھی کہ اگر وطن میں رکھوں گا۔ تو ہزار دوں گا اور اگر وطن سے باہر لیجاؤں گا تو دو ہزار دو پس اس صورت میں اگر وطن سے باہر لیگیا تو مہر مثل دینا پڑیگا مگر ایکہزار سے کم اور دوہزار سے زیادہ نہ دلایا جاویگا اور صاحبین کے نزدیک باہر لیجانے پر دوہزار دلائے جاینگے اور امام زفر کے نزدیک ہر صورت میں مہر مثل دلایا جائے گا مگر اسی شرط سے کہ ایکہزار سے کم اور دوہزار سے زیادہ نہو ۱۲

ف۲ اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا اگر جب دونوں غلاموں کی قیمت کے درمیان میں ہو اور اگر کم قیمتی غلام کی قیمت سے بھی کم ہے تو کم قیمتی غلام دلایا جائیگا یا اگر زیادہ قیمت والے غلام کی قیمت سے مہر مثل زائد ہے تو پھر زیادہ قیمت والا غلام دلایا جائیگا ۱۲

ف۳ اور اگر اس صورت میں قبل صحبت کے طلاق دی تو کم قیمتی غلام کا نصف دلایا جائیگا

ف۴ اس صورت میں کہ قسم جانور کی متعین کردی تھی کہ گھوڑے کے عوض میں نکاح کرتا ہوں مثلاً تو متوسط درجہ کا گھوڑا دینا پڑیگا اور اگر گھوڑے کو بھی متعین کردیا کہ اس گھوڑے کے بدلے میں وہی گھوڑا دینا پڑے گا اعلیٰ ہو یا ادنیٰ یا متوسط اور اگر قسم جانور کی نہیں مقرر کی یوں کہا کہ ایک جانور کے بدلے میں نکاح کرتا ہوں تو اس صورت میں مہر مثل دینا ہوگا ۱۲

ف۵ مثلاً ایسے گواہوں کے نکاح ہوا ہو ۱۲

ف۶ یعنی عورت کی بہنوں اور پھپھیوں وغیرہ کا معتبر ہے اس کی ماں اور خالہ وغیرہ کا معتبر نہیں ۱۲ مفتی محمود وصی علی ملیح آبادی

عورت کا جو اسکی برابر ان چیزوں میں ہو وہ مہر معتبر ہوگا اور اگر عورت کا ولی خاوند کیطرف سے مہر کا ضامن ہو جاوے تو درست ہے اور عورت کو اس صورت میں اختیار ہے کہ چاہے مہر کا مطالبہ اپنے ولی ذمہ دار سے کرے[1] خواہ خاوند سے مانگے اور عورت کو پہنچتا ہے کہ اپنے مہر کے لینے کے واسطے مرد کو صحبت کرنے سے اور دوسرے شہر میں لیجانے سے روکے گو اول اس سے صحبت کر چکا ہو اور اگر عورت و مرد مہر کی مقدار مختلف بیان کریں تو مہر مثل کا حکم کیا جاویگا جسکے بیان سے مہر مثل ملتا ہوگا وہی معتبر ہوگا اور اگر پہلے صحبت سے طلاق دیدی ہو اور مہر میں اختلاف واقع ہو تو اس صورت میں جوڑے کا حکم کیا جاویگا[2] اور اگر اصل مہر میں جھگڑا ہو کہ ایک کہے مہر کچھ ٹھہرا ہے اور دوسرا کہے کہ کچھ نہیں ٹھہرا ہے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے گو دونوں خاوند بی بی مر جاویں اور اگر خاوند بی بی کے وارث بعد ان دونوں کے مر جانیکے مقدار مہر میں اختلاف کریں تو مرد کے وارثوں کا قول معتبر ہوگا[3] عورت کے وارثوں کا نہ ہوگا اور جو شخص اپنی بی بی کو کچھ بھیجے پھر وہ عورت دعوے کرے کہ وہ چیز ہدیہ تھی اور مرد کہے کہ وہ مہر میں تھی تو اس صورت میں قول مرد کا معتبر ہوگا[4] ان چیزوں میں جو کھانے کی جنس سے نہوں یعنی کھانے کی چیزوں کو مہر میں سے تصور نہ کرینگے گو مرد بیان کرے کہ میں نے مہر کی نیت سے بھیجی تھی اس لئے کہ ظاہر حال سے وہ جھوٹا معلوم ہوتا ہے اور اگر کوئی جزیہ دینے والا مرد جزیہ دینے والی عورت سے نکاح کرے کسی مردار جانور کے عوض میں خواہ بدون مہر کے اور یہ امر انکے یہاں جائز ہو پھر اس سے صحبت کیجاوے یا قبل صحبت کے طلاق دیجاوے یا خاوند مر جاوے تو اس عورت کو کچھ مہر نہ ملیگا اور یہی حال حربی عورتوں کا ہے کفرستان میں کہ ان صورتوں میں انکو مہر نہ ملیگا یعنی اگر وہ عورتیں قاضی کے یہاں نالش کرینگی تو قاضی خاوند پر مہر کا حکم نہ دیگا اور اگر کوئی ذمی کسی عورت سے معین شراب کے عوض یا معین سور کے عوض میں نکاح کرے پھر وہ دونوں مسلمان ہو جاویں۔ یا ایک انمیں سے مسلمان ہو جاوے تو عورت کو وہی شراب اور سور ملیں گے اور اگر شراب اور سور کو معین نہ کرے تو شراب کی قیمت ملیگی اور سور کی صورت میں مہر مثل[5] دلایا جاوے گا۔

---

[1] پس اگر ولی نے شوہر کیجانب سے ادا کر دیا اور شوہر کی اجازت سے ضامن ہوا تھا تو ولی کو پہنچتا ہے کہ شوہر سے وصول کرے ۱۲ [2] یعنے اس جیسی عورت کا جوڑا جس کے بیان سے مطابق پڑیگا۔ وہی معتبر ہوگا [3] یعنی اس کی یہ صورت ہوگی کہ عورت کے وارث زیادہ مہر مانگیں گے اور مرد کے وارث زیادہ مہر دینے سے انکار کرینگے تب عورت کے وارثوں کو وہ زیادتی گواہوں سے ثابت کرنا پڑیگی اگر عورت کے وارث گواہوں سے وہ زیادتی ثابت نہ کر سکے تو مرد کے وارثوں کا قول معتبر ہوگا یعنے قسم کے ساتھ ۱۲ [4] کیونکہ کھانے پینے کی چیزیں عام طور پر ہدیہ بھیجی جاتی ہیں مہر میں نہیں منسوب کیجاتیں ۱۲ [5] یہاں پر شراب اور سور میں اس لئے فرق کیا کہ شراب مثلی چیز ہے یعنی ایک شراب دوسری شراب کے مثل ہر صورت میں بھی اور معنی میں بھی اور قیمت شراب کیصورت میں شراب کے مثل نہیں لہذا قیمت کے لانے میں شراب سے اعراض ہوا اور سور قیمتی چیزوں میں سے ہے یعنی ایک سور دوسرے سور کی مثل نہیں ہو سکتا لہذا سور کی مثل اس کی قیمت ہوگی نہ دلائیں گے کہ وہ سور ہی کا [illegible]

باب - غلام کے نکاح کے بیان میں - غلام اور لونڈی اور مکاتب اور مدبر اور خاوند سے اولاد والی لونڈی کا نکاح بدون مالک کی اجازت کے جائز نہیں پس اگر کوئی غلام آقا کی اجازت سے نکاح کرے تو مہر میں بیچ ڈالا جاویگا اور مدبر اور مکاتب یعنی[1] جو آقا کے مرنیکے بعد یا کسی قدر مال پر آزاد ہو تو یہ دونوں مہر میں بیچے نہ جاوینگے بلکہ کما کر مہر ادا کردیں گے - اور اگر آقا کو غلام کے نکاح کر لینے کی خبر ہوئی اور اس نے غلام سے کہا کہ اس عورت کو طلاق رجعی دیدے تو یہ لفظ اجازت نکاح ہوگا اسلیے کہ طلاق رجعی وہی ہے جس میں پھر عورت سے رجوع کرنا درست ہو اور اگر اُسنے یہ کہا کہ اس عورت کو طلاق دیدے یا الگ کردے تو ان الفاظ سے نکاح کی اجازت نہوگی اور اجازت نکاح فاسد کو بھی شامل ہے یعنی آقا نے اگر اجازت دی اور غلام نے نکاح فاسد کیا تو یہ نکاح بھی آقا کی اجازت سے شمار[2] ہوگا - اور اگر مالک نے اپنے کسی غلام کا نکاح کسی عورت سے کردے اور اس غلام کو تجارت کی اجازت دے رکھی ہو تو یہ نکاح جائز ہوگا اور عورت اپنے مہر کے باب میں اور قرضخواہوں کی شریک ہوگی یعنی غلام پر اگر لوگوں کا تجارت میں قرض ہوگا تو عورت کا مہر بھی منجملہ ان قرضوں کے متصور ہوگا - اور جو شخص اپنی لونڈی کا نکاح کردے تو اس کے ذمے یہ لازم نہیں کہ اسکے لئے کوئی جگہ بھی علیحدہ سونیکی مقرر کردے[3] بلکہ وہ عورت آقا کی خدمت کرے اور خاوند کو جب موقع ملے اس ہی ہمبستر ہو - اور آقا کو اپنے غلام اور لونڈی کا نکاح زبردستی کرنا درست ہے یعنی ان کا دل چاہے یا نہ چاہے آقا کو اختیار ہے کہ نکاح کردے اور آقا اگر اپنی لونڈی کو شوہر کی صحبت سے پہلے[4] مار ڈالے تو اُس کا مہر ساقط ہو جاتا ہے - لیکن اگر آزاد عورت اپنے آپکو صحبت سے پہلے مار ڈالے تو اس کا مہر نہ جاویگا اسلیے وارثوں کو مہر کا دعوےٰ پہنچتا ہے اور عزل کے باب میں اجازت آقا کی چاہیے لونڈی کا قول معتبر نہیں عزل اسکو کہتے ہیں کہ صحبت کے وقت انزال سے پہلے ذکر نکال لے تاکہ نطفہ باہر گرے اور حمل نہ رہے اور یہ حرکت کراہت کے ساتھ درست ہے - اور اگر کوئی لونڈی یا مکاتبہ نکاح کے بعد آزاد ہو جاوے تو انکو نکاح باقی رکھنے اور توڑ دینے کا اختیار دیا جاویگا اگرچہ ان کا شوہر آزاد ہو اسمیں امام شافعی

ف ۱ - یہ تفسیر مدبر اور مکاتب کی ہے یعنے جس غلام سے مولا نے کہا ہو کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے اسے مدبر کہیں گے اور جس غلام سے مولا نے کہا کہ تو اسقدر روپیہ مجھے دیدے تو آزاد ہے اسکو مکاتب کہینگے ۱۲ ف ۲ پس یہ اثر ہوگا کہ اگر اس نکاح فاسد سے غلام نے منکوحہ سے وطی کی ہو تو مہر میں فروخت کیا جاسکتا ہے نیز اگر دوبارہ اس عورت سے نکاح صحیح کیا یا دوسری عورت سے کیا - تو یہ نکاح مولا کی اجازت پر موقوف رہیگا کیونکہ پہلی اجازت نکاح فاسد کے ساتھ ختم ہوگئی ف ۳ یا شوہر اسکو اپنے گھر لیجاوے پس شوہر پر نان ونفقہ بھی واجب نہوگا اگر مولی اسے شوہر کے گھر رخصت کردے تو نان ونفقہ شوہر پر تب جب ہوگا لیکن پھر بھی مولی کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے اپنے گھر بلالے خدمت لے اور نان ونفقہ دے ف ۴ صحبت سے پہلے کی شرط اسواسطے لگائی کہ اگر صحبت کے بعد ماریگا تو مہر ساقط نہ ہوگا - کیونکہ صحبت سے مہر موکد ہوجاویگا یہ نہ سمجھا جاویگا کہ بلا صحبت کے مہر وصول کرنیمیں جلدی کی - جو محروم رکھا جاویگا ۱۲ محمد وصی علی ملیح آبادی

کا خلاف ہے۔ اور جس صورت میں کہ اُن کا شوہر غلام ہو تو اُن کا بالاتفاق اختیار ہے اور اگر لونڈی بدون اجازت آقا کے نکاح کرے اور پھر آزاد کیجاوے تو اس کا نکاح کہ موقوف تھا اب بدون اختیار کے جاری ہو جاویگا۔ پھر اس کا شوہر اس کے آزاد ہونے سے پیشتر اس سے صحبت کرے تب تو مہر آقا کو ملیگا اور اگر آزاد ہونے کے بعد صحبت کرے تو مہر لونڈی کا ہوگا اور اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کی لونڈی سے صحبت کرے اور اس سے بچہ پیدا ہوا اور وہ اس کا دعویٰ کرے کہ میرا ہے تو اس بچے کا نسب باپ سے ثابت ہوگا اور وہ لونڈی اسکی حرام ہو جائیگی اور اسکی قیمت اپنے بیٹے کو دینی پڑیگی صحبت کا تاوان اور بچے کی قیمت نہ دینی ہوگی اور اگر باپ نہو اور دادا یہی بات کرے تو دادے کا حال بھی باپ ہی کا سا ہے اور اگر بیٹا اپنی لونڈی کا نکاح باپ سے کر دے اور اس سے اولاد ہو تو وہ لونڈی باپ کی حرم نہوگی بلکہ اسکی منکوحہ ہے اور اس صورت میں باپ پر اسکی قیمت واجب نہوگی بلکہ مہر واجب ہوگا اور اسکی اولاد آزاد ہوگی اسلئے کہ لونڈی کی اولاد کا مالک اسکا آقا ہوا کرتا ہے اور اس صورتمیں آقا اولاد کا علاقی بھائی ہے اسی جہت سے وہ بھائی پر آزاد ہوگی جو آزاد عورت کہ غلام کے نکاح میں ہو وہ اگر اپنے شوہر کے آقا سے کہے کہ اس کو میری طرف سے ہزار کے عوض آزاد کر دے اور وہ ایسا ہی کرے تو نکاح فاسد ہو جاویگا اسلئے کہ اس کلام کے کہنے سے عورت مذکور اپنے خاوند کی مالک[3] ہو جاتی ہے اور پھر وہ آزاد ہوتا ہے اور عورت کو اپنے شوہر کا مالک ہونا نکاح کا مفسد ہے اور اگر ہزار کے عوض نہ کہے تو البتہ نکاح فاسد نہوگا اس لئے کہ عورت شوہر کی مالک نہوئی۔ اور اس صورت میں غلام کی ولا آقا کو پہنچیگی نہ کہ اس عورت کو کیونکہ آزاد کرنیوالا وہی ہے اور پہلی صورت میں ولا عورت کو وہ آزاد کرنیوالی ہے آقا صرف وکیل ہے۔ ولا اس مال کو کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد اگر میت کا کوئی وارث قرابتدار نہو تو اسکے آزاد کرنے والے کو وہ پہنچے۔

باب[4] کافر کے نکاح کے بیان میں اگر کوئی کافر کسی عورت سے بدون گواہوں کے نکاح کر لے یا ایسی عورت سے نکاح کر لے جو دوسرے کافر کی عدت

ف۱ یعنی جس طرح اس لونڈی کو جو نکاح نافذ ہو چکنے کے بعد آزاد ہوئی تھی اختیار تھا کہ شوہر کے تحت میں رہے یا نہ رہے اس طرح اسکو اختیار نہ ہوگا کیونکہ اسکا نکاح بعد آزاد ہو چکنے کے نافذ ہوا ہے ۱۲ ف۲ اس مسئلہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ نکاح صحیح نہوگا کیونکہ باپ کو بیٹے کی لونڈی پر مالک ہونیکا حق ہے اور ملکیت نکاح کی منافی ہے ۱۲ ف۳ کیونکہ اسکا یہ کہنا کہ اس کو میری طرف سے ہزار کے عوض آزاد کر دے اور اس کا آزاد کرنا پہلے مالک بنا دینا ہے۔ پھر آزاد کرنا ۱۲ مفتی محمد وصی علی برہم آبادی ۱۲
ف۴ غلام کے نکاح کے بعد کافر کے نکاح کا ذکر کیا جو کہ غلام سے بھی رتبہ میں کمتر ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی مسلیمہ آبادی

ہیں یعنی اور یہ امر انکے دین میں درست ہو تو اب اگر وہ دونوں مسلمان ہو جاوینگے تو ان کا وہی پہلا نکاح قائم رکھا جاویگا لیکن اگر عورت اس مرد کی محرم ہوگی مثلاً بہن یا بیٹی وغیرہ تو اس صورت میں ان دونوں کو جدا کر دیا جائیگا۔ اگرچہ اُنکے دین میں درست ہو اور جو عورت خواہ مرد کہ مرتد ہو گئے ہوں یعنی اسلام سے پھر گئے ہوں وہ کسی سے نکاح نہ کریں یعنی نہ مسلمان سے نہ ذمی سے نہ مرتد سے اس لئے کہ مرتد کا نکاح جائز نہیں اور لڑکا ماں باپ سے دین میں بہتر کا تابع ہوتا ہے یعنی اگر شوہر مسلمان ہو اور عورت اہل کتاب میں سے تو ان کی اولاد کو مسلمان تصور کریں گے۔ اور آتش پرست بہ نسبت یہودیوں اور نصرانیوں کے بُرا ہے اس سے یہ نکلا کہ جو اولاد اہل کتاب مرد اور آتش پرست عورت سے ہوگی وہ اہل کتاب ہوگی اور اگر میاں بی بی میں ایک مسلمان ہو جائے تو دوسرے کو مسلمان ہونیکو کہا جائے اگر وہ بھی مسلمان ہو جاوے تو بہتر ہے نکاح باقی رہیگا ورنہ دونوں کو جدا کر دیا جاوے اور اگر مرد مسلمان ہونے سے انکار کریگا تو اسکا انکار طلاق متصور ہوگا لیکن عورت کا انکار طلاق نہ ہوگا۔ بلکہ صرف جدا ہونا ہوگا اگر دونوں میں سے ایک دار الحرب میں مسلمان ہو تو عورت نکاح سے جدا نہ ہوگی جبتک کہ تین بار حیض سے نہو لے اور اگر کتاب والی عورت کا شوہر مسلمان ہو جاوے تو دونوں کا نکاح باقی رہیگا اسلیئے کہ مسلمان کو کتابی عورت کا نکاح جائز ہے اور دو ملکوں کا علیحدہ ہونا جدائی کا سبب ہے نہ قید میں آنا یعنی اگر مرد و عورت میں سے ایک مسلمان ہو کر کفرستان سے دار الاسلام میں چلا جاوے تو جدائی ہو جاویگی اور اگر کسی کو ان میں سے قید کرکے اسی ملک میں رکھیں تو جدائی نہوگی جبتک کہ اسکو دار الاسلام میں نہ لائیں اور جو عورت کہ دار الحرب سے ہجرت کرکے دار الاسلام کو چلی آئے اور اسکو حمل نہ ہو وہ بدون عدت میں بیٹھنے کے نکاح کرلے حاصل جو عبارت کنز میں ہے اس کے معنے جو عورت حاملہ نہو اور دونوں میں سے کسی کا مرتد ہو جانا اسی وقت نکاح کا ٹوٹ جانا ہے پس جس عورت سے صحبت کی ہو اسکا تمام مہر لازم ہوگا اور جس سے صحبت نہ کی ہو اس کا نصف مہر دینا پڑیگا یعنی جس صورت میں کہ مرد مرتد ہو جاوے

(۱) کیونکہ شریعت کے حق کے واسطے حرمت کا ثابت کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ وہ کفار ہیں حقوق شرع کا خطاب انکی طرف نہیں لوٹتا ہے اور عدت بھی واجب نہیں کرینگے جو کہ حق شرع ہے کیونکہ وہ اسکے معتقد نہیں پس جبکہ حالت کفر میں نکاح صحیح تھا تو اب اسلام کے باقی رکھا جائیگا ۱۲۔

(۲) اور ایسے ہی اگر عورت اسلام لے آئی ہو مرد نہ لایا ہو تو انکی اولاد جو صغیر ہو مسلمان سمجھی جائیگی کیونکہ اسمیں اولاد کے حق میں شفقت ہے ۱۲۔ (۳) لیکن اگر عورت کتابی ہے اور شوہر اس کا اسلام لایا تو عورت پر اسلام پیش کرنے کی ضرورت نہیں نکاح یا تفریق کے لئے نہیں وہ کتابی عورت مسلمان کی بی بی رہیگی کیونکہ مسلمان مرد کا نکاح اہل کتاب عورت سے جائز ہے ۱۲

(۴) اور اگر حاملہ ہے تو جب تک وضع حمل نہو جائے نکاح نہ کرے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

اور اگر عورت مرتد ہو تو اسکو مہر نہ ملیگا اور مسلمان ہونے سے انکار کر دینا مرتد ہونیکے حکم میں ہے
یعنی جب دونوں میں سے ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرے کو مسلمان ہونیکو کہا جاوے اور وہ
انکار کرے اور اس انکار سے دونوں میں جدائی واقع ہو تو مہر کے واجب ہونے اور نہ ہونے میں
اس انکار کا حکم مرتد ہونے کا سا ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اگر دونوں اکٹھے مرتد ہو جاویں اور ساتھ ہی
مسلمان ہوں تو عورت مرد میں جدائی نہ ہوگی۔ لیکن اگر آگے پیچھے مسلمان ہو گئے تو جدائی[1]
ہو جائیگی **باب عورتوں کی نوبت کے بیان میں** نوبت کے باب میں کنواری[2] اور بیاہی
برابر ہے اور نئی اور پرانی اور مسلمان عورت اور کتاب والی[3] بھی برابر اور آزاد عورت کی
باری لونڈی کی بنسبت دونی ہے اگر ایک روز منکوحہ لونڈی کی باری کا ہو تو دو روز آزاد منکوحہ
کے مقرر کرے اور مرد کو اختیار ہے کہ جس بیوی کے ساتھ چاہے سفر کرے اسمیں باری کی رعایت
نہیں مگر قرعہ ڈالنا مستحب ہے جس کے نام قرعہ نکلے اسی کو ساتھ لیجاوے اور عورت کو اختیار ہے کہ اگر
اپنی باری دوسری عورت کو بخشدی ہو تو پھر اُس سے لے لے واللہ اعلم بالصواب

کِتابُ الرِّضاع

اس میں دودھ پینے کا بیان ہے۔ دودھ پینا اسکو کہتے ہیں کہ شیر خوار بچہ ایک خاص وقت میں
کسی عورت کی چھاتی سے دودھ پیوے اور اسکے باعث اگرچہ تیس مہینے کے اندر کم ہی پیا
ہو وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو قرابت نسب سے تھے مگر دودھ کی بہن کی ماں اور اسکے لڑکے کی
بہن کہ نسب میں حرام تھی اور دودھ میں حرام نہیں ہیں اس لئے کہ نسبی بہن کی ماں یا اپنی حقیقی
ماں یا باپ کی بی بی ہوگی جو دونوں حرام ہیں اور نسبی لڑکے کی بہن یا اپنی بیٹی ہوگی یا اپنی زوجہ
کی بیٹی ہوگی جس سے صحبت کرچکا ہے اور یہ دونوں بھی حرام ہیں بخلاف دودھ کے کہ اسمیں یہ
رشتے حلال ہیں۔ واضح ہو کہ امام شافعی کے نزدیک دودھ پینے سے حرمت کی شرط یہ ہے
کہ پانچ بار دودھ پیوے اور امام اعظم کے نزدیک ایکبار پینے سے بھی حرمت ثابت ہے اور انکی

---

[1] کیونکہ جب ایک مسلمان ہو گیا اور دوسرا ابتک مسلمان نہیں ہوا تو ارتداد پر اصرار کرنیوالا ہو پس نکاح ٹوٹ گیا ۱۲ [2] یعنی جسکی
اول شادی ہوئی اور بیاہی سے مراد یہ ہے کہ اس کی شادی ہوئی ہووے ۱۲ [3] پس جتنے دن نئی اور مسلمان عورت کے پاس
شب باش رہے اتنے ہی دن پرانی کتاب والی عورت کے پاس شب باش رہے اور تعداد مقرر کرنا شوہر کے اختیار میں ہے جتنے روز کی تعداد
چاہے اتنے ہی روز ہر ایک کے پاس رہنے کے مقرر کرے اور صحبت میں برابری کرنا کچھ ضروری نہیں ۱۲ مفتی یہ جائز ہے کہ ایک
عورت اپنی باری اپنی سوتن کو بخشدے جیسا کہ بی بی سودہ نے اپنی باری بی بی عائشہ کو دیدی تھی اور پھر واپس لینا بھی جائز ۱۲ مفتی محمد وصی علی

دلیل قول اللہ تعالےٰ کا ہے وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ کہ اسمیں مطلق دودھ پلانا ارشاد ہوا پانچ بار کی قید نہیں اور قول آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہے کہ دودھ پینے سے وہ رشتے حرام ہیں جو نسب سے ہیں اسمیں بھی شرط گنتی اور تھوڑے اور بہت کی نہیں اور اسی طرح حضرت ابن عباس اور ابن مسعود سے مروی ہے اور نیز امام شافعی کے نزدیک دودھ پینے کی مدت دو برس ہے یعنی اسی کے اندر پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک تیس مہینے ہیں اور انکی دلیل یہ آیت ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ظاہر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حمل اور دودھ چھڑانے کی ہر ایک کی مدت تیس مہینے ہیں لیکن چونکہ حمل کی مدت دو برس سے زیادہ نہیں ہوتی تو دودھ چھڑانیکو تیس مہینے قایم رکھے اور اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ مدت جو اس آیت میں مذکور ہے۔ وہ دونوں چیزوں کے مجموعے کے لئے ہے تو جس صورت میں کہ حمل کمتر مدت چھ مہینے اختیار فرمائی ہے تو دو برس بھی کمتر مدت دودھ کی ہوگی اور دودھ پلانیوالیکا خاوند جس سے اس کے دودھ پیدا ہوا ہے وہ شیر خوار بچے کا باپ ہوگا۔ اور اس کا بیٹا اس بچے کا بھائی اور اسکی بیٹی بچے کی بہن اور اسکا بھائی بچے کا چچا اور اس کی بہن اسکی پھوپھی اور اپنے بھائی کے دودھ کی بہن اور نسبی بہن حلال ہوسکتی ہیں دودھ کی صورت تو ظاہر ہے مگر نسب کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے دو لڑکے دو بیبیوں سے ہوں اور ان بیبیوں میں سے ایک کی لڑکی بھی ہو دوسرے خاوند سے تو یہ لڑکی دوسری بی بی کے لڑکے کو حلال ہوگی اس لئے کہ ان دونوں میں کوئی قرابت نہیں مگر اسی اسی بی بی کے لڑکے کو حلال ہوگی اس لئے کہ وہ اخیافی بہن اس کی ہے اور دو شیر خوار جنھوں نے چھاتی سے دودھ پیا ہو انمیں حلت نہیں یعنی ان دونوں کا نکاح نہیں ہو اس لئے کہ وہ دونوں بھائی بہن ہیں اور نہ کوئی دودھ پینے والی اپنے دودھ پلانیوالی کے لڑکے یا پوتے کو حلال ہوسکتی ہے جاننا چاہیئے۔ کہ یہ مسئلہ پہلی عبارت سے بھی سمجھ میں آتا ہے لیکن مصنف نے تاکید اور تصریح کے لئے جو اس باب میں مناسب ہے اسکو دوبارہ بیان کیا اور دودھ کے مسائل

۱؎ حرام ہیں تمہاری مائیں جنھوں نے تمکو دودھ پلایا ہے ۱۲ ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دودھ پینے کی مدت ڈھائی برس مگر صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک دودھ پینے کی مدت دو برس ہیں اور یہی قول صحیح تر دلیل انکی قول اللہ تعالیٰ کا ہے کہ والوالدات یرضعن اولادهن حولین کاملین یعنی مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں اسی پر فتویٰ ہے پس امام صاحب دلیلیں ضعیف ہیں ۱۲ ۳؎ اور اسکا حمل اور دودھ سے چھوٹنا تیس مہینے ہیں ۱۲ ۴؎ پس دودھ پینے والیکا نکاح ان لوگوں کے ساتھ جائز نہیں ۱۲ ۵؎ یعنی اپنی نسبی بھائی کی دودھ شریکے بھائی کی نسبی بہن مثلاً زید نے اور عمرو نے ایک اجنبی عورت کا دودھ پیا تو یہ دونوں دودھ شریکے بھائی کی نسبی بہن مثلاً زید نے اور عمرو نے ایک اجنبی عورت کا دودھ پیا تو یہ دونوں دودھ شریکی بھائی ہوئے لیکن زید کی حقیقی بہن جس نے اس عورت اجنبی کا دودھ نہیں پیا وہ بہن عمرو کو حلال ہے اور اسی طرح دودھ شریکے بھائی کی دودھ شریکی بہن بھی حلال ہے مثلاً زید اور عمرو نے ایک عورت کا دودھ پیا اور عمرو نے ایک دوسری عورت کا دودھ پیا تو اس دوسری عورت کی ۱۲

دودھ پلائی لڑکی عمرو کی دودھ شریکی بہن ہوئی اور زید کا عمرو دودھ شریکا بھائی ہے پس وہ لڑکی زید کو حلال کیونکہ زید کے دودھ شریکے بھائی عمرو کی دودھ شریکی بہن ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

کی جامع یہ بیت مشہور ہے ۵ از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند ۔ وز جانب شیر خوار زوجان و فروع ۔ یعنی دودھ پینے والے کے اصول مثل باپ دادا کے اور ان کی اولاد یعنی شیر خوار کے بھائی اور چچا یہ لوگ دودھ پلانیوالی اور اس کی بیٹی پوتی پر حرام نہیں ہوتے اور جو دودھ کہ بچے کو کھانے میں ملا کر دیا جاوے خواہ دودھ غالب ہو یا کھانا وہ حرام نہیں کرتا اس لئے کہ حکم کھانے کا ہے نہ دودھ کا ہاں اگر دودھ کو پانی میں یا دوا میں یا بکری کے دودھ یا دوسری عورت کے دودھ میں ملا کر دیا تو ان صورتوں میں اگر دودھ غالب ہوگا تب حرمت ہوگی اور اگر دوسری چیز غالب ہوگی تو وہی کہلاوے گی اور حرمت اس سے متعلق نہوگی مگر دو عورتوں کے دودھ کی صورت میں ایک کی حرمت ضرور ہوگی جس کا کہ دودھ غالب ہے اور کنواری عورت کے اگر دودھ اتر آوے اور مری ہوئی عورت کا دونوں حرام کرنیوالے ہیں لیکن اگر دودھ کا حقنہ بچہ کو کیا جاوے یعنی پاخانہ کی راہ سے دودھ اندر پہنچایا جاوے یا مرد[1] کے دودھ آوے یا بکری کا دودھ دو بچے پیویں تو ان صورتوں میں حرمت نہوگی اور اگر کوئی عورت اپنی دودھ پیتی سوت کو دودھ پلاوے تو یہ دونوں مرد پر حرام ہو جاتی ہیں اس لئے کہ ماں بیٹی کا نکاح میں رکھنا حرام ہے اور اس صورت میں بڑی کو مہر نہ ملیگا[2] اگر اس سے شوہر نے صحبت نہ کی اور چھوٹی کو نصف مہر دیوے اور یہ آدھا مہر بڑی سے لیوے اگر اس نے جان بوجھ کر نکاح کو فاسد کیا ہو ورنہ کچھ نہ لے اور جس گواہی سے مال ثابت ہوتا ہے اسی سے دودھ کا پینا بھی ثابت ہوتا ہے یعنی دو مردوں خواہ ایک مرد دو عورتوں کی گواہی سے دودھ کا پینا ثابت ہو جاتا ہے ۔

کتاب الطلاق

اس میں عورت کو چھوڑ دینے کا بیان ہے واضح ہو کہ سب مباح چیزوں میں سے زیادہ بری طلاق ہے اسلئے کہ اسمیں نکاح کا دور کرنا ہے جو سنت[4] یا واجب ہے لیکن جب بعد نکاح کے ناموافقت ہو تو جدائی کے سوا کوئی علاج نہیں ہے اسلئے شریعت نے اسکو درست کیا جو قید کہ شریعت سے

ف ۱ مرد کے جو دودھ اتر آوے وہ حقیقت میں دودھ نہیں کیونکہ دودھ اس عورت سے متصور ہو سکتا ہے جس سے ولادت متصور ہو۔ اور مرد سے ولادت متصور نہیں ۱۲ ف ۲ کیونکہ فرقت اسی کی اس حرکت سے ہوئی اور صحبت پائی نہیں گئی جو مہر کو محکم کرے لہذا مہر سے محروم رہیگی ۱۲ ف ۳ طلاق کو نکاح کے بعد ذکر کیا کیونکہ طلاق نکاح کے بعد ہوا کرتی ہے پس فرع کو بعد میں کیا ۱۲ ف ۴ در صورت اعتدال طبیعت کے سنت ہے اور در صورت غلبہ شہوت اور خوف زنا میں مبتلا ہونے کے واجب ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

نکاح کے باعث ہوتی ہے اسکے دُور کرنیکو طلاق کہتے ہیں پھر طلاق کی تین قسمیں ہیں ایک یہ کہ
عورت کو ایسے طہر میں جسمیں صحبت نہ کی ہو ایک طلاق دیکر چھوڑ دے یہاں تک کہ اسکی عدت پوری ہو جاوے
اس طرح کی طلاق کو احسن کہتے ہیں دوسری قسم یہ کہ تین طہروں میں طلاق دے اس کو حسن اور سنی کہتے ہیں
یعنی ان کا ثابت ہونا سنت سے ثابت ہوا تیسرے یہ کہ تین طلاقیں ایک طہر میں یا ایک لفظ میں
دے مثلاً یہ کہے کہ میں نے تجھ کو تین طلاقیں دیں اسکو بدعی کہتے ہیں یعنی منسوب بدعت کیطرف
ہے اور جس عورت سے صحبت نہوئی ہو اسکو طلاق سنی حالت حیض میں بھی ہو سکتی ہے یعنی اس کے حق
میں حیض حکم طہر کا رکھتا ہے طلاق کے باب میں اور جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اسکی طلاق کو مہینوں پر منقسم
کرنا چاہیئے یعنی اگر ایسی عورت کو طلاق سنی دیجاوے تو ہر طہر کے عوض میں ایک مہینا ہوگا اور صحبت کے بعد
انکو طلاق دینا جائز ہے اور جس عورت سے صحبت کر لی ہو اسکو حالت حیض میں طلاق دینی بدعت ہے
پس ایسی طلاق کے بعد عورت سے رجعت کر لے اور دوسری طہر میں اسکو طلاق دے اور اگر اپنی صحبت
کی ہوئی سے کہا کہ تجھ کو تین طلاق ہیں بطور سنت کے تو ہر طہر پر ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر
شوہر نیت کرے کہ تینوں طلاقیں اسی ساعت میں پڑجاویں یا ہر مہینے میں ایک ایک پڑے تو جائز ہے اور
طلاق ایسے شوہر کی پڑا کرتی ہے جو عاقل اور بالغ ہو گو اس سے کسی نے زبردستی طلاق دلوائی ہو اور
مست کی طلاق اور گونگے کی طلاق اشارے سے اور غلام کی بھی واقع ہوتی ہے مگر لڑکے کی اور دیوانے
کی اور سوتے ہوئے شخص کی اور آقا کی طلاق جو اپنے غلام کی منکوحہ کو دے نہیں پڑتی اور طلاق کی
گنتی کا اعتبار عورتوں سے ہے اور وہ آزاد عورت کے حق میں تین ہیں گو شوہر آزاد ہو یا غلام اور
لونڈی کے حق میں دو ہیں اگرچہ شوہر آزاد ہو یا غلام۔

باب صریح طلاق کے بیان میں

باب صریح طلاق کے بیان میں۔ صریح طلاق کے یہ الفاظ ہیں کہ تو طلاق والی ہے
یا طلاق دی ہوئی ہے یا میں نے تجھ کو طلاق دی اور ان الفاظ سے ایک طلاق رجعی پڑتی ہے
اگرچہ نیت زیادہ کی کرے یا بائن کرنے کی یا کچھ نیت نہ کرے اور یہ الفاظ کہے کہ اَنْتِ الطلاق و انت طلاق

---

۱ طہر ان دنوں کو کہتے ہیں جن میں عورت حیض سے پاک ہے ۱۲ ۲ یعنی تین ایسے طہروں میں جنمیں وطی نہ کی ہو تین طلاقیں دے ۱۲ ۳ ایسے ہی
اگر دو طلاقیں ایک طہر میں دیں اور رجوع نہیں کیا یا ایک طلاق ایسے طہر میں دی کہ جس میں صحبت کر چکا ہو تو اسکو بھی بدعی کہینگے ۱۲ ۴ یہ اسوقت ہے کہ
جب اس کہنے کے ساتھ کچھ نیت نہ کی ہو ۱۲ ۵ یعنے جس طریقہ سے نیت کریگا اسی طرح پڑینگی ۱۲ ۶ امام شافعی کے نزدیک
اگر زبردستی طلاق دلوائی گئی ہے تو نہیں واقع ہوگی ۱۲ ۷ طلاق رجعی اسکو کہتے ہیں کہ اس سے نکاح فوراً نہ جاوے بلکہ
شوہر چاہے تو اس سے پھر رجوع کر لے اور بائن طلاق وہ ہے کہ جس سے نکاح اسی وقت جاتا رہے ۱۲
۸ تو طلاق ہے طلاق والی ہے خاص طلاق کی تو طلاق والی ہے کسی طلاق سے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

الطلاق و انت طالق طلاقاً تو ان لفظوں سے ایک طلاق رجعی پڑیگی بشرطیکہ نیت کچھ نہو یا نیت ایک طلاق کی خواہ دو کی کرے لیکن اگر نیت تین طلاقوں کی کریگا تو تین پڑجاوینگی اور اگر طلاق کو تمام عورت کو منسوب کیا ایسی چیز کی طرف جس سے تمام بدن بیان کیا جاتا ہے مثلاً گردن اور گلا اور رو اور روح اور بدن اور جسم اور شرمگاہ اور سر اور چہرہ یا اسکے حصہ غیر معین کیطرف منسوب کیا جیسے آدھا اور تہائی ہے تو ان صورتوں میں طلاق پڑجاویگی اور اگر ہاتھ اور پاؤں اور انگلی اور مقام پاخانہ کیطرف نسبت کیا مثلاً کہا کہ تیری انگلی پر طلاق ہے تو طلاق نہ پڑیگی۔ اس لئے کہ ان اعضاء سے تمام بدن کو تعبیر نہیں کرتے اور اگر کہے آدھی طلاق ہے یا تہائی طلاق ہے تو پوری طلاق ہوگی اور دو طلاق کے تین نصف کہے تو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر یوں کہے کہ ایک طلاق سے لیکر دو تک کے درمیان میں ہے تو ایک طلاق پڑیگی اور ایک سے تین تک خواہ ایک سے تین تک کے درمیان میں کہنے سے دو طلاقیں ہوتی ہیں اور اگر کہے کہ ایک در دو تو ایک طلاق ہوگی۔ اگر کچھ نہ کرے یا نیت ضرب کی کرے اور ان لفظوں سے ایک اور دو مراد لے تو اس صورت میں تین پڑینگی جاننا چاہیئے کہ ضرب کے معنی فقہا کے نزدیک یہ ہیں کہ مضروب کے اجزاء بقدر مضروب فیہ کے زیادہ ہوجاویں پس ایک کی ضرب تین میں یہ ہے کہ ایک کے تین جزو ہوگئے یہ معنی نہیں کہ ایک کو تین بار اعتبار کریں جیسا کہ حساب میں ہوتا ہے اور دو در دو کہنے میں دو طلاقیں ہونگی گو ضرب کی نیت کرے۔ اور اگر یوں کہے کہ یہاں سے شام تک طلاق ہے تو اس سے ایک طلاق رجعی ہوگی اور اگر کہے کہ مکہ کے پاس یا مکہ کے اندر یا گھر کے اندر طلاق ہے تو یہ طلاق اسی وقت پڑجاتی ہے اور اگر یوں کہے کہ جب تو مکہ میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے تو یہ الفاظ معلق یعنی مشروط کرنے کے ہیں جب عورت مکے میں داخل ہوگی اسوقت طلاق پڑیگی اور مخفی نہ رہے کہ شام اور مکہ کا ذکر مثال کے لئے ہے ورنہ ہر ایک شہر اور گاؤں کا یہی حکم ہے فصل جس صورت میں کہ کہے کہ تو طالق یعنی طلاق والی ہے کل کو یا کل میں تو اسپر طلاق صبح ہونے پر پڑیگی اور اگر شوہر ان لفظوں سے نیت عصر کے وقت کی کرے تو صرف دوسرے لفظ میں جائز ہوگی یعنی اگر کہا کہ کل میں طالق ہے اور اگر کہا کہ تو طالق ہے آجکل یا کل آج تو اسپر الفاظ

فصل

---

۱ یعنی وہ طلاق کا ایک نصف ایک طلاق ہوئی اور تین نصف تین طلاقیں ہوگئیں اور ایسے ہی اگر یوں کہا کہ ایک طلاق کے تین نصف تو بعض کہتے ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہونگی پر صحیح یہ ہے کہ دو طلاقیں واقع ہونگی ۱۲ ۲ اس لئے کہ ضرب سے اجزاء زیادہ ہوجاتے ہیں مضروب میں زیادتی نہیں ہوتی اور اگر ایک طلاق کے کثیر اجزا ہونے سے طلاق کی تعداد زیادہ نہوگی ۱۲ ۳ اور امام زفر کہتے ہیں کہ ایک طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ طلاق کو وصف طولانی کے ساتھ موصوف کیا اور ہم کہتے ہیں کہ وصف مختصر کے ساتھ بیان کیا ہے کیونکہ جب طلاق پڑیگی تو مر تے دم تک رہیگی شام سے دراز ہوگی اور کبھی پڑیگی پس شام تک کا ذکر کرنا لغو ہے ۱۲ ۴ کیونکہ عورت کو طلاق ساتھ پورے کل بھر میں موصوف کیا ہے تو اگر صبح سے نہ پڑیگی تو پورے کل دن بھر طلاق کے

میں اول لفظ کا اعتبار کیا جاتا ہے دوسرے کا اعتبار نہیں پس جو لفظ زبان سے اول کہا ہے اسمیں طلاق نہ پڑیگی اور اگر کہے کہ تو طلاق ہے پیشتر اس سے کہ میں تجھ سے نکاح کروں یا تو کل طلاق تھی حالانکہ اس سے نکاح آج کیا ہے تو یہ طلاق لغو ہے اسلئے کہ نکاح سے پہلے طلاق دینے کے کچھ معنی نہیں اور اگر اس سے نکاح کل سے پیشتر کر چکا تھا تو طلاق اسوقت پڑیگی اسلئے کہ گذرے ہوئے زمانے میں طلاق نہیں پڑ سکتی تو ضرور ہوا کہ جسوقت طلاق دیتا ہے اسوقت پڑے[1] اور اگر یوں کہے کہ تو طلاق ہے جسوقت میں کہیں تجھ کو طلاق نہ دوں اور یہ کہہ کر چپ ہو رہا تو طلاق پڑجاویگی اسلئے کہ جب چپ ہوا تو ایک وقت ایسا ثابت ہوا کہ اسمیں طلاق نہ دی حالانکہ وقت طلاق دینے کے قابل تھا پس اسوقت میں طلاق پڑجاویگی اور اگر یہ کہا کہ تو طلاق ہے اگر میں تجھ کو طلاق نہ دوں تو یہ طلاق نہیں پڑتی جبتک کہ ایک ان دونوں میں سے مر نہ جاوے[2] اور اگر یوں کہے کہ تو طلاق ہے اسوقت میں کہ میں طلاق نہ دوں تو طلاق ہے تو اس سے پچھلے لفظ سے طلاق پڑجاویگی اور اگر کہے کہ تو طلاق ہے جس روز کہ میں طلاق نہ دوں تو طلاق ہے تو اس سے پچھلے لفظ سے طلاق پڑجاویگی اسلیے کہ مراد مرد کی روز سے مطلق وقت تھا دن ہو یا رات[3] بخلاف اس صورت کے کہ اپنی عورت سے کہے کہ تیرا اختیار تیرے ہاتھوں میں ہے جس روز ایسا معاملہ ہوا ور اس اختیار دینے سے اسکی نیت طلاق کی ہو پھر معاملہ رات کو واقع ہو تو طلاق نہ پڑیگی اور اگر کہے کہ میں تجھ سے طلاق والا ہوں تو یہ لفظ لغو ہے اگرچہ طلاق کی نیت کرلے اس لئے کہ طلاق مرد کی طرف سے عورت کو ہوا کرتی ہے نہ مرد کو عورت کی طرف سے اور یہ کہے کہ میں تجھ سے جدا ہوں یا حرام ہوں تو عورت جدا ہو جاتی ہے[4] اور یہ کہے کہ تو طلاق والی ہے ایک طلاق سے یا نہیں یا تو طلاق والی ہے میرے مرنیکے ساتھ خواہ اپنے مرنے کے ساتھ تو یہ الفاظ لغو ہیں انسے طلاق نہیں ہوتی اور اگر شوہر عورت کے کل یا جزو کا مالک ہو جاوے یا عورت اپنے شوہر کے کل خواہ جزو کی مالک ہو تو نکاح جاتا رہتا ہے پھر اگر شوہر اپنی منکوحہ لونڈی کو خرید کر طلاق دیگا تو نہ پڑیگی اس لئے کہ خریدنے کے بعد نکاح جاتا رہا وہ عورت طلاق کی جگہ ہی نہ رہی اگر یوں کہے کہ جب ہی تیرا آقا تجھے آزاد کرے تب ہی تجھ کو دو طلاق ہیں آقا نے اسے آزاد کر دیا تو شوہر کو اس سے رجوع کر لینے کا اختیار ہے اسلیے کہ طلاق آزادی کے ساتھ پڑی تو دو

---

[1] یعنی جسوقت یہ الفاظ کہے ہیں اسوقت سے پڑیگی ۱۲ [2] کیونکہ طلاق نہ دینا اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ زندگی سے مایوس ہو جاوے ورنہ اسکو گنجائش ہے کہ آگے چلکر طلاق دیدے ۱۲ [3] لیکن اگر شوہر کہے کہ میں نے روز بولکر مخصوص دن مراد لیا تھا رات مراد نہ تھی نہ مطلق وقت مراد تھا تو اس کی بات کا اعتبار کرینگے اور رات میں نکاح کرنے سے وقوع طلاق کو نہ کہیں گے ۱۲ [4] بشرطیکہ اس کہنے سے اس نے طلاق کی نیت کی ہو اور امام شافعی کے نزدیک پہلی صورت میں بھی طلاق پڑجائیگی یعنی جب شوہر عورت سے کہے کہ میں تجھ سے طلاق والا ہوں اور نیت طلاق کی کرے تو امام شافعی کے نزدیک طلاق پڑجائیگی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

طلاق سے وہ بائن نہ ہوگی لونڈی رہتی تو وہ بائن ہوجاتی اور اگر لونڈی کا آزاد ہونا اور دو طلاقیں کل کے آنے پر مشروط کر دیجائیں تو کل کے آنے پر شوہر کو رجوع کا اختیار نہ رہیگا اور اس عورت کی عدت تین حیض ہونگی اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے اپنی منکوحہ لونڈی کو کہا کہ جب اگلی کل ہو تو تجھ کو دو طلاقیں ہیں اور اس لونڈی کے آقا نے کہا کہ جب کل ہو تو تو آزاد ہے پس جسوقت دوسرا دن ہوگا وہ عورت دو طلاق سے بائن ہوجائیگی اور رجعت کے قابل نہ رہے گی اس لیئے کہ طلاقوں کے پڑنے کے وقت وہ لونڈی تھی مگر عدت اسکی تین حیض ہونگے کہ عدت کے وقت میں بلاشبہ آزاد ہے اور آزاد کی عدت تین حیض ہیں اور فرق اول مسئلے اور دوسرے مسئلے میں یہ ہے کہ اول میں لونڈی کے آزاد ہونے کے بعد طلاق پڑتی ہے کیونکہ عرف میں اس عبارت سے یہی سمجھا جاتا ہے اور دوسرے میں آزادی سے پہلے پڑتی ہے اور اگر کہے کہ تو طالق ہے اتنی اور اشارہ تین انگلیوں سے کرے تو تین طلاقیں پڑینگی اور اگر کہے کہ تو طالق ہے بائن یا بتہ یا سب سے فاحش تر طلاق یا شیطان کی طلاق یا بدعت کی طلاق یا سخت تر طلاق یا پہاڑ جیسی یا مثل ہزار کے یا گھر بھر کر یا طلاق سخت یا لنبی یا چوڑی تو ان سب الفاظ سے ایک بائن طلاق پڑے گی بشرطیکہ تین کی نیت نہ کرے اور اگر تین کی نیت کرے تو تین پڑینگی

فصل صحبت سے پہلے طلاق دینے کے بیان میں

فصل

جو عورت غیر مدخولہ ہو یعنی شوہر نے اس سے صحبت نہ کی ہو اسکو اگر شوہر تین طلاقیں اکٹھی دیوے تو تینوں پڑجاوینگی اور اگر جدا جدا کر کے دیوے تو عورت پہلے ہی طلاق میں نکاح سے باہر ہوجاویگی اور اگر طلاق کہہ چکا اور ہنوز شمار ذکر نہ کرنے پایا تھا کہ عورت مرگئی تو وہ طلاق لغو ہوئی اس لئے کہ شوہر نے کلام پورا نہ کیا تھا تو گویا کچھ منہ سے نکالا ہی نہ تھا اور اگر کہا کہ تو طالق ہے ایک اور ایک یا ایک سے پہلے ایک یا ایک جس کے بعد ایک ہو تو ان سب صورتوں میں ایک ہی پڑے گی اس لئے کہ عورت غیر مدخولہ تھی ایک سے بائن ہوگئی دوسری کا محل نہ رہی اور اگر کہا کہ تو طالق ہے ایک کے بعد ایک طلاق سے ایک طلاق سے جس کے پہلے ایک ہو یا ایک سے جسکے ساتھ ایک ہو تو ان سب میں دو طلاقیں واقع ہوتی ہیں اسلیئے کہ دونوں ایکساتھ

---

1 یعنی عدت تین ہی ہوگی یعنی آزاد عورت کو طلاق دینے سے ہوتی ہے کیونکہ عدت میں احتیاط کیجاتی ہے اور احتیاط میں حیض ہے ۱۲ 2 لفظ اتنی کہنے سے تین انگلیوں کا اشارہ طلاق کیساتھ ملا دیا جائیگا یہانتک کہ اگر اتنی کا لفظ نہ کہا تو صرف لفظ تو طالق ہے کا اعتبار کیا جائیگا اور ایک طلاق واقع ہوگی 3 اس مسئلہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر عورت موطوءہ ہو تو ایک طلاق رجعی پڑیگی بائن یا بتہ کہنے سے ۱۲ 4 یعنی یوں کہے کہ تجھ پر تین طلاقیں ہیں تو طلاقیں پڑجائینگی اور اگر یوں کہے کہ تجھ پر طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو صرف ایک ہی پڑیگی ۱۲ 5 پس اگر عورت مدخولہ ہو یعنی اس سے صحبت کیجا چکی ہو تو ان سب صورتوں میں ایسے دو طلاقیں واقع ہونگی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔

باب۔ کنایہ کے لفظوں سے طلاق دینے کے بیان میں

پڑیں آگے پیچھے نہ پڑیں اور اگر آگے پیچھے بھیں تو بولنے سے پیشتر صرف خیال اور تصور میں تھیں اسلیئے ایکبارگی پڑیں اور اگر یوں کہے کہ جب تو داخل تو تو طالق ہے ایک اور ایک پس وہ داخل ہوئی تو ایک طلاق[1] پڑیگی اور اگر شرط کو پیچھے بولے یعنی یوں کہے کہ تو طالق ہے ایک اور ایک جب داخل ہو تو دو پڑینگی۔ باب۔ کنایہ کے لفظوں سے طلاق دینے کے بیان میں۔ کنایات سے عورت کو طلاق نہیں پڑتی مگر نیت سے یا قرینہ کے باعث اگر شوہر یہ کہے کہ تو عدت میں بیٹھ اور رحم کو صاف کر اور انت واحدۃ تو ان صورتوں میں ایک طلاق رجعی پڑتی ہے اور ان الفاظ کے سوا اگر دوسری کنایات بولیگا تو ایک طلاق بائن پڑیگی اگرچہ دو کی نیت کرے اور جائز ہی تین طلاقوں کی نیت کرنی کنایات میں اس مسئلے میں امام شافعی کا خلاف ہے کہ انکے نزدیک کنایات میں طلاق رجعی پڑتی ہے اور دلیل امام اعظم کی یہ ہے کہ طلاق بائن دینے کی ضرورت تو ہوا ہی کرتی ہے پس شوہر اپنی ملک میں اگر اس قسم کا تصرف کرے تو جائز ہوگا۔ بلکہ صریح طلاق میں بھی قیاس یہی ہے لیکن نص کی ضرورت سے صریح میں حکم رجعت کا کیا گیا ہے اور روایت کیا ہے عبدالرزاق نے کہ کنایات سے طلاق بائنہ کا واقع ہونا۔ اکثر صحابہ کا قول ہے سوائے حضرت بن عمر اور ابن مسعود کے اور امام محمد نے اپنی کتاب الآثار میں اسی طرح کہا ہے اور الفاظ کنایات کے یہ ہیں کہ تو بائن[3] اور بتہ اور بتلہ یعنی جدا ہے حرام ہے خالی ہے پاک ہے تیری دوڑ تیرے مونڈھے پر ہے اپنے میکے میں جا مل ہیں نے تجھے تیرے میکے کو دیا تجھے میں نے جدا کیا آئیں تجھ سے الگ ہوا تو جانے تیرا کام تو آزادی اختیار کر۔ گھونگٹ نکال چادر پہن چھپ جا دور ہو۔ باہر نکل چلی جا۔ اُٹھ کھڑی ہو شوہر تلاش کر۔ اگر شوہر نے تین بار کہا کہ تو حیض شمار کر اور اول سے نیت طلاق کی کی اور دو بار حیض کے شمار سے عدت مراد لی تو اس کا قول مانا جاویگا۔ اور اگر ان دو پچھلوں حیضوں کے شمار کرنے سے کچھ نیت نہ کی تو تین طلاقیں ہونگی۔ اور اگر کہا کہ تو میری بی بی نہیں یا میں تیرا خاوند نہیں اور طلاق کی نیت کی تو طلاق پڑجاویگی۔ اور طلاق صریح[4] طلاق اور بائن دونوں سے ملتی ہے اور بائن صرف صریح سے ملتی ہے نہ بائن سے مگر جس صورت میں کہ بائن کسی شرط پر موقوف ہو

---

[1] ایک طلاق کا پڑنا امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ہے اور نزدیک امام ابویوسف اور محمد رح کے احسن صورت میں بھی دو طلاقیں پڑینگی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [2] یعنی تو طالق ہے بطلاق واحد ۱۲ [3] بائن مشتق ہے بون سے جس کے معنی جدائی کے ہیں اور بتہ نکلا ہے بت سے جسکے معنے قطع کے ہیں اور بتلہ تبل سے ہے اس کے معنی بھی علیحدہ ہونیکے ہیں ۱۲۔

[4] طلاق صریح اس کو کہتے ہیں جسمیں ضرورت نیت کی نہ ہووے ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

تو اس صورت میں بائن سے بھی ملجاتی ہے اول مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو کہا کہ
میں نے تجھ کو طلاق دی یا طلاق کنایہ سے دی پھر اس طلاق کی عدت[1] میں دوسری طلاق صریح دی
تو یہ دوسری طلاق بھی پہلی طلاق سے ملجاویگی اور سب دو طلاقیں واقع ہونگی اسی طرح اگر پہلی طلاق
صریح دی اور پھر بائن دی تو وہ صریح سے ملجاویگی لیکن اگر پہلے بائن دی اور دوبارہ پھر بائن دی
تو یہ اول کے ساتھ نہ ملیگی اسلیئے کہ جب طلاق اول سے عورت جدا ہو چکی تو پھر طلاق کا محل نہ رہی
ہاں اگر پہلی طلاق بائن کسی شرط پر موقوف ہوگی تو اس کا پڑنا شرط کے ہونے پر ہوگا پہلے نہ
ہوگا۔ اس لیئے دوسری بھی اس اثنا میں پڑ سکتی ہے۔

باب۔ عورت کو طلاق کے سپرد کرنیکے بیان میں۔ اگر شوہر اپنی بی بی سے کہے کہ
اختیار کر اور اس سے نیت طلاق کی کرے اور وہ عورت اسی مجلس میں اپنے آپکو اختیار کر لے تو
ایک طلاق سے بائن ہو جائیگی۔ اور اس صورت میں اگر شوہر تین طلاقوں کی نیت کریگا تو درست نہ
ہوگی پھر اگر وہ عورت وہاں سے اٹھ جائے یا اور کام کرنے لگے تو اس کا اختیار جاتا رہیگا۔ اور اس باب میں
یعنی اختیار کے ثابت ہونے میں یہ شرط ہے کہ ذکر نفس کا یا اختیار کا دونوں میں سے ایک کے کلام میں پایا
جاوے مثلاً یا مرد کہے کہ اختیار کر اپنے نفس کو خواہ طلاق کو یا عورت کہے کہ میں نے اپنے نفس کو خواہ
طلاق کو اختیار اور اگر دونوں کے کلام میں سے کسی میں نہ پایا جاویگا تو اختیار کا ثبوت درست نہوگا اور
اگر شوہر نے عورت سے کہا کہ تو اختیار کر اور عورت نے جواب دیا کہ میں اپنی ذات کو اختیار کرتی ہوں یا
میں نے اپنی ذات کو اختیار کیا تو طلاق پڑ جاویگی اور اگر عورت سے تین بار کہے کہ اختیار کر اختیار کر
اختیار کر اور عورت جواب دے کہ میں نے اول کو یا دوم کو یا پچھلی کو اختیار کیا یا ایک اختیار کو اختیار کیا۔ تو
تینوں طلاقیں بدون نیت کے پڑ جاوینگی اور اگر کہے کہ میں نے اپنی ذات کو طلاق دے لی یا اپنی
ذات کو ایک طلاق سے اختیار کیا تو اس صورت میں ایک طلاق سے بائن ہو جاویگی اور اگر شوہر عورت

[1] تمام صورتوں میں ایک طلاق سے دوسری ملنے کے واسطے عدت شرط ہے پس یہ ملنا اس عورت کے حق میں ہو سکتا ہے کہ جس سے
صحبت کی ہو کیونکہ غیر مدخولہ کی کچھ عدت نہیں ہوتی ہے ۱۲ [2] یا یہ کہے کہ اپنے نفس پر طلاق ڈالے مگر اس صورت میں نیت طلاق کی ضرورت
نہیں کیونکہ طلاق کا لفظ صریح موجود ہے اور طلاق رجعی ہوگی مگر دونوں صورتوں میں مجلس شرط ہے کہ جس مجلس میں شوہر نے اختیار دیا
ہے اسی مجلس میں طلاق ڈالی تو پڑیگی اور اگر اٹھ کھڑی ہوئی تو صرف اٹھ کھڑے ہونے سے مجلس بدل جائیگی کیونکہ شوہر کے اس کہنے کے بعد اٹھ
کھڑا ہونا اعراض کرنیکی دلیل ہے اور ایسے ہی اگر دوسرا کام شروع کر دے تو بھی مجلس بدل جائیگی ۱۲ [3] مثلاً مرد نے کہا کہ اختیار کر
اور عورت نے کہا کہ اختیار کیا تو باطل ہے اس سے طلاق نہ پڑیگی ۱۲ [4] کیونکہ تینوں اختیار عورت کی ملک میں جمع ہو گئے بلا اول
یا سوم سوم کی ترتیب کے پس اول یا دوم یا سوم کہنے کا کچھ اعتبار نہیں پس مطلق اختیار کرنا سمجھا جائیگا اور مطلق اعتبار میں
دونوں شامل ہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

کہے کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے ایک طلاق کے باب میں یا یہ ایک طلاق اختیار کر لے اور اسکے جواب میں عورت اپنی ذات کو اختیار کر لے تو ایک طلاق رجعی پڑیگی اس لئے کہ شوہر کے کلام میں صریح لفظ طلاق کا موجود ہے - اور صریح طلاق میں حکم رجعت کا ہے اور اگر شوہر نے کہا کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے اور تین طلاقوں کی نیت کی اور عورت نے جواب دیا کہ میں نے اپنی ذات کو ایک دفعہ سے اختیار کیا - تو تین[1] طلاقیں پڑینگی اور اگر کہے کہ میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق دی یا اپنی ذات کو ایک طلاق سے اختیار کیا تو ایک طلاق سے بائن[2] ہوجاویگی - اور اگر شوہر کہے کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے آج اور پرسوں تو اس قول میں رات[3] داخل نہوگی یعنی اختیار دن کو رہیگا رات کو نہوگا اور اگر عورت اختیار اس دن کا نہ مانے تو اس روز کا اختیار باطل ہوجائیگا اور پرسوں کا اختیار اسکو رہیگا اور اگر اختیار میں شوہر نے قید آج کل کی لگائی تو اس میں رات بھی شامل رہیگی اور اگر اس روز کے اختیار کو عورت نہ مانیگی تو اس کی کل کو بھی اختیار نہ رہیگا - اس لئے کہ اختیار کے وقت میں کوئی زمانہ اختیار نہ رہنے کا نہیں[4] اور اگر اختیار دیئے جانے کے بعد عورت نے ایک دن کی دیر کی اور کھڑی نہوئی یا کھڑی تھی بیٹھ گئی یا بیٹھی تھی تکیہ لگا لیا یا تکیہ لگائے تھی بیٹھ گئی یا اپنے باپ کو مشورہ کے لئے بلایا گواہوں کو گواہ کرنے کو طلب کیا تھا یا سواری پر تھی سواری کو روک لیا تو ان سب صورتوں میں اس کا اختیار باقی رہیگا - اور اگر سواری کو چلایا تو اختیار نہ رہیگا اور کشتی کا حال گھر کا سا ہے یعنی کشتی اگرچہ چلتی ہو عورت کا اختیار باقی رہتا ہے سواری کی طرح نہیں کہ چلنے سے اختیار جاتا رہتا ہے اور اگر شوہر نے کہا کہ تو اپنے نفس کو طلاق دیدے اور اس سے کچھ نیت نہ کی یا ایک طلاق کی نیت کی اور عورت نے طلاق دے[5] لی تو ایک طلاق رجعی پڑیگی اور اگر تین طلاقیں دے لیویگی اور شوہر نے تین کی نیت کی ہوگی تو تینوں پڑجاوینگی اور اگر عورت کہے کہ میں نے اپنی ذات کو جدا کیا تو طلاق پڑجاویگی لیکن اگر کہے کہ میں نے اختیار کیا تو نہ پڑیگی اور اس اختیار دینے سے مرد رجوع کرنیکا مالک نہیں رہتا اور اختیار عورت کی مجلس تک رہتا ہے یعنی بعد اس

---

[1] کیونکہ شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کی ہے گویا کہ شوہر نے ایک اختیار میں تین طلاقیں دی ہیں پس ایک دفعہ اختیار کر لینے میں تین طلاقیں پڑجائیں گی [2] اگرچہ عورت کے قول میں طلاق کا لفظ صریح ذکر ہوا مگر چونکہ مرد کیطرف سے بائن کی سپردگی ہوئی ہے اس لئے طلاق بائن پڑیگی [3] کیونکہ اُسنے صراحۃً دو وقت ذکر کیئے اور دونوں کے درمیان میں ایک ایسا وقت فاصل ہے کہ دونوں کی جنس سے ہے اور معاملہ اُسے شامل نہیں پس یہ دونوں وقت یعنی دن الگ الگ ہوگئے اور دن کو الگ ذکر کرنے سے رات شامل نہیں ہوتی [4] پس ان دونوں صورتوں میں مسلسل ایک اختیار سمجھا جائیگا اسمیں رات بھی شامل رہیگی کیونکہ رات فاصل تو ہے لیکن دونوں کے جنس سے نہیں پس جب ایک اختیار مسلسل ہے تو ایک دن کے اختیار کو رد کر دینے سے دوسرے دن کا اختیار بھی رد ہوجائیگا [5] اور اگر دو طلاقیں دے لیویگی تو بھی ایک طلاق پڑیگی اگرچہ شوہر نے بھی دو طلاقوں کی نیت کی ہو لیکن اگر عورت لونڈی ہے اور دو طلاقیں دے لیں تو دو طلاقیں پڑجائیں گی بشرطیکہ شوہر نے بھی دو کی نیت کی ہو ۱۲

مجلس کے ہو چکنے کے اسکو اختیار طلاق کا نہیں رہتا ہاں اگر شوہر اختیار دینے میں یہ بھی کہدے کہ جب تو چاہے ایسا کر تو اس صورت میں عورت اس مجلس کے بعد بھی اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے اور اگر شوہر کسی آدمی سے کہے کہ میری منکوحہ کو طلاق دیدے تو یہ اجازت فقط اسی مجلس پر منحصر[1] نہ رہیگی اس مرد کا جب دل چاہے طلاق دیدے لیکن اگر شوہر یوں کہے کہ تو چاہے تو طلاق دیدے اس صورت میں بعد اس مجلس کے گذر جانے کے اختیار نہ رہیگا۔ اور اگر شوہر اپنی منکوحہ سے کہے کہ اپنی ذات کو تین طلاق دے لے اور عورت نے ایک طلاق دے لی تو یہ طلاق پڑ جاویگی اور اس کے الٹے میں یعنے مرد کہے کہ ایک طلاق دے لے اور عورت تین طلاقیں دے تو واقع نہوگی اور اگر مرد کہے کہ تین طلاقیں دے لے اگر چاہے اور عورت ایک دے اور مرد کہے کہ ایک دے لے اور اگر چاہے اور عورت تین دے لے اس صورت میں کچھ واقع نہ ہوگی۔ ایک نہ تین اور اگر شوہر نے اسکو طلاق بائن یا رجعی کے دینیکو کہا اور عورت نے اس کی اجازت کے برعکس کیا تو اس صورت میں وہی پڑیگی جسکی اجازت شوہر نے دی تھی اور اگر شوہر نے کہا کہ تو طالق ہے۔ اگر چاہے اور عورت نے کہا کہ میں نے چاہا اگر تو چاہے پھر شوہر نے کہا کہ میں نے چاہا اور اس کلمے سے طلاق کی نیت کی یا یہ کہ عورت نے کہا کہ میں نے چاہا بشرطیکہ ایسا ہو اور ایک امر معدوم کا نام لے یا تو دونوں صورتوں میں یہ قول باطل ہو جائے گا۔ اور اگر کسی ایسے امر کا ذکر عورت نے کیا جو گزر گیا ہو تو طلاق پڑ جاویگی اور اگر عورت سے کہا کہ تو طالق ہے جب چاہے۔ یا جب کبھی چاہے اور عورت اسکو رد کرے تو رد نہ ہوگا اور نہ مجلس پر مقید ہوگا مگر اس لفظ سے صرف ایک طلاق اپنے آپکو دے سکتی ہے۔ اور اگر شوہر نے کہا کہ جتنی بار کہ تو چاہے طالق ہے تو عورت کو اختیار ہے کہ تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ دے لے اور ایک ساتھ تین نہیں دے سکتی اور اگر اس اختیار کی رو سے بعد نئے شوہر کے پھر طلاق دیوے تو واقع نہوگی یعنی دوسرا نکاح کرکے اگر پھر شوہر اول کے پاس اتفاقاً آوے تو اسوقت وہ پہلا اختیار باقی نہیں رہتا اور اگر کہا کہ تو طالق ہے جہاں اور جسجگہ چاہے

ف۱ اور شوہر کو اختیار ہے کہ اس اجازت کو واپس لے لے کیونکہ یہ وکیل بنانا ہوا اور وکیل معزول کرنے کا موکل کو اختیار ہے ۱۲

ف۲ کیونکہ ایک کا حکم تین کو شامل نہیں اور پہلی صورت میں تین کا حکم ایک کو شامل تھا ۱۲ ف۳ کیونکہ پہلی صورت میں شوہر نے تین طلاقیں دینے کو عورت کے تین طلاقیں چاہنے پر معلق کیا ہے اور جب عورت نے ایک طلاق دی تو تین کا چاہنا نہ پایا گیا پس کچھ نہ واقع ہوگا اسی طرح دوسری صورت میں ایک طلاق دینا عورت کے ایک طلاق چاہنے پر معلق کیا گیا ہے جب اس نے تین طلاقیں دیں تو ایک کا چاہنا نہ پایا گیا۔ لہذا کچھ نہ واقع ہوگا ۱۲

ف۴ کیونکہ عورت کے چاہنے کے وقت میں مرد نے اسے طلاق دے لینے کا مالک بنایا ہے نہ دوسرے وقتوں میں پس رد کرنے کا وقت دوسرا وقت ہے چاہنے کا وقت نہیں اور دوسرے وقت میں مالک نہ تھی پس جس چیز کی مالک نہیں اسکو کیا رد کر سکیگی ۱۲ ف۵ اب پھر نئے سرے سے شوہر کی ملک میں آئی ہے شوہر کی پرانی ملک ختم ہونے سے اختیار بھی ختم ہو گیا تھا ۱۲

مفتی محمد وصی ملیح آبادی

تو طلاق نہو گی بجز اس کے کہ اسی مجلس میں چاہے اور اگر کہا کہ جس طرح چاہے اور عورت نے طلاق دے لی تو بھی پڑیگی اور اگر عورت نے طلاق بائن چاہی یا تین طلاقیں اور شوہر کی نیت بھی تھی تو وہی پڑجاویگی پڑجاویگی اور اگر شوہر نے کہا کہ تو طلاق ہے جتنی چاہے۔ اور جو چاہے اسی مجلس میں طلاق دے اور اگر عورت اس اختیار کو رد کرے تو رد ہو جاتا ہے اور اگر شوہر کہے کہ اپنی ذات کو تین میں سے جتنی چاہے طلاق دے لے تو عورت کو تین سے کم کا اختیار نہوگا یعنی ایک یا دو کے دینے کا۔

باب۔ طلاق کو کسی شرط پر مقید کرنے کے بیان میں

طلاق کا مشروط کرنا اُس صورت میں درست ہے۔ کہ شرط ملک نکاح میں واقع ہو یا خود ملک نکاح سے وابستہ ہو مثلاً شوہر اپنی منکوحہ سے کہے کہ اگر تو میرے پاس آویگی تو تو طلاق ہے تو یہ شرط لگانا عین ملک نکاح میں ہے اور اگر اجنبی سے کہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تو طلاق تو یہ شرط ملک نکاح کے ہونے پر ہوئی ہے تو ایسی صورتوں میں شرط کے بعد طلاق پڑجاتی ہے یعنی نکاح یا پاس آنیکے بعد اوپر کی مثالوں میں طلاق ہو جاویگی اور اگر اجنبی عورت سے کہا کہ اگر تو میرے پاس آویگی تو تو طلاق والی ہے پھر اس سے نکاح کیا اور وہ آئی تو طلاق نہو گی۔ اس لئے کہ شرط نہ تو نکاح میں تھی نہ خود نکاح کو شرط کیا تھا اور الفاظ شرط کے یہ ہیں۔ اگر جو۔ جو کچھ ہر چیز جتنی بار جب جب کبھی۔ ان الفاظ میں اگر شرط پائی جاویگی تو قسم تمام ہو جاویگی یعنی حکم مشروط کرنے کا ختم ہو جاویگا مگر لفظ کلما بمعنی جتنی بار میں حکم شرط کا تمام نہوگا اس لئے وہ فعلوں کے عام ہونے کو چاہتا ہے جیسے لفظ کل جس کے معنے ہر چیز ہیں اسموں کے عام ہونیکو چاہتا ہے پس اگر شوہر کہے کہ جتنے بار میں کسی عورت سے نکاح کروں تو وہ طلاق ہے تو ہر بار کے نکاح کرنے سے طلاق ہو گی گو ایک ہی عورت دوسرے شوہر کے بعد اس سے دوبارہ نکاح اور ملک نکاح کے جاتے رہنے سے شرط باطل نہیں ہوتی پس اگر شرط ملک میں پائی جاوے تو عورت طلاق ہو جاویگی اور حکم شرط کا پورا ہو جاویگا اور اگر شرط ملک نکاح میں نہ پائی جاویگی تو عورت کو طلاق نہو گی مگر حکم شرط کا اس صورت میں بھی تمام ہو جاویگا

۱؎ یعنی عورت کو اختیار ہے کہ اس مجلس میں جتنی طلاق چاہے دے لے خواہ ایک خواہ دو خواہ تین مجلس کی قید اسلئے ہے کہ شوہر فی المجلس خطاب کر کے جواب کا خواستگار ہے صرف تعداد طلاق عورت کے اختیار میں دیدی ہے ۱۲ ۲؎ اس مسئلہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے ۳؎ یا یوں کہے کہ میں جس عورت سے نکاح کروں تو وہ طلاق ہے ۱۲ ۴؎ مشروط کرنے کو مجازاً قسم بھی کہا کرتے ہیں قسم حقیقی کہتے ہیں حلال چیز کے حرام کر لینے کو اور اس سے رک جانے کو اور ایسے ہی شرط و جزا کے ذکر کرنے کو بھی قسم کہتے ہیں ۱۲ ۵؎ کیونکہ محل باقی نہیں ہے اور طلاق کے پڑنے کے لئے محل کا ہونا ضرور ہے ۱۲ ۱۲

مفتی محمد وجیہ علی مسلیم آبادی

مثلاً شوہر نے کہا کہ اگر گھر میں جاوے تو تجھے طلاق ہے تو اگر وہ عورت نکاح کی حالت میں جاوے گی تو طلاق بھی پڑیگی اور شرط بھی جاتی رہیگی اور اگر نکاح نہ رہنے کے بعد عورت گھر میں جاویگی تو طلاق بھی نہ پڑیگی اور شرط بیکار ہو جاویگی یعنی آیندہ اگر بعد نکاح کے وہ عورت پھر گھر میں جاوے گی تو پہلی شرط کی رو سے اسکو طلاق نہ پڑیگی اور اگر شرط کے واقع ہونے میں عورت و مرد اختلاف کریں[1] تو مرد کی بات معتبر ہوگی مگر جس صورت میں کہ عورت گواہ اپنے دعوے کے پیش کرے تو اسی کا معتبر ہوگا اور جو امور ایسے ہیں کہ وہ عورت ہی کے بتانے سے معلوم ہیں انمیں عورت ہی کا قول معتبر ہوگا مگر خاص اسی کے باب میں مثلاً اگر شوہر نے کہا کہ جب تو حیض سے ہو تو تو اور فلانی عورت طالق ہے یا یہ کہا کہ اگر تو مجھ سے محبت رکھتی ہے تو تو اور فلانی عورت طالق ہے پس عورت نے کہا کہ میں حیض سے ہوئی یا میں تجھ سے محبت رکھتی ہوں تو اس صورت میں صرف وہی عورت طالق ہوگی دوسری پر صرف اسکے کہنے سے طلاق نہ پڑیگی[2] اور جس صورت میں کہ طلاق کو حیض پر مشروط کیا ہو تو بفور خون دیکھنے کے طلاق نہ پڑیگی[3] پس اگر خون تین دن تک رہیگا تو طلاق اسی وقت سے پڑے گی جب سے خون دیکھا ہوگا اور اگر یہ کہا ہوگا کہ اگر تجھ کو ایک حیض آوے تو طلاق ہے تو اس صورت میں طلاق اسوقت پڑیگی جب وہ حیض سے پاک ہوگی اس لیے کہ ایک حیض سے حیض کامل مراد ہوتا ہے اور اگر شوہر نے کہا کہ تیرے لڑکا پیدا ہو تو ایک طلاق سے طالق ہے اور اگر تیرے لڑکی ہو تو دو طلاقوں سے پس اس عورت کے لڑکا اور لڑکی توام[4] پیدا ہوئے اور یہ معلوم نہوا کہ اول کون ہوا تو قاضی کے حکم کی رو سے تو اسپر ایک طلاق پڑیگی اور احتیاط کی رو سے دو پڑینگی[5] اور عدت بھی اس کی گذر جاویگی اس لیے کہ اول بچہ ہونے سے تو اسکو طلاق پڑ گئی اور دوسرے کے ہونے پر عدت پوری ہو گئی کیونکہ حاملہ عورت کی عدت بچہ ہونے تک ہوتی ہے اور ملک نکاح دو شرطوں میں سے پچھلی کے لئے شرط ہے مثلاً اگر کہے کہ تو زید اور عمر سے

ف۱ یعنی عورت کہے کہ شرط پائی گئی اور طلاق پڑنا چاہیے اور مرد انکار کرے کہ شرط نہیں پائی گئی اور طلاق نہیں پڑی تو اس صورت میں عورت کو مدعی اور مرد کو مدعا علیہ قرار دیں گے اور مدعی سے گواہ طلب کئے جاتے ہیں اگر مدعی نے گواہ گذران دیئے تو اس کا دعوے ثابت ہو جاتا ہے ورنہ مدعا علیہ کی بات کا اعتبار کرتے ہیں ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی۔ ف۲ کیونکہ ایسی شرط ہے جس کو وہی عورت جان سکتی ہے پس وہ عورت اپنے حق میں امانتدار سمجھی جائیگی اس کی بات کا اعتبار کرینگے مگر دوسری عورت کے حق میں گواہ سمجھی جائیگی بلکہ متہم سمجھیں گے۔ کیونکہ سوت کا معاملہ ہے اس لئے دوسری کے حق میں اس کی بات معتبر نہ ہوگی ۱۲ ف۳ کیونکہ جب تک تین دن خون نہ آوے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خون حیض ہے اس لئے کہ کم سے کم مدت حیض کی تین دن ہیں جو اس سے کم ہو تو وہ استحاضہ ہے۔ پس تین دن خون رہنے کے بعد ابتداء سے اس کے حیض ہونے کا حکم لگائیں گے اسی وقت ابتداء سے طلاق پڑے گی۔ ف۴ توام کہتے ہیں ایک حمل سے دو لڑکے پیدا ہوں کہ ان کے درمیان میں چھ مہینے یا اس سے زیادہ فصل نہ ہو ۱۲ ف۵ یعنی اگر پہلے لڑکا پیدا ہوا تو ایک طلاق پڑے گی اور اگر لڑکی پیدا ہوئی دو طلاق پڑیں تو ایک طلاق پڑنا یقینی ہے دوسری میں شک ہے لہذا شک کی وجہ سے قاضی دوسری طلاق کا حکم نہ دیگا مگر احتیاط یہ ہے کہ دو طلاقیں سمجھی جائیں کہ خدا جانے پہلے لڑکی ہی پیدا ہوئی ہو۔

کلام کریگی تو توطلاق ہے بعد اسکے اس عورت کو دوسری طلاق دیکر بائن کر دیا اور اس عورت نے زید سے کلام کیا پھر شوہر اوّل نے اُس سے نکاح کر لیا پھر اس نے عمرو سے کلام کیا تو طلاق پڑجاویگی اور اگر زید سے کلام کرنے کے وقت تو نکاح میں ہو اور عمرو سے کلام کرنے کیوقت منکوحہ نہ ہو تو طلاق نہ پڑیگی اور اگر تین طلاقوں کو ایک شرط پر موقوف کیا اور پھر تین طلاقیں اسی وقت دیدیں تو پہلی شرط اس سے باطل ہو جاویگی۔ اور اگر تین طلاقوں کو یا لونڈی کے آزاد ہونیکو صحبت پر مشروط کیا تو صحبت[1] کے وقت زیادہ ٹھہرنے سے اُجرت زنا کی دینی نہ پڑیگی اور طلاق رجعی کی صورت میں اس سے زیادہ ٹھہرنے سے رجعت ثابت نہوگی ہاں اگر اپنے ذکر نکال کر دوبارہ داخل کریگا تو رجعی کی صورت میں رجعت ثابت ہوگی اور اول صورت میں زنا کی اُجرت دینی پڑیگی اس لئے کہ صحبت کرنے میں ایک ہی حال پر زیادہ توقف کرنا دوسری بار صحبت کرنا نہیں کہ اس سے اُجرت یا رجعت درست ہو اور شوہر کہے کہ فلانی عورت سے میں تیرے اوپر نکاح کروں تو اسکو طلاق ہے پھر منکوحہ کو طلاق بائن دیکر اس عورت سے نکاح کیا تو اسکو طلاق نہ پڑیگی اس لئے کہ شرط نہیں پائی گئی۔ کیونکہ طلاق بائن کے بعد حکم نکاح کا باقی نہیں رہتا گو کہ عورت عدت میں ہو اور اگر مرد نے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے انشاء اللہ اور کلمہ انشاء اللہ ملا کر کہا تو طلاق نہ پڑیگی[2] اگرچہ عورت انشاء اللہ کہنے سے پہلے مرجائے اور اگر شوہر کہے کہ تجھ کو ایک کم تین طلاقیں ہیں تو دو پڑینگی اور ایک کم دو[3] کہیگا تو ایک پڑیگی اور اگر کہے کہ تین کم تین طلاقیں ہیں تو تین پڑیں گی اس لئے کہ ایک یا دو کا نکالنا تین میں سے ہو سکتا ہے مگر تین کو تین میں سے نکالنا ناممکن ہے اسواسطے استثنا لغو ہو گیا اور تین طلاقیں پڑگئیں۔

باب۔ بیمار کے طلاق دینے کے بیان میں۔ اگر شوہر اپنے مرض میں منکوحہ کو طلاق رجعی یا بائن دے اور اسکی عدت میں مرجائے تو وارث نہ ہوگی۔ اور اگر بعد عدت کے مرے تو وارث نہوگی اور اگر طلاق بائن عورت کی اجازت سے یا عورت مال دیکر طلاق لے لیوے یا شوہر کے اختیار دینے کی جہت سے وہ اپنی ذات کو اختیار کر لے تو وارث نہوگی اور جس صورت میں کہ عورت[4] شوہر

[1] یعنی مجرد عورت اور مرد کے ختنہ ملنے سے طلاق واقع ہو جائیں گی اور لونڈی آزاد ہو جائیگی پس اگر اندر ہی داخل رکھا تو اُسے زنا نہیں کہیں گے جبتک کہ نکالکر پھر داخل نہ کرے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [2] کیونکہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے طلاق دی یا آزاد کیا اور متصلاً انشاء اللہ تعالیٰ کہدیا تو طلاق یا آزادی نہ واقع ہوگی۔ نیز خدا کی مشیت پر معلق کیا ہے اور خدا کی مشیت کا علم نہیں لہذا طلاق واقع نہوگی ۱۲ [3] اور ایسے اگر دو کم تین کہیگا تو بھی ایک طلاق پڑے گی ۱۲ [4] امام شافعی کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ طلاق بائن میں وارث نہ ہوگی کیونکہ زوجیت کے سبب سے وارث ہوتی اور زوجیت باطل ہو گئی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

سے کہے کہ مجھ طلاق رجعی دیدے اور شوہر اسکو تین طلاقین دیدے تو وارث ہوگی۔ اور اگر شوہر اپنے مرض میں عورت کی اجازت سے اسکو بائن کردے یا حالت صحت میں اسکو بائن کردے اور عدت ہو چکنے پر مرد و عورت ایک دوسرے کو سچا کہہ چکنے ہوں پھر شوہر عورت کے قرض کا اپنے ذمے اقرار کرے یا اسکو کسی قدر مال دینے کی وصیت کرے تو عورت کو قرضہ خواہ وصیت اور ترکہ میں سے جو کم ہوگا۔ وہ ملیگا یعنی جو کچھ اُس نے اقرار کیا ہو یا وصیت کی ہو اگر وہ ترکہ کے حصہ سے کم ہو تو وہ ملیگا نہیں تو ترکہ میں کا حصہ ملیگا اور جو شخص دوسرے کو لڑنے کے لئے بلاوے یا قصاص میں مارا جانیکو خواہ سنگسار کیا جانیکو پیش ہوا اور اس صورت میں اپنی منکوحہ کو بائن کردے تو وارث ہوگی بشرطیکہ اُسی صورت میں مارا جاوے یا مرجاوے اور اگر گھر گیا ہو یا لڑائی کی صف میں ہو اور اپنی بی بی کو بائن کردے تو اس صورت میں مرجانے سے وہ عورت وارث نہوگی۔ اس لئے کہ اسمین مرجانا یقینی نہیں اور پہلی دونوں صورتوں میں مرنا یقینی ہے اور اگر شوہر نے اپنی عورت کی طلاق کو کسی اجنبی مرد کے کام پر مشروط کیا مثلاً کہا کہ زید اگر سفر سے آوے تو تو بائن ہے۔ یا کسی وقت کے آنے پر مشروط کیا مثلاً کہا کہ ماہ رمضان آوے تو تو بائن ہے اور شرط کا وجود اور مشروط کرنا دونوں مرض ہی میں ہوں یا مشروط کیا خاص اپنے کام پر اور عین مرض میں مشروط کرنا اور اس کام کا کرنا پایا گیا خواہ شرط کا ہونا ہی مرض میں پایا گیا اور مشروط پہلے کیا تھا یا عورت کے ایسے فعل پر مشروط کیا کہ جسکو خواہ نخواہ کرنا پڑے مثلاً کہدیا کہ اگر تو کھاوے گی یا پیوے گی تو بائن ہو جاویگی اور اسمیں خواہ دونوں باتیں مرض میں ہوں یا صرف شرط کا وجود مرض میں ہو تو ان سب صورتوں میں وارث ہوگی اور انکے سوا اور صورتوں میں وارث نہوگی اور اور اگر اپنی بی بی کو مرض میں بائن کردیا پھر اچھا ہو گیا اور اسکے بعد مر گیا یا بائن کر چکا تھا۔ اور وہ عورت مرتد ہو گئی اور پھر مسلمان ہو گئی اُسکے بعد شوہر مرا تو ان صورتوں میں وارث نہوگی اور اگر عورت شوہر کے لڑکے سے ہمبستر ہو گئی یا شوہر سے لعان کیا یا شوہر نے بحالت مرض اس سے

ف۱ حاصل یہ ہے کہ عورت کیجانب سے جب جدائی کی رضامندی پائی جاوے اُسوقت جدا ہونے سے یہ نہ سمجھا جاویگا کہ مرد عورت کو وارث بنانے سے انحراف کر کے جدا کر رہا ہے لہذا وارث نہوگی اور جسوقت یہ بات سمجھی جاوے کہ عورت جدائی کی خواستگار نہیں اُسکو وارث بنانے سے منحرف ہو کر جدا کر رہا ہے لہذا وارث ہوگی اور طلاق رجعی کا طلب کرنا جدائی کی خواستگاری نہیں ۱۲ ف۲ کیونکہ اکثر لوگ فوج میں ہوتے ہیں یا مقید و محصور ہو جاتے ہیں اور صحیح و سلامت رہتے ہیں ۱۲ ف۳ اس کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ ایسا کام ہے جسکے کئے بغیر چارہ نہیں یا ایسا ہے جس کے بغیر چارہ ہے اور ہر صورت میں یا مشروط کرنا صحت میں تھا اور شرط کا پایا جانا مرض میں ہو ان سب صورتوں میں سمجھا جائے گا کہ مرد عورت کو وارث بنانے منحرف ہے۔ پس عورت وارث ہوگی ۱۲ ۱۲ ۱۲
ف۴ اگرچہ اس مرض میں مرا ہے کہ جس مرض میں عورت کو بائن کیا تھا۔ کیونکہ مرتد ہونے سے وارث بننے کی اہلیت نہیں رہتی پھر عورت اسلام لائی اور مرد نے عدت ہی کے اندر انتقال کیا لیکن درمیان میں ارتداد آچکا اسلئے وارث نہوگی ۰

ایلا کیا تو وارث ہوگی اور اگر ایلا بحالت صحت کیا تھا اور ایلاء کے باعث حالت مرض میں بائن ہوئی تو وارث نہ ہوگی اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس صورت میں شوہر کا طلاق دینا اس وجہ سے معلوم ہوتا ہو کہ عورت کو وارث کرنے سے گریز کرتا ہے تو اس صورت میں عورت وارث ہوگی اور اگر وہ وارث کرنے سے گریز نہیں کرتا اور نہ احتمال گریز کا ہو تو وارث نہ ہوگی۔

باب رجعت کے بیان میں

باب۔ رجعت یعنی طلاق کے بعد عورت سے شوہر کے رجوع کرنے کے بیان میں۔ رجعت اس بات کو کہتے ہیں کہ جو نکاح مرد و عورت میں قائم ہوا تھا اس کو عدت کے دنوں میں جوں کا توں بنا رکھیں اور یہ رجعت اس صورت میں درست ہے کہ عورت کو تین طلاقیں نہ ہوئی ہوں اگرچہ عورت رجعت پر راضی نہ ہو اور صورت اس کی یہ ہے کہ شوہر طلاق کے بعد عدت میں منکوحہ سے کہدے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا اوروں سے کہدے کہ میں نے اپنی منکوحہ سے رجعت کی اور ایک یہ ہے کہ جن افعال سے حرمت دامادی ثابت ہے وہ فعل بی بی کے ساتھ کرے مثلاً شہوت سے ہاتھ لگاوے یا بوسہ لے یا اسکی شرمگاہ کو دیکھے غرضکہ رجعت قول سے بھی ہوتی ہے اور فعل سے بھی اور مستحب ہے کہ رجعت کے لئے گواہ کر دے اگر شوہر نے عدت ہو چکنے کے بعد عورت سے کہا کہ میں نے عدت میں تجھ سے رجعت کر لی اور عورت نے اسکی تصدیق کی کہ ٹھیک ہے۔ تو رجعت درست ہے اور اگر تصدیق نہ کی تو درست نہ ہوگی جیسے اس صورت میں کہ شوہر اس سے کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی اور وہ جواب دے کہ میری عدت ہو چکی تو رجعت درست نہ ہوگی اور اگر لونڈی کا شوہر عدت کے بعد اس سے کہے کہ میں نے عدت میں تجھ سے رجعت کر لی تھی۔ اس بات کی تصدیق اس کے آقا نے کی مگر لونڈی نے اسکو جھٹلایا یا لونڈی نے شوہر کے رجوع کرنیکے وقت کہا کہ میری عدت پوری ہو چکی اور اس کے آقا اور شوہر نے اس کا قول نہ مانا تو ان صور توں میں لونڈی کا قول معتبر ہے۔ یعنی رجعت درست نہیں اور حکم رجعت کا اس وقت جاتا رہتا ہے جبکہ عورت حیض اخیر سے پاک ہو جاتی ہے پھر اگر دس روز پر پاک ہوئی تو بغیر پاک ہو چکنے کے وقت

۱؎ یا ایک طلاق بائن ہو گی جیسا کہ طلاق بالکنایہ میں ایک طلاق سے بائن ہونا گذر چکا ہے صریح ایک طلاق یا دو طلاق میں رجوع کر سکتا ہے اور نکاح جدید کی ضرورت نہیں مگر ایک یا دو طلاق بائن میں جدید نکاح کرنا پڑیگا ۱۲ ۲؎ اور اگر گواہ نکرے تو اس کی رجعت صحیح ہو جائیگی اور یہ بھی مستحب ہے کہ عورت کو رجعت کی اطلاع دیدے تاکہ وہ کہیں نکاح کرے ۱۲ ۳؎ کیونکہ عدت گذرنیکی خبر میں عورت کو دیانتدار سمجھیں گے اسلئے کہ عدت گذرنا ایک ایسا امر ہے جو عورت کو بتلانے سے معلوم ہو سکتا ہے بس خبر دینے سے پہلے اسکی عدت کو ختم سمجھیں گے اس لئے رجعت درست نہ ہوئی ۱۲ ۴؎ یعنے اخیر حیض میں جب عورت پاک ہو لے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دس روز حیض آکر پاک ہوئی دوسری یہ کہ دس دن سے کم میں پاک ہوئی پہلی صورت میں خون بند ہوتے ہی عدت ختم ہو جائیگی رجعت پھر صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس سے زیادہ خون حیض آنے کی امید نہیں دوسری صورت میں چونکہ خون حیض آنے کا احتمال ہے اس لئے جب تک غسل نہ کرلے یا وقت کامل نماز کا نہ گذر جائے عدت ختم نہ ہوگی اس عرصہ میں اگر رجوع کرلے گا تو رجعت صحیح ہو جائیگی ۱۲ مفتی محمود وصی علی سلمہ اللہ تعالیٰ

رجعت جاتا رہا گو غسل نکیا ہو۔ اور اگر دس روز سے کم میں پاک ہوئی تو غسل تک وقت رجعت رہیگا یا یہ کہ پاک ہونے کے بعد ایک وقت نماز کا گذر جاوے یا اتنا وقت گذر جاوے کہ اسمیں عورت نہا کر نماز کی نیت کر لے۔ یا وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے جس صورت میں کہ پانی پر قادر نہ ہو اور اگر عورت نے غسل کیا اور ایک عضو سے کم کو دھونا بھول گئی تو حق رجعت[1] نہ رہیگا اور اگر عضو کامل کو دھونا بھول گئی ہو تو حق رجعت باقی رہیگا اس لئے کہ ابھی پورا غسل نہیں کیا اور اگر شوہر اپنی عورت حاملہ یا بچے والی کو ایک طلاق دے اور کہے کہ میں نے اس سے صحبت نہیں کی یعنی ایک طلاق سے یہ بائن ہو گئی تو وہ اس صورت میں عورت سے رجعت کر سکتا ہے اسلئے کہ عورت کا حاملہ خواہ بچہ والی ہونا شوہر کو جھوٹا کرتا ہے۔ اور اگر عورت سے خلوت کرے اور کہے کہ میں نے صحبت[2] نہیں کی بعد اس کے ایک طلاق دی تو رجعت نہ کرے اسلئے کہ ممکن ہے کہ خلوت میں صحبت نہ کی ہو تو ایک ہی طلاق سے بائن ہو جاویگی پس اگر اسی صورت میں رجعت کی اور رجعت کے بعد اس عورت کے دو برس سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو وہ رجعت درست ہوگی اسلئے کہ جب دو برس[3] سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو معلوم ہوا کہ وقت رجعت کے حمل موجود تھا اور شوہر کا یہ کہنا کہ میں نے صحبت نہیں کی غلط تھا اور عورت ایک طلاق سے بائن نہیں ہوئی تھی اسلئے اس کی رجعت درست ہوئی اگر شوہر نے اپنی منکوحہ سے کہا کہ اگر بچہ جنے تو تو طالق ہے پھر اسکے بچہ پیدا ہوا تو یہ دوسرا بچہ رجعت کا باعث ہوگا اس طلاق سے جو اول بچہ جننے پر اسکو ہوئی تھی اور اگر شوہر نے یوں کہا کہ جتنی بار تو بچہ جنے تو تو طالق ہے پھر اسکے تین بچے علیحدہ علیحدہ حمل سے ہوے تو دوسرا اور تیسرا بچہ پہلی دو طلاقوں سے رجعت کے سبب ہونگے۔ اس لئے کہ پہلے بچے کے ہونے پر شرط کے موجب اسپر طلاق ہوئی اور حمل دوسرے بچے کا اسی رجعت کا سبب ہوا پھر دوسرے بچے کے پیدا ہونے پر دوسری طلاق ہوئی تیسرے کا حمل اس رجعت کا سبب ہوا پھر تیسرے کے پیدا ہونے پر طلاق گاڑھی[4] پڑ گئی اب رجعت نہیں ہو سکتی اور جس عورت کو طلاق رجعی ہوئی وہ اپنا بناؤ سنگار کرے تاکہ شاید اس کا شوہر اس سے رجوع کر لے اور مستحب ہے کہ

١ کیونکہ ایک عضو سے کم پر جلد خشکی دوڑ جاتی ہے پس پانی نہ پہنچنے کا یقین نہیں کیا جا سکتا لہذا رجعت ثابت نہو گی اسی میں احتیاط ہے ١٢ ٢ یہ کہنا رجعت کے حق میں معتبر ہوگا کیونکہ رجعت خالص اس کا حق ہے پس عورت کو غیر مدخولہ سمجھینگے اور رجعت کا حق زائل ہوگا بخلاف مہر کے اسکے حق میں یہ کہنا کافی نہو گا کیونکہ مہر کا موکد ہونا فرج کی سپردگی سے ہوتا ہے اور جب خلوت صحیحہ ہوئی تو عورت نے فرج سپرد کر دی شوہر قبضہ کرے یا نکرے اس کا فعل ہے مگر مہر پورا دینا پڑیگا ١٢ ٣ کیونکہ شرع میں حمل کی مدت زائد سے زائد دو برس ہیں ١٢ ٤ طلاق گاڑھی سے مراد طلاق مغلظہ تین طلاقیں ہوتی ہیں اسکے بعد شوہر اس سے رجوع نہیں کر سکتا اور نہ بغیر حلالہ کے نکاح کر سکتا ہے اور حلالہ یہ ہے کہ عورت عدت ختم ہونے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرے وطی کرائے پھر دوسرا شوہر اسے طلاق دے یا مر جاوے اور عورت اسکی عدت طلاق یا وفات پوری کرے ١٢ مفتی محمد وجیہ علی ملیح آبادی

شوہر بدون اطلاع[۱] اس کے پاس نہ جاوے۔ اور جبتک اس سے رجعت نہ کر لے تب تک اسکے ساتھ سفر نہ کرے اور طلاق رجعی سے صحبت کرنا حرام نہیں ہوتا۔ مگر عدت کے بعد البتہ حرام ہے اور جو عورت کہ بائن ہوئی ہو بشرطیکہ آزاد ہو اور دو سے بائن ہوئی ہو اُس صورت میں کہ لونڈی ہو وہ شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی جبتک کہ دوسرے شوہر سے نکاح صحیح نہ کر لے اور وہ دوسرا اس سے صحبت نہ کر چکے اگرچہ وہ مرد قریب بالغ ہونیکے ہو اور پھر وہ دوسرا اسکو طلاق دے اور اسکی عدت پوری ہو جاوے تو البتہ شوہر اول اس سے نکاح کر سکتی ہے۔ صحبت کرنا مالک کے باعث یعنی شوہر اگر اپنی منکوحہ لونڈی کو دو طلاقیں دے اور بعد عدت کے اس کا مالک اس سے صحبت کرے تو اس صحبت سے یہ عورت اپنے شوہر کو حلال نہیں ہوگی بلکہ صحبت کیلئے نکاح شرط ہے۔ اور مکروہ ہے حلال کرنے کی شرط سے نکاح کرنا یعنی اس طرح کہ بعد نکاح کے طلاق دیدونگا ہر چند دوسرے شوہر کے طلاق دیدینے سے شوہر اول پر وہ عورت حلال ہو جاتی ہے گو نکاح حلالہ کرنے کی شرط سے کیا ہو تاہم ایسی شرط سے نکاح کرنا مکروہ ہے اور دوسرا شوہر پہلے شوہر کی طلاق کا حکم دور کر دیتا ہے بشرطیکہ طلاقیں تین سے کم ہوں یعنی جب عورت دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور اس کی طلاق کے بعد پھر اول شوہر کی نکاح میں آوے تو شوہر اول تین طلاقوں کا مالک ہو جاویگا اور اگر تین طلاقوں والی خبر دے کہ شوہر اول اور شوہر دوم کی طلاق کی عدتیں ہو چکیں اور زمانہ اتنا ہو کہ اسمیں دونوں عدتیں ہو سکتی ہوں تو شوہر اول کو اختیار ہے اسکی بات مان لے اگر ظن غالب اسکو ہو کہ یہ سچ کہتی ہے یعنی اُس سے اس صورت میں نکاح کر سکتا ہے۔

باب۔ ایلاء کے بیان میں۔

ایلاء کے معنی لغت میں قسم کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں

۲۴ وہ شوہر سے نکاح عدت میں اور بعد عدت کے کر سکتی ہے مگر جو تین طلاقوں سے بائن ہوئی ہو۔

[۱] یعنی مطلقہ رجعی کے پاس اطلاع کرکے جانا مستحب ہے اُس صورت میں کہ ارادہ رجعت کا نہ رکھتا ہو کیونکہ شاید ہی کہ وہ عورت ننگی ہو اور اسکی نظر ایسے مقام پر پڑ جاوے جس سے رجعت ہو جاوے تو پھر اُسے طلاق دینا پڑے گی اسمیں عورت کو ضرر پہونچے گا کیونکہ اس کی عدت طویل ہو جاویگی اور دوسری طلاق کے بعد سے تین حیض پورے ختم کرنا پڑیں گے اور اگر رجعت کا ارادہ ہو تو اطلاع کی حاجت نہیں ۱۲ [۲] یا مر جاوے ۱۲ [۳] جاننا چاہیئے کہ دوسرے شوہر کی صحبت اول شوہر کی تین طلاقوں کو سب کے نزدیک ختم کر دیتی ہے یہاں جو قید تین سے کم کی لگائی اس لئے کہ امام محمد کے نزدیک تین سے کم کو دور نہیں کرتی انکے نزدیک شوہر اول دوبارہ نکاح کرنے سے باقی کا مالک ہو جاتا ہے کہ پہلے اگر ایک دی تھی تو دو کا مالک رہیگا اور شیخین کے نزدیک تین کا مالک ہو جاتا ہے ہر حال میں ۱۲ [۴] صاحبین کے نزدیک کم سے کم انتالیس روز ایک عدت گذرنے کے لئے کافی ہیں کیونکہ تین حیض اور ان کے درمیان دو طہروں کی ضرورت ہے کم سے کم حیض تین دن کا ہوگا۔ اس لئے تین حیض نو دن میں اور کم سے کم طہر پندرہ دن کا ہوگا اور دو طہر تیس دن میں ہو سکتے ہیں پس انتالیس دن میں ایک عدت تمام ہو سکتی ہے ۱۲ مفتی محمود حسن صاحب ملیح آبادی ۱۲

یہ ہیں شوہر کا قسم کھانا اپنی منکوحہ سے چار مہینے[1] یا اس سے زیادہ صحبت نہ کرنے پر ایلا کہلاتا ہے مثلاً یوں کہے کہ خدا کی قسم میں تجھ سے چار مہینے صحبت نکروں گا یا یہ کہے کہ بخدا میں تجھ سے صحبت نکروں گا پس اگر قسم مدت معین کی کی اور مدت چار ماہ میں صحبت کی تو کفارہ دے اپنی قسم کا۔ اور ایلا جاتا رہیگا اور اگر صحبت نکریگا تو عورت نکاح سے جدا[2] ہو جاویگی اور قسم جاتی رہیگی یعنی کفارہ لازم نہوگا اگر چار مہینے کیلئے قسم کھائی ہو اور اگر ہمیشہ کیلئے کھائی ہو تو قسم باقی رہتی ہے یعنی جس صورت میں یوں کہا کہ بخدا تجھ سے صحبت نہ کروں گا اور چار مہینے تک صحبت نہ کی اور وہ عورت نکاح سے باہر ہو گئی اور پھر شوہر نے اُس سے دوبارہ[3] نکاح کیا تو حکم قسم کا باقی ہے یعنی اگر چار مہینے کے اندر صحبت کریگا تو کفارہ لازم آویگا پھر اگر اس سے دوسری بار اور تیسری بار نکاح کیا اور دونوں دفعہ مدت چار چار مہینے کی بدون صحبت گذر گئی تو وہ عورت دو اور طلاقوں سے بائن ہو جاویگی پھر اگر بعد دوسرے شوہر کے نکاح کے اُس سے نکاح کیا تو طلاق نہوگی اور اگر اُس سے صحبت کرے تو کفارہ دے قسم کے باقی رہنے کی جہت سے۔ صورت مسئلے کی یہ ہے کہ اپنی بی بی سے ایلا کرے اور چار مہینے کی مدت میں اس سے صحبت نہ کرے تو وہ بائن ہو جاویگی اور اگر دوبارہ اس سے نکاح کرے اور چار مہینے اس سے ہمبستر نہو تو پھر ایک طلاق سے بائن ہو جاوے گی اسیطرح اگر تیسری دفعہ نکاح کر کے چار مہینے قربت نکرے تو پھر ایک طلاق سے بائن ہو جاویگی اب چونکہ طلاقیں تین ہو گئیں بدون نکاح دوسرے شوہر کے حلال نہوگی پس اگر بعد نکاح و طلاق شوہر ثانی کے پھر اس عورت سے نکاح کرے تو ایلا کا حکم نرہیگا[4] اور قسم باقی رہیگی یعنی اگر اس سے صحبت نکریگا تو بائن نہ ہوگی اور اگر صحبت کریگا تو کفارہ دینا پڑے گا اور چار مہینے سے کم مدت میں ایلا[5] معتبر نہیں یعنی اگر ترک صحبت کی قسم چار مہینے سے کم پر کھاویگا اور اس مدت میں صحبت نکریگا تو طلاق نہ پڑیگی لیکن اگر صحبت کریگا تو کفارہ دینا پڑے گا اور اگر شوہر نے کہا کہ بخدا دو مہینے یا اور دو مہینے انکے بعد تجھ سے صحبت نکرونگا تو یہ ایلا ہو گیا اس لئے کہ چار مہینے ہوئے اگرچہ انکو دو دفعہ میں بیان کیا اور اگر پہلے یوں کہا کہ واللہ تجھسے دو مہینے صحبت نکرونگا پھر ایک روز[6] ٹھیر گیا اور اسکے بعد کہا کہ بخدا تجھ سے پہلے دو مہینوں کے دو مہینے اور

ف۱ کیونکہ فرمایا اللہ تعالی نے للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر الآیۃ یعنی جو لوگ قسم کھاتے ہیں اپنی عورتوں سے چار مہینے کے رہنے کی آخر آیت تک پس معلوم ہوا کہ شرع میں چار مہینے سے کم کی قسم کھانے میں ایلا نہوگا ۱۲ ف۲ امام شافعی رح کے نزدیک قاضی جبتک جدا نہ کریگا جدا نہوگی انکے نزدیک جدائی کے لئے قاضی کا فیصلہ شرط ہے ۱۲ ف۳ دوسری بار ایلا شروع ہونے کیلئے دوبارہ نکاح شرط ہے کیونکہ بائنہ ہونے کیلئے دوبارہ نکاح شرط ہے کیونکہ بائنہ ہونے سے شک جاتی رہی اب جب نکاح کریگا تب ایلا شروع ہوگا ۱۲ ف۴ کیونکہ اب جدید ملک میں تین طلاقوں کا مالک ہوا ہے اور ایلا سے قدیم ملک طلاقیں ختم ہو چکیں ۱۲ ف۵ فرمایا حضرت عبداللہ بن عباس نے کہ چار مہینے سے کم میں ایلا نہیں ہوتا ہے ۱۲ ف۶

ف۶ قید ایک روز کی اتفاقی ہے ایک ساعت ٹھیرنیکا بھی یہی حال ہے ۱۲

صحبت مکرر نہ ہوگا یا یوں کہے کہ تجھ سے ایکدن کم برس روز صحبت نکروں گا یا یہ قسم بصرہ میں کھاوے کہ میں کوفہ میں نجاونگا اور اس کی منکوحہ کوفہ میں ہو تو ان صورتوں میں ایلا نہیں ہوتا اور اگر شوہر نے صحبت کو حج یا روزہ یا صدقہ یا آزاد کرنے یا طلاق پر مشروط کیا مثلاً یوں کہا کہ اگر میں صحبت کروں تو مجھ پر حج یا روزہ یا صدقہ لازم ہے یا رجعی طلاق والی سے ایلا کرے تو ان سب صورتوں میں ایلا کرنیوالا ہوگا۔ لیکن اگر طلاق بائن والی عورت یا اجنبی عورت سے ایلا کریگا تو درست نہوگا اور لونڈی منکوحہ کی ایلا کی مدت دو مہینے ہیں اور اگر ایلا کرنیوالا اپنی بیماری یا عورت کے مرض یا اس کی شرمگاہ کے بند ہونے یا اس کے صغیرسن ہونے یا فاصلہ دراز پر ہونے کی جہت سے اس سے صحبت نکر سکے تو ایلا سے رجوع کرنا یوں ہوسکتا ہے کہ اپنی زبان سے کہدے کہ میں نے اپنی منکوحہ سے رجوع کی اور اگر چار مہینے کی مدت میں صحبت پر قادر ہوجاوے تو رجوع کرنا صرف صحبت سے یعنی چار مہینے کے اندر اگر یہ موانع برطرف ہوں تو زبانی رجوع کا اعتبار نہیں بلکہ صحبت کرنی چاہیے اگر شوہر نے اپنی منکوحہ سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے اور اس عورت کے حرام ہونیکو اپنے اوپر نیت کی یا نیت کچھ نہ کی تو اس جملے سے ایلا ہوجائیگا اور اگر اس سے ظہار کی نیت کرے گا تو ظہار ہوگا اور اگر جھوٹ کی نیت کریگا تو جھوٹ ہوگا اور طلاق کی نیت کریگا تو بائن طلاق ہوگی اور تین طلاقوں کی نیت کرے گا تو تین پڑینگی اور قول مفتی بہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی منکوحہ سے کہے کہ تو مجھپر حرام ہے اور حرام اس کے نزدیک طلاق کے معنی میں ہو لیکن اس نے طلاق کی نیت نہ کی تو طلاق پڑجاویگی اور عرف کی رو سے طلاق کی نیت کرنیوالا ٹھیرایا جاویگا یعنی اگر اس کے علم میں حرام کے معنی طلاق کے ہونگے تو طلاق ہوجاویگی گو اس نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی ہووے۔

باب۔ خلع کے بیان میں۔ خلع اسکو کہتے ہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ مال دیکر طلاق لیوے خلع۔ نکاح سے جدا ہونیکا نام ہے اور خلع کے لفظ سے اور مال کے عوض طلاق کے لفظ سے طلاق بائن پڑتی ہے اور عورت پر جسقدر مال ٹھیرایا ہو لازم ہوجاتا ہے اور مکروہ ہے شوہر کو طلاق

ف۱ کیونکہ ایلا کرنیوالا اس شخص کو کہینگے کہ جس کو چار مہینے تک بغیر کفارہ وغیرہ کے صحبت کرنا ممکن نہو اور اس نے چونکہ ایکدن مستثنے کرلیا ہے اسکو ممکن ہے پس اگر ایکدن صحبت کرلی اسکے بعد برس دن سے چار مہینے یا زائد باقی رہ گئے تو ایلا ہوجائیگا ۱۲ ف۲ کیونکہ اس شخص کو چار مہینے کے اندر بغیر کفارہ وغیرہ کے صحبت کرنا ممکن ہے اسطور سے کہ زوجہ کو کوفہ سے بلالے ف۳ کیونکہ ایلا کا مہر عورتیں ہیں جنسے زوجیت قائم اور مطلقہ رجعی سے زوجیت قائم ہے نہ مطلقہ بائن سے اور اجنبیہ سے پس اگر مطلقہ رجعی کی عدت قبل گذرنے میعاد ایلا کے ختم ہوجاوے تو ایلا ساقط ہوجاویگا ف۴ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بغیر جماع کے رجوع نہیں کرسکتا ۱۲ ف۵ یعنی اس کلام کا کچھ اثر نہ ہوگا کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی بی بی اسپر حلال ہے اور امام کرخی کہتے ہیں کہ صاف معلوم نہیں ہے تو قاضی اسکے جھوٹ

کی تصدیق نہ کریگا ۱۲ ف۶ یا یوں کہا ہو یوں کہا کہ میں نے تجھ سے بعوض اتنے کے خلع کیا تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ فرمایا حضور صلے

سرکشی اور ناموافقت مرد کیطرف سے ہو اور اگر عورت کیطرف سے ہو تو مکروہ نہیں[ف۱] اور جو چیز مہر ہونے کی لیاقت رکھتی ہے وہ خلع کا عوض ہو سکتی ہے پس اگر عورت نے شراب یا سور یا مردار پر خلع کیا یا اسکو طلاق دے تو خلع کی صورت میں طلاق بائن پڑیگی اور طلاق کی صورت میں رجعی مگر مفت پڑیگی عورت کو کچھ دینا نہ آوے گا جیسا اس صورت میں کہ عورت کہے کہ مجھ سے خلع کر لے اور جو کچھ میرے قبضہ میں ہے لے لے اور اس کے قبضہ میں کچھ نہ ہو تو اس صورت میں اگر شوہر خلع کر لیگا تو طلاق مفت بدون عوض کے پڑیگی اور اگر عورت آتنا اور بڑھائے کہ میرے قبضہ میں جو مال اور درم ہیں لے لے تو اس صورت میں عورت یا اپنا مہر واپس کرے یا تین درم[ف۲] شوہر کو دے اگر شوہر عورت کیسے خلع کرے ایک بھاگے ہوئے غلام پر جو عورت کی ملک میں ہو اور وہ عورت شرط کرلے کہ میں اس کی ضامن نہیں تو وہ اس شرط سے بری نہ ہوجاویگی اگر عورت نے کہا کہ مجھ کو تین طلاقیں ہزار کے بدلے دیدے پس شوہر نے اسکو ایک طلاق دی تو اسکو ہزار کی تہائی ملیگی اور وہ عورت بائن ہو جاویگی اور اگر عورت کہے کہ تین طلاقیں مجھ کو ہزار پر دیدے اور وہ ایک دیوے تو اس صورت میں طلاق مفت پڑیگی اسواسطے کہ اول صورت میں لفظ بدلے کا تھا اور بدلے کی صورت میں عوض معوض پر بٹ جاتا ہے اور دوسری صورت میں لفظ پر یعنی شرط ہے اس میں نہیں منقسم ہوتا اگر شوہر نے منکوحہ سے کہا کہ تو اپنے نفس کو تین طلاقیں ہزار کے بدلے یا ہزار پر دے اور عورت نے قبول کر لیا تو اس پر ہزار لازم ہوں گے اور بائن ہو جاوے گی اور اگر اپنی منکوحہ سے کہا کہ تو طلاق ہے اور تجھ پر ہزار ہیں یا غلام سے کہا کہ تجھ پر ہزار ہیں تو طلاق اور آزادی مفت ہو جاوے گی کچھ دینا نہ پڑے گا اور اختیار کی شرط خلع میں عورتوں کو کرنی درست ہے مرد کو جائز نہیں اگر شوہر اپنی بی بی سے کہے کہ میں نے تجھ کو کل ہزار کے بدلے طلاق دی ہے مگر تو نے نہیں مانا اور عورت نے کہا کہ میں نے قبول کر لیا تھا تو شوہر کا قول سچا جانا جاویگا بخلاف

ف۱ البتہ جتنا مہر دیا تھا اگر اس سے زیادہ لیگا تو مکروہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس کی بی بی کے بارہ میں فرمایا تھا اما الزیادۃ یعنی دیئے ہوئے مہر کی مقدار سے زیادہ مت لو اور ناموافقت زوجۂ ثابت کیطرف سے ہوئی تھی ۱۲ ف۲ یعنی مال کہنے کی صورت میں مہر واپس کریگی اور درہم کہنے کی صورت میں تین درم دیگی ۱۲ ف۳ کیونکہ شوہر اسوقت جدا کرنے پر راضی ہے جب اسکو پورا ہزار روپیہ ملے اور اس صورت میں ہزار روپیہ نہیں مل سکتا کیونکہ ہزار روپیہ تین طلاق کے مقابلے میں ہے اور عورت صرف ایک ہی طلاق ڈال رہی ہے لہذا شوہر کی مرضی کے خلاف ہوا کچھ نہ پڑیگی ۱۲ ف۴ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک غلام اور زوجہ کو ایک ہزار دینا پڑیں گے جیسا کہ پہلے والے مسئلے میں اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ پہلے والے مسئلے میں ہزار کی شرط یا بدلے میں طلاق دی تھی اور یہاں مستقل الفاظ سے دے رہا ہے۔ یا آزاد کر رہا ہے اور ہزار ایک سے لازم کر رہا ہے پس طلاق اور آزادی ہو جائیگی اور ہزار خواہ مخواہ کیوں لازم ہونے لگے ۱۲

بیچنے کے کہ اگر بیچنے والا کہے کہ میں نے اپنی چیز کل ہزار کے بدلے بیچی تھی اور تو نے منظور نہ کی اور مشتری کہے کہ میں نے منظور کر لی تھی تو اس صورت میں لینے والے کا قول مانا جاویگا[۱] اور خلع کرنا اور حقوق سے بری الذمہ کرنا ان حقوق کو دور کر دینا ہے جو مرد و عورت کو ایک دوسرے پر نکاح کے باعث ہو یہاں تک کہ اگر مال کے عوض میں شوہر اپنی منکوحہ سے خلع کرے یا بری الذمہ ہونیکا معاملہ کرے تو شوہر کو وہی مال ملیگا جو اس معاملہ میں ٹھیرا ہو اور حقوق زوجیت ایک دوسرے کے ذمہ باقی نہ رہیں گے مثلاً دعوی مہر کا لے لیا ہو یا نہ لیا ہو صحبت سے پہلے ہو یا بعد ہو کسی کو ان میں سے ایک دوسرے پر نہیں پہنچتا۔ اور اگر چھوٹی لڑکی کا ولی شوہر سے خلع کرے اور اسکے عوض صغیرہ کا مال ٹھیرا وے تو اس مال کے بدلے میں خلع درست نہوگا۔ اور طلاق پڑ جاویگی یعنی صغیرہ کے ذمہ مال[۲] نہ آویگا اور ولی ہزار کے بدلے میں اگر خلع کرے تو اس شرط پر کہ میں ضامن ہوں تو طلاق پڑ جاویگی اور ہزار ولی کے ذمہ رہیں گے واللہ اعلم

باب۔ ظہار کے بیان میں۔ جو ایک طرح کی طلاق ہی ظہار یہ ہے کہ اپنی منکوحہ کو شوہر ایسی عورت سے تشبیہ دے جو اسپر ہمیشہ کو حرام ہو مثلاً اپنی ماں و بہن اور بیٹی سے تشبیہ بخلاف سالی سے تشبیہ دینے کے کہ وہ ظہار نہ ہوگا اسلئے کہ سالی کی حرمت ہمیشہ کو نہیں بلکہ منکوحہ کی زندگی یا نکاح تک ہے اگر شوہر اپنی منکوحہ کو کہے کہ تو مجھ پر مثل میری ماں کی پشت کے ہے تو ان لفظوں کے بعد اسکو عورت سے صحبت کرنا اور ایسی باتیں جو صحبت کے سامان ہیں مثل بوس و کنار کے حرام ہو جاتے ہیں[۳] جبتک کہ کفارہ ندے لے اور اگر کفارہ سے پیشتر صحبت کر بیٹھے تو صرف اپنے پروردگار سے استغفار کرے یعنی دوسرا کفارہ لازم نہیں ہوتا اور یہ جو قرآن مجید میں لفظ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا آیا ہی یعنی پھر پھرتے ہیں اپنے قول سے اس پھرنے سے مراد عورت سے صحبت کرنیکا قصد ہی نہ خود صحبت کرنا کہ صحبت کفارہ دینے سے پہلے درست ہو اور پیٹ اور ران اور شرمگاہ ان تینوں اعضا کا حکم مثل پیٹھ کے ہے حرمت کے لازم ہونے میں اور مرد کی بہن اور پھوپھی اور ماں دودھ کی راہ سے مثل حقیقی ماں کے ہے یعنی انکے ساتھ مشابہت دینے سے بھی حرمت ثابت ہوگی اور عورت کو یہ کہنا کہ تیرا سر اور تیری شرمگاہ اور تیرا چہرہ اور تیری گردن

---

[۱] پہلے مسئلے میں اور اسمیں فرق یہ ہے کہ طلاق دینا عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں پس یہ کہنا کہ میں نے تجھ کو ہزار کے بدلے طلاق دی تھی یہ عورت کے قبول کرنیکا اقرار نہیں بخلاف بیچنے کے کہ بیع کا ہونا مشتری کے قبول پر موقوف ہے پس یہ کہنا کہ میں نے ہزار کے بدلے بیچی تھی یہ مشتری کے قبول کرنیکا اقرار ہی کیونکہ بیچنا یعنے بیع بغیر قبول کئے کیسے ہو سکتی ہی پس یہ کہنا کہ تو نے قبول نہیں کیا تھا یہ اقرار کرنا ہوا بعد اقرار کے لہذا بیچنے والے کا مانا جائے گا۔ [۲] اور صغیرہ کا مہر بھی ساقط نہوگا کیونکہ خلع صحیح ہونیکی صورت میں مال ساقط ہو جاتا ہی اور یہاں خلع ہی صحیح نہیں ہوا۔ [۳] کیونکہ اس کہنے سے ظہار ہو گیا اور اگر اس کہنے سے نیت طلاق کی تھی تو طلاق نہ ہوگی

اور تیرا آدھا سر اور تیری تہائی ایسا ہی جیسا یہ کہے کہ تو ایسی ہے یعنی ان اعضاء[۱] کو تشبیہ دینے سے محرمات کے اعضاء سے حرمت ثابت ہوگی اور اگر شوہر نے کہا کہ تو مجھپر مثل میری ماں کے ہے اور اس جملے سے نیت اسکی خدمت اور سلوک کی کی یا ظہار یا طلاق کی جو نیت کریگا وہی ہوگا اور اگر کچھ نیت نہ کی ہو تو یہ قول لغو ہے اور اگر یہ کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے مثل میری ماں کے اور ظہار یا طلاق کی نیت کی تو جو نیت کریگا وہی[۲] ہوگا اور اگر یہ کہا کہ تو مجھ پر مثل میری ماں کی پشت کے حرام ہے اور اس سے طلاق یا ایلا کی نیت کی تو ظہار ہوگا یہ دونوں چیزیں نہ ہونگی اور ظہار صرف اپنی منکوحہ بی بی سے ہوا کرتا ہے یعنے اگر الفاظ ظہار کے اپنی لونڈی یا ام ولد سے کہیگا تو ظہار نہ[۳] ہوگا پس اگر ایک عورت سے نکاح کو جائز رکھا تو ظہار باطل ہوجاویگا اسلیے کہ نکاح کی اجازت سے پیشتر وہ عورت اس کی منکوحہ نہ تھی اگر اپنی سب عورتوں کو کہے کہ تم مجھ پر مثل میری ماں کی پشت کے ہو تو سب سے ظہار ہوا اور کفارہ ہر ایک کے واسطے جدا جدا ہے[۴] اور ظہار کا کفارہ یہ ہے کہ ایک بردہ آزاد کرے اور آزاد کرنا ایسے بردہ کا جو اندھا ہو یا دونوں ہاتھ کٹے ہوں یا ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوں یا دونوں پاؤں کٹے ہوں یا دیوانہ ہو یا مدبر یا ام ولد ہو یا ایسا مکاتب ہو جو کچھ مال دے چکا ہو اس باب میں جائز نہیں۔ ہاں اگر مکاتب نے کچھ نہ دیا ہو اور اسکو کفارہ میں آزاد کردے تو جائز ہے اس لیے کہ وہ بردہ کامل ہے یا یہ کہ کفارہ کی نیت سے اپنے کسی رشتہ دار قریب[۵] کو خرید کرے یا کفارہ میں آدھا غلام اپنا پہلے آزاد کردے اور آدھا پھر آزاد کردے یہ سب صورتیں درست ہیں اور اگر کفارہ میں آزاد کرے اور جس عورت سے ظہار کیا تھا پھر اس سے صحبت کرلے اور بعد صحبت کے آدھا آزاد کرے تو یہ صورتیں درست نہ ہونگی اس لیے آزادی پورے بردے کی صحبت سے پہلے نہ ہوئی اور پورے بردے کا آزاد کرنا صحبت سے پیشتر موجب نص قرآنی کے شرط ہے پس اگر بردہ آزاد کرنے کو نہ ملے تو دو

۴ آدھا غلام مشترک آزاد کرے اور آدھے کی قیمت کا اسکے مالک کیواسطے ذمہ کرلے یا آدھا بردہ

۱ کیونکہ ان اعضاء یعنی سر شرمگاہ چہرہ گردن کو بولکر عرف میں سارا بدن مراد لیا کرتے ہیں لہذا ان اعضا کو محرمات کے اعضاء سے تشبیہ دینے میں حرمت ثابت ہوجائیگی ۱۲ ۲ یعنی اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوگی اور اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا کیونکہ یہ الفاظ دونوں کو محتمل ہیں ظہار کو اسوجہ سے کہ تشبیہ موجود ہے اور طلاق کو اسوجہ سے کہ حرمت کا ذکر ہے اور تشبیہ اسوقت تاکید کیلیے ہوجائیگی ۱۲ ۳ کیونکہ ظہار مخصوص ہے منکوحہ بی بی کے ساتھ یہ خصوصیت من نسائهم کے لفظ سے نکلتی ہیں جیسا کہ قول والذین یظاهرون میں مذکور ہے اور اسوجہ سے کہ ظہار طلاق سے مذکور ہے اور طلاق مملوکہ میں نہیں ہوتا ۱۲ ۴ کیونکہ ہر ایک میں سے جدا جدا حرمت ثابت ہوگئی ہے اور کفارہ حرمت کو ختم کرنے کے لیے ہے لہذا کفارہ بھی ہر ایک کا الگ الگ ہوگا بخلاف ایلا کے کہ اگر ایک قسم میں سب عورتوں سے ایلا کیا اور مدت کے اندر سب سے صحبت کی تو ایک ہی کفارہ دینا پڑیگا کیونکہ قسم ایک ہے ۵ اس مسئلہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ کسی رشتہ دار قریب کو کفارہ کی نیت سے خرید کرنے میں وہ رشتہ دار تو آزاد ہوجائیگا مگر کفارہ ادا نہ ہوگا

مہینے پے در پے روزے رکھے اسطرح کہ ان دونوں مہینوں میں رمضان اور ایسے دن واقع نہوں۔
جنھیں روزہ رکھنا ممنوع ہے یعنی دو روز عید کے اور تین روز بعد عید الضحیٰ کے ان دونوں مہینوں میں نہ
پڑیں پھر اگر ان دونوں مہینوں کے اندر عورت مذکورہ سے رات کو یا بھولکر دن کو صحبت کریگا یا
ایکدن بھی افطار کریگا تو نئے سر سے پھر روزے رکھنے ہونگے اس لئے کہ ان روزوں میں پے در پے ہونا
اور صحبت سے پیشتر رکھنا شرط ہے اور اگر شوہر خود غلام ہو تو اسکو سوائے روزہ رکھنے کے دوسری
چیز جائز نہیں اگرچہ اس کی طرف سے اسکا آقا بردہ آزاد کرے یا کھانا کھلاوے اسلئے غلام خود تو مالک
نہیں تاکہ کھانا کھلاوے یا بردہ آزاد کرے اور آقا کا آزاد کرنا اور کھانا کھلانا اسکی طرف سے معتبر نہیں پھر
اگر روزہ رکھنے کی طاقت نہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاوے جیسا صدقہ فطر میں مذکور ہوا یا کھانے
کی قیمت دے پس اگر اپنی طرف سے دوسرے شخص کو اجازت دے کہ ظہار کے کفارہ میں کھانا کھلاوے اور
وہ حکم کی تعمیل کرے تو درست ہے اور کفاروں کے سب اقسام میں کھانے کا مباح کر دینا درست ہے
یعنی ظہار کے اور روزے کی قضا اور قسم اور احرام کے شکار کے کفاروں میں اور نیز شیخ فانی کو روزے
کے فدیہ ادا کرنے میں کھانیکا مباح کرنا جائز ہے مگر صدقات میں مثل زکوۃ اور صدقہ فطر اور عشر زمین
میں مباح کرنا کافی نہیں بلکہ تملیک شرط ہے اور مباح کرنا اسطرح ہے کہ کھانا لاکر فقیروں کو اسکے
کھانے کی اجازت دیدے۔ اور تملیک یہ ہے کہ وہ کھانا فقیروں کو دیڈالے اور انکی ملک کر دے چاہے کھائیں
چاہے دوسروں کو دیڈالیں اور کھانا کھلانیمیں یہ شرط ہے کہ ہر فقیر کو پیٹ بھر کر دو صبح یا دو شام یا
ایک صبح اور ایک شام کھانا دے یعنی دو وقت کھلاوے خواہ ایک دن ہو یا دو دن میں اور اگر ایک
فقیر کو دو مہینے تک کھلاوے تو درست ہے لیکن اگر فقیر کو ساٹھ حصے ایکدن میں دیدے تو جائز نہ ہوگا
مگر خاص اس دن کے ایک آدمی کے کھلانیمیں شمار ہوگا اور اگر کھانا کھلانے کے درمیان میں عورت
سے صحبت کرے تو کھانا نئے سر سے کھلاوے جیسا کہ روزوں میں تھا اور اگر دو ظہاروں کے کفاروں میں

ف۱ اس مسئلہ میں صاحبین کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ کفارہ ادا ہو جائیگا کیونکہ ان کے نزدیک آزاد کرنے کے ٹکڑے نہیں ہوتے پس نصف
کا آزاد کرنا کل کا آزاد کرنا ہوگا ۱۲ ف۲ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ رات کو قصداً یا دن کو بھولے سے صحبت کر لینے
میں روزوں کے پے در پے ہونے میں فرق نہیں آیا لہذا نئے سر سے روزے رکھنے کی ضرورت نہیں جواب یہ کہ جس طرح سے روزوں کو
قبل صحبت کے ہونا چاہیے تھا ویسے ہی پے در پے ہونا پایا گیا مگر صحبت سے خالی ہونا نہ پایا گیا ۱۲ ف۳ یعنی ہر ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا جو
دیوے ۱۲ ف۴ امام شافعی کا مسئلہ میں اختلاف ہے ان کے نزدیک مالک بنا دینا یعنی تملیک شرط ہے بلا تملیک کفارہ ادا نہ ہوگا جیسا کہ زکوۃ
اور صدقہ فطر ہمارے نزدیک کفارہ میں طعام کا لفظ آیا ہے قرآن پاک میں جس کے معنے ہیں کھانا کھلانا اور زکوۃ میں ایتاء کا لفظ
آیا ہے جس کے معنے ہیں دیدینا لہذا فرق ہو گیا ۱۲ ف۵ خواہ تھوڑے میں پیٹ بھر جاوے یا بہت میں ۱۲ ف۶ صحیح یہ ہے کہ اگر
کھانا کھلانے کے درمیان میں اگر عورت سے صحبت کریگا تو نئے سر سے کھانا کھلانا نہیں کیونکہ صحبت سے پہلے ہونیکی شرط قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ

نے ذکر نہیں کیا البتہ مستحب ہے کہ صحبت سے پہلے کھانا کھلاوے لیکن مسئلہ مذکورہ کا [illegible] ۱۲

ساٹھ فقیر کو ایک ایک صاع گیہوں حوالے کرے تو ایک ظہار کا کفارہ جائز ہوگا دوسرے کا اور دینا چاہیے[1]
اور ایک کفارہ افطار کا تھا اور ایک ظہار کا اور کھانا مثل مذکورہ بالا دیا یا دو ظہاروں میں دو بردے آزاد
کئے اور معین نکیا کہ کونسا آزاد کرتا ہوں تو ان صورتوں میں دونوں کفارونکی طرف سے جائز ہوگا اور
اُسی جیسا ہے یا دونوں ظہاروں کے عوض میں روزے رکھنے اور کھانا کھلانا یعنی معین نکرے کہ کسکی عوض روزے
رکھتا ہوں اور کس کے عوض کھانا کھلاتا ہوں تو دونوں ظہار کا ہو جائیگا۔ اور اگر دونوں ظہاروں کے
کفارے میں ایک بردہ آزاد کرے یا دو مہینے کے روزے رکھے تو ایک ظہار کا کفارہ ہوگا دو کا نہوگا
اور اگر ایک کفارہ ظہار کا ہو اور ایک قتل کا اور وہ شخص ایک کفارہ بلا تعین ادا کرے تو کسی کیطرف
سے جائز نہوگا غرضکہ دونوں کفارے اگر ایک جنس کے ہونگے تو جائز ہے کہ کفارہ دیکر یا بعد کفارہ دینے کے
ان میں سے ایک کی نیت کر لے[2] اور اگر دو جنس کے کفارے ہوں تو ان میں بعد کفارہ دینے کے اگر معین کریگا
تو کافی نہوگا[3]۔ واللہ اعلم۔ **باب۔ لعان کے بیان میں** جس سے مرد و عورت میں
جدائی پیدا ہو جاتی ہے لغت میں اس کے معنی آپس میں لعنت کرنیکے ہیں اور شریعت میں لعان چند
گواہیاں مرد و عورت کی ہیں جو تاکید اور قسم اور لعنت خدا کے ساتھ بیان کریں اور یہ لعان مرد کے حق میں
تہمت لگانے کی سزا کے قائمقام ہے[4] اور عورت کے حق میں زنا کی سزا کے پس شوہر اور عورت لیاقت گواہی کی
رکھتے ہوں یعنی آزاد اور عاقل اور بالغ اور مسلمان ہوں اور مرد اپنی عورت کو زنا کی تہمت کرے اور وہ
عورت ایسی ہو کہ اُسپر تہمت زنا کرنیوالے کو سزا ملتی ہو یعنی پارسا منکوحہ ہو یا وہ شوہر اس عورت
کے بچے کو کہے کہ یہ میرا نہیں ہے اور عورت اس شوہر کو زنا کی تہمت کی سزا دلوانا چاہتی ہے تو اس صورت میں
لعان واجب ہے[5] پس اگر شوہر لعان سے انکار کرے تو اسکو قید کیا جاوے یہاں تک کہ خواہ لعان کرے
یا اپنے آپکو جھوٹا کہے اور گالی کی سزا اسپر پڑے پھر جب شوہر لعان کرے تو عورت پر لعان واجب ہے
اور اگر وہ انکار کرے تو قید کیجاوے یہاں تک کہ لعان کرے یا شوہر کی تہمت کو سچا کرے اور
زنا کی سزا کو پہنچے پھر اگر شوہر میں لیاقت گواہی کی نہو تو اسکو گالی کی سزا ملیگی اور اگر شوہر میں تو لیاقت

---

[1] کیونکہ نصف صاع ہر ایک مسکین کو دینا کم سے کم مقدار تھی زیادہ جو کچھ ہی ایک کفارہ میں شمار کیا جائیگا اور امام محمد اس مسئلہ میں کہتے ہیں کہ دونوں ظہاروں کا کفارہ ادا ہو جائیگا۔ مگر عمل اول پر کیا جاوے ۱۲ [2] امام شافعی کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے ان کے نزدیک اگر دو جنس کے کفارے ہوں تو بھی جائز ہے کہ بعد کفارہ دینے کے ایک کے لئے معین کرلے ۱۲ [3] یعنی تہمت لگانے کی سزا قائمقام ہے کیونکہ جب کوئی اپنی بی بی پر تہمت زنا کی لگادے تو لعان واجب ہوتا ہے [4] یعنے عورت کا مطالبہ کرنا شرط ہے کیونکہ یہ اس کا حق ہے پس اور حقوق کے ایسے ہی مطالبہ کرنا چاہیے ۱۲ [5] مثلاً شوہر غلام ہو یا ایک بار کسی کو تہمت لگانے میں سزا پا چکا ہو یا کافر ہو اور صورت اسکی یہ ہے کہ پہلے میاں بی بی دونو کافر تھے پھر عورت اسلام لائی اور قبل اس کے کہ شوہر پر اسلام پیش

گواہی کی ہو مگر عورت ایسی نہو جس کے تہمت لگانیوالے کو سزا گالی کی دیجاوے یعنی پارسا نہو تو شوہر پر
سزا واجب ہے نہ لعان اور صورت لعان کی وہ ہے جو قرآن مجید میں ارشاد ہوئی ہے یعنی قاضی شوہر سے شروع
کرے اور وہ چار مرتبہ اس طرح گواہی دے کہ میں خدا کے نام سے گواہی دیتا ہوں کہ میں نے جو نسبت زنا
کی اس عورت پر کی ہے اسمیں میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ یوں کہے کہ اگر اس باب میں جھوٹا ہوں تو
خدا تعالیٰ کی لعنت مجھپر ہو بعد اس کے عورت چار بار گواہی دے کہ میں خدا کے نام سے گواہی دیتی ہوں
کہ یہ مرد جو مجھ کو زنا لگاتا ہے اس میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یوں کہے کہ اگر یہ مرد میرے تئیں زنا لگانے میں
سچا ہو تو مجھپر خدا کا غضب ہو پس جب اس طرح سے لعان کر چکیں تو عورت اور مرد حاکم کے حکم سے[۲] علیحدہ ہو جاویں
اور اگر مرد نے تہمت اس طرح کی ہو کہ عورت کے بچے کو کہا ہو کہ میرا نہیں تو حاکم اس بچے کا نسب اس مرد سے دور کرے
اور اسکو اس عورت کیطرف لگاوے اور اگر مرد اپنے آپ کو جھوٹا کہے کہ میں نے جھوٹ کہا تھا تو اسکو گالی
کی سزا دیجاوے اور ہو سکتا ہے کہ مرد اس عورت سے بعد لعان کے اور قاضی کے جدا کر دینے کے نکاح[۳] کر لے اور
اسی طرح اگر اپنی بی بی کے سوا کسی اور عورت کو زنا کی تہمت کرے اور اسکی سزا مرد کو ملے یا عورت زنا کرے اور
اسکو زنا کی سزا ملے تو ان صورتوں میں مرد کو اختیار ہے کہ اس عورت سے نکاح کر لے اور شوہر اگر گونگا ہو اور وہ زنا
کی تہمت اپنی منکوحہ کو کرے یا کوئی شخص اپنی بی بی کے حمل کو کہے کہ میرا نہیں تو ان صورتوں میں لعان
واجب نہیں اسلئے کہ پوری تہمت کلام کے ساتھ ہے اور وہ گونگے سے ناممکن ہے[۴] اور حمل کے انکار کرنے
میں بھی پوری تہمت نہیں اسلئے کہ ہو سکتا ہے کہ بچہ پیٹ میں نہو ویسے ہی پھول گیا ہو یا کوئی مرض ہو اور
اگر شوہر کہے کہ تو نے زنا کیا اور یہ حمل زنا کا ہے تو لعان واجب ہے اسلئے کہ اس صورت میں صریح نسبت
زنا کی کی ہے اور قاضی کو چاہئے کہ اس مسئلے میں حمل کو اسکے باپ سے جدا نکرے[۵] اسلئے کہ بچہ پیدا ہونے سے پیشتر
حمل کے ہونے اور نہونے ہی میں شبہ باقی ہے اور اگر لوگ اسکو مبارکبادی لڑکے کی دیویں اور اسوقت کہے وہ
کہ یہ بچہ میرا نہیں یا اسباب کے تولد کے خریدنے کے وقت ایسا کہے تو نسب کو دور کرنا اسکے ویسے درست ہے

۱ یعنی عورت لونڈی ہو یا کافرہ ہو یا ایک بار کسی کو تہمت لگانے میں سزا پا چکی ہو یا صغرسن ہو یا پاگل ہو زنا کار تو ایسی صورت
میں لعان ہوگا اور شوہر کو سزا دیجاویگی یہی صحیح ہے پس متن میں جو یہ لکھا ہے کہ شوہر پر سزا واجب ہے یہ صحیح نہیں ۱۲ ۲ علیحدگی کے لیے
حکم حاکم شرط ہے پس بغیر حکم حاکم علیحدگی نہوگی ۱۲ ۳ یعنی اس صورت میں کہ مرد نے اپنے جھوٹا ہونیکے گالی کی سزا پائی ہو یا کسی عورت کو تہمت لگا کر
سزا پا چکا ہو تو پھر اس عورت سے کہ جس سے لعان کیا ہے نکاح کر سکتا ہے ۱۲ ۴ امام شافعی اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گونگے کا اشارے سے تہمت
لگانا ناطق کی صریح کلام سے تہمت لگانیکے برابر ہے لہٰذا گونگے کی تہمت سے لعان واجب ہوگا ہمارا یہ جواب ہے کہ اشارے سے تہمت لگانا کامل تہمت نہوگی
کچھ نہ کچھ شبہ ضرور رہیگا اور حدود شبہ کرنے سے دفع ہو جاتی ہیں اور لعان بھی حد کی معنی میں ہے ۱۲ ۵ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ قاضی شوہر سے حمل کی نفی کر دیگا

[illegible]

اور ان وقتوں کے بعد اگر کہیگا تو جائز نہوگا[1] اور لعان دونوں صورتوں میں کرے یعنی خواہ تہنیت کے وقت لڑکے کو اپنا نہ بتاوے خواہ تہنیت کے بعد خواہ سامان ولادت خریدنے کے وقت خواہ پیچھے اور اگر جڑواں بچوں میں سے اول کو اپنا نہ کہے اور دوسرے کو اپنا بتاوے تو گالی کی سزا اسکو دیجاوے اور اگر اول کا اقرار کرے اور دوسرے کا انکار تو لعان کرے اور نسب دونوں بچوں کا دونوں صورتوں میں اسی سے ہوگا۔

باب عنین یعنی نامرد کے بیان میں۔ جو عورت سے صحبت نکرسکے عنین اسکو کہتے ہیں جس سے عورتوں سے صحبت نہو سکے یا کنواریوں کی صحبت پر قادر نہو اور رونڈوں کی صحبت پر قادر ہو اگر عورت اپنے شوہر کو ہیجڑا یعنی ذکر کٹا ہوا دیکھے تو قاضی اسوقت ان دونوں کو جدا کردے اور جس صورت میں کہ نامرد او رخصیہ نکالا ہوا ہو تو ایک سال ٹھیرے[2] اگر اس برس میں وہ صحبت کرے تو بہتر ورنہ اگر عورت اُس سے جدا ہونا چاہے تو قاضی جدا کرے پس اگر شوہر کہے کہ میں نے صحبت کی ہے اور عورت انکار کرے اور دوسری عورتیں کہیں کہ وہ عورت باکرہ ہے تو اس عورت کو جدا ہوجانیکا اختیار دیا جاویگا اور اگر وہ کہیں کہ یہ عورت مرد رسیدہ ہے تو شوہر کا قول بشرط قسم کھانیکے سچا جانا جاویگا[3] اور اگر عورت شوہر کو پسند کرلے تو اسکے بعد جدا ہونیمیں اُس کا حق باطل ہوجاویگا[4] اور مرد و عورت میں سے کسی کو دوسرے کے عیب کے باعث اختیار نہ دیا جاویگا جس صورت میں کہ ایک کو جذام یا جنون یا برص وغیرہ ہوجاوے۔ تو دوسرے کو جدا ہوجانیکا اختیار نہیں[5] اور اس مسئلے میں امام شافعی کا خلاف ہے کہ انکے نزدیک پانچ مرضوں میں عورت مختار ہوتی ہے۔ تین جو اوپر مذکور ہوئے۔ چوتھا رتق ہے کہ عورت کی شرمگاہ کے منھ پر گوشت اُبھر آوے جو صحبت کے کا مانع ہو۔ پانچواں قرن ہے کہ اسجگہ پر ہڈی مانع صحبت کی ہو اور دلیل امام اعظم کی قول عطا اور نخعی اور عمر بن عبدالعزیز اور اوزاعی اور سفیان ثوری اور ابن ابی لیلیٰ کا ہے اسوجہ سے کہ جن معاملات میں رضامندی کامل شرط ہے انمیں یہ بات ہوتی ہے کہ اگر رضامندی کی بہت میں کوئی عیب خلل کرتا ہے تو اس معاملہ کو واپس کردیتے ہیں۔ اور نکاح کا لازم ہونا کامل رضامندی

باب عنین یعنی نامرد کے بیان میں

---

[1] یعنی اس لڑکے کا نسب اُس سے ثابت رہیگا اگرچہ لعان اس صورت میں بھی ہوگا ۱۲ [2] یعنی مرد کو ایک سال کی مہلت دیجائیگی کہ وہ اس مدت میں اپنا علاج کرکے ٹھیک ہوجائے کیونکہ شاید یہ عجز کسی مرض کی وجہ سے ہو اور رمضان اور ایام حیض اسی مدت میں شمار ہونگے البتہ شوہر یا عورت کی بیماری کے دن مدت میں شمار نہونگے الگ مجرا لیے جائینگے ۱۲ [3] اور اگر شوہر قسم کھانے سے انکار کرے تو عورت کو اختیار دینگے کہ اگر جدا ہونا چاہے تو جدا کردیجائے اور اختیار کرنا چاہے تو شوہر کو اختیار کرے ۱۲ [4] یعنے شوہر کو اختیار کرچکنے کے بعد اگر کسی وقت عورت اسی سبب سے جدائی کی خواستگار ہو تو جدا نہ کیجاویگی ۱۲ [5] کیونکہ یہ عوارض مقصود کے حصول میں مانع نہیں اور مقصود نکاح سے وطی ہے جو مجنون اور مبروص اور مجذوم سے حاصل ہوسکتی ہے البتہ نامرد اور ذکر بریدہ میں اختیار ہے کیونکہ ان سے مقصود نہیں حاصل ہوسکتا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔

پر موقوف نہیں اس لئے کہ نکاح تو ہنسی کے الفاظ سے لازم آتا ہے۔

باب۔ عدّت کے بیان میں۔ عدت اس انتظار کو کہتے ہیں کہ عورت کو طلاق کے یا شوہر کی موت کے بعد کرنا لازم ہے۔ عدت کی طلاق کیلیے اور بعد صحبت کے نکاح کے ٹوٹنے[1] کیلئے تین حیض ہیں جس کو حیض آتا ہو اور جس کو حیض نہ آتا ہو اسکی عدت تین مہینے ہیں اور شوہر کے مرنیکی عدت چار مہینے دس روز ہیں اور لونڈی کی عدت اگر حیض آتا ہو تو دو حیض ہیں اور اگر حیض نہ آتا ہو تو آزاد عورت کی عدت کا نصف ہوگا یعنی طلاق اور نکاح ٹوٹنے میں ڈیڑھ مہینہ اور خاوند کے مرنے میں دو مہینے پانچ روز اور حاملہ[2] عورت کی عدت بچہ کا جننا ہے اور فار کی منکوحہ کی عدت وہ ہے جو دونوں وقتوں میں سے زیادہ تر دور ہو فار اس مرد کو کہتے ہیں کہ اپنی بی بی کو مرض کی حالت میں طلاق دے اور اُسی مرض میں مر جاوے تو ایسی عورت کی عدت چار مہینے دس روز اور تین حیضوں کی مدت میں سے جو زیادہ ہو وہی[3] ہوگی اور جو عورت کہ طلاق رجعی کی عدت میں آزاد ہو جاوے اس کی عدت کا حکم مثل آزاد عورت کے ہے اور اگر طلاق بائن کی عدت میں یا خاوند کے مرنیکی عدت میں آزاد ہووے تو حکم آزاد کا سا نہ ہوگا[4] لونڈی کی عدت کریگی اور جس عورت کو تین مہینے عدت کے بعد حیض پھر آنے لگے تو اس کی عدت حیض کے اعتبار سے ہوگی نہ مہینوں کے اعتبار سے اور جس عورت کا نکاح فاسد ہوا ہو اس شبہ میں صحبت ہوئی ہو اس کی عدت اور ام ولد کی عدت باعتبار حیض کے ہے شوہر کے مرنے وغیرہ کے لئے اور شوہر اگر چھوٹا ہو اور اسکی زوجہ اس کے مرنے کے وقت حاملہ ہو جاوے تو اسکی عدت بچہ کا جننا ہے اور اگر اس کے مرنیکے بعد حاملہ ہو تو عدت چار مہینے دس روز کی ہوگی اور ان دونوں صورتوں میں نسب اس بچے کا اس شوہر خورد سال سے نہ لگایا جاویگا اور جس حیض میں عورت کو طلاق دیگئی ہو اُس کا اعتبار نکیا جاوے یعنے اگر طلاق حیض کیحالت میں دی ہو تو اُس حیض کو عدت میں شمار نہ کریں بلکہ تین حیض اسکے سوا شمار کریں اور جو عورت کہ عدت میں ہو اگر اس سے شبہے سے صحبت کا اتفاق ہو تو وہ عورت دوسری

---

[1] یعنی جس صورت میں کہ وطی کیجا چکی ہو اور بلا طلاق دیئے ہوئے نکاح ٹوٹے جیسے خیار عتق و خیار بلوغ و عدم کفو اور کسی ایک کا دوسرے کو مالک ہونا اور نکاح فاسد کی فرقت یہ نکاح ٹوٹنے کی صورتیں ہیں انہیں بھی چونکہ وطی کیجا چکی ہے عدت واجب ہوگی ۱۲ [2] خواہ آزاد ہو یا لونڈی ہو ۱۲ [3] پس اگر چار مہینے دس روز کے اندر تین حیض ہو جائیں تو عدت چار مہینے دس روز کی ہوگی اور اگر اس اثنا میں تین حیض ہو چکیں تو انکے پورے ہونے تک عدت باقی رہیگی ۱۲ [4] طلاق رجعی میں من وجہ نکاح باقی رہتا ہے لیس یہ سمجھا جائیگا کہ نکاح کیحالت میں آزاد ہوئی اور جو نکاح کیحالت میں آزاد ہو اس کی عدت آزاد عورت کے مثل ہوگی اور طلاق بائن اور موت کی صورت میں بالکل مفارقت ہو جاتی ہے۔ لہذا مفارقت کے وقت لونڈی تھی آزاد بعد میں ہوئی لہذا عدت لونڈی کی بیٹھے گی [5] امام شافعی کا اس مسئلے میں اختلاف ہے اور امام ابو یوسف بھی امام شافعی کے اس مسئلے میں موافق ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس عورت کی عدت وضع حمل ہوگی مہینوں سے چار مہینے دس دن شمار کرے کیونکہ وہ حمل بچہ سے ثابت النسب نہیں ہے دلیل ہماری اللہ پاک کا قول ہے کہ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے اور قول مطلق۔

عدّت کرے اور یہ دونوں عدتیں ایک دوسری میں آجاوینگی[1] اور حیض صحبت کے بعد عورت کو ہوگا وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا۔ اور وہ عورت جب پہلی عدّت پوری تو دوسری کو تمام کرے یعنی مرنے عدّت والی عورت سے شبہے کے ساتھ صحبت کی تو اُس عورت پر ایک عدّت اور لازم ہوگی اور جو حیض اب آویگا وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور یہی معنی ہیں دونوں عدتوں کے ایک دوسرے میں آجانیکے اور جب پہلی عدت پوری ہوچکے تو دوسری عدّت تمام کرے اور شروع عدّت کا طلاق کے پڑنے اور مرنے کے بعد[2] سے ہے اور نکاح فاسد میں جدائی کے بعد سے یا اسوقت سے کہ شوہر نے قصداً اس سے صحبت کے ترک کا کہا اور اگر عورت نے دعویٰ کیا کہ میری عدّت گزر گئی۔ یعنی رجعت درست نہیں اور شوہر نے اُس کا قول نہ مانا تو قاضی کے یہاں معتبر عورت ہی کا قول ہوگا[3] بشرطیکہ قسم سے بیان کرے۔ اور اگر شوہر نے اپنی عدت والی عورت سے نکاح کیا اور اس کو صحبت سے پیشتر طلاق دیدے تو اس نکاح کا مہر پورا دینا واجب ہوگا نہ آدھا اور نئے سر سے عدّت عورت پر لازم ہوگی اور اگر کوئی ذمی اپنی ذمی منکوحہ کو طلاق دے تو وہ عدّت نہ کرے[4] یعنی اس صورت میں کہ انکے مذہب میں عدّت واجب نہ ہو **فصل** جس عورت کو طلاق بائن ملی ہو یا شوہر مر گیا ہو وہ سب سوگ کرے یعنی زیب و زینت اور خوشبو لگانا اور سرمہ اور تیل ڈالنا چھوڑ دے اور مرض کے عذر سے سُرمہ اور تیل درست ہے اور مہندی لگانا اور سُرخ و زرد کپڑا پہننا ترک کرے بشرطیکہ عورت بالغ اور مسلمان ہو اور اگر آزادی کے سبب عدت میں ہو یا نکاح فاسد کی عدت میں جیسے بدون گواہوں کے نکاح ہوا ہو تو ایسی عدتوں میں سوگ نہ نکرے[5] اور عدت والی عورت سے صراحتہً پیام نکاح کا نہ دیا جاوے اور اشارتاً پیام دینا صحیح ہے اور جو عورت طلاق کی عدّت میں اسکو اپنے گھر سے نکلنا نہ چاہیئے اور جو موت کی عدّت میں ہو وہ دن کو اور شروع رات میں[6] نکلے اور یہ دونوں عدّت اسی گھر میں بیٹھیں جسمیں عدّت انپر واجب

ف۱ امام شافعی کہتے ہیں کہ دونوں عدتیں آپسمیں متداخل نہونگی ایک عدت ختم ہونے کے بعد دوسری مستقل طور پر شمار کرے ف۲ پس اگر شوہر کے طلاق دینے یا مرنیکا علم ہو اور عدت کی مدت گذر جانے کے بعد معلوم ہوا تو عدت گذری ہوئی سمجھی جائیگی عدت کی ابتدا مرنے اور طلاق دینے کے بعد سے ہوگی خواہ علم ہو یا نہ ہو ۱۲ ف۳ اسمیں اتنی قید اور بھی ہے کہ وقت بھی اسقدر گذر گیا ہو کہ عدت گذرنے کا احتمال رکھتا ہو ۱۲ ف۴ اور ایسے ہی اگر دار الحرب کی رہنے والی عورت مسلمان ہو کر دار الاسلام میں آجاوے تو اسپر عدت واجب نہیں بلا عدت گذارے نکاح کرسکتی ہے کیونکہ عدت جب واجب ہوتی ہے تو آدمی کا حق اس میں ثابت ہوتا ہے اور دار الحرب کا رہنے والا حربی مرد اگرچہ آدمی ہے مگر وہ حکماً جماد محض ہے لہذا اس کے لئے کچھ حق ثابت نکرینگے البتہ اگر حاملہ ہوگی تو وضع حمل تک نکاح نہیں کرسکتی کیونکہ حمل اس کا ثابت النسب ہے ۱۲ ف۵ نکاح فاسد کی عدت میں اسلئے سوگ نہیں ہے کہ سوگ اظہار افسوس کے لئے ہوتا ہے اور نکاح فاسد واجب الرفع ہے اس کا کیا افسوس ۱۲ ف۶ کیونکہ یہ بیوہ ہو چکی ہے طلب معاش کے لئے نکلنے کی ضرورت پڑیگی اور کبھی زیادہ دیر ہو جائیگی تو کچھ رات گئے واپس ہونیکی نوبت آئیگی لہذا جائز ہے۔ بخلاف مطلقہ کے کہ اسکو عدت میں شوہر سے نفقہ ملیگا لہذا اسکو نہ نکلنے کی ضرورت ہے اور نہ جائز ہے ۱۲

ہوئی ہے یعنی طلاق یا موت جس گھر میں ہوئی ہو اُسمیں عدت چاہیئے لیکن اگر اسمیں سے کوئی نکالدے وہ گھر گر جاوے تو دوسرے میں ہیں اور جو عورت کہ سفر میں بائن ہو یا شوہر مر جائے اور راہمیں اور اسکے شہر میں فاصلہ تین روز سے کم ہو تو اپنے شہر کو واپس آئے اور اگر تین دن کی مدت ہو تو خواہ اپنے شہر کو چلی آوے یا جدھر جاتی ہے اسطرف چلی جاوے دونوں صورتوں میں اس کے ساتھ محرم ہو یا نہیں اور اگر کسی شہر میں ایسا اتفاق ہو تو اُسی جگہ عدت کرے اور بعد عدت کے وہاں سے محرم کے ساتھ نکلے

باب نسب ثابت ہونیکے بیان میں۔ اگر کوئی مرد کہے کہ فلانی عورت سے اگر میں نکاح تو اس کو طلاق ہے پھر اس سے نکاح کیا اور جب سے نکاح کیا تھا پورے چھ مہینے کے بعد اس عورت کے بچہ ہوا۔ تو اس کا نسب اُس شوہر سے لازم ہوگا[۱] اور مہر پورا دینا آویگا اور جو عورت طلاق رجعی کی عدت میں ہو یا اس کے بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا اگرچہ دو برس کے بعد جنے بشرطیکہ عدت ہوچکنے کا اقرار نہ کرے اور اس بچہ کا ہونا رجعت کے حکم میں ہوگا دو برس سے زیادہ اگر ہوا ہوگا اور اگر دو برس سے کم میں ہوا ہوگا تو رجعت نہوگی اسلئے کہ حمل دو برس سے زیادہ نہیں ٹھہرتا پس اوّل صورت میں معلوم ہوا کہ شروع حمل کا عدت میں ہوا اسلیئے باعث رجعت کا ہوگیا اور دو برس سے کم کی صورت میں شک ہے کہ شاید یہ حمل نکاح کے دنوں کا ہو تو اسی واسطے موجب رجعت نہوا اور اگر عورت طلاق بائن کی عدت میں ہو تو دو برس سے کم میں اگر بچہ ہوگا تو نسب ثابت ہوگا ورنہ ثابت نہ ہوگا اسلیئے کہ طلاق بائن میں احتمال رجعت کا نہیں ہاں اگر شوہر بچے کا دعوے کرے تو ثابت ہوگا اور یہ مان لیا جاویگا کہ شبہ سے صحبت کی ہوگی اور جو عورت بالغ ہونیکے قریب ہوا اور وہ عدت میں طلاق رجعی یا بائن کی ہو۔ اسکے بچے کا نسب اگر نو مہینے سے کم میں ہوگا تو ثابت ہوگا اور اگر پورے نو مہینے یا زیادہ میں ہوگا تو ثابت نہوگا اور جو عورت موت شوہر کی عدت میں ہو اسکے بچے کا نسب دو برس سے کم میں ثابت ہوگا تو ثابت نہوگا[۳] اور جو عورت کہ اپنی عدت ہوچکنے کا اقرار کرتی ہو اسکے بچہ کا نسب وقت اقرار سے چھ مہینے سے کمتر میں اگر ہوگا تو ثابت ہوگا ورنہ ثابت نہوگا اور جو عورت عدت میں ہو اور اسکے بچہ ہو جبکو لوگ نہ جانیں تو اس کا نسب کسی طرح ثابت ہو سکتا ہے یا یہ کہ دو مرد

باب نسب ثابت ہونے کے بیان میں

۱؎ کیونکہ ثبوت نسب میں بہت احتیاط کی جاتی ہے جہاں تک ممکن ہوتا ہے نسب کو ثابت کیئے بغیر نہیں چھوڑتے اور اس صورت میں شوہر سے نسب ثابت کرنا ممکن ہے لہذا ثابت کردیں گے اور جب نسب ثابت ہوا تو صحبت کرنیکا بھی حکم لگائیں گے لہذا مہر پورا دینا ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

۲؎ یعنی طلاق کے وقت سے دو برس سے کم میں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔

۳؎ یعنی اگر وفات کے بعد دو برس سے کم میں جنی تو شوہر متوفی سے بچہ ثابت النسب ہوگا کہا جائیگا کہ وفات سے پہلے کا حمل ہے۔ دو برس میں وضع ہوا ہے لیکن اگر دو برس کے بعد جنی تو کوئی صورت متوفی سے ثابت النسب ماننے کی نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی اُس بچے کے ہونیکی دیں یا یہ حمل کہ ظاہر ہو یا یہ کہ شوہر اُس بچے کو کہے کہ میرا ہے۔ یا اگر شوہر مر جاوے تو اسکے وارث اُس کی تصدیق کریں۔ اور عورت منکوحہ کے بچے کا ثبوت اُس شوہر سے اس صورت میں ہے کہ اُسکے بچہ چھ مہینے خواہ زیادہ میں وقت نکاح سے پیدا ہوا ہو اگرچہ شوہر چپ رہے کچھ اقرار یا انکار نکرے اور اگر انکار کرے[۲] تو ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہوگا جو بیان کرے کہ اس عورت کے بچہ پیدا ہوا ہے پھر اگر بچہ پیدا ہونیکے بعد عورت و مرد میں اختلاف ہو عورت کہے کہ تو نے مجھ سے چھ مہینے ہوئے کہ نکاح کیا ہے اور شوہر دعوے کرے کہ چھ مہینے سے کم ہوئے ہیں تو اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہوگا اور وہ بچہ اس مرد کا ٹھہریگا اور اگر شوہر طلاق کو مشروط بچے ہونے پر کرے اور ایک عورت اسکے بچہ ہونے پر گواہی دے تو طلاق نہوگی[۳] اور اگر مرد نے خود اقرار حمل کا کر لیا ہو تو بدون کسی گواہی کے عورت پر طلاق پڑ جاویگی اور مدت حمل کی زیادہ سے زیادہ دو برس ہیں اور کم سے کم چھ مہینے اور امام شافعی کے نزدیک زیادہ مدت حمل کی چار برس ہیں اور دلیل امام اعظم رح کی قول حضرت عائشہ[۴] کا ہے کہ بچہ پیٹ میں دو برس سے زیادہ نہیں رہتا پس اگر کسی لونڈی سے نکاح کر کے اسکو طلاق دے پھر اسکو خرید لیا اور وقت خرید سے چھ مہینے کے اندر اسکے بچہ ہوا تو وہ بچہ اسکے سر پڑیگا اور وہی کا لڑکا ہوگا اور چھ مہینے یا زیادہ میں بچہ جنیگی تو بدون دعوے کے اُس کا نہ ٹھہریگا[۵]۔ اور اگر کسی شخص نے اپنی لونڈی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہے تو وہ میرا ہے اور گواہی دی ایک عورت نے بچہ ہونیکی تو وہ لونڈی اس مرد کی ام ولد ہو جاوے گی یعنی نسب اس بچے کا بدون دعوے کے ثابت ہو جاویگا لیکن یہ اُس صورت میں ہے کہ بچہ اس لونڈی کے مرد کے اقرار سے چھ مہینہ سے کم میں ہووے اور جو شخص کسی لڑکے کو کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور مر جاوے پس اس لڑکے کی ماں کہے کہ میں اس کی بی بی ہوں اور یہ اس کا بیٹا ہے تو یہ دونوں اُس مردہ کے وارث ہونگے پھر اگر اس عورت کی آزادی معلوم نہو اور وارث مردے کا یعنی وہ لڑکا کہے کہ تو میرے باپ کی ام ولد ہے نکاحی بی بی نہیں تو اس عورت کو میراث نہ ملے گی۔

---

۱ اسلئے کہ گواہ اسے یہ نہ دیکھ سکتے تھے کہ عورت تنہا گھر میں ہو اور گھر بالکل خالی تھا اسمیں وضع حمل ہوا اور ان کو بچہ کی ولادت کا علم بچہ کو دیکھ کر یا اسکی آواز سنکر ہوا ۲ یعنی ولادت کا انکار کرے کہ یہ بچہ پیدا ہی نہیں ہوا اور اگر بچہ کا انکار کرے کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں تو اس صورت میں لعان ہوگا ۳ کیونکہ ایک عورت کی شہادت سے اگرچہ ولادت ثابت ہو جاتی ہے مگر ایک عورت کی شہادت سے معلق طلاق ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ ثبوت طلاق کیواسطے کامل شہادت شرط ہے یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں تو یہ صورت ہے پس امام صاحب کے نزدیک طلاق نہ پڑیگی اور صاحبین کے نزدیک جبکہ ایک عورت کی شہادت سے ولادت ثابت ہو گئی تو طلاق بھی پڑ جاویگی کیونکہ ولادت پر معلق تھی ۱۲ ۴ اور ظاہر ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور سے سنا ہوگا کیونکہ مقداروں کی معلوم کرنے میں عقل کو دخل نہیں ۱۲ ۵ کیونکہ یہ کہا جاویگا کہ خریدنے کے بعد حمل قرار پایا تھا پس اس کی لونڈی کا لڑکا ہوگا اور لونڈی کے لڑکے ہیں جبتک دعوے نہ کرلے اسکا نہ ٹھہریگا اور یہ اسوقت ہے کہ لونڈی کو ایک طلاق بائن دی تھی یا ایک طلاق رجعی دی تھی یا خلع کیا تھا لیکن اگر دو طلاقیں دی تھیں تو وہ لونڈی مغلظہ ہو چکی تھی اب خریداری کے بعد اس سے صحبت کرنا جائز ہی نہیں تھا پس اس صورت میں طلاق دینے کے بعد دو برس سے کم میں بچہ جنیگی تو طلاق سے پہلے کا حمل سمجھیں گے اور نسب [illegible]

ب۔ بچے کو گود لینے یعنی پرورش کے بیان میں

باب۔ بچے کے گود لینے یعنی پرورش کے بیان میں سب سے زیادہ مستحق اور بہتر بچے کے رکھنے کے لئے اُس کی ماں ہے باپ سے جدا ہونے کے پیشتر اور بعد جدائی کے بھی۔ اور بعد ماں کے نانی ہے اس کے بعد دادی اس کے پیچھے بہن حقیقی اسکے بعد بہن اخیافی[1]۔ اسکے بعد بہن علاتی پھر خالہ اسی طرح یعنی حقیقی سب سے مقدم اسکے بعد اخیافی اسکے بعد علاتی پھر پھوپھیاں اسی طور پر اور جو عورت کہ بچے کے غیر محرم سے نکاح کرلے یعنی اُس کا شوہر بچے سے قرابت قریب نرکھتا ہو تو اس عورت کا حق گود لینے کا جاتا رہیگا اور اگر وہ عورت اس شوہر سے جدا ہو جاوے تو حق مذکور پھر پلٹ آویگا بعد اُن مذکورین کے گود لینے کے مستحق عصبات ہیں ارث کی ترتیب[2] پر ماں اور نانی اور دادی لڑکے کی پرورش کی مستحق ترہیں جسوقت تک وہ اپنی حاجات ضروری سے بے پرواہ ہو جاوے[3] یعنی کھانا پینا کپڑا پہننا استنجا کرنا خود بدون کسی کی مدد کے کرسکے۔ اور اس کا اندازہ لڑکے کے حق میں سات برس کا ہے کہ اس عمر کا لڑکا یہ باتیں اپنے آپ کرلیا کرتا ہے اور لڑکی مستحق اسوقت تک ہیں کہ وہ حائضہ ہو اور ماں اور جدہ[4] کے سوا اوروں کو اسوقت تک حق ہے کہ لڑکی مشتہاۃ ہے یعنی مردوں کی خواہش کے لائق ہو جاوے اور لونڈی کو اپنی اولاد کے باب میں اور ام ولد کو اپنے بچوں کے باب میں حق گود لینے کا نہیں[5] جبتک کہ آزاد نہو جاویں اور آزاد ہونیکے بعد آزاد عورت کیطرح اُنکو حق گود میں لینے کا ہوگا اور عورت ذمی اپنے مسلمان بچے کے رکھنے کی اُسوقت تک مستحق ہے کہ وہ دین کو نہ سمجھے اور بعد دین کے سمجھ آنیکے اس بچہ کا مستحق اس کا باپ مسلمان ہوگا اور بچہ کا اس باب میں اختیار نہیں[6] اسکو اختیار نہ دیں کہ چاہے ماں کے ساتھ رہے چاہے باپ کے ساتھ اس لئے کہ اس کو عقل نہیں اور غالب یہی ہے کہ اسکے نزدیک جو بہتر ہوگا اور اسکو آرام ملیگا وہی صورت اختیار کرے لیکن امر تربیت کی مصلحت کے خلاف ہی اسلئے کہ تربیت میں دھمکی اور گوشمالی ضروری ہے اور جس عورت کو طلاق دیگئی ہو وہ اپنے بچے کو لیکر کہیں

۱؎ اخیافی کو اس لئے مقدم کیا کہ قرابت اسکی ماں کے ذریعہ سے ہے اور اس باب میں ماں کی قرابت مقدم ہے بلحاظ محبت مادری کے ۱۲

۲؎ دادا پھر بھائی پھر چچا ۱۲ ۳؎ کیونکہ جب وہ ان باتوں سے مستغنی ہوگیا تو ضرورت ہے کہ مردوں کے آداب اور اخلاق سیکھے اور بہ نسبت عورتوں کے باپ کو اسکے سیکھانے اور درست کرنے پر زیادہ قدرت ہے لہذا ماں نانی دادی کو اب اسکے رکھنے کا حق حاصل نہیں باپ کو حاصل ہے ۱۲ ۴؎ مشتہاۃ نہیں گے شہوت والی عورت کو اس کا اندازہ نو برس کا ہے ۱۲ کذا فی الدر المختار ۵؎ کیونکہ یہ لوگ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوں گے انکو بچہ کی پرورش اور داشت برداشت کی فرصت کہاں اگر یہ کہیں گی تو کماحقہ داشت برداشت نہ کرسکینگی لہذا ان کو استحقاق نہیں دیا گیا ۱۲ ۶؎ امام شافعی کے نزدیک بچہ کو اختیار دینگے وہ ماں باپ میں سے جس کے پاس رہنا پسند کرے اسکے پاس رکھیں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لڑکے کو اسطرح کا اختیار دیا تھا ہم کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے لئے خدا سے دعا کی تھی۔ کہ یا اللہ یہ بچہ اسی کو اختیار کرے جو اسکے حق میں بہتر ہو لہذا برکت دعا لڑکے کو اُسی کے اختیار کرلینے کی توفیق دی گئی اور صحیح طور سے ثابت ہے کہ صحابہ نے اس طور کا اختیار لڑکے کو نہیں دیا ۱۲

۷؎ اور یہ باتیں باپ سے ہو سکتی ہیں ماں اسکو کھیل کود سے باز نہیں رکھ سکتی ۱۲

سفر نہ کرے ہاں اگر اپنے وطن کو جہاں اس کا نکاح ہوا تھا لے جاوے تو مضائقہ نہیں۔

باب نفقے کے بیان میں - نفقہ کھانا وغیرہ دینے کو کہتے ہیں عورت کا کھانا اور کپڑا شوہر پر موافق حیثیت دونوں کے واجب ہے یعنی کھانے اور پوشاک میں دونوں کے حال کی رعایت مفلسی اور توانگری کے اعتبار[1] سے کرنی چاہیئے اگرچہ عورت اپنا مہر لینے کیواسطے صحبت شوہر کو نہ کرنے دیتی ہو لیکن جو عورت کہ سرکش ہو یعنی خاوند کے گھر سے نکل جاوے اور اسکی بات نہ مانے اس کا نفقہ اور لباس شوہر پر واجب نہیں اور نہ اس عورت کا جو کمسن قابل صحبت کے نہو اور نہ اُس کا جو قرضدار ہونے کی جہت سے قید ہو اور نہ اُس کا جو زبردستی شوہر سے چھن گئی ہو اور نہ اس کا جو حج کو شوہر کے سوا کسی اور کے ساتھ چلی گئی ہو اور نہ اُس کا جو بیماری کے سبب شوہر کے حوالے نہوئی ہو اور اگر شوہر توانگر ہو تو عورت کے خادم[2] کا نفقہ بھی اسکے ذمہ پر ہوگا۔ اور اگر شوہر نفقہ دینے سے عاجز ہو تو عورت کو اُس سے جدا نہ کیا جاوے بلکہ اسکو اجازت دیجاوے کہ شوہر کے نام قرض لے یعنی قاضی کو حکم کرے کہ اپنے شوہر پر قرض لے کر کھاوے اور اگر شوہر کو توانگری عارض ہو جاوے تو انگری کے نفقہ کو پورا کرے گو نفقہ مُفلسی کا حکم ہو چکا ہو یعنی اگر قاضی نے شوہر کو حکم دیا ہووے کہ مفلسوں کا نفقہ عورت کو دیدے اور بعد اسکے وہ توانگر ہو جاوے تو اُسکو توانگری کا نفقہ پورا دینا پڑیگا۔ اور جو مدت گذر چکی ہو اس کا نفقہ بدون قاضی کے حکم کے یا رضامندی شوہر کے واجب[3] نہیں ہوتا اور شوہر اور عورت میں سے اگر ایک مرجاوے تو جو نفقہ کہ حاکم نے مقرر کیا ہو وہ جاتا رہتا ہے اور جو نفقہ کہ شوہر[4] عورت کو دے چکا ہو اگر شوہر مرجاوے تو عورت سے وہ واپس نہ لیا جاویگا اور شوہر اگر غلام ہو اور منکوحہ کا نفقہ نہ دے تو اسکے نفقہ میں بیچڈالا جاویگا اور لونڈی منکوحہ کا نفقہ جگہ دینے سے واجب ہوتا ہے یعنی اگر لونڈی کے آقا نے لونڈی اور اس کے شوہر کو جگہ علیحدہ رہنے کی دی ہوگی تو اُس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا اور نہ واجب نہوگا اور شوہر پر عورت کے لیئے ایک مکان رہنے کو دینا واجب ہے جو شوہر کے گھر والوں اور عورت کے گھر والوں سے خالی ہو[5] اور جائز ہے عورت کے

---

[1] لیکن اگر عورت قابل صحبت کے ہے مگر شوہر صغیر ہے قابل صحبت کرنے کے نہیں ہے تو اس کے مال سے عورت کو نفقہ دیا جائیگا ۱۲ [2] یعنے صرف ایک خادم کا نفقہ دینا واجب ہوگا اور اگر شوہر مفلس ہے۔ تو خادم کا نفقہ اس کے ذمہ لازم نہیں ۱۲ [3] یعنی اگر ایام گذشتہ کا نفقہ شوہر سے عورت طلب کرے تو دلایا جائیگا۔ البتہ اگر اس سے پہلے قاضی کسی مقدار معین کا فیصلہ کر چکا ہو کہ شوہر عورت کو دیا کرے یا کسی مقدار پر میاں بی بی مصالحت کر چکے ہوں کہ اتنی مقدار شوہر برابر ادا کرتا رہیگا پھر شوہر نے نہ دیا ہو تو اس کے پانے کی عورت مستحق ہے ۱۲ [4] یعنے اگر ایک سال کا نفقہ شوہر عورت کو دے چکا ہے اور ایک ماہ گذرنے پایا تھا کہ شوہر کا انتقال ہو گیا بقیہ گیارہ مہینہ کا نفقہ شوہر کے ورثہ واپس نہ دلایا جاوے گا۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ واپس دلایا جائیگا۔ اور ایک ماہ جو شوہر کی زندگی میں گذرا ہے وہ بالاتفاق نہ دلایا جائیگا ۱۲

[5] لیکن اگر عورت اپنے شوہر کے عزیزوں کی معیت پر راضی ہو تو خالی ہونے کی کچھ ضرورت نہیں ۱۲

گھر والون کو اُس عورت کی طرف دیکھنا اور اُس سے باتین کرنی جب اُنکا دل چاہے اور جو شخص کہ غائب ہو اسکے لڑکے اور مان باپ اور منکوحہ کا نفقہ اسکے اُس مال میں مقرر کیا جاوے جو دوسرے شخص کے پاس ہو اور وہ اقرار کرے کہ یہ فلانے کا مال ہے اور یہ بھی اقرار کرے کہ یہ عورت اسی کی منکوحہ ہے اور منکوحہ سے ضمانت لے لیجاوے کہ اگر اسکی منکوحہ نہوگی تو نفقہ واپس کرنا پڑیگا اور واجب ہے نفقہ اس عورت کے لئے جو طلاق کی عدت مین ہو۔ نہ شوہر کی موت کی عدت والی کو اور نہ ایسی جدائی کی عدت والی کو جو عورت کی طرف سے ہوئی ہو مثلاً عورت کے مرتد ہونیکے باعث جدائی ہوئی ہو تو اُس کی عدت کا نفقہ شوہر پر نہ ہوگا اور اگر عورت کو تین طلاقین بائن ملین اور اسکے بعد وہ مرتد ہوگئی تو نفقہ عدت کا اسکے لئے لازم ہوتا وہ ساقط ہو جاویگا اور اگر عورت سے مذکور شوہر کے پسر کو اپنی ہمبستری پر قادر کرلے تو نفقہ مذکور ساقط نہوگا۔ اور واجب ہے آدمی پر نفقہ اپنے بچے محتاج کا۔ اور ماں پر زبردستی نہ کیجاوے کہ بچے کو دودھ پلاوے بلکہ باپ کسی دودھ پلانیوالی کو نوکر رکھ لے کہ ماں کے پاس اُسکو دودھ پلاوے اور اگر اس کی ماں منکوحہ ہو یا عدت مین تو اُسکو اجرت دودھ پلانیکی نہ دے اور بعد عدت کے ماں کو دودھ پلانے پر اجرت لینے کا زیادہ استحقاق ہے بشرطیکہ زیادہ اُجرت نہ مانگے۔ اور واجب ہے آدمی پر نفقہ اپنے ماں باپ اور اجداد اور جدات کا اگر وہ محتاج ہوں۔ اور دین کے مختلف ہونے سے نفقہ واجب نہیں ہوتا مگر منکوحہ ہونے سے یا باپ بیٹا ہونے سے یعنی اگر دو شخصوں کے دین میں اختلاف ہو تو ایک کا نفقہ دوسرے پر نہیں واجب ہوتا لیکن دو صورتوں میں اوّل یہ کہ منکوحہ اہل کتاب میں سے ہو۔ دوم یہ کہ ماں باپ کافر ہوں یا بیٹا اور پوتا کافر ہوں کہ ان صورتوں میں باوجود دین کے مختلف ہونیکے نفقہ لازم ہے اور باپ اگر اپنی اولاد کو نفقہ دے یا لڑکا اپنے ماں باپ کو نفقہ دے تو اس نفقہ میں کوئی اور شریک نہوگا اور جو رشتہ دار کہ محرم محتاج اور کمانے سے عاجز ہو اُس کا نفقہ وارثوں پر بقدر وراثت ہوگا اگر وہ توانگر ہوں مثلاً ایک شخص فقیر اور اپاہج ہے اور اسکے ایک بھائی اور ایک بہن ہے تو اُس کا نفقہ بھائی پر دو حصہ اور بہن پر ایک حصہ واجب ہوگا بشرطیکہ دونوں غنی ہوں اور باپ کو اپنے نفقہ کیلئے اپنے بیٹے کا اسباب

۱؎ اور قسم بھی لیجاوے قاضی اُس سے خدا کی قسم لے کہ شوہر اسکو نفقہ نہیں دے گیا ہے ۱۲ ۲؎ یا ایسے سبب سے جدائی ہوئی کہ عورت نے شوہر کے بیٹے کو شہوت سے بوسہ لیا ہو ۱۲ ۳؎ یعنی جس کو تین طلاقیں مل چکی ہیں ۴؎ لیکن اگر شوہر میں دایہ رکھنے کی استطاعت نہیں یا استطاعت تو ہے لیکن دایہ میسر نہیں یا دایہ میسر ہے لیکن لڑکا کسی دایہ کا دودھ سوائے والدہ کے نہیں پیتا تو ان صورتوں میں ماں دودھ پلانیوالی پر مجبور کیجائیگی ۱۲ ۵؎ یعنے عدت گذرنے کے بعد باپ نہیں چاہتا کہ اس والدہ سے دودھ پلوائے بلکہ دوسری دایہ مقرر کرنا چاہتا ہے اور یہ والدہ اتنی ہی اجرت مانگتی ہے جتنی وہ دوسری دایہ کو دیگا یا بلا اجرت لئے والدہ پلانا چاہتی ہے تو ان دونوں صورتوں میں والدہ زیادہ مستحق ہے اور اسی کو بچہ دودھ پلانیکے واسطے دیا جائیگا۔ کیونکہ بہ نسبت دایہ کے وہ زیادہ شفقت کریگی لیکن اگر زیادہ اجرت مانگتی ہے تو مستحق نہیں ۱۲ ۶؎ یعنی اولاد کا نفقہ صرف باپ پر واجب ہے اور ماں پر نہیں اور والدین کا نفقہ فرزند ہی پر ہے دوسروں پر نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی بلیح آبادی ۱۲

بیچنا درست ہے، مگر زمین اس کی فروخت کرنی درست نہیں اور کسی شخص نے اپنی امانت دوسرے پاس رکھی اور دوسرے نے اُس کی بدون اجازت کے اُسکو اسکے ماں باپ کے نفقہ میں اُٹھا ڈالا تو اس کا تاوان دینا پڑیگا اور ماں باپ کے پاس کچھ مال بیٹے کا ہو اور وہ خرچ کر ڈالیں تو انپر کچھ تاوان نہیں پس اگر ماں باپ یا بیٹے یا قریب کے لئے قاضی نے حکم نفقے کا دیا اور ایک مدت گذر گئی کہ وہ نفقہ ان کو نہ پہنچا تو نفقہ ایام گذشتہ کا ساقط ہو جائیگا ہاں اگر قاضی انکو حکم قرض لینے کا کر دے اور وہ قرض لے لیویں تو ساقط نہ ہوگا اس شخص کے ذمے لازم رہیگا۔ اور واجب ہے نفقہ غلام کا آقا پر اور اگر وہ انکار کرے نفقہ دینے سے تو غلام کا نفقہ اس کی کمائی میں ہے یعنی جو کچھ غلام کمائے اس میں سے کھائے اور اگر کوئی پیشہ وہ اسکو نہ آتا ہو تو اسکے فروخت کر دینے کا حکم[2] دیا جاوے گا۔ تاکہ ہلاک نہو۔

کتاب العُتاق

اعتین آزاد کرنے کے مسئلے ہیں جاننا چاہیئے کہ آزاد کرنا ایک عمل مستحب ہے۔ کہ حدیثوں میں اسکے فضائل بہت واقع ہیں انہیں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو کوئی آزاد کرے مسلمان بردے کو اللہ تعالٰے اُس کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنیوالے کے ہر عضو کو دوزخ کی آگ سے آزاد کرے آزادی ایک ایسی قوت شرعی ہے جو غلام میں بعد آقا کی ملک کے دور ہوتے اور بندگی کے جاتے رہنے کے ثابت ہوتی ہے جسوقت آزاد[3] کرے عاقل[4] اور بالغ اپنے غلام لونڈی کو یہ کہے کہ تو آزاد ہے یا ایسا لفظ کہے جس سے تمام بدن بیان کیا جاتا ہے مثلاً کہے کہ تیری گردن یا تیرا سر اور روح آزاد ہے یا تو عتیق ہے یا معتق ہے یا محرر ہے یا میں نے تجھ کو آزاد کیا ان الفاظ سے آزاد ہو جاویگا۔ نیت کرے یا نہ کرے اسواسطے کہ یہ کلمات صریح آزاد کرنے کے ہیں انہیں نیت[5] کی کچھ حاجت نہیں اور اگر آقا یہ کہے کہ میری ملک تجھپر نہیں خواہ یوں کہے کہ میری بندگی تجھ پر نہیں یا یہ کہ مجھکو تجھپر اختیار نہیں تو ان اگر نیت آزادی کی کریگا تو غلام آزاد ہو جاوے گا اور اگر یہ کہے کہ یہ غلام کہ میرا بیٹا یا باپ ہے یا لونڈی میری ماں ہے یا کہے کہ میرا مولا ہے یا یوں پکارے کہ اے میرے مولا یا آواز دیا

[1] یعنی باپ کو اپنی جان رکھنے کے لئے بیٹے کا مال فروخت کر لینے پر ولایت حاصل ہے بشرطیکہ مال منقولہ ہو لیکن زمین جو غیر منقولہ ہے اسکی بیع پر ولایت نہیں کیونکہ باپ کی ولایت بیٹے پر شفقت کی راہ سے ہے اور زمین بیچنے میں شفقت نہیں کیونکہ یہ باقی رکھ کر نفع اُٹھانیکی چیز ہے

[2] یعنے آقا مجبور کیا جائیگا کہ اسے فروخت کر ڈالے تاکہ آقا کا بھی نقصان نہو اسکے دام ملجائیں اور غلام بھی ہلاکت سے محفوظ رہے ۱۲

[3] اسیواسطے فقہانے بہتر جانا ہے کہ مرد غلام کو آزاد کرے اور عورت لونڈی کو آزاد کرے تاکہ اعضا کا اعضا سے مقابلہ ہو جاے ۱۲

[4] آزاد کرنیوالیکا خود آزاد ہونا اسی لئے شرط ہے کہ آزاد کرنا بغیر ملک صحیح کے نہیں ہوتا ہے اور جب تک خود آزاد نہ ہوگا کسیکا مالک ہوگا اور عاقل ہونا اسلیئے شرط ہے کہ مجنون تصرف کرنیکی اہلیت نہیں رکھتا اور آزاد کرنا ایک قسم کا تصرف ہے۔ اور بالغ ہونیکی اس لئے شرط ہے کہ نابالغ ایسے تصرفات نہیں کر سکتا جسمیں اسکو ضرر پہنچتا ہو اور آزاد کرنے میں ضرر ظاہر ہے ۱۲

[5] اور اگر کہے کہ میں نے یہ الفاظ جھوٹ موٹ کہے تھے یا میری یہ نیت تھی۔ کہ تو کام کرنے سے آزاد ہے اب تجھ سے کام نہ لوں گا۔ تو قاضی اسکی بات کو نہ مانیگا۔ کیونکہ یہ کہنا اسکا ظاہر کے خلاف ہے ۱۲

کتاب العتاق یعنے آزاد کرنے کے بیان میں

او عتیق تو ان الفاظ سے آزاد ہو گا لیکن یوں کہے کہ او بیٹے یا او بھائی[1] یا مجھ کو تجھ پر غلبہ نہیں یا الفاظ طلاق کہے یا یوں کہے کہ تو مثل آزاد ہے تو آزاد نہو گا اور آزاد ہوتا ہے ان الفاظ سے۔ تو نہیں ہے مگر آزاد اور تو آزاد خدا کی رضا کے لیئے یا شیطان کی رضا کیلئے یا بت کیلئے آزاد ہو جاتا ہے۔ قریب رشتہ دار جو ذی رحم محرم ہو مالک ہونے کے سبب سے اگرچہ مالک لڑکا یا دیوانہ ہو یعنی قریب بمجرد مالک ہونیکے آزاد ہو جاتا ہے۔

اور اگر کوئی زبردستی آزاد کراوے یا حالت نشہ میں آزاد کرے تب بھی آزاد ہو جاویگا اور اگر آزادی کو مالک ہونے یا کسی اور شرط پر مشروط کریگا تو درست ہو گا مثلاً یوں کہے کہ اگر میں مالک ہوں اس بندے کا تو یہ آزاد ہے یا فلاں شخص آوے تو میرا غلام آزاد ہے اور اگر حاملہ لونڈی کو آزاد کرے تو وہ اور اُس کا بچہ دونوں آزاد ہو جاوینگے **مترجم** کہتا ہے کہ یہ صورت اسوقت ہے کہ بعد آزادی کے چھ مہینے سے کمتر میں بچہ پیدا ہوا اور اگر بعد چھ مہینے کے پیدا ہو گا تو بچہ بالاصالت آزاد نہو گا بلکہ ماں کی تبعیت سے آزاد ہو گا اور اگر حمل آزاد کرے گا تو صرف بچہ آزاد ہو گا اُسکی ماں آزاد نہو گی اور بچہ ملک اور آزادی اور غلام ہونے میں اور مدبر اور مکاتب اور ام ولد ہونے میں ماں کا تابع ہو پس اگر لونڈی ام ولد ہو گی اور اسکے بچہ آقا کے سوا کسی اور شوہر سے ہو گا تو وہ بھی ام ولد کے حکم میں ہو گا یعنی بعد آقا کے مرنے کے ماں کے ساتھ میں آزاد ہو جاویگا اور جو بچہ کہ لونڈی کے آقا سے آزاد ہے۔

باب۔ اُس غلام کے بیان میں جس کا کچھ حصہ آزاد ہو جاوے جو شخص کہ اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کر دے تو وہ سب آزاد نہیں ہوتا۔ بلکہ اسی قدر آزاد ہوتا ہے جو مالک نے آزاد کیا ہے اور جو مقدار کہ آزاد نہیں ہوئی اُس کے لیئے آقا کو روپیہ کماوے اور اُس کا حکم مثل مکاتب کے ہے یعنی مالک کو اختیار ہے چاہے باقی کو آزاد کرے یا باقی کی قیمت اسکے کمائی سے لیوے اتنا فرق ہے کہ اگر یہ غلام کمانے سے عاجز ہو جاوے تو جسقدر آزاد ہو گیا ہے وہ پھر سے غلام نہو گا۔ بخلاف مکاتب کے کہ وہ عاجزی کی صورت میں پھر غلام ہو جاتا ہے اور اگر ایک غلام میں دو شریک تھے اور ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو دوسرے شریک کو

باب۔ اُس غلام کے بیان میں جس کا حصہ آزاد ہو جاوے

---

[1] ان الفاظ سے اسواسطے نہیں آزاد ہوتا کہ یہ الفاظ ندا کے ہیں ان سے صرف پکارنا مقصود ہوتا ہے ١٢ [2] ذی رحم محرم یعنی قرابت دار ہو جس سے رحمی تعلق ہو اور محرم بھی ہو جس سے نکاح نہو پس اگر کوئی چچا کی اولاد کا مالک ہو تو وہ آزاد نہو گی کیونکہ ذی رحم تو ہیں مگر محرم نہیں یا محض دودھ شریکی بھائی کا مالک ہوا تو وہ بھی آزاد نہو گا کیونکہ محرم تو ہے مگر ذی رحم نہیں لہذا ذی رحم اور محرم دونو باتیں ہونا ضرور ہیں ١٢ [3] حمل کو آزاد کرنا جائز ہے البتہ اسکی بیع یا ہبہ میں قبضہ کرانا شرط ہے اور بیع میں مبیع پر قدرت شرط ہے اور حمل میں یہ دونوں باتیں نادر بخلاف آزاد کرنے کے کہ اس میں ان دونوں باتوں سے کسی کی ضرورت نہیں ١٢ مفتی محمد وصی ملیح آبادی [4] کیونکہ آقا سے ہونیکی صورت میں فوراً۔ آزاد ہو گا۔ آقا کے مرنے کا انتظار نہ کیا جائے گا۔ ١٢ [5] یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ بعض کا آزاد کرنا کل کا آزاد کرنا ہے ١٢ [6] یعنی مکاتب نے اگر تمام روپیہ کما کر مولا کو ادا کر دیا ہو صرف ایک روپیہ باقی رہگیا ہو اور اس سے عاجز ہو گیا تو پھر جیوں کا تیوں غلام بن جائے گا ١٢ ١٢

اختیار ہے چاہے اپنا حصہ بھی آزاد کردے خواہ غلام سے اسقدر کمولے اور اس صورت میں ولا یعنی ترکہ غلام کا دونوں شریکوں کو پہونچیگا یا یہ کرے کہ جس نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے اُس سے اپنے حصہ کے دام بھر لے بشرطیکہ وہ روپیہ والا ہو اور وہ آزاد کرنے والا یہ دام غلام سے بعد آزادی کے لیوے اور اس صورت ولا صرف آزاد کرنیوالے کو پہنچے گی دوسرے شریک کو نہ پہنچیگی اور اگر دونوں شریک ایک دوسرے کے حصہ کے آزاد کرنے پر گواہی دیں یعنی ہر ایک یوں کہے کہ اس شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے۔ تو وہ غلام دونوں مالکوں کو اُن کے حصہ کا روپیہ کما کر دے اور آزاد ہو جاوے اور اگر دونوں شریکوں میں سے ایک تو کسی شخص کے آنے پر کل کے روزوں میں آزاد ہونیکو مشروط کرے اور دوسرا اسکے برعکس پر مشروط کرے کہ کل گذر جاوے اور معلوم نہو کہ دونوں شرطوں میں سے کونسی ہوئی تو غلام نصف آزاد ہو جاویگا[2] اور اپنی آدھی قیمت دونوں شریکوں کو کما کر دیگا مثلاً ایک شریک نے کہ اگر زید کل کو آویگا۔ تو میرا غلام آزاد ہے اور اور دوسرے شریک نے کہا کہ اگر کل کو زید نہ آوے تو میرا غلام آزاد ہے اور کل کے روز میں معلوم نہوا کہ زید آیا یا نہ آیا تو غلام مذکور نصف آزاد ہو جاویگا اور نصفی اپنی قیمت دونوں کو کما کر دیگا اور اگر دو شخصوں نے اسی طرح قسم کھائی اپنے غلام کے آزاد ہونیکی علیحدہ علیحدہ تو دونوں غلاموں میں سے کوئی بھی آزاد نہ ہوگا[3] مراد قسم سے یہاں وہی مشروط کرنا ہے مثلاً ایک شخص نے کہا کہ اگر زید کل آوے تو میرا غلام آزاد ہے اور دوسرے نے کہا کہ نہ آوے تو آزاد ہے تو اگر نہ آنا متحقق نہ ہوگا تو آزاد نہوگا اور فرق دونوں مسئلوں میں یہ ہے کہ پہلے مسئلے میں غلام مشترک تھا اور اس مسئلے میں دونوں کے غلام الگ الگ ہیں اور اگر باپ دوسرے شریک کے ساتھ میں اپنے بیٹے کا مالک ہو تو اس کا حصہ[4] آزاد ہو جاویگا اور اسکو شریک ثانی کو کچھ دینا نہ پڑیگا اور شریک کو اختیار ہے کہ یا اسکو آزاد کر دے یا اپنے حصے کی قیمت کمولے اور اگر ایک غلام کے نصف کو ایک اجنبی نے خریدا پھر باقی نصف کو اس غلام کے باپ نے خریدا تو مشتری اول کو پہنچتا ہے کہ وہ یا باپ سے اپنے حصے کا تاوان

---

[1] یہ تینوں صورتیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہیں اور نزدیک صاحبین کے دوسرے شریکدار کو صرف دو اختیار حاصل ہیں ایک یہ کہ اگر وہ آزاد کرنیوالا امیر ہے تو اس سے اپنے حصہ کے دام بھر لے اور اگر غریب ہے۔ تو غلام سے کمولے اور ولا دونوں صورتوں میں صاحبین کے نزدیک اسی آزاد کرنیوالے کو ملیگی کیونکہ بعض کا آزاد کرنا انکے نزدیک کل کا آزاد کرنا ہے ۱۲ [2] کیونکہ ایک بات تو ضرور پائی گئی ہے اگرچہ وہ معلوم نہیں ہے پس جب ایک بات یقیناً پائی گئی تو نصف یقیناً آزاد ہو جائیگا۔ مگر یہ متعین نہیں کر سکتے کہ کس کا نصف آزاد ہوا ہے اور کس کا نصف باقی ہے لہذا باقی نصف کی قیمت بھی دونوں شریک بانٹ لینگے ۱۲ [3] کیونکہ پہلی صورت میں جبکہ غلام ایک تھا تو معلوم تھا کہ یقیناً اسی غلام کا نصف آزاد ہوا ہے صرف یہ معلوم نہ تھا کہ کس طرح کا نصف آزاد ہونیکا فیصلہ کریں اور اس صورت میں دونوں باتیں نامعلوم ہیں نہ یہ معلوم کہ کون غلام آزاد ہوا ہے نہ یہ معلوم کہ کس مالک کے غلام آزاد ہونے کا فیصلہ کریں اور اس صورت میں دونوں باتیں نامعلوم ہیں نہ یہ معلوم کون غلام آزاد ہوا ہے نہ یہ معلوم کہ کس مالک کے غلام آزاد ہونے کا فیصلہ کریں پس جہالت زیادہ ہوگئی اس لئے کچھ فیصلہ نکیا جائیگا ۱۲ [4] کیونکہ اپنے قرابت والے محرم کا مالک ہوا ہے۔ لہذا جتنے کا مالک ہوا اتنا آزاد ہو جائیگا اور یہ دونوں کا مالک ہونا اگر بطریق وراثت کے ہے تو بالاتفاق باپ شریک ثانی کو کچھ نہ دیگا اگر دونوں بطریق خرید یا ہبہ یا صدقہ یا وصیت کے مالک ہوئے ہیں تو بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک باپ کو کچھ نہ دینا پڑیگا خواہ خریدتے وقت شریک ثانی کو اس کا بیٹا ہونیکا علم ہو یا نہو اور صاحبین کا اختلاف ہے انکے نزدیک ان صورتوں میں اگر باپ امیر ہے تو دوسرے شریک کے حصہ کی قیمت دینا پڑیگی ۱۲

لے لے خواہ بیٹے سے کمالے۔ اور اگر باپ نے اپنے بیٹے کا نصف کسی کے پاس سے مول لیا جو کل کا مالک تھا تو اس صورت میں باپ اس بائع کو تاوان نہ دیگا۔ بلکہ بائع یا باقی کو آزاد کردے یا اس کی قیمت اس بیٹے سے کمالے ایک غلام تین توانگروں کی شرکت میں ہے۔ ایک نے اسکو مدبر کردیا۔ اور دوسرے نے آزاد کردیا تیسرا چپ رہا۔ یہ تیسرا شخص اپنے حصے کا تاوان مدبر کرنیوالے سے لیوے اور مدبر کرنیوالا آزاد کرنیوالے سے تہائی قیمت غلام مدبر کی لے اسقدر نہ لے جتنی کہ اسنے تیسرے کو دی ہے اسلیئے کہ وہ تو پورے غلام کی تہائی تھی اور مدبر کا دام پورے کی دو تہائی کہتے ہیں تو چونکہ مدبر اسی نے کیا ہے تو اسلیئے مدبر ہی کی تہائی بھی لینی چاہیئے۔ اور اگر ایک شریک نے دوسرے سے کہا کہ یہ لونڈی تیری ام ولد ہے اور اس نے انکار کیا تو وہ لونڈی ایک روز منکر کی خدمت کرے اور ایک روز بیٹھی رہے یعنی مدعی کی خدمت نہ کرے اور اگر ام ولد کی کچھ قیمت نہیں تو اگر ان دونوں میں سے کوئی اپنا حصہ آزاد کردیگا تو دوسرے کو کچھ تاوان دینا نہ پڑے گا۔ ایک شخص کے تین غلام ہیں دو کو ان میں سے کہا کہ تم میں سے ایک آزاد ہے اس کلام کے بعد ایک چلا گیا اور تیسرا جو نہیں تھا وہ چلا آیا۔ پھر اس نے وہی کہا کہ تم میں سے ایک آزاد ہے اور اپنی نیت کا حال بدون بیان کیے مرگیا تو اس صورت میں جو غلام دونوں دفعہ میں ہاں موجود ہا اسکی تین چوتھائی آزاد ہونگی اور جو ایک دفعہ ہا یعنی دونوں باقی انکا نصف آزاد ہوگا اور اگر یہ معاملہ مالک کے مرض میں ہوا ہو اور وہ بیان کرنے سے پہلی مرجاوے تو سوم حصہ ترکہ کا ان سہاموں پر تقسیم کیا جاویگا اسلیے کہ مرض میں آزاد کرنا وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت ترکہ کی تہائی سے جاری ہوتی ہے پس سات سہام کو تقسیم کرینگے تین سہام دونوں دفعہ والے کو اور دو دو سہام ان دونوں کو اور یہ سات سہام مال مالک کی تہائی میں سے ہونے چاہیئں اور بیچنا اور آزاد کرنا اور مرنا اور ہبہ کرنا اور مدبر کرنا مبہم آزاد کرنیکا بیان ہوتا ہے یعنی اگر وہ غلاموں کو کہا کہ تم میں سے ایک آزاد ہے بعد اسکے ان میں سے ایک کو بیچ ڈالا یا آزاد کردیا یا وہ مرگیا یا مدبر کردیا یا ہبہ کیا تو دوسرا

۱؎ کیونکہ مدبر کی قیمت دو تہائی باقی رہجاتی ہے مثلاً کسی لونڈی کی قیمت تین سو روپیہ ہے اور اسکو مدبر بنادیا گیا تو اب اسکی قیمت دو سو روپیہ سمجھیں گے۔ کیونکہ منافع تین قسم کے تھے وطی کرنا خدمت لینا بیچنا اور اب مدبر کرنے سے بیچنے کا حق نہیں ہا دو حق اب بھی باقی ہیں لہذا ایک سو قیمت ساقط ہوجائیگی دو سو اب بھی باقی رہے گی ۲؎ امام صاحب کے نزدیک ام ولد کی کچھ قیمت نہیں اور صاحبین کے نزدیک قیمت ہے۔ مگر تہائی قیمت دی جائیگی دو تہائی ساقط ہوجائیگی ۱۲ ۳؎ اسکی صورت یہ ہے۔ کہ میت کے پاس کوئی ترکہ سوا ان غلاموں کے مساوی قیمت والوں کے نہیں اور وارثوں نے میت کا قول ان کے حق میں جائز نہ رکھا تو اس صورت میں ترکہ کی تہائی سے وصیت جاری ہوگی یعنی ہر ایک غلام کی قیمت کے سات سہام کرینگے اور دونوں دفعہ والے کے تین سہام آزاد ہوجاوینگے چار سہام کے وارثوں کو کماکر دیگا اور باقی دونوں کے دو سہام آزاد ہوجاوینگے انکو پانچ پانچ سہام کماکر دینا پڑینگے ۱۲ ۴؎ اور صورتوں میں تو ظاہر ہے۔ کہ تصرف کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جس میں تصرف کرتا ہے وہ مراد نہ تھا ورنہ تصرف کیوں کرتا پس دوسرا آزادی کے لئے متعین ہوگیا۔ مگر موت کی صورت میں اس لیئے زندہ غلام آزادی کیلیئے متعین ہوجائیگا کہ اگر مردہ کو متعین کرے اور بیان کرے کہ میری مراد وہ مردہ غلام تھا تو مردہ اب آزاد ہونیکا محل نہیں ہا اور بیان کرنا من وجہ فی الحال آزاد کرنا ہے اور آزاد ہونیکے لئے محل آزادی کیلئے درست ہے اور وہ موجود نہیں

میں زندہ متعین ہوگیا ۱۲

آزاد ہوگا - اور صحبت کرنا بیان نہیں یعنی اگر اپنی دو لونڈیوں کو کہا کہ ایک تم میں سے آزاد ہے بعد اسکے ایک کے ساتھ صحبت کی تو اس سے یہ معلوم نہ ہوگا - کہ دوسری کی آزادی مراد تھی اور صحبت[1] اور موت طلاق مبہم کا بیان ہوا کرتی ہیں مثلاً اگر اپنی دو بیبیوں کو کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق ہے پھر ایک کے ساتھ صحبت کی یا ایک مر گئی تو اس سے معلوم ہوگا کہ طلاق دوسری کو ہوئی اور اگر شوہر کہے کہ اوّل بچہ جو تو جنے اور اگر وہ لڑکا ہو تو تو آزاد ہے پھر اسکے ایک لڑکا اور ایک لڑکی توام[2] ہوئی اور معلوم نہوا کہ پہلے کونسا ہوا تو لڑکا تو غلام رہیگا اور لڑکی اور اسکی ماں نصف آزاد ہو جاوینگی اسلیے کہ لڑکے کا اول پیدا ہونا شرط آزادی کی ہے تو وہ ہر حال میں غلام ہی خواہ اول پیدا ہو یا پیچھے اور اس کی ماں اور بہن میں آگے پیچھے ہونے ولادت کی رو سے شبہ آزادی کا ہے کہ شاید لڑکا اول ہوا ہو گا تو آزاد ہونگے اسی لیے دونوں آدھ آزاد ہوں گے - ماں اصل میں آزاد ہوگی اور لڑکی اس کے ساتھ میں اور اگر دو گواہ کسی شخص پر گواہی دیں کہ اس نے اپنے دو غلاموں یا دو لونڈیوں میں سے ایک کو آزاد کیا ہے تو یہ گواہی لغو اور نا مقبول ہوگی اس لیے کہ جس کے لیئے گواہی دیتے ہیں وہ معلوم نہیں ہاں اگر یہ صورت وصیت میں واقع ہو کہ مرض میں اس نے ایسا کیا ہے یا طلاق مبہم میں اسطرح کی گواہی ہو تو مقبول ہوگی اسواسطے کہ وصیت میں طرف ثانی یا وصی ہوگا یا وارث ہوگا اور وہ معلوم ہیں اور طلاق میں اسلیئے مقبول ہوگی - کہ دعوی طلاق میں شرط[3] نہیں پس بدون معلوم ہونے طرف ثانی کے بھی شہادت مانی جاوے گی -

باب - آزادی کو کسی چیز پر مشروط کرنے کے بیان میں - اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ میں اگر گھر میں جاؤں تو اسروز[5] میرے جتنے مملوک ہیں آزاد ہیں - حالانکہ اسوقت[4] اسکی ملک میں کوئی غلام لونڈی نہیں تو شرط کرنے کے پائے جانے سے وہ مملوک آزاد ہو جاوینگے جو اسکی ملک میں بعد اس شرط کرنیکے آئے ہیں اور اگر لفظ اسروز نہ کہیگا تو جن مملوکوں کا مالک بعد اس شرط کے ہوگا وہ آزاد نہونگے اور کلمہ مملوک حمل پر واقع نہیں ہوتا تو کل اس شرط سے خارج رہیگا اور اگر یہ کہے کہ جتنے میرے مملوک ہیں یا میں انکا مالک ہوں وہ کل آزاد ہیں یا میرے مرنیکے بعد آزاد ہیں تو اسمیں صرف وہ مملوک شامل ہوں گے

---

[1] یعنی جڑواں لڑکے ہوئے ۱۲ [2] اور اگر لڑکی پہلے ہوگی تو آزاد نہ ہونگے پس ماں اور لڑکی دونوں کے آزاد نہ ہونے کا شک رہا پس ہر ایک کا آدھا آدھا آزاد ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

[3] یعنی طلاق بائن جس سے حرمت آجاتی ہے اسمیں دعوے کی شرط نہیں کیونکہ وہ محض حق اللہ ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ [4] یعنی جسوقت اس سے یہ کہا تھا اسوقت اس کی ملک میں کوئی مملوک نہ تھا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ [5] یعنی جس دن گھر میں جائے گا - اس دن جتنے غلاموں لونڈیوں کا مالک ہوگا وہ سب آزاد ہو جائیں گے اگرچہ اس شرط کرنے کے بعد اس کی ملک میں آئے ہوں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

جن کا وہ شخص شرع اس شرط لگانے سے مالک ہے وہ نہ شامل ہونگے جنکو بعد اس شرط کے خریدیگا اور اگر وہ شخص مرجاویگا تو اسکے مال کی تہائی سے وہ مملوک بھی آزاد ہونگے جن کا وہ بعد شرط کے مالک ہوا ہے جیسے شرط کے وقت کے مملوک آزاد ہوتے ہیں اسلیے کہ یہ اُس کا قول وصیت کے حکم میں ہے تو اس لیئے سوم حصہ مال سے جاری ہوگی۔

باب۔ مال کے عوض میں آزاد کرنے کے بیان میں

اگر کوئی شخص اپنے بندے کو مال پر[1] آزاد کرے اور وہ غلام اُسکو قبول کرلے تو آزاد ہوجاوے گا۔ اور اگر آزاد ہونے کو مال کے ادا کرنے پر مشروط[2] کرے تو وہ غلام تجارت میں ماذون ہوگا یعنی اجازت تجارت کی اُسکو آقا کی طرف سے ہوجاویگی اور مال مشروط کو آقا کے سامنے رکھنے سے آزاد ہوجاویگا یعنی یہ ضرور نہیں کہ غلام کے آزاد کرنیکو مالک قبول بھی کرے بلکہ مال کا سامنے رکھدینا کافی ہے اور اگر کہے کہ تو میری موت کے بعد ہزار کے بدلے میں آزاد ہے تو غلام کا قبول کرنا مالک کی موت کے بعد معتبر ہوگا اور اگر غلام کو اپنی ایک سال کی خدمت کے عوض آزاد کرے اور وہ غلام قبول کرلے تو اسی وقت آزاد ہوجاویگا اور مالک کی خدمت ایک برس کرنی ہوگی اور اگر مالک خدمت لینے سے پہلے مرجاوے تو اس غلام آزاد کو اپنی قیمت[3] مالک کے ورثہ کو دینی پڑے گی۔ اور اگر ایک شخص نے لونڈی کے مالک سے کہا کہ تو اسکو ہزار کے عوض اس شرط سے آزاد کردے کہ اس کا نکاح مجھ سے کردے پس مالک نے اُسکو آزاد کیا اور لونڈی نے اس شخص کیساتھ نکاح کرنے سے انکار کیا تو وہ مفت میں آزاد ہوجاویگی اس لیئے کہ شرط ہزار[4] کی پوری نہوئی اور اگر اس شخص نے اتنا اور زیادہ کہا کہ اس لونڈی کو میری طرف سے ہزار کی عوض آزاد کردے آخر تک تو اس صورت[5] میں ہزار کو اس لونڈی کی قیمت اور اسکے مہر مثل پر بانٹا جاویگا تو جسقدر اسکی قیمت کے مقابل حصہ رسد ہزار میں سے ہوگا وہ اس شخص کو مالک کے حوالے کرنا واجب ہوگا۔ اور جسقدر مہر مثل کے مقابل پڑے گا اتنا دینا نہ آویگا وہ نکاح نہ ہونے کی جہت سے جاتا رہا۔

[1] کیونکہ اسکے کلام میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو ان مملوکوں پر شامل ہو جنھیں اُس نے بعد اس کہنے کے خریدا ہے ۱۲ [2] یعنے یوں کہے کہ تو آزاد ہے ہزار روپیہ پر یا بدلے تین ہزار روپیہ کے اور غلام اسے قبول کرلے اس کا قبول کرنا شرط ہے پس جب قبول کرلیگا تو بمجرد قبول کرنے کے آزاد ہوجاویگا اور وہ روپیہ اسپر دین رہیگا بخلاف مکاتب کے کہ وہ جب سب بدل کتابت ادا کرلیتا ہے تب آزاد ہوتا ہے ۱۲

[3] مثلاً یوں کہے کہ اگر تو ہزار روپیہ مجھ کو ادا کرے تو تو آزاد ہے پس اس صورت میں یہ سمجھا جاویگا کہ اسے تجارت کرنیکی اجازت بھی دی ہے ورنہ مال کہاں سے لاتا اور ظاہر ہے کہ گداگری کرانا مقصود نہیں ۱۲ [4] اور امام محمد کے نزدیک خدمت کی قیمت دینا پڑیگی یعنی یہ دیکھا جاویگا کہ یہ غلام اجرت پر اگر ایک سال خدمت کرتا تو کتنی اجرت ہوتی پس اتنی ہی اجرت ورثہ کو ادا کردیگا ۱۲ [5] کیونکہ ہزار دینے کیلئے نکاح کرنا بھی شرط تھا اور وہ ہوا نہیں کیونکہ لونڈی نے انکار کردیا اور اسے مجبور کر سکتا نہیں اسلیئے کہ وہ آزاد ہوچکی ہے

[6] کیونکہ اس صورت میں اس نے ایک ہزار کو دو چیزوں کے مقابلہ میں کہا ہے ایک آزادی دوسرے نکاح پس آزادی تو پائی گئی مگر نکاح نہیں پایا گیا لہذا لونڈی کی قیمت کے مقابلہ میں ہزار سے جو پڑیگا وہ دینا ہوگا اور جو مہر مثل کے مقابلہ میں پڑیگا وہ ساقط ہوجاویگا کیونکہ نکاح نہیں ہوا مثلاً لونڈی کی قیمت ایک ہزار روپیہ تھی اور مہر مثل پانسو روپیہ تھا تو ہزار کی دو تہائی دینا پڑیگی اور ایک تہائی ساقط ہوجاویگی +

باب - مال کے عوض میں آزاد کرنے کے بیان میں

باب۔ مملوک کے مدبّر کرنے کے بیان میں۔ مدبر کرنا یہ ہے کہ مملوک کی آزادی کو اپنی موت مطلق[1] پر مشروط کرے۔ مثلاً یہ کہے کہ جب میں مروں تو تو آزاد ہے یا تو آزاد ہے جسدن میں مرجاؤں یا میرے بعد تو مدبر ہے یا تجھ کو میں نے مدبر کیا پس اس طرح کا غلام نہ بیچا جاوے نہ ہبہ کیا جاوے لیکن اس سے کار خدمت لیا جاوے اور مزدوری پر بھیجا جاوے اور اگر لونڈی ہو تو اس سے صحبت کیجاوے اور اسکا نکاح کردیا جاوے اب مالک کے مرنے پر مدبر کے تین حال ہیں۔ اگر مالک تونگر ہو تب مدبر اس کے تہائی مال میں سے بالکل آزاد ہوجاویگا[2] اور اگر وہ فقیر ہو تو تہائی آزاد ہوگا اور اپنی دو تہائی قیمت مالک کے وارثوں کو دینی پڑیگی[3] اور اگر مالک قرضدار ہو تو اپنی کل قیمت کماکر دینی ہوگی اور جن صورتوں میں کہ مالک کہے کہ اگر میں اپنے اس مرض خواہ اس سفر سے میں مرجاؤں یا دس برس تک مرجاؤں تو تو آزاد ہے یا فلاں شخص کے مرنیکے بعد تو آزاد ہے تو ان صورتوں میں اُس کا بیچنا درست ہے یعنی وہ مدبر نہوگا اور اگر ان صورتوں میں شرط پائی جاویگی تو وہ آزاد ہوجاویگا اسلیے کہ یہ صورتیں مشروط آزادی کی ہیں مدبر کرنے کی نہیں۔

باب۔ ام ولد بنانیکے بیان میں۔ اگر کسی لونڈی کے مالک سے اولاد ہو تو اسکو دوسرے کی ملک کرنا یعنی بیچنا اور ہبہ کرنا درست نہیں لیکن اس سے صحبت کرنی اور خدمت کرانی اور مزدوری کرانی اور دوسرے سے اُس کا نکاح کرنا جائز ہے پھر اگر دوسری دفعہ اُسکے اولاد ہو تو اس بچے کا نسب مالک سے بدون اسکے دعوٰی کے ثابت ہوگا۔ بخلاف اول دفعہ کی اولاد کے کہ وہ بدون دعوی مالک کے ثابت نہوگا اور دوسری دفعہ کے بچے کے نسب کا اگر مالک منکر ہوگا تو اُس کا نسب اُس سے الگ ہوجاویگا اور وہ لونڈی مالک کے مرنے پر اُس کے کل مال میں سے آزاد ہوجاویگی اور اپنی قیمت مالک کے قرضخواہ کیواسطے نہ کماویگی اور اگر نصرانی شخص کی ام ولد مسلمان ہوجاوے تو چاہیے کہ وہ اپنی قیمت مالک کو کماکر دے اسلیے کہ مسلمان عورت کا نصرانی کے ماتحت رہنا جائز نہیں اور اگر کوئی لونڈی نکاح کے سبب بچہ جنے پھر اُس کا شوہر اس کا مالک ہوجاوے تو وہ لونڈی اس شخص کی ام ولد ہوجاویگی[4] او

---

[1] یا موت مقید ہو مگر ایسی قید سے کہ جس کا ہونا غالب ہو مثلاً ایک اسی برس کا بڈھا یہ کہے کہ اگر میں اسوقت سے لیکر سو برس تک میں مرجاؤں تو تو آزاد ہے اس صورت میں بظاہر موت کو سو برس تک کے لئے مقید کیا ہے مگر بہ معنی میں مطلق کے ہے کیونکہ ایسے بڈھے کا اب سو برس کے اندر مرجانا غالب ہے پس وہ غلام مدبر ہوجائیگا ۱۲ [2] اس لئے کہ اتنک اسمیں ملک باقی ہے البتہ آزادی کا استحقاق پیدا ہوگیا ہے۔ نہ یہ کہ وہ حقیقۃً اسی وقت سے آزاد ہوگئی ۱۲ [3] یعنی اگر اس مرنیوالے نے اور کچھ مال نہیں چھوڑا صرف اسی ام ولد کو چھوڑا ہے تو یہ ام ولد پوری مفت آزاد ہوجائیگی ایسا نہ ہوگا۔ کہ ایک تہائی آزاد ہو اور دو تہائی کی قیمت کماکر ادا کرے جیسا کہ مدبر میں ہوتا ہے۔ کیونکہ مدبر بنانا درحقیقت وصیت ہے لہذا ثلث میں نافذ ہوا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ [4] کیونکہ لڑکا اس کا اسی سے ثابت النسب ہے۔ اور لڑکے کی ماں کا اگر مالک ہو تو وہ ام ولد ہوجاتی ہے اور امام شافعی کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ام ولد نہ ہوگی

اگر ایک لونڈی دو مردوں میں مشترک ہو اور وہ بچہ جنے اور اُن دونوں میں سے ایک اُس کا مدعی ہو تو اس بچے کا نسب اُس سے ثابت ہوگا اور وہ لونڈی اس کی ام ولد ہوجائیگی اور اُس کو لازم ہوگا کہ آدھی قیمت لونڈی کی اور آدھی اُجرت صحبت کی حوالے اپنے شریک کے کرے اُس بچے کی قیمت کچھ نہ دے[1] اگر وہ دونوں شریک اس بچے کے مدعی ہوں تو اس کا نسب دونوں سے ثابت ہوگا اور وہ لونڈی دونوں کی ام ولد ہوگی اور ہر ایک پر اُنمیں نصف اُجرت صحبت کی لازم ہوگی آپسمیں مجرا دیویں یعنی نہ یہ اُس سے لے نہ وہ اُس سے واسطے کہ ہر واحد پر دوسرے کا حق برابر ہے اور اگر ان شریکوں میں سے کوئی مریگا تو وہ بچہ ہر ایک کے ترکہ میں سے پوری میراث بیٹے کی پاوے گا۔ اور اگر وہ انکے سامنے مر جاویگا تو اس کے ترکے میں سے ان دونوں کو ایک باپ[2] کا حصہ ملیگا اسکو دونوں باہم تقسیم نصفا نصف کرلیں اگر ایک شخص کے پاس غلام مکاتب ہے۔ اور مکاتب کے پاس لونڈی ہے اس شخص نے اس لونڈی کے بچے کا دعویٰ کیا اور مکاتب نے اسکے قول کی تصدیق کی تو نسب لازم ہوگا۔ اور اجرت صحبت کی اور قیمت بچے کی اپنے مکاتب یعنی لونڈی کے مالک کو حوالے کرنی پڑے گی اور وہ لونڈی اُس شخص کی ام ولد[3] نہوگی اور اگر مکاتب نے اسکو دعوے میں جھٹلایا تو نسب اُس سے ثابت نہوگا

کتابُ الایمان

اسمیں قسموں کا بیان ہے۔ قسم اس کو کہتے ہیں کہ خبر کے سچ یا جھوٹ کو ایسی چیز کے ذکر سے مضبوط کرے جس کے نام کی قسم کھائی ہے۔ پھر قسم کی تین قسمیں[4] ہیں۔ اول یہ کہ کسی گذشتہ معاملے پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھاوے اس کو غموس[5] کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ظن غالب کی راہ سے قسم کھاوے وہ قسم لغو ہے اول صورت میں گناہگار ہوتا ہے دوسری میں نہیں ہوتا۔ تیسرے یہ ہے کہ کسی امر آیندہ پر قسم کھاوے یہ قسم منعقدہ ہے اور صرف اسمیں اگر قسم کے خلاف کرے گا تو کفارہ لازم آویگا یعنی غموس اور لغو قسم میں کفارہ واجب نہیں۔ اور قسم منعقدہ کو کسی کی زبردستی سے کھاوے یا بھول کر کھاوے اور اسکا

[1] کیونکہ انزال سے ذرا پہلے پوری لونڈی پر اس کی ملک ہو جائیگی لہذا استقرار حمل اسی کی ملک میں ہوگا لہذا بچے کی کچھ قیمت نہ دیگا البتہ آدھی اُجرت صحبت کی دیگا کیونکہ صحبت اپنی اور اس کی دونوں کی ملک میں ہوئی ہے ۱۲ [2] کیونکہ حقیقت میں اس کا باپ ایک ہی ہے اس لئے کہ ایک بچہ کا حمل دو شخصوں سے متصور نہیں اور وہ ایک کون ہے یہ معلوم نہیں اس لئے ایک باپ کا حصہ دونوں پر تقسیم کردیا جائیگا ۱۲ [3] کیونکہ وہ لونڈی مکاتب کی مملوک ہے اس کی ملک اُس شخص پر ثابت نہیں ہوئی۔ لہذا ام ولد نہ ہوگی اور بچہ کا حکم میں ولد مغرور کے ہے لہذا ثابت النسب ہوگا ۱۲ [4] مطلق قسم تین قسموں میں منحصر نہیں کیونکہ ایک چوتھی قسم بھی نکلتی ہے وہ یہ کہ کسی گذشتہ معاملہ پر جان بوجھ کر سچی قسم کھاتے مگر چونکہ اس قسم سے کوئی احکام شرع متعلق نہ تھے اسواسطے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ اور ان تینوں قسموں سے احکام شرعیہ کا تعلق نہ تھا مثلاً عدم کفارہ پر قت منت یعنی توڑنے کے لغو اور غموس میں اور کفارہ منعقدہ میں ۱۲ [5] غموس کے معنے ڈوبنے والے کے ہیں

چونکہ یہ قسم آدمی کو گناہ میں ڈبوتی ہے۔ اس لئے غموس نام ہوا ۱۲

کتاب الایمان

خلاف خواہ کسی کی زبردستی سے کرے یا بھولکر کرے سب طرح سے کفارہ لازم[1] اور قسم خدائے تعالے کی اور رحمٰن اور رحیم اور اس کی عزت اور اس کی بزرگی اور اس کی کبریائی کی ہوتی ہے اور اسکے الفاظ یہ ہیں قسم کھاتا ہوں اور حلف کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں گو خدا کی گواہی دیتا ہوں نہ کہے اور لعمر اللہ اور ایم اللہ اور عہد خدا کی قسم اور پیمان خدا کی قسم اور مجھ پر نذر ہے یا خدا تعالیٰ کی نذر ہے اور اگر میں یہ کام کروں تو کافر ہوں[2] یہ سب کلمات قسم کے ہیں اور خدا کے علم اور غضب اور غصہ اور رحمت کی قسم اور اس کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن کی اور کعبے کی اور خدا کے حق کی قسم کھانے سے قسم[3] نہیں ہوتی اور اگر میں یہ کام کروں تو مجھ پر خدا کا غضب اور غصہ ہو یا میں زانی یا چور یا شرابخور یا سود خوار ہوں ان کلمات سے بھی قسم نہیں ہوتی اور قسم کے حروف عربی میں ب اور واو اور ت ہیں مثلاً باللہ اور واللہ اور تاللہ اور کبھی حرف قسم پوشیدہ بھی ہوتا ہے جیسے اللہ کہے اور مراد واللہ کہنے سے ہو اور اگر قسم کے خلاف کام کرے تو اس کا کفارہ ایک بردہ کا آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا جس طرح ان دونوں باتوں کا ذکر ظہار میں گذر چکا ہے یا دس آدمیوں کو کپڑا پہنانا اس طرح کہ ان کا بدن ڈھک جائے پس اگر یہ دونوں باتیں نہو سکیں تو تین روزے پیہم رکھے اور قسم کے خلاف کرنے سے پیشتر کفارہ نہ دے۔ اور جو شخص کسی گناہ کے کام کرنے کے لئے قسم کھاوے[4] تو اسکو چاہیئے کہ اپنی قسم کے خلاف عمل کرے اور قسم کا کفارہ دیوے۔ اور کفارہ قسم کا کافر پر لازم نہیں گو قسم کے خلاف حالت مسلمانی میں کرے اور جو کوئی اپنی ملک کو اپنے اوپر حرام کرلے وہ حرام نہیں ہوتی۔ پس اگر اسکو استعمال میں لائے تو کفارہ[5] دے اور اگر یوں کہے کہ ہر ایک حلال چیز مجھپر حرام ہے یہ قسم کھانے اور پینے کی چیزوں پر ہوگی اور فتوے اس پر ہے کہ اس کلام سے اس کی بی بی بدون نیت طلاق کے بائن ہو[6] جاتی ہے اور جو شخص کوئی نذر مطلق یا مشروط کسی شرط پر کرے اور وہ شرط پائی جائے تو اپنی نذر پوری کرے خواہ نذر مطلق ہو یا مشروط لیکن اگر قسم میں کلمہ انشاء اللہ ملاوے

---

[1] امام شافعی کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بھول لینے والے اور زبردستی کرنیوالے پر کفارہ لازم نہوگا ۱۲ [2] پس اگر وہ کام کر لیا اور جانتا ہو کہ اس کہنے سے قسم ہوا کرتی ہے تو کفارہ واجب ہوگا اور اگر یہ سمجھتا ہو کہ اس کہنے سے کفر آجاتا ہے تو کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ کفر سے رضامندی پائی گئی جب اس نے وہ کام کیا ۱۲ [3] کیونکہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو شخص قسم کھانا چاہیے وہ خدا کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے ۱۲ [4] مثلاً یوں کہے کہ اپنے والدین سے نہ بولوں گا یا مسجد میں نہ جاؤں گا تو اس پر لازم ہے کہ والدین سے بولے اور مسجد میں جائے اپنی قسم توڑ ڈالے اور کفارہ دیدے کیونکہ پورا کرنے میں خیر سے باز رہیگا اور وہ گناہ ہے ۱۲ [5] اور امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں کفارہ نہوگا۔ کیونکہ حلال چیز کو حرام کر لینا یہ ایک امر نامشروع ہے پس اس سے امر مشروع پیدا نہ ہوگا یعنی قسم جو ایک امر مشروع ہے منعقد نہ ہوگی اور ہم کہتے ہیں کہ اس کہنے سے وہ چیز بعینہ حرام نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ خلاف ہے شرع نے اس کو حلال کیا ہے البتہ قسم کی رو سے حرمت مراد لینا ممکن ہے پس قسم پر محمول کرینگے ۱۲ [6] کیونکہ حلال کو حرام کرنا طلاق پر زیادہ بولا جاتا ہے ۱۲

تو قسم نہ ہوگی اور اس کے خلاف کرنے سے کچھ لازم نہ آوے گا

باب۔ اندر جانے اور نکلنے اور رہنے اور آنے وغیرہ پر قسم کھانے کے بیان میں

اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں گھر کے اندر نہ جاؤنگا تو کعبہ میں اور مسجد میں اور گرجا میں اور گرجا اور یہودیوں کے مندر میں اور گھر کی ڈیوڑھی اور رستے کے چھتے اور صُفّے[1] میں جانے سے اسکی قسم[2] نہ ٹوٹیگی صفہ اسکو کہتے ہیں کہ تین دیواروں پر چھت ڈالدیجاوے اور اگر قسم کھائی کہ کسی گھر میں نہ جاؤں گا اور پھر گھر میں ڈھینے کے بعد داخل ہوا تب بھی قسم نہ ٹوٹے گی۔ اور اگر قسم نہ کھائی کہ اس گھر میں نہ جاؤں گا اور اس کے گرجانے کے بعد اسمیں جاوے تو قسم کے خلاف ہوجاویگا۔ اگر وہ مکان ٹوٹ کر دوسرا بنگیا ہو۔ اور اگر مکان مذکور ٹوٹنے کے بعد باغ یا مسجد یا حمام یا کوٹھڑی ہوگیا ہو تو اسمیں جانے سے قسم نہ ٹوٹیگی اسی طرح اگر کہے کہ اس کوٹھڑی میں نہ جاؤں گا اور وہ ویران ہوجاوے یا اس کی جگہ دوسرا مکان بنجاوے تو اس میں جانے سے قسم نہ ٹوٹیگی۔ اور جو شخص کہ گھر کی چھت پر کھڑا ہو وہ مکان[3] میں داخل ہے اور دروازہ کی محراب میں کھڑا ہو وہ مکان کے اندر نہیں اور پوشاک اور سواری اور رہنے ٹھیرا رہنا ایسا ہے کہ گویا اب شروع کیا ہے یعنی اگر یوں قسم کھاوے کہ میں اس کپڑے کو نہ پہنوں گا حالانکہ پہنے ہوئے ہے یا یہ کہے کہ اس گھوڑے پر سوار نہ ہوں گا اور اسوقت سوار ہے یا کہے کہ اس گھر میں نہ رہونگا حالانکہ رہتا ہے اور اسی حالت پر ٹھہرا رہے تو قسم ٹوٹ[4] جاویگی اور اگر یوں کہے کہ میں اس گھر میں داخل نہونگا اور اس میں موجود ہو اور ٹھیرا رہے تو اس ٹھیرنے سے قسم نہ ٹوٹیگی اور اگر یہ قسم کھاوے کہ میں اس مکان میں یا اس کوٹھڑی یا اس محلے میں نہ رہوں گا اور خود چلا گیا مگر اس کا اسباب اور گھر کے لوگ رہ گئے تو قسم ٹوٹ جاویگی بخلاف شہر کے یعنی اگر اس بات کی قسم کھائی کہ شہر میں نہ رہوں گا اور خود نکل گیا اور اسباب اور اہل وعیال شہر میں رہے تو قسم نہ ٹوٹیگی اور اگر قسم کھاوے کہ میں نہ نکلوں گا پھر اُس کی اجازت سے لوگ اسکو اُٹھالائے تو قسم ٹوٹ[5] جائیگی اور اگر اس کی اجازت سے اسکو نہیں اُٹھایا بلکہ خود لے آئے خواہ وہ راضی تھا یا زبردستی

---

[1] ھدایہ میں لکھا ہے کہ صفہ میں داخل ہونے سے قسم ٹوٹ جائیگی۔ کیونکہ وہ اس غرض سے بنایا جاتا ہے کہ بعض وقتوں میں شب باشی کی جاوے ۱۲

[2] کیونکہ گھر سے مقصود وہ مقام ہے جو شب باشی کیلئے مہیا کیا گیا ہو اور یہ چیزیں عام طور سے شب باشی کیلئے نہیں بنائی جاتیں بلکہ اور دوسرے اغراض کیلئے بنائی جاتی ہیں ۱۲

[3] یعنی اگر مکان میں داخل ہونیکی قسم کھائیگا اور چھت پر کھڑا ہوگا تو قسم ٹوٹ جائیگی اور بعضوں نے کہا ہے کہ نہ ٹوٹیگی ۱۲

[4] اور اگر کہنے کے بعد ہی فوراً کپڑا اتار ڈالے اور سواری سے اتر آئے اور مکان سے نکلنا شروع کردے تو قسم نہ ٹوٹیگی کیونکہ کپڑا اتارنے میں جو وقت صرف ہوا اور سواری سے اترنے میں اور مکان سے نکلنے میں جتنا زمانہ لگا وہ عفو ہے اس لئے کہ قسم کے پورا کرنے کے واسطے کچھ مہلت ضرور ملنا چاہیئے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

[5] کیونکہ مامور کا فعل امر کیطرف منسوب ہوگا پس ایسا ہوگیا جیسے گھوڑے پر سوار ہوکر نکل آتا۔ تو اس صورت میں قسم ٹوٹ جاتی ایسے ہی اس کی اجازت سے جب دوسرا آدمی لادیا تو بھی قسم ٹوٹ جاویگی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

باب اندر جانے اور نکلنے اور رہنے اور آنے وغیرہ پر قسم کھانے کے بیان میں

سے لے آئے تو قسم نہ ٹوٹیگی جیسے اس صورت میں کہ قسم کھائی کہ میں صرف جنازہ ہی کے لئے نکلوں گا۔ اور پھر جنازہ کیلئے نکلے اور جنازہ کے بعد اپنے کسی کام کو جاوے تو قسم نہ ٹوٹے گی۔ اور اگر قسم کھائی کہ مکے کو نہ نکلوں گا یا نجاؤں گا پھر مکہ کے ارادہ سے نکلے اور اثناء راہ سے پھر آوے تو قسم ٹوٹ جاویگی اور اگر یوں کہے کہ مکہ میں داخل نہوگا۔ اور وہی صورت[1] ہو جو مذکور ہوئی تو قسم نہ ٹوٹیگی اور اگر قسم کھاوے کہ فلاں شخص کے پاس ضرور آؤنگا اور نہ آیا یہاں تک کہ مر گیا تو اسکی زندگی کے آخر میں[2] ٹوٹے گی اور اور اگر قسم کھاوے کہ مجھ سے ہو سکے گا تو فلان کے پاس ضرور آؤں گا۔ اس ہو سکنے سے مراد بدن کی تندرستی ہوگی یعنی بشرط خیریت ضرور آؤں گا اور بشرط قدرت مراد نہوگی[3] جسکے یہ معنی ہیں کہ تمام اسباب اور پرنیچے کے موجود ہوں اور سب موانع اندر باہر کے برطرف ہوں کہ اس حال میں معلول کا موجود ہونا واجب ہوتا ہے اور اگر وہ شخص ان الفاظ سے بشرط قدرت ہی ارادہ کرے تو دیانت کی راہ سے مان لیا جاوے یعنی یہ نیت اس معاملہ میں کہ اُس میں اور خدا تعالےٰ سے پڑیگا مقبول ہوگی مگر قاضی کی عدالت میں مقبول نہوگی اس کے نزدیک بشرط خیریت ہی سمجھا جائیگا اور اگر قسم کھائی کہ میری منکوحہ بجز میری اجازت کے نہیں نکلے گی تو ہر نکلنے گی تو ہر نکلنے کیواسطے علیحدہ اجازت شرط ہوگی ورنہ قسم ٹوٹ جاویگی بخلاف اس کے کہ یوں کہے کہ میری عورت نہ نکلے مگر یہ کہ میں اجازت دوں یا نہ نکلے جب تک میں اجازت دوں تو اس صورت میں ہر نکلنے کے لئے علیحدہ اجازت ضرور نہوگی بلکہ اول بار نکلنے کے واسطے اجازت چاہیئے اور اگر عورت نے نکلنے کا ارادہ کیا یا اپنے غلام کو مارنا چاہا تو شوہر نے کہا کہ اگر تو نکلے یا غلام کو مارے تو تو طالق ہے تو یہ طلاق اُسی نکلنے اور مارنے پر مشروط ہوگی یعنی اگر عورت اُسوقت نکلنے یا مارنے سے باز رہی اور پھر نکلے اور مارے تو طلاق نہ پڑیگی جیسے اس صورت میں کہ ایک شخص سے کہا کہ بیٹھ جا میرے پاس کھانا کھالے اس نے جواب دیا اگر میں کھانا کھاؤں تو میرا غلام آزاد ہے تو یہ آزادی اُسیوقت کے کھانے پر مشروط ہوگی اور قسم کے ٹوٹنے میں غلام کی سواری خود اُس شخص

---

[1] یعنی مکہ کی طرف چلکر اثنائے راہ سے واپس آیا تو قسم نہ ٹوٹیگی۔ کیونکہ مکہ میں داخل ہونے کی قسم کھائی تھی اور داخلہ پایا نہیں گیا اور پہلی صورت میں نکلنے اور چلنے کی قسم کھائی تھی اور وہ پا لیا گیا۔ اس لئے قسم ٹوٹ گئی ۱۲ [2] یعنی اگر قسم اللہ کی ہوگی تو کفارہ ترکہ میں لازم ہوگا اور اسکی زندگی میں قسم اسلئے نہ ٹوٹی۔ کہ زندگی بھر اُمید تھی۔ کہ شاید کہ چلا جائے اور قسم پوری ہو جاوے ۱۲ [3] کیونکہ قاضی ظاہر حال پر فیصلہ کرتا ہے اور ظاہر یہی ہے۔ کہ بدن کی تندرستی مراد ہوگی اور اس کا یہ کہنا کہ میں بشرط قدرت مراد لیا تھا تو قاضی کی عدالت میں باور نہ ہوگا۔ کہ شاید اپنی تخفیف کی غرض سے کہتا ہے ۱۲ [4] اس کو یمین فور کہتے ہیں یعنی ایسے وقت اس کہنے سے عرف میں یہی سمجھتے ہیں کہ اس فوری فعل پر مشروط کر رہا ہے۔ کیونکہ قسم کا دارومدار عرف پر ہے۔ پس اُسی وقت نکلنا یا غلام کا مارنا پایا جائیگا تو طلاق پڑ جائیگی ورنہ نہیں ۱۲ [5] کیونکہ اس کا یہ کلام کھلانے کے واسطے بلانے والے کے جواب میں واقع ہوا ہے لیس ضرور ہے کہ جواب سوال کے مطابق ہو اور سوال اسی وقت کے کھانیکا کیا گیا ہے پس اگر اسی وقت اسکے پاس کھانا کھائیگا تو غلام آزاد ہو جائیگا اور اگر چلا آیا اور اپنے گھر آکر کھانا کھایا تو غلام آزاد نہ ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

کی ہو گی بشرطیکہ وہ غلام کی سواری کی بھی نیت قسم میں کرلے اور یہ کہ غلام کے ذمہ قرض کسی کا نہ ہو۔ اور اگر قرض ہوگا تو غلام کی سواری خود اس کی نہ ہو گی گو وہ نیت بھی کرلے اس مسئلے میں صورت یہ ہے مالک کہے کہ میں اگر اپنی سواری پر سوار ہوں تو مثلاً میرا غلام آزاد ہے اور نیت کرلے کہ سواری خواہ میری ہو یا میرے غلام کی مگر اس غلام پر کسی کا قرض نہو تو اس صورت میں اگر وہ اپنے غلام کی سواری پر سوار ہوگا تو اس کا غلام آزاد ہو جاویگا۔

باب۔ کھانے پینے پہننے کلام کرنے پر قسم کے بیان میں

اگر قسم کھائے کہ اس درخت میں سے نہ کھاؤں گا تو اُس کا میوہ[۲] کھانیسے قسم ٹوٹ جاویگی۔ اور اگر یوں کہا کہ ان کچے چھواروں یا پکوں کو نہ کھاؤں گا۔ یا اس دُودھ کو نہ پیوں گا تو جس صورت میں جیسے کو معین کیا تھا اس میں پکوں کے کھانیسے اور پکوں کی صورت میں خشک کے کھانے سے اور دُودھ کی صورت میں اُس کے دہی کے کھانے سے قسم نہ ٹوٹے گی لیکن اگر کہا کہ اس لڑکے سے یا اس جوان سے نہ بولوں گا یا اس بھیڑ کے بچے کو نہ کھاؤں گا تو اگر اس لڑکے سے جوانی میں بولیگا یا جوان سے اسکے بوڑھا ہونے پر کلام کریگا یا بچے کو بڑا ہونے پر کھاویگا تو قسم ٹوٹ جاویگی اور اگر کہے کہ میں کچے چھوہارے نہ کھاؤنگا اور پختہ کھاوے تو قسم نہ ٹوٹے گی اور اگر کہے کہ پختہ چھوہارے یا کچے نہ کھاؤں گا یا یوں کہے کہ نہ پکے کھاؤنگا نہ خام تو مذنب یعنی گدرے کھانے سے قسم ٹوٹ جاوے گی اور مذنب کچے چھوہارے کو کہتے ہیں جو ایک طرف سے پکنا شروع ہو گیا ہو یا پکا ہوا اور تھوڑا سا کچا رہا ہو۔ اور اگر کہے کہ میں تر چھوہارے نہ خریدوں گا پھر خوشہ کچے چھوہاروں کا مول لے جسمیں کچھ تر بھی ہوں تو قسم نہ ٹوٹیگی اور اگر کہے کہ گوشت نہ کھاؤں گا تو مچھلی کھانے سے قسم نہ ٹوٹیگی۔ اور سور اور انسان کا گوشت اور کلیجی اور اوجھ گوشت ہے یعنی اگر قسم کھائے کہ گوشت نہ کھاؤنگا تو ان چیزوں کے کھانیسے قسم ٹوٹ جاویگی اور اگر کہے کہ چربی نہ کھاؤں گا اور پیٹھ کی چربی کھاوے یا کہے کہ گوشت یا چربی کو نہ کھاؤں گا اور پھر دنبہ کی چکتی کھاوے یا کہے کہ ان گیہوؤں کو نہ کھاؤنگا اور انکی روٹی کھاوے تو ان صورتوں میں قسم ٹوٹ جاویگی

---

۱ یا یوں قسم کھائی کہ مثلاً میں زید کی گھوڑے پر سوار نہ ہونگا پس زید کے گھوڑے پر سوار ہوا وہ غلام کہ خود ماذون بالتجارۃ تھا تو اگر اس غلام پر اسکی قیمت وکمائی کی برابر یا زیادہ قرض ہے تو اسکی قسم نہ ٹوٹیگی اور اگر اس غلام پر قرض ہی نہیں یا کم ہے تو اگر زید کے گھوڑے سے خاص زید ہی کا گھوڑا مراد لیا تھا تو بھی قسم نہ ٹوٹیگی اور اگر یہ نیت کی تھی کہ زید کا گھوڑا ہو یا اسکے غلام ماذون کا ہو تو قسم ٹوٹ جائیگی ۱۲ ۲ کیونکہ اس کہنے سے کہ اس درخت میں سے نہ کھاؤنگا عرف میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسکے پھل نہ کھاؤنگا پس اگر پھل کھائیگا تو قسم ٹوٹ جائیگی ۱۲ ۳ کیونکہ اس کہنے سے مقصود یہ تھا کہ اس شخص سے نہ بولوں گا اور شخص وہی رہیگا خواہ لڑکپن سے جوان ہو جاوے یا جوانی سے بوڑھا ہو جاوے اور بھیڑ کے بچے میں مقصود یہ تھا کہ خاص اس جانور کا گوشت نہ کھاؤنگا پس بڑا ہونے کے بعد بھی جانور وہی رہا لہذا قسم ٹوٹ جائیگی ۱۲ ۴ کیونکہ عرف میں مچھلی کھانے کو یہ نہیں کہتے کہ گوشت کھایا یا مچھلی کا گوشت کھایا بلکہ یہ کہتے ہیں کہ مچھلی لہذا مچھلی کھانیسے قسم نہ ٹوٹیگی ۱۲ ۵ یہ مسئلہ متن کا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ دنبے کی چکتی کھانے سے قسم نہ ٹوٹیگی کیونکہ چکتی ایک تیسری قسم ہے نہ اسکو گوشت کہتے ہیں نہ چربی اور ایسی ہی گیہوں والی صورت میں اگر ان گیہوؤں کی روٹی کھاویگا تو امام صاحب کے نزدیک قسم نہ ٹوٹے گی البتہ گیہوں کو چبا کر کھانے سے قسم ٹوٹ جاویگی ۔ ۱۲

اور اگر کہے کہ اس آٹے کو نہ کھاؤں گا تو اس کی روٹی کھانے سے قسم ٹوٹیگی خشک کھانے سے نہ ٹوٹیگی اور روٹی کی اگر قسم کھاوے تو اس سے وہ مراد ہوگی جو اسکے شہر والوں کو عادت ہو[1] اور بھنے اور پکے کی قسم سے گوشت مراد ہوتا ہے اور سری کھانیکی قسم میں وہ مراد ہوگی جو اس شہر میں بکتی ہو۔ یعنی جون سی سری شہر میں بکتی ہو خواہ گائے کی ہو یا بکری کی قسم میں وہی معتبر ہوگی اور میوے سے غرض سیب اور خربوزہ اور زرد آلو ہے انگور اور انار اور خرمائے تر اور کھیرا اگکڑی مراد نہیں[2] اور سالن کی قسم سے وہ مراد ہوگا جسمیں روٹی ترکیجاوے جیسے سرکے اور نمک اور زیتون کا تیل اسمیں گوشت اور انڈا اور پنیر داخل نہیں۔ اور صبح کے کھانے سے مراد فجر سے لیکر ظہر کے وقت تک ہے اور شام کے کھانیسے غرض ظہر کیوقت سے آدھی رات تک ہے۔ اور سحر سے مراد آدھی رات سے صبح تک ہے۔ اگر کہے کہ میں اگر کھاؤں یا پیوں یا پہنوں تو ایسا ہو اور نیت کرے کسی معین کھانے پینے پہننے کی چیز کی تو اس کی نیت نہ حکم قاضی میں مانی جاویگی نہ دیانت کی رو سے ہاں اگر یوں کہیگا۔ کہ میں اگر کھانیکی چیز کھاؤں یا پینے کی چیز پیوں یا کپڑا پہنوں تو ایسا ہو تو اس صورت میں اگر معین چیز کی نیت کریگا تو دیانتداری کی راہ سے مان لیا جاویگا مگر قاضی کے یہاں معتبر نہ ہوگا اگر قسم کھاوے کہ میں گنگا سے پانی نہ پیونگا[3] اس صورت میں اگر برتن میں لیکر بھی پیویگا۔ تو قسم ٹوٹ جاویگی اگر یوں کہے کہ اگر میں آج اس کوزے کا پانی نہ پیوں تو ایسا ہو حالانکہ اس کوزے میں پانی نہو یا ہو اور اس کو گرا دیا جاوے یا وہ شخص ان الفاظ کو مطلق کہے قید آج کی نہ لگاوے اور کوزے میں پانی نہو تو ان سب صورتوں میں قسم نہ ٹوٹے گی اور اگر پانی ہو اور گرا دیا جاوے۔ تو قسم ٹوٹ جاویگی۔ اگر قسم کھاوے کہ میں آسمان پر چڑھوں گا یا اس پتھر کو سونا بناؤں گا تو اسیوقت قسم ٹوٹ جاویگی اور کفارہ دینا پڑیگا اسلیئے کہ یہ امور ممکن نہیں اگر قسم کھاوے کہ فلانے سے بولونگا پھر اس کو سوتے میں پکارا۔ کہ وہ جاگ اٹھا تو قسم ٹوٹ جاویگی۔ اور اگر یہ کہا تھا کہ اس سے بدون اسکی اجازت کے کلام نہ کرونگا اور اس شخص نے اجازت تو دی مگر اسکو اجازت کا حال معلوم نہ ہوا اور کلام کیا تب بھی قسم

[5] تو مراد منہ سے پانی پینے سے ہوگی بدون کسی برتن کے بخلاف اس کے کہ کہے کہ گنگا کا پانی نہ پیوں گا

[1] مثلاً یہ قسم کھائی کہ روٹی نہ کھاؤنگا اور چاول کی روٹی کھالی اور اس شہر میں چاول کی روٹی کا رواج نہیں تو قسم نہ ٹوٹیگی بلکہ اس روٹی کھانے سے قسم ٹوٹیگی جسکا اس کے یہاں چلن ہے ١٢ [2] لیکن جن ملکوں میں یہ چیزیں غلطاً کھائی جاتی ہوں اور عرف میں انہیں میوہ کہتے ہوں وہاں یہ چیزیں حکم میوہ کا رکھینگی یعنے وہاں اگر کوئی شخص قسم کھاوے کہ میں میوہ نہ کھاؤں گا اور ان چیزوں میں سے کھایا۔ تو قسم ٹوٹ جاویگی ١٢ [3] یعنی اگر گنگا میں منہ لگا کر پانی پیئے گا۔ تو قسم ٹوٹ جائیگی اور اگر کسی برتن میں لیکر پیئے گا تو نہ ٹوٹے گی یہ امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہر طرح پانی پینے سے قسم ٹوٹ جائیگی ١٢ [4] یعنے جس صورت میں کہ قسم کو مطلق کہا کہ میں اگر اس کوزے کا پانی پیوں تو ایسا ہو اور پانی اس میں تھا مگر گرا دیا گیا تو قسم ٹوٹ جاویگی۔ ١٢

ٹوٹ جاویگی- اور اگر یوں کہے کہ میں ایک مہینے تک نہ بولوں گا تو شروع اس مہینے کا اُسوقت سے معتبر ہوگا جب سے کہ اُسنے قسم کھائی ہے اور اگر یہ کہے کہ میں تکلم نکروں گا اور قرآن یا تسبیح پڑھے تو قسم نہ ٹوٹیگی[2] - اسلیئے کہ عرف میں اسکو تکلم نہیں کہتے بلکہ تلاوت اور تسبیح پڑھنا بولتے ہیں اگر یوں کہے کہ جس دن فلاں شخص سے بولوں تو ایسا ہو تو اس دن اور رات دونوں سمجھے جاوینگے اور اگر اُس نے قسم کے وقت اس کلام سے دن ہی کی نیت کی نہ رات کی تو مان لیا جاویگا لیکن اگر یہ کہے کہ جس رات فلاں سے بولوں تو ایسا ہو تو اس کلام سے خاص رات ہی مراد ہوگی دن اسمیں مقصور نہ ہوگا- اور اگر کہے کہ اس سے نہ بولوں گا- مگر اس صورت میں کہ زید آجاوے یا کہے کہ مگر اس صورت میں کہ وہ اجازت دے- یا جب تک کہ وہ اجازت دے پھر اُسنے زید کے آنے سے پہلے اور اسکی اجازت سے پیشتر کلام کیا تو قسم ٹوٹ جاویگی اور اگر ان دونوں باتوں کے بعد بولیگا تو قسم نہ ٹوٹیگی- اور اگر زید مر جاوے تو حکم قسم[3] کا جاتا رہیگا اور اگر قسم کھاوے کہ فلانے کا کھانا نہ کھاؤں گا یا اسکے گھر نہ جاؤں گا یا اس کا کپڑا نہ پہنوں گا یا اس کی سواری پر سوار نہ ہوں گا یا اسکے غلام سے نہ بولونگا ان صورتوں میں اگر ان چیزوں کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ اس کے پاس کھانیکو یا اس گھر میں یا اس کپڑے کو وغیرہ اور پھر ان چیزوں پر سے مالک کی ملک جاتی رہے اور قسم والا وہ کام کرے تو اس کی قسم نہ ٹوٹیگی جیسے کہ نئے مالک ہیں یعنی مالک اگر دوسرا کھانا یا گھر مول لے تو اس کھانا کھانے اور نئے گھر کے اندر جانے سے قسم نہ ٹوٹیگی اور اگر ان چیزوں کی طرف اشارہ نہ کرے تو مالک کی ملک کے جاتے رہنے کے بعد ان کاموں کے کرنے سے قسم نہ ٹوٹیگی[4] مگر اس کی نئی خریدی ہوئی چیزوں سے قسم ٹوٹ جاویگی اور اگر کہے کہ فلاں کے دوست یا اسکی بی بی سے نہ بولوں گا اور اشارہ کر دیا تو ان دونوں سے جب اسکی دوستی اور زوجیت جاتی رہیگی اُسوقت بھی اگر کلام کریگا تو قسم ٹوٹ جاویگی[5] اور اگر اشارہ نہ کریگا تو قسم نہ ٹوٹیگی ہاں اگر اس کے نئے دوست اور نئی منکوحہ سے بولیگا تو ٹوٹیگی اور اگر یہ کہا کہ اس چادر کے مالک سے نہ بولوں گا اور مالک نے وہ چادر بیچ ڈالی تب اس نے اس سے کلام کیا تو قسم ٹوٹ جاویگی[6] - اگر

---

[1] کیونکہ جب اجازت کا علم نہوا تو وہ اجازت بھی صحیح نہ ہوئی اس لئے کہ بلا اجازت کلام کرنا پایا گیا قسم ٹوٹ جاویگی اور امام ابو یوسف کے نزدیک اجازت کے لئے یہ ضرور نہیں کہ جس کو اجازت دی ہو اُسے علم بھی ہو جائے لہذا انکے نزدیک اجازت صحیح ہو گئی اور قسم نہ ٹوٹے گی

[2] امام شافعی کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے انکے نزدیک قسم ٹوٹ جاویگی کیونکہ قرآن یا تسبیح پڑھنا حقیقت میں تکلم ہے اور جواب یہی ہے کہ عرف میں تکلم نہیں کہتے اور قسموں کا مدار عرف پر ہے ۱۲ [3] یعنی یہ قسم کھائی تھی کہ فلانے شخص سے نہ بولوں گا یہاں تک کہ زید منع کرے پھر زید نے منع کیا پھر زید قبل آنیکے مر گیا تو قسم ساقط ہو جاویگی اور فلانے شخص سے بولیگا تو کفارہ دینا پڑیگا ۱۲ [4] یعنے اس فلانے کا کھانا کھا لیا یا اس کے گھر میں چلا گیا یا اس کا کپڑا پہن لیا یا اس کی سواری پر سوار ہوا یا اس کے غلام سے بات کی تو قسم نہ ٹوٹیگی ۱۲ [5] کیونکہ اشارہ کر دینے سے اس دوست اور بی بی کی ذات مراد ہوگی کہ اس ذات سے نہ بولوں گا پس دوستی اور زوجیت کے جانے کے بعد بھی ذات وہی رہی لہذا حانث ہو جائیگا یعنی قسم ٹوٹ جائیگی ۱۲ [6] کیونکہ مقصود اس کہنے سے یہ ہے کہ اس چادر کا مالک جو شخص ہے اس شخص سے کلام نہ کروں گا اور چادر بیچ ڈالنے کے بعد شخص وہی رہا- شخص نہیں بدلا- لہذا قسم ٹوٹ جائیگی ۱۲

قسم میں لفظ الحین اور الزمان یا ان دونوں کو نکرہ بولے[1] یعنی حین[1] ورزمان کہدیا تو یہ وقت چھ مہینہ کا ہوگا مثلاً اگر کہے کہ یہ کام ایک حین تک نکروں گا تو چھ مہینے مراد ہونگے اور اگر الدھر اور الابد کہا تو تمام عمر ہوگی اور اگر دھر کو نکرہ کہا تو مجمل ہی یعنی اس کی مقدار یقینی[2] معلوم نہیں اور اگر الایام یا ایام کثیرہ کہا یا مہینوں اور برسوں کہا تو دس برس مراد ہونگے اور اگر ان کو نکرہ بولیگا تو تین مراد ہونگے

باب. طلاق دینے اور آزاد کرنے کی قسم کے بیان میں.

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ اگر تو بچہ جنے تو تو طالق ہی یا لونڈی کو کہے کہ تو آزاد ہے اور ان کے بچہ مردہ پیدا ہوا تو اس شخص کی قسم ٹوٹ جاویگی یعنی طلاق پڑجاویگی اور لونڈی آزاد ہوجاویگی لیکن اگر اس نے کہا تھا کہ بچہ جنے تو وہ بچہ آزاد اور اسکے بچہ مردہ پیدا ہو تو اس بچہ کے آزاد ہونے کا حکم نکرینگے[3] اور اس کی قسم باقی رہیگی اور اگر یوں کہا کہ جس غلام کا میں اول مالک ہوں تو وہ آزاد ہے۔ پس اگر ایک غلام کا مالک ہوگا۔ تو وہ اس قسم کی رو سے آزاد ہوجائیگا اور اگر پہلے دو غلاموں کا مالک ایک ساتھ ہو پھر تیسرے کا مالک ہو تو ان تینوں میں سے کوئی بھی آزاد نہوگا اور اگر یوں کہے کہ جس تنہا غلام کا میں اول مالک ہوں وہ آزاد ہے تو البتہ اس صورت میں تنہا کی قید سے تیسرا غلام آزاد ہوجاویگا اور اگر یوں کہا کہ پچھلا بندہ جس کا میں مالک ہوں وہ آزاد ہے پھر وہ مالک ہوا ایک غلام کا پھر دوسرے غلام کا اور اس کے بعد مرگیا تو دوسرا[4] غلام اس شخص کی ابتدا ملکیت سے آزاد ہوگا اگر یہ کہے کہ جو غلام مجھ کو خوشخبری فلاں معاملے کی سناویگا وہ آزاد ہے پھر تین غلاموں نے علیحدہ علیحدہ وہی خوشخبری اسکو سنائی تو جسنے اول سنائی ہوگی وہ آزاد ہوگا اور اگر تینوں نے ایک ساتھ سنائی تو سب آزاد ہوجاوینگے اور ادا کفارہ کیلئے اپنے باپ کا خریدنا درست ہے اور یہی حکم ہے ہر ذی محرم کے خریدنے کا اگر بہ نیت کفارے کی کرلے اور وہ مجرد خریدنے کے آزاد ہوجائے تو کفارہ ادا[5] ہوجائیگا لیکن اگر کسی غلام کی کو اپنی خرید پر مشروط کردیا ہو۔ اور اس کے خریدنے میں نیت کفارے کی کرلے تو وہ شرط کی جہت سے آزاد ہوگا[6] نہ کفارے کی عوض میں اور یہی حال ہے ام ولد کے خریدنے کا کہ وہ بھی کفارے کے عوض نہ ہوگی اور اس کی صورت یہ ہے

---

[1] یعنی الف ولام اس پر داخل نہ کرے ١٢ [2] یہ نزدیک امام ابو حنیفہ رح کے اور امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کے نزدیک اسکی مقدار بھی چھ مہینہ ہوگی ١٢ [3] کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ وہ بچہ آزاد ہے دلیل ہے کہ اسے زندہ بچہ مراد لیا ہے کیونکہ مردہ پر آزادی ثابت نہیں ہوتی لہذا اس مردہ بچہ کے آزاد ہونیکا حکم نکرینگے اور اس کی قسم باقی رہیگی جس کا اثر یہ ہوگا کہ اس کے بعد جب زندہ بچہ جنے گی تو وہ آزاد ہوجائیگا ١٢ [4] اور اگر دوسرے غلام کا مالک ہو صرف ایک ہی غلام کا مالک ہوکر مرگیا تو وہ ایک غلام آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ نہ پچھلا نہ ہوا پچھلا وہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی ہو اور اس سے پہلے کسی کا مالک نہیں ہوا ١٢ [5] امام شافعی کا اختلاف ہے اُن کے نزدیک باپ یا کسی ذی رحم محرم کو کفارہ کی نیت سے خریدنے میں کفارہ ادا نہ ہوگا ١٢ [6] مثلاً مالک نے ایک غلام کو کہا کہ اگر اس کو خریدوں تو آزاد ہے پھر اس کے خریدنے میں نیت کفارے کی کرلی تو کفارے میں آزاد نہ ہوگا۔ بلکہ خریدنے کی جہت سے۔

کہ کوئی شخص اپنی منکوحہ سے جو لونڈی ہو اور اس سے[1] اور اس سے اولاد رکھتی ہو کہے کہ اگر میں تجھے خریدوں تو تو آزاد ہے
اور خریدنے کے وقت نیت کفارے[1] کی کرلے اگر کہے کہ اگر میں حرم بناؤں تو وہ آزاد ہے تو یہ قول اسوقت
درست ہے کہ جس لونڈی کو کہا ہو وہ اسوقت اسکی ملک میں ہو اور اگر مشروط کرنیکے وقت اس کی ملک میں
نہو تو آزاد نہ ہوگی اگر یوں کہے کہ جتنے میرے مملوک ہیں سب آزاد ہیں تو اس لفظ سے اسکے غلام اور ام ولد
اور مدبر سب آزاد ہو جائینگے مگر مکاتب آزاد نہو نگے کہ وہ پورے مملوک نہیں ہوے اگر کہے کہ یہ منکوحہ طالق ہے
یا یہ اور یہ تو تیسری کو طلاق پڑجائیگی اور پہلی دو میں شوہر کو اختیار دیا جائیگا کہ جسکو چاہے طلاق کیلیے معین[2]
کرلے اور یہی حکم ہے بندوں کے آزاد کرنے کا اور لوگوں کیلیے مال اقرار کرنیکا[3]۔

باب۔ خرید و فروخت اور نکاح اور نماز وغیرہ میں قسم کھانیکے بیان میں

جو کام انکو اپنے آپ کرنیسے قسم ٹوٹتی ہے اور دوسرے کو انکے کرنیکی اجازت دینے سے قسم نہیں ٹوٹتی
وہ یہ ہیں بیچنا مول لینا ٹھیکہ دینا مزدوری پر کام لینا کسی مال کے عوض صلح کرنا تقسیم کرنا مقدمات
کی جوابدہی کرنا لڑکے کو مارنا ان کاموں میں اگر قسم کھاوے کہ میں نکرونگا تو اپنے آپ نکرے اور اگر
دوسرا شخص اسکی اجازت سے یہ امور کرے تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی اور جو کام ایسے ہیں کہ انکو خواہ آپ کرے
یا دوسروں کو ان کے کرنے کی اجازت دے دونوں صورتوں میں قسم ٹوٹ جاتی ہے وہ یہ ہیں کہ نکاح اور طلاق عورت سے خلع
کرنا اور آزاد کرنا اور مکاتب بنانا اور قتل عمد سے صلح کرنی اور ہبہ کرنا اور صدقہ دینا قرض دینا اور قرض لینا
اور غلام[4] کو مارنا اور جانور کو ذبح کرنا اور گھر بنانا اور سینا اور امانت سونپنی یا رکھنی اور مانگی چیز دینی یا لینی
اور قرض ادا کرنا یا اپنا وصول کرنا اور کپڑا پہنانا اور کسی چیز کو اٹھا کر سواری پر لادنا کہ ان امور کو اگر
خود کریگا یا دوسرے سے کرنیکو کہیگا تو دونوں صورتوں میں قسم ٹوٹ جاویگی اور داخل لام تخصیص کا جسکے
معنی واسطے کے ہیں بیع اور شرا اور اجارہ اور زرگری اور دوخت اور مکان بنانے پر اس بات پر
دلالت کرتا ہے کہ وہ فعل اس شخص کی اجازت سے[5] ہوا ہے جس کے ساتھ اسکو مشروط کیا ہے گو وہ شخص مالک

۱ باوجودیکہ خریدتے وقت نیت کفارے کی کرلی تب بھی کفارہ ادا نہ ہوگا۔ اور وہ آزاد ہو جائیگی کیونکہ شرط آزادی کی خریدنا تھا اور خریدنا پالیا گیا اور کفارہ اسوجہ سے ادا نہ ہوا کہ اسے آزادی کا استحقاق ام ولد ہونیکی جہت سے حاصل تھا البتہ اگر اس کی ام ولد نہوتی اور یہ کہتا کہ اگر میں تجھ کو خریدوں تو تو میری قسم کے کفارے سے آزاد ہے تو اس صورت میں وہ خریدنے سے آزاد ہو جاتی کیونکہ پہلے سے آزادی کی مستحق نہ تھی

۲ مثلاً کہا کہ زید یا عمرو کو میرے اوپر سو ہیں اور بکر کے دوسو تو تین سو بکر کے ہونگے اور زید و عمرو میں اسکو اختیار ہے جسے چاہے اپنے ذمے رکھے ۱۲

۳ کیونکہ یہ کام جسکو اجازت دی ہے اسکی طرف سے سمجھے جائینگے اجازت دینے والے کیطرف سے نہ سمجھے جائیں گے پس اجازت دینے والے کی قسم نہ ٹوٹیگی کیونکہ ان کاموں کے حقوق مرتکب کیطرف راجع ہونگے نہ کہ موکل کی طرف ۱۲ ۴ غلام کو مارنے اور لڑکے کے مارنے میں فرق یہ ہے کہ لڑکے کے پٹوانے میں مقصود ادب سکھانا ہوگا اور اس کا نفع خود لڑکے کو پہنچیگا اور غلام کو پٹوانے میں مقصود فرمانبردار بنانا ہوگا اور اس کا نفع پٹوانے والے مالک کو پہنچیگا پس وہ مالک کا پیٹنا تصور کیا جائیگا اسلیے مالک کی قسم ٹوٹ جائیگی ۱۲ ۵ جیسے کسی نے یوں کہا ان بعت لک ثوبا فعبدی حر یعنی اگر میں تیرے لئے کپڑا بیچوں تو غلام آزاد ہے اور اسکی بلا اجازت اسکی خاطر کپڑا بیچا عام اس سے کہ وہ مخاطب کپڑے کا مالک تھا تو اس صورت میں غلام آزاد نہوگا کیونکہ یہ بیع مخاطب
کی طرف منسوب نہ ہوگا جبتک کہ مخاطب کیطرف تو دلیل نہ پائی جاوے پس جب مخاطب کیطرف سے کپڑا بیچنا نہ ہوا تو غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ اسی شرط پر غلام کی آزادی

باب خرید و فروخت و نکاح و روزہ نماز وغیرہ کی قسموں میں
کے لئے کپڑا بیچنا ہے اسواسطے کہ اس کا فعل مخاطب

اس چیز کا ہو یا نہو مثلاً یہ کہے کہ اِنْ بِعْتُ لَکَ ثَوْبًا یعنی اگر تیرے واسطے بیچوں یا خرید کروں کپڑا وغیرہ تو اسکے یہ معنی ہیں کہ تیری اجازت سے بیچوں اور اگر لام کسی چیز کی ذات پر داخل ہو مثلاً یوں کہے اِنْ بِعْتُ ثَوْبًا لَکَ یعنی اگر میں بیچوں کپڑا جو تیرا ہے یہاں لام ثوب پر داخل ہے نہ بیع پر تو اس صورت میں اس بات پر دلالت کریگا کہ وہ چیز اس شخص کی ملک ہے۔ خواہ اس نے اجازت بیچنے خریدنے وغیرہ کی دی ہو یا نہیں جیسے مثال دوم سے معلوم ہوتا ہے اور اگر وہ شخص نیت اس کے سوا کرے یعنی لفظوں میں تو لام کو فعل پر ہے اور معنی وہ لی جو لام کو چیز پر داخل کرنے سے ہوتے ہیں یا اسکا الٹا کرے تو اس کی بات مانی جاویگی ایسی صورت میں کہ اس کی نیت کے مطابق معنی لینے سے اسکا نقصان ہوتا ہے اور اگر اس کی مراد کیموافق معنی لینے سے اس کا فائدہ ہوتا ہوگا تو نہ لئے جاوینگے۔ واضح ہو کہ لام آنے سے غرض اس کا متعلق ہونا ہے اسطرح کہ جار مجرور متعلق فعل کے ہوں یا چیز کی صفت پڑیں یہ غرض نہیں کہ لام مقدم لایا جاوے اس لئے کہ مقدم تو دونوں مثالوں میں ضمیر خطاب پر ہے اگر یہ کہا کہ میں اگر اس بندی کو خرید کروں یا بیچوں تو آزاد ہے پھر اس کو جاکر خریدا یا بیچا تو قسم ٹوٹ جاویگی یعنی غلام مذکور آزاد ہو جاویگا اور یہی حال ہے اگر بیع فاسد کی یا دوسرے کی اجازت پر موقوف رکھی لیکن اگر بیع باطل[2] کی تو اسمیں قسم نہ ٹوٹیگی اگر یہ کہا کہ میں اس کو نہ بیچوں تو ایسا ہو پھر اسکو آزاد یا مدبر کر دیا تو قسم ٹوٹ جاویگی اسلئے کہ نہ بیچنا متحقق ہو گیا عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ تو نے مجھ پر نکاح کر لیا اس نے جوابدیا کہ میری جو منکوحہ ہو اسکو طلاق تو اس عورت پر بھی طلاق پڑجاویگی اور دوسری اگر ہونگی وہ بھی طالق ہونگی اگر کہے کہ مجھ پر پیادہ جانا خانہ خدا کو یا کعبہ کیطرف واجب ہے تو حج یا عمرہ پیادہ پا کرے اگر ان میں سوار ہوگا تو دم دینا پڑیگا یعنی بکری ذبح کرنی پڑیگی بخلاف اس صورت کے کہ کہے مجھپر نکلنا یا خانہ کعبہ کو جانا یا پیادہ روانہ ہونا حرم خواہ صفا یا مروہ کو واجب ہے کہ ان صورتوں میں حج پیادہ کرنا لازم نہیں ہوتا بلکہ پا پیادہ گھر سے نکلنا لازم ہوتا ہے اگر کہے کہ میرا غلام آزاد ہے اگر میں اس برس حج نہ کروں پھر وہ مدعی حج کا ہو اور دو گواہ گواہی دیں کہ نحر[3] کے دن وہ کوفہ

---

[1] کیونکہ وہ اس نیت میں مبہم سمجھا جاویگا۔ کہ شاید اپنی تخفیف اور فائدہ کی غرض سے ایسا کہتا ہے ۱۲ [2] بیع باطل اور بیع فاسد میں فرق یہ ہے۔ کہ بیع فاسد میں پہلے تو بیع ہو جاتی ہے مگر فساد کی وجہ سے واجب الرد رہتی ہے اور بیع باطل وہ جو سرے سے منعقد ہی نہ ہو بیع فاسد اسے کہتے ہیں کہ بیع میں کوئی ایسی شرط لگا دی جائے جو مقتضائے بیع کے خلاف ہو اور اس میں بائع مشتری یا مبیع کا نفع ہو مثلاً غلام بیچا اس شرط پر کہ خدمت بائع ہی کی کرتا رہیگا۔ تو بیع فاسد ہے۔ حکم اس کا یہ ہے کہ اگر بائع مشتری پر قبضہ کرا دیگا تو مشتری کے ملک میں آجائیگا۔ اور بلا قبضہ کرائے ملک میں آئیگا اور واجب الرد ہر حال میں ہے۔ اور بیع باطل وہ ہے جس میں رکن بیع موجود نہ ہو جیسے بیع آزاد کی ۱۲

[3] نحر کا دن ذالحجہ کی دسویں تاریخ کو کہتے ہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

میں تھا تو قسم نہ ٹوٹیگی اور غلام آزاد نہوگا اسلیئے کہ ہوسکتا ہی کہ حج کیے نحر کے دن کوفے میں چلا آیا ہو اور اگر کہے کہ میں روزہ نہ رکھوں گا۔ تو روزے کی نیت سے ایک ساعت کا روزہ رکھنے سے بھی قسم ٹوٹ جاویگی اور اگر کہے کہ میں ایک روزہ یا ایکدن کا روزہ نرکھونگا تو تمام دن کے روزہ رکھنے سے قسم ٹوٹیگی اور اگر کہے کہ میں نماز نہ پڑھوں گا تو ایک رکعت کے پڑھنے سے قسم ٹوٹیگی اور اگر پوری نماز کہیگا تو دوگانہ پڑھنے سے قسم ٹوٹیگی ایک رکعت پڑھنے سے نہ ٹوٹیگی اگر عورت سے کہے کہ اگر میں تیرا کاتا ہوا پہنوں تو وہ ہدی ہی پھر وہ شخص روئی کا مالک ہوا اور عورت نی اسکو کاتا اور کپڑا بنا گیا اور مرد نے پہنا تو ہدی ہوجاویگی اسکو کعبے کو بھیجنا پڑیگا اور سونیکی انگوٹھی اور موتیوں کا ہار پہننا زیور کا پہننا ہے۔ مگر چاندی کی انگوٹھی زیور میں نہ ہوگی یعنی اگر قسم کھائی کہ میں زیور نہ پہنوں گا تو سونیکی انگوٹھی اور موتیوں کی لڑی پہننے سے قسم ٹوٹ جاویگی لیکن چاندی کی انگوٹھی پہننے سے قسم نہ ٹوٹیگی اگر یوں کہے کہ میں زمین پر نہ بیٹھوں گا پھر فرش پر یا چٹائی پر بیٹھے یا کہے کہ اس فرش پر نہ سوؤنگا پھر اس پر ایک دوسرا فرش بچھایا اور اسپر سو رہا یا کہے کہ اس چوکی پر نہ بیٹھوں گا اور اسپر دوسری چوکی بچھائی گئی اور دوسری پر بیٹھا تو ان صورتوں میں قسم نہ ٹوٹیگی۔ لیکن اگر فرش پر پلنگ پوش بچھاکر سووے گا یا چوکی پر فرش یا چٹائی ڈالکر بیٹھے گا تو قسم ٹوٹ جاویگی۔

باب۔ زدو کوب اور جان سے مار ڈالنے وغیرہ پر قسم کھانیکے بیان میں۔ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ اگر میں تجھکو ماروں یا کپڑا پہناؤں یا تجھ سے بات کروں یا تیرے پاس آؤں تو ایسا ہو تو یہ افعال دوسرے کی زندگی کے حال سے متعلق ہوتے ہیں اگر بعد موت کے یہ کام کریگا تو قسم نہ ٹوٹے گی۔ بخلاف اس صورت کے کہ اگر میں تجھ کو نہلاؤں یا اٹھاؤں یا ہاتھ لگاؤں تو ایسا ہو کہ یہ امور اگر دوسرے کے مرنیکے بعد بھی کریگا تو قسم ٹوٹ جاویگی اگر قسم کھاوے کہ میں اپنی بی بی کو نہ ماروں گا پھر اسکے بال کھینچے

ف۱ یہ امام اعظم رح اور ابو یوسف رح کے نزدیک ہے اور محمد رح کہتے ہیں کہ غلام آزاد ہوجائیگا کیونکہ دسویں تاریخ کوفہ میں قربانی کرنیکی شہادت سے ثابت ہوا۔ کہ حج نہیں کیا۔ کیونکہ ایکدن میں عرفات سے کوفہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ کوفہ میں قربانی کرنیکی شہادت ہے اور نفی پر شہادت مقبول نہوگی اس لیئے حج نہ کرنا ثابت نہ ہوا۔ پس غلام آزاد نہ ہوگا ۱۲ ف۲ کیونکہ پوری نماز کہنے سے وہ نماز مراد ہوگی جس کا شرع نے اعتبار کیا ہو۔ اور شرع نے کم سے کم دو رکعت کا اعتبار کیا ہے ۱۲ ف۳ اس لئے کہ چاندی کی انگوٹھی زیور نہیں ہے۔ کہ مردوں کو اس کا استعمال مہر کی غرض سے جائز ہے البتہ اگر اس کی ساخت مثل عورتوں کی انگوٹھی کے ہے۔ تو قسم ٹوٹ جائیگی ۱۲ ف۴ اس لئے پلنگ پوش فرش کے تابع اور فرش یا چٹائی چوکی کے تابع ہے پس درحقیقت فرش یا چوکی پر سونا یا بیٹھنا پایا گیا ۱۲ ف۵ کیونکہ مقصود مارنے سے جسم کو تکلیف پہنچانا ہے اور یہ مرنے کے بعد متصور نہیں اور عذاب قبر میں عام طور پر لوگ قائل ہیں۔ کہ روح ڈالنے کے بعد کیا جاتا ہی اور ایسے ہی کپڑے پہنانے سے مقصود مالک بنا دینا ہے۔ اور بات کرنے سے مقصود سمجھانا ہی۔ اور پاس آنے سے مقصود زیارت کرنا ہے اور یہ سب باتیں بعد مرنے کے مردہ سے نہیں کرسکتا ۱۲ مفتی محمد وصی علی بلیح آبادی

+ + + + + + + +

یا گلا دبا دے یا کاٹ کھاوے تو قسم ٹوٹ جاویگی اسلئے کہ یہ تین بار میں داخل ہیں[۱] اور اگر کہا کہ میں اگر فلاں شخص کو جان سے نہ ماروں تو ایسا ہو اور وہ شخص اس قسم سے پہلے مرچکا ہو تو اگر اسکو اس کی موت کا علم ہوگا تب تو قسم ٹوٹے گی اور اگر اس کے مرنیکو نہیں جانتا تو نہ ٹوٹے گی اور اگر قسم میں زمانہ قریب یا بعید کہیگا تو مہینے سے کم مدت قریب ہے اور ایک مہینہ اور اس سے زیادہ مدت دراز ہے اگر قسم کھاوے کہ فلاں کا قرض آج ادا کردوں گا پھر ایسے درم ادا کئے جو کھوٹے ہوں یا چلتے نہ ہوں یا کسی اور کے ثابت ہوں تو قسم پوری ہو جاویگی اور اگر رانگ کے ہونگے یا تین پرت کے[۲] تو قسم ٹوٹ جاوے گی اور قرض کے عوض میں کوئی چیز بیچڈالنی ادائے قرض کے حکم میں ہے لیکن اگر قرضخواہ قرضدار کو قرض ہبہ کردے تو ادا کے حکم میں نہوگا یعنی ادا پر قسم کھانے کی صورت میں اگر مدیون کوئی چیز عوض قرض قرضخواہ کے ہاتھ بیچڈالیگا تو قسم جھوٹی نہ پڑیگی اور اگر قرض خواہ قرض معاف کردے تو ادا ثابت نہوگا[۳] اور قسم ٹوٹ جاویگی اگر قسم کھائی کہ میں اپنے قسم کے وصول کرنے میں ایک درم کو بدون دوسرے کے نہ لونگا یعنی قرض میں سے کچھ نہ چھوڑوں گا سب لونگا اور جدا جدا وصول نکروں گا اکٹھا لونگا پھر کچھ قرض قبضے میں لایا تو قسم نہ ٹوٹیگی جبتک کہ تمام قرض کو جدا جدا وصول نہ کرے اور ضروری جدائی سے قسم جاویگی کہ قرض کے ادا میں اسقدر علیحدگی ضرور ہوا کرتی ہے مثلاً روپیوں کا گننا اور تولنا اور پرکھنا کہ ان امور سے قسم نہیں جانیکی اگر کہے کہ میرے پاس سو خواہ اس سے سوا ہو تو ایسا ہو تو اس صورت میں سو کے[۴] یا اس سے کمتر کے مالک ہونیسے قسم نہ ٹوٹیگی بلکہ سو سے زیادہ کے مالک ہونیسے قسم ٹوٹیگی اگر کہے کہ میں ایسا نہ کرونگا تو اس کام کو ہمیشہ کو چھوڑدے یعنی ایکبار بھی کرنیسے قسم جاتی رہیگی اور اگر قسم اس بات پر کرے کہ فلاں کام ضرور کرونگا تو اسکو ایکبار کرنیسے قسم جاتی رہے گی۔ اور اگر کسی شخص سے حاکم وقت قسم لے کہ ہمکو مفسد لوگوں اور ہر طرح کے روگوں کی اطلاع کرتے رہو تو یہ قسم اس حاکم کی حکومت تک مقید رہیگی یعنی بعد اس کے معزول ہو جانیکی اطلاع دینی لازم[۵]

---

۱ کیونکہ مقصود مارنے سے تکلیف کا پہنچانا ہے اور ان باتوں سے تکلیف پہنچیگی البتہ اگر کھیل میں بی بی سے یہ باتیں کرے تو یہ قسم نہ ٹوٹیگی کیونکہ اسے مزاح یعنی خوش طبعی کہیں گے مارنا نہ کہیں گے ۱۲ ۲ مراد تین پرت سے وہ درہم ہیں کہ جیسے پیتل کے درہم ہوں اور چاندی کا پانی پھرا ہو یہ تین پرت ہو گئے وہ پرت تلے اوپر چاندی کے ایک پرت بیچ میں پیتل کا ۱۲

۳ کیونکہ ادا کرنا یہ فعل قرضدار کا ہے اور معاف کردینا یہ فعل قرضخواہ کا ہوا اسکے فعل سے قرضدار کا کوئی فعل ثابت نہ ہوا لہٰذا ادا نہیں پائی گئی قسم ٹوٹ جائے گی ۱۲ ۴ اس صورت میں سو کے مالک ہونے سے قسم ٹوٹ جاویگی۔ ہاں اگر یوں کہا کہ میرے پاس سو سے سوا ہوں تو ایسا ہو اس صورت میں سو کے مالک ہونے سے قسم نہ ٹوٹیگی ۱۲ ۵ کیونکہ مقصود اس سے یہ تھا کہ حاکم ان مفسد لوگوں کے شر کو دفع کرے یا مفسدوں کو سزا دیکر دوسروں کو عبرت دلاوے اور یہ اسی وقت تک ہو سکتا ہے کہ جب تک یہ حاکم رہے اور بعد مرجانے یا معزول ہونے کے یہ مقصود نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

ہوگی قسم پوری ہوتی ہبہ کرنے سے بدون موہوب لہ کے قبول کرنیکے بخلاف بیع کے بدون قبول مشتری کے اگر قسم کھائی۔ کہ اس چیز کو فلانے کو ہبہ کروں گا۔ اور پھر اس نے اس شخص کو ہبہ کر دی مگر اس نے قبول نہ کی تو واہب کی قسم سچی ہوگئی اور اگر بیع کی قسم کھانے کے بعد فروخت کی اور مشتری نے قبول نہ کی تو سچی قسم نہ ہوگی اور اگر قسم کھائے کہ ریحان نہ سونگھونگا تو گل گلاب اور چنبیلی کے سونگھنے سے قسم نہ ٹوٹیگی اسلیے کہ ریحان اس سبزہ خوشبو کا نام ہے جسمیں تنہ نہ ہو کہ کھڑا ہے۔ پس اسکو گلاب کے پھول اور چنبیلی کے پھول پر بول سکیں گے اور بنفشہ اور گلاب اگر قسم میں مذکور ہو تو اس سے پھول کی پتی مراد ہوگی نہ اس کے پیڑ کی شاخیں اور پتیاں اور اگر قسم کھائے کہ میں نکاح نہ کروں گا اور اس کا نکاح کسی اجنبی شخص نے کر دیا اور اس نے زبان سے اس شخص کے نکاح کو جائز رکھا تو قسم ٹوٹ جاویگی اور اگر زبان سے کچھ نہ کہا بلکہ ایسا فعل کیا جس سے نکاح کی اجازت پائی جاوے مثلاً اس عورت کا مہر بھیجدیا تو اس صورت میں قسم نہ ٹوٹے گی اور گھر کا اعتبار ملک اور کرائے سے ہے یعنی اگر قسم کھائے کہ اپنے گھر میں نہ گھسوں گا۔ پھر اپنے غلام کے گھر میں گیا یا اپنے کرایہ کے مکان میں گیا تو قسم ٹوٹ جاویگی اور اگر قسم کھاوے کہ میرے پاس مال نہیں حالانکہ اس کا قرض کسی مفلس کے ذمے ہو یا نادہند توانگر کے ذمے تو اسکی قسم نہ ٹوٹے گی۔

کتاب الحدود

اسمیں حدوں یعنی سزاؤں کا بیان ہے حد وہ سزا ہے جو خدائے تعالیٰ کے حقوق کیلئے واجب ہوتی ہے پس جو سزا اس طرح کی ہو کہ اسمیں بندہ کا حق ہو تو اسکو حد نہیں کہتے جیسے قصاص ہے اور زنا اس صحبت کو کہتے ہیں جو ایسی شرمگاہ میں ہو کہ وہ ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو اور زنا ثابت ہوتا ہے چار آدمیوں کی گواہی سے لفظ زنا کے ساتھ اور اگر لفظ وطی اور جماع سے گواہی دینگے تو ثابت نہوگا پس ان گواہوں سے حاکم شرع یوں پوچھے کہ زنا کیا چیز ہے اور کس طرح ہوا اور کہاں ہوا اور کب ہوا اور کس عورت سے زنا کیا پس اگر وہ گواہ سب باتیں بیان کر دیں اور یوں کہیں کہ ہم نے اس مرد کو اس عورت سے

ف ۱ فرق بیع اور ہبہ میں یہ ہے کہ ہبہ درحقیقت احسان کرنا ہے اور یہ تن تنہا ہبہ کرنیوالے سے متحقق ہو سکتا ہے بخلاف بیع کے کہ وہ عقد معاوضہ ہے لہذا طرفین سے فعل رضامندی کی ضرورت ہے نیز ہبہ میں مقصود سخاوت کرنا ہے اور یہ مجرد ہبہ کرنیسے ظاہر ہو جائیگا دوسرا قبول کرے یا نہ کرے ف ۲ مثلاً اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں بنفشہ یا گلاب خریدونگا اور اس کی شاخیں یا پتیاں خریدیں تو قسم نہ ٹوٹیگی ۱۲ ف ۳ کیونکہ مقصود اپنے گھر سے سکونت کا گھر ہے یا وہ گھر جو اس کی مملوک ہے اور غلام کا گھر مملوکہ ہے اور کرایہ کا گھر مسکونہ ہے لہذا ان میں جانیسے قسم ٹوٹ جائیگی ۱۲ ف ۴ اور ایسے ہی جس سزا کی تعداد مقرر نہ ہو اسکو بھی حد نہ کہینگے جیسے کہ تعزیر کہ اس کی کوئی تعداد نہیں مقرر امام کی رائے کے حوالے ہے ۱۲ ف ۵ ملک عام ہے ملک فرج اور ملک یمین سے اور ایسے ہی شبہ ملک عام ہے شبہ ملک نکاح ہو یا شبہ ملک یمین اور شبہ ملک نکاح یہ کہ وطی کی ایسی عورت سے کہ جس سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا ہے اسکی مولا کی بغیر اجازت اور شبہ ملک یمین یہ کہ اپنے لڑکے کی لونڈی سے وطی کی یا مکاتبہ کی ایسی وطی کو زنا نہ کہینگے کہ جس سے

حد واجب ہو ۱۲ ف ۶ ان سب باتوں سے اسلیے کہ شبہ باقی نہ رہے زنا کی ماہیت اسلیے پوچھی جائیگی کہ بعض لوگ حرام وطی کو بھی زنا کہتے ہیں جیسے حالت حیض میں بی بی سے وطی کرنا یا جیسے شبہ نکاح یا شبہ ملک سے وطی کرنا یہ حرام تو ہے مگر اس سے زنا کہیں گے۔ کہ جس سے حد واجب ہو اور زنا کی کیفیت اس لئے پوچھی جائیگی۔ کہ وطی کبھی غیر فرج میں ہوتی ہے اور کیوں زنا کیا یہ اس لئے پوچھا جائیگا۔ کہ دار الحرب میں زنا کرنیسے حد واجب نہیں ہوتی اور کب زنا کیا گیا یہ اس لئے کہ تمادی سے حد واجب نہیں ہوتی اور کس عورت سے یہ اسلئے پوچھا جائیگا کہ کہیں اسکی منکوحہ یا مملوکہ تو نہیں تھی ۱۲

کتاب الحدود

زنا کرتے ایسے دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی اور ان گواہوں کی عدالت بھی ظہور ظاہر اور خفیہ تحقیق کر لیجاوے تو قاضی اُسوقت حکم زنا کے ہونے کا کر دے اور زنا اسطرح بھی ثابت ہوتا ہے کہ جسنے زنا کیا ہو وہ چار مرتبہ[1] اپنی چار مجلسوں میں اقرار زنا کرے اور جب وہ اقرار کرے تو قاضی اسکے اقرار کو نہ مانے اور اس سے زنا کی حقیقت اور وقت اور جگہ اور کیفیت وغیرہ امور مذکورہ بالا پوچھے پس اگر وہ سب بیان کر دے تو اُسکو سزا دے اور اگر سزا سے پیشتر اپنے اقرار سے منکر ہو یا عین سزا کے بیچ میں منکر ہو تو اسکو رہا کرے مستحب ہے کہ قاضی اسکو انکار کی وجہ ان لفظوں سے تعلیم کرے کہ شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا یا ہاتھ لگایا ہوگا یا شبہہ سے صحبت کی ہوگی پھر اگر زانی محصن[2] ہو تو اسکو ایک میدان میں سنگسار کرے یہاں تک کہ مر جاوے اور سنگسار کرنا گواہ شروع کریں پھر حاکم پھر دوسرے لوگ اور اگر گواہ سنگسار کرنے سے انکار کریں تو حد جاتی رہتی ہے اور اگر زانی خود مقر ہو تو اسکو اول حاکم پتھر مارے پھر اور لوگ اور اگر زانی محصن نہو تو اسکی حد یہ ہے کہ آزاد ہو تو سو کوڑے اور مملوک ہو تو پچاس اور کوڑا ایسا ہو کہ اسکی چوٹی میں گرہ نہو اور چوٹ متوسط ماریں نہ بہت زور سے نہ بہت آہستہ اور مرد کے کپڑے اتاریں اور سر اور چہرہ اور شرمگاہ کو بچا کر تمام بدن پر الگ الگ لگاویں اور حد مارنے کے وقت مرد کو کھڑا کریں اور غیر ممدود حد ماریں غیر ممدود سے مراد یہ ہے کہ زمین پر لٹکا کر یا گھسیٹ کر نہ ماریں یا یہ کہ کوڑے کو مار کر نہ کھینچیں کہ زخم کر دے یا یہ کہ کوڑا مارتے وقت ہاتھ کو سر پر نہ کھینچیں تا کہ چوٹ سخت نہ لگے اور عورت کے کپڑے سوائے پوستین اور روئی دار کے نہ اتارے جاویں[3] اور اسکو حد بٹھلا کر ماریں اور اسکے سنگسار کرنے کو ایک گڑھا کھود لیں نہ مرد کے لئے اور مالک اپنے غلام کو بدون اذن بادشاہ کے حد نہ مارے[4] اور محصن ہونا جو سنگسار کرنے میں معتبر ہے وہ یہ ہے کہ آزاد اور عاقل اور بالغ اور مسلمان ہو اور پہلے اس زنا سے نکاح صحیح سے کسی عورت کے ساتھ صحبت کئے ہو اس حال میں کہ مرد عورت دونوں صفت محصن ہونے کی رکھتے ہوں یعنی شوہر اور عورت آزاد اور عاقل اور بالغ اور مسلمان ہوں اور نکاح صحیح سے آپسمیں صحبت کریں اور کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا اکھٹے نہ کئے جائیں یعنی دونوں سزا نہ دینی چاہئیں اسی طرح کوڑے مارنے اور جلاوطن کرنا نہ چاہیے[5]

---

[1] چار مرتبہ اقرار کی اس لئے ضرورت ہے کہ قائمقام چار گواہوں کے ہو جاوے ۱۲ [2] محصن کی تفسیر آگے متن میں آئیگی کہ آزاد عاقل بالغ مسلمان اور زنا سے پہلے نکاح صحیح کسی عورت سے صحبت کر چکا ہو ۱۲ [3] کیونکہ اس میں ستر زیادہ ہے اور عورت میں اس کا بہت لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اسیواسطے کہ روئیدار اور چمڑے کی پوستین کے علاوہ اور کپڑے نہیں اتارتے ہیں ۱۲ [4] امام شافعی فرماتے ہیں کہ مالک بغیر اذن بادشاہ کے اپنے غلام کو کوڑے لگا سکتا ہے۔ کیونکہ اسکو اسپر پوری ولایت حاصل ہے۔ جو بادشاہ کو بھی نہیں مثلاً اس کی بیع کہ اسکا اختیار مالک کو ہے۔ اور بادشاہ کو نہیں اور ہم کہتے ہیں کہ حد اللہ کا حق کا حق پس اسکے خلیفہ بادشاہ کو حاصل ہے دوسرے کو نہیں [5] یعنی کوڑوں کے ساتھ جلاوطن بھی کرنا یہ حد میں داخل نہیں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ سو کوڑے اور سال بھر کی جلاوطنی یہ حد ہے جیسا حدیثوں میں آیا ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں صرف کوڑوں کا ذکر ہے اور حدیث میں جلاوطنی ایک سال کی یہ سیاست پر محمول ہے پس اگر امام جلاوطنی مناسب سمجھے تو جلاوطن کر دے جائز ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۱۲ ۱۲

ہاں اگر حاکم کسی مصلحت کے واسطے چند روز کو جلاوطن کردے تو درست ہے۔ اور بیمار پر اگر سزا سنگساری کی ثابت ہو تو سنگسار کیا جاوے الا کوڑے نہ لگائے جاویں جبتک کہ اچھا نہ ہولے اسلئے کہ سنگسار کرنے میں تو مقصود مار ڈالنا ہے اسمیں بیمار اور تندرست برابر ہیں اور کوڑے مارنے میں غرض جھڑک دینا ہے نہ مار ڈالنا پس شاید بیمار حالت مرض میں کوڑوں سے مر جاوے اس لئے انتظار صحت ضروری ہے، اور حاملہ عورت کو کوڑوں[1] کی حد نہ ماری جاوے جب تک کہ وہ بچہ جن کر فارغ نہ ہولے۔

باب۔ اس صحبت کے بیان میں

جس سے حد واجب ہوتی ہے اور جس سے واجب نہیں ہوتی جس عورت سے صحبت کی ہو اگر اس میں شبہ حلال ہونیکا ہو گو اس شخص کو ظن غالب اس کے حرام ہونیکا ہو تو اس کی صحبت سے حد نہیں آتی مثلاً اپنے بیٹے یا پوتے کی لونڈی سے صحبت کرلی یا جو عورت کہ کنایے کی طلاق کی عدت میں ہو اس سے ہمبستر ہونا موجب نہیں اس لئے انمیں شبہ حلال ہونیکا ہے گو وہ شخص گمان غالب انکی حرمت کا رکھتا ہو اور نفس صحبت میں اگر شبہ حلت کا ہو اور وہ مرد بھی اپنے گمان غالب میں حلال جان کر کریگا تب بھی حد واجب نہوگی مثلاً جو عورت کہ تین طلاقوں کی عدت میں ہے اس سے صحبت کرلی یا اپنے باپ کی لونڈی سے یا بی بی سے یا اپنے آقا کی لونڈی سے صحبت کرلی کہ اس صحبت کو اپنے گمان میں حلال جانتا ہوگا تو حد لازم نہ آویگی اور اگر حرام جانتا ہوگا تو حد لازم آویگی اور نسب[2] صرف اول صورت میں ثابت ہوگا نہ دوسری میں اور اگر اپنے بھائی اور چچا کی لونڈی سے زنا کرے تو حد ماری جاویگی گو اس صحبت کو حلال خیال کرے اور یہی حال ہے۔ اگر کوئی اجنبی عورت اپنے بستر پر دیکھے اور اس سے صحبت کرے لیکن اگر کوئی عورت بیگانی اس کے پاس بھیجدی جائے اور کہدیا جاوے کہ یہ تیری دلھن ہے اور وہ اس سے ہمبستر ہو تو حد واجب نہ ہوگی بلکہ اس کا مہر یعنی اجرت صحبت کی دینی پڑیگی اور ان صورتوں میں حد واجب نہیں ہوتی اول یہ کہ جو عورت اس پر حرام تھی اور اس سے اتفاقاً نکاح ہوگیا اور اس سے صحبت کی تو نکاح

---

[1] اور ایسے ہی سنگساری کی حد بھی حاملہ کو نہ لگائی جائے جبتک کہ وضع حمل نہ ہو جائے فرق یہ ہے کہ سنگساری کی حد وضع حمل ہوتے ہی لگادی جاوے گی اور کوڑے نہیں نفاس سے فارغ ہونیکا انتظار کیا جائیگا کیونکہ نفاس بھی ایک قسم کا مرض ہے البتہ اگر کوئی بچہ کا پرورش کرنے والا نہو کہ جب تک بچہ والدہ سے مستغنی نہ ہو جائے سنگسار بھی نکرینگے ۱۲ [2] اور شبہ سے حد دفع ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ حد لگانے میں بہت احتیاط کیجاتی ہے [3] مراد اول صورت سے وہ صورت ہے کہ بیٹے یا پوتے کی لونڈی سے صحبت کی یا مطلقہ بالکنایہ سے عدت میں صحبت کی یا ماں یا باپ وغیرہ کی صحبت سے لونڈی سے صحبت کی خواہ حد ٹھیری ہو یا نہ ٹھیری ہو نسب ثابت نہوگا ۱۲ [4] یعنی اگر کسی نے اجنبی عورت کو اپنے بستر پر پایا اور زنا کیا پھر کہتا ہے کہ میں سمجھا کہ میری بی بی ہے تو سماعت نہ کیجاویگی۔ اور حد لگادی جائیگی کیونکہ باوجود طول صحبت کے پھر نہ پہچاننا عذر نہیں۔ ہاں اگر پہلی شب میں اجنبی عورت اس کے بستر پر بھیجدی جائے اور کہا جائے کہ تیری بی بی ہے تو حد نہ پڑیگی۔ کیونکہ معذور ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

کے شبہے سے حد جاتی رہتی ہے یا یہ کہ اجنبی عورت سے پیشاب گاہ کے سوا اور جگہ میں صحبت کرے یا کسی سے اغلام کرے یا چار پایہ سے صحبت کرے[1] یا دار الحرب میں جاکر سرکشوں کے یہاں پہنچکر زنا کرے یا دار الحرب میں رہنے والی ذمی عورت سے زنا کرے[1] تو مرد پر حد نہ ہوگی مگر عورت پر حد جاری کرنی چاہیئے یا لڑکا یا دیوانہ عورت بالغ مسلمان عاقل سے زنا کرے[2] اور اگر اس کا الٹا ہو یعنی مرد کسی لڑکی یا دیوانی عورت سے زنا کرے تو حد واجب ہوگی مرد پر یا زنا کرایہ کی عورت سے کرے یعنی اگر زنا کیلئے کسی عورت کی خرچی مقرر کرے تو حد واجب نہیں ہوتی یا زنا زبردستی کرے یعنی کسی کے زور سے اس حرکت کا مرتکب ہو تو حد لازم نہوگی یا زنا کا اقرار کرے اور طرف ثانی اس کا انکار کرے تو اس سے بھی حد جاتی رہتی ہے اور جو شخص کسی کی لونڈی سے زنا کرے اور وہ اس فعل سے مرجاوے اسپر حد بھی واجب ہوگی۔ اور اس لونڈی کی قیمت مالک کے حوالے کرنی پڑیگی اور بادشاہ سے قصاص کا اور مالوں کا مواخذہ کیا جاوے حد[3] کا مواخذہ نہ کیا جاوے یعنی بندوں کے حقوق کا مواخذہ اس سے کریں اللہ تعالیٰ کے حقوق کا نہ کریں۔

باب۔ زنا پر گواہی دینے اور گواہی سے پھر جانے کے بیان میں۔

گواہوں نے ایک پرانی بات پر گواہی دی جو موجب حد تھی سوائے بہتان زنا[4] کے تو اس شخص پر حد نہ لگائی جاویگی اور اگر گواہی چوری کی ہوگی تو اس شخص سے تاوان اسباب مسروقہ کا لیا جاویگا مگر ہاتھ نہ کاٹا جاویگا اور اگر گواہ ثابت کردیں کہ اس مرد نے ایک غائب عورت سے زنا کیا۔ یعنی عورت موجود نہو تو اس مرد پر حد ماری جاویگی بخلاف چوری کے کہ اگر غیر موجود شخص کے مال چرانے کا ثبوت کرینگے تو ہاتھ کاٹنا لازم نہوگا[5]۔ اور اگر مرد زنا کا ایک عورت نامعلوم سے کرلے تو اس کو حد ماری جاوے اور اگر گواہ کہیں کہ اس نے ایک عورت نامعلوم سے زنا کیا ہے تو حد نہ لگائی جاوے[6] جیسے اس صورت میں کہ گواہان مذکور عورت کی خواہش اور مجبوری میں اختلاف کریں مثلاً دو کہیں کہ وہ راضی تھی اور دو

ف[1] ان سب صورتوں میں حد نہیں پڑتی ہے کیونکہ شرع نے انکی کوئی حد مقرر نہیں کی مگر چونکہ یہ فعل ناجائز اور حرام ہیں اس لئے امام تعزیر کے طور پر جو سزا مناسب سمجھے دیدے ۱۲ ف[2] تو کسی پر حد نہ پڑیگی نہ لڑکے یا پاگل پر اور نہ عورت پر اور امام شافعی رح کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ لڑکا اور پاگل تو غیر مکلف ہیں مگر عورت مکلف ہے اس لئے عورت پر حد پڑجائیگی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ فعل زنا مرد سے ہوتا ہے۔ عورت محل ہے اور پاگل و بچہ کا یہ فعل بوجہ غیر مکلف ہونے کے زنا نہ ہوگا پس عورت پر بھی حد نہ پڑیگی ۱۲ ف[3] کیونکہ حدود اللہ کا حق ہیں اور اللہ کا حق لینے کے واسطے بادشاہ خلیفہ ہے جو اس سے خدا کا حق لے ۱۲ ف[4] یعنی بہتان زنا اگرچہ پرانا ہوجاوے تو بھی بہتان لگانے والے پر بہتان کی حد لگے گی کیونکہ بہتان کی حد میں بندہ کا بھی حق ہے اور حقوق عباد میں تمادی عارض نہیں ہوتی ۱۲

ف[5] کیونکہ چوری میں ہاتھ کاٹنے کے واسطے مدعی کا ہونا شرط ہے اور یہاں صاحب مال کی عدم موجودگی کی وجہ سے دعوے نہیں پایا گیا بخلاف زنا کے کہ اس میں دعوے شرط نہیں لہذا گواہوں کے زنا ثابت کردینے کے بعد حد لگ جاوے گی ۱۲

ف[6] اس لئے کہ اس میں احتمال ہے کہ شاید وہ اس کی بی بی ہو یا لونڈی ہو اور ظاہر بھی یہی ہے کہ اس کی بی بی یا لونڈی ہوگی اس لئے کہ مسلمان آدمی زنا نہ کرے گا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

ہیں کہ اس سے زبردستی کیا یا جس شہر میں زنا ہوا اسکے نام میں اختلاف کریں اگرچہ ہر زنا کے فعل پر چار گواہ ہوں لیکن حد ساقط ہو جاویگی اور اگر گواہ کوٹھری کے گوشوں[1] میں اختلاف کریں تو اس صورت میں مرد و عورت دونوں کو حد لگائی جاوے اور اگر گواہوں نے ایک عورت کے زنا پر شہادت دی حالانکہ وہ باکرہ ہے یعنی مرد کے ساتھ ہمبستر نہیں ہوئی یا گواہ بدکار ہیں یا گواہی دیویں کہ چار گواہوں معتبر نے اس شخص پر زنا کی گواہی دی ہے گو وہ اصل گواہ بھی بعد کو اس زنا پر گواہی دیویں تو اس صورت میں کسی پر حد جاری نہوگی نہ جس پر گواہی دی اور نہ گواہوں پر اور اگر گواہ اندھے ہوں یا کسی کی گالی کے بہتان میں حد ان کو لگ چکی ہو یا چار کی جگہ تین گواہ ہوں تو ان صورتوں میں گواہوں[2] پر حد لگیگی نہ اس شخص پر جسپر کہ انھوں نے گواہی دی ہے اور اگر کسی شخص کو گواہوں کی گواہی سے حد ماری گئی بعد کو معلوم ہوا کہ ایک گواہ غلام تھا یا بہتان کی علت میں سزا پاچکا ہے تو چاروں پر حد گالی کے بہتان کی جاری ہونی چاہیے اور اس اول مرد کو جو ان کے سبب سے حد لگی اور زخم یا چوٹ پہنچی اس کا تاوان گواہوں پر لازم آویگا اور اگر ان کی گواہی سے وہ سنگسار ہو گیا ہوگا۔ تو اس کا خونبہا وارثوں کو بیت المال سے دیا جاویگا اور اگر بعد اسکے رجم کے ایک گواہ پھر گیا تو اسکو سزا گالی دینے کی دیجاوے گی اور چوتھائی خونبہا کا تاوان لیا جاویگا اور اسکے سنگسار ہونے سے پیشتر اگر گواہ پھر یگا تو چاروں کو حد لگیگی اور رجم ثابت نہوگا اور اگر پانچ گواہوں میں سے ایک پھر جاویگا تو اسپر گالی کی سزا لازم نہ ہوگی لیکن اگر دوسرا اور گواہ پھر یگا۔ تو اسوقت دونوں کو حد ماری جاویگی اور دونوں کو ملکر چوتھائی[3] خونبہا دینا پڑیگا اور دیت سنگسار کیے ہوئے شخص کی مزکی کو دینی پڑیگی اگر یہ معلوم ہوا کہ گواہ غلام ہیں مزکی اس شخص کو کہتے ہیں جو گواہوں کا حال ٹھیک بتاتا ہے کہ یہ عادل قابل شہادت ہے یا نہیں جیسے اس صورت میں کہ اس شخص کو کوئی جان سے مار ڈالے اور پھر گواہوں کا حال ایسا ہی کھلے یعنی ایک شخص پر رجم کا حکم ہوا دوسرے نے رجم کیجگہ اسکو تلوار سے مار ڈالا پھر ظاہر ہوا کہ گواہ غلام ہیں تو اس صورت میں دوسرا شخص اول شخص کے خونبہا کا ضامن ہوگا اگر وہ شخص جس پر رجم کا حکم ہوا ہو سنگسار کیا جاوے اور گواہ[4]

۱؎ یعنی بعض گواہ ایک گوشہ میں زنا کرنا بیان کریں اور بعض دوسرے گوشہ میں تو اس صورت میں زانی اور زانیہ دونوں پر حد لگادی جاویگی کیونکہ مطابقت ممکن ہے اسطور سے کہ ایک گوشہ میں زنا کی ابتدا ہو دوسرے گوشہ میں ختم کیا ہو ۱۲ ۲؎ یعنی گواہوں پر بہتان کی حد لگیگی کیونکہ ان کی گواہی جب معتبر نہ ہوئی یا اسوجہ سے کہ وہ اہل شہادت نہیں یا اسوجہ سے کہ چار کی تعداد پوری نہیں تو وہ تہمت لگانیوالے سمجھے جائیں گے اور تہمت زنا کی حد پڑ جائیگی ۱۲ ۳؎ یعنی پھر جانیوالیکو تہمت کی سزا دیجاویگی اور بقیہ تین گواہوں کو کچھ سزا نہ دیجاویگی ۱۲ ۴؎ یعنی دو خمس دیت دلوائی جاویگی کیونکہ تین گواہ اپنی گواہی پر باقی ہیں پھرے نہیں بس ان چوتھائی دیت باقی رہی انکا اعتبار ہے لہذا ایک چوتھائی دونوں ملکر دینا پڑیگی ۱۲

مفتی محمد وصی علی مبحر آبادی

غلام نکلیں تو اس کا خونبہا بیت المال میں ہوگا اور اگر زنا کے گواہ گواہی میں یہ کہیں کہ ہمنے جان بوجھ کر زانی اور زانیہ کیطرف دیکھا تو ان کی شہادت قبول کیجاوے یعنی قصداً دیکھنے کے جرم میں شہادت رد نہ کرنی چاہئے اور جس شخص پر گواہی زنا کی گذری ہو اگر وہ اپنے محصن ہونے سے انکار کرے پھر اس کے محصن ہونے پر ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں یا اسکی بیوی کے اس سے بچہ پیدا ہوا تو اسپر رجم کیا جاویگا۔ اس لئے کہ منکوحہ سے جب اس کے بچہ ہوا تو اس کا محصن ہونا ثابت ہوگا۔

باب شراب پینے کی حد کے بیان میں جس شخص نے شراب پی اور ایسی طرح گرفتار ہوا کہ شراب کی بو موجود ہو یا وہ خود مست ہو اگرچہ نبیذ کے پینے سے ہوا ہو اور دو مرد اسپر شراب پینے کی گواہی دیں یا خود ایک بار اقرار کرے تو اسکو حد لگائی جاوے اگر یہ معلوم ہو کہ اسنے اپنی خواہش سے پی ہو اور حد حالت ہوش میں ماریں بیہوشی میں نہ ماریں اور اگر وہ خود بعد بو کے جاتے رہنے کے اقرار کرے یا دو گواہ شراب پینے پر بعد بو کے جانے کے گواہی دیں دوری فاصلہ کی جہت سے یعنی اگر فاصلہ کی دوری کی جہت سے بو جاتی رہی ہو تو اس سے حد نہ جاویگی یا یہ کہ صرف اس سے شراب کی بو پائی جاوے یا قے شراب کی کرے یا جو کچھ اقرار کیا تھا اس سے پھر جاوے یا اقرار ایسی مستی کیحالت میں کرے کہ اسکی عقل جاتی رہی ہو تو ان سب صورتوں میں حد نہ لگائی جاویگی اور سوائے شراب انگوری کے اور چیزوں سے مست ہونیکی سزا اور شراب انگوری پینے کی سزا اگرچہ ایک ہی قطرہ پیوے اسی کوڑے ہیں آزاد کیواسطے اور اس کا نصف یعنی چالیس غلام کے لیئے اور یہ کوڑے حد زنا کیطرح مجرم کے بدن پر سر اور منھ اور شرمگاہ بچا کر جدا جدا لگاویں **باب تہمت زنا کی حد کے بیان میں**۔ قذف یعنی کسی پر زنا کی تہمت کرنے کی حد شراب پینے کی سی حد ہے تعداد میں بھی اور ثبوت بھی یعنی اسی کوڑے آزاد کیلیے اور چالیس غلام کے لئے ہیں اور دو مردونکی گواہی یا ایکمرتبہ کے اقرار سے ثابت ہوجاتی ہے پس اگر محصن مرد یا محصنہ

۱؎ کیونکہ رجم کرنیوالوں کا فعل امام کیطرف منسوب ہوگا اور امام مسلمانوں کیطرف سے کام کرنیوالا ہے۔ لہذا مسلمانوں کے مال سے دیت یعنی خونبہا دیا جاویگا ۱۲ ۲؎ اسواسطے کہ شاہد بننے کیلیئے انکو قصداً نظر کرنا مباح تھا یہ نہیں کہ انہوں نے قصداً نظر کی لہذا فاسق ہیں انکی گواہی کا اعتبار نہیں ۱۲ ۳؎ نبیذ اس پانی کو کہتے ہیں کہ تر انگور کے سوا کھجور یا مویز اور شہد یا جو وغیرہ الگ چند روز رکھا جاوے کہ گاڑھا ہو جاوے ۱۲ ۴؎ اور اگرچہ معلوم ہو کہ کسی نے اسکو زبردستی پلادی ہے۔ تو حد نہ ماری جاویگی ۱۲ ۵؎ ان دونوں صورتوں میں امام ابو حنیفہ رح اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک حد ساقط ہوگی اور امام محمد رح کے نزدیک حد پڑ جائے گی کیونکہ ان کے نزدیک بو جانے سے تمادی عارض نہیں ہوتی اور امام صاحب کے نزدیک بو جاتی رہنے سے تمادی عارض ہوجاتی ہے پس بو چلی جانے بعد نہ شہادت کا اعتبار نہ اقرار کا کیونکہ یہ حد صحابہ رض کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے اور بغیر بو پائے حد لگانے پر اجماع نہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رض حد لگانے میں بو پا جانیکی شرط لگاتے ہیں ۱۲ ۶؎ یعنی شراب انگوری کیواسطے نشہ کی شرط نہیں چاہے نشہ ہو یا نہ ہو حد لگ جائیگی ۱۲ مفتی محمد وصی علی

عورت کو کوئی شخص زنا کی تہمت لگاوے[۱] اور وہ مرا یا عورت اسکی سزا کے خواستگار ہوں تو حد متفرق اسکے تمام بدن پر لگائی جاوے اور اس کے بدن سے سوائے پوستین[۲] اور روئی کے کپڑے کے اور کچھ نہ اتارا جاوے اور محصن ہونا اس باب میں یہ ہے۔ کہ عاقل بالغ آزاد مسلمان زنا سے پرہیزگار ہو۔ اگر کسی شخص نے غصے میں دوسرے کو کہا کہ تو اپنے باپ کا نہیں یا اسکے باپ کا نام لیکر کہا کہ تو فلانے کا بیٹا۔ تو اسپر حد لگائی جاویگی اور غصے میں نہ کہا ہو تو حد نہ لگائی جاویگی[۳] جیسے اس صورت میں کہ اسکو کہے کہ تو اپنے دادا کا بیٹا نہیں حد نہیں ہے اور اگر عرب کے رہنے والے کو کہا کہ اے نبطی اور نبطی وہ لوگ ہیں جو بری بری عادتیں رکھتے ہیں اور ان کی گفتگو میں فصاحت نہیں۔ یا یہ کہ عربی کو کہا کہ اے آسمان کے پانی کے بیٹے کہ ان کی صفائی اور سخاوت کے سبب سے اس لقب سے نامزد کر دیتے ہیں یا یہ کہ کسی کو کہدیا کہ تو اپنے چچا کا یا ماموں کا یا ماں کے خاوند کا بیٹا ہے تو ان صورتوں میں حد لازم[۴] نہیں آتی اور اگر کسی کو کہا کہ اے چھنال کے جنے اور اس کی ماں مر گئی ہو۔ اور وہ یا اس کا باپ یا بیٹا خواستگار سزا کے ہوں تو حد لگائی جاویگی اور اگر باپ یا آقا اپنے لڑکے یا غلام کی ماں کو تہمت زنا کی گالی دیوے تو لڑکا اور غلام خواستگار اسکی سزا کے نہوں اور حد قذف کی اس شخص کے مرنے سے باطل ہو جاتی ہے جس کو گالی دی ہو لیکن اگر مجرم کہے کہ میں نے اپنے قول سے رجوع کیا اور جھوٹ گالی دی تھی یا جس کو گالی دی وہ کہے کہ میں نے مجرم کو معاف کیا تو حد باطل نہو گی[۵] اور اگر کسی کو کہے کہ زَنَیْتَ فِی الْجَبَلِ تو نے پہاڑ میں زنا کیا اور مراد لی پہاڑ پر چڑھنے کی تو حد ماری جاوے یعنی زنا ہمزہ کے ساتھ چڑھنے کے معنوں میں آتا ہے مگر اس کا قرینہ یہ تھا کہ اس کے بعد علیٰ بولتا جب فی کہا تو معلوم ہوا کہ چڑھنے کے معنے نہیں لئے بلکہ زنا کے معنے لئے اسلئے حد واجب ہوئی اور اگر کسی کو کہے کہ اے زانی اور دوسرے نے اسکے جواب میں کہا کہ تو زانی ہے تو دونوں[۶] کو حد ماری جاوے اور اپنی منکوحہ سے کہے کہ اے زانیہ اور وہ جواب میں کہے کہ زانی تو ہے تو عورت[۷] پر حد لگائی جاویگی اور لعان واجب نہیں ہے اور اگر

---

۱ یعنی جس کو تہمت لگائی گئی ہے جب تک وہ حاکم کے یہاں تہمت لگانے پر حد لگائے جانیکا مطالبہ نکریگا حد لگائی جاوے گی کیونکہ اسمیں اپنے اوپر سے عار دفع کرنے کے لئے اس کا بھی حق کا طلب کرنا شرط ہے ۱۲ ۲ صرف چمڑے کی پوستین اور سوئی دار کپڑا ہوا اتار لیا جائے کیونکہ انکی وجہ سے چوٹ کی کچھ تکلیف ہی نہ پہنچیگی اور باقی کپڑے نہ اتارے جائیں۔ کیونکہ اس میں اتنی شدت نہیں ہے جتنی زنا کے کوڑوں میں سب کپڑے اتار لئے جاتے ہیں ۱۲ ۳ کیونکہ غصے کی ہونیکی صورت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ تیرے افعال تیرے باپ کے سے نہیں تو اس کا خلاف اشد نہیں ۴ کیونکہ ان باتوں سے نسب کی نفی کرنا مقصود نہیں ہوتا جو تہمت خیال کیجائے بلکہ لوگ چچا ماموں یا والدہ کے شوہر کا بیٹا مجازاً کہدیا کرتے ہیں اس میں مراد نہیں ہوتی تو اپنے باپ کے نطفہ سے نہیں ہے حرامی ہے ۱۲ ۵ معاف کر دینے سے حد باطل نہو گی اس کا یہ مطلب نہیں کہ قاضی اپنی طرف سے بلا مطالبہ حد قائم کر دیگا۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ معاف کرنا لغو ہوگا یہاں تک کہ اگر معاف کرنے کے بعد بھی مطالبہ کریگا تو حد قائم کر دیجائیگی ۱۲ ۶ کیونکہ دونوں نے ایک دوسرے کو تہمت لگائی ہے ۱۲ ۷ کیونکہ مرد اگر عورت کو تہمت لگائی تو عورت پر حد واجب ہوتی ہے اور یہاں ہر ایک نے دوسرے کو تہمت لگائی پس پہلے عورت پر حد جاری کیجائے گی کیونکہ لعان سے حد زیادہ قوی ہے اور بعد حد لگانے کے اب لعان ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ لعان کیلئے دونوں کا اہل شہادت ہونا شرط ہے اور عورت تہمت کے کوڑے کھا لینے کی وجہ سے شہادت کی اہل باقی نہیں رہی ۱۲

عورت یوں جواب دیوے کہ میں نے زنا تجھ سے کیا ہی۔ تو حد اور لعان دونوں[1] باطل ہو جاوینگے اور اگر پہلے اپنے
بیٹے کا اقرار کیا پھر کہا کہ میرا نہیں تو لعان کرے اور اگر اول کہے کہ میرا نہیں پھر اقرار کرے تو اس صورت
میں حد اوسپر لگائی جاوے اور دونوں صورتوں میں بیٹا اسی کا ہوگا اور اگر عورت سے یوں کہے کہ بیٹا نہ میرا
ہے نہ تیرا تو حد اور لعان دونوں باطل ہوں گے اور اگر زنا کی گالی ایسی عورت کو دے جسکے بچے کا باپ
معلوم نہو یا جو اپنے بچے کے باپ میں لعان کر چکی ہو یا ایسے مرد کو زنا کی گالی دے جس نے لونڈی غیر مملوکہ
سے صحبت کی ہو مثلاً اپنی ماں یا بھائی بہن کی لونڈی سے صحبت کی ہو یا گالی دی مسلمان کو جس نے حالت
کفر میں زنا کیا ہو یا گالی دی مکاتب کو جو اتنا مال چھوڑ جاوے کہ اسکی کتابت کا عوض ہو سکتا ہو۔ تو
ان سب صورتوں میں گالی دینے والے پر حد[2] نہ ماری جاوے گی اور جس شخص نے کہ آتش پرست لونڈی سے
صحبت کی ہو یا حائضہ عورت یا مکاتب لونڈی سے یا کسی مسلمان نے حالت کفر میں اپنی ماں سے نکاح
کیا ہو تو ایسے شخصوں کو اگر کوئی زنا کی گالی دے تو اوسپر حد ماری جاویگی اور مستامن اگر مسلمان کو گالی
دے تو اوسپر حد لگائی جاویگی مستامن اُس کافر کو کہتے ہیں کہ دار الحرب میں دار الاسلام میں امن لے کر
آیا ہو۔ اور جس شخص نے چند مرتبہ گالی دی اور چند مرتبہ زنا کیا اور شراب پی اور حد لگائی گئی تو یہ حد
اس کے کل افعال کی ہو جاویگی اس لئے کہ حدوں میں تداخل[3] ہو جایا کرتا ہے **فصل تعزیر یعنی تادیب**
اور توبیخ کے بیان میں، تعزیر وہ سزا ہے جو حد سے کم ہو اسکی مقدار معین نہیں حاکم کی رائے پر منحصر ہے اگر
کوئی شخص غلام یا کافر کو زنا کی گالی دے یا مسلمان کو ان الفاظ سے کوئی کہے اے فاسق او کافر یا خبیث
اے چور اے بدکار اے منافق یعنی ظاہر کے مسلمان اے لونڈے باز اے سود خوار اے شرابی اے دیوث
یعنی بے عزت اپنی گھر والی پر زنا کا روادار ہو اے ہیجڑے اے خیانت کرنیوالے اے قحبہ[4] کے جنے او بیدین
اور قلتبان یعنی کٹنے او چوروں اور زناکاروں کے ٹھکانے[5] او حرامزادے تو ان سب صورتوں میں تعزیر
کیا جاویگا اور اگر مسلمان کو کہے کہ او کتے او گدھے او پہاڑی بکرے او سور او بیل او سانپ او بیغیرت

---

[1] کیونکہ عورت کا یہ کہنا ہے کہ گویا شوہر کی تصدیق کرنا ہے کہ قبل نکاح کے تجھ سے زنا کیا تھا اور جب تصدیق کی تو لعان ثابت ہوگا اور من وجہ تصدیق نہیں کیونکہ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہی کہ میں نے اپنے اوپر تجھ ہی کو قدرت دی ہے اور وہ زنا نہیں لہذا تہمت ہوئی پس عورت سے حد بھی ساقط ہو جائیگی ۱۲ [2] کیونکہ جس کو گالی دی ہی وہ محصن نہیں ہے ۱۲ [3] یعنی جب ایک قسم کی حدیں ہوں مثلاً چند شخصوں کو زنا کی تہمت لگائی تو چند حدیں نہ پڑینگی بلکہ ایک حد پڑ جائیگی یا چند مرتبہ شراب پی تو بھی ایک حد پڑیگی اور اگر تہمت بھی لگائی اور شراب بھی پی تو دو حدیں یعنے ایک سو ساٹھ کوڑے پڑیں گے اسی تہمت لگانیکے اسی شراب پینے کے ۱۲ [4] طحطاوی میں ہے کہ اس زمانہ میں قحبہ کا رواج زانیہ پر بولنے کا ہے اس صورت میں ایسے لفظ پر حد مارنی چاہیئے ۱۲ [5] یعنے وہ شخص کہ جس کے پاس چور اور زانی جمع ہوتے ہیں اور وہ ان کے ساتھ مثل دوستوں کے خلا ملا رکھتا ہو اور حرامزادہ کہنے کی صورت میں حد اس لیئے نہ ہوگی کہ یہ زنا کی گالی نہیں حرام بغیر زنا کے بھی ہو سکتا ہی مثلاً حیض کی حالت میں صحبت کی ہو وہ جو بسی تو حرام تو ہوا مگر زنا نہیں ہے مفتی محمد دھی علی ملیح آبادی

کمینے زنا کی مزدوری لینے والے او ولد الحرام او عیار فریبی او سرنگوں او اندھے او مسخرے او ٹھٹھے باز او بیغیرت او بدبخت او وسوسہ دینے والے یعنی شیطان او بیوقوف تو ان صورتوں میں تعزیر لازم نہ ہوگی اور تعزیر کی مقدار زیادہ سے زیادہ انتیس کوڑے ہیں اس لئے کہ چالیس کوڑے حد غلام کے لئے ہے اس سے ایک کم تعزیر ہوئی اور کم سے کم تین کوڑے اور جائز ہیں مجرم کا قید کرنا بعد تعزیر کے اور سخت تر مار تعزیر کی ہے پھر زنا کی حد میں پھر شراب پینے کی حد میں پھر گالی کی حد میں یعنی تعزیر میں خوب سخت ہاتھ لگادیں اور اوروں میں بتدریج نرم ہاتھ پڑے اور جس شخص پر حد یا تعزیر ہوا اور وہ مرجاوے تو اُس کا خون معاف ہے یعنی خونبہا بیت المال سے دینا نہ پڑیگا بخلاف شوہر کے جو اپنی منکوحہ کو سنگسار چھوڑنے پر خواہ صحبت کے لئے اپنا کہنا نہ ماننے پر خواہ نماز کے ترک کرنے پر یا ناپاکی سے غسل نہ کرنے پر گھر سے نکلجانے پر تعزیر دے اور عورت مرجاوے تو شوہر پر خونبہا لازم ہوجاوے گا

کتابُ السرقۃ

اس میں چوری کا بیان ہے۔ کہ عاقل بالغ شخص کسی کا مال جو دس درم یا زیادہ قیمت کا ہو اور محفوظ جگہ میں خواہ نگہبان کے تحت میں ہو پوشیدہ لے لے پس اگر وہ اس کے لینے کا اسی طرح پر ایک بار اقرار کرے یا دو مرد اسکی چوری پر گواہی دیں تو اس کا ہاتھ کاٹا جاوے اور اگر بہت لوگوں نے مال چرایا اور مال کیجگہ سے ان میں سے بعض ہی اٹھالائے ہوں مگر اس میں سے حصہ ہر ایک کو دس درم سے کم نہ ملا ہو تو سب کا ہاتھ کاٹا جاویگا اور لکڑی اور گھاس اور نرکل اور مچھلی اور شکار اور ہڑتال اور گیرو اور چونا اور تر میوہ اگرچہ درخت پر ہو اور دودھ اور گوشت اور کھیتی جو کٹی نہو اور نشہ اور چیزیں اور طنبور اور قرآن شریف گو سونا لگا ہو۔ اور مسجد کا دروازہ اور سونے کے ترسول اور شطرنج اور نردیں اور آزاد لڑکا اگرچہ زیور پہنے ہو اور بالغ غلام اور دفتروں کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جاوے الا اگر نابالغ

۱ اور قاعدہ کلیہ تعزیر واجب ہونے اور نہ ہونے میں یہ ہے کہ اگر کسی کو منسوب کیا ایسے فعل اختیاری کے ساتھ جو شرعاً حرام ہو اور عرف میں عار شمار کیا جاتا ہو تو تعزیر واجب ہوگی ورنہ نہیں واجب ہوگی لیکن کسی شریف آدمی کی اس میں تحقیر ہوتی ہو ۱۲ ۲ یعنے تعزیر کیحالت میں مرجاوے تو اس کا خونبہا نہ دینا پڑیگا اور امام شافعی رح کے نزدیک اس کا خونبہا بیت المال سے دینا پڑیگا کیونکہ تعزیر ادب دینے تنبیہ دینی کیلئے ہے نہ مار ڈالنے کے لئے اور بیت المال سے اسلئے دیا جائیگا کہ امام کے فعل تعزیر کا نفع عام مسلمانوں کو پہنچیگا پس دیت بھی عام مسلمانوں کے مال سے دینی چاہئے اور ہم کہتے ہیں کہ خدا کے حکم سے اسکا حق لیا جاتا ہے جو مرا ہے پس گویا کہ خدا ہی نے اسکو مارا ہے ۱۲ ۳ خواہ آزاد یا غلام ہو دونوں کا ہاتھ کٹیگا اسمیں آزاد کی خصوصیت نہیں کیونکہ قرآن پاک میں آزاد اور غلام کی کوئی تخصیص نہیں نیز یہ کہ ہاتھ کٹنے میں غلام کی حد میں آزاد کی حد کا آدھا کرنا ممکن نہیں ۱۲ ۴ مراد دفتروں کی چوری سے کہ انکی چوری ہو مثلاً فقہ حدیث تفسیر کی چوری اس میں ہاتھ نہ کاٹا جاوے گا کیونکہ انکی چوری سے مقصود وہ کلام ہے جو اس میں تحریر ہے اور وہ کلام کوئی مال متقوم نہیں بخلاف محاسبین کی کتب حساب اور دفتروں کے کہ ان میں وہ مقصود نہیں جو لکھا ہے بلکہ کاغذ مقصود ہے اور وہ مال متقوم ہے لہذا ہاتھ کاٹا جاویگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ اللہم اغفر لکاتبہ ولوالدیہ

غلام اور حساب کا دفتر چراوے تو ہاتھ کاٹا جاوے اور کتے اور چیتے اور دف اور ڈھول اور سارنگی اور آلات سرود کے چرانے سے اور خیانت کرنے اور لوٹ لینے اور اچک لیجانے اور کفن چرانے اور عام کے مال چرانے مثلاً بیت المال میں سے چوری کرلے اور اس مال میں سے جو چور میں اور دوسرے شخص میں مشترک ہو اور بقدر اپنے قرض کے قرضدار کے مال میں سے چرا لینے اور ایسی چیز کے چرا لینے سے جسمیں پہلے اس کا ہاتھ کٹ چکا ہو بشرطیکہ وہ چیز بدستور ہو کچھ بدلی نہو ہاتھ نہ کاٹا جاویگا اور اگر ساکھو کی لکڑی یا نیزے کی چھڑ یا آبنوس یا صندل یا سبز نگینے اور یاقوت اور زمرد اور موتی اور برتن اور دروازے جو لکڑی کے ہوں چراوے تو ہاتھ چور کا کاٹا جاویگا

فصل محفوظ جگہ کے بیان میں جو شخص اپنے قریب محرم کا مال چراوے اور قرابت دودھ کی راہ سے ہو یا اپنی منکوحہ کا مال یا عورت اپنے شوہر کا یا غلام اپنے مالک کا مال خواہ مالک کی بی بی کا مال خواہ مالکہ کے شوہر کا مال یا اپنے مکاتب کا مال یا اپنے داماد اور خسر کا مال یا مال غنیمت یعنی لوٹ کا مال جو کافروں سے ملا ہو یا حمام میں کا مال خواہ ایسے گھر میں جسمیں گھسنے کی اجازت ہو چراوے تو ہاتھ کاٹا جاویگا اور کوئی شخص مسجد میں سے کچھ اسباب چراوے اور مالک اسباب کے پاس ہو تو ہاتھ کاٹا جاوے گا اور اگر کوئی مہمان میزبان کی چیز چراوے یا کوئی چیز چراوے مگر اسکو گھر سے باہر نہ لیجاوے تو ہاتھ نہ کاٹا جاوے اور اگر چوری کی چیز کو حجرے سے نکالکر گھر کے صحن میں لاوے یا جو شخص حجرہ والوں میں سے ہو وہ حجرہ میں ڈالدے پھر نکالکر اسکو اٹھالے یا کسی چیز کو گدھے پر لادکر اسکو ہانکدے اور اسباب اسطرح باہر نکال لاوے تو ان سب صورتوں میں ہاتھ کاٹا جاوے اور اگر گھر کے باہر سے چیز دوسرے کو دیدے یا گھر میں صرف ہاتھ ڈالکر اسباب لے لی یا کیسہ جو آستین کے باہر ہو کاٹ لی اور اونٹوں کی قطار میں سے ایک اونٹ یا اس کا اسباب چرالے تو ہاتھ نہ کاٹا جاویگا اور اگر اونٹ کے شلیطے کو چیر کر اسمیں سے اسباب لے یا شلیطے کو ایسی طرح لی کہ اس کا مالک اسکی چوکسی کرتا ہے خواہ اسپر سوتا ہے یا ہاتھ صندوق میں خواہ کسی کی جیب و آستین میں ڈالکر مال لی تو ہاتھ کاٹا جاویگا

وہ ایک حجرے کو لوٹ لی یا گھر کی دیوار میں سوراخ کرکے اندر گھسے اور کسی چیز کو سوراخ میں سے

ف۱ آلات سرود اور ڈھول وغیرہ کے چرانے میں اسلئے ہاتھ نہ کاٹا جائیگا کہ صاحبین کے نزدیک یہ چیزیں متقوم نہیں اور امام صاحب رح کے نزدیک چور کہہ سکتا ہے کہ میں نے توڑنے کے لئے ان چیزوں کو لیا تھا اور وہ شرعاً ان چیزوں کے توڑنے کا مامور تھا ۱۲ ف۲ کیونکہ یہ سب چیزیں قیمتی ہیں ۱۲ ف۳ اور اگر مالک اسباب کے پاس موجود نہ تھا تو ہاتھ نہ کٹیگا۔ کیونکہ وہ مال محفوظ نہ تھا مسجدیں حفاظت اموال کے لیے نہیں بنائی جاتی ہیں ۱۲ ف۵ کیونکہ جبتک وہ چیز گھر میں ہے مالک گھر کے قبضہ میں سمجھی جاویگی پس قبضہ میں شبہ پڑگیا اور شبہ سے حد دفع ہوجاتی ہے ۱۲ ف۶ کیونکہ گدھے کا چلنا اسی کیطرف منسوب ہوگا پس ایسا ہوگیا جیسے خود نکال لایا لہذا ہاتھ کاٹا جائیگا ۱۲ ف۷ یہ اس صورت میں ہے کہ وہ شلیطہ ایسی جگہ جو خود محفوظ نہیں مثلاً راستہ و میدان میں ہو اگر مکان محفوظ میں ہو تو مالک کا اسپر سونا یا چوکسی کیلئے موجود ہونا شرط نہیں ۱۲ ف۸ کیونکہ جیب و آستین مکان محفوظ ہے اسکے اندر ہاتھ ڈالکر نکالنے میں مکان محفوظ سے لینا پایا گیا اور اگر باہر سے جیب یا آستین کترے تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا ۱۲

فصل ہاتھ کاٹنے کی کیفیت اور اسکے ثابت رکھنے کے بیان میں چور کا داہنا ہاتھ پہونچے سے کاٹکر خون بند ہونے کیلئے داغدیا جاوے اور اگر وہ دوبارہ چوری کرے تو بایاں پاؤں کاٹا جاوے اور اگر تیسری دفعہ چراوے تو قید کیا جاوے اور تعزیر دیا جاوے تاکہ چوری سے توبہ کرے مگر ہاتھ نہ کاٹا جاوے اور اسیطرح اس شخص کا حال ہے جو چوری کرے حالانکہ اس کا بایاں انگوٹھا ہاتھ کا کٹا ہو یا لنجا بیکار ہو گیا ہو یا دو انگلیاں بائیں ہاتھ کی سوائے انگوٹھے کے کٹی ہوئی بیکار ہوں یا داہنا پاؤں کٹا ہوا ہو کہ ان سب صورتوں میں اس کا ہاتھ نہ کاٹا جاویگا اور جس شخص کے داہنے ہاتھ کٹنے کا حکم ہوا ہو اگر کاٹنے والا اس کا بایاں ہاتھ کاٹ ڈالے تو کچھ دیت یعنی خونبہا اسکو دینی نہ آویگی اور ہاتھ کاٹنے میں شرط ہے کہ جس کے پاس سے مال چوری گیا وہ خواست کرے اگرچہ وہ شخص دوسرے کا امانتدار ہو یا زبردستی کسیکا مال چھین لیا ہو یا سود لینے والا ہو کہ مال بطریق سود دوسرے سے لیا ہو اور جس صورت میں کہ مال انہیں لوگوں کے پاس سے چوری جاوے اور مال کا اصل مالک خواست چور کے ہاتھ کاٹنے کی نکرے تب بھی ہاتھ کاٹنا چاہیے اور اگر ایک چور نے مال چرایا اور چوری کے عوض اس کا ہاتھ کٹا بعد اسکے وہ مال کسی دوسرے نے چرا لیا تو اب اول چور خواہ اصل مالک اگر ہاتھ کاٹنے کی درخواست کرینگے تو دوسرے کا ہاتھ نہ کاٹا جاوے گا اور جو شخص کہ کوئی چیز چراوے اور ہنوز مالک نے اسپر نالش نہیں کی اس نے چیز مذکو مالک کے حوالے کردی یا قاضی نے حکم ہاتھ کاٹنے کا کسی چوری میں کردیا تھا بعد حکم کے وہ چیز چور کی ملک میں آگئی یا چور خود مدعی ہوا کہ یہ میری ملک ہے یا چوری کے بعد اسچیز کی قیمت دس درم سے کم ہوگئی تو ان سب صورتوں میں ہاتھ نہ کاٹا جاوے گا اور اگر دو چوروں نے ایک چیز کے خود چرانے کا اقرار کیا پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ میرا مال ہے تو ان میں سے کسی کا ہاتھ نہ کٹیگا اور اگر دو آدمی ایک چیز چراویں اور ایک ان میں سے غائب یعنی روپوش ہو جاوے اور گواہی سے دونوں کے ذمہ ثابت ہو تو موجود چور کا ہاتھ کٹیگا اور اگر کوئی غلام چوری کا اقرار کرے تو اس کا ہاتھ کٹیگا اور مال اس شخص کو دلایا جاویگا جس کے پاس سے اس نے چرایا تھا اور ہاتھ کا کٹنا اور مال کا تاوان اکیساتھ نہیں ہوسکتے

۱ امام شافعی رح کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ تیسری بار چوری کرنے میں بایاں ہاتھ کاٹا جاوے اور چوتھی بار چوری کرنے میں داہنا پیر بھی کاٹ دیا جاوے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے اور دلیل ہماری حضرت علی رض کا قول ہے کہ میں خدا سے حیا کرتا ہوں کہ میں اس کا ایک ہاتھ اور پیر بھی نہ چھوڑوں پس جس سے کھائے اور آبدست لے اور چلے اور اسی پر اصحاب رض کا اتفاق ہے اور حضور کا فرمانا سیاست پر محمول ہے ۱۲ ۳ کیونکہ جب ان لوگوں کی درخواست سے ہاتھ کٹتا ہے جو محض محافظ تھے مالک نہ تھے تو اصل مالک کی درخواست سے بھی ہاتھ کاٹا جائیگا ۲ اور پھر داہنا ہاتھ نہ کاٹیں گے کیونکہ ایک ہاتھ کٹ چکا ۱۲ ۴ یعنی اسی چور اول کے پاس سے چرالیا تو اسنے دوسرے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائیگا کیونکہ چور اول کا ہاتھ کٹنے سے وہ مال متقوم نہ رہا البتہ اگر اول چور کا ہاتھ نہیں کٹا تھا اور بعد دوسرے چور نے چرا لیا تو چور اول اور مالک ہر ایک کی درخواست پر ہاتھ کاٹا جائیگا دوسرے چور کا ۱۲ ۵ خواہ اس طور سے کہ مالک نے چور کو ہبہ مع القبض کردی یا چور کے ہاتھ فروخت کرڈالی ۱۲ ۶ کیونکہ جب اسنے یہ کہا کہ یہ میرا مال ہے تو چوری کے اقرار سے رجوع کرنا ہوا اور رجوع کرنیوالے کے حق میں عمل کریگا لہذا اس کا ہاتھ نہ کٹے گا۔ اور دوسرے کے حق میں شبہ پیدا کرے گا کیونکہ چوری دونوں کے مشترک اقرار سے ثابت ہوئی تھی پس شبہ کی وجہ سے دوسرے کا ہاتھ بھی نہ کٹیگا ۱۲ ۷ امام شافعی رح کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں یعنی ہاتھ بھی کاٹا جائیگا اور تاوان بھی دیگا کیونکہ دونوں حق الگ الگ ہیں ہاتھ کٹنا خدا کا حق ہے تاوان بندہ کا حق ہے ۱۲

یعنی یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ہاتھ بھی چور کا کٹے اور اس سے مال کی قیمت بھی دلائی جاوے لیکن اگر مال مسروقہ اس کے
پاس موجود ہو تو مالک کو دلایا جاوے گا اور اگر کچھ چوریوں کے عوض میں اس کا ہاتھ کاٹا جاوے تو اور مال
کہ اس نے چرائے ہونگے ان کا تاوان نہ دینا پڑیگا اور اگر کپڑے کو چرا کر گھر ہی میں چیر پھاڑ کر ڈالا پھر باہر نکالا
تو ہاتھ کٹیگا اور اگر بکری کو چرا کر اسی جگہ ذبح کر کے باہر نکالا تو نہ کٹیگا ف۱ اور اگر چاندی سونا چرا کر اسکے روپے اشرفی
بنا لئے تو ہاتھ کٹیگا اور روپے اشرفی مالک کی ہو جاوینگے اور اگر کپڑے کو چرا کر سرخ رنگا اور ہاتھ کاٹا گیا۔ تو
نہ کپڑا مالک کو دے نہ اس کی قیمت اور سیاہ رنگے تو کپڑا پھیر دے ف۲ **باب رہزنی کے بیان میں**۔ اگر
کوئی شخص کہ قصد رہزنی کا رکھتا ہو رہزنی سے پہلے گرفتار ہو تو اسکو قید کرنا چاہیے یہاں تک کہ اس ارادۂ
فاسد سے توبہ کرے اور اگر وہ کوئی مال معصوم لے لیوے یعنی مسلمان کا مال خواہ ذمی کا چھین لے تو اس کا ایک
ہاتھ اور ایک پاؤں دوسری جانب سے کاٹا جاوے یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں اور اگر اس نے کسی کو جان سے
مار ڈالا ہو تو وہ بھی حد میں مار ڈالا جاوے نہ قصاص میں یعنی اگرچہ وارث مقتول کا خون اسکو معاف کر دے
مگر خون معاف نہوگا ف۳ اور اگر وہ کسی کو جان سے مار کر مال لیوے تو اسکا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ کر مار
ڈالا جاوے اور سولی چڑھا جاوے یا کہ صرف جان سے مار دیا جاوے یا فقط سولی پر کھینچا جاوے یعنی حاکم کو اختیار
ہے جو چاہے انہیں سے کرے اور جس صورت میں کہ امام سولی پر چڑھانا پسند کرے تو ڈاکو کو زندہ سولی پر چڑھا وے
اور اسکے پیٹ کو نیزے سے چیرے تاکہ مر جاوے اور تین دن تک اس کی لاش سولی پر رکھے اور اس صورت
میں جو مال اس نے لیا ہو اس کا تاوان نہ دیگا اور جو شخص مرتکب قتل اور مال لینے کا نہو وہ مثل مرتکب کے ہے
یعنی ڈاکوؤں کو سب کو سزا یکساں ہونی چاہیے خواہ اس نے خود ڈاکہ زنی کی ہو یا اسکی مدد سے دوسرے نے
کی ہو اور لکڑی اور پتھر مار ڈالنے میں مثل تلوار کے ہیں جیسا کہ لکڑی اور پتھر سے کسی کو مار ڈالا ویسا ہی تلوار
سے اور اگر کسی کو ڈاکو زخمی کرے اور مال لے لیوے تو اس کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائیگا اور زخم کا
قصاص جاتا رہیگا اور اگر صرف زخم کرے اور مال نہ ملے یا جان سے مار ڈالے پھر رہزنی سے توبہ کر لے یا بعض
رہزن عاقل اور بالغ نہوں یا جسپر رہزنی کی ہو اس سے قرابت قریبہ رکھتا ہو تو قافلے کے کچھ لوگ دوسرے ساتھیوں

ف۱ کیونکہ پہلے لکھ چکے ہیں کہ گوشت میں ہاتھ قطع نہیں کیا جاتا پس چور پر اس صورت میں بکری کے دام دینا لازم ہونگے ف۲
نزدیک امام صاحب رح کے سیاہ رنگنا کپڑے میں نقصان پیدا کرتا ہے اور نقصان پیدا کرنے سے مالک کا حق منقطع نہیں ہوتا بخلاف سرخ رنگ کے
کہ اسمیں زیادتی ہے اور زیادتی سے مالک کا حق منقطع ہو جاتا ہے اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک سیاہ رنگنا بھی زیادہ کر دینا ہے پس مثل سرخ کے سیاہ
کو بھی نہ پھیریگا ۱۲ ف۳ یہ اثر ہے اس کے حد ہونیکا کیونکہ حدود میں معافی نہیں ہوتی اور قصاص میں اولیاے قصاص کو معاف کرنے کا
حق ہوتا ہے ف۴ تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور ایسا فعل کبھی نہ کریں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

پر راہزنی کریں یا رات کو خواہ دن کو شہر میں یا دو شہروں کے بیچ میں راہزنی کریں تو ان سب صورتوں میں حد لازم نہوگی وارث کو اختیار ہی چاہے مقتول کے خون کا بدلہ لے چاہے معاف کرے اور جو شخص شہر میں کئی مرتبہ گلا گھونٹ کر لوگوں کو مار ڈالے اسکو ان کے عوض میں مار ڈالنا چاہیئے[۱] -

کتاب السیر

اسمیں جہاد کے طریق اور سفر کا مذکور ہی سیر سین کے کسرہ اور یا مفتوح سے سیرت کی جمع ہی اور اسکے معنی طریق جہاد کے ہیں جہاد یعنی کافروں سے دین کے لئے لڑنا ابتدا میں فرض[۲] کفایہ ہی یعنے مسلمانوں کو چاہیئے کہ شروع لڑائی کا خود کریں اور کافر کسی شہر پہ چڑھ آویں تو ہر شخص پر لڑنا فرض عین ہو جاتا ہی اور معنی فرض کفایہ کے یہ ہیں کہ اگر اس کام کو کچھ لوگ کریں تو سب کے ذمے سے اتر جاتا ہی اور اگر کوئی نکرے تو سب گنہگار ہوویں اور جہاد لڑکے اور عورت اور غلام اور اندھے اور اپاہج اور ہاتھ پاؤں کٹے پر واجب نہیں اور فرض عین ہے بشرطیکہ دشمن چڑھ آوے پس اس صورت میں عورت بدون اجازت اپنے شوہر کے اور غلام بدون اجازت مالک کے جہاد کو نکلے[۳] اور جہاد پر مزدوری کا مقرر کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ بیت المال میں مال پایا جاوے ورنہ مکروہ[۴] نہیں کہ اور لوگوں سے لے کر جہاد کرنے والوں کو دیں پس اگر ہم فرقہ اہل اسلام کافروں کا محاصرہ کریں تو اول ان سے مسلمان ہو جانیکی درخواست[۵] کریں اگر وہ مسلمان ہونا مالیں تو بہتر ہے کہ مطلب حاصل[۶] ہو گیا اگر نہ مانیں تو ان سے جزیہ طلب کریں اگر جزیہ دینا قبول کریں تو ان کے واسطے وہ ہے جو ہمارے لئے ہے یعنی انکی جان اور مال کو محفوظ رکھنا چاہیئے اور انپر وہ ہی جو ہمپر ہے یعنی معاملات میں انکے احکام مثل مسلمانوں کے ہیں اور جس کسی کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو اس سے ہم نہ لڑینگے یعنی اگر ان سے مسلمان ہونیکو نہ کہا گیا ہو تو دفعۃً لڑنا نہ چاہیئے اور اگر پہلے دعوت اسلام پہنچ چکی ہو تو مستحب ہے کہ لڑائی کے شروع میں پھر ان سے مسلمان ہونیکو کہدیا جاوے پھر اگر جزیہ دینا بھی قبول نکریں تو ہم اللہ تعالے سے مدد کی درخواست کر کے ان سے لڑینگے اسطرح کہ آلات لڑائی کے سب کام میں لاوینگے

۱؎ کیونکہ اس نے فساد فی الارض کی سعی کی ہی لہذا اسے قتل کر کے لوگوں کو اسکی شر سے بچانا چاہیئے ۱۲ ۲؎ فرض تو اس لئے ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہی فاقتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم یعنی تمام مشرکین کو قتل کرو جیسا کہ وہ تم سے مقاتلہ کرتے ہیں اور کفایہ اسلئے کہ جہاد بذاتہ فرض نہیں بلاتہ مخلوق خدا کو قتل کرنا اور زمین میں فساد پھیلانا ہے لیکن فرضیت اسوجہ سے ہی کہ خدا کے دین کا بلند کرنا اور مشرکین کے شر کو جو شرک ہے دفع کرنا مقصود ہی پس جب بعض لوگوں سے مقصود حاصل ہو جاوے تو باقیوں سے ساقط ہو جائیگا یہی معنی ہیں کفایہ ہونے کے ۱۲ ۳؎ فرض عین اسکو کہتے ہیں کہ ہر شخص کے ذمے پر فرض ہو کسی کے کرنے سے دوسرے کے ذمے ساقط نہو ۱۲ ۴؎ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ حنین کے دن صفوان سے کچھ زرہیں عاریۃً لی تھیں جو اس کی تائید ہی کہ بوقت ضرورت لینا مکروہ نہیں ۱۲ ۵؎ کیونکہ ابن عباس رض سے مروی ہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قوم سے مقابلہ نہیں کیا یہاں تک کہ انکو اسلام کی دعوت دی ۱۲ ۶؎ اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مجھے لوگوں یعنی کفا

کتاب السیر - اسمیں طریق جہاد اور سفر کا مذکور ہی - مقاتلہ کرنے کا حکم کیا گیا ہی یہانتک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں الخ یعنی کلمہ پڑھکر مسلمان ہو جائیں تو پھر مقاتلہ نہ کیا جائے ۱۲

۷؎ یعنی دوبارہ دعوت اسلام دینا واجب نہیں حتی کہ اگر بلا دوبارہ دعوت دیئے ہوئے مقابلہ کیا گیا تو جائز ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی

اور کافروں کو جلادینگے اور ڈبودینگے اور انکے درخت کاٹ ڈالیں گے اور کھیتیاں اجاڑدینگے اور تیروں کی بھرمار کرینگے اگرچہ وہ بعض مسلمانوں کو اپنی سپر بنالیں اور ہم تیر وغیرہ مارنیمیں کافروں کی نیت کرینگے نہ مسلمانوں کی یعنی اگر کافر مسلمان کو اپنی سپر بنالے اور اسکی آڑ میں کھڑا ہو اس کے مارنیکی ضرورت ہو تو صرف کافر کی نیت سے تیر وغیرہ مارنا چاہیئے گو مسلمان بھی زخمی ہو یا مارا جاوے اور مسلمانوں کو منع ہی کہ قرآن اور عورت کو ایسے لشکر میں ہمراہ لیں جسمیں جمعیت تھوڑی ہو اور شکست کا خوف لگا ہو اور نیز منع ہے کہ دغا کریں یا عہد کے خلاف کریں یا مال غنیمت میں خیانت کریں یا کسی کے ناک کان کاٹیں یا عورت اور طفل نابالغ کو ماریں یا بوڑھے فرتوت اور اندھے اور اپاہج کو قتل کریں ہاں جس صورت میں کہ ایسا شخص لڑائی میں رائے دیتا ہو یا بادشاہ ہو تو اسکو مار ڈالنا چاہیئے اور منع ہی کہ مسلمان لڑکا اپنے باپ مشرک کو قتل کرے بلکہ لڑکے کو اسکے مار ڈالنے سے انکار کرنا چاہیئے تاکہ دوسرا شخص اسکو مار ڈالے اور ہمکو اختیار ہی کہ ان سے کچھ مال لیکر خواہ دیکر صلح کرلیں اگر صلح کرنا مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو اور صلح توڑ ڈالیں اگر توڑنا اچھا ہو اور اگر کافروں کا بادشاہ خیانت کری تو بدون صلح توڑے انسے لڑیں اور مرتدوں سے بدون مال کے لڑیں پس اگر مرتدوں سے مال لیا جاوے باوجودیکہ مال لینا درست نہیں تاہم اس مال کو انکو واپس ندیا جاوے اور کافروں کے ہاتھ مسلمان ہتھیار نہ بیچیں اور جس کافر کو کوئی مسلمان مرد یا عورت پناہ دے اسکو قتل نکریں ہاں اگر اس کا پناہ دینا برا ہو تو امن کو توڑ ڈالیں اور اگر کوئی ذمی یا قیدی یا سوداگر یا غلام جس کو لڑنیکا حکم نہیں تھا کسی کافر کو پناہ دے تو ان کا پناہ دینا باطل ہی۔

باب۔ جو مال غنیمت کہ کافروں سے ہاتھ لگے اسکے اور اسکی تقسیم کے بیان میں

مسلمانوں کا بادشاہ جس شہر کو غلبہ اور زبردستی سے فتح کرے اسکو مسلمانوں میں بانٹ دے یا اس ملک کے باشندوں کو اسپر مقرر رکھے اور ان خود پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج ٹھہرادے اور قیدیوں کا اختیار ہے چاہیے مار ڈالے چاہے غلام بنالے چاہے آزاد چھوڑدے کہ مسلمانوں کو جزیہ دیا کریں لیکن یہ حکم ان لوگوں میں ہے کہ مرتد نہوں اور عرب کے مشرک کہ ترک کرنیوالے اور حرام ہے قیدیوں سے فدیہ لیکر دار الحرب کو واپس بھیجنا اور مفت انپر احسان کرکے رہا

---

۱ کیونکہ یہ سب باتیں انکی جماعت کے متفرق کردینے اور انکی قوت کے توڑدینے اور شکست پہنچانیکی ہیں ۱۲ ۲ کیونکہ جب افعل سے مسلمان کے کو بوجہ اپنی ضرورت بچا نہیں سکتے تو کم سے کم نیت ہی میں ان سے محفوظ رکھیں گے ۱۲ ۳ کیونکہ عورت کے ساتھ بیحرمتی کئے جانیکا اندیشہ ہی اور قرآن کی توہین کئے جانیکا البتہ اگر لشکر کثیر ہو کہ شکست کا خوف نہ ہو مضایقہ نہیں کہ عورت یا قرآن کو ہمراہ لیں ۴ یعنے ابتدا قتل کرنا منع ہے اور اگر باپ بیٹے پر حملہ آور تھا اس طور سے کہ بغیر قتل کئے ہوئے دفع کرنا ناممکن تھا تو پھر قتل کردینے میں مضایقہ نہیں ۱۲ ۵ اور اگر بہتر نہ ہو تو پھر صلح نہ کریں کیونکہ اسمیں ترک جہاد ہی ہر طریقہ سے اور یہ جائز نہیں ۱۲ ۶ اور جس شخص نے امان دی ہی اس کو امام تادیب کہ بلا انجام کار کے سوچے سمجھے کیوں امان دیدی ۱۲ ۷ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کردیا تھا۔ ابو داؤد کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دو حصے کئے ایک حصہ اسکی ضرورتوں کیلئے رکھا اور ایک کے اٹھارہ حصے کرکے مسلمانوں کو تقسیم کردیا ۱۲ ۸ جیسا کہ حضرت عمر نے عراق کی آبادیوں میں سوائے بلال کے اور سب صحابہ کے اتفاق سے کیا تھا

۹ اس لئے کہ ان دونوں کا ذمی کرنا جائز نہیں اور ان کا غلام بنانا جائز ہے ان کے لئے یہی دو حکم ہیں یا اسلام قبول کریں یا تہ تیغ کئے جاویں

کر دینا اور نیز حرام ہے مواشی کی کوچین کاٹنی جس صورت میں کہ اُن کا دار الاسلام میں لانا مشکل ہو بلکہ ذبح کر کے انکو جلا دیا جاوے تاکہ کافر فائدہ اُنسے نہ اُٹھاوین اور کافروں کے ملک میں مال غنیمت کو بانٹنا حرام ہے مگر سپرد کرنیکے طور پر حرام نہیں یعنی اگر لشکر والوں کو مال اسلئے بانٹ دیں کہ انکے پاس امانت رہے دار الاسلام مین داخل ہوکر پھر قسمت کیجاویگی تو جائز ہے اور حرام ہے مال غنیمت کو تقسیم سے پیشتر فروخت کرنا اور جو مدد کہ مسلمانوں کو پہنچے اور وہ مال غنیمت میں انکی شریک ہوگی اگرچہ مدد کے لوگوں کو کافروں سے لڑنیکا اتفاق نہو مگر بازاری شخص اور جو کہ دار الحرب میں مر جاوے وہ شریک نہوگا اور اگر دار الحرب کے محاصرہ کے بعد دار الاسلام میں مریگا تو حصہ مردے کا اسکے وارثون کو دیا جاویگا اور جائز ہے مسلمانوں کو مال غنیمت میں سے ان اشیا کو تقسیم سے پیشتر اپنے کام میں لاویں گھاس اور کھانے کی چیز اور لکڑیاں جلانیکی اور ہتھیار اور تیل مگر ان کا بیچنا جائز نہیں اور جب دار الحرب سے نکلیں تو انکو کام میں نلاویں بلکہ جسقدر اپنے پاس بچی ہوں انکو مال غنیمت میں واپس دیں اور جو شخص کہ کافروں میں سے مسلمان ہوجاویگا اسکی جان قتل سے اور لڑکا قید سے بچیگا اور جو مال اس کے پاس ہوگا یا کسی مسلمان کے پاس خواہ ذمی کے پاس امانت ہوگا وہ غنیمت ہوجانے سے محفوظ رہیگا لیکن اسکے مسلمان ہونے سے اس کا بڑا لڑکا اور اسکی عورت اور حمل اور زمین اور غلام جنگی محفوظ نہو جاوے گا۔

فصل

فصل غنیمت کی قسمت کرنیکے بیان میں پیادے کے لئے ایک حصہ ہے اور سوار کے لئے دو حصے اگرچہ اس کے پاس دو گھوڑے اور ترکی یابو مثل تازی پورے گھوڑے کے ہے اور اونٹ خچر کی مانند نہیں یعنی اونٹ اور خچر کیواسطے کچھ حصہ نہیں اور سوار اور پیادہ ہونے میں اُسوقت کا اعتبار ہے کہ جب دار الاسلام کی حد سے آگے نہ بڑھیں پس اسوقت جیسا کوئی ہوگا ویسا ہی اعتبار کیا جاویگا اور غلام اور عورت اور لڑکے اور ذمی کیواسطے اگر لڑائی میں ممد ومعاون رہیں کچھ تھوڑا مال دیا جاوے انکا پورا حصہ نہیں چاہیے اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ یتیموں کا ہے جن کے باپ مر گئے ہوں اور مسکینوں کا اور مسافروں کا جو اپنے پاس مال نرکھتے

ف۱ کیونکہ تقسیم سے پہلے دار الحرب میں مسلمانوں کی اُسپر ملک نہیں آئی اور امام شافعی رحمہ کے نزدیک مجرد استیلا یعنی غلبہ سے ملک آگئی لہذا اُن کے نزدیک فروخت کرنا جائز ہوگا ۱۲ ف۲ کیونکہ ان تمام چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے لیکن اگر اپنے ہتھیار ان کو بچانے کی ضرورت سے غنیمت کے ہتھیاروں کو استعمال کریگا تو جائز نہیں ۱۲ ف۳ امام شافعی رحمہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے انکے نزدیک حمل باپ کے تابع ہے سمجھ محفوظ رہیگا۔ اور ہمارے نزدیک چونکہ وہ زوجہ کا جز ہے اس لئے زوجہ کا تابع ہوکر محفوظ نرہیگا مال غنیمت ہوجائیگا اور زوجہ اور بڑا لڑکا اسوجہ سے کہ وہ خود بالغ ہیں تشخص مسلمان کے تابع نہونگے مسلمان ہونے میں بلکہ اُن کا خود مسلمان ہونا معتبر ہوگا ۱۲ ف۴ یعنی جسوقت دار الحرب کو پہنچیں اسوقت کا اعتبار ہے پس اگر اسوقت میں غازی کے پاس گھوڑا تھا اس کے بعد لڑائی سے پہلے مر گیا تو اسکو سوار کا دوہرا حصہ ملیگا اور اگر فروخت کر ڈالا یا ہبہ کر دیا یا رہن رکھ دیا تو پھر ایک ہی حصہ پاوے گا۔ کیونکہ معلوم ہوا کہ دار الحرب کی حد سے مجاوزت کے وقت اس کی نیت جہاد کے کام میں لانے کی نہ تھی پس سوار کا حصہ نہ پاویگا ۱۲ ف۵ غلام کی معاونت یہ ہے کہ کرلڑے اور ذمی کی معاونت یہ ہے کہ رستے یا رہبری کرے۔ اور عورت کی یہ ہے کہ زخمیونکی مرہم پٹی کرے اور مریضونکی تیمارداری کرے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے فقیر یعنی فقرا بنی ہاشم اور بنی مطلب ان تینوں قسموں یعنی یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر مقدم رکھے جاویں اور جو لوگ انہیں سے غنی ہوں ان کا حق اس پانچویں حصہ میں نہیں ذکر اللہ تعالے کا جو اس آیت میں ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ الآیتہ صرف تبرک کیواسطے مذکور ہے پس کوئی حصہ علیحدہ اللہ کیلیے نہوگا اور حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپکی وفات کے سبب جاتا رہا جیسے کہ صفی جاتا رہا کہ اب امرا اور بادشاہوں کو صفی لینا نہ چاہیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صفی لینا درست تھا اور صفی وہ مال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غنیمت میں سے اپنے نفس نفیس کیلیے پسند فرماتے تھے جیسے کوئی تلوار یا زرہ یا لونڈی یا اور کوئی چیز پس اب امام کو اپنے لئے پسند کرنا درست نہیں اور اگر کوئی مسلمانوں کی جماعت کہ شوکت اور طاقت والی ہو بدون اجازت بادشاہ کے دار الحرب میں چلی جاوے تو جو مال غنیمت وہ لاویں انہیں سے خمس لیا جاوے یعنی پانچواں حصہ اور اگر قوت و شوکت والے نہوں تو خمس نہ لیا جاوے اور امام کو اختیار ہے کہ زیادہ دینے کے حیلوں سے لوگوں کو لڑائی پر ابھارے اور ترغیب دے مثلاً کہے کہ جو کوئی کسی کافر کو مار یگا تو اس کا اسباب قاتل کو ملیگا یا چھوٹے لشکر سے کہے کہ میں نے تمہارے واسطے غنیمت کی چوتھائی بعد خمس نکالنے کے مقرر کردی یعنی غنیمت میں سے خمس نکالکر چار حصے جو رہے انہیں سے ایک تمکو دونگا اور حصے سب لشکر میں تقسیم کردونگا اور اس صورت میں غنیمت کے جمع کرنے کے بعد اگر زیادہ دے تو صرف خمس میں سے اس لشکر کو دیدے غنیمت کے چار حصوں میں سے نہ دے اور پہلی صورت میں مقتول کا اسباب اگر امام نے زیادہ دینے کا حکم نہ کیا ہو تو سب میں تقسیم ہو جاویگا ورنہ قاتل کو پہنچیگا اور اسباب یہ ہے کہ سواری اور کپڑے اور ہتھیار اور جو کچھ اس کے پاس ہو یہ

باب کافروں کے غلبے کے بیان میں

اگر ترکستان کے کافر روم کے کافروں پر غالب ہو کر اُن کو قید کرلیں اور مال لے لیں تو اسکے مالک ہو جاویں گے پھر جب مسلمان ترکیوں پر غالب ہوں تو جو کچھ مسلمانوں کو قیدی اور مال میں سے ملیگا اس کے مالک ہو جاویں گے یعنی ایک قوم کافروں میں سے اگر دوسرے کو لوٹ لاویں تو مال اور قیدیوں کے مالک ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جب مسلمان ان غارتگروں پر غلبہ پاویں تو اس لوٹ کے مال کے بھی مالک ہو جاویں گے جو وہ دوسری قوم سے لائے

ف ۱ اور جان رکھو کہ جو کچھ غنیمت لاؤ انہیں سے اللہ تعالیٰ کا پانچواں حصہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ۱۲ ف ۲ کیونکہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حق رسول ہونیکی وجہ سے حاصل تھا۔ اور بعد حضور کے کوئی رسول نہیں اسی واسطے خلفاء راشدین نے اپنے لئے پسند کرکے کوئی چیز نہیں لی ۱۲ ف ۳ کیونکہ وہ مال غنیمت نہیں ہے اور غنیمت وہ ہے کہ غلبہ سے لیا جاوے اور یہ مثل چوری اور اچکے پن کے ہوا ۱۲ ف ۴ یعنی وہ غنیمت جو لڑنیکے بعد حاصل ہوگی۔ اور وہ غنیمت جو حاصل ہو گی اور وہ غنیمت جو حاصل ہو کر دار الاسلام میں جمع کیجاچکی اسمیں سے یہ زیادتی نہ یجاویگی کیونکہ اسمیں تمام غازیوں کا حق ثابت ہوچکا ہے ۱۲ ف ۵ اور سواری پر جو سامان ہو مثل زین لگام وغیرہ کے وہ بھی

[illegible]

تھے اور اگر کفار مسلمانوں پر غالب ہو کر انکا مال اپنے ملک میں لیجاویں تو اسکے مالک[1] ہو جاوینگے پھر اگر مسلمان
انپر غالب ہوں تو جو مسلمان اپنی چیز بجنسہ وہاں پاوے وہ غنیمت کی تقسیم سے پیشتر اسکو مفت لے لے[2] اور اس کا
عوض کچھ نہ دے اور اگر غنیمت کی تقسیم کے بعد اس کو اپنا مال ملے تو اس مال کی قیمت دیکر لے سکتا اور اگر کسی
سوداگر نے کافروں سے وہ چیز مول لیلی ہو اور دار الاسلام میں لے آیا ہو تو جتنے دام سوداگر کے لگے ہوں اُسقدر
دیکر لیلے اگر اس مال کی آنکھ پھوٹ گئی ہو اور اس کا عوض لیلیا گیا ہو یعنی ایک سوداگر کے لگے ہوں
سوداگر نے دار الحرب سے ایک غلام مول لیا جو کسی مسلمان کا تھا اور کافر اس کو لے گئے تھے اور وہ سوداگر اسکو دار الاسلام
میں لایا تو مسلمان مالک کو چاہیئے کہ جس دام کو سوداگر لایا ہو وہ اسکے حوالے کرے اگرچہ اس غلام کی آنکھ کسی
پھوڑ دی ہو اور اگر اس سوداگر نے اس سے اس کا عوض لیلیا ہو مگر مسلمان مالک کو نہ چاہیئے کہ آنکھ پھوٹنے کی
عوض کو غلام کے مول میں سے کم کر کے دے پس اگر قید میں پڑنا اور خریدنا مکرر ہو تو مشتری اول دوسرے سے
اس کا دام دیکر لے اور پہلا مالک دونوں دام مشتری اول کو دے اس مسئلے کی صورت یہ ہے کہ کافر زید کے غلام کو پکڑ
لیگئے اور عمرو نے اسکو ہزار روپے کو خرید لایا پھر دوبارہ اس غلام کو کافر پکڑ لے گئے تو بکر ان سے ہزار کو دار الاسلام
میں لے آیا اب اگر عمرو اس غلام کو لے گا تو بکر کے دام یعنی ہزار روپے دیکر لیگا اور زید اگر عمرو سے لینا چاہے گا تو دو
ہزار دینے پڑینگے اسلئے کہ عمرو کے اسپر دو ہزار لگے ہیں اور اگر کافر مسلمانوں کے آزادوں اور مدبر اور ام ولد اور مکاتب
کو پکڑ لے جاویں تو وہ انکے مالک[3] نہونگے اور اگر مسلمان اُنکے یہ لوگ پکڑ دینگے تو مالک ہو جاوینگے لیکن اگر
مسلمانوں کا کوئی اونٹ بھاگ کر کافروں کے یہاں چلا جاوے اور وہ اسکو پکڑ لیں تو مالک ہو جاوینگے لیکن
اگر کوئی غلام بھاگ کر جاویگا تو اس کے مالک[4] نہونگے اور اس سے یہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی غلام اپنے مالک کا
گھوڑا اور اسباب لیکر کافروں کی طرف چلا گیا اور انھوں نے اُس کو پکڑ لیا اور کوئی سوداگر ان سے وہ غلام اور گھوڑا

---

1 اور امام شافعی رح کے نزدیک مالک نہونگے کیونکہ استیلاء کفار سے ان کے نزدیک ملک نہیں ہوتی ہے اسواسطے کہ مسلمان کے مال
پر استیلاء ممنوع ہے اور ممنوع چیز ملک کا سبب نہیں ہو سکتی اور ہمارے نزدیک استیلاء کفار سے ملک ہو جاتی ہے قرآن پاک میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ
للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم یعنی مال فی کا مصرف فقراء مہاجرین بھی ہیں جو اپنے گھروں اور مالوں سے
نکالدیئے گئے ہیں صحابہ مہاجرین کو اللہ تعالی نے فقیر فرمایا۔ حالانکہ ان کے پاس مکہ میں مال موجود تھا اگر ان کی ملک اس مال پر باقی رہتی تو ان کو
فقراء نہ کہا جاتا معلوم ہوا کہ کفار کا غلبہ کر لینے سے انکا مال ملک کفار ہو گیا تھا ۱۲ 2 کیونکہ مفت لینے میں کفار کو نقصان پہنچیگا۔ اس کے
اس میں دام لگ چکے ہیں ایسے ہی اگر وہ چیز کسی مسلمان کو کافر نے ہبہ کر دی ہو تو بھی یہ مالک اول قیمت دیکر اس مسلمان سے لیوے کیونکہ ملک
اس مسلمان کی ثابت ہو چکی ہے بغیر قیمت زائل نہو گی ۱۲ 3 اسواسطے استیلاء یعنی غلبہ کفار کا مفید ملک ہے۔ مگر محل ملک پر اور مسلمان کے
آزاد لوگ محل ملک نہیں ایسے ہی مدبر اور ام ولد اور مکاتب بھی محل ملک نہیں کیونکہ من وجہ آزادی ان میں ثابت ہے بخلاف کفار کے کہ انکے
آزاد و مدبر وغیرہ کوئی معصوم و محفوظ نہیں شرع نے کفر کی وجہ سے انکی عصمت کو ساقط کر کے انہیں غلام بنادیا ہے ۱۲ 4 فرق یہ ہے
کہ غلام جسوقت دار الحرب میں پہنچیگا تو مالک کا قبضہ یعنی اقتدار اس سے زائل ہو جائیگا اور وہ خود اپنے آپ قابض ہوگا کیونکہ ذی عقل ہے
بس کافر اس کے مالک نہ ہوں گے بخلاف اونٹ کے کہ اس میں اس کی صلاحیت نہیں لہذا کفار مالک ہو جائیں گے ۱۲ منہ محمدی

اور مستامن مال لیکر دارالاسلام میں لے آیا تو مالک قدیم اُس غلام کو سوداگر سے مفت[1] لے سکتا ہی اسلئے کہ کافر غلام کے مالک نہ ہوئے تھے اور غلام کے سوا اور چیزیں مول لیکر لیویں جتنے دام مشتری نے کافر کو دیا ہو اسلئے کہ ان چیزوں کے وہ مالک ہوگئے تھے اور اگر کوئی کافر جو مسلمانوں کی امن سے دارالاسلام میں آیا ہو کسی مسلمان غلام کو خریدے اور اپنے ملک میں لیجائے یا کوئی غلام دارالحرب ہی میں مسلمان ہوکر مسلمانوں میں میں چلا آوے یا مسلمان غالب ہوکر اس مسلمان غلام کو دارالحرب سے پکڑ لادیں تو ان سب صورتوں میں مسلمان غلام آزاد ہوجاویگا باب مستامن کے بیان میں۔ اور مستامن اسکو کہتے ہیں جس کو مار ڈالنے اور لوٹ لینے سے امن دیویں تاکہ دارالاسلام میں آوے یا مسلمان دارالحرب میں جاوے اور اگر کوئی مسلمان امن سے دارالحرب میں جاوے تو اسکو کافروں کی کسی چیز سے تعرض کرنا حرام[2] ہے یعنی اسکو نہ چاہیے کہ انکی کوئی چیز چوری یا زبردستی وغیرہ سے لیلے لیکن باوجود اس حرمت کے اگر کوئی چیز نکال لاوے تو اس کا مالک ممنوع طور پر ہوجاویگا پس ایسی چیز فقیروں کو خیرات کردینی چاہیئے اپنے خرچ میں نہ لاوے اسلئے کہ اُس کا لینا حرام تھا اور اگر سوداگر مذکور کے ہاتھ کسی کافر نے کوئی چیز اُدھار بیچی یا سوداگر نے کافر کے ہاتھ یا ان میں سے ایک نے دوسرے سے زبردستی کوئی چیز لے لی اور پھر وہ دونوں دارالاسلام میں آویں اور قاضی کے یہاں رجوع کریں تو قاضی کچھ حکم نہ کرے یعنی[3] نہ حکم غصب کا دے نہ قرض مسلمان کا کافر پر خواہ کافر کا مسلمان پر اور یہی حال ہی اگر دو کافر دارالحرب میں قرض یا غصب کا معاملہ کریں اور پھر امن لیکر دارالاسلام میں چلے آویں یعنے قاضی کچھ حکم غصب یا قرض کا نہ دے ہاں اگر دونوں کافر مسلمان ہوکر دارالاسلام میں آویں اور نالش کریں تو قرض کا حکم کیا جاوے گا اور غصب کا نہیں کیا جاویگا اور اگر دو مسلمان امن لیکر دارالحرب میں جاویں اور ان میں سے دوسرے کو مار ڈالے تو اگر جان کر مارا ہوگا تو اس کے مال میں خونبہا واجب ہوگا اور اگر بے ارادہ خطا مارا ہوگا تو کفارہ لازم لازم ہوگا اور اگر دو مسلمان دارالحرب میں قید ہوں اور ان میں سے ایکدوسرے کو دارالحرب میں قتل کرے یا اس مسلمان کو جو دارالحرب میں اسلام لایا تھا کوئی مسلمان وہیں مار ڈالے تو ان

---

[1] اور ایسے ہی اگر کفار نے وہ غلام کسی مسلمان کو ہبہ کردیا یا مسلمان کو غنیمت میں حاصل ہوا تو بھی مالک غلام اور غلام کو مفت لے لیگا اور اگر تقسیم غنیمت کے بعد لیا گیا تو جس کے حصہ میں پڑا تھا اسکو بیت المال سے معاوضہ دیا جائیگا ۱۲

[2] کیونکہ امن لینا اس بات کا ذمہ دار ہوجانا ہی کہ انکی کسی چیز سے تعرض نہ کریگا اس کے بعد تعرض کرنا عہد شکنی ہی۔ اور عہد شکنی حرام ہے البتہ اگر اس کا بادشاہ عہد شکنی کرے اسطور سے کہ اس کا مال چھین لیوے یا قید کردے۔ یا بادشاہ کے علم میں کوئی عہد شکنی کرے اسطور سے کہ اس کا مال چھین لیوے یا قید کردے یا بادشاہ کے علم میں کوئی عہد شکنی کرے اور بادشاہ منع نہ کرے تو اسکو بھی عہد شکنی کرنا جائز ہے ۱۲

[3] قرض کا حکم اس لئے نہ کریگا۔ کہ قاضی کا فیصلہ ولایت پر مبنی ہے۔ اور وقت معاملہ قرض کے قاضی کو انپر مطلقاً ولایت حاصل نہ تھی۔ کیونکہ دارالحرب میں تھے اور فیصلہ کے وقت مستامن یعنی امن لیکر دارالاسلام میں آنیوالے پر ولایت نہیں کیونکہ اس نے آئندہ امور میں اسلامی حکم کو اپنے اوپر لازم کیا ہے نہ گذشتہ امور میں اور غصب کا حکم اسلئے نہ دیگا کہ وہ چیز غاصب کے ملک میں آگئی کیونکہ دارالحرب میں ہونیکی وجہ سے وہ مال غیر معصوم تھا ۱۲

[4] غصب کا حکم اس لئے نہ کیا جائیگا کہ غاصب اس شئے کا مالک ہوچکا ہی اور قرض کا حکم اسلئے نہ کیا جائے گا

کہ غاصب اس شئی کا مالک ہوچکا ہی اور قرض کا حکم اسلئے نہ کیا جائیگا۔ کہ یہ معاملہ چونکہ رضامندی سے ہوا تھا۔ صحیح ہوگیا تھا اور فیصلہ کے وقت قاضی کو ولایت بھی حاصل ہے

باب مستامن کے بیان میں

[4] کیونکہ دونوں کا مسلمان ہونا اسلامی احکام کو اپنے اوپر لازم کرلینا ہے ۱۲ مفتی محمود وصی علی

دونوں صورتوں صرف خطا کی راہ سے مار ڈالنے میں کفارہ[1] ہے اور خونبہا اور قصاص کچھ واجب نہیں
فصل مستامن کو جو دار الحرب سے آوے دار الاسلام میں ایک سال کامل نہ بیٹھنے دین اور اس سے کہا جاوے
کہ اگر تو یہاں ایک برس ٹھیرےگا تو تجھ پر جزیہ معین کر دیا جاویگا پھر اس کہنے کے بعد اگر وہ ایک برس ٹھیرےگا
تو ذمی ہو جاویگا یعنی اس سے جزیہ لینا چاہیئے اور پھر اسکو دار الحرب میں جانے نہ دیا جاوے جیسے اس صورت میں
کہ کوئی مستامن زمین خریدلے اور اسپر خراج مقرر ہو جاوے یا کوئی مستامن عورت ذمی مرد سے نکاح
کر لے تو ان صورتوں میں بھی انکو نہ چھوڑیں گے کہ اپنے ملک میں چلے جاویں بخلاف اسکی عکس کے یعنی اگر مستامن مرد
ذمی عورت سے نکاح کرلے تو وہ مرد ذمی نہو جاویگا اور اگر وہ اپنے وطن کو جانا چاہیگا۔ تو جانے دیں گے۔
پس اگر مستامن جو دار الاسلام میں آیا تھا۔ دار الحرب کو لوٹ جاوے اور کسی مسلمان خواہ ذمی کے پاس
اس کی کچھ امانت ہو یا دونوں کے ذمے اُس کا قرض ہو تو اس کا مار ڈالنا جائز ہو گیا[2] اس سے یہ نکلا کہ اگر کافر
مذکور قید ہو کر لایا جاوے یا کافروں پر مسلمان غالب ہوویں اور وہ شخص مارا جاوے تو جو قرض اُس کا تھا
وہ جاتا رہیگا اور جو امانت تھی وہ مال منصور ہوگا۔ اور اگر بدون غلبے کے وہ مارا گیا یا اپنے آپ سے مر گیا تو اُس کا
قرض اور امانت اُسکے وارثوں کو ملیگی مال غنیمت[3] نہو گی اور اگر کوئی حربی امن لیکر دار الاسلام میں آیا اور
دار الحرب میں اسکی بی بی اور بچہ اور کچھ مال کسی مسلمان اور ذمی حربی کے پاس ہے اور وہ یہاں آکر مسلمان ہو گیا
اور اس کے بعد کافر مغلوب ہوئے تو اُس کے تمام اشیا مذکورہ داخل غنیمت ہونگی اور اگر دار الحرب میں مسلمان
ہو دار الاسلام آیا اور پھر حربی مغلوب ہوئے تو اُس کا چھوٹا[4] بچہ مسلمان آزاد ہے اور جو امانت اُسکی مسلمان
خواہ ذمی کے پاس ہوگی وہ اسی مسلمان یا ذمی کی ہو جاویگی کہ وہ اسکے مالک ہو جاوینگے اور ان کے سوا
اس کی اور چیزیں مثلاً بی بی اور بڑا لڑکا اور دوسری چیزیں غنیمت ہونگی اور جو شخص کہ چوک کر کسی مسلمان کو
مار ڈالے جس کا کوئی وارث نہو یا کسی کافر حربی کو جو امن لیکر دار الاسلام میں آیا تھا اور مسلمان ہو گیا تھا مار ڈالے تو امام[6]

ف۱ اور کفارہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے اور نہ میسر ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاوے یہ بھی امکان میں نہو تو پھر پے در پے دو
ماہ کے روزے رکھے ۱۲ ف۲ کیونکہ اگر زیادہ قیام کرنے دینگے تو جاسوسی کرنے لگے گا اور اس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچیگا۔ اور تھوڑا بھی اگر قیام کرنے
دینگے تو تجارت کا سد باب ہو جائیگا اور ضروریات زندگی کا بہم پہنچانا دشوار ہو جائیگا ۱۲ ف۳ یعنی جبکہ وہ دار الحرب میں لوٹ گیا تو مثل اور حربیوں کے
اس کا بھی خون مباح ہو گیا جہاد میں مثل اور حربیوں کے اسکو بھی قتل کرینگے ف۴ کیونکہ وہ خود غنیمت نہ بنا پس اس کا مال بھی غنیمت نہ ہوگا۔
اس سے کہ امان کا حکم اسکے مال پر باقی ہے پس اسکے بعد وہ نہ کوٹا جائیگا ۱۲ ف۵ کیونکہ جب وہ دار الحرب میں مسلمان ہوا۔ تو اسکا چھوٹا بچہ
اسکی ولایت میں تھا۔ اسکے تابع ہو کر وہ بھی مسلمان آزاد سمجھا جائیگا۔ بخلاف صورت اول کے کہ اس میں اُس کا ایمان لانا دار الاسلام میں ہوا
تھا۔ اور دار کے مختلف ہونے کے سبب سے اس کی ولایت چھوٹے بچے پر باقی نہ تھی۔ پس اس کے تابع نہ ہوگا۔ اور غنیمت بن جائے گا ۱۲
ف۶ اس کے خونبہا دینے کا حق امام کو حاصل ہے کیونکہ اُس کا کوئی والی وارث سوا امام کے نہیں فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
السلطان ولی من لا ولی له یعنی بادشاہ والی ہے جس کا کوئی والی نہو ۱۲ مفتی محمد سعود حسن علی ملیح آبادی ۱۲

کو چاہیے کہ ان کا خونبہا قاتل کی قوم سے لیوے اور اگر قصداً اسکو مار ڈالے تو اس کا حکم قصاص میں مار ڈالنا یا خونبہا لینا ہے نہ معاف کرنا یعنی بادشاہ کو اختیار ہے چاہے مار ڈالے چاہے خونبہا لے مگر معاف نہیں کر سکتا۔

باب۔ دہ یکے اور خراج یعنے زمین کے محصول اور جزیہ کے بیان میں زمین عرب کی اور وہ زمین جہاں کے رہنے والے مسلمان ہو گئے ہوں یا غلبے کے طور پر مفتوح ہو کر لشکر اسلام کو بانٹ دیگئی ہو یہ تینوں قسمیں زمین عشری ہیں ان کی پیداوار سے دہ یکے لینی چاہیئے اور جو ملک کہ غلبے سے جیتا ہوا اور پھر اس ملک کے باشندوں کو اسپر قائم رکھا ہو یا امام نے اُن کے ساتھ صلح کر لی ہو تو ایسی زمینیں خراجی ہیں امام جو مصلحت سمجھے ان سے لیوے اور اگر کوئی شخص زمین ویران کو جو کسی کی ملک نہ ہو آباد کرے تو اس زمین کا پاس ہونا معتبر ہوگا یعنی اگر وہ عشری زمین کے پاس ہوگی تو اس سے دہ یکے لینگے اور اگر خراجی کے متصل ہوگی تو خراج لینگے اور بصرے کی زمین عشری ہے اور خراج کی مقدار یہ ہے کہ زمین جو قابل زراعت ہو اس کی پیداوار میں سے بیگھے پیچھے ایک صاع اور ایک درم لینا چاہیئے اور ترکاری کی زمین سے بیگہ میں پانچ درم اور انگور اور چھوارے کے ملے کھڑے ہوں انکے بیگھے میں دس درم اور اگر زمین میں گنجائش اسقدر محصول کی نہو تو کم کر دیا جاوے مگر زیادہ کی گنجایش کیصورت میں زیادہ نہ کیا جائے اور جس صورت میں کہ خراج گذار کی زمین پر پانی پر پانی غالب ہو جائے یا پانی ہی نہ برسے یا کھیتی کو کوئی آفت پہنچے تو ان صورتوں میں زمین پر کچھ خراج نہ ہوگا۔ اور اگر مالک زمین اپنی زمین کو پڑا رکھے یا مسلمان ہو جاوے یا کوئی مسلمان زمین خراجی کو خرید کرے تو ان صورتوں میں خراج لازم ہوگا اور خراجی زمین کی پیداوار میں دہ یکے نہیں یعنی اس کے پیداوار میں خراج ہی کافی ہے دہ یکے اسمیں سے نہ لیجاوے **فصل** جزیہ یعنی چٹی اگر رضامندی طرفین سے مقرر ہوئی ہو تو اُس سے کمی بیشی نہ کیجاوے اور ایسا فقیر جو کما سکتا ہے بارہ درم سالانہ مقرر کیا جاوے اور بیچ کے حال والے پر چوبیس درم اور دولت دار پر اڑتالیس درم سالانہ مقرر کیا جاوے اور جزیہ اہل کتاب پر مثلاً یہود و نصاریٰ پر اور آتش پرستوں پر اور بت پرستوں پر جو عجم کے رہنے والے ہوں

۱؎ یعنی دسوں حصوں میں سے ایک حصہ اسکو عربی میں عشر اور فارسی میں دہ اور اردو میں دسواں حصہ کہتے ہیں بعض زمینوں کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے ان زمینوں کو عشری کہتے ہیں اس کا بیان بھی اس باب میں ہوگا ۲؎ وس ہے کہ مکہ شریف مخصوص ہے اسکو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے غلبے سے جیتا اور مکہ والوں کیلئے چھوڑ دیا اور کچھ خراج نہیں مقرر کیا ۱۲ ۳؎ اور ان مذکورہ کے علاوہ اور اقسام کی زمینوں سے مثلاً زعفران وغیرہ کی زمینوں سے اس قدر خراج ہو جائیگا جتنی اس میں گنجائش ہو مگر نصف حاصلات سے زیادہ نہ مقرر کرینگے ۱۲ ۴؎ یعنی بلا وجہ زمین کو پڑا رکھا زراعت نہ کی تو اس کا قصور ہے خراج معاف نہ ہوگا ۵؎ امام شافعیؒ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے انکے نزدیک عشر اور خراج دونوں لئے جائیں گے اور دلیل ہماری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کہ لا یجتمع عشر و خراج الخ یعنی عشر اور خراج دونوں اکٹھا نہونگے اگر سال میں کئی بار خراجی زمین سے پیداوار ہو۔ تو خراج ایک ہی بار لینگے البتہ عشری زمین جتنی بار پیدا ہوگا عشر ہر بار لیں گے ۱۲

مقرر کیا جاوے اور جو عرب کے بت پرست ہیں یا اسلام سے[۱] مرتد ہو گئے ہوں اور لڑکے اور عورت اور غلام اور مکاتب اور اپاہج اور اندھے اور ایسے فقیر پر جو کما نہ سکے اور گوشہ نشین پر جو لوگوں سے میل نہ رکھتا ہو مقرر نہ کیا جاوے اور جزیہ تین باتوں سے ساقط ہو جاتا ہے ایک کافر کے مسلمان ہو جانے سے دوسرے سال کے مقرر ہونے سے یعنی ایک سال کا جزیہ ادا نہیں کیا اور دوسرا سال ہو گیا تو جزیہ ایک سال کا دینا پڑیگا اس لیئے کہ جزیہ ایک سال[۲] کا دوسرے میں آجاتا ہے تیسرے برس گزرنیکے بعد کافر کے مرجانے سے[۱] اور نیا گرجا اور یہودیوں کا معبد دارالاسلام میں نہ بنایا جاوے اور اگر پرانا ڈھے گیا ہو تو اسکو پھر سے بنالیں اور ذمی شخص مسلمان سے لباس اور سواری اور زین میں جدا کیا جاوے اس طرح گھوڑوں پر سوار نہو اور ہتھیاروں کا استعمال نہ کرے اور زنار یعنی علامت[۳] کفر کو ظاہر رکھے اور ایسی زین پر چڑھے جو پالان کی شکل کا ہو اور اگر ذمی جزیہ دینے سے انکار کرے یا مسلمان عورت سے زنا کرے یا کسی مسلمان کو مار ڈالے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے[۴] تو ان امور سے اس کا عہد ذمی کا نہیں ٹوٹتا بلکہ عہد اس طرح ٹوٹتا ہے کہ دار الحرب میں جا ملے یا کسی جگہ پر دار الاسلام کی جگہوں میں لڑائی کی طیاری سے چڑھ جاوے اور جب ذمی دار الحرب میں جا ملے تو وہ مرتد[۵] کے مانند ہو جاتا ہے یعنی اس کی موت کا حکم کیا جاویگا اور اس کا مال اسکے وارثوں میں بانٹ دیا جاویگا اور تغلبی مرد اور عورت سے جو دونوں بالغ ہوں اہل اسلام کی زکوٰۃ سے دو چند لیجاوے تغلبی[۶] ایک فرقہ نصاریٰ کا ہے ان سے جزیے کے عوض مسلمانوں کی زکوٰۃ کا دونا لینا چاہیئے۔ اور تغلبی فرقے کا آزاد کیا ہوا غلام مثل قریشیوں کے آزاد کئے ہوئے کے ہے یعنی اس سے زمین کا خراج اور جزیہ لینا چاہیئے جیسی قریشیوں کے غلامان آزاد سے لیتے ہیں زکوٰۃ کا دونا نہ لینا چاہیئے جیسے تغلبیوں سے لیتے ہیں اور خراج زمین کا اور جزیے کا مال اور تغلبیوں کا مال اور کفار جو ہدیہ بھیجیں اور جو مال کہ مسلمان کے ہاتھ کافروں سے بدون لڑائی کے لگے یہ سب مال مسلمانوں کی بہتری کے امور میں صرف کئے جاویں مثلاً کفاروں کی راہ بند

---

۱ یعنی عرب کے مشرکوں اور اسلام سے مرتدوں پر جزیہ مقرر کرکے باقی نہ رکھیں گے بلکہ یہ دونوں یا اسلام قبول کریں یا قتل کئے جاویں مشرک کیلئے عرب ہونے کی شرط اس لیئے لگائی کہ اس کا کفر بہت بڑھا ہوا ہے اسے باقی نہ رکھا جائیگا ۱۲ ۲ اور ایسے ہی اگر برس نہ گزرنے پاوے اور مرجائے تو بھی ہو جائیگا ۳ اور ان کے گھروں پر کوئی نشان نصب کیا جاوے جس سے معلوم ہو کہ یہ گھر ذمی کا ہے اور سائل ان پر کھڑے ہو کر انکے لئے استغفار نہ کریں ۱۲ ۴ امام شافعی رح کے نزدیک ذمی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو اس سے اس کا عہد ٹوٹ جائیگا کیونکہ اگر مسلمان گالی دیتا تو اس کا ایمان جاتا رہتا کافر گالی دیگا تو اس کا عہد جاتا رہیگا اور ہمارے نزدیک حضور کو گالی دینا کفر ہے جب پہلے کا کفر عہد کے ساتھ اکٹھا ہو گیا تو یہ بھی اکٹھا ہو جائیگا عہد کو نہ اٹھائیگا ۱۲ ۵ صرف فرق دونوں میں اتنا ہے کہ مرتد اگر اپنے ارتداد پر اصرار کرے تو قتل کردیا جاتا ہے اور یہ اگر دار الحرب سے قید کرکے لایا جاوے گا تو غلام ہو جاویگا ۱۲ ۶ کیونکہ ان لوگوں نے حضرت عمر رض کے زمانہ میں جزیہ دینے سے انکار کیا اور کہا کہ ہم جزیہ نہ دیں گے زکوٰۃ ہم سے مسلمانوں کی دونی لے لیجائے چنانچہ حضرت عمر رض نے موجودگی صحابہ کے اسی پر مصالحت کی کہ زمین کی پیداوار میں مسلمان اگر دسواں حصہ دیتے ہیں تو یہ لوگ پانچواں حصہ دیں اور مال میں مسلمان چالیسواں حصہ دیتے ہیں تو یہ بیسواں دیں اور حضرت عمر نے فرمایا کہ وہ لوگ اسے صدقہ کہیں مگر ہم جزیہ کہیں گے اور چونکہ وہ لوگ اسے صدقہ کہتے ہیں اس لئے انکی عورتوں سے بھی لیا جاویگا ورنہ جزیہ

عورتوں سے نہیں لیا جاتا اور بالغ کی اس لئے قید ہے کہ بچوں سے نہیں لیا جائے گا ۱۲

کرنی اور پانی پر پُل باندھنے اور بڑے پل تعمیر کرانے اور قاضیوں اور عاملوں اور عالموں اور سپاہیوں اور ان کی اولاد کے روزینوں میں خرچ کریں اور جو شخص سال کے بیچ میں مرجاوے وہ بخشش سالانہ سے محروم رہیگا

باب مرتد یعنی اُن لوگوں کے بیان میں جو دین اسلام سے پھر جاویں

مرتد پر اسلام پیش کیا جاوے یعنی اس کو کہا جاوے کہ پھر مسلمان ہوجا اور اس کے مسلمانی پر کے اعتراض دور کیئے ہیں جاویں اور تین دن[1] قید کیا جاوے اگر اس عرصہ میں مسلمان ہوجاوے تو بہتر ہے ورنہ قتل کر دیا جاوے اور مرتد کا مسلمان ہونا یہ ہے کہ دین اسلام کے سوا سب دینوں سے ناراض اور بیزار ہو یا اس دین سے نفرت کرے جسکو اس نے اختیار کیا ہو اور اگر مسلمان ہونیکو اسکو نہ کہیں اور اس سے پہلے ہی مار ڈالیں تو[2] امر مکروہ ہے اور اگر کوئی پیشتر ہی اسکو مار ڈالے تو قاتل پر تاوان[3] نہ آویگا اور عورت اگر مرتد ہوجاوے تو اس کو جان سے نہ ماریں بلکہ قید کریں یہاں تک کہ توبہ کرے اور مرتد ہونیسے مرتد کی ملک اسکے مال پر سے جاتی رہتی ہے مگر زوال ملک ملتوی طور پر رہتا ہے یعنی اگر وہ پھر مسلمان ہوجاوے تو ملک بھی بدستور قائم رہے۔ اور اگر حالت مرتدی میں مرجاوے یا قتل کیا جاوے تو اُس کا وارث مسلمان جو کچھ مال اس کا مسلمانی کی کمائی کا ہوگا بعد ادائے قرضہ حالت اسلام کے سب کا مالک ہوگا اور جو کچھ اُس نے مرتد ہونے کی حالت میں کمایا ہوگا[4] اس میں سے ان دونوں کا قرضہ دیکر جو کچھ رہیگا وہ مال غنیمت متصور ہوگا اور جب مرتد کیلئے دار الحرب میں جا ملنے کا حکم کیا جاویگا یعنی قاضی حکم کریگا کہ مرتد دار الحرب میں جا ملے تو اسکا مدبر اور ام ولد آزاد ہو جاوینگے اور اُس کا مال وارثوں کو دیا جاویگا اور قرض اس کا حال[5] ہوجاویگا یعنی اس کی مدت باقی نہ رہیگی اور اُس کا بیچنا اور آزاد کرنا اور ہبہ کرنا سب تصرفات ملتوی رہینگے پس اگر وہ ایمان لاوے تب تو تصرف جاری ہونگے اور اگر مرجاوے تو سب تصرف باطل ٹھہرینگے اور اگر حکم قاضی کے بعد مرتد پھر مسلمان ہوکر چلا آوے تو جو چیز وہ اپنے وارثوں کے پاس پاوے اسکو لے لیوے اور جو اسکو نہ ملے اسکو نہیں لے سکتا

---

[1] تین دن قید کیا جانا کچھ ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے کہ اس کو سوچنے سمجھنے کے لئے تین دن کی مہلت دیجاوے یہاں تک کہ اگر بلا تین روز مہلت دیتے قتل کیا جاوے تو بھی جائز ہے اور ایسے ہی اس پر پھر اسلام کا پیش کرنا بھی مستحب ہے ضروری نہیں کیونکہ دعوت اسلام پہلے پہنچ چکی ہے اور شافعی رح کے نزدیک امام پر واجب ہے کہ مرتد کو سوچنے سمجھنے کے لئے تین روز کی مہلت۔ کیونکہ اکثر اوقات کسی شبہ کی وجہ سے مرتد ہوتا ہے اور سوچنے سمجھنے سے وہ شبہ دور ہوسکتا ہے پس بغیر تین روز کی مہلت دینے قتل کرنا جائز نہیں اور دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ من بدل دینہ فاقتلوہ یعنے جو اپنے دین اسلام کو بدلے پس اسکو قتل کردو اسمیں مہلت وغیرہ کی کچھ قید نہیں ۱۲ [2] معنے مکروہ کے اسجگہ ترک مستحب کے ہیں اسی واسطے قاتل پر تاوان نہ آویگا کیونکہ کفر نے قتل کو مباح کر دیا اور دعوت اسلام پہنچ چکنے کے بعد پھر اسلام پیش کرنا واجب نہ تھا ۱۲ [3] اور امام شافعی کے نزدیک اس کی حالت اسلام کی کمائی اور حالت ارتداد کی کمائی دونوں غنیمت ہوجاوینگی کیونکہ کافر کا مسلمان وارث نہیں ہوتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے کہ حالت اسلام کی کمائی میں ورثہ جاری کی ہے حالت کفر کی کمائی میں نہیں جاری کی ۱۲ [4] یعنی اگر کسی شخص کا قرض ٹھیرا اور اس کی ادائیگی کی کچھ مدت مقرر تھی تو وہ مدت اب نہ رہی اب قرضخواہ لوگ اسی وقت وصول کر سکتے ہیں ۱۲ [5]

باب ۱۰ اسلام کے پھر جانے کے بیان میں

[illegible]

یعنی اگر وارث کسی چیز میں تصرف کر ڈالینگے تو انپر تاوان لازم نہوگا اور اگر مرتد شخص کی نصرانی لونڈی اس کے مرتد ہونیکے شروع سے چھ مہینے کے اندر بچہ جنے اور وہ شخص دعوے کرے کہ میرا ہے تو وہ لونڈی اُس کی ام ولد ہو جاویگی اور وہ بچہ اس کا بیٹا اور آزاد ٹھیریگا مگر اس کا ترکہ نہ پاویگا اور اگر لونڈی مسلمان تھی اور اس سے بچہ ہوا تو یہ بچہ اس کا وارث ہوگا جسوقت مرتد اپنے کفر کیحالت میں مرے یا دار الحرب کو چلا جاوے اور اگر مرتد مع اپنے مال کے دار الحرب کو چلا جاوے اور مسلمانوں کی فتح ہو تو وہ مال مسلمانوں میں غنیمت ہو جاویگا اور اگر دار الحرب سے لوٹ کر دار الاسلام میں آوے اور اپنا مال لیجاوے پھر مسلمانوں کے غلبے میں وہ مال ہاتھ لگے تو مال مذکور اس مرتد کے اس وارث کو ملیگا جو دار الاسلام میں ہو پس اگر مرتد دار الحرب میں جا ملے اور اس کا غلام اس کے بیٹے کا ہو جاوے یعنی قاضی حکم کرے کہ اب اس کا مالک بیٹا ہی اور اس کا بیٹا اس غلام کو مکاتب کرے پھر وہ مرتد مسلمان ہو کر چلا آوے تو کتابت کے عوض کا مال اور ولا یعنی غلام کا ترکہ بشرط مرجانے کے مورث کو پہنچیگا یعنی اسی مرتد کو جو مسلمان ہو گیا ہی اور اگر مرتد کسی کو براہ خطا مار ڈالے اور دار الحرب میں جا ملے یا مارا جاوے تو خونبہا مقتول کا مرتد کے اس مال میں سے ہوگا جو حالت مسلمانی میں کمایا ہو۔ اگر زید کا ہاتھ عمرو نے جان بوجھ کر کاٹ ڈالا اور وہ بعد کو مرتد ہو گیا اور اسی زخم میں مر گیا یا دار الحرب میں جا ملا اور پھر وہاں سے مسلمان ہو کر آیا اور اس زخم میں مر گیا تو عمرو کے مال سے نصف خونبہا مرتد کے وارثوں کو دلائی جاویگی اور اگر دار الحرب میں نہ جاوے اور مسلمان ہو کر زخم کے سبب سے مر جاوے تو اس صورت میں عمرو تمام خونبہا کا ضامن ہوگا۔ اور اگر کوئی غلام مکاتب کیا ہوا مرتد ہو کر دار الحرب میں جا ملے پھر مع مال پکڑا جاوے تو کتابت کا عوض مالک کو ملیگا اور جسقدر عوض کتابت سے زائد بچیگا وہ مکاتب مذکور کے وارثوں کو پہنچیگا اور اگر خاوند بی بی دونوں مرتد ہو کر دار الحرب میں جا ملیں اور وہاں انکے بیٹا ہو اور اس بیٹے کے بیٹا پیدا ہو پھر مسلمانوں کی فتح ہو۔ اور یہ سب پکڑے جاویں تو بیٹا اور پوتا مرتد کا مال غنیمت ہونگے اور بیٹے پر مسلمان ہونے کیلئے زبردستی کیجاویگی مگر پوتے پر نہ کی جاویگی اور جو

۱ کیونکہ اس لڑکے کو ان نصرانیہ کے تابع نکرینگے مرتد کے تابع کرینگے اسلئے کہ مرتد قریب الاسلام ہی کیونکہ اسلام پر مجبور کیا جاویگا پس لڑکا مرتد کے تابع ہو کر حکم میں مرتد کے ہو گیا اور مرتد کا مرتد وارث نہیں ہوتا ۱۲ ۲ کیونکہ جب مرتد دار الحرب چلا گیا تھا اور قاضی نے لاحق ہونیکا حکم لگا دیا تھا تو اس کا مال وارث کی ملک میں آگیا تھا اب جب مرتد پھر اگر اس مال کو دار الحرب اٹھائے گیا تو اسی وارث کی ملک سے گیا لہذا جب مسلمانوں کو غلبہ ہو وہ مال ہاتھ لگا۔ تو یہ وارث مالک قدیم ہی اسی کو ملیگا ۱۲ ۳ کیونکہ جب مسلمان ہو کر دار الاسلام میں واپس ہوا تو اس کا جو کچھ مال وارث کے پاس موجود ہی لے لیگا مگر اس غلام مکاتب کو نہیں پاویگا۔ بلکہ اس کا بدل کتابت پاویگا کیونکہ باپ کا قائمقام بنکر بیٹے کا مکاتب بنانا غلام کو جائز ہو گیا مثل وکیل کے پس بدل کتابت اور ولا کا مستحق وہی باپ ہوگا جو مثل موکل کے ہی کیونکہ ولا اسی کو ملتی ہی جس کی طرف سے آزادی ہو ۱۲ ۴ کیونکہ جب ہاتھ کاٹا تھا تو مسلمان معصوم الدم تھا اور جب مرا تو مرتد مباح الدم تھا یا مرتد ہو کر دار الحرب میں لاحق ہو گیا وہ بھی بمنزلہ موت کے ہے من وجہ مسلمان معصوم کو مار ڈالنا ہوا من وجہ ہوا آدھا خونبہا دینا پڑیگا ۱۲ ۵ کیونکہ اسلام کیحالت میں ہاتھ کیا اور اسلام کیحالت میں مرا پس من کل الوجوہ مسلمان کو مار ڈالنا ہوا لہذا پورا خونبہا دینا پڑیگا ۱۲ ۶ کیونکہ مرتد پر زبردستی کیجاتی تھی اس کے تابع ہو کر لڑکے پر بھی زبردستی کریں گے مگر پوتا زبردستی کئے جانیمیں تابع نہوگا اور امام صاحب سے دوسری روایت ہے کہ زبردستی میں پوتا بھی دادا کے تابع ہوگا یہ روایت

جو لڑکا کہ عاقل ہو اُس کا مرتد ہونا صحیح ہے جیسے مسلمان ہونا درست ہے اور اس طرح کے مرتد لڑکے پر مسلمان ہو جانیکو زبردستی کیجاویگی جان سے نہ مارا جاویگا۔ **باب۔ باغیوں کے بیان ہیں** جو بادشاہ اسلام کی فرمانبرداری سے باہر ہو جاویں اگر ایک گروہ مسلمانوں کا بادشاہ کے فرمان سے نکلکر کسی شہر پر غالب ہو جاوے تو بادشاہ اُنکو اپنی اطاعت کیلئے کہے اور جو شبہ اُنکو فرمانبرداری میں ہو گیا ہو۔ اُسکو دور کرے اور ان سے لڑائی شروع کرے اگرچہ وہ لڑائی کا آغاز نکریں اور اگر اُن کی جماعت ایسی ہو کہ یہ لوگ اُن کے ساتھ ملکر مضبوط ہو جاوینگے تب تو جو شخص ان باغیوں میں کا زخمی ہوا اسکو جان سے مار ڈالے اور جو بھاگے اُس کا پیچھا کرے اور اگر ایسی جماعت اور نہ ہو تب زخمی کو مارے نہ بھاگنے والے کا پیچھا کرے اور اُن کی اولاد کو قید نہ کرے اور اُنکے مالوں کو نظر بند کرے یہانتک کہ وہ توبہ کریں اور اگر غازی کو باغیوں کے ہتھیاروں اور گھوڑوں کی حاجت ہو تو کام میں لاوے یعنی ضرورت کیوقت ان کا استعمال میں لانا درست ہے اور اگر ایک باغی اپنے جیسے باغی کو مار ڈالے پھر انکی شکست ہو جاوے۔ تو قاتل پر نہ قصاص لازم ہوگا نہ خونبہا اور اگر باغی قوم کسی شہر پر غالب ہو جاوے اور کوئی شہر والا دوسرے شہری کو مار ڈالے پھر وہ شہر مفتوح ہو تو شہری قاتل اس مقتول کے قصاص میں مارا جاویگا اور اگر کوئی عادل یعنی بادشاہ کی اطاعت والا باغی کو مار ڈالے یا باغی اس کو مار ڈالے اور باغی یہ کہے کہ میں حق پر ہوں یعنی بادشاہ کی فرمانبرداری نکرنے میں اور یہ شخص جو بادشاہ کیطرف تھا کہے کہ اس کے مار ڈالنے میں حق میری طرف ہے تو قاتل مقتول کا وارث یعنی اگر دونوں میں کوئی قرابت ورثہ پانے کی ہوگی تو اس طرح کے قتل سے ترکہ سے محروم نہوگا۔ اور اگر باغی یہ کہے کہ میں باطل پر ہوں اور اعتقاد اپنے باطل پر ہونیکا رکھتا ہے تو وہ مقتول عادل کا وارث نہ ہوگا اور اہل فتنہ کے ہاتھ مثلاً باغیوں اور رہزنوں اور اہل حرب کے ہاتھ ہتھیاروں کا بیچنا مکروہ ہے اور اگر یہ معلوم نہو کہ خریدار اہل فتنہ میں سے ہے تو مکروہ نہیں

کتابُ اللقیط

۱؎ کیونکہ حرورا کے لوگ جب باغی ہو گئے تھے حضرت علیؓ نے قبل مقاتلہ کے پہلے ان کا شبہ دور کیا تھا نیز یہ کہ لڑنے سے یہ زیادہ آسان ہے ممکن ہے کہ اُسی سے یہ فتنہ دفع ہو جائے ۱۲ ۲؎ یعنی اس کا مال غنیمت نہ ہوگا تاکہ اسکی قوت گھٹ جائے اور فتنہ دفع ہو ۱۲ ۳؎ کیونکہ جسوقت قتل سرزد ہوا تھا وہ لوگ امام عادل کی ولایت میں نہ تھے جیسا کہ دار الحرب میں بعض بعض کو قتل کرتا ہے پس امام کو اس کے قصاص یا خونبہا کے فیصلے کی ولایت نہیں ۱۲ ۴؎ یعنی اس صورت میں ہوگا۔ کہ باغی لوگ اپنے احکام اس شہر میں نہیں جاری کرنے پائے تھے کہ امام عادل نے ان کو ہٹا دیا کیونکہ اس صورت میں ولایت امام کی زائل نہیں ہوئی تھی لہذا اسے قصاص کے فیصلہ کا حق حاصل تھا ۱۲ ۵؎ کیونکہ یہ قتل ہر طرف سے ناحق ہے خود قاتل کے خیال سے بھی اور واقعہ میں بھی پس ناحق قتل کرنے والا مقتول کے ترکہ سے محروم ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

باب۔ باغیوں کے بیان میں

کتاب اللقیط

اسمیں لقیط کا بیان ہے یعنی اس بچہ کا جو پڑا ہوا ملے اور اس کا والی معلوم نہ ہووے ایسے بچے کا اُٹھا
مسلمان کو مستحب ہے اور اس کے تلف ہونے کا خوف ہو تو اسوقت اُٹھانا واجب ہے اور بچہ آزاد رہیگا
اور اس کا خرچ بیت المال میں ہوگا۔ اسی طرح اس کی میراث بیت المال میں رکھی جاویگی اور اس کے
قصوروں کا تاوان بھی بیت المال سے دینگے اور اُٹھانے والے سے اسکو کوئی نہیں لے سکتا اور اس کا
نسب ایک شخص اور دو شخصوں سے ثابت ہوگا یعنی جو کوئی دعویٰ کرے کہ یہ میرا لڑکا ہے نسب اس سے ثابت
ہوگا۔ گو مدعی دو ہوں اور اگر دونوں مدعیوں سے کوئی ایسی نشانی بتادے جو اس لڑکے میں موجود ہو تو وہ شخص
اس بچہ کا نسب کے ثابت ہونے میں اور اگر ذمی دعوے کرے کہ میرا ہے تو ذمی سے نسب ثابت ہوگا لیکن
وہ بچہ مسلمان رہیگا بشرطیکہ وہ بچہ ذمی کے مکان اور محلے میں نہ ملا اور اگر ذمیوں کے مکان میں پایا ہوگا
تو ذمی ہوگا اور اگر غلام اُس کا دعوے کرے گا۔ تو نسب غلام سے ثابت ہوگا۔ مگر وہ بچہ آزاد ہوگا۔ الا
اس صورت میں کہ گواہوں سے ثابت ہو جاوے تو وہ اس کا ہی کا ہے۔ اور اُٹھانے والے کو اس بچے کا
نکاح کرنا اور بیچنا اور کرایہ دینا درست نہیں یعنی اٹھانیوالے کو بچے پر نکاح کر دینے کی ولایت نہیں
نہ اس بات کا اختیار ہے کہ اس کے مال کو فروخت کرے یا اُس کو کرایہ پر دے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ
اسکو کسی پیشہ میں سونپ دے تاکہ وہ کام سیکھ جاوے اور اگر اسکو کوئی چیز ہبہ کرے تو لے لیوے ۱۲

کتابُ اللقطۃ

یعنی پڑی ہوئی چیز کے پانیکے بیان میں پڑی ہوئی چیز حرم اور حل کی امانت ہے یعنی اگر وہ پانیوالے کے
پاس سے جاتی رہی تو اُس پر اُس کا تاوان لازم نہ آویگا۔ بشرطیکہ پانے والے نے اس نیت سے اٹھایا ہو کہ مالک
کو پھیر دونگا اور اس امر پر لوگوں کو گواہ کر دیا ہو اور اٹھانیوالا اس چیز کو بتلاتا اور بیان کرتا آیا ہے یہانتک

۱ بنی آدم میں اصل آزادی ہے نیز دارالاسلام میں پایا گیا ہے اور یہیں اکثر آزاد لوگ رہتے ہیں ۲ کیونکہ ظاہر حال اسی کی موافقت کرتا ہے اور ایسے ہی اگر آگے پیچھے دعوے کیا ہو تو پہلے دعویٰ کرنیوالا زیادہ مستحق ہوگا ہاں اگر دوسرا شہادت سے ثابت کر دے کہ اس کا لڑکا ہے تو دوسرا مستحق ہو جائیگا کیونکہ پہلے دعوے کرنے سے شہادت پیش کر دینا زیادہ قوی ہے ۱۲ ۳ کیونکہ جس بات میں بچہ کا نفع ہے اور اسے مسلمان رکھنے میں نفع ہے اور ذمی رکھنے میں ضرر ۱۲ ۴ کیونکہ ثابت النسب ہونا بچے کے لئے مفید ہوگا مگر بچہ آزاد اس لئے ہوگا کہ غلام کے بچہ کا غلام ہونا کچھ ضرور نہیں جیسے آزاد عورت سے غلام کا لڑکا پیدا ہو تو آزاد ہوگا پس شک واقع ہو گیا لہذا اسکی ظاہری آزادی باطل نہ ہوگی۔ اور اگر ایک غلام اور ایک آزاد اسکے نسب کا دعویٰ کریں تو آزاد سے نسب ثابت ہوگا جیسا کہ ذمی اور مسلم دونوں دعویٰ کریں تو نسب مسلم سے ثابت ہوگا کیونکہ بچہ کی بہبودی ہی میں ہے ۱۲ ۵ البتہ قاضی سے اجازت لیکر اسپر خرچ کرے اور جو سامان اس کے لئے ضروری ہو مثلاً کھانا کپڑا وغیرہ خرید کرے ۱۲ ۶ مکہ اور اسکے گردا گرد کی کچھ زمین حرم ہے اور اسکے علاوہ سب حل ہے امام شافعی رح کہتے ہیں کہ حرم کی پڑی ہوئی چیز جو اٹھاویگا اسپر واجب ہے کہ ہمیشہ پہنچواتا رہے یہانتک کہ مالک اس کا مالک اسکا ملجاوے یہ نہیں جائز ہے کہ پہنچوانے اور مالک کے تلاش کرنیکی

مدت کے بعد خیرات کرے ہمارے نزدیک حل اور حرم دونوں کی پڑی ہوئی چیز برابر ہے مالک کی تلاش کی مدت ختم ہونیکے بعد خیرات کر دے ۱۲

کتاب اللقطۃ

کہ اس کو معلوم ہو کہ مالک[1] اب باز پرس نکریگا پس اس چیز کو خیرات کر دے پھر اگر مالک آجائے تو اس کو اختیار ہے چاہے اسکی خیرات کر دینے کو درست رکھے چاہے اُٹھانے والے سے قیمت لے لے اور جس چارپائے کا کوئی والی نہو اسکو پکڑ لینا درست ہے مگر اس کو کھلانا پلانا مفت پڑیگا جیسا کوئی پڑے ہوئے بچے کو کھلاوے پلاوے اور اگر قاضی کے حکم سے چارپائے خواہ بچے کو کھلاویگا تو وہ البتہ مالک کے ذمے قرض ہوگا۔ اور بچے سے بعد بالغ ہونے کے بھر لیگا اور اٹھائی ہوئی چیز سے اگر نفع ملتا ہو تو قاضی اسکو کرایہ پر دے اور اسی میں سے اس کا خرچ کرے اور اگر اس سے نفع نہ ہو سکتا ہو تو بیچکر اس کی قیمت کہ چھوڑ دے اور اٹھانیوالے کو اختیار ہے کہ مالک سے جب تک اپنا خرچہ[2] وصول نکرے تبتک اس چیز کو روکے رکھے اور پائی ہوئی چیز کو دعوے کرنیوالے کے حوالے نکرے جبتک کہ مدعی گواہوں سے اپنی ملک ثابت نکرے پس اگر مدعی کوئی علامت اس چیز کی بیان کرے کہ اس کے اٹھانیوالے کو ظن غالب ہو۔ کہ یہی مالک ہے تو اس کے حوالے کر دینا حلال ہے مگر جبر نہیں پہنچتا یعنی باوجود علامت بیان کرنے کے اگر وہ حوالے نہ کرے[3] تو اسپر زبردستی درست نہیں اور اگر اٹھانیوالا محتاج ہو تو پائی ہوئی چیز سے نفع لے ورنہ کسی اجنبی محتاج کو خیرات کر دے اگر اس کے ماں باپ اور بی بی اور لڑکا محتاج ہوں تو انپر صدقہ کر دے[4]

کتاب الآبق

یعنے بھاگے ہوئے غلام کے بیان ہیں۔ بھاگے ہوئے غلام کا پکڑنا مستحب ہے بشرطیکہ اسکے پکڑنے پر قادر ہو۔ اور جو شخص بھاگے ہوئے غلام کو مدت سفر یعنی تین دن کے فاصلے سے ہٹا کر لاوے تو اس کو چالیس درم اجرت ملیگی۔ اگرچہ[5] غلام کی قیمت چالیس درم سے کم ہو اور مدت سفر سے کم فاصلہ سے ہٹا کر لاویگا۔ تو اسی حساب سے اجرت ملیگی یعنی ایک دن کے فاصلہ سے لاویگا تو چالیس درم کی تہائی کا مستحق ہوگا اور دو روز کے فاصلہ سے لائیں دو تہائی کا اور مدبر اور ام ولد مثل غلام کے ہیں یعنی انکو اگر کوئی فاصلہ تین دن کی راہ سے پکڑ لاویگا تو اجرت چالیس درم لازم ہوگی اور اگر پکڑ لانیوالے

[1] مگر اس نیت سے کہ ثواب مالک پہنچے پس اگر مالک اس سے قیمت لے لیگا تو ثواب خیرات کرنے والے کو ملجائیگا ۱۲ [2] یعنی جو کچھ بحکم قاضی اسپر خرچ کیا ہو اسے مالک سے وصول کر کے تب واپس کرے ۱۲ [3] اگر مدعی نے گواہوں سے ثابت کر دیا ہے تو زبردستی دلائی جائیگی اور اٹھانیوالے کو جائز ہے کہ مدعی سے ضمانت لیکر تب وہ چیز حوالے کرے جبکہ محض علامت بیان کرنے پر دیتا ہے اور اگر گواہوں سے ثابت ہونے پر دیتا ہو تو نہیں جائز ہو ۱۲ [4] پس کسی امیر آدمی کو دینا جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے اور صدقہ امیر آدمی پر جائز نہیں ۱۲ [4] پس کسی امیر آدمی کو دینا جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے اور صدقہ امیر آدمی پر جائز نہیں ۱۲ [5] پس چاہیئے کہ پکڑ کر اسے بادشاہ کے پاس لے آوے کیونکہ خود کہاں تک اس کی حفاظت کریگا اور بادشاہ اسے قید کر دیگا۔ کیونکہ اطمینان نہیں شاید پھر بھاگ جائے اور اسوقت قید رہیگا جبتک کہ مالک نہ آوے ۱۲

[6] اور اگر کوئی اپنے باپ کا غلام یا بی بی کا یا شوہر کا غلام پکڑ لا دیگا تو کچھ اجرت نہ ملیگی ۱۲

کے ہاتھ سے غلام بھاگ جاوے تو اُسپر تاوان نہوگا اور قیمت دینی نہ آویگی[1] جبکہ پکڑنے والا لوگوں کو گواہ کرے کہ میں اس غلام کو اسلئے پکڑتا ہوں کہ مالک کے پاس لیجاؤں اور اگر غلام رہن ہو اور بھاگ جاوے اور اس کو کوئی پکڑ لاوے تو اجرت مرتہن کے ذمے ہوگی[2] اور بھاگے ہوئے غلام پر کچھ خرچ کرنے کا ایسا ہے جیسے پڑی ہوئی چیز پر خرچ کا حال بیان ہوا یعنی قاضی کے حکم سے اُسپر خرچ کرے گا تو وہ مالک کے ذمے قرض ہوگا اور اگر بدون حکم کے کریگا تو مفت کا سلوک ہوگا مالک ذمے لازم نہ ہوگا۔

کتاب المفقود

اس میں مفقود یعنی گم ہوئے شخص کا بیان ہے۔ مفقود اُس شخص غائب کو کہتے ہیں جس کی جگہ اور موت اور حیات معلوم نہو ایسے شخص کے لئے قاضی ایک آدمی مقرر کردے کہ وہ اس کا حق جو لوگوں کے ذمے پر ہو وصول کرے اور اس مال کی حفاظت کرے اور سربراہ کاری کرے اور اس مال میں سے غائب شخص کے ان رشتہ داروں پر جو اولاد یا زوجیت رکھتے ہوں یعنی اس کے ماں باپ اور اصول اور اسکی اولاد اور اسکی بیوی پر خرچ کرے اور قاضی اس مرد کی بیوی کو اس سے جدا نہ کرے اور نوے برس کے بعد اس کی موت کا حکم کرے یعنی جب اس شخص کی عمر نوے برس کی ہوجاوے تو حکم کردے کہ وہ مرگیا۔ اور اس کی بیوی عدت میں بیٹھے اور اس کا ترکہ اسوقت تقسیم ہو اس سے پہلے نہو اور غائب شخص کسی ورثہ نہیں پاتا۔ واضح ہو کہ امام مالک کے نزدیک اگر مفقود شخص کی بیوی جدائی چاہے تو قاضی چار برس کی مہلت دے بعد اس کے جدا کردے اور دلیل امام اعظم کی قول رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ عورت اسکی بیوی ہے جبتک کہ اسکی موت کا حال کھلے اور موت دو طرح کی ہے حقیقی اور حکمی تو نوے برس کے بعد موت حکمی ہے کہ غالب یہی ہے کہ مرگیا ہوگا پس اگر مفقود کے ساتھ ایسا وارث ہو کہ مفقود کے ہوتے ہوئے محجوب[3] ہوتا ہو یعنی اسکو کچھ نہ ملتا ہو تو اس وارث کو کچھ نہ دیا جاویگا اس لئے کہ مفقود حکم میں مثل موجود کے ہے تو دوسرے کو ورثہ پانے سے مانع ہوگا اور اگر ایسا وارث ہو کہ مفقود کے ہوتے ہوئے اسکو کم ملتا ہے یہ نہیں کہ محروم ہوجاوے

---

[1] کیونکہ وہ غلام اسکے ہاتھ میں امانت تھا اور ایسے ہی اگر غلام اسکے ہاتھ میں مرجاوے تو بھی کچھ تاوان نہ دینا پڑیگا اور نہ خود اجرت مالک سے پاویگا ۱۲

[2] کیونکہ مرتہن کی مالیت محفوظ رہی۔ مگر یہ اس صورت میں ہے کہ غلام کی قیمت دین کے برابر ہو یا کم ہو اور زیادہ ہو تو حصہ رسد ہی دیگا مثلاً تین سو روپیہ دین تھا اور قیمت غلام کی چار سو روپیہ یعنی تو تین چوتھائی یعنی تیس درم مرتہن دیگا اور ایک چوتھائی یعنے دس درم مالک غلام کو دینا پڑیگا ۱۲

[3] ایک دوسرے کے سبب سے پیدا ہونا یعنے خواہ مفقود ان سے پیدا ہو جیسے ماں باپ وغیرہ یا مفقود سے وہ پیدا ہوں جیسے بیٹا بیٹی وغیرہ ۱۲

[4] اور امام صاحب رح سے ظاہر مذہب ہے کہ جب اسکے ہمجولی والے سب مرجائیں تب اسکے وفات کا حکم دیا جاوے اور امام ابو یوسف رح سے ظاہر مذہب ہے کہ جب اس کے ہمجولی والے سب مرجائیں تب اسکی وفات کا حکم دیا جائے اور امام ابو یوسف رح سے مروی ہے کہ سو برس کی عمر میں اسکی وفات کا حکم کیا جاوے اور ایک روایت ایک سو بیس برس کی بھی ہے مگر فتوی نوے برس پر ہے اور امام مالک رح اور امام شافعی کے نزدیک چار برس اسکی موت کا حکم کیا جاویگا۔ اور اسوقت اسکی بی بی عدت وفات بیٹھ کر پھر دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور بعض حنفیوں نے بھی ضرورت کیوقت اسپر فتوی دیا ہے ۱۲

[5] مثلاً مفقود کے والد نے انتقال کیا اور صرف ایک پوتا چھوڑا تو مفقود اگر مردہ شمار کیا جاوے تو ترکہ پوتے کو ملجاویگا اور اگر زندہ شمار کیا جاوے تو پوتے کو کچھ نہ ملیگا پس مفقود کو مردہ شمار کرینگے اور پوتا کو کچھ نہ ملیگا ۱۲ منہ محمد وصی الحق علی آبادی ۱۲

تو اس وارث کو وہ حصو ںمیں سے کمتر دیا جاویگا یعنی ایک حصہ اس صورت میں کہ مفقود موجود ہو اور ایک حصہ اس حال میں کہ وہ مر گیا ہو انہیں سے جو نسا کم ہوگا وہ وارث مذکور کو دینگے اور باقی کو ملتوی رکھ چھوڑیں گے جیسے حمل کے حصے کو ملتوی رکھ چھوڑتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص مر جاوے اور اس کی بی بی حاملہ ہو تو اس کا ترکہ تقسیم کرنے میں حمل کا حصہ جدا رکھتے ہیں[1]

کِتَابُ الشِّرْکَۃ

اس میں شرکت کا بیان ہے۔ شرکت دو طرح پر ہے ایک شرکت ملک اور وہ یہ ہے کہ دو شخص وراثت کی وجہ سے یا خریداری کے باعث ایک چیز کے مالک ہوں اور اس شرکت میں ہر ایک امین ہے اجنبی ہوتا ہے دوسرے کے حصے میں یعنی بلا اجازت دوسرے کے تصرف ناجائز ہے اور دوسری قسم شرکت معاملہ ہے کہ ایک کہے کہ میں نے تجھ سے فلاں چیز میں شرکت کی اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا اور پھر اس کی کئی قسمیں[2] ہیں ایک کو شرکت مفاوضہ کہتے ہیں اگر شامل ہو وکالت اور کفالت کو یعنی ہر شخص دوسرے کا وکیل اور کفیل دونوں ہوں اور مال اور تصرف اور دین میں دونوں برابر ہوں اس سے یہ نکلا کہ شرکت مفاوضہ آزاد اور غلام میں اور لڑکے اور بالغ میں اور مسلمان اور کافر میں درست نہیں اسلیے کہ تصرف میں اور دین میں برابری نہیں اس قسم کی شرکت میں جو چیز ایک شخص مول لیگا وہ مشترک دونوں میں[3] ہوگی مگر اپنے گھر والوں کی خوراک اور پوشاک البتہ مشترک نہوگی اور جو قرضہ کہ ان میں سے ایک پر تجارت کے باعث خواہ غصب اور ضامنی کے سبب لازم ہوگا وہ دوسرے پر لازم ہوگا اور اگر ایسا مال جسمیں شرکت مفاوضہ درست ہے مثلاً روپیہ اشرفی ایک شریک کو کسی نے ہبہ کیا یا ورثہ میں ملا تو اسمیں مفاوضہ باطل ہے الا دوسرا اسباب میں مثل گھوڑے اور کپڑے کے اگر ہبہ یا ورثہ میں ایک کو ملے تو شرکت باطل نہوگی اور یہ شرکت اور شرکت عنان (جسکا آگے بیان آتا ہے) روپیہ اشرفی اور چاندی سونے کے ٹکڑوں کے جن پر سکہ ہو اور پیسوں کے جنکا رواج لین دین میں ہوتا ہو نا درست نہیں یعنی شرکت مفاوضہ اور عنان میں یہ ضرور ہے کہ دونوں شخص برابر روپیہ خواہ اشرفی

---

[1] اس کی تفصیل فرائض کے بیان میں آ ہو گی [2] شرکت جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور لوگ معاملہ شرکت کرتے تھے پس حضور نے برقرار رکھا ۱۲ [3] یعنے چار قسمیں ہیں ایک شرکت مفاوضہ دوسرے شرکت عنان تیسرے شرکت صنائع چوتھے شرکت وجوہ اور ہر ایک کی تعریف کتاب میں آ ئیگی ۱۲ [4] پس بیچنے والے کو حق حاصل ہے کہ اس کا ثمن مشتری سے طلب کرے۔ کیونکہ وہ اصل خریدار ہے یا دوسرے شریک سے طلب کرے کیونکہ وہ کفیل ہے ۱۲ [5] اور وہ شرکت عنان ہو جائیگی کیونکہ مفاوضہ میں مال کی برابری شرط تھی اور برابری باقی نہیں ہے کیونکہ ایک کا مال خود وراثت یا ہبہ کے ذریعہ سے بڑھ گیا اور دوسرا اسمیں اسوجہ سے شریک نہیں ہوا کہ سبب شرکت پایا نہیں گیا پس وہ شرکت پلٹ کر شرکت عنان ہو جائیگی کیونکہ شرکت عنان میں مال کی مساوات شرط نہیں ۱۲ [6] کیونکہ یہ مال اس قبیل سے نہیں کہ جسمیں شرکت مفاوضہ صحیح ہوئی ہو پس اسمیں مساوات بھی شرط نہیں اسلیے وہ تنہا چیزوں کا مالک رہیگا اور یہ چیزیں شرکت میں داخل نہوگی لہذا شرکت مفاوضہ باقی رہیگی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

خواہ بعض سکے کی ڈلیاں جو مروج ہوں خواہ پیسے مروج ملاویں نہ درست نہو گی اگر دوسرا شخص اسطرح کریں کہ ہر واحد اپنا نصف اسباب دوسرے کے نصف اسباب کے بدلہ میں بیچ ڈالے اور شرکت مفاوضہ یا عنان کرلیں تو درست ہے اور یہ صورت شرکت کے حیلے کی ہے اس حال میں کہ چاندی سونا برابر نہ ملاویں اور اپنے نصف اسباب کو دوسرے کے نصف کے عوض بیچ ڈالیں تو سب میں شریک ہو جائیں گے شرکت معاملہ کی دوسری قسم عنان ہے جسمیں صرف وکالت ہوتی ہے کفالت نہیں ہوتی اور اگر مال میں برابری ہو اور نفع میں نہو[1] یا نفع برابر لیں اور مال برابر نہو یا یہ کہ بعض مال میں شرکت ہو اور بعض میں نہو یا خلاف جنس ہو کہ ایک نے روپیہ دیا ہو اور دوسرے نے اشرفی یا یہ کہ ہر ایک انمیں سے اپنے آپکو جدا رکھے ہر طرح درست ہے اس شرکت میں جونسا شخص کوئی چیز مول لیگا تو مطالبہ قیمت کا صرف اسی مشتری سے کیا جاوے گا دوسرے شریک سے نہو گا اس لئے کہ اس شرکت میں کفالت نہیں ہاں مشتری جو دام چیز کے بائع کو دے اسمیں سے دوسرے شریک سے اسکے موافق بھر لے[2] یعنی جتنا اس کی طرف سے اس نے دیا ہو وہ اس سے بھر لے اور شرکت عنان میں اگر دونوں مال ہلاک ہو جاویں یا مال مشترک خریدنے سے پیشتر ایک مال جاتا رہے دونوں صورتوں میں باطل ہو جاتی[3] ہے اگر دونوں شریکوں میں سے ایک اپنے مال کے عوض میں کوئی اسباب خریدے اور دوسرے کا مال تلف ہو جاوے پس جو اسباب خرید ہو گیا وہ دونوں میں مشترک ہو گا اور جسنے مول لیا ہے وہ اپنے شریک کی حصہ کے موافق اسباب کا دام اس سے لے اور اگر دو شریکوں میں سے ایک کیلئے چند روپیہ نفع میں سے مقرر کر دیئے جاویں تو شرکت فاسد ہو جاتی ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ ان روپیوں کے سوا اور کچھ نفع نہو اور شرکت مفاوضہ اور عنان کے دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ مال مشترک کو بطور بضاعت[4] کسی کے حوالہ کرے یا ٹھیکہ دے یا امانت رکھے یا مضاربت پر دے یا کسی کو وکیل کرے اور ہر ایک کا تصرف مال مشترک میں حکم میں امانت کے ہے یعنی اگر مال تصرف سے جاتا رہیگا تو اس کا تاوان نہ دینا پڑیگا اور شرکت معاملہ میں سے تیسری قسم تقبل[5] ہے اسکی صورت یہ ہے کہ دو درزی خواہ ایک درزی اور ایک رنگریز اس شرط پر شریک ہوں کہ دونوں کام مشترک

۱۔ امام شافعی رح کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے انکے نزدیک اگر مال میں برابری ہو اور نفع میں برابری نہو تو جائز نہیں ہے کیونکہ اگر مال برابر ہو اور مثلاً تین تہائی ہو کر ایک تہائی ایک کا اور دو تہائی دوسرے کا تو لازم آیگا کہ دوسرے کو اس چیز کا نفع پہنچا جس کا وہ ذمہ دار نہیں کیونکہ ذمہ داری بقدر راس المال کے ہوگی اور راس المال اسکا فقط نصف ہے پس نصف سے زائد نفع لینا ناجائز ہوا اور ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ نفع اتنا ملیگا جتنا آپس میں طے کر لیں ۱۲

۲۔ کیونکہ یہ معاملہ وکالت کو شامل تھا انمیں ایک نے جو چیز خریدی تو بقدر اسکے حصہ کے اسکی جانب سے خریدنا ہوگا اور بقدر دوسرے حصہ کے دوسرے کی جانب سے خریداری ہوگی پس جتنے دام اسنے پاس سے دیتے ہیں آپس میں بقدر دوسرے کے حصہ کے دوسرے کی جانب سے دینا ہوا لہذا دوسرے سے وصول کرے ۱۲

۳۔ کیونکہ جب دونوں مال ہلاک ہو گئے تو ظاہر ہے کہ اب شرکت آپس میں نہ رہیگی اور ایسے بھی جب ایک کا مال ہلاک ہو گیا تو دوسرا اپنے مال میں اسکو کیوں شریک کرنے لگا کیونکہ اس کی رضامندی شرکت پر اسوقت تھی کہ یہ بھی کچھ مال لگاوے اور جب اس کا مال ہلاک ہو گیا تو اب یہ رضامندی نہ پائی جائیگی لہذا وہ معاملہ بھی جاتا رہا ۱۲

۴۔ بضاعت یہ ہے کہ کسی کو مال دیا کہ وہ فروخت کرے اور نفع سب کا سب دینے والے کو ملیگا اس کا احسان ہوگا اس کی دکان میں اس مال کی زینت ہوگی ۱۲

۵۔ اسکو شرکت صنائع بھی کہتے ہیں کیونکہ صنعت میں وہ دونوں شریک ہوتے ہیں ۱۲

۲۔ اور تقبل اس لئے کہتے ہیں کہ ہر ایک کام کو قبول کرتا ہے اور دونوں پر لازم ہوتا ہے ۱۲

لیا کریں اور مزدوری جو کچھ ملے اس کا دونوں بانٹ لیا کریں اس شرکت میں اگر ایک شخص کوئی کام منظور کریگا وہ دونوں کو کرنا لازم ہوگا اور جو ایک کماویگا دونوں میں مشترک رہیگا۔ چوتھی قسم شرکت معاملہ کی وجوہ ہے اس کی یہ صورت ہے کہ دو شخص بدون مال کے شریک ہوں اس طرح کہ اپنے اعتبار سے مال خریدیں اور بیچیں یعنی لوگوں سے جان پہچان ہونیکی جہت سے مال بطور قرض خریدیں اور بیچیں اور نقد کچھ نہ لگاویں یہ شرکت متضمن وکالت کو ہوتی ہے کہ ہر ایک شخص ان میں سے دوسرے کا وکیل[1] ہوتا ہے اور پھر اگر نصفا نصفی کے اقرار سے مال خریدیں یا ایک تہائی اور دو تہائی کی شرط سے تو نفع بھی اسی طرح ہوگا اور زیادتی کی شرط باطل ہوگی یعنی اگر آپس میں اقرار کریں کہ مال نصفا نصف خرید کرینگے تو نفع بھی آدھوں آدھ ہی ہوگا اگرچہ اقرار میں نفع ایک نے زیادہ ٹھیرا لیے

فصل

اور لکڑیاں لانے اور شکار کرنے اور پانی دینے میں یہ شرکت درست نہیں کیونکہ جس نے کام کیا ہو کمائی اسی کی ہوگی اور دوسرے کو اس قدر مزدوری اجبی ملیگی جتنا اس نے کام کیا ہوگا یعنی اسی کام میں اگر دوسرا شخص رفیق رہا تو اسکو اس کے کام کیموافق حسب دستور مرجہ مزدوری دی جاویگی اور اصل چیز خاص کام کرنیوالے کی ہوگی اور جس صورت میں کہ شرکت فاسد ہو جاوے تو نفع مال کی مقدار کے بموجب ہوگا اگرچہ زائد کی شرط کر لی گئی ہو اور معاملہ شرکت دونوں شریکوں میں سے کسی کے مرجانے سے باطل ہو جاتا ہے اگرچہ مرجانا حکمی ہو چنانچہ مرتد جو دار الحرب کو چلا جاتا ہے وہ حکم کے اعتبار سے مرجاتا ہے۔ اور چاہیئے کہ کوئی دونوں شریکوں میں دوسرے کے مال کی زکوۃ بدون اس کی اجازت کے نہ دے پس اگر ہر ایک نے دوسرے کو اپنی مال کی زکوۃ دینے کی اجازت دیدی اور دونوں نے ایک ساتھ ادا کی تو جسقدر دوسرے کے مال کی زکوۃ دی ہوگی وہ ہر ایک کو دینی پڑیگی اور اگر ایک ساتھ نہ دی ہو بلکہ ایک نے آگے اور دوسرے نے پیچھے تو پچھلے کو ہی اول شخص کے حصہ کی زکوۃ کا تاوان لازم ہوگا مفاوضت کے دو شریکوں میں سے ایک نے دوسرے کو صحبت کرنے کے لئے ایک لونڈی خریدنے کی اجازت دی اور اس نے اس اجازت سے جب لونڈی خریدی

---

[1] کیونکہ ایک شخص کا تصرف دوسرے پر لازم نہیں ہوتا مگر وکالت یا ولایت سے اور ولایت یہاں موجود نہیں تو ضرور ہے کہ ایک کو دوسرے پر وکالت حاصل ہو پس وکالت متعین ہوگی ۱۲ [2] کیونکہ شرکت وکالت کو شامل ہوتی ہے اور مال مباح کے لینے میں توکیل باطل ہے اور شکار اور لکڑیاں یہ مال مباح ہیں اور مال مباح میں توکیل اسوجہ سے باطل ہوگی کہ موکل کا حکم مال مباح کے لینے میں صحیح نہیں کیونکہ وکیل بغیر موکل کے حکم کے محض قبضہ کر لینے سے مالک ہو جاتا تھا پس وکیل نائب نہیں ہوسکتا لہذا شرکت بھی صحیح نہیں ہوگی ۱۲ [3] مثلاً ایک شخص لکڑی توڑے اور دوسرا جمع کرے یا ایک شخص شکار کرے اور دوسرا رکھتا جائے تو لکڑی اور شکار توڑنیوالے اور شکار کرنیوالے کی ملک ہوگی اور جمع کرنیوالے اور رکھنے والے کو اس کی محنت کے لائق مزدوری ملیگی ۱۲ [4] کیونکہ معاملہ شرکت وکالت کو شامل تھا اور وکالت شرکت کیلئے ضروری تھی پس ایک کے مرجانے سے وکالت باطل ہو جائیگی اسلئے شرکت کا معاملہ بھی باطل ہو جائیگا چاہے دوسرے شریکدار کو اس کی موت کا علم ہو یا نہو کیونکہ وکالت کے باطل ہونے سے حکماً یہ معاملہ بھی باطل ہوا ہے بخلاف اس صورت کے جب ایک شریکدار شرکت سے علیحدہ ہو جاوے دوسرے کو علم ہونا ضرور ہے کیونکہ یہ علیحدگی حکماً نہیں بلکہ قصداً ہے ۱۲ [5] کیونکہ زکوۃ پہلے دونوں کیطرف سے ادا ہو چکی کیونکہ ہر ایک نے دوسرے کو زکوۃ دینے کی اجازت دیدی تھی پس دوسرے کا دینا جب زکوۃ میں شمار نہ ہوا تو تاوان دینا پڑیگا اسلئے کہ اجازت زکوۃ دینے کی تھی نہ یوں

اور مال مشترک میں اُس کا دام دیا تو یہ لونڈی اس خریدنے والے کی ہوگی بدون عوض کے یعنی نصف قیمت لونڈی کی اپنے شریک اجازت دینے والے کو نہ دینی پڑے گی +

کتاب الوقف

اس میں وقف کرنے کا بیان ہی۔ وقف اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی چیز کو اپنی ملک میں روکے رکھے اور اُس کا نفع خیرات کر دے جس چیز کو وقف کرے اُسکو موقوف کہتے ہیں اور وقف کرنے والا واقف ہے واقف کی ملک موقوف پر سے قاضی کے حکم کرنیسے جاتی رہتی ہی یعنی اگر قاضی حکم کر دے کہ اس کی ملک جاتی رہی تو جاتی رہتی ہی اسلیئے کہ جن مسائل میں اختلاف ہوتا ہی وہاں قاضی کا حکم یہی حال رکھتا ہے اور وقف میں بھی علما کو اختلاف ہے۔ کہ واقف کی ملک اُسپر سے جاتی رہتی ہی یا نہیں پس قاضی کے حکم کے بعد کچھ شک ملک کے جانیکا نہیں رہتا لیکن واقف کی ملک جانیکے بعد واقف کا مالک کوئی اور نہیں ہو جاتا اور وقف پورا نہیں ہوتا جب تک کہ متولی اُسپر قبضہ نہ کر لے اور واقف اسکو علیحدہ نہ کر دے یعنی اگر ایسی چیز ہو جو قسمت ہو تو واقف کا علیحدہ کر دینا موقوف کو شرط ہی اور یہ بھی ضرور ہے کہ وقف کی صورت انجام کو ایسی کر دے کہ وہ منقطع نہو جاے بلکہ جاری رہے مثلاً اگر چند خاص لوگوں پر وقف کرے جنکا کسی زمانہ میں نہونا بھی ممکن ہو تو کہدے کہ ان لوگو کے نہ رہنے کے بعد وقف کے فقیروں یا علما کو اسکا نفع پہنچے تاکہ ہمیشہ وقف جاری رہے اگر وقف زمین کو مع بیلوں اور کھیتی کرنیوالونکے وقف کر دے تو درست ہے اور نیز درست ہے وقف کرنا مشاع کا یعنی ایک تہائی یا نصف زمین کا بشرطیکہ حکم اُسکے جائز ہونیکا ہو گیا ہو یعنی اگر قاضی حکم کر دے کہ مشاع کا وقف کرنا درست ہے تو درست ہوگا جاویگا اس لیئے کہ مشاع کا وقف کرنا مسئلہ اختلافی ہی تو جس صورت میں قاضی اُسکے جواز کا فتویٰ دیدے تو درست ہوگا اور درست ہے ایسی اشیاء کا وقف کرنا جن کو ادھر اُدھر لیجا سکتے ہیں اور نہیں پہلے سے وقف ہوتا آیا ہو یعنی لوگوں کا معمول ہو کہ اُن چیزوں کو وقف کیا کرتے ہوں جیسے تیر اور پھاوڑا اور لسبولا

---

۱ کیونکہ جب لونڈی مال مشترک سے خریدی گئی تو دونوں کی ملک ہوگی اور ایک نے دوسرے کو صحبت کو اجازت دیدی تو یہ اجازت دینا اپنے حصہ کا ہبہ کرنا ہوا اسلیئے کہ بغیر ملک کے ہوئے صحبت حلال نہ ہوگی ۱۲ ۲ اور صاحبین رح کے نزدیک وقف اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملک میں اسکے رکھے اور نفع اس کا خواہ محتاج خواہ تونگر کے لئے کر دے پس وقف لازم ہو جاتے گا پھر اس کا باطل کرنا یا اسچیز کو تذکرہ میں تقسیم کرنا جائز نہ ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے ۱۲ ۳ یعنی جو چیز کہ بعد تقسیم کے قابل انتفاع ہے مثلاً زمین یا باغ وغیرہ ۴ اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک اس کہنے کی کچھ ضرورت نہیں جب مصرف منقطع ہو جائیگا تو فقراء پر خرچ ہوگا اگرچہ وقف کرتے وقت ان کا ذکر نہ کیا ہو ۱۲ ۵ اور ان منقولہ چیزوں کے وقف کرنے کا عملدرآمد نہ چلا آتا ہو تو ان کا وقف کرنا جائز نہیں جیسے کپڑا وغیرہ اور شافعی رح کے نزدیک ہر چیز کہ جس کو باقی رکھکر نفع حاصل کر سکیں اور اسکی بیع شرعاً جائز ہو وقف کر سکتے ہیں ۱۲ ۶ کیونکہ مقصود وقف کا یہی ہی کہ اسکی آمدنی مستحقین پر ہمیشہ خرچ ہوتی رہے کیونکہ ہمیشہ وقف کا جاری رکھنا وقف کے صحیح ہونے کیلیئے شرط تھا اور جب تک اس کی مرمت اور درستی نہ کیجاتی رہیگی وہ ہمیشہ کیلئے رہ سکتا ہی اور اس کی آمدنی ہمیشہ کیلیئے مستحقین کو پہنچ سکتی ہی لہٰذا ضرور ہوا کہ پہلے اس کے درستی میں خرچ کرنا چاہیئے اگرچہ اس نے اس کی شرط نہ لگائی ہو مگر اس کے وقف کرنیکا بھی مقتضی ہی ۱۲

تابوت اور قرآن مجید اور کتابیں اور موقوف ملک میں لائی جاوے ورنہ تقسیم کیجاوے اگرچہ اپنی اولاد ہی پر وقف کیا ہو اور وقف کی پیداوار میں سے اول مرمت اور درستی موقوف کی کیجاوے گو واقف نے اس بات کی شرط نہ کی ہو اور اگر موقوف کوئی مکان ہو تو اس کی تعمیر اسکے ذمہ ہے جو اسمیں رہتا ہو اور اگر وہ تعمیر سے انکار کرے یا عاجز ہو کہ نہ کرسکتا ہو تو حاکم[۱] تعمیر کرے اور لاگت اس مکان کے کرایہ[۲] میں سے لگاوے اور اگر موقوف ٹوٹ جاوے تو اسکا ٹوٹا ملبہ[۳] اسی کی تعمیر میں لگایا جاوے اگر ضرورت ہو ورنہ اسکو رکھ چھوڑنا چاہیے کہ دوسرے وقت حاجت اس کی پڑے مگر وقف کے مستحقوں کو حاکم اُس کا ملبہ تقسیم نہ کرے[۴] اگر واقف وقف کی پیداوار کو اپنی ذات کے واسطے کرلے یا وقف کی ولایت اپنی طرف کرلے کہ متولی خود ہی ہے تو درست ہے لیکن اگر وہ خیانت کرتا ہو تو موقوف کو اُسکے ہاتھ سے نکال لینا چاہیے جیسے وصی[۵] خائن اگر خائن ہوتا ہے۔ تو وصی کو اُس کا موقوف کردیتے ہیں اور اسکی جگہ دوسرے کو مقرر کرتے ہیں گو وقف کرنے والے نے شرط کرلی ہو کہ موقوف میرے ہاتھ سے نہ نکالیں۔ **فصل** جو شخص مسجد بناوے تو اُسپر سے اسکی ملک نہ جاویگی جبتک کہ اس کو اپنی ملک سے مع راستہ جدا نہ کرے اور اسمیں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دیدے[۶] بعد اجازت کے اگر اس میں ایک شخص بھی نماز پڑھیگا مالک کی ملک جاتی رہیگی اور جو شخص ایک مسجد بناوے کہ اسکے نیچے تہ خانہ ہو یا اوپر بالاخانہ ہو اور مسجد کا دروازہ راستہ کیطرف کرے اور اسکو اپنی ملک سے جدا کردے یا گھر کے اندر ایک مسجد بناوے اور لوگوں کو اسمیں آنیکی اجازت دے تو اس شخص کو اُس کا بیچنا درست ہوگا اور اس سے ترکہ دوسرے وارثوں کو پہنچیگا۔ یعنی وقفی مسجد کے حکم میں نہوگی اور جو شخص سقاوہ مثل حوض وغیرہ کے یا مسافرخانہ یا قافلہ کے اترنے کا مکان یا قبرستان بناوے تو اس کی ملک ان چیزوں پر سے نہیں جاتی جبتک کہ قاضی حکم ملک کے جاتے رہنے کا نہ کرے یعنی واقف کے یہ کہنے سے کہ میں نے اس کو وقف کردیا ملک نہ جاویگی[۷] اور اگر مسجد کی راہ میں کچھ مسجد میں ملادیا جاوے یا مسجد

---

[۱] یعنی حاکم اس مکان کو کرایہ پر اُٹھا کر اسی کی آمدنی سے مرمت کرائے اور بعد درست ہو جانے کے پھر اسی کو واپس کردے جسکی سکونت کیلئے وقف کیا گیا ہے کیونکہ اسمیں دونوں کی رعایت ہے رہنے والے کی بھی اور وقف کی بھی کہ اگر اس کی عمارت باقی نہ رہی تو کیسے رہ سکیگا ۱۲ [۲] تو پھر اسی میں لگاوے لیکن اگر وہ ملبہ اس قابل نہیں ہے کہ پھر اسمیں لگایا جاسکے تو حاکم اسکو فروخت کرکے اسکے دام اس کی مرمت میں لگادے ۱۲ [۳] کیونکہ وہ جائداد موقوفہ کا جزو ہے اور اس میں مستحقین کا حق نہیں بلکہ اللہ کا حق ہے مستحقین کا حق صرف اسکی آمدنی میں ہے پس جس چیز میں مستحقین کا حق نہیں ہے انکو نہ دینا چاہیے ۱۲ [۴] وصی اس شخص کو کہتے ہیں کہ کسی مرنیوالے نے اسکو وصیت کردی تھی کہ میرے بعد میرے بچوں اور جائداد کی دیکھ بھال رکھنا پس اگر اس کے مرنے کے بعد وصی نے کوئی خیانت بچوں کے مال وغیرہ میں کی تو حاکم اسے معزول کرکے اسکی جگہ دوسرے کو مقرر کرتا ہے ۱۲ [۵] یعنی امام ابو حنیفہ رح اور امام محمد کے نزدیک جبتک کہ اسمیں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دیدے اور کوئی ایک آدمی نماز نہ پڑھے۔ تب تک واقف کی ملک نہ جائیگی اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک اتنا کہدینے سے کہ میں نے اسکو مسجد بنادیا ملک جاتی رہیگی اور وقف ہوکر اللہ کی ملک میں آجائیگی اس قول کو ترجیح ہے اور اسی پر فتوے ہے[۶] لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ مسجد ہے نہ اسکا بیچنا جائز ہے اسمیں سے کچھ وارثوں کو پہنچیگا یہ قول صاحبین کا ہے ۱۲ [۷] اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک صرف اس کہدینے سے ملک جاتی رہے گی اور قضا اور وقف میں قول ابو یوسف رح کو ترجیح دیجاتی ہے ۱۲

فصل

کسیقدر زمین راہ میں شامل کر دیجائے تو درست ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃ کہ ترجمہ کنز الدقائق کی جلد اول
بماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۲۹ء علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بعد تصحیح کامل اور حرف بحرف مقابلہ کرنے
ترجمہ کیساتھ اصل کتاب عربی کی اتمام کو پہنچی وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَصَلَّی
اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

کِتَابُ الْبُیُوْعِ

اسمیں خرید و فروخت کے اقسام کا بیان ہے آپس کی رضامندی سے ایک مال کو دوسرے سے بدل لینا بیع کہلاتا ہے اور بیع کے ایجاب کرنے اور دوسرے کے قبول کرنیسے جبکہ دونوں بصیغہ ماضی ہوں[۱] لازم ہو جاتی ہے مثلاً جب ایک نے کہا کہ بیچنے اتنے کو بیچی اور دوسرے نے کہا کہ میں نے خرید کی تو بیع لازم ہو گئی۔ اول شخص کے قول کو ایجاب کہتے ہیں اور دوسرے کے قول کو قبول اور اگر زبان سے ایجاب قبول نہ کریں۔ بلکہ بائع یعنی بیچنے والا اپنی چیز حوالے مشتری یعنی خریدار کے کر دے اور مشتری اس کے دام حوالے کرے تب بھی بیع[۲] لازم ہو جاتی ہے اور اگر کوئی ان دونوں میں سے ناں کرے اور قبول کرنیسے پیشتر مجلس معاملہ سے اٹھ جائے تو ایجاب باطل ہو جائیگا اور دام اگر سامنے نہوں تو انکی تعداد اور وصف بیان کرنے چاہییں اور اگر سامنے ہوں تو ضرورت بیان شمار اور وصف کی نہیں یعنی اگر دام موجود ہوں اور مشتری اشارہ کرے کہ انکے عوض فلاں چیز مول لی تو حاجت اس بات کی نہیں کہ دام کی مقدار اور وصف بھی بیان کرے اور اگر موجود نہوں اور اشارہ نکرے تب لازم ہے کہ شمار اور وصف دونوں بیان[۳] کرے مثلاً یوں کہے کہ دس روپیہ فلانے سکے کی عوض لیتا ہوں اور درست ہے نقد داموں بیچنا اور ادھار پر بیچنا بشرطیکہ دام کے ادا کا وقت معلوم ہو اور اگر بیع کر تمیں مول کے دام گول مول رکھے تو اس سے وہی سمجھے جاوینگے جو شہر میں اکثر چلتے ہوں اور اگر بہت سے سکے چلتے ہوں اور بیان نکرے کہ کون سے سکے کی ذرض بیع ہوئی تو یہ معاملہ فاسد ہوگا اور کھانیکی چیزوں مثلاً گیہوں جو وغیرہ کو ناپکر اور ڈھیری لگا کر

---

[۱] اور اگر دونوں یا ایک بصیغہ مضارع ہوں مثلاً ایک کہے کہ میں چیز اتنے کو بیچوں گا اور دوسرے نے کہا کہ میں اتنے کو خریدونگا تو یہ بیع نہو گی یا بیچنے والا صرف یہ کہے کہ میں یہ چیز اتنے کو بیچوں گا یا صرف خرید نیوالے کا قول بصیغہ مضارع ہو کہ میں یہ چیز اتنے کو خریدوں گا تو بیع نہو گی کیونکہ یہ بیچنے یا خریدنیکا وعدہ ہے نہ بیچنا یا خریدنے کا وعدہ ہے نہ بیچنا اور خریدنا ۱۲

[۲] اور اس بیع کو عربی میں بیع تعاطی کہتے ہیں جس کا آج کل بھی رواج ہے مثلاً پانچ پانچ امرود کی ڈھیری لگا دیتے ہیں اور ہر ڈھیری کا دام ایک پیسہ ہوتا ہے گاہک پیسہ ڈالدیتا ہے اور ایک ڈھیری اٹھا لیتا ہے نہ بائع کو کچھ کہنے کی ضرورت نہ مشتری کو اس قسم کی بیع جائز ہے ۱۲

[۳] کیونکہ معاملہ ختم ہونے کے بعد دام خواہ کرنا پڑینگے تو اگر شمار اور وصف نہ بیان کیا گیا ہوگا تو دونوں میں جھگڑا پڑیگا اور اس قسم کا معاملہ جس کے آخر میں جھگڑا پڑنے ناجائز ہے یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے ۱۲ سکے یعنی تفصیل نکرے کہ کونسا روپیہ خواہ ملیہ اسکا

اٹکل سے بیچنا اور ایک برتن خاص یا معین ناپ سے ناپ تول کر بیچنا درست ہے اگرچہ پیمانہ اس برتن کا اور وزن باٹ کا معلوم نہو اور اگر کوئی شخص اناج کا ڈھیر صاع[1] صاع بیچے ایک درم ٹھیراکر بیچے تو صرف ایک صاع کی بیع ہوگی ڈھیر کی نہوگی اور اگر بکریوں کا گلہ یا کپڑے کا تھان ہر بکری یا گز بیچے درم ٹھیراکر بیچے تو بیع کل کی فاسد ہوگی یعنی ایک بکری اور ایک گز کی بھی صحیح نہوگی ہاں اگر ان صورتوں میں بائع تعداد سب صاعوں اور بکریوں اور گزوں کی کہدیگا تو سب کی بیع درست ہوگی اگر بائع نے صاعوں کی تعداد بتاکر غلہ کا ڈھیر بیچا اور وہ مثلاً ایک پیمانہ کم نکلا تو مشتری چاہے حصہ رسد داموں سے لیلے یا راضی نہو تو واپس کر دے اور اگر تعداد سے زیادہ نکلے تو وہ بائع کا ہی مشتری کا نہیں اور اگر کپڑے کے تھان میں ایک گز مثلاً کم نکلے تو مشتری چاہے پورے دام کو لیلے خواہ سارا تھان نہ لے اور اگر زیادہ نکلے تو وہ مشتری کا ہے اور بائع کو اختیار نہیں کہ چاہے بیچے چاہے نہ بیچے اور اگر تھان کی قیمت میں بائع نے کہدیا کہ فی گز ایک درم کو ہے یعنی کل تعداد گزوں کی بھی بتاکر اتنے دام کہے اور اتنا جملہ کہا کہ فی گز ایک درم کو ہے اور اس صورت میں تھان مذکور کم نکلا تو مشتری کو چاہیے حصہ رسد داموں سے لیلے یا فسخ بیع کردے اور یہی حال ہی اگر تھان مذکور زیادہ نکلے خواہ حصہ رسد زیادتی کا دام اسکے حساب سے لگاکر زیادہ دیکر لیلے نہیں تو بیع توڑ دے اور اگر گھر میں سے دس گز زمین بیچے جسکی جگہ معلوم نہو تو بیع فاسد ہی لیکن اگر مکان کے سو حصے ہوں اور انمیں سے دس حصوں کی بیع کیجائے تو فاسد نہوگی بلکہ جائز ہوگی اور اگر ایک گٹھری اس شرط پر لی کہ اس میں دس تھان ہیں مگر اسمیں کم یا زیادہ نکلے تو دونوں صورتوں میں بیع فاسد ہی اور اسی صورت میں اگر ہر تھان کا دام جداگانہ بتادیا تو جس صورت میں دس سے کم نکلے تو اسی مقدار کی بیع صحیح ہوگی جتنی گٹھری میں ہونگی اور مشتری کو اختیار دیا جائیگا کہ چاہے حصہ رسد داموں سے اتنے تھانوں کو لیلے خواہ کل نہ لے اور اگر تھان زیادہ نکلیں گے مثلاً گیارہ یا بارہ تو بیع فاسد ہوگی اس لئے کہ اس صورت میں یہ معلوم نہیں کہ وہ دس جو فروخت ہوئے ہیں وہ کونسے ہیں اور اگر تھان کو یوں خرید اکہ دس گز کا ہے

---

[1] پیمانہ کا نام ہی جس میں اناج تین سیر آتا ہی سو روپیہ بھر سیر ۱۲ [2] یہ اس صورت میں ہے کہ کپڑے کا تھان یکساں ہو اور اگر یکساں نہو جیسے آج کل چھال ٹین کا تھان اور ترتیب کا تھان مثلاً تو جائز ہوگا اور بکریوں کے گلہ میں اسی وجہ سے جائز نہ ہوا کہ وہ آپس میں ایکدوسرے سے متفاوت ہونگی یکساں نہونگی اور یہی حکم ہی ان چیزوں کا جو آپس میں متفاوت ہوں اور شمار کرکے بکتی ہوں مثلاً ناشپاتی وغیرہ ۱۲ [3] کیونکہ لیسا اوقات اسکو اتنی تعداد کی ضرورت ہوگی جتنی معلوم کرکے اس نے خریدا تھا اور جب کم نکلا تو اسکو اختیار ہے کہ چاہے وہی کمی کا اسکو قبول کرلے اور اتنے ہی دام مجرا کرلے اور چاہے بیع کو فسخ کردے کیونکہ اتنی کمی کیلئے دوسری جگہ معاملہ کرتا پڑیگا پس کیوں جگہ جگہ معاملہ کرتا پھرے ۱۲ [4] کم نکلنے کی صورت میں اس وجہ سے بیع فاسد ہوگی کہ زر ثمن مجہول ہو جائیگا کیونکہ جس تھان کی کمی نکلی ہی معلوم نہیں کہ اس کی قیمت کیا ہوگی بائع اسکی قیمت کم لگائیگا کہ دام کم مجرا ہوں اور مشتری زیادہ لگائیگا تاکہ مجرا زیادہ ہوں اور دینا کم پڑیں پس جھگڑا ہوگا اور ایسے ہی زیادہ تھان نکلیں تو یہ معلوم نہیں کہ کونسا تھان اسمیں سے بکے ہیں بائع خراب خراب دینا چاہیگا اور مشتری اچھے اچھے لینا چاہیگا پس دونوں جھگڑا ہوگا اس لئے بیع فاسد ہوگی ۱۲-

فی گز ایک روپیہ کے حساب سے اور وہ ساڑھے دس گز کا نکلا تو مشتری کو دس روپیہ کے عوض لینا ہوگا اور پھیر دینے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر ساڑھے نو گز نکلے گا تو نو روپیہ کو لینا ہوگا اس اختیار کے ساتھ کہ چاہے لیلے چاہے نہ لے **فصل** ثمر کی فروخت میں بیان درختوں کی نیویں اور کنجیاں اور زمین کی بیع میں درخت بدون ذکر کیے آجاتے ہیں لیکن زمین کی بیع میں اس کی زراعت اور درخت کی بیع میں اس کا پھل بدون ذکر کیے شامل نہیں ہوتا اور اگر زمین اور درخت کی فروخت میں کہ کھیتی اور پھل کا نہ آوے تو بائع کو کہا جاویگا کہ اپنی کھیتی اور پھل کاٹ لے اور زمین خواہ درخت حوالے کرے اور پھل کو بیچنا درخت پر خواہ وہ کار آمد ہو گیا ہو یعنی گدرا گیا ہو یا نہ ہوا ہو درست ہے۔ اور مشتری اس پھل کو اسیوقت توڑ لے اور اگر بیع میں شرط کرلیگا کہ پھلوں کو درختوں پر رہنے دونگا تو بیع فاسد ہوگی اور امام شافعی رح کے نزدیک ایسے پھلوں کی بیع جو کار آمد نہوے ہوں درست نہیں اور امام اعظم رح کی دلیل قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ جو شخص نر کا شگوفہ ڈالنے کے بعد خرمے کا درخت خرید کرے تو اس کا پھل بائع کو ملیگا مگر اس صورت میں کہ مشتری شرط کرے کہ پھل بھی میں لونگا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خرمے کا پھل نر کا پھول ڈالنے کے بعد بیع کرنا درست ہے حالانکہ اسوقت وہ پھل کسی کام کا نہیں ہوتا جبتک کہ نہ گدرا جاوے اور درخت پر کے پھلوں کی بیع میں اگر بائع چند سیر معلوم علیحدہ رکھے مثلاً کہے کہ چار سیر نہ بیچونگا تو درست ہے اسیطرح صحیح ہے بیچنا گیہوں کا بالی میں اور لوبیہ کا چھلکے کے اندر اور مبیع یعنی بکی ہوئی چیز کے ناپنے کی مزدوری بائع کے ذمہ ہوگی اور داموں کے پرکھنے اور تولنے کی مشتری کے ذمہ اور جو شخص کچھ اسباب نقد کے عوض فروخت کرے تو اول اسباب مشتری کے حوالے کرے اور اگر ایسا ہو یعنی اسباب ہی کے عوض میں اسباب فروخت کرے تو دونوں ایک ساتھ ایک دوسرے کو چیز حوالے کریں اسلئے کہ دونوں اسباب قیمت بھی ہو سکتے ہیں اور اسباب بھی تو ساتھ ہی دینے چاہئیں **باب جاکر دیکھنے کے بیان میں** یعنی بائع اور مشتری کو اختیار ہونا کہ چاہے بیع رکھیں چاہے نہ رکھیں بائع اور مشتری دونوں کو خواہ ایک کو تین دن کا یا اس سے

---

۱ کیونکہ جو کچھ طے ہوا تھا اس میں کمی نہیں ہوئی پس لینا پڑیگا اور یہ اسی کپڑے میں ہے کہ یکساں ہو اور اگر پورا تھان یکساں ہیں جیسے آجکل لٹھا کہ ان کے تھان تو مشتری کو زیادہ لینا حلال نہوگا کیونکہ جتنا زیادہ ہے اتنا اتار کر بائع کو واپس کر دینے میں مشتری کا کچھ نقصان نہیں ۲ کیونکہ درختوں کے ساتھ پھل اور زمین کے ساتھ زراعت اگرچہ متصل ہے مگر علیحدہ کرنے کے لئے ہے نہ ہمیشہ باقی رکھنے کے لئے اور زمین سے ساتھ درخت جو متصل ہیں تو وہ زمین پر برقرار رکھنے کے لئے ہیں لہذا زمین کے تابع ہو کر درخت بکجائیں گے اور درخت کے تابع ہو کر پھل یا زمین کے تابع ہو کر کھیتی نہ بکیگی جبتک کہ انکے بیچنے کا ذکر نہ کر دیا جاوے ۳ کھجوروں میں دو قسم کے درخت ہوتے ہیں ایک نر اور ایک مادہ عرب والے یہ کیا کرتے تھے کہ نر درخت کا شگوفہ مادہ درخت پر پھل لانے کے وقت ڈالدیا کرتے تھے اس سے پھل بہت بڑھتا تھا اور اسکو عربی میں تابیر کہتے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ تابیر کیا کرتے تھے آپ نے منع فرمادیا لوگ باز رہے اسی سال کھجوریں بہت چھوٹی چھوٹی ہوئیں حضور نے سبب دریافت کیا لوگوں نے کہا کہ امسال تابیر نہیں کیگئی تابیر کرنے سے پھل زیادہ بڑھتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کسی شرعی مسئلہ کی رو سے منع نہیں کیا تھا تم تابیر کرو اپنی کھیتی کاشتکاری کے معاملہ میں تم زیادہ جانتے ہو ۴ بسا اوقات جاکر دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے اسکو عربی میں خیار شرط کہتے ہیں اور اصل اس بار میں ایک حدیث ہے ایک صحابی حبان نامی اکثر بیع میں دھوکہ کھایا کرتے تھے تو حضور نے ان کو

اُسکا اختیار درست ہے اور اگر زیادہ کا ہوگا تو زیادتی جائز نہوگی اور اس صورت میں بھی اگر تین دن کے اندر بیع
کے معاملہ کو درست رکھیں گے تو صحیح ہوگا اگر اس شرط پر بیچا کہ تین دن تک دام ندونگا تو بیع نہ ہوگی تو یہ شرط جائز
ہے اور چار دن کی اگر قید لگائیگا تو درست نہوگی لیکن باوجود چار دن کی قید کے اگر قیمت تین دن کے اندر ادا
کردیگا تو بیع درست ہوجاویگی اسلیئے کہ اگرچہ چار دن کا نام زبان سے لیا تھا مگر دام تین ہی دن میں دیدیے
تو گویا تین ہی دن کی شرط تھی بائع کا اختیار مبیع کو اسکی ملک سے باہر نہیں ہونے دیتا[۱] اور مشتری کے لیجانیکے بعد
اگر ہلاک ہوگی تو اس کی قیمت دینی آویگی جاننا چاہیئے کہ جو دام چیز کا مشتری اور بائع میں ٹھیرتا ہے اسکو
ثمن کہتے ہیں اور وہ چیز جتنے کی بازار میں ہو اسکو قیمت کہتے ہیں پس جس صورت میں بائع کا اختیار ہو اور مشتری
چیز لیجاوے اور اسکے پاس سے جاتی رہی تو مشتری کو ثمن دینا نہ آویگا بلکہ قیمت[۲] بازار کی دینی پڑیگی اور مشتری کا
اختیار بائع کی ملک سے نکلجانیکا مانع نہیں مگر مشتری بھی اس کا مالک نہیں ہوتا اور اس صورت میں اگر مبیع
جاتی رہیگی تو مشتری کو ثمن دینا پڑیگا جیسے مبیع کے عیبدار ہونیکی صورت میں یعنی اگر مشتری کا اختیار تھا اور وہ مبیع
کو لیکر چلا آیا اور اس کے پاس آکر مبیع میں کچھ عیب ہوگیا تو اس صورت میں بھی اسکو زرِ ثمن[۳] دینا پڑیگا بازاری قیمت
نہ لیجاویگی اور ایک مرد کی منکوحہ لونڈی تھی اس نے اسکے مالک سے اسکو اختیار پر خریدا تو نکاح ابھی باقی رہیگا
اسواسطے کہ وہ لونڈی اختیار کے باعث ابھی اسکی ملک میں نہیں آئی کہ نکاح ٹوٹ[۴] جاوے پس اگر وہ شخص اُس سے
صحبت کرے تو اس صورت میں بھی اُسکو اختیار واپس کردینے کا ہے اسلیئے کہ یہ صحبت پہلی نکاح کے سبب سے ہے نہ اس بیع
کے پسند ہونے کیلیئے اور جس شخص کو اختیار ہو وہ دوسرے پیٹھ پیچھے اگر معاملہ کو جائز رکھے تو درست ہے اور اگر فسخ
کریگا تو درست نہوگا[۵] یعنی بائع و مشتری میں سے جسکو اختیار ہو تو فسخ معاملہ کیلیئے دوسرے کا بھی موجود ہونا چاہیئے
اور اگر جس شخص کو اختیار تھا وہ مرجاوے یا مدت اختیار کی یعنی تین گذر جاویں تو عقد بیع کامل ہوجاتی ہے
اور اگر مبیع بردہ ہو اور مشتری اسکو آزاد کرے یا آزادی کے متعلق باتیں اسکے ساتھ کرے مثلاً اسکو مکاتب[۶]

---

[۱] کیونکہ بیع کی تمامیت فریقین کی رضامندی سے ہوتی تھی اور جب بائع نے اختیار رکھ لیا تو اسکی پوری رضامندی نہ پائی گئی پس مبیع اسکے ملک سے نہ نکلیگی اسی لئے اگر بائع مبیع کو اختیار کی صورت میں آزاد کردیگا تو آزادی نافذ ہوجائیگی اور مشتری کو اسمیں تصرف جائز نہوگا اگرچہ بائع کی اجازت سے مشتری نے اسپر قبضہ کرلیا ہو ۱۲ [۲] کیونکہ باقی نہیں رہی جو ثمن دینا پڑے بلکہ بیع فسخ ہوگئی اس لئے کہ بائع کے اختیار سے یعنی کیوجہ سے بیع موقوف تھی اور جب مبیع ہلاک ہوگئی مشتری کے پاس بیع کس چیز پر واقع ہوگی لہذا بیع فسخ ہوگئی اور مشتری کے پاس ہلاک ہونیکی وجہ سے مشتری کو قیمت دینا پڑیگی اور اگر بیع سے پاس ہلاک ہوئی تو مشتری کو کچھ نہ دینا پڑتا ۱۲ [۳] کیونکہ عیبدار ہوجانے سے اگر مشتری اپنے اختیار کی رو سے واپس کرنا چاہے تو نہیں واپس کرسکتا اسلیئے کہ جیسی لایا تھا ویسی واپس کرنا چاہیئے اور اب ویسی ہی نہیں لہذا بیع تمام ہوجائیگی اور ثمن ادا کرنا لازم ہوگا ۱۲ [۴] کیونکہ نکاح کے منافی ہے ملک آنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے ۱۲ [۵] کیونکہ اگر اختیار بائع کو ہوگا اور بائع بغیر علم مشتری کے فسخ کریگا تو بسا اوقات مشتری بیع سابق پر اعتماد کرکے اسمیں تصرف کر بیٹھیگا پس اسکو قیمت کا تاوان دینا پڑے گا۔ اور اگر اختیار مشتری کو ہوگا تو بائع اس سے مبیع نہ طلب کریگا اور یہ بھی ایک قسم کا ضرر ہے لہذا ایک کے فسخ کرنے کا دوسرے کو علم ہونا ضرور ہے ۱۲ [۶] مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس سے آقا کہدے کہ تو اگر اسقدر روپیہ دیدے تو تو آزاد ہے اور مدبر وہ ہے کہ آقا اس سے کہدے کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد

یا مدبر کر دی یا مبیع کی ملکیت کی جہت سے اسکے پاس کی زمین شفعی کی راہ سے لیوے تو اس سے بھی اگر مشتری نے اختیار لے رکھا تھا تو بیع پوری ہو جائیگی اور اگر مشتری دوسرے کیلئے اختیار کو شرط کرے مثلاً کہے کہ زید اگر پسند کریگا تو بیع منعقد ہوگی ورنہ نہوگی تو درست ہے اور اس صورت میں مشتری اور زید میں سے جونسا بیع کو جائز یا فسخ کر دیوے گا درست ہوگا اور اگر ایک جائز رکھے اور دوسرا فسخ کرے تو پہلے والے کی بات کا اعتبار ہوگا اور اگر دونوں کی بات ایک ہی ساتھ ہوئی ہوگی تو بیع فسخ رہیگی[۱] اور اگر بائع دو غلاموں کو اس شرط پر بیچے کہ ایک میں مجھکو اختیار ہے کہ اسکو علیحدہ اور معین کر دے تو یہ اختیار درست ہوگا ورنہ درست نہوگا اور معین کرنے کا اختیار چار سے کم درست ہے یعنی اگر تین چیزوں میں اختیار لیگا کہ جونسی چاہوں لیلوں تو درست ہوگا اور چار چیزوں میں جائز نہوگا[۲] جیسے اختیار تین کا درست ہے زیادہ کا نہیں اور اگر دو مشتریوں نے اختیار کی شرط پر کوئی چیز مول لی اور ایک انمیں سے راضی ہو گیا تو دوسرا بھی واپس نہیں کر سکتا یعنی اس کا اختیار بھی جاتا رہا اور ایک غلام اس شرط پر بیچا کہ وہ نانبائی یا کاتب ہے اور اسکے خلاف نکلا تو مشتری چاہے پورے داموں کو لیلے یا پھیر دے[۳] اسلئے کہ اسکے خلاف وصف ہیں انکے عوض میں دام نہ گھٹیگا۔

باب۔ دیکھنے کے اختیار کے بیان میں

جس چیز کو مشتری نے نہ دیکھا ہو اُسکا خرید لینا درست ہے مگر دیکھنے کے بعد اسکو پھیر دینے کا اختیار ہے گو پہلے راضی ہو چکا ہو اور اگر بائع اپنی چیز بے دیکھے بیچدے تو اُسکو دیکھنے کے بعد یہ اختیار نہیں کہ مشتری سے واپس کر لے اور دیکھنے کا اختیار انھیں باتوں سے باطل ہوتا ہے جنسے شرط کا اختیار جاتا رہتا ہے یعنی اختیار والے کے مرجانے یا تین دن گذر جانے وغیرہ سے دیکھنے کا اختیار جاتا رہتا ہے اور غلہ کے ڈھیر اور غلام کے منھ کا دیکھنا اور جانور کے منھ اور پیٹھ کا دیکھنا اور لپٹے ہوئے کپڑے کے اوپر کی تہ دیکھ لینی اور گھر کو اندر سے دیکھنا کافی ہے یعنی انکے دیکھنے کے بعد اختیار دیکھنے کی وجہ سے پھر نہ سکیگا اور مبیع کے لینے کیواسطے اگر مشتری نے کسی کو وکیل کیا ہو تو وکیل کا دیکھنا مثل مشتری کے دیکھنے کے ہے اختیار[۴] کے دور ہو جانیمیں مگر مشتری کے

---

[۱] کیونکہ جب ساتھ ہی ساتھ ایک فسخ کر رہا ہے اور دوسرا جائز رکھ رہا ہے تو فسخ کا اعتبار ہوگا کیونکہ اجازت سے فسخ میں قوت زیادہ ہے اس لئے کہ اجازت کو فسخ لاحق ہو سکتا ہے اور فسخ کو اجازت نہیں لاحق ہو سکتی ۱۲ [۲] کیونکہ اس قسم کے اختیار کی ضرورت پڑتی ہے اور ضرورت کی وجہ سے یہ اختیار جائز رکھا گیا اور ضرورت تین چیزوں میں رفع ہو جاتی ہے کیونکہ تین میں ایک اعلےٰ ایک اوسط اور ایک ادنیٰ پایا جائیگا جس کو چاہیگا اختیار کر لیگا اور چار کی ضرورت نہیں لہذا ان میں جائز نہ ہوگا ۱۲ [۳] مشتری کو پھیر دینے کا اختیار اس لئے ہے کہ اس نے جس وصف کی رغبت سے خریدا تھا وہ وصف نہ نکلا پس اس کی رضامندی متحقق نہ ہوئی لیکن اگر چاہے کہ ثمن سے کچھ کمی کر دے تو جائز نہیں کیونکہ ان اوصاف کے مقابلہ میں ثمن کا کوئی حصہ نہ تھا یہ اوصاف ضمناً طبعاً تھے ۱۲ [۴] یعنی عیب دار ہو جانے اور تصرف کر دینے سے بھی دیکھنے کا اختیار جاتا رہتا ہے ۱۲ [۵] یعنی دیکھنے کا اختیار دور ہو لیکن اگر مبیع میں کوئی عیب نکلا تو موکل کو پھیر دینے کا اختیار ہوگا خواہ وکیل اس عیب پر مطلع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو ۱۲ [۶] نانبائی وغیرہ ہونا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ اللہ تعالےٰ ۱۲

باب دیکھنے کے اختیار کے بیان میں

قاصد کا دیکھنا کافی نہیں یعنی اگر مشتری نے کسی کے ہاتھ پیام کہلا بھیجا ہو تو وہ اگر مبیع کو دیکھ تو اُس کے دیکھنے سے مشتری کا اختیار نہ جاویگا اندھا اگر بیع کا معاملہ کرے اور کوئی چیز مول لے تو درست ہے اور جب وہ کسی چیز کو ٹٹول لے یا سونگھ لے یا چکھ لے یعنی ایسی چیزوں کو جن کا حال ٹٹولنے خواہ سونگھنے خواہ چکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے یا زمین کا حال اس سے بیان کر دیا جاوے کہ اس طرح کی ہے تو اُسکا اختیار دیکھنے کا جاتا رہتا ہے[۱] اگر دو تھان خریدے جن میں سے ایک کو خریدنے کے پیشتر دیکھ لیا تھا اور دوسرے کے بعد خریدنے کے دیکھا تو ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں کو دیکھنے کے اختیار سے واپس کر دے اور دیکھنے کا اختیار اور شرط کا اختیار ورثہ میں نہیں آتا یعنی اگر اختیار والا مر جاتا ہے تو اسکے وارث کا اختیار نہیں رہتا[۲] کہ مبیع کو واپس کر دے مشتری نے اپنی دیکھی ہوئی چیز کو مول لیا پس اگر اس کا حال کچھ کا کچھ ہو گیا ہے تب مشتری کو دیکھنے کا اختیار ہوگا اور اگر جوں کا توں ہو تو اختیار نہ ہوگا پھر اگر مشتری کہے کہ مبیع کا حال بدل گیا اور بائع کہے کہ نہیں بدلا تو بائع کا قول معتبر ہے[۳] اور اگر دیکھنے میں دونوں کا اختلاف ہو تو مشتری کا قول معتبر ہے مثلاً مشتری کہے کہ میں نے بن دیکھے خریدا ہے اور بائع کہے کہ دیکھ کر خرید کیا ہے تو مشتری کی بات مانی جاوے گی اور ایک گٹھری تھانوں کی مول لی اور اسمیں سے ایک تھان بیچ ڈالا یا کسی کو ہبہ کر کے اسکے حوالے کر دیا تو اب عیب کے سبب تو پھیر سکتا ہے مگر دیکھنے کے اختیار اور شرط کے اختیار سے واپس نہ کر سکیگا اسلئے کہ ایک تھان میں تصرف مالکانہ کرنے سے اختیار جاتا رہا[۴]

باب عیب کے سبب سے اختیار ہونیکے بیان میں

مشتری اگر مبیع میں کچھ نقصان پائے تو چاہے پورے دام کو لیلے خواہ واپس کر دے اور عیب اس نقصان کو کہتے ہیں جس کے مبیع میں ہونے سے سوداگروں کے نزدیک اسکی قیمت کم ہو جائے جیسے غلام لونڈی میں بھاگنا اور بچھونے میں موت دینا اور چوری کرنا اور دیوانہ پن ہے اور خاص لونڈی میں منہ کی بدبو اور بغل کی بدبو اور زنا کار ہونا اور حرام کی اولاد ہونی ہے اور یہ چاروں چیزیں غلام میں عیب نہیں اور کافر ہونا دونوں میں عیب ہے اور حیض کا نہ آنا اور بیماری کا خون جاری رہنا اور

---

[۱] اور اگر ٹٹولنے والی چیز تھی اور نہیں ٹٹولا یا سونگھنے والی چیز تھی اور نہیں سونگھا یا چکھنے والی چیز تھی اور نہیں چکھا یا زمین کا وصف اسے نہیں بتایا گیا اسکو اختیار باقی ہے کہ ٹٹولنے اور سونگھنے اور چکھنے یا زمین کیحالت معلوم ہونیکے بعد واپس کر دے لیکن مناسب یہ ہے کہ وہ کسی کو وکیل بنائے پس وکیل کا دیکھنا اس کا دیکھنا ہوگا ۱۲ [۲] کیونکہ یہ دیکھنے کا اختیار منتقل ہونیکی صلاحیت نہیں رکھتا اور جو چیز کہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل نہ ہو سکتی ہو اسمیں وراثت جاری نہیں ہوتی ۱۲ [۳] یعنی قسم کے ساتھ بائع کی بات مانی جائے گی کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ چیز اپنی اصلی حالت پر رہے گی اور مشتری جو ایک نئی بات کا دعوے کرتا ہے کہ اسمیں تغیر پیدا ہو گیا ہے تو اسے ثابت کرے لیکن اگر اس چیز کو دیکھے ہوئے بہت زمانہ گذر گیا ہے تو مشتری کی بات مانی جائیگی کیونکہ بہت مدت گذر جانے سے ظاہر ہے کہ اس چیز میں کچھ نہ کچھ تغیر ضرور پیدا ہو گیا ہوگا ۱۲ [۴] اور وہ نقصان بائع کے یہاں ہوا اور مشتری نے خریدتے اور قبضہ کرتے وقت اس نقصان کو نہ دیکھا ہوگا کیونکہ اگر دیکھ لیا تھا تو رضامندی پائی گئی تھی اب اس نقصان کی وجہ سے واپس کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا ۱۲ [۵] اسلئے کہ لونڈی کو ساتھ سلانے اور اولاد کیلئے لیتے ہیں اور یہ باتیں غلام کے متعلق نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

برانی کھانسی اور دوسرے کا قرضدار ہونا اور بال اور پانی آنکھ میں ہونا عیب ہے پس اگر مشتری کے پاس اگر مبیع میں ایک اور عیب پیدا ہو جاوے تو مشتری پہلے عیب کا دام بائع سے پھیر لے[1] یا اگر بائع مبیع کے پھیر لینے پر راضی ہو تو پھیر دے اور اگر مشتری نے ایک تھان خرید کر قطع کیا پھر اسمیں عیب معلوم ہوا تو جس قدر عیب سے نقصان ہو وہ دام بائع سے پھیر لے اور اگر بائع قطع کیئے ہوے تھان کو لینا منظور کرے تو اسے اختیار ہے کہ پھیر لے اور اگر مشتری قطع کے بعد تھان کو بیچ ڈالے تو اب نقصان کا عوض بائع سے نہیں لے سکتا اگر کپڑا لیکر قطع کر کے سیا یا اسکو رنگ لیا یا ستو لیکر اسمیں گھی ملایا یا پھر کپڑے میں خواہ ستو میں عیب معلوم ہوا تو نقصان کا عوض بائع سے پھیر لے[2] جیسے اس صورت میں کہ عیب دیکھ کر مبیع کو بیچ ڈالے یا مبیع جو غلام عبد ہو تھا مر جاوے یا مشتری اسکو مفت آزاد کر دے نقصان کا عوض بائع سے لیویگا اور اگر مشتری غلام عبد کو مال کے بدلے آزاد کر دے یا اسکو جان سے مار ڈالے یا کھانا مول لیا تھا اسکو کھالے یا اسمیں سے کسیقدر کھالے تو نقصان کا عوض کچھ نہ پاویگا اور اگر کسی نے کھیرے یا انڈے یا اخروٹ مول لیے اور توڑ دیے ایسے خراب نکلے کہ کچھ کارآمد ہوں تب تو مشتری نقصان کا عوض بائع سے پاویگا[3] اور اگر بالکل کارآمد نہ ہوں تو تمام دام بائع سے پھیر لیگا[4] اور اگر مبیع کو مشتری نے بیچ ڈالا اور وہ کسی عیب کے باعث قاضی کے حکم سے مشتری کے پاس واپس آئی تو مشتری نے جس سے اسکو مول لیا ہو اسکو پھیر دے اور اگر مشتری نے اس چیز کو آپس کی رضامندی سے پھیر لیا ہو قاضی کے حکم سے نہ پھیرا ہو تو اب بائع اول کو واپس نہیں کر سکتا اگر مشتری نے مبیع کو قبضہ میں لا کر دعوی کیا کہ اسمیں عیب ہے تو اس پر ثمن کے دینے کے لئے جبر نہ کیا جائیگا[5] لیکن اس کو چاہیے کہ گواہ پیش کر کے عیب ثابت کرے یا اپنے بائع سے عیب نہ ہونیکی قسم لے پھر اگر مشتری کہے کہ میرے گواہ شام میں ہیں یعنی دور ہیں آ نہیں سکتے تو ثمن بائع کے حوالے کرے بشرطیکہ بائع قسم کھالے اگر مشتری دعوی کرے کہ جو غلام میں نے لیا ہے وہ بھگوڑا ہے تو بائع سے قسم نہ لیجاوے جبتک کہ مشتری اس بات کے گواہ

---

١ کیونکہ اگر بائع کو مبیع واپس کریگا تو اسمیں بائع کو ضرر پہنچیگا اسلیے کہ بائع کے پاس سے جب آئی تھی تو اس عیب سے پاک تھی جو مشتری کے یہاں پیدا ہوا ہے اور مشتری کو بھی ضرر دور کرنا ضروری ہے کہ اسنے دام اچھی چیز کے دیئے اور چیز ملی عیب والی لہذا یہ بات متعین ہو گئی کہ بائع سے اتنے دام مشتری کو واپس کرادیں جتنے کہ بائع کے یہاں کے عیب کے مقابلہ میں ہوں اور اگر بائع مبیع واپس لیکر کل دام پھیرنا چاہے تو پھیر دے کیونکہ اس نے مشتری کے یہاں کی عیب کی کچھ پرواہ نہیں کی اپنے نقصان پر راضی ہو گیا ۱۲ ٢ اس صورت میں صرف نقصان کا عوض بائع سے دلایا جاویگا اگر بائع کپڑا یا ستو واپس لینا چاہے تو واپس کرائے جائیں گے کیونکہ کپڑا سینے اور رنگنے اور ستو گھی میں گھولنے کے سبب مبیع میں زیادتی ہو گئی ۱۲ ٣ کیونکہ توڑنا بھی ایک عیب ہے جو مشتری کے یہاں پیدا ہوا ہے لہذا مبیع واپس نہیں کر سکتے نقصان کا عوض مشتری سے لے سکتا ہے اور جس صورت میں سب بیکار نکلے تو بیع باطل ہو جائیگی کیونکہ وہ مال نہیں لہذا سب دام واپس کرائے جائیں گے ۱۲ ٤ پہلے قاضی فیصلہ کریگا کہ مشتری ثمن ادا کر دے کیونکہ ممکن ہے مبیع میں عیب ثابت ہو جاوے اور اسکی وجہ سے مبیع واپس کیجاوے اور فیصلہ کو توڑ کر ثمن پھر مشتری کو واپس دلائے جائیں تو قاضی کے فیصلہ کا ٹوٹنا لازم آئیگا اور حتی الامکان قاضی کے فیصلہ کو ٹوٹنے سے بچایا جاتا ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

لاوے کہ یہ غلام میرے پاس سے بھاگا ہے اور جب وہ گواہ پیش کردے تو بائع سے قسم لیجاوے کہ بخدا میرے پاس سے کبھی نہیں بھاگا تھا اس لئے کہ اول تو چاہیئے کہ مشتری بھاگنے کا عیب غلام میں ثابت کرے اس سے بھی ضرورت اسکے گواہوں کی ہوئی جب وہ عیب ثابت ہو چکا تو اب بائع اس بات کی قسم کھاوے کہ یہ عیب میرے پاس نہیں تھا اب نیا پیدا ہوا ہے اس عیب کے سبب سے مشتری کا حق پھیرنیکا نہیں اور مقبوض چیز کی مقدار میں قول قابض کا یعنی مشتری کا معتبر ہے مثلاً مشتری نے ایک تھان لیا اور عیب کے باعث اسکو پھیرنا چاہا اور بائع نے کہا کہ بیس گز کا تھا اور مشتری نے کہا اٹھارہ گز تو مشتری ہی کا قول معتبر ہے اگر دو غلام ایک عقد میں مول لیے اور ایک پر قبضہ کیا اور ان دونوں میں سے کسی میں عیب معلوم ہوا تو چاہیے دونوں کو لے یا دونوں کو پھیر دے اس لئے کہ جب ایک عقد میں لئے ہیں تو دونوں کا حکم ایک چیز کا ہے اور اگر ایسی چیز مول لے جو ناپ یا تول سے بکتی ہے اور اس میں سے کسیقدر میں عیب پایا تو خواہ سارے کو واپس کرے خواہ سب کو لیلے یہ نہیں ہو سکتا کہ اچھے کو رہنے دے اور عیبدار کو واپس کرے اور اگر مبیع میں سے کسی قدر دوسرے کی ملک نکل آوے تو مشتری کو اختیار نہ ہوگا کہ باقی مبیع بائع کو پھیر دے ہاں اگر مبیع کپڑا ہو کہ اسمیں تھوڑا دوسرے کا ہو تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ باقی کو واپس کرے اس لیے کہ ایک کپڑے میں شرکت ہونے سے اس سے نفع نہیں لے سکے گا اگر کپڑا مول لیکر عیب دیکھا اور اس کو پہن لیا یا عیبدار سواری پر اپنے کام کو سوار ہوا یا اس کے مرض کا علاج کیا تو اس سے عیب پر راضی ہونا پایا جائیگا اور اگر سواری کے پانی پلانے کو یا بائع کے پاس لیجانیکو یا اس کے لئے گھاس خریدنے کو سوار ہوگا تو اس سے رضامندی عیب کی معلوم ہوگی اور اگر مبیع غلام نے بائع کے یہاں چوری کی تھی اور جب مشتری نے اسپر اپنا قبضہ کیا تو اس چوری کی علت میں اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو مشتری اس غلام کو پھیر دے اور بائع سے قیمت واپس لیلے اور اگر بائع نے بیع کے وقت کہدیا کہ میں مبیع کے سب عیبوں سے بری ہوں گو سب کا نام نہ لیا تو یہ کہنا درست ہوگا اور پھر کسی عیب کی جہت سے پھیر نہ سکیگا یعنی اگر اس نے اول کہدیا کہ مبیع

ؔ۱ اور بائع کو یہ قسم نہ کھلائی جائے کہ قسم خدا کی میں نے یہ غلام بیچا اور اسمیں بھاگنے کا عیب نہ تھا کیونکہ ممکن ہے کہ بیچتے وقت یہ عیب نہ ہو اور بیچنے کے بعد حوالہ کرنے سے پہلے پیدا ہو گیا اس صورت میں بھی مشتری کو پھیر دینے کا حق ہے پس قسم میں بائع یہ تاویل کر لیگا کہ بیچتے وقت نہ تھا پھر سپرد کرنے سے پہلے پیدا ہو گیا تو مشتری کی حق تلفی ہو گی اور اس قسم میں جو متن میں مذکور ہوئی اسمیں تاویل کی گنجایش نہیں ۱۲ ؔ۲ اور اس صورت میں ہے کہ سب کو ایک ظرف میں خریدا ہو اگر دو ظرف میں اور جدا جدا خریدا ہو اور ایک میں عیب پایا تو جائز ہے کہ جسمیں عیب نکلا ہے واپس کر دے اور جو عیب سے سالم ہے رکھ لے ۱۲ ؔ۳ اور اس عیب کی وجہ سے واپسی کا حق باقی نہ رہیگا۔ بخلاف خیار شرط کے کہ اگر خیار شرط ہوگا تو پہنے یا سوار ہونے سے ساقط نہ ہوگا ۱۲ ؔ۴ یعنے جب بائع کے یہاں تھا تو کسی شخص کا مال چرایا تھا اور جب مشتری کے یہاں آیا تو اس چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹا گیا اور اگر مشتری کے یہاں آ کر پھر کسی کی چوری کی اور دونوں چوریوں کے سبب سے ہاتھ کاٹا گیا تو مشتری غلام کو نہیں پھیر سکتا اسلئے کہ اسکے یہاں سے بھی یہ عیب پیدا ہوا ہے البتہ غلام کی چوتھائی مول بائع سے واپس لیلے کیونکہ ایک ہاتھ بمنزلہ نصف مول کے ہوا اور نصف مول کا نقصان دونوں برداشت کریں پس چوتھائی مول بائع برداشت کرے اور مشتری کو حوالہ کرے اور اگر بائع واپس کرنے پر راضی ہو تو وہ واپس

کے علاوہ جتنی نقصان ہو اس قدر مشتری کو واپس کرے ۱۲

باب بیع فاسد کے بیان میں

ہیں جو عیب ہو مجھ سے سروکار نہیں نہ اس کا مواخذہ مجھ سے چاہیے تو اگرچہ وہ سب عیبوں کا نام نہ لے تاہم کسی عیب کی جہت سے مشتری کو اختیار مبیع کے پھیرنیکا نہیں رہتا۔ **باب بیع فاسد کے بیان میں**۔ بیع مُردار کی اور خون اور سور اور شراب اور آزاد شخص اور ام ولد اور مدبر اور مکاتب کی ناجائز ہے پس اگر یہ چیزیں مشتری کے پاس سے جاتی رہیں گی تو انکی قیمت نہ دینی پڑے گی۔ اور مچھلی کو شکار کرنے سے پہلے بیچنا اور ہوا میں اُڑتے جانور کو اور پیٹ میں کے بچہ کو اور اس بچہ کے بچہ کو اور تھنوں کے اندر دُودھ کو اور سیپ کے اندر موتی کو اور بکریوں کی پیٹھوں کو اور چھت کے اندر کی ایک کڑی کو اور تھان میں سے ایک گز کو فروخت کرنا اور شکاری کا اس طرح بیچنا کہ جو اس دفعہ میرے جال میں آوے اسکو اتنے کو بیچتا ہوں یہ سب صورتیں ناجائز ہیں اسلیے کہ مبیع سب صورتوں میں معلوم نہیں اسلیے بیع فاسد ہے اور بیع مزابنت درست نہیں اور صورت اسکی یہ ہے کہ درخت پر کے میوے کو ٹوٹے ہوئے میوے کے ساتھ اٹکل سے بیچے اور نہ ملامست درست ہے بائع یا مشتری کہے کہ اگر میں تجھکو یا تیرے کپڑے کو ہاتھ لگا دوں تو بیع ہم میں اور تم میں ہو جاوے اور کنکر مارنے سے بھی بیع ناجائز ہے اس طرح کہ بائع یا مشتری کہے کہ اگر میں اس مبیع یا تجھپر کنکر ماروں تو ہم میں بیع لازم ہو جاوے یہ تینوں عقد کافروں کی معمول تھیں کہ بدون رضامندی ایکطرف کے لازم ہو جاتی تھیں یہ سب فاسد ہیں اور دو کپڑوں میں ایک کو فروخت کرنا اس طرح کہ معین نہ کرے کہ کونسا فروخت کرتا ہوں اور چراگاہ کو بیچنا اور اسکو ٹھیکہ پر دینا اور شہد کی مکھی کا فروخت کرنا جائز نہیں اور ریشم کے کیڑے کو اور اس کے انڈوں کو بیچنا درست ہے۔ اور بھاگے ہوئے غلام کی بیع جائز نہیں لیکن اگر ایسے شخص کے ہاتھ بیچے جس کے پاس اُس غلام کے ہونیکا گمان ہو تو درست ہے۔ عورت کے دودھ کی بیع اور سور کے بالونکی درست نہیں ہاں بالوں کو موزے وغیرہ کے سینے میں استعمال کرنا درست ہے۔ اور آدمی کے بالوں کا بیچنا اور اُنسے کوئی کام لینا درست نہیں مردہ جانور کی کھال کو دباغت سے پہلے بیچنا درست نہیں اور بعد دباغت

ف ۱ اور اس مسئلہ میں امام شافعی رح کا اختلاف ہے انکے نزدیک اس قسم کی برئت معتبر نہیں جہالت کیوجہ سے کیونکہ انکے نزدیک برئت میں تملیک کے معنی ہیں اور نامعلوم چیز کی تملیک جائز نہیں اور ہمارے نزدیک اگرچہ برئت تملیک کے معنے کو شامل ہو لیکن اس قسم کی برئت سے کچھ جھگڑا نہ پڑیگا پس مفسد نہ ہوگی ۱۲ ف ۲ یا شکار کرنے کے بعد کسی ایسے بڑے حوض میں ڈالدیا کہ پھر شکار کئے بغیر نہیں پکڑ سکتے تو بھی بیع ناجائز ہوگی کیونکہ اس کا حوالہ کرنا امکان سے باہر ہوگیا اور اگر ایسے چھوٹے حوض میں پکڑ کر ڈالدی کہ پھر جب چاہے ہاتھوں سے نکال لے تو انکی بیع جائز ہوگی ۱۲ ف ۳ کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع مزابنت سے منع فرمایا ہے اور صورت مزابنت کی وہی ہے جو متن میں مذکور ہوئی ۱۲ ف ۴ نیز ان تینوں بیعوں میں قمار یعنی جوے کے معنی پائے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے ۱۲ ف ۵ اور مراد چراگاہ سے چراگاہ کی گھاس ہے۔ اس کی بیع اس لئے جائز نہیں کہ وہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں تمام لوگ اسکو استعمال کر سکتے ہیں سبھوں کا حق ہے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین چیزیں ہیں جسمیں تمام لوگ شریک ہیں پانی اور گھاس اور آگ اور مراد پانی سے کنوئیں اور دریا کا پانی ہے اور گھاس وہ ہے جو بلا تردد خود اگی ہو ف ۶ کچے چمڑے کو پکانے یا کما نے سے بو کے دور کرنیکو دباغت کہتے ہیں عفی عنہ ملیح آبادی

کے اُسکو بیچنا اور کام میں لانا درست ہے۔ اسی طرح مردار جانور کی ہڈی اور پٹھے اور اون اور سینگ اور بالوں سے نفع لینا جائز ہے بالاخانہ جو گر گیا ہو اس کی بیع[ا] اور پانی کے بہنے کے حق کو بیچنا اور ہبہ کرنا اور لونڈی کی بیع جو بیچے کو غلام معلوم ہو اور غلام کی بیع جو بیچے کو لونڈی معلوم ہو درست نہیں یعنی ایک بردہ اس شرط سے لیا کہ لونڈی ہے پھر معلوم ہوا کہ وہ غلام تھا یا اس کا الٹا ہوا کہ غلام جان کر لیا اور لونڈی نکلی تو بیع درست نہوئی مبیع کو کمتر قیمت پر خرید نا وصول قیمت سے پیشتر درست نہیں ہاں اگر مبیع کے ساتھ کوئی اور چیز ملی ہو تو اس میں ایسا کرنا جائز ہے اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ بائع نے ایک گھوڑا سو کو بیچا اور ہنوز اس سے دام نہیں لیا کہ اُسی گھوڑے کو پچاس کے عوض اس سے خرید لیا تو یہ پچھلی بیع ناجائز ہوئی[ا] اسلئے کہ پچاس مشتری سے مفت لیتا ہے اور اگر اس گھوڑے کیساتھ دوسرا گھوڑا مثلاً مشتری سے خرید کیا تو بیع مذکور درست ہوگی تیل کو اس طرح بیچا کہ مع برتن تول لینگے اور ہر برتن کے عوض پانچ دھڑی کم دینگے برتن اسقدر ہو یا نہو درست نہیں ہاں اگر یہ ٹھیرے کہ جسقدر خالی برتن کا وزن ہوگا اسقدر تیل میں سے کم کر دینگے تو درست ہے اور اگر بائع اور مشتری تیل کی مشک کے وزن میں اختلاف کریں کہ مشتری کہے کہ دو سیر ہے اور بائع ایک سیر بتاوے تو مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر مسلمان کسی ذمی کو شراب خریدنے اور بیچنے کو کہدے تو درست ہے لونڈی کو اس شرط پر بیچا کہ مشتری اُسکو آزاد کرے یا مدبر[۲] یا مکاتب یا ام ولد بنادے درست نہیں لونڈی کو بیچا اور اس کے پیٹ کے بچے کو نہ بیچا یا اس شرط پر بیچا کہ ایک مہینہ بائع اس سے خدمت لیگا درست نہیں مکان کو اس شرط سے بیچا کہ بائع اس میں رہا کریگا یا مشتری کچھ روپیہ بائع کو قرض دے یا اسکو کچھ تحفے بھیجے یا اتنی مدت کے بعد حوالے مشتری کے کریگا اسوقت تک اپنے تصرف میں رکھیگا کپڑے کو اس شرط پر بیچا کہ بائع اسکو قطع کر کے کرتہ سی دے درست نہیں جوتی کو اس شرط سے مول لیا کہ بائع اُن کو کاٹ کر برابر کر دے اور اسمیں تسمہ لگا دے درست ہے قیمت ادا کرنے کے لئے یہ کہنا کہ نوروز

ا شافعی رح کے نزدیک اس قسم کی بیع جائز ہے کیونکہ مشتری نے جب اسپر قبضہ کر لیا تو اس کی ملک تمام ہو گئی پس اگر کسی غیر کے ہاتھ بیچتا تو بیع جائز ہوتی اسی طرح اگر بائع کے ہاتھ پچاس کے عوض بیچڈالا تو بھی بیع جائز ہوگی اور دلیل ہماری حضرت عائشہ رض کا قول ہے جسوقت کہ ایک عورت بی بی عائشہ رض کے پاس آئی اور کہا کہ میں نے آٹھ سو کو ایک لونڈی زید بن ارقم سے خرید کی تھی اور پھر انہیں کے ہاتھ چھ سو کو بیچڈالی تو حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ تو نے بری خرید و فروخت کی اور زید بن ارقم کو پہنچا دے کہ اللہ تعالیٰ تیرا حج اور جہاد باطل کر دیگا اگر توبہ نہ کرے گا اس سے اس قسم کی بیع کا فاسد ہونا معلوم ہوا ۱۲ ۲ کیونکہ یہ شرط معاملہ بیع کے مناسب ہے اور پہلے والی شرط خلاف تھی ۱۲ ۳ مدبرہ وہ لونڈی ہے کہ آقا اُس سے کہدے کہ تو بعد مرنے کے آزاد ہے اور مکاتب وہ کہ اس کی آزادی کچھ روپیہ ادا کرنے پر منحصر کرے اور ام ولد وہ کہ جس سے آقا کی اولاد ہو ۱۲ ۴ قیاس تو یہی چاہتا تھا کہ یہ بیع بھی جائز نہ ہو کیونکہ یہ شرط بھی معاملہ بیع کے مناسب نہیں جیسا کہ اوپر کی شرطیں خلاف تھیں اور بیع جائز نہ ہوئی لیکن چونکہ جوتی میں اس قسم کا عملدر آمد سلف سے چلا آتا ہے لہذا بیع درست رہی ۱۲ ۵ یعنے مکان کے اوپر بالاخانہ بنانے کے حق کو فروخت کرنا درست نہیں اس لئے کہ حق محض ہے کچھ مال نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ اللهم اغفر لكاتبه ولوالديه

اور مہرگان اور نصاریٰ کے روزوں اور یہودیوں کی عید تک بیچنا درست نہیں بشرطیکہ بائع و مشتری کو یہ دن معلوم نہ ہوں[۱]۔ جاننا چاہیے کہ جب گرمی کے بیشتر دن اور رات برابر ہوتے ہیں اُس دن کو نوروز کہتے ہیں اور جاڑے سے پیشتر اگر برابر ہوتے ہیں تو اسکو مہرگان کہتے ہیں اور جائز نہیں یہ کہنا کہ حاجیوں کی آمد تک اور کھیت کے کٹنے اور ہوائیں چلنے تک بیچو ڈوٹنے تک دینگے اور اگر ان وقتوں تک کسی کا ضامن ہو تو درست ہے[۲] اور اگر وعدہ ان وقتوں تک کیا اور ہنوز یہ وقت نہیں آئے تھے کہ مدت کو ساقط کر دیا یعنی دام پہلے دیدیے تو درست ہو جائیگا اور اگر بائع آزاد اور غلام کو ملا کر بیچے یا ذبح کی ہوئی بکری کا اور مردار کو ایک ساتھ کر کے بیع کر دے تو دونوں کی بیع باطل ہے اور اگر غلام کو مدبر کے ساتھ خواہ کسی دوسرے غلام کے ساتھ ملا کر فروخت کرے یا اپنی ملک کو وقف کے ساتھ ملا کر بیچے تو غلام اور ملک کی بیع درست ہو گی[۳] مدبر اور دوسرے کے غلام اور وقف کی بیع نہ ہو گی ؂

فصل جس صورت میں کہ بیع فاسد ہو اور مشتری بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کرے اور مبیع اور ثمن دونوں مال ہوں تو مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے[۴] اگر قیمت بازار وہی آتی ہے ثمن جو آپس میں ٹھیرا تھا نہیں دینا آتا اور مشتری اور بائع میں سے ہر ایک کو اُس بیع کے فسخ کر دینے کا اختیار ہے بسبب لیکن اگر مشتری مبیع کو کسی اور کے ہاتھ بیچ دے خواہ ہبہ کر دے یا مبیع غلام ہو اور اسکو آزاد کرے یا زمین مبیع پر عمارت بنا لے تو ان صورتوں میں فسخ نہیں ہے[۵] بیع فاسد میں مشتری کو اختیار ہے کہ مبیع کو روک رکھے اور بائع کو نہ دے جب تک بائع سے اپنا دیا ہوا ثمن واپس نہ کرلے بائع کو اگر ثمن سے کچھ نفع ہوا ہو تجارت وغیرہ کرنے سے تو اسکو حلال ہے اور مشتری کو اگر مبیع سے کچھ فائدہ ہوا ہو تو درست نہیں[۶] ایک شخص نے دوسرے پر کچھ روپیوں کا دعوے کیا اور اس نے مدعی کے حوالے کر دیئے پھر دونوں سچ پر آ گئے یعنی اقرار کیا کہ مدعی کا کچھ مدعا علیہ کے ذمے نہ تھا اور جو کچھ اُس سے مدعی نے لیا تھا پھیر دیا تو جو کچھ مدعی کو ان روپیوں سے فائدہ

---

[۱] اور اگر بائع مشتری دونوں کو یہ دن معلوم ہیں تو بیع جائز ہو گی کیونکہ مدت مجہول نہیں ہے جس سے جھگڑا ہونے کا خوف ہو

[۲] کیونکہ ضمانت میں تھوڑی جہالت مضر نہیں اور ایسے ہی اگر بیع مطلق کی اور پھر بعد کو ثمن کی ادائی کے لیے یہ مدت مقرر کی تو جائز ہے کیونکہ دین میں بھی مثل ضمانت کے تھوڑی جہالت مدت میں مضر نہیں اور اصل معاملہ میں شرط کرنا مفسد ہے لہذا معاملہ فاسد ہو جائیگا ۱۲

[۳] یہی حال ہے مکاتب اور ام ولد کا کہ اگر غلام کو مکاتب یا ام ولد کے ساتھ ملا کر بیچا تو غلام کی بیع درست ہو جاویگی اور مکاتب اور ام ولد کی نہ ہو گی ۱۲

[۴] کیونکہ مشتری اس کا مالک ہو گیا تھا اس کا تصرف اس میں صحیح ہو گیا اب بائع کو واپسی کا حق نہیں ہے ۱۲

[۵] کیونکہ مبیع ایک معین چیز ہے پس مبیع سے جو معاملہ کریگا اس کا تعلق اسی مبیع سے ہو گا جو بیع فاسد سے خریدی ہے پس اس کے نفع میں خباثت آ جائے گی اور ثمن یعنی روپیہ پیسے متعین نہیں ہوتے پس ان سے جو معاملہ کریں گے تو اس معاملہ کا تعلق بعینہ انھیں روپیوں کے ساتھ نہ ہو گا۔ لہذا جو نفع حاصل ہو گا اس میں کچھ خباثت نہ ہو گی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ؂ ؂ ؂

ہوا ہو وہ مدّعی کو جلال ہے مال کی قیمت زیادہ کہہ دینی[۱] اس غرض سے کہ دوسرے کو رغبت خریداری کی ہو جاوے اور در واقع میں اپنے آپ اسکو نہ لینا چاہتا ہو مکروہ ہے اگر کسی چیز کو دوسرا شخص خرید کرتا ہو تو بیچ میں اسکو آپ خرید لینا مکروہ ہے بشرطیکہ بائع دوسرے کے دینے پر راضی اور مائل ہو سوداگروں کے قافلہ آگے جا کر ملنا کہ چیز ارزاں خرید کرے مکروہ ہے[۲]۔ باہر کا شخص اگر اسباب لاوے اور اسکو کوئی شہری اسکی طرف سے فروخت کرے اس نظر سے کہ دیر کر کے اور گراں بیچوں گا مکروہ ہے[۳] جمعہ کی اذان کیوقت خرید و فروخت کرنا مکروہ ہے اسطرح پر فروخت کرنا مکروہ نہیں کہ جو دام زیادہ دے وہ چیز لیوے جیسے نیلام ہوتا ہے جن دو بردوں میں قرابت قریب ہو اور ایک صغیر سن ہو ان کے بیچنے میں جدا نہ کرنا چاہیئے مثلاً ماں بیٹے کو بہن بھائی کو دو شخصوں کے ہاتھ نہ بیچے[۴] بخلاف بڑی عمر والوں اور خاوند بی بی کے انکو فروخت کر کے علیحدہ کر دینا کچھ مضائقہ نہیں۔

باب۔ اقالہ یعنی بیع کے واپس کرنے کے بیان میں

اقالہ کرنا بائع اور مشتری کے حق میں تو پہلی بیع کا فسخ ہے اور تیسرے شخص کے حق میں نئی بیع ہے یہانتک کہ اگر تیسرے شخص نے بیع اول کے وقت اپنا حق شفعہ دور کر دیا ہو اور اقالہ کے سبب سے پھر دعوے کرے تو درست ہوگا اور حق شفعہ اقالہ کی جہت سے ثابت ہوگا۔ اقالہ اتنی ہی قیمت کو درست ہے جو اول مقرر ہوئی تھی اس سے زیادہ یا کم ٹھیرانا بدون کسی زیادتی یا عیب کے مبیع میں لغو ہے یعنی اگر اقالے میں یہ شرط کر لی کہ دام واپس کرینگے یا زیادہ دینگے حالانکہ مبیع جوں کی توں ہے اسمیں کمی بیشی نہیں ہوئی تو بائع کو وہی دام پھیرنے لازم ہونگے جو مشتری سے لیے ہیں اور ثمن کا جاتا رہنا اقالے کا مانع نہیں مگر مبیع کا ہلاک ہو جانا اقالے کا مانع ہے اور اگر مبیع میں سے کسیقدر تلف ہو جاوے تو اُسیقدر کا اقالہ نہو سکیگا باقی کا درست ہوگا۔

باب۔ تولیہ اور مرابحت کے بیان میں

اتنے دام پر بیچنا جتنے کو خرید کیا ہو تولیہ کہلاتا ہے اور پہلی خرید پر نفع لگا کر بیچنا مرابحت کہلاتا ہے اور شرط ان دونوں کی یعنی تولیہ اور مرابحت کی یہ ہے کہ پہلی قیمت

---

[۱] اسکو عربی میں نجش ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے ۱۲ [۲] یہ کراہت اس صورت میں ہے کہ شہر والوں کو اس سے نقصان پہنچے مثلاً شہر والے قحط زدہ ہیں اور غلہ کے تاجروں سے جو آرہے ہیں آگے ہی آگے پہنچکر غلہ خرید لیا یا اگر ان شہر والوں کو ضرر تو نہیں پہونچتا ہے مگر ان قافلہ والوں سے بھاؤ غلط بتا کر کہ شہر میں یہ بھاؤ ہے ارزان غلہ خرید لیا تو یہ بیع مکروہ ہے اور جھوٹ و فریب وہی کا گناہ ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ [۳] اور اگر اس نظر سے نہ بیچے تو مضائقہ نہیں ۱۲ [۴] کیونکہ ان دونوں میں آپس میں انسیت ہونے کے باعث علیحدگی میں تکلیف ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص درمیان ماں بیٹے کے علیحدگی کرے تو اللہ تعالے اس کے اور اس کے دوستوں کے درمیان علیحدگی کرے گا قیامت میں ۱۲ [۵] اور ان دونوں قسموں میں بیع کی ضرورت پڑتی ہے لہذا شرع نے جائز رکھا کیونکہ بہت سے لوگ جن کو بیع و شرا میں ڈھب نہیں ہوتا ہے انہیں ضرورت پڑتی ہے کہ واقف کار کی خریدی ہوئی چیز کو اتنے ہی دام یا کچھ نفع دیکر خرید لیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ☆ اللھم اغفر لکاتبہ ولوالدیہ

مشتری نے دی تھی مثلی ہو یعنی ایسی چیز ہو کہ اسکے تلف سے ویسی ہی دینی آوے قیمت والی چیزوں میں نہو جن کے جاتے رہنے سے قیمت دینی آتی ہے جو شخص تولیہ کرنا چاہے وہ اصل مال پر دھوبی کی اجرت اور رنگائی اور ترنج بنانے اور پھندنے بانٹنے اور باربرداری غلہ اور رہنکائی بکریوں کی زیادہ کرلے اور خرید ا ہی بیچنے کیوقت کہے کہ یہ مال مجھ کو اتنے میں پڑا ہے یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے کو خریدا ہے اسلیئے کہ جھوٹ ہوگا اور گائے بکری کے چرانیوالے کی مزدوری اور غلام کو قرآن اور حساب پڑھانیوالی کی اجرت اور جس گھر میں مال کی حفاظت کی ہو اسکا کرایہ اصل مال پر زیادہ نکرے پس اگر مشتری اول مراجحت کیصورت میں دغا کرے یعنی قیمت زیادہ بتلائے اور اسپر نفع لینا چاہے تو مشتری دوم کو اختیار ہے چاہے کل قیمت کو جو اول مشتری بتاتا ہے چیز لیلے یا واپس کردے لیکن اگر تولیہ میں خیانت معلوم ہو تو جسقدر مشتری اول نے دام زیادہ کہے ہوں اُتنے کم کر کے حوالے کرے[۲] اور جو شخص کہ کوئی تھان وغیرہ خریدے اور پھر اسکو مراجحت یعنی نفع سے بیچے مثلاً سو کو خریدا اور بیس نفع ٹھیرا کر ایک سو بیس کو بیچا پھر اس کو بعوض سو کے خود مول لے لیا اب اگر اسکو کسی کے ہاتھ نفع ٹھیرا کر بیچے تو چاہیئے کہ پہلی دفعہ کی فروخت میں جو نفع لیا ہے اسکو اس دوبارہ کی قیمت میں سے منہا کرے اور باقی کو اصل مال سمجھے مثلاً مثال مذکور میں اصل مال اسی تصور کرے یعنی پہلے جو بیس روپیہ نفع لے چکا ہے وہ اس سو میں سے منہا کردے اور اگر پہلے کا نفع ثمن کے برابر خواہ زاید ہو تو مشتری کو نہ چاہیے کہ اسکو نفع ٹھیرا کر بیچے بلکہ از سر نو جتنے کو چاہیے فروخت کرے مثلاً اوپر کی مثال میں اگر اول بار اُسنے سو کو خرید کر ایکسو بیس کو بیچا پھر خرید کر ایک سو تیس کو تینوں دفع کا نفع ملکر پورے سو ہوگئے جو اصل دام تھا تو اس صورت میں مراجحت نہیں کر سکتا اس لیئے کہ اصل مال اب کچھ نہیں رہتا اگر غلام کو مالک کی اجازت تجارت کیلیئے ہے اور غلام مذکور[۳] قرضدار ہو اور ایک کپڑا دس روپیہ کو لیکر اپنے آقا کے ہاتھ پندرہ کو بیچے تو مالک اگر اس کپڑے کو مراجحت بیچنا چاہے تو اصل مال کو دس روپیہ قرار دے اور ایسا ہی اس کا عکس ہے یعنی اگر مالک دس کو لیکر غلام کے ہاتھ پندرہ

ف۱ اس لیئے اگر وہ چیز جو مشتری اول نے ثمن میں ادا کی ہے قیمت والی چیزوں میں ہوگی تو یہ مشتری ثانی اسے کیونکر ادا کرے گا مثلی ہے نہیں جو اس کا مثل ادا کردے اور قیمت معلوم نہیں اگر اندازے سے قیمت لگائے گا تو بھی مشکوک ہے لہذا معتبر نہیں پس مثلی ہونا ضرور ہوا ۱۲ ف۲ کیونکہ تولیہ میں اگر اتنے دام کم نہ کریگا تو تولیت نہ رہیگی بلکہ مراجحت ہو جائیگی اور تصرف بالکل پلٹ گیا لہذا جتنے دام خیانت کر کے زیادہ بتائے گئے اتنے کم کرکے ضرور ہوا اور مراجحت کی صورت میں اگر بقدر خیانت دام نہ کیئے جائیں تو بھی معاملہ مراجحت ہی رہیگا البتہ نفع میں کمی زیادتی کا فرق رہیگا اگر بقدر خیانت دام کم کر لیئے گئے تو مشتری اول کو کم نفع ملیگا اگر کم نہ کیئے گئے تو زیادہ نفع ملیگا ف۳ یعنی اتنا قرضدار ہو کہ قرضہ اس کی برابر پہنچ چکا ہو کیونکہ اس صورت میں غلام قرضخواہوں کا سمجھا جاتا ہے اور وہ مالک سے جو معاملہ کریگا اس کا اعتبار کیا جاویگا بخلاف اس صورت کے کہ غلام قرضدار نہ ہو یا تھوڑا قرض ہو تو اس کا اپنے مولا سے معاملہ کرنا کچھ مفید نہ ہوگا۔ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

کو بیچے اور وہ غلام کے نفع پر بیچنا چاہے تو اصل قیمت دس بتلاوے پندرہ نہ کہے اور اگر خریدار مضارب ہو جو دوسرے کے روپیہ سے نصف نفع پر تجارت کرتا ہے یعنی مضارب دس کو مول لے اور مالک کے ہاتھ پندرہ کو بیچدے تو مال والے کو چاہیئے کہ اگر اس کو مرابحت پر بیچے تو ساڑھے بارہ روپیہ اصل قیمت بتاوے اس لئے کہ صورت اوّل میں گویا غلام اور مالک ایک ہی ہیں غلام کا خریدنا بعینہ مالک کا خریدنا ہے اور غلام نے دس کو لیا تھا تو آقا کو اسی دس پہ نفع لینا چاہیے اور دوسری صورت میں مضارب اور مال والا دو شخص ہیں اور پہلے عقد میں جو مضارب نے مالک مال سے کیا ہی پانچ روپیہ نفع کے ہوئے جن میں سے آدھا یعنی اڑھائی مالک کو حاصل ہوئے پس اگر اب یہ مرابحت پر بیچے تو نفع اول کو اصل سے منہا کردے یعنی پندرہ میں سے اڑھائی نکال ڈالے باقی ساڑھے بارہ کو اصل بیان کرے اور صورت اول میں غلام کے قرضدار ہونے کی قید اس لئے ہے کہ اس کا بیچنا کسی چیز کو مالک کے ہاتھ درست ہو ورنہ اگر غلام قرضدار نہو تو جو اس کی ملک میں ہوگا وہ مالک ہی کی ملک ہوگی اور اگر مبیع میں کچھ نقصان[1] خود ہوگیا ہو یا لونڈی مدخولہ تھی اس سے صحبت کرلی تو مرابحت بدون ان باتوں کے بیان کرنے کے درست ہے اور اگر مشتری نے خود اس میں کوئی نقصان کردیا ہو یا لونڈی باکرہ تھی اس سے ہمبستر[2] ہوا ہو تو اس صورت میں بیان کردینا چاہیے تب نفع پر بیچے ایک چیز کو ہزار روپیہ کو قرضاً مول لیا اور سو کے نفع پر اسکو فروخت کردیا اور یہ نہ کہا کہ میں نے قرضاً ہزار کو لی ہے تو مشتری ثانی کو اختیار ہے چاہے لے چاہے[3] نہ لے جبکہ اسکو معلوم ہوجاوے کہ یہ چیز ہزار کو قرضوں لی ہے نہ نقد اور اگر مبیع کو مشتری ثانی تلف کردے بعد اسکے خرید مشتری اوّل کا حال معلوم ہو تو اسکو گیارہ سو دینے لازم آویں گے[4] اور یہی حال ہے تولیہ کا کہ اگر مبیع کے ہوتے ہوئے مشتری دوم کو خیانت مشتری اول کی معلوم ہوگی تب تو اختیار ہوگا اور اگر مبیع کو تلف کرنے کے بعد خیانت پر مطلع ہوگا تو اتنے ہی دام دینے پڑینگے اور اگر زید نے عمرو سے کہا کہ جتنے کو یہ چیز مجھ کو پڑی ہے اُتنے کو تیرے ہاتھ بیچتا ہوں اور عمرو کو معلوم نہیں کہ زید کا کتنا خرچ ہوا ہے تو بیع

ف۱ مثلاً کسی آفت سے لونڈی کانی ہوگئی ہو تو اس کا بیان کرنا کچھ ضرور نہیں لیکن اگر اس نے خود اس کی آنکھ پھوڑ دی ہو یا کسی دوسرے نے پھوڑ دی ہو اور اس کی دیت ملی ہو یا نہ لی ہو تو بیان کرنا ضرور ہے بلا بیان کئے ہوئے بیع مرابحہ نہ کرے ۱۲ ف۲ کیونکہ لونڈی کا باکرہ ہونا اس کا ایک جز ہے کہ جس کے مقابلہ میں ثمن ہوا کرتا ہے اور اس نے اپنے فعل سے قصداً اس جز کو تلف کردیا جو بمنزلہ اپنے پاس روک لینے کے ہوا لہذا اس کا بیان کردینا بیع مرابحہ میں ضرور ہے ۱۲ ف۳ کیونکہ بسا اوقات اُدھار کی وجہ سے چیز کی قیمت زیادہ کرکے بیچتے ہیں تو جب مشتری ثانی نقد خرید رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اتنی قیمت پہ مرابحہ کرے جتنی مشتری اول نے دی ہے لہذا اسے پھیر دینے کا اختیار ہے ۱۲ ف۴ یعنی اُسے یہ اختیار نہ ہوگا کہ ادھار کی وجہ سے جتنے دام زیادہ ہوئے تھے ان کو مجرا کرکے تب دیوے ہ مفتی محمد وصی

علی تکیہ آبادی ۱۲

فاسد ہی[1] اور اگر عمرو کو اسی مجلس میں معلوم ہو جاوے کہ اتنے کو پڑی ہی تو اسکو اختیار ہوگا چاہے اتنے کو خریدلے یا چھوڑ دے

فصل واضح ہو کہ منقول اس مال کو کہتے ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجا سکیں جیسے گھوڑا بکری چاندی سونا برتن وغیرہ ہیں اور غیر منقول وہ ہی کہ ایک ہی جگہ رہے جیسے زمین اور حویلی اور باغ وغیرہ پس غیر منقول کی بیع قبضہ میں لانیسے پیشتر درست ہے[2] یعنی مشتری اسکو خرید کر بدون قبضہ میں لانے کے بھی بیع کر سکتا ہی اور منقول کی بیع قبضہ سے پیشتر درست نہیں اور اگر ایسی چیز کو خریدا کرے جو ناپ سے ناپی جاتی ہے تو مشتری کو اس کا بیچنا اور کھانا حرام ہی جبتک کہ اسکو ناپ[3] لے اور ایسا ہی حال ہی ان چیزوں کا جو وزن کی رو سے یا شمار کے اعتبار سے خریدے لیکن اگر گز کی ناپ کے اعتبار سے خریدے تو اُس کا یہ حال نہیں یعنی اگر وزن کی چیز کو وزن کے طور پر لے یا شمار کی چیز کو شمار کے اعتبار سے خرید کرے تو مشتری کو اُن کا استعمال نہ کرنا چاہیے جب تک کہ وزن اور شمار نہ کرلے بخلاف گز گز کے اعتبار کی مبیع کے کہ بدون گز گز کیے اس کا استعمال درست ہے ثمن میں قبضہ کرنے سے پیشتر تصرف کرنا مثلاً اسکو بیچڈالنا یا ہبہ کرنا درست ہی ثمن میں زیادتی کرنی اور کمی کرنی درست ہے یعنی جتنا ٹھیرا تھا اُس سے اگر مشتری زیادہ دیوے یا بائع کچھ کم لیوے تو جائز ہے اور جائز ہے مبیع میں کچھ بڑھا دینا یعنی بائع اگر مبیع میں کچھ اور وزن بڑھا دے تو درست ہے اور استحقاق بائع اور مشتری کا ساتھ کل کے متعلق ہو جاتا ہے یعنی قیمت یا مبیع میں زیادہ کر دینے سے بائع یا مشتری کل کا مستحق ہو جاتا ہی کہ گویا اصل عقد اتنی ہی چیز کا اتنے ہی داموں پر ہوا ہی سوائے قرض کے اور طرح کے دین کی مدت مقرر کرنی درست ہے یعنی قرض کے سوا اور طرح کا دین اگر کسی کا ایک شخص کے ذمے ہو مثلاً کسی چیز کی قیمت دینی ہو تو اسکے واسطے اگر مدت مقرر کر دیگا تو مدت لازم ہو جاویگی مدت کے اندر تقاضا نہو سکیگا بخلاف قرض کے[4] کہ اس کی مدت کرے یا نہ کرے قرضخواہ جب چاہے تقاضا کر سکتا ہے۔

---

[1] کیونکہ ثمن معلوم نہیں اور ثمن کے معلوم نہ ہونے سے بیع فاسد ہوتی ہی مگر جب سے مجلس میں ثمن معلوم ہو گیا تو فساد اُٹھ جائیگا کیونکہ جبتک مجلس نہ بدلے فساد متقرر ثابت نہ ہوگا اور ایسا ہو جائے گا کہ جیسے پہلے سے ثمن معلوم ہو گیا ہوتا اور لینے نہ لینے کا اختیار اس لئے ہوا کہ جبتک ثمن معلوم نہ ہوا تھا رضامندی کامل نہ ہوئی تھی اب جب معلوم ہو گیا تو رضامند ہو یا نہ ہو دونوں اختیار ہیں ۱۲ [2] کیونکہ ممکن ہے کہ وہ چیز بائع اول کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے اور بیع ٹوٹ جاوے تو یہ مشتری کی بیع کیسے درست ہو سکتی ہے بخلاف غیر منقول کے کہ اس کا ہلاک ہونا بعید ہی پس بیع اول کے ٹوٹنے کا احتمال بھی بعید ہوا لہذا بیع ثانی بلا قبضہ کیے ہوئے بھی درست ہو گئی ۱۲۔ [3] کیونکہ ممکن ہے کہ کچھ زیادہ چلا آیا ہو اور وہ ملک بائع ہوگا اور تصرف پرائی ملک میں حرام ہے لہذا اپنے یہاں جبتک ناپ تول نہ کرلیگا اس سے اطمینان نہیں ہو سکتا ۱۲ [4] کیونکہ قرض کی ابتدائی حالت عاریت دینے اور عطا کرنے کی ہے اور عطا میں مجبور نہیں کیا جا سکتا پس اسمیں مدت مقرر کرنا بھی لازم نہ ہوگا اور انتہائی حالت میں بیع ہو جائیگا کیونکہ جو روپیہ لیے ہیں وہ بعینہ واپس نہ کریگا بلکہ ان کا مثل واپس کریگا اور روپیہ کی بیع روپیہ سے اگر مدت کے ساتھ ہو تو سود ہو جانے لگا پس قرض میں مدت مقرر کرنا صحیح نہ ہوا ۱۲ محمد وصی علی ملیح آبادی

باب ربوا یعنی سود کے بیان میں

باب۔ ربوا یعنی سود کے بیان میں۔ ربوا مال کی اُس زیادتی کو کہتے ہیں جو مال کو مال سے بدلنے میں بدون عوض ہو۔ ربوا کے پائے جانے کی وہ چیزیں ہیں جن میں مقدار اور جنس ایک ہو مقدار کے ایک ہونے سے یہ غرض ہے کہ دونوں چیزیں ناپ سے ناپی جائیں یا وزن سے تولی جاتی ہوں اور ایک جنس کے ہونے سے یہ مراد ہے کہ دونوں ایک ہی قسم کے مال ہوں پس جن چیزوں کی مقدار اور جنس ایک ہو ان میں زیادتی اور اُدھار دونوں حرام ہیں[1] جیسے گیہوں کو گیہوں کے عوض بیچے تو اگر کم زیادہ ہونگے جب بھی ناجائز ہونگے اور آج دے اور مدت کے بعد عوض کے گیہوں لے یہ بھی حرام ہوگا ایسا ہی حال ہے اگر جَو کو جَو کے عوض اور رُوپیہ کو رُوپیہ کے عوض اور اشرفی کو اشرفی کے عوض بیع کرے کہ دونوں طرف میں چیزیں مقدار اور جنس کی راہ سے ایک ہیں تو اگر ان کی بیع میں وزن کی کمی و بیشی ہوگی یا اُدھار بیچے جاوینگے تو ربوا لازم آئے گا اور بیع حرام ہوگی اور اگر دونوں چیزیں ایسی ہونگی کہ صرف مقدار میں ایک ہوں اور جنس میں مختلف یا جنس میں ایک ہوں اور مقدار میں مختلف تو اُن میں اودھار حرام ہے۔ زیادتی حرام نہیں مثلاً گیہوں جَو کے عوض میں بیچے جاویں تو اُسی وقت دے دے اور اسی وقت عوض لے اُدھار کریگا تو حرام ہوگا لیکن اگر کم زیادہ ہوں مثلاً گیہوں سیر بھر ہوں اور جَو دو سیر تو مضائقہ نہیں اور اتحاد جنس کی مثال جیسے ہرات کا ایک کپڑا دو ہرات کے بدلے بیچا تو اسمیں بھی اُدھار حرام ہوگا نہ زیادتی اور جو چیزیں ایسی ہوں کہ نہ مقدار میں ایک ہوں نہ جنس میں ایک تو انمیں زیادتی اور اودھار دونوں حلال ہیں مثلاً کپڑا روپیہ کے بدلے یا غلہ اشرفی روپیہ کے بدلے بیچے تو زیادتی بھی درست ہے اور یہ بھی ضرور نہیں کہ اس ہاتھ دو اُس ہاتھ لو بلکہ اودھار بیچنا بھی جائز ہے اور جو چیزیں کہ ناپی جاتی ہیں مثلاً گیہوں اور جَو وغیرہ غلہ کے اقسام اور نمک اور خرما اور جو چیزیں کہ تولی جاتی ہیں جیسے چاندی اور جو رطل سے منسوب ہوں ان چیزوں کو انھیں کی جنس سے برابر فروخت کرنا درست ہے کمی و بیشی کے ساتھ درست نہیں اور کھرا کھوٹا انمیں ہر ایک حکم رکھتا ہے[2] یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ کھری چیز کم لیجاوے اور کھوٹی اُسکے عوض میں زیادہ دیجاوے اور ان چیزوں میں معین ہونا معتبر ہے یہ ضرور نہیں کہ بائع اور مشتری

---

[1] اور اصل اس بارے میں حدیث شریف ہے کہ فرمایا حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ بیچو گیہوں کو بدلے گیہوں کے اور جو کو بدلے جو کے اور کھجور کو بدلے کھجور کے اور سونے کو بدلے سونے کے اور چاندی کو بدلے چاندی کے اور نمک کو بدلے نمک کے برابر برابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ اور زیادتی سود ہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں جنس اور قدر میں ایک ہوں اُن کو نہ ادھار بیچنا چاہیئے نہ کم و بیش کہ بیشی سود ہو جاویگی ۱۲

[2] اور ایسے ہی ایک آم دیکر دو آم لینا یا ایک سیب دیکر دو سیب لینا جائز ہے کیونکہ یہ دونوں عددی چیزیں ہیں شمار کرکے بکتی ہیں نہ کہ یعنی ناپی تولی جانیوالی نہیں البتہ ادھار جائز نہ ہوگا کیونکہ جنس ایک ہے۔ اور اگر ایک آم دیکر دو سیب لے یا ایک سیب دیکر دو آم لے تو ادھار بھی جائز ہوگا کیونکہ جنس بھی مختلف ہوگئی ایک آم اور دو سیب ہیں ۱۲ [3] کیونکہ یہ صفت میں متفاوت ہیں اور وصف کے تفاوت

مبیع اور ثمن پر قبضہ بھی کرلیں یعنی اگر گیہوں کے عوض گیہوں بیچے جاویں تو دونوں کو معین کردینا مجلس عقد میں معتبر ہے یہ ضرور نہیں کہ اسی وقت قبضہ بھی کرلیں[1] اور یہ صورت عقد صرف کے سوا ہے یعنی اگر مبیع اور ثمن دونوں ثمن کی چیزیں ہوں مثلاً روپیہ اشرفی ہوں یا چاندی سونا تو اس صورت میں مجلس عقد میں بائع اور مشتری کا قبضہ کرنا شرط ہے ایک مٹھی غلہ کو اسی کی دو مٹھی کی عوض اور ایک سیب کو دو کے عوض اور ایک انڈے یا اخروٹ یا خرمے یا پیسے کو ان میں سے دو کے عوض بیچنا درست ہے۔ اس لئے کہ ان چیزوں میں ناپ اور تول جو ربوا کا سبب ہے پایا نہیں جاتا[2] گوشت کو جانور کے عوض اور گزی کو روٹی کے عوض بیچنا اور پختہ خرمے کو پختہ کے عوض خواہ خشک کے عوض جو وزن میں برابر ہوں بیچنا درست ہے کمی بیشی کے ساتھ درست نہیں اور انگور کو انگور خواہ کشمش کے عوض بیچنا اور مختلف گوشتوں کو ایک دوسرے کے عوض کمی بیشی سے بیچنا درست ہے گیہوں کے آٹے کے بدلہ خواہ ستوؤں کے عوض کم زیادہ بیچنا درست نہیں۔ زیتون اور تلوں کو تیل کے بدلہ میں بیچنا درست نہیں یہاں تک کہ تیل کی مقدار اس تیل سے زیادہ ہو جو زیتون اور تلوں میں ہے کیونکہ اس صورت میں جسقدر تیل زیادہ ہوگا وہ دونوں کی کھلی کے عوض ہو جاوے گا روٹی کو وزن سے قرض لینا چاہیئے نہ شمار سے اس لئے کہ روٹیوں میں فرق بہت ہوا کرتا ہے تو کمی بیشی کا احتمال ہے مالک اور غلام میں مسلمان اور حربی میں دار الحرب کے اندر ربوا ثابت نہیں ہوتا۔

باب۔ اُن حقوق کے بیان میں۔ جو بیع میں داخل ہو جاتے ہیں اور جو داخل نہیں ہوتے

بیت یعنی حجرے کو مع اس کے کل حقوق کے خرید کرنے میں بالاخانہ داخل نہیں ہوتا اور منزل یعنی مکان کی خرید میں بھی بالاخانہ داخل نہیں ہوتا جب تک[5] کہا جاوے کہ مع تمام حقوق مکان کے خریدا یا اسکے تمام

گائے کے دودھ کو بکری کے دودھ کے عوض اور خرمے کے سرکے کو انگوری سرکہ کے بدلے میں اور پیٹ کی چربی کو چکتی کی چربی یا گوشت سے اور روٹی کو گیہوں خواہ آٹے کے بدلے بیچنا کمی بیشی کیساتھ

[1] امام شافعی رح کا گیہوں اور مثل اس کے کھانیکی چیز اور کھجور جو وغیرہ میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اسی مجلس میں قبضہ کرلینا بھی ضرور ہے یہاں تک کہ اگر مجلس عقد میں دونوں طرف سے ثمن و مبیع معین کر دیئے ہوں مگر قبضہ نہ کیا ہو تو ان کے نزدیک یہ بیع جائز نہیں ہے ۱۲ [2] کیونکہ غلہ میں دو ایک مٹھی کیل یعنی ناپنے کے تحت میں داخل نہیں ہوتا اور ایسے ہی نصف صاع سے جو مقدار کم ہو اس میں کمی بیشی کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے کیونکہ نصف صاع سے کم کا کوئی اندازہ شرع میں نہیں ہے اور نصف صاع کا ہر جیسا کہ صدقہ فطر میں نصف صاع گیہوں دینا شرع سے مقرر ہے اور ایسے ہی سیب اور انڈے اور اخروٹ یا پیسے یہ سب عددی چیزیں ہیں ان میں ناپ تول پایا نہیں جاتا ۱۲ [3] کیونکہ روٹی عددی ہے اور گیہوں یا آٹا کیلی ہیں یعنی ناپکر بکتا ہے پس قدریں مختلف ہوئے لہذا کمی بیشی کے ساتھ درست ہوا ۱۲ [4] یہ نزدیک امام ابو یوسف رح کے ہے اور نزدیک امام محمد رح کے وزن اور شمار سے دونوں طرح لے سکتے ہیں کیونکہ لوگوں کا عملدرآمد ہے اور امام صاحب رح کے نزدیک کسی طرح لینے میں خیریت نہ وزن سے نہ شمار سے کیونکہ پکنے اور پکانیوالے میں فرق ہوتا ہے اس سے روٹی میں فرق ہو جاتا ہے ۱۲ [5] کیونکہ بالاخانہ بھی مثل مکان کے ایک مکان ہے اور کوئی چیز اپنے مثل کے تابع نہیں ہوتی لہذا بالاخانہ مکان کے تابع نہ ہوگا جب تک کہ صراحتہً ذکر نہ کردیا جاوے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

سمیت مول لیا یا تھوڑی بہت چیز جو اس مکان میں آئے یا اُس سے متعلق ہو اسکے ساتھ مول لیا تو اسی طرح ذکر آجانیسے بالاخانہ بھی داخل ہوجاتا ہے اور دار یعنی گھیر کی خرید میں بالاخانہ بدون ذکر کے داخل ہوجاتا ہی جیسے مکان کی خرید میں پاخانہ داخل ہی مگر گھیر کی خرید میں سایبان[1] شامل نہیں جبتک کہ مع کل حقوق نہ کہا جاوے۔ واضح ہو کہ بیت کوٹھڑی کو کہتے ہین جسمیں دروازہ اور چھت ہو اور منزل مکان کو کہتے ہیں جسمیں کوٹھریاں اور دالان اور انگن ہوں اور دار اُس گھیر کو کہتے ہیں کہ جسمیں مکان اور آنگن اور اصطبل اور بالاخانہ اور سب ضروری حاجت کی چیزیں ہوں زمین کی بیع میں راستہ اور پانی بہنے کی جگہ اور گھاٹ داخل نہیں ہوتے جبتک کہ اسی طرح نہ کہا جاوے کہ کل حقوق کے ساتھ بیع کیا بخلاف کرایہ کے یعنی اگر زمین خواہ مکان کو بدون ذکر کل حقوق کے کرایہ لے تو اشیاء مذکورہ داخل کرایہ ہوجاتی ہیں[2]

باب بیع اگر کسی دوسرے کی نکل آوے اور وہ مدعی ہو اُسکے بیان مین

اول جاننا چاہیے کہ گواہ ایسی حجت ہیں جو سب لوگوں پر قائم ہوسکتے ہیں یعنی اُنسے لوگوں پر سرطرح کا دعوے ثابت ہوجاتا ہے مگر اقرار ایسا نہیں وہ اقرار کرنیوالے ہی پر کچھ ثابت کرتا ہی دوسرے پر اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا ملک کے دعویٰ میں تناقض اور خلاف پایا جانا ممنوع ہے لیکن آزادی اور طلاق اور نسب میں تناقض کا ہونا کچھ مضائقہ مثلاً اگر ایک لونڈی خریدی اور پھر دعوی کیا کہ یہ زید کی ملک ہے تو یہ دعوے[3] ممنوع اور غیر مقبول ہی اسلیئے کہ خرید پر جراءت کرنی دلیل اس بات کی ہے کہ اس کے نزدیک یہ لونڈی بائع کی ملک ہے نہ غیر کی اب جو زید کی بتاتا ہے تو ملک کے دعویٰ میں خلاف ہوا اسی جہت سے مقبول نہیں اور اگر لونڈی خرید کر اپنے قبضہ میں لایا اور پھر مدعی ہوا کہ یہ زید کی آزاد کی ہوئی ہے۔ تو آزادی کے باب مین اُس کا دعویٰ باوجود تناقض کے مقبول ہی اسی طرح اگر کوئی عورت مال کے عوض شوہر سے خلع[6] کر لے پھر دعویٰ کرے کہ شوہر نے خلع سے پیشتر مجکو تین طلاقین دی ہین تو یہ دعوی باوجود تناقض کے مقبول ہوگا ایسا ہی اگر بائع غلام کو بیچکر مشتری کے حوالہ کرے بعد اسکے مدعی ہو کہ وہ غلام میر

---

[1] مراد سائبان سے وہ سائبان ہی جو گھیر یعنے احاطہ کے باہر ہو اور اگر احاطہ کے اندر ہو کہ راستہ اس کا احاطہ میں ہی تو ضمناً داخل ہوجائیگا

[2] کیونکہ مقصود کرایہ پر لینے سے حصول نفع ہوتا ہے اور جبتک کہ یہ سب چیزیں داخل نہو جائینگی نفع کا حاصل ہونا ممکن نہیں کیونکہ کرایہ کے مکان سے نفع حاصل کرنے کے لیئے کرایہ دار عادۃً اس کا راستہ وغیرہ نہیں خرید کرتا ہے بخلاف بیع کے کہ مشتری بغیر راستہ کے بھی اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اس طور سے کہ اسکی تجارت کرلے ۱۲

[3] یعنی وہ دعوے ملک غیر معتبر و نامسموع ہوگا ۱۲

[5] لیکن اگر دو گواہوں کی شہادت سے ثابت ہوجاے کہ وہ لونڈی زید کی ہے تو اس زید کی ملک ثابت ہوجائیگی ۱۲

[6] خلع یہ ہی کہ عورت شوہر کو اس غرض سے کچھ مال دے کہ شوہر اسکا پیچھا چھوڑدے اور شوہر مال لے کر اس کا پیچھا چھوڑنے کو منظور کرلے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ اللہ تعالےٰ

بیٹا ہے تو گو تناقض پایا جاتا ہے مگر دعوئ نسب کا سنا جاویگا اگر بکی ہوئی لونڈی بچہ جنے پھر گواہوں سے یہ ثابت ہو کہ یہ کسی دوسرے کی ہے یعنی زید مثلاً گواہوں سے ثابت کرے کہ یہ میری لونڈی ہے بائع کی نہیں تھی جو بیچڈالی تو وہ لونڈی اور بچہ دونوں زید کو ملیں گے اسلیے کہ گواہ ایسی ہوتی حجت ہیں غیر پر تو لونڈی اور بچہ دونوں کی ملک ثابت ہوگی اور مشتری خود اقرار کرلے کہ یہ لونڈی زید کی ہے تو اس صورت میں بچہ لونڈی کے ساتھ نہوگا اس لیئے کہ اقرار ادھوری حجت ہے اگر زید نے مشتری سے کہا کہ تو مجھکو خریدلے کہ میں غلام ہوں اور مشتری نے خرید لیا پھر معلوم ہوا کہ وہ آزاد ہے پس اگر بائع موجود ہو یا موجود نہو مگر اس جگہ اور پتا معلوم ہو تب تو مشتری کا زید پر کچھ دعوئی نہیں بلکہ بائع پر دعوی ہوگا اور اگر بائع کا ٹھکانا معلوم نہو تو مشتری اپنے دام زید سے لے اور وہ بائع سے بھرے بخلاف رہن کے یعنی اگر کوئی شخص زید کو جو اقرار اپنی غلامی کا کرے گرو رکھ لے بعد اُسکے آزاد نکلے تو خواہ راہن موجود ہو یا نہو مرتہن زید سے کچھ نہ لے بلکہ راہن سے اپنے دام مانگے زید نے ایک مکان میں کچھ اپنا حق بیان کیا اور صاحب مکان نے اُس سے سو روپیہ دیکر صلح کرلی پھر وہ تھوڑا سا عمرو کا نکلا تو مکان والا زید سے کچھ نہ ہٹاوے لیکن اگر زید تمام مکان کا دعوی رکھتا تھا اور مالک نے سو دیکر اسکو راضی کیا اور پھر کچھ مکان عمرو کا نکلا تو مالک مکان زید سے اسقدر دام حصہ رسد پھیر لے جتنا کہ عمرو کا استحقاق ہو یعنی اگر عمرو نے آدھا مکان لیا ہو تو زید سے پچاس پھیر لے اور جو تھائی ہو تو پچیس [٢٥]۔

فصل اگر کوئی شخص غیر کی ملک فروخت کردے تو مالک کو اختیار ہے چاہے بیع توڑدے یا جائز رکھے اور قیمت خود لیلے مگر جائز رکھنا اس صورت میں ہے کہ بائع اور مشتری اور مبیع اور خود مالک موجود ہوں اور اگر ان چاروں میں سے کوئی ہلاک ہو جاویگا تو بیع کا جائز ہونا نہ ہو سکیگا بلکہ توڑنا ہی پڑیگا اور قائم رہنا ثمن کا بھی ضروری ہے بیع کے جائز رکھنے میں اگر ثمن اسباب ہو اگر بائع نے کسی کا غلام غصب کرکے بیچڈالا اور مشتری نے اسکو آزاد کردیا پھر مالک غلام نے غاصب کی بیع کو درست رکھا تو مشتری کا اسکو آزاد کردینا بھی

ف ١ کیونکہ اقرار کی ضرورت سے ملک ثابت کرنا پڑیگی اور بچہ کے الگ ہو چکنے کے بعد صرف لونڈی پر ملک ثابت کردینے سے ضرورت رفع ہوجائیگی بخلاف گواہوں کی شہادت کے کہ اس صورت میں ملک ابتدا سے ثابت ہوگی پس بچہ کا اتصال ماں کے ساتھ زید کی ملک میں تھا لہذا بچہ بھی ماں کے تابع ہو کر زید کو ملیگا ١٢ ف ٢ کیونکہ زید کے کہنے پر اعتماد کرکے مشتری نے خرید کیا تھا پس جسوقت کہ بائع کا پتا نہ معلوم ہو تو زید مشتری کے ثمن کا ذمہ دار ہوگا ورنہ مشتری کو زید کی دھوکہ دہی سے ضرور پہنچیگا اور جسوقت کہ بائع موجود ہو یا اسکا پتہ معلوم ہو تو زید مشتری بنا ثمن واپس لیگا زید سے لینے کی ضرورت نہیں ١٢ ف ٣ کیونکہ یہ قرض ہے جو ہر حالت میں راہن کو دینا پڑیگا اگر زید غلام نکلتا تو بھی راہن ہی کو دینا پڑتا زید کو مرتہن نے محض اپنے قرض کی مضبوطی کے لیئے رکھا تھا زائد سے زائد یہ کہ اب وہ مضبوطی باقی نہیں رہی لیکن زر رہن کا ذمہ دار راہن ہی رہیگا ١٢ ف ٤ کیونکہ زید کہہ سکتا ہے کہ میرا حق اس حصہ کے علاوہ میں ہے جو عمرو کو نکل گیا ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب کل مکان کا مدعی تھا کیونکہ وہاں تطبیق دینی ناممکن ہے ١٢ ف ٥ اور اگر ثمن روپیہ یا اشرفی ہو تو بیع کے جائز

درست[۱] ہوا وہ غلام آزاد رہے گا لیکن اگر مشتری نے غلام مذکور کو پھر غاصب کے ہاتھ بیچ ڈالا اور مالک اوّل نے بیع کو جائز رکھا تو مشتری کی بیع ثانی جائز نہو گی اور اگر غلام مذکور کا ہاتھ مشتری کے پاس کسی نے کاٹ ڈالا اور مالک نے غاصب کی بیع کو درست[۲] رکھا تو تاوان ہاتھ کاٹنے کا مشتری کو ملیگا۔ اور مشتری کو چاہیئے کہ تاوان اگر نصف قیمت غلام سے زیادہ ہو تو اُسکو فقیروں پر خیرات کرے اسلیئے کہ اس مشتری کا حق اتنا ہی ہے جو غلام مذکور کی نصف قیمت ہے زیادہ حق نہیں اگر زید نے عمرو کا غلام بدون اُس کی اجازت کے بکر کے ہاتھ بیچ ڈالا پھر بکر نے گواہ گذارے کہ زید نے اقرار کیا تھا۔ کہ مالک نے مجکو اجازت بیع کی نہیں دی یا گواہوں سے مالک نے یہ ثابت کیا کہ میں نے اجازت نہیں دی اور اس گواہی سے بکر اُس غلام کو ہٹانا چاہے زید پر تو مقبول نہوگی اسواسطے کہ یہ گواہی خرید کرنے کی پیشدستی کے خلاف ہے اور اگر بائع خود قاضی کے یہاں اقرار کرے کہ مجھ کو مالک کی اجازت نہ تھی تو بیع ٹوٹ جاویگی اگر مشتری توڑنے کی درخواست کرے اگر بائع نے غیر کا مکان بیچ ڈالا اور مشتری نے اس کو اپنے مکان میں ملا لیا تو بائع کو اس مکان کی قیمت مالک کے حوالے کرنی پڑے گی یعنی جس صورت میں کہ بائع اقرار کرے کہ میں نے زبردستی مکان لے کر بیچ ڈالا اور مشتری اُس کو جھوٹا بتاوے)

باب[۳] سلم یعنی بدھنی کے بیان میں کہ قیمت اول دیجاوے اور مبیع کچھ دنوں کے بعد آیندہ لیجاوے جن چیزوں کی صفت بیان کردینی اور ان کے مقدار کا معلوم ہوجانا ممکن ہو اُنمیں سلم درست ہے۔ اور جنمیں صفت کا بتانا اور مقدار کا جتانا غیر ممکن ہو اُن میں بدھنی درست نہیں اس سے یہ نکلا کہ ناپ کی چیزیں اور تول کی چیزیں جو ثمن ہوں یعنی ثمن کی عوض بکتی ہوں اُنمیں سلم درست ہے اس قید سے[۴] روپیہ اشرفی نکل گئے کیونکہ خود ثمن ہیں گو تول کی چیزیں ہیں اور شمار کی چیزوں میں۔ جو قریب قریب ایک سی ہوں مثلاً اخروٹ اور انڈے اور پیسے اور کچی پکی اینٹ بشرطیکہ ان کا سانچا معلوم ہو اور گز سے ناپی ہوئی چیزوں میں مثلاً کپڑے میں بشرطیکہ گز گت اور صفت اور بناوٹ معلوم ہو سلم درست ہے

۱؎ کیونکہ مشتری کی ملک اس غلام پر موقوفاً ثابت ہوگئی ہے کہ اگر مالک غاصب کی بیع کو جائز رکھیگا تو مشتری کی ملک ثابت ہو جائیگی ایسا ہی مشتری کا آزاد کرنا بھی موقوف تھا کہ اگر مالک نے غاصب کی بیع کو جائز رکھا تھا تو مشتری کا آزاد کرنا صحیح ہو جائیگا لہذا جب مالک نے اجازت دیدی تو آزاد کرنا صحیح ہوگیا ۱۲ ۲؎ اور اگر غلام مشتری کے یہاں گیا یا اسکو کسی نے مار ڈالا اس کے بعد مالک نے اجازت دی تو غاصب کی بیع جائز نہ ہو گی کیونکہ اس بیع کے جائز ہونے کے واسطے یہ شرط تھی۔ کہ مبیع اور عاقدین یہاں موجود ہوں اور یہاں مبیع موجود نہیں ۱۲ ۳؎ اور ثمن مشتری کو واپس کئے جاویں گے ۱۲ ۴؎ قیاس کا مقتضی تو یہ تھا۔ کہ اس قسم کی بیع جائز نہوتی کیونکہ معدوم شے کی بیع ناجائز ہے اور اس جگہ مبیع یعنی جس چیز میں معاملہ سلم کر رہے ہیں معدوم ہے مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث ہے کہ حضور نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہو اور بیع سلم کی اجازت دی لہذا قیاس کو حدیث کے مقابلہ میں چھوڑ دیا ۱۲ منشی محمد وصی علی مسلیہ آبادی ۱۲

مترجم کہتا ہے کہ پیسوں میں جو سلم مذکور ہے ان سے مراد غیر مروج پیسے ہیں اور مروج پیسے امام محمد صاحب کے نزدیک ثمن میں داخل ہیں انکی بیع سلم درست نہیں[1] اور جانوروں اور انکے ہاتھ پاؤں اور اور سری میں اور چمڑے میں شمار کی رو سے اور لکڑی میں گٹھے کے اعتبار سے اور ترکاریوں میں گڈیوں سے اور جواہر اور پوتھوں میں سلم ناجائز ہے جو چیز معاملہ کے وقت خواہ ادا کرنیکے وقت موجود نہو اسمیں سلم درست[2] نہیں تازی مچھلیوں میں سلم درست نہیں ہاں اگر نمک لگاکر اسکو سکھالیا ہو تو وزن سے انمیں سلم جائز ہے اور گوشت میں سلم درست نہیں جس پیمانہ کی اور گز کی مقدار معلوم نہو اس سے سلم درست نہیں کسی خاص گانوں کے گیہوں وغیرہ میں یا خاص درخت کے میوے میں سلم درست نہیں اسلیئے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ اسمیں کچھ نہ پیدا ہو سلم کی درستی کیلیے یہ شرطیں ہیں اول جس چیز میں سلم کرنی ہے اس کی جنس کا بیان کہ گیہوں ہیں یا دوسری جنس دوم اُس کی نوع کا بیان کہ بارانی ہونگے یا چاہی سوم اس کی صفت کا بیان کہ موٹے ہونگے یا پتلے چہارم مقدار کہ ناپ میں یا تول میں کتنے ہونگے پنجم مدت ادا کرنے کی کہ کب دیئے جاوینگے[3] اور کمتر مدت ایک مہینہ ہے ششم جو چیز پیشگی دیجاویگی اس کی مقدار باعتبار ناپ یا تول یا شمار کے بیان ہونی چاہیئے۔ کہ اتنے روپیہ مثلاً دیئے ہیں ہفتم وہ جگہ جہاں سلم کی چیز ادا ہوگی بشرطیکہ ایسی چیز ہو جسمیں باربرداری چاہیئے اور اگر باربرداری کی حاجت نہو تو جگہ کے بیان کی حاجت نہیں جہاں چاہے وہاں حوالے کرے آٹھویں اصل مال جس کے بدلہ میں سلم ٹھیری ہو اس کے ایک دوسرے کے جدا ہونے کے پیشتر سے لینا ہے پس اگر پلے گیہوں کیلیے بیس روپیہ ٹھیرے اور دس نقد دیئے اور دوسرا دھار رکھے تو اودھار کے دس کی سلم باطل[4] ہوگئی اس لیئے کہ آٹھویں شرط نہ پائی گئی راس المال اور سلم والی چیز میں قبضہ کرنے سے پیشتر تصرف کرنا درست نہیں یعنی کسی دوسرے کو شریک کرلینا خواہ دوسرے کے ساتھ تولیہ وغیرہ کرنا درست نہیں اگر زید نے عمرو سے بیع سلم کی پھر اس کو اقالہ کیا تو زید عمرو سے اپنے راس المال کے بدلہ میں کوئی دوسری چیز نہ لے بلکہ جو

ا محشی کہتا ہے کہ امام محمدؒ سے ظاہر روایت مثل قول شیخین کے ہے لہٰذا اس بنا پر امام محمدؒ کے نزدیک بھی بیع پیسوں میں درست ہوگی اور فتویٰ ظاہر روایت پر ہوگا ۱۲ ۲ اور ایسی ہی اگر وہ چیز معاملہ کے وقت اور ادا کرنیکے وقت تو موجود تھی لیکن درمیان میں منقطع ہوگئی تھی تو بھی اس میں سلم درست نہیں اصل یہ ہے کہ آخر تک اس چیز کا موجود رہنا ضروری ہے اور اگر معاملہ کے وقت سے ادا کرنے کی مدت تک وہ چیز باقی رہی اور نہیں ادا کی گئی اور پھر منقطع ہوگئی تو صاحب سلم کو اختیار ہے چاہے سلم کو فسخ کردے اور اپنے دام واپس لے اور چاہے اس کے موجود ہونیکا پھر انتظار کرے ۱۲ ۳ کیونکہ یہ سب باتیں اگر پہلے سے نہ بیان کر دیجاوینگی تو آپس میں جھگڑا ہوگا مشتری جلد مطالبہ کریگا یعنی رب السلم چاہیگا کہ جلدی وصول ہو اور بائع یعنی مسلم الیہ چاہیگا کہ دیر میں ادا کرے اسی طرح سے اچھی اعلےٰ چیز مانگیگا مسلم الیہ ردی دینا چاہیگا ۱۲ ۴ لیکن اگر قبل علیحدہ ہونیکے اسی مجلس میں وہ دس روپیہ ادھار کے بھی حوالے کردئے تو بیسوں روپیہ میں سلم جائز ہوگئی البتہ اگر الگ الگ ہوگئے تھے اور اودھار کے دس روپیہ پر قبضہ نہیں کیا تو سلم باطل ہوجاویگی ۱۲ مفتی محمد وحید علی ملیح آبادی

مال عمرو کو دیا ہو وہی لیوے کہ اس کا بدلنا جائز نہیں[۱] اور اس مسئلہ میں امام شافعی کا خلاف ہے اور دلیل امام اعظم رحمۃ اللہ کی قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ نہ لیوے سوائے سلم کے یا اپنے راس المال کے زید نے عمرو سے گیہوں میں سلم کی اور عمرو نے ایک پیمانہ گیہوں کا مول لیا اور زید سے کہا کہ اس پیمانہ کو قبضہ کر لو اپنے حق میں تو یہ درست نہو گا لیکن یہ صورت قرض میں درست ہے یعنی اگر زید کا قرض عمرو پر ایک پیمانہ ہو اور عمرو پیمانہ خرید کر زید سے کہدے کہ اپنے قرض میں اسکو بائع سے جا کر لے تو درست ہو یا یہ کہ عمرو[۲] زید سے کہے کہ جس مال میں سلم ہوئی ہو اسکو میری طرف سے جا کر قبضہ کر لو اور پھر اپنی طرف سے قبضہ کر لینا اور زید نے بھی ایسا ہی کیا تو یہ قبضہ کرنا بھی درست ہے اگر زید رب سلم عمرو سے کہے کہ سلم کا غلہ میرے برتن سے ناپ دو اور عمرو اسکے برتن سے ناپ دے اور زید موجود نہو تو یہ قبضہ درست نہو گا بخلاف بیع کے کہ اگر مشتری بائع سے کہے کہ غلہ مبیع میرے برتن سے ناپ دے اور وہ مشتری کے پیچھے اسکے برتن سے ناپ دیگا تو درست ہو گا (یعنے قبضہ مشتری کا ۱۲) اگر ایک لونڈی دیکر زید نے عمرو سے گیہوں کی بدھنی کی اور عمرو نے لونڈی پر قبضہ کر لیا پھر دونوں نے اس سلم کو توڑ ڈالا اور بعد اقالے کے وہ لونڈی مر گئی تو اقالہ درست ہو گا اور اگر پہلے اقالہ سے مر جاوے تب بھی اقالہ باقی رہتا ہے اور عمرو کو قیمت[۳] دینی پڑے گی اور اس حکم کا عکس ہے اگر لونڈی کو عمرو نے ہزار کو خرید کیا ہو زید سے یعنی خرید کی صورت میں اگر مر جاوے اور بائع اور مشتری اسکے مرنے سے پہلے یا پیچھے اقالہ کریں تو دونوں صورتوں میں اقالہ باطل[۴] ہو جاتا ہے اور اگر بیع سلم میں ایک دعوے کرے کہ خراب چیز ٹھیری تھی اور دوسرا انکار[۵] کرے یا ایک کہے کہ ادا کیواسطے مدت ٹھیری تھی اور دوسرا منکر ہو تو قول اس کا معتبر ہو گا جو مدعی خرابی ہونے کا یا مدت کے ٹھیرنے کا ہو اور جو انکا منکر ہو گا اسکا قول معتبر نہو گا اسلئے کہ مدعی کا قول معاملہ سلم کے موافق ہے کہ سلم میں بیان صفت اور بیان مدت ضرور ہوتا ہے اور منکر کا قول اسکے برخلاف ہے اور بدھنی طشت اور موزہ اور آفتابہ جیسی چیزوں میں درست[۶] ہے اور ایسی چیزوں کو کاریگر سے سائی پر بنوانا بھی جائز

---

۱ کیونکہ راس المال کو مبیع کیا تھا ایک گونہ مشابہت حاصل ہو گئی ہے اسلیئے بیع کا اقالہ یعنی توڑنا تیسری شخص کے حق میں بیع جدید کا حکم رکھتا ہے اور مسلم فیہ کو ساقط ہو جانیکی وجہ سے مبیع بنا نہیں سکتی پس راس المال کو مبیع بنا دیا وہ بھی مثل مسلم فیہ کے دین ہے لیکن جبکہ راس المال مبیع بنگیا تو اسکے بدلے کوئی چیز مسلم الیہ سے نہیں لے سکتا کیونکہ مبیع میں قبل قبضہ کرنے کے تصرف جائز نہیں ۱۲ ۲ یعنی ایک صورت جواز کی یہ ہے کہ عمرو زید کو اپنا وکیل کر دے قبضہ کیلیئے پھر زید وکالتہً قبضہ کرنے کے بعد سلم میں اسکو لیلے ۱۲ ۳ اور عمرو کو لونڈی کی وہ قیمت دینا پڑیگی جو قبضہ کرنیوالے دن تھی ۱۲ ۴ وجہ یہ ہے کہ اقالہ چاہتا ہے معاملہ کے باقی رہنے کو جبتک معاملہ نہو گا تو اقالہ کس چیز کا ہو گا اور اس خریداری کی صورت میں لونڈی مبیع تھی اور مبیع کے ہلاک ہو جانے سے معاملہ باقی نہیں رہتا پس جس صورت میں لونڈی کے ہلاک ہونے کے بعد اقالہ کیا تو ظاہر ہے اور اگر اقالہ کرنے کے بعد وہ لونڈی مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہو گئی تو بھی وہ اقالہ درست نہو گا بخلاف پہلی صورت یعنی سلم کے کہ اسمیں لونڈی مبیع نہ تھی بلکہ وہ چیز مبیع تھی جس میں سلم کی تھی لہذا لونڈی کے ہلاک ہو جانے سے اقالہ سلم پر کچھ اثر نہ پڑیگا ۱۲ ۵ یعنے یہ کہے کہ کچھ نہیں ٹھیرا تھا نہ خراب چیز نہ اچھی چیز ۱۲ ۶ کیونکہ جس چیز کا وصف ضبط میں آسکے اور اس کی مقدار بیان کیجا سکے اسکی سلم جائز ہے اور اگر یہ وصف ضبط میں نہیں آسکتا ہے اور نہ اسکی مقدار بیان کیجا سکے تو ہمیں سلم جائز نہیں پس طشت وغیرہ میں دونوں باتیں حاصل ہو سکتی ہیں لہذا اسکی سلم درست ہوگی ۱۲ مطفی محمد

ہے مگر بنوانیوالے کو دیکھنے پر اختیار ہے چاہے لے یا نہ لے اور کاریگر کو اختیار ہے کہ بدون بنوانیوالے کے دیکھے اپنی چیز دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے اور اگر ان چیزوں کو بنا کر دینے کا کوئی وقت معین کر دیا جاوے تو اس کا حال بیع سلم کا سا ہوگا **مسائل متفرقہ** یعنی بیع کے مختلف مسئلے کتے[2] اور چیتے اور درندہ جانوروں اور پرندوں کی بیع درست ہے. ذمی سوائے شراب اور سور کے اور بیعوں میں مثل مسلمان کے ہیں سور اور شراب کی بیع مسلمان کو درست نہیں اور ذمی کو درست ہے اگر عمرو نے بکر سے کہا کہ اپنا غلام زید کے ہاتھ ہزار کو بیچ ڈال اس شرط سے کہ میں ہزار کے سوا سو روپیہ کا تجھ کو ضامن ہوں اور بکر نے ایسا ہی کیا تو بیع[3] درست ہوئی اور ضامن ہونا باطل ہے ہاں اگر عمرو اتنا کہدے کہ قیمت سے یعنی ہزار کے سوا سو روپیہ کا قیمت سے ضامن ہوں تو اس صورت میں بکر کے ہزار تو زید پر ہونگے اور سو عمرو پر. اگر لونڈی کا خاوند اپنی بی بی خریدلے اور بعد خریدنے کے اس سے صحبت کرے تو یہ صحبت کرنا حکم قبضہ کرنے کا رکھتا ہے دوسرے قبضہ کی حاجت نہیں مگر صرف عقد نکاح بدون صحبت کے حکم قبضہ کا[4] نہیں رکھتا اگر زید نے غلام مول لیا اور کہیں چلا گیا اور بائع نے گواہ گذرانے کہ میں نے غلام کو زید کے ہاتھ بیچا ہے اور دام نہیں پائے اور زید کا ٹھکانا پتا معلوم ہے کہ اس جگہ ہے تو اس صورت میں غلام بائع کے دام ادا کرنے کی بابت فروخت نہیں کیا جائیگا اور اگر اس کا پتا معلوم نہو کہ کہاں گیا ہے تو غلام مذکور بائع کے دام ادا کرنے کی بابت فروخت کر دیا جاویگا[5]. اگر دو شخصوں نے ایک چیز مول لی اور ایک غائب ہو گیا تو موجود کو اختیار ہے کہ بائع کو کل دام دیکر مبیع پر قبضہ کرلے اور اسکو اپنے پاس رہنے دے جبتک کہ اپنے شریک سے اس حصہ کے دام نہ بھرلے[6] اور جو شخص ایک لونڈی ہزار مثقال سونے چاندی کے عوض فروخت کرے. تو دونوں نصف نصف ہونگے یعنی پانسو سونے کے اور پانسو چاندی کے اور اگر کھرے داموں کے عوض میں کھوٹے بائع کے حوالے کئے اور وہ جاتے رہے تو دام ادا ہوگئے اگر کسی شخص کی زمین میں پرند

مسائل متفرقہ

[1] کیونکہ یہ بغیر دیکھے کی خریداری ہے لہذا اختیار رویت حاصل ہے ۱۲ [2] کتے کی بیع میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ کتا نجس العین ہے اسوجہ سے اس کا ذلیل ہونا معلوم ہوا اور اس کی بیع جائز کر دینے میں اس کی عزت پر دلالت ہوگی لہذا بیع ناجائز ہوگی اور ہم کہتے ہیں کہ نجس العین نہیں اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا کھانا جائز ہوگا نہ بیچنا. کیونکہ اس سے شکار اور حفاظت کا نفع حاصل ہوتا ہے پس وہ مال ہے لہذا بیع جائز ہے ۱۲ [3] یعنے بکر صرف ہزار روپیہ زید سے لیگا. اور ہزار ہی روپیہ کی بیع سمجھی جاویگی عمرو سے کچھ نہ پائیگا لیکن اگر یہ کہدیا کہ نفس ثمن سے علاوہ ہزار کے تو گیارہ سو ثمن سمجھے جاوینگے اور ہزار زید اور سو عمرو سے لیوے ۱۲ [4] یعنے اگر کسی نے لونڈی خریدی اور قبضہ نہیں کیا. بلکہ کسی شخص سے اس کا نکاح کر دیا اور اس شخص نے ابتک وطی نہیں کی تو محض نکاح کرا دینے سے مشتری کا قبضہ نہ سمجھا جائیگا ۱۲ [5] کیونکہ بائع کے گواہ گذرانے سے زید کا مول لینا ثابت ہوگیا اور غلام ملک زید ہوگیا اور پتہ نہ معلوم ہونے کی صورت میں بائع کو اپنا حق یعنے ثمن زید سے وصول کرنا دشوار ہوگیا لہذا غلام بیچکر قاضی بائع کا ثمن ادا کرے اگر کچھ بڑھے تو زید کے لئے اٹھا رکھے اگر گھٹے تو جب زید کا پتا لگے بائع اس سے وصول کرے ۱۲ [6] لیکن بائع کو اختیار نہیں کہ حاضر شخص سے جبراً کل دام پھیر لے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ اللہ تعالےٰ ۱۲

بیچے نکالیں یا انڈے دیں یا ہرن رہنے لگے تو وہ اسکے ہوں گے جو اُن کو پکڑ لے خاص زمین والے کے نہونگے[۱] جو چیزیں کہ شرط فاسد سے باطل ہو جاتی ہیں اور شرط فاسد سے انکو مشروط کرنا درست نہیں وہ یہ ہیں بیع اور قسمت اور اجارہ اور بیع فضولی کی اجازت اور رجعت[۲] اور مال کی صلح کرنی اور قرض سے بری کرنا اور وکیل کو معزول کرنا اور اعتکاف کو اپنے ذمے لازم کرنا اور کھیتی ملکر آپس میں کرنی اور درختوں کو ملکر پانی دینا اور کسی حق کا اقرار کرنا اور کسی چیز کو وقف کرنا اور کسی کو پنچ مقرر کرنا کہ ان سب میں اگر شرط فاسد ہوگی یا شرط فاسد پر اگر مشروط ہونگے تو عقد باطل ہوگا اور جو چیزیں شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتیں وہ یہ ہیں قرض اور ہبہ اور صدقہ اور نکاح اور طلاق اور خلع اور آزاد کرنا اور امیر بنانا اور ضامن ہونا اور حوالے کرنا اور وکالت کرنا اور بیع کا اقالہ کرنا اور غلام کو مکاتب کرنا اور اس کو تجارت کی اجازت دینی اور بچے کے نسب کا دعوی کرنا اور جو خون دانستہ ہوا ہو اس سے صلح کرنی اور زخم سے صلح کرنی اور جزیہ دینے کا معاملہ کرنا اور مبیع کی واپسی کو عیب کے سبب یا شرط کے اختیار کے باعث پر مشروط کرنا اور قاضی کو معزول کرنا کہ ان سب صورتوں میں اگر شرط فاسد سے مشروط کریگا تو معاملہ درست ہوگا اور مشروط کرنا باطل۔

باب بیع صرف یعنی نقد کو نقد کے عوض بیچنے کے بیان میں

صرف اُس بیع کو کہتے ہیں کہ ثمن کو دوسرے ثمن کے عوض میں فروخت کرے مثلاً روپیوں کو اشرفی کے عوض یا سونے چاندی کے عوض خواہ روپیہ کو روپیہ کے عوض پس اگر دونوں ایک جنس کے ثمن ہوں مثلاً روپیہ کو روپیہ کے عوض یا اشرفی کو اشرفی کے عوض فروخت کرنا چاہیں تو بیع کی درستی کیلئے شرط یہ ہے کہ دونوں تول میں برابر ہوں کم زیادہ نہ ہوں اور بائع اور مشتری کا قبضہ مجلس عقد میں ہو جاوے اگرچہ دونوں چیزیں خوبی اور گڑھت میں جدا ہوں مثلاً اگر کھرے روپیہ سے بدلے تو بیع اُسوقت درست ہوگی کہ دونوں وزن میں برابر ہوں اور اسی مجلس میں قبضہ کر لیا جاوے گو سکہ اور گڑھت میں فرق او

۱۴ اور گرو رکھنا اور وصیت کرنا اور کسی کو اپنا وصی مقرر کرنا اور شرکت اور مضاربت اور قاضی کرنا

ف ۱ کیونکہ یہ چیزیں شکار ہیں اور شکار کا یہ حکم ہے کہ جو شخص پکڑ لے اُسی کی ملک ہو جائیگا اور انڈے بھی شکار کے حکم میں ہیں بخلاف شہد کی مکھیوں کے کہ وہ اگر کسی زمین میں چھتہ لگائیں تو اس میں کا شہد زمین والے کی ملک ہوگا زمین کے تابع ہو کر جیسا کہ خود رو درخت اور سیل کی جمع شدہ مٹی زمین کے تابع ہو کر مالک زمین کی ملک ہو جاتی ۱۲ ف ۲ یعنے منکوحہ کو طلاق دیکر پھر اس سے رجوع کرنا ۱۲ ف ۳ یعنے اگر اپنے بعد اپنے بال بچوں یا جائداد کی نگہداشت کیلئے اپنا قائمقام کیا تو وصی کہیں گے اور وصیت یہ کہ اپنے مال و جائداد میں مرنے کے بعد تصرف کرے اور تصرف کو شرع نے تا ثلث جائز رکھا ہے ۱۲ ف ۴ جزیہ اس ٹکس کو کہتے ہیں جو دار الاسلام میں کافروں پر مقرر کیا جاتا ہے ۱۲ ف ۵ اسی واسطے سونا چاندی کے تاجر کو صراف کہتے ہیں کہ وہ بیع صرف کرتا رہتا ہے ۱۲ ف ۶ اگر کمی بیشی ہوگی تو بیع جائز نہ ہوگی اس سے یہ نکلا کہ لوگ اگر ایک روپیہ مثلاً سترہ آنہ پر چاندی خریدیں تو جائز نہیں ایسے پندرہ آنہ پر خریدنا بھی جائز نہیں سولہ آنے سے زائد لینے میں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ خریدو کچھ پیسے ملا کے سب روپئے دیدے تو جائز ہو جائیگا ۱۲

باب بیع صرف کے بیان میں

اگر دو جنس کے ثمن کا مبادلہ ہے مثلاً روپیہ کو اشرفی کے عوض بیچنا منظور ہے تو اسمیں شرط صرف یہ ہے کہ بائع مشتری مجلس عقد میں قبضہ کرلیں،[1] وزن کی برابری شرط نہیں اس سے یہ نکلا کہ اگر سونے کو چاندی کے عوض اٹکل سے بیچیں اور اسی مجلس میں قبضہ کرلیں تو یہ بیع درست ہوگی اس لئے کہ دو جنسوں کے ہونے کی جہت سے وزن کی کمی بیشی کا تو مضائقہ نہیں مگر مجلس میں قبضہ کرنا لازم تھا وہ ہو چکا بیع صرف میں قبضہ کرنے سے پیشتر ثمن میں تصرف کرنا درست نہیں مثلاً ایک اشرفی کے روپیہ بھنائے اور ان کو بدون قبضہ کیے مشتری سے اُنکے عوض میں ایک تھان خرید لیا تو اس تھان کی بیع فاسد ہوگی اسلیے کہ ثمن میں قبضہ سے پیشتر تصرف کیا اگر بائع نے ایک لونڈی ہنسلی پہنے[2] دو ہزار کو بیچی کہ ہر ایک کی قیمت ہزار ہے اور مشتری ہزار روپیہ اُس کو اُسوقت دیئے تو یہ ہزار ہنسلی کے دام ہونگے اسلیئے کہ ہنسلی کی بیع صرف میں داخل ہے تو درستی بیع کیلیئے ہزار نقد کو ہنسلی کا دام ٹھیراوینگے اور اگر دو ہزار کو خریدے اس طرح کہ ہزار نقد اور ہزار اُدھار تو نقد ہنسلی کا دام ہوگا تاکہ بیع درست ہو[3] اگر بائع نے ایک تلوار سو کو بیچی جسمیں پچاس کا زیور ہے اور مشتری نے پچاس نقد دیئے تو یہ اس زیور کا دام ہے اگرچہ مشتری نہ کہے کہ یہ زیور کا دام ہے یا یہ کہدے کہ پچاس منجملہ دونوں کے دام کے ہے اور اگر بائع اور مشتری مول تول کرکے بدون دیئے لئے علیحدہ ہو جاویں تو اگر زیور تلوار کا اس طرح لگا ہوگا کہ بدون ضرر کے اس سے علیحدہ ہو سکتا ہے تب تو تلوار کی بیع درست ہوگی اور زیور کی باطل اور اگر اس طرح لگا ہو کہ بدون ضرر کے جدا نہو سکے تو دونوں کی بیع باطل ہوگی اور اگر بائع نے ایک چاندی کا برتن فروخت کیا اور مشتری سے کسی قدر دام لیلیا اور دونوں علیحدہ ہوگئے تو جسقدر کا دام لیا اُسی قدر کی بیع درست ہوگی[4] اور برتن بائع اور مشتری دونوں میں مشترک رہیگا اور اگر اسمیں سے تھوڑا سا کسی اور کا نکل آئے تو مشتری کو اختیار ہے چاہے باقی برتن کو حصہ رسد دام دیکر لیلے خواہ بائع کو واپس کردے اور اگر چاندی کا ٹکڑا بائع نے فروخت کیا اور اس میں سے کسی قدر دوسرے کا نکلا تو مشتری باقی کا ٹکڑا حصہ رسد دام کے عوض لیلے پھیر دینے کا اختیار نہیں اسلیے کہ برتن میں تو شرکت کے

---

[1] کیونکہ سونا چاندی دونوں قدری چیزیں ہیں جب جنس یا قدر صرف ایک چیز میں اتحاد ہو تو اُدھار ناجائز ہے دونوں کا ایک مجلس میں قبضہ ہونا شرط ہے ۱۲ [2] اگر ہنسلی چاندی کی ہے تو ضروری ہے کہ ہزار روپیہ کے برابر وزنی ہو کیونکہ بائع اسکی قیمت ہزار روپیہ قرار دے رہا ہے اور اگر سونے کی ہو تو چاہے جتنا وزن ہو کچھ مضائقہ نہیں ۱۲ [3] کیونکہ بیع صرف اُدھار باطل ہے اور لونڈی کی بیع میں جائز ہے پس یہی ظاہر ہے کہ دونوں نے ایسے طریقہ سے معاملہ کیا ہوگا کہ جائز ہو ۱۲ [4] اس لیئے کہ یہ کل بیع صرف ہے پس جتنی مقدار میں بیع صرف کی شرط یعنی قبضہ پایا جاویگا اتنی مقدار میں صحیح ہو جائیگی اور جتنے دام پر قبضہ نہیں کیا اس کی مقدار برتن میں بیع باطل ہوگی ۱۲ [5] کیونکہ دوسرے کی شرکت ثابت ہوئی تو چیز عیب دار ہوگئی کیونکہ شرکت ہونا ایک قسم کا نقصان ہے پس خیار عیب کی بنا پر مشتری کو لینے نہ لینے کا اختیار ہے ۱۲

نقصان ہوتا ہے اسلئے پھیرنیکا اختیار دیا گیا اور چاندی کے ٹکڑے میں شرکت سے کچھ نقصان[۱] نہیں اس لیئے پھیرنیکا اختیار نہوگا۔ اور جن صورتوں میں کہ ایک جنس مقابل دوسری جنس کے ہو سکتی ہو انکی بیع کمی بیشی کے ساتھ درست ہے مثلاً ایک اشرفی اور دو روپیہ کو دو اشرفی اور ایک روپیہ کے عوض بیچنا اور ایک پلہ گیہوں اور جو کو دونوں کے دو دو پلے کے عوض اور گیارہ روپیہ کو دس روپیہ اور ایک اشرفی کے عوض اور ایک کھرے اور دو کھوٹے[۲] روپیوں کو دو کھرے اور ایک کھوٹے روپیہ کے عوض فروخت کرنا اور پہلی صورت میں بائع اشرفی مشتری کے حوالے کرے اور اسکے عوض کے دس روپیہ اپنے ذمہ کے قرض میں مجرا دے یعنی نہ بائع مشتری سے کچھ لے نہ مشتری بائع سے اور وجہ ان معاملات کے درستی کی یہ ہے کہ دو روپیہ مقابل ایک اشرفی کے اور دو اشرفیاں مقابل ایک روپیہ کے ہو سکتی ہیں اور جن چیزوں میں کہ چاندی اور سونا غالب ہو تو وہ سونا چاندی ہی ہیں یعنی ملونی کے سکوں وغیرہ میں اگر سونا یا چاندی زیادہ ہو تو اس کا حکم نری چاندی سونے کا ہے یہاں تک کہ اگر بے میل خالص چاندی سونے کو میلدار کے عوض فروخت کریں یا دونوں طرف میں میلدار ہی ہوں تو اُن کی بیع بدون وزن کے برابر ہونیکے درست نہ ہوگی مثلاً ایک اچھے روپیہ کو کھوٹے کے عوض فروخت کریں تو بیع جب درست ہوگی کہ دونوں وزن میں برابر ہوں اور جس صورت میں کہ وزن مختلف ہو تو بیع ناجائز ہوگی ہاں اگر تول کی کمی والے کیطرف بٹہ[۳] لگا لیا جاوے تو بیع درست ہوگی اور ایسے روپیوں کا قرض لینا بھی وزن ہی سے درست ہے شمار سے نہیں اور جن روپیوں اور اشرفیوں میں میل کی چیز غالب ہو وہ روپیوں اور اشرفیوں کے حکم میں نہیں ایسے سکوں کو جنس کیساتھ کمی بیشی کے ساتھ بیچنا درست ہے[۴] اور ان کا قرض لینا رواج کیموافق وزن یا شمار یا دونوں طرح

[۱] اور ایک اشرفی کو ایسے دس روپیہ کے عوض بیچنا جو بائع کے ذمے قرض ہیں یا مطلق دس روپیہ کو بیچنا

[۲] ہیں اسی طرح دو پلے گیہوں کے جو کے ایک پلے کے عوض اور دو جو کے گیہوں کے عوض ہو سکتے ہیں

[۱] کیونکہ جب چاہے اس کا حصہ کاٹکر علیحدہ کر دیوے اور کچھ نقصان نہ آویگا بخلاف برتن کے کہ اگر اسمیں سے کاٹکر علیحدہ کیا تو بیکار ہو جاویگا قابل انتفاع نہ رہیگا۔ لہذا چاندی کے ٹکڑے اور برتن میں فرق ہوا ۱۲ [۲] کھوٹا شرع میں اس سکہ کو کہتے ہیں جس کو سوداگر لیلیں مگر بیت المال میں نہ لیں کیونکہ سوداگر لوگ آپس میں نرم گرم چلا لیا کرتے ہیں اور بیت المال میں غربا و مساکین وغیرہ کا حق ہے لہذا اس میں کھوٹے روپیہ نہیں لئے جاتے ہیں ۱۲ [۳] مثلاً ایک روپیہ ایک تولہ کا ہے اور دوسرا گیارہ ماشہ کا تو جس کا روپیہ گیارہ ماشہ کا ہے وہ روپیہ کے ساتھ ایک پیسہ یا دو پیسے مثلاً لگا دے تو بیع درست ہو جائیگی کیونکہ گیارہ ماشہ کے عوض میں تولہ بھر کے روپیہ سے گیارہ ماشے چاندی ہو گئی۔ اور ایک ماشہ چاندی ایک یا دو پیسے کے بدلے میں آ گئی یہی وہ صورت ہے کہ جب ایک پیسہ سے چاندی خریدے اور چاندی ارزاں ہونیکے سبب سے زیادہ ملتی ہو تو روپے کے ساتھ پیسے شامل کر دینا جائز ہو جائیگا ۱۲ [۴] کیونکہ جب سونے چاندی کے حکم میں نہیں نہ تو جو چیز غالب ہے اس کا بھی اعتبار کرینگے مثلاً روپیہ میں دو آنہ بھر سونا اور چھ آنہ بھر چاندی ہو تو ایسے ایک روپیہ کو دو روپیہ کے عوض میں فروخت کر سکتے ہیں اور یوں کہینگے کہ ایک روپیہ میں جو چھ آنے بھر چاندی ہے اس کے بدلہ میں بیس آنہ بھر جو دو روپیہ کے اندر ہے آ گیا اور دس آنہ بھر سونا جو ایک روپیہ کے اندر ہے اس کے بدلے میں بارہ آنہ بھر چاندی جو دو روپیہ کے اندر ہے

ہے درست ہے اور اگر ایسے سکوں کا رواج ہو تو ثمن ہیں انکو قرار دینے سے معین نہونگے مثلاً ایسے دس سکوں کے عوض کوئی چیز لے تو یہ ضرور نہیں کہ جو دس بائع نے دیکھے ہوں وہی دلوے بلکہ انکے سوا کوئی سے دس ویسے ہی دے سکتا ہے اور اگر رواج انکا نہو تو معین کرنیسے متعین ہو جاوینگے[1] اسلیئے کہ اس صورت میں انکا حکم ثمن کا نرہیگا بلکہ اسباب کے حکم میں ہونگے اور جن سکوں میں چاندی برابر ہو یعنی جتنی چاندی ہو اتنی ہی اور چیز ملی ہو پس انکا حال بیع اور قرض لینے میں تو ان سکوں کا سا ہے جنمیں چاندی زیادہ ہو اور بیع صرف میں ان سکوں کا سا ہے جنمیں ملونی زیادہ ہو یعنی کمی بیشی کے ساتھ بیع درست ہوگی مگر مجلس عقد میں قبضہ کرنا شرط ہوگا اور اگر ان سکوں کے عوض میں جنمیں ملونی زیادہ ہو یا رائج پیسوں کے بدلہ میں کسی چیز کو مول لیا اور پھر ان سکوں یا پیسوں کا چلن نرہا تو بیع باطل ہو جاویگی[2] اور رائج پیسوں کے عوض میں بیع درست ہے اگرچہ معین نکیئے جاویں اسلیئے کہ رائج پیسے مثل روپیوں کے ہیں اور رواج کی صورت میں ثمن ہوا کرتے ہیں اور بے چلن پیسوں کے عوض میں بیع درست نہیں جبتک کہ ان کو معین نکرے اسلیئے کہ بے رواج پیسے مثل اسباب کے ہیں اگر ایک شخص نے پیسے قرض لئے تھے بعد کو وہ بے چلن ہو گئے تو واجب ہے کہ ویسے ہی پیسے قرضخواہ کے حوالے کرے جیسا کہ قرض کا حکم ہے ان پیسوں کی قیمت ہٹانی واجب نہیں اور اگر کوئی چیز نصف روپیہ کے پیسوں کے عوض خرید کرے تو بیع درست ہوگی اور نصف روپیہ کے پیسے دینے پڑینگے اور اگر صراف ایک روپیہ دے اور یہ کہے کہ مجھکو ایک اٹھنی رتی کم کی اور آٹھ آنے پیسے دیدے تو صحیح ہے[3] اس لئے کہ نصف روپیہ رتی کم تو اٹھنی رتی کم کے مقابل ہوگا اور باقی یعنی نصف روپیہ رتی زیادہ مقابل پیسوں کے ہو جاویگا

کتاب الکفالۃ

اسمیں کسی ضامن ہونیکا بیان ہے دوسرے کے ذمے کے ساتھ اپنا ذمہ ملانا مطالبہ میں ضمانت کہلاتا ہے یعنی جو مواخذہ اور تقاضا دوسرے کے ذمے ہے اسکو اپنے اوپر لے لینا کفالت اور ضامنی ہے واضح ہو کہ جو شخص ضامن ہوتا ہے اسکو کفیل کہتے ہیں اور جس کی طرف سے ضامن ہوتا ہے اسکو مکفول عنہ

۱ اور اسباب متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے ۱۲ ۲ کیونکہ ثمنیت لوگوں کی اصطلاح باندھنے کی وجہ سے تھی جب ثمنیت باطل ہو گئی ۱۲ ۳ لیکن اگر یہ کہے کہ آدھے روپیہ کے عوض پیسے دیدے اور آدھے کے عوض ایک اٹھنی رتی کم کی دیدے تو بیع ناجائز ہوگی کیونکہ یہاں پر آدھے روپیہ کے بدلے میں رتی کم آدھے روپیہ کی تصریح کر دی ۱۲ ۴ معنے کفالت کے شرعی ہیں اور لغت میں کفالت کے معنی ملانیکے ہیں خواہ کسی چیز کا ملانا ہو اور مناسبت یہی ہے کہ یہاں بھی دوسرے کے ذمے کے ساتھ اپنا ذمہ ملاتے ہیں ۱۲

مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

کتاب الکفالۃ

اور جس کے واسطے ضامن ہوتا ہے اُسکو مکفول لہٗ کہتے ہین پھر ضمانت کی دو قسمیں ہیں اوّل قسم ضامنی ذات کی یعنی حاضر ضامنی ہی اور وہ درست ہے[۲] گو ایک شخص کے کئی ضامن ہوں کہ ہر شخص اُس کا حاضر ضامن ہو جاوےگا اور حاضر ضامنی اس طرح کہنے سے ہوتی ہے کہ کفیل یوں کہے کہ میں اُسکی ذات کا ہوا یا ایسے جزو کا کفیل ہے جس سے بدن مراد ہوتا ہے مثلاً کہے کہ اس کے منہ خواہ گردن خواہ سر خبیرہ کا کفیل ہوں یا جزو غیر معین کا کفیل بتاوے مثلاً کہے کہ اس کے آدھے یا تہائی یا چوتھائی کا ضامن ہوں یا یہ کہ میں اُس کا ضامن ہوا یا یوں کہے کہ یہ شخص میرے ذمہ پر ہے یا میری طرف ہے یا میں اس کا ذمہ وار یا طرفدار ہوں تو ان سب الفاظ سے ضامن ہو جاتا ہے لیکن اگر یوں کہیگا کہ میں اسکے پہچاننے کا ضامن ہوں تو اس جملہ سے ضامن نہوگا اگر ضامن کفالت میں شرط کر دے کہ مکفول عنہ کو فلاں وقت حاضر کروں گا تو اسوقت میں اگر مکفول لہ درخواست کرے تو اُسکو لازم ہے کہ مکفول عنہ کو حاضر کر دے پھر اگر حاضر کر دے تو بہتر ورنہ حاکم ضامن کو قید کرے اور اگر مکفول عنہ وہاں نہو تو حاکم ضامن کو اتنی مہلت دے کہ ضامن اُسکے پاس جاوے اور چلا آوے پس اگر اسقدر مدت بھی گذر جاوے اور حاضر نہ کرے تو حاکم ضامن کو قید کرے اور اگر مکفول عنہ ایسا غائب ہو کہ اُس کا پتہ ٹھکانا معلوم نہو تو ضامن سے مواخذہ نہ ہوگا اور نہ وہ قید ہوگا اگر ضامن نے مکفول عنہ کو ایسی جگہ حاضر کر دیا کہ مکفول کر وہاں اُس سے جھگڑ سکتا ہے مثلاً کسی[۳] شہر میں حاضر کر دیا تو ضامن ضمانت سے بری ہوا اور اگر قاضی کی کچہری میں حاضر کر دینا ٹھیرا تھا تو وہین حاضر کر دینا پڑے گا مکفول عنہ کے مرنیسے ضامن کے مر جانیسے کفالت باطل ہو جاتی ہے[۴] مگر مکفول لہ کے مرنیسے باطل نہیں ہوتی ضامن حق ضمانت سے بری ہو جاتا ہے اگر مکفول عنہ کو مکفول لہ کے حوالے کر دے اگرچہ کفالت کرنے میں یہ نہ کہا ہو کہ اگر میں سپرد کر دوں گا تو بری ہو جاؤنگا۔ اسی طرح اگر مکفول عنہ خود حاضر ہو جاوے تب بھی ضامن ضمانت سے بری ہو جاویگا اگر ضامن کے وکیل نے مکفول عنہ کو ضامن کی طرف سے حاضر کر دیا یا ضامن کے قاصد نے اُسکو حاضر کر دیا تو بھی ضامن بری[۵] ہو گیا اگر ضامن کہے کہ جو کل کو میں حاضر نہ

---

[۱] اور جس چیز کا ضامن ہوتا ہے اسکو مکفول بہ کہتے ہیں ۱۲ [۲] امام شافعی رح کے نزدیک ذات کی ضمانت جائز نہیں کیونکہ یہ حقیقت ایک ایسی چیز کی ضمانت ہے جس کے سپرد کرنے پر قادر نہیں اسلئے کہ دوسرے کے نفس پر اسکو کیا قدرت بخلاف مال کی کفالت کے کہ اسکو اپنے مال پر ولایت ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اسکے سپرد کرنے پر اس طور سے قادر ہے کہ طالب کو اس کا پتہ بتلاویگا یا قاضی کے سپاہیوں کی مدد سے اسے گرفتار کرا دے گا بہر حال اسقدر کی کفالت کی ضرورت پڑتی ہے اور فتح القدیر میں ہے کہ ظاہر تر قول یہ ہے کہ نزدیک شافعیہ کے بھی ذات کی کفالت درست ہے ۱۲ [۳] اور اگر کسی بیابان یا گاؤں میں حاضر کیا تو کفالت سے بری نہوگا کیونکہ وہاں کوئی قاضی نہیں جس کے یہاں فیصلہ ہو ۱۲ [۴] کیونکہ جب مکفول عنہ مر گیا تو اس کی حاضری ساقط ہو گئی تو ایسے ہی اس کے ضامن پر بھی حاضر کرنا لازم نہیں رہا اور ضامن مر گیا تو بھی کفالت ساقط ہو جائیگی ۱۲ [۵] کیونکہ مقصود حاصل ہے خواہ وکیل کے ذریعہ سے حاضر کرایا یا قاصد کے ذریعہ سے ۱۲

کروں تو میں ضامن ہوں اُس مال کا جو اُسپر ہے اور پھر کل کو حاضر نکرے یا مکفول عنہ مر جاوے تو ضامن کو اُسقدر مال دینا پڑے گا اگر ایک شخص دوسرے پر سو اشرفی کا دعوی کرے اور تیسرا شخص کہے کہ اگر کل میں اُسکو نہ لادوں تو یہ اشرفی مجھپر ہیں اور پھر کل کو اُسکو نہ پہونچاوے تو سو اشرفی اُسکو دینی پڑینگی[1]۔ ایک شخص کسی حد یا قصاص میں ماخوذ ہے تو اُس سے جبراً نہ کہا جاوے کہ تو اپنا حاضر ضامن کسی کو دیدے لیکن وہ خوشی سے دے تو مضایقہ نہیں جب تک دو گواہ ہوں مستورالحال[2] یا ایک گواہ عادل کی گواہی نہ گذر چکے تب تک حد یا قصاص کی علت میں مدعا علیہ کو قید نہ کرنا چاہیے دوسری قسم ضمانت کی مال ضامنی ہے اور وہ درست ہے۔ گو مال کی مقدار معلوم[3] نہو مگر مکفول عنہ کے ذمے پر دین صحیح ہو۔ اور وہ ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ ایک شخص یوں کہے کہ میں ہزار روپیہ کا اُس کی طرف سے ضامن ہوں یا جو تیرا اُسپر ہے اُس کا یا جو تیرا نقصان ہو اس بیع میں اُس کا یا جو تو نے فلانے سے بیع کی یا جو کچھ تیرا اُسکے ذمے ثابت ہو وہ میرے ذمے ہے یا جو تجھ سے فلاں شخص چھین لے وہ مجھ پر ہے ان سب صورتوں میں مال ضامن ہو جائے گا اب مدعی ضامن اور قرضدار دونوں سے مواخذہ کر سکتا ہے لیکن اگر شرط ٹھیر جاوے کہ قرضدار بری ہو تو البتہ صرف ضامن سے تقاضا رہیگا اور اس صورت میں یہ کفالت حوالہ ہو جاتی ہے یعنی قرض ضامن پر اتر گیا اسی طرح اگر حوالہ میں حوالہ کرنے والے کے بری الذمہ ہونے کی قید نہ ہو تو وہ کفالت ہو جاتی ہے اگر مدعی ضامن اور قرضدار میں سے کسی سے تقاضا کرے تو اسکو دوسرے سے بھی تقاضا درست ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ دوسرا بری الذمہ بیٹھا ہے کفالت کا معلق کرنا اس شرط پر جو مناسب عقد ہو درست ہے اور شرط تین طرح پر عقد کفالت کے موافق ہوا کرتی ہے یا تو یہ کہ مکفول عنہ کے ذمے پر کوئی حق لازم ہوتا ہو اس کی شرط پڑے مثلاً یوں کہے کہ اگر مبیع کسی اور کی نکلی تو میں ضامن ہوں یا شرط مذکور مکفول عنہ سے حق مدعی وصول ہو سکنے کا ذریعہ پڑے مثلاً اگر زید مکفول عنہ ہو اور کفالت اس کی کوئی یوں کرے کہ اگر زید آویگا تو میں اس کا ضامن ہوں یا مدعی کا حق مدعا علیہ سے وصول ہونا دشوار

۱؎ اس لئے کہ جس شرط پر سو اشرفی کا دینا منظور کیا تھا وہ شرط پائی گئی ۱۲ ۲؎ یعنی جن کا حال معلوم نہ ہو کہ وہ عادل ہیں یا فاسق اور یہ اسلئے کہ شہادت کے دو جزو ہیں عدد اور عدالت پس ایک جز ہونا چاہیئے تب حدود اور قصاص کے الزام میں مدعا علیہ کو قید کریں گے اور باب اموال میں پوری شہادت جبتک نہ ہو گی قید نہ کرینگے اور پوری شہادت یہ ہے کہ عدد بھی ہو یعنی دو ہوں اور عادل بھی ہوں ۱۲ ۳؎ کیونکہ بنا کفالت کی سہولت پر ہے پس تھوڑی جہالت اس میں مضر نہ ہو گی مگر شرط یہ ہے کہ دین صحیح ہو یہاں تک کہ بدل کتابت یعنی جو مال ادا کرنا غلام مکاتب نے منظور کیا ہے اسکی کفالت جائز نہیں کیونکہ وہ دین صحیح نہیں ہے ۱۲ ۴؎ کیونکہ دونوں شخص ذمہ دار ہو گئے ہیں ۱۲ ۵؎ اگر زید مکفول عنہ نہ ہوتا تو یہ شرط ضمانت میں جائز نہ ہوتی کیونکہ اجنبی کے آنے پر ضمانت سے کیا علاقہ ۱۲ ۱۲

ہو اُس کی شرط کفالت میں بیان کر دیجاوے مثلاً یوں کہے کہ اگر مدعا علیہ شہر سے چلا جاویگا تو میں ضامن ہوں اس طرح کی شرطیں درست ہیں مگر شرط نامناسب درست نہیں مثلاً یوں کہنا صحیح نہیں کہ اگر ہوا چلی تو میں ضامن ہوں کیونکہ ہوا کا چلنا عقد کے مناسب نہیں پس اگر اس طرح کی شرط ناجائز کی تو کفالت صحیح[1] ہے اور مال فوراً دینا واجب ہوگا اس شرط کے پائے جانے پر موقوف نہوگا ضامن نے کہا جو مدعا علیہ پر مدعی کا نکلے میں اُسکا ضامن ہوں اور مدعی گواہ لایا کہ میرے اسپر ہزار ہیں تو ضامن کو ہزار دینے ہونگے اور اگر مدعی گواہ نہ لاوے تو جتنا ضامن قسم کھا کر بتاوے اُسقدر کا ضامن ہوگا اور مکفول عنہ کا کہنا کفیل پر جاری[2] نہ ہوگا یعنی جسقدر مکفول عنہ اپنے اوپر بیان کرے گا اُس قدر کفیل کو نہیں دینا پڑے گا اور ضمانت مکفول عنہ کی اجازت سے اور بدون اجازت دونوں طرح درست ہے پس اگر مکفول عنہ کے کہنے سے ضامن ہوا ہے تو جسقدر اسکو مکفول عنہ کیطرف سے ادا کرنا پڑے وہ اُس سے لے لے اور اگر اُس کے حکم سے ضامن نہیں ہوا ہے تو مکفول عنہ سے کچھ نہیں لے سکتا کفیل مکفول عنہ سے تقاضا نہ کرے جبتک کہ مکفول لہ کو اُس کی طرف سے مال نہ دیدے اور اگر مکفول لہ کفیل کے ساتھ ساتھ رہے[3] تو کفیل بھی اصیل یعنی مکفول عنہ کے ساتھ ساتھ پھرے کفیل بری ہوجاتا ہے اصیل کے ادا کر دینے سے اگر مدعی اصیل کو بری کردے یا اصیل سے تقاضے کو ٹال دے تو کفیل بھی بری ہو جاویگا اور تقاضا بھی اُسپر سے ٹلجائیگا اس کے برعکس نہیں صحیح ہے یعنی اگر کفیل کو مدعی بری کردے یا اُسپر سے تقاضے کو ٹالدے تو اصیل بری نہوگا نہ اُسپر سے تقاضا ٹلیگا[4] اصیل یا کفیل ہی سے کسی نے صاحب مال سے جسکے ہزار آتے تھے پانسو پر صلح کر لی تو باقی سے دونوں بری ہوگئے اگر صاحب مال کفیل سے کہے کہ جس مال کا تو کفیل ہے وہ میں نے تجھ سے بھر پایا تو کفیل اصیل سے وہ مال لے گویا اصیل کیطرف سے کفیل نے مال ادا کیا ہے اس لئے کہ صاحب مال کو اُس کا اقرار[5] ہے اور جب صاحب مال یوں کہے کہ تو بری ہوا یا میں نے تجھ کو بری کیا تو

[1] کیونکہ شرط فاسد سے کفالت باطل نہیں ہوتی بلکہ خود ان شرطوں کا ذکر کرنا لغو ہوجاتا ہے اور کفالت صحیح رہتی ہے جیسے طلاق اور عتاق کہ وہ بھی شرط فاسد سے صحیح رہتے ہیں اور شرطوں کا ذکر کرنا لغو ہوجاتا ہے جیسے یوں کہے کہ غلام کو آزاد کیا یا بی بی کو طلاق دی حاجیوں کے آنے تک یا کھیتی کے کٹنے تک تو طلاق اور عتاق صحیح ہوجائیگا اور یہ شرط لغو ہوجائیگی ۱۲ [2] یعنی جبکہ کفیل نے قسم کھا کر کوئی مقدار بتائی اور مکفول عنہ نے اس سے زیادہ کا اقرار کیا تو اس زیادتی کا کفیل ضامن نہ ہوگا۔ اگرچہ مکفول عنہ کے ذمہ وہ زیادتی لازم ہوجائیگی کیونکہ مکفول عنہ کو اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے جو کچھ اقرار کرے معتبر ہوگا دوسرے کی ذات پر ولایت نہیں لہذا اس کے حق میں اس کا اقرار کیسے معتبر ہو سکتا ہے ۱۲ [3] یعنے اپنا مطالبہ وصول کرنے کے لئے یا اگر کفیل کو مکفول لہ قید کرے تو مکفول عنہ کو کفیل بھی قید کر سکتا ہے کیونکہ کفیل کو جو بات پہنچیگی وہ مکفول عنہ کی وجہ سے لہذا کفیل بھی مکفول عنہ سے وہی مطالبہ کر سکتا ہے جو مکفول عنہ نے کفیل سے کیا گیا ۱۲ [4] کیونکہ اصلی دین تو اصیل یعنی مکفول عنہ پر ہے کفیل پر صرف مطالبہ تھا پس اگر کفیل پہلے سے نہ ہوتا تو بھی اسکے ذمہ دین اور مطالبہ رہتا اب کفیل ہونے کے بعد جب بری کر دیا گیا تو بھی اصیل پر دین اور مطالبہ باقی رہیگا [5] کیونکہ وہ کہتا ہے کہ بھر پایا اور یہ لفظ وصول

ہونے کے مقام پر بولتے ہیں ۱۲ مفتی محمد وصی ملیح آبادی ۱۲۔

کفیل اصیل سے کچھ نہیں لے سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں کفیل نے اصیل کیطرف سے کچھ نہیں ادا کیا اور نہ صاحب مال کو کچھ لینے کا اقرار ہے اگر یوں کہے کہ اگر ایسا ہو تو ضامن بری ہے یعنی بری ہونیکی کوئی شرط مقرر کرے تو یہ شرط باطل ہے یعنی کفیل بری نہو گا[۱] ضامنی حدود اور قصاص کے مقدمہ میں اور مبیع اور گرو چیز اور امانت کی ضامنی باطل ہے لیکن ثمن کی ضمانت اور مغصوب چیز کی اور اُس شئی کی جو مشتری خرید کرنے کے قصد سے لے آیا ہو اور بیع فاسد کی مبیع درست ہے باطل ہے کفالت لادنے کی کسی خاص کرایہ کے چارپایہ پر اور خدمت کرنی غلام معین کی خدمت کیواسطے اجورہ دار مقرر ہو اسی طرح باطل ہے کفالت بدون طالب کفالت کے قبول کرنے کے اسی مجلس میں یعنی حاضر ضامنی اور مال ضامنی تب ہی درست ہے کہ مکفول لہ مجلس عقد میں مان لے اگر مریض کا وارث کفیل ہو مریض کا تو اس صورت میں بغیر قبول کرنے طالب کے کفالت جائز ہے[۲] اسی طرح کفالت مردہ مفلس کی بغیر قبول طالب کے صحیح ہے وکیل کو موکل کے واسطے اُس چیز کی قیمت کا ضامن ہونا جسکے بیچنے کا یہ وکیل ہے باطل ہے اسی طرح مضارب کو رب المال کیلئے اسباب مضاربت کی قیمت کی ضمانت کرنی یا دو شریکوں میں سے ایک کو ضامن دوسرے کا ہونا شئی مشترک کی قیمت کی بابت مثلاً اگر غلام مشترک دونوں کا ایک ہی عقد میں بکے تو ایک کو دوسرے کی ضمانت کرنی باطل ہے اور اگر دو عقد میں آدھا آدھا بکے اور پھر ایک شریک دوسرے کا ضامن ہو تو صحیح ہے عہدے کے لفظ کے ساتھ کفالت باطل ہے اسواسطے کہ عہدے کے کئی معنی ہیں کاغذ وثیقہ عقد حقوق عقد خیار شرط ضمان درک کے پس بسبب جہالت مطلب کی کفالت صحیح نہو گی اسی طرح باطل ہے کفالت چھڑانیکی کیونکہ چھڑانیکے معنی یہ ہیں کہ مبیع کو اسکے مستحق سے چھڑا کر مشتری کو دیدے اور اسپر کفیل کو قدرت نہیں ہے اور باطل ہے کفالت مال کتابت کی مکاتب کی طرف سے[۴]

فصل اگر مدعا علیہ کفیل کو زر مطلوب دیدے پہلے اس سے کہ کفیل نے مدعی کو دیا ہو تو اب اس سے نہ پھیرے کیونکہ کفیل نے گو ابھی مدعی کو نہیں دیا ہے مگر آگے کو دیگا تو اس مال کی تجارت سے اگر کفیل کچھ پیدا کرے مدعی کو دینے سے پہلا تو یہ نفع کفیل کا ہے[۵]

---

[۱] کیونکہ بری کر دینے میں تملیک کے معنی ہیں اور تملیک کو شرط پر معلق کرنا جائز نہیں مگر صحیح یہ ہے کہ اگر کفیل کی بریت کو اگر شرط پر معلق کیا یعنی بری ہونیکے کوئی شرط مقرر کی تو یہ صحیح ہو گا اور شرط کے پائے جانے پر کفیل بری ہو جائیگا کیونکہ کفیل کے ذمے صرف مطالبہ ہے پس اس کا بری کرنا تملیک نہ ہو گا ۱۲ [۲] یہ حکم صاحبین کے نزدیک ہے اور امام صاحب کے نزدیک کفالت بھی درست نہیں صرف وہی ایک اوپر کی صورت درست ہے کہ مریض اپنے وارث سے کہے کہ میری کفالت کرے اور وہ بغیر قبول اور حاضر ہونے قرضخواہ کے ضامن ہو جائے ۱۲ [۳] یعنے مشتری کیلئے اس بات کا کفیل ہونا کہ مبیع میں اگر کسی کا حق ہو گا تو وہ میرے ذمہ ہے ۱۲ [۴] اس لئے کہ مکاتب کا مال معرض زوال میں ہوتا ہے اگر وہ کہدے کہ مجھ سے نہیں دیا جاتا تو پھر مالک اس سے نہیں لے سکتا لہذا اس دین کا شمار دین صحیح میں نہیں ہے اور اوپر گذر چکا ہے کہ کفالت دین صحیح میں درست ہوتی ہے ۱۲ [۵] کیونکہ کفیل اس کا مالک ہو جائیگا۔ پس اگر اس سے کچھ نفع حاصل کرے تو جائز ہے مگر شئے معین یعنی علاوہ نقد کے اور کوئی چیز تھی تو اس کا نفع مدعا علیہ کو پھیر دینا مستحب ہے کیونکہ صورۃً مدعا علیہ کے مال کا نفع ہے ۱۲

مگر مدعا علیہ کو پھیر دینا اس نفع کا اسوقت مستحب ہے ۔ کہ مال مذکور شے معین ہو نہ نقد اگر مدعا علیہ اپنے کفیل
سے کہے کہ مجھ پر بیع عینہ کرلے یعنی مثلاً اطلس قرض خرید دے پھر اسکو بیچکر مکفول لہ کو میری طرف سے دیدے اور کفیل
ایسا ہی کرے تو یہ خرید کفیل کے واسطے ہے اور جو نفع کہ اس اطلس کے بائع نے لیا وہ کفیل کے ذمے ہے نہ مکفول عنہ
کے اصح ہو کہ بیع عینہ اس کو کہتے ہیں کہ سو روپیہ اُدھار کو کسی سے کچھ خرید کر نوے روپیہ نقد کو اور کے ہاتھ بیچڈالے
پس صورت مذکورہ میں کفیل مکفول عنہ کے کہنے سے اسکا وکیل نہیں ہو جائیگا کہ نفع نقصان اسکے موکل کے
ذمے ہو بلکہ یہ خرید اور جو اسمیں نقصان ہوا وہ کفیل کے ذمے ہے کیونکہ جب ایک چیز قرض مول لی اور نقد بیچی تو کچھ
کچھ نقصان ضرور ہوگا اور اس شے کے بائع کو نفع رہیگا جو شخص کفیل ہوا اس مال کا جو مدعی کا مدعا علیہ کے ذمے
نکلے یا اس کا جو حاکم مدعی کو مدعا علیہ سے دلائے اور مدعا علیہ غائب ہو جاوے اور پھر مدعی کفیل پر گواہ لاوے اس
مضمون سے کہ میرے مدعا علیہ پر ہزار روپیہ آتے تھے یہ گواہ اسکے مقبول نہ ہونگے[2] یعنی کفیل سے ہزار نہ
دلوائے جائیں گے جبتک کہ مدعا علیہ حاضر نہ ہووے اگر مدعی اس مضمون کے گواہ لاوے کہ میرے مدعا
علیہ پر اسقدر روپیہ یا مال ہے اور یہ شخص اس کا کفیل ہے اسکے حکم سے تو اس مال کے دلانے کا کفیل اور
مدعا علیہ غائب دونوں سے حکم کیا جاویگا[3] اگر ایک شخص کفیل ہوا اسکا کہ اگر مبیع کسی اور کی نکلیگی تو ثمن میری
ذمے ہے تو یہ کفالت گویا اس بیع کا مان لینا اور اقبال ہے یعنی اگر پھر یہ کفیل کہے کہ یہ شی میں نے مول لی ہے
تو سنا نہ جائیگا بیعنامہ پر گواہی یا مہر کر دینی اس بیع کا مان لینا نہیں ہے[4] یہاں تک کہ اگر یہ گواہ دعویٰ کرے
کہ مبیع میں نے خریدی ہے تو سنا جائیگا کیونکہ گواہی اور مہر سے تو اتنا ہی ثابت ہے کہ عقد ہوئی خواہ کیسی ہو فاسد
یا باطل یا صحیح اگر ایک شخص ضامن ہوا دوسرے کیطرف سے اسکی زمین کے خراج کا یا خراج کے بدلہ میں
کوئی شے گرو رکھی یا آفت و حوادث کا ضامن ہو یعنی کہا کہ اگر حادثہ پڑیگا تو مجھ پر ہے یا کسی چیز کو شریکوں
میں بانٹنے کا ضامن ہوا[5] تو یہ ضمانت اور رہن وغیرہ سب جائز ہیں کفیل اگر مکفول لہ سے کہے کہ میں فلاں

۱۳ اور اگر گواہوں سے بغیر حکم مدعا علیہ کے کفیل ہونا ثابت ہو تو فقط کفیل ہی سے وہ مال دلایا جاوے گا

ف۱ کیونکہ بعضوں نے کہا کہ یہ حکم مدعا علیہ کا توکیل نہیں ہے لہذا مدعا علیہ ذمہ دار نہیں اور بعضوں نے کہا کہ توکیل تو ہے مگر توکیل فاسد ہے
کیونکہ وہ اطلس معین نہیں اور ثمن بھی معلوم نہیں بہر حال وہ خریدی ہوئی چیز کفیل کی ہوگی اور جو کچھ اسمیں نقصان اٹھیگا وہ کفیل کے ذمہ ہوگا ۱۲ ف۲
کیونکہ یہ ہزار روپیہ ابتک حاکم نے مدعی کو مدعا علیہ سے دلوایا ہے اور نہ اس کا مدعا علیہ کے ذمے نکلنا ثابت ہوا یہ ایک مطلق دعوے ہے کہ میرے مدعا
علیہ پر ہزار روپیہ آتے تھے اور کفالت جس ہزار کی تھی وہ مقید تھی ف۳ کیونکہ اس صورت میں مطلق مال کی کفالت کا دعوے ہے لہذا گواہ مقبول
ہو جائیں گے ۱۲ ف۴ یہ جب ہے کہ جب گواہی محض قاعدین کیجانے قبول کی ہو اور اگر اسی مضمون کی گواہی یا مہر کی کہ یہ بیع تمام ہے میں اس کا گواہ
ہوں تو یہ بیع کا مان لینا ہوا ۱۲ ف۵ یعنے اگر ایک شریک دار نے دوسرے سے مانگنے کا مطالبہ کیا اور دوسرے نے انکار کیا تو اس کی
طرف سے کوئی شخص ضامن ہو گیا یہ جائز ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ اللہ تعالے

شخص کیطرف سے تیرے لیئے ان سو روپیوں کا ضامن ہوں جو ایک مہینے میں اسکو دینے تھے اور وہ کہے کہ مہینہ کا وعدہ نہیں ہے بلکہ حال ہیں میرے اسپر چاہیئیں تو اس صورت میں ضامن کا قول معتبر ہے[1] زید نے ایک لونڈی خریدی اور عمرو ضامن ہوا کہ اگر لونڈی کسی اور کی نکلے گی تو اس کے دام کا میں ضامن ہوں اور لونڈی کسی اور کی نکلی تو زید عمرو سے مواخذہ نکرے جبتک کہ قاضی بائع کو حکم لونڈی کی قیمت واپس کردینے کا نکرے[2]

باب۔ دو شخصوں کے ضامن ہونے اور غلام کی ضامن ہونے اور غلام کیطرف سے ضامن ہونیکے بیان میں۔

دو شخص قرضدار ہیں اور ایکدوسرے کا ضامن ہوا قرضخواہ کے واسطے جو کچھ ایک ادا کرے اُسکو دوسرے سے نہیں لے سکتا[3] اگر آدھے قرض سے زیادہ ادا کرے تو اس زیادتی کو دوسرے سے لے سکتا ہے اگر دو شخص ایک کے کفیل ہوئے تمام مال کے اور پھر آپس میں ایکدوسرے کے کفیل ہوئے تو جو کچھ ایک ادا کرے اُس کا آدھا دوسرے سے لے یا جو کچھ ادا کیا ہے سب اصیل سے لے اگر اس کے حکم سے کفالت ہوئی ہو اگر مدعی ان دونوں کفیلوں میں سے ایک کو بری کرے تو دوسرے سے سب مال لے سکتا ہے دو شخصوں میں شرکت مفاوضہ ہے[4] اور دونوں مقروض ہیں اور شرکت مذکور اُن دونوں نے توڑ ڈالی تو قرضخواہ جس سے چاہے سب قرض وصول کرسکتا ہے اور ہر ایک جبتک نصف سے زیادہ قرض ادا نکرے دوسرے سے کچھ نہیں لے سکتا ایک شخص اپنے دو غلاموں کو ایک ہی بار مکاتب کرے اور یہ دونوں غلام آپسمیں ایک دوسرے کے کفیل ہوجائیں[5] تو جو کچھ ایک ادا کرے اس کا آدھا دوسرے سے وصول کرے اسی صورت میں کتابت کے بعد اگر مالک نے دونوں میں سے ایک کو آزاد کردیا تو جس کو نہیں آزاد کیا اُس کا زر کتابت جس سے چاہے لے سکتا ہے خواہ اس آزاد سے خواہ مکاتب سے اگر آزاد سے مالک لے تو آزاد مکاتب سے لے سکتا ہے اور اگر مکاتب سے لے تو وہ آزاد سے کچھ نہیں لے سکتا جو شخص غلام کا ضامن ہو اس مال کا جو بعد آزادی کے اُسپر واجب الادا ہو یعنی اگر کوئی ضامن نہو تو بعد آزادی کے اُسپر تقاضا ہو سکتا اس صورت میں وہ مال فی الحال واجب ہے گا آزادی پر موقوف نہیں گو غلام نے اُسے

---

[1] یعنے مکفول لہ کے ذمے ثبوت ہوگا۔ کہ وہ گواہوں سے ثابت کرے کہ اسکے مکفول عنہ پر حال ہی میں سو روپیہ چاہیئے ہیں اگر نہ ثابت کریگا تو کفیل کا قول مع قسم کے معتبر ہوگا ۱۲ [2] کیونکہ صرف کسی اور کی لونڈی نکلنے سے بیع ٹوٹ جاویگی جبتک کہ قاضی کا فیصلہ نہو پس قبل فیصلہ قاضی خود بائع پر ثمن کا واپس کرنا واجب نہیں تو ضمانتدار پر کیسے ہوگا لہٰذا اس سے مطالبہ نہ کرنا چاہیئے ۱۲ [3] جیسا کہ دو شخصوں نے شرکت میں ایک ہزار کو ایک غلام خرید کیا اور ہر ایک نے دوسرے کی طرف سے ضمانت کرلی تو ہر ایک کے ذمے پورے ہزار واجب ہونگے پانسو اصل اپنے اصل اپنے اور پانسو ضمانت کے پس جو کچھ دیگا پہلے اس کے قرض میں شمار ہوگا جب اس کا پانسو پورا ہو جائیگا تو پھر کچھ دیگا وہ ضمانت کا شمار ہوگا۔ لہٰذا اسے دوسرے سے وصول کرسکتا ہے ۱۲ [4] شرکت مفاوضہ اس کو کہتے ہیں کہ دو شخص مال برابر لگاکر تجارت کریں اور ہر ایک اپنے شریک کیطرف سے کفیل اور وکیل ہو ۱۲ [5] یعنے یوں کہے میں نے تم دونوں کو مثلاً ایکہزار پر مکاتب کیا اگر ایک ہی بار میں مکاتب نہ بنایا بلکہ الگ الگ بنایا تو ہر ایک کا دوسرے کی طرف سے مولا کیلئے ضامن ہونا صحیح نہ ہوگا کیونکہ بدل کتابت دین صحیح نہیں اس کی ضمانت نہیں ہو سکتی۔

معین نکیا ہو کہ مجھپر اتنا چاہیے ایک شخص نے دوسرے کے پاس غلام کا دعوی کیا کہ میرا ہے اور ایک شخص ضامن ہو گیا کہ تمھارا ہو گا تو میں دونگا پھر غلام مرگیا اور مدعی گواہ لایا کہ یہ غلام میرا تھا تو ضامن کو غلام کی قیمت دینی پڑیگی اگر ایک شخص کسی غلام پر مال کا دعوے کرے اور کوئی شخص غلام کے حاضر کر دینے کا کفیل ہو جاوے اور غلام مرجاوے تو حاضر ضامنی والا بری ہو جائیگا ضمانت سے۔ اگر غلام مالک کا ضامن ہو اس کے حکم سے اور مالک نے غلام کو آزاد کر دیا اور غلام کی آزادی کے بعد وہ مال مدعی کو ادا کر دیا یا مالک غلام کا ضامن اسکی اجازت سے ہوا اور غلام کی آزادی کے بعد مال غلام کی طرف سے ادا کیا تو ان دونوں صورتوں میں غلام اور مالک ایک دوسرے سے مطالبہ نہیں[٣] کر سکتے کیونکہ آزادی سے پہلے ایک دوسرے کیطرف سے ادا کر دیتا تو دوسرے سے کچھ نہیں لے سکتا تھا اسی طرح بعد آزادی کے ہوگا واللہ اعلم

کتاب الحوالۃ

اس میں حوالہ کر دینے کا بیان ہے۔ حوالہ کہتے ہیں قرض کو ایک کے ذمہ سے دوسرے پر اتار دینا قرض میں حوالہ درست ہے مگر عین میں یعنی معین چیزوں میں درست نہیں اگر محتال یعنی قرضخواہ جسکے مال کو دوسرے پر اتارا اور محتال علیہ جسپر اتارا راضی ہوں تو حوالہ صحیح ہوگا بعد حوالے کے محیل یعنی قرضدار جسنے اپنے ذمے سے اتار دیا اس قرض سے بری ہو جائیگا اگر محتال علیہ نے حوالہ قبول کیا محتال محیل کے اوپر پھر تقاضا نہ کرے لیکن اگر اس کا حق ہلاک ہو جاوے اسطرح کہ محتال علیہ انکار کرے اور اس انکار پر قسم کھالے اور اسپر کوئی گواہ بھی حوالے کے قبول کرنے کا نہو یا محتال علیہ مفلس ہو کے مرجاوے تو اس صورت میں قرضخواہ اصل قرضدار سے رجوع کر سکتا ہے کیونکہ جسپر قرض اتارا تھا اس سے وصول نہوا اگر محتال علیہ محیل سے وہ مال مانگے جو اسپر اتارا تھا اور محیل کہے کہ میں نے مفت حوالہ نہیں کیا تھا بلکہ میرا جو تجھ پر آتا تھا اس کے بدلے میں نے اپنا قرض تجھ پر اتار دیا تھا تو یہ کہنا محیل کا معتبر نہوگا اور بقدر دین اسکو دینا پڑیگا اور محتال علیہ کے ذمہ پر اسکا قرض ثابت نہوگا اور قول علیہ کا ہی معتبر ہوگا اگر محیل محتال

ف١ اور ایسے ہی اگر کفیل نے کچھ ادھار نقد نہ کہا ہو صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ ایک شخص نے غلام پر کے مال کی ضمانت کی اور وہ ایسا مال تھا کہ غلام پر بعد آزادی کے واجب الادا تھا تو اس کفیل سے فوراً وصول کر لیا جائیگا کیونکہ غلام کے آزاد ہونے کا انتظار اسلیئے تھا کہ غلامی کیحالت میں وہ کسی چیز کا مالک نہیں اس سے وصول کیا کریں اور کفیل کی یہ حالت نہیں لہذا فوراً اس سے وصول کیا جائیگا اور وہ غلام سے بعد آزاد ہونے کے وصول کر سکتا ہے ١٢ ف٢ کیونکہ جسوقت ضمانت ہوئی تھی اسوقت ہمیں نہیں مالک مملوک کا تعلق تھا اور اس تعلق کی وجہ سے وہ ضمانت ہو کر جب رجوع ہو کر منعقد نہیں ہوئی تھی لہذا کوئی کسی پر رجوع نہیں کر سکتا ١٢ ف٣ جو دین اپنا قرض دوسرے پر اتارتا ہے اسکو محیل کہتے ہیں اور جس پر اتارتا ہے اسکو محتال علیہ کہتے ہیں اور جس کا قرض ہوتا ہے اسکو محتال کہتے ہیں ١٢ ف٤ دونوں کی رضامندی شرط ہے یعنی محتال بھی راضی ہو کیونکہ ذمہ میں فرق ہوتا ہے بعض ذمہ ایسے ہوتے ہیں کہ نادار اور بعض ذمہ دار لہذا قرضخواہ کی رضامندی ضروری ہوئی اور ایسے ہی محتال الیہ کی رضامندی بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے ذمہ لازم ہوتا ہے جبتک کہ وہ لازم نکریگا کیونکر ہوگا ١٢ ف٥ یعنی جبتک شہادت سے ثابت نکریگا محیل کا یہ قول معتبر نہ ہوگا

کتاب الحوالہ

سے کہی کہ میں نے حوالہ اسواسطے کیا تھا کہ محتال علیہ سے میرے واسطے روپیہ وصول کر اور محتال کہے کہ تو نے میرے قرض کو اُسپر اتارا تھا جو میرا تجھپر آتا تھا تو اس صورت میں محیل کا قول[1] معتبر ہے یعنی فقط حوالہ کرنے سے محیل پر قرض ثابت نہوگا اگر محیل محتال علیہ سے کہی کہ زید کے پاس میری امانت ہے اسکو لیکر محتال کا قرض جو مجھ پر ہے ادا کردے تو یہ حوالہ صحیح ہے پس اگر ہلاک ہوگئی وہ امانت زید کے پاس تو محتال علیہ بری الذمہ ہوگیا کیونکہ حوالہ تو امانت پر تھا اور امانت ضایع ہوگئی تو اسکو اپنے پاس سے مال دینا نہیں پڑیگا مگروہ ہے سفاتج اور سفاتج جمع ہی سفتجہ کی جو معرب ہے سفتہ کا یعنی قرض دینا اس طرح پر کہ خطرہ راہ وغیرہ کا نہ[2] ہے جس طرح ہنڈوی ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجتے ہیں سفتجہ کی اصل یہ ہی کہ ایک لاٹھی کو خالی کرکے اس میں مال رکھکر اپنے ہمراہ لیجاتے تھے تاکہ کسی کو خبر نہو اور راہ کے خطرہ سے محفوظ رہے۔

کتاب القضاء

اس میں قاضی ہونے وغیرہ کا بیان ہی جو شخص گواہی کے قابل ہی وہی قاضی بھی ہوسکتا ہی فاسق قاضی ہوسکتا ہی[3] جیسے گواہی دے سکتا ہے مگر مناسب نہیں ہی کہ فاسق کو قاضی کیا جاوے اگر قاضی عادل ہو اور پھر بسبب رشوت لینے کے فاسق ہوجاوے تو عہدہ قضا سے معزول نہیں ہوجائیگا لیکن لایق معزول کرنے کے ہوجائیگا اگر رشوت دیکر کوئی عہدہ قضا لیوے تو قاضی نہوگا فاسق فتوی دینے کے قابل ہے یعنی حکم شرعی مسائل فقہیہ میں سائل سے بیان کرے اور ایک روایت میں فاسق قابل فتوی نہیں چاہیئے کہ قاضی بدمزاج اور سنگدل اور سرکش اور دشمنی کرنیوالا نہو۔ قاضی ایسا شخص ہونا چاہیئے جسکی پرہیزگاری اور عقل اور صلاح اور سمجھ اور حدیث دانی اور صحابہ کے قول اور شریعت کی راہ ہونیکے عالم ہونے پر اعتماد ہو مجتہد ہونا قاضی کے حق میں بہتر ہے ایسا نہیں کہ بدون اس کے عہدہ قضا درست نہو مفتی کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسا قاضی ہو ایسے شخص کو خدمت قضا کی اختیار کرنا مکروہ ہی جسکو اپنے ظلم کرنے کا خوف ہو اور جو ظلم کرنے کے خوف سے مامون ہو تو اسکے حق میں عہدہ قضا مکروہ نہیں[4] مگر قاضی ہوجانیکی خواہش نہیں چاہیئے۔

ف١ کیونکہ حوالہ کا لفظ کبھی وکالت میں استعمال جاتا ہی پس حوالہ کرنے میں احتمال یہ بھی ہی کہ محیل نے وکیل بنایا ہو اپنے لیے قبضہ کرنے کو اور محتال اپنے قرض کا دعوی کرتا ہی جس کا محیل منکر ہی لہذا محتال شہادت سے ثابت کرے اگر نہ ثابت کر پائیگا تو قسم کھلا کر محیل کی بات کا اعتبار ہوگا ۱۲ ف٢ صورت اس کی یہ ہی کہ کسی شہر میں کسی تاجر کو سو روپیہ قرض دیئے اور کہدیا کہ دوسرے فلاں شہر میں یہ قرضہ فلاں شخص کو ادا کردینا اور امانتہً اس لئے نہیں دیئے کہ اگر راستے میں تلف ہوگئے تو اسی دینے والے کے تلف ہونگے کیونکہ امانت کا یہی حکم ہی پس یہ مکروہ ہی کیونکہ اس میں دینے والے کو ایک قسم کا فائدہ ہے وہ یہ ہی کہ راستہ کی اونچ نیچ سے اس کو کچھ سروکار نہیں ۱۲ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے قرض دینے سے منع فرمایا ہی کہ جس میں قرض دینے والے کو کچھ نفع پہنچے ۱۲ ف٣ امام شافعی رح کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ فاسق کا قاضی ہونا جائز نہیں ۱۲ ف٤ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قاضی رہے ہیں نیز یہ خدمت فرض کفایہ ہی کیونکہ امر بالمعروف ہی پس مکروہ نہیں ہوسکتا ۱۲ مفتی محمد وصی علی

مگر قاضی ہوجانے کی خواہش نہیں چاہیئے عہدۂ قضا کو بادشاہ عادل اور ظالم اور باغیوں کے یہاں سے جو عادل بادشاہ کے ملک پر غالب ہوگئے ہوں لینا جائز ہے[1] جو شخص قاضی کیا جائے اُسکو چاہیئے کہ پہلے قاضی کا دفتر طلب کرے دفتر سے مُراد وہ بستے ہیں کہ جسمیں دستخطی نوشتے اور محضر وغیرہ ہوں اور چاہیئے کہ قیدیوں کو دیکھے جو قیدی اقرار کرے کسی کے حق کا یا اسپر گواہ قائم ہوں تو وہ اُس پر لازم کردے[2] اور نہیں تو منادی پھروائے (کہ جس کا اس قیدی پر دعویٰ ہو وہ حاضر ہو اگر اگر کوئی حاضر نہ ہو تو اس قیدی کو چھوڑ دے) اور قاضی تو امانتوں ہیں اور وقف کی پیداواری ہیں گواہوں پر یا اقرار پر عمل کرے قاضی معزول کے کہنے پر عمل نہ کرے لیکن اگر قابض و متصرف کسی چیز کا کہے کہ مجھے یہ امانت یا وقف کا غلہ قاضی معزول نے دیا ہے تو اس صورت میں قاضی معزول کا قول قبول کرے مسجد میں بیٹھ کر یا اپنے گھر پر قاضی کچھری کرے[3] جو کوئی ہدیہ بھیجے قاضی کو اُسے پھیر دے۔ مگر جو کوئی قاضی کا رشتہ دار ہو یا جو قاضی ہونے سے پہلے بھیجا کرتا تھا بھیجے تو وہ قبول کرلے دعوت بھی قاضی کسیکی قبول نکرے خصوصاً وہ جو صرف قاضی ہی کی دعوت ہو۔ نماز جنازہ اور عیادت مریض کے لئے قاضی کو جانا چاہیئے۔ مدعی مدعا علیہ دونوں کو برابر بٹھائے اور دونوں کی طرف برابر توجہ کرے اور ایک سے کان میں بات نکرے اور نہ اشارے سے اُنمیں سے کسی سے کچھ کہے اور نہ کسی کو اُن میں سے بحث سکھائے اور نہ کسیکی دعوت کرے اور نہ ہنسی کرے اور گواہ کو گواہی دینے کا طریقہ نہ سکھائے

فصل جب مدعی کا حق مدعا علیہ پر ثابت ہوجاوے تو حکم کرے مدعا علیہ کو کہ جو تجھ پر ثابت ہوا مدعی کے حوالے کر۔ اگر وہ دینے سے انکار کرے تو اسکو قید کرے[4] اس حق کے بدلہ میں بشرطیکہ یہ حق کسی شی کی قیمت ہو (جو مدعی نے بیچی تھی) یا قرض ہو یا مہر معجل ہو یا ضمانت سے کچھ مال لازم ہوا ہو اسکے سوا اور حقوق ہیں اگر مدعا علیہ اپنی مفلسی کا دعویٰ کرے تو قید نکرے پس اگر مدعی اسکی امیری ثابت کردے تو قید رے جسقدر مصلحت ہو اور بعد قید کے آدمیوں سے اگر اس کا کوئی مال ظاہر نہو تو اُسکو چھوڑ دے[5] مگر قرضخواہ انکو اس سے مواخذہ کرنیسے مانع نہو یعنی قرضخواہ انکو اختیار ہے کہ باوجود اسکے

[1] کیونکہ صحابہ نے عہدۂ قضا کو حضرت معاویہؓ سے قبول کیا تھا حالانکہ حق علی کرم اللہ وجہہ کا تھا جب انکی باری آتی تھی اور ایسے ہی تابعین نے حجاج بن یوسف سے عہدۂ قضا کو قبول کیا تھا حالانکہ وہ جابر تھا پس ثابت ہوا کہ عادل اور ظالم سب سے عہدۂ قضا کا قبول کرنا جائز ہے ۱۲

[2] اور تعبیر اقرار کی یا گواہ قائم ہوئے کسی قیدی پر کسی قیدی کو لازم نکرے اور پہلے قاضی کے کہنے پر اکتفا نکرے کیونکہ جب وہ معزول ہوگیا اور عام رعایا سے ایک شخص ہوگیا تو اسکا قول حجت نہیں خاص کر جبکہ اپنے کئے ہوئے فعل کو بیان کرتا ہے ۱۲

[3] اور مسجد جامع زیادہ بہتر ہے تاکہ سب کو آسانی ہو غربا و مسافر بھی پہنچ سکیں اور امام شافعی کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ مسجد میں نہ کچہری کرے کیونکہ مشرک بھی آوینگے اور حائض بھی، اور مشرک نجس ہے اور حائضہ کا مسجد میں آنا ممنوع ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مسجد خدا کے ذکر اور فیصلہ کے لئے بنائی گئی ہیں اور خود حضورؐ اور صحابہ کرام نے مسجد میں بیٹھ کر فیصلے کئے ہیں نیز فیصلہ کرنا عبادت ہے اور مسجد عبادت کیلئے ہے۔ اور مشرک کا عقیدہ نجس ہے نہ جسم اور حائضہ مسجد میں داخل نہ ہوگی بلکہ قاضی خود باہر آکر اس کا بیان سن لیگا ۱۲

پاس مال نہ نکلنے کے اُس سے مواخذہ کریں) اگر قید سے پہلے مدعا علیہ مفلسی کے گواہ لاوے تو انکو قاضی نہ سنے اگر دونوں وقت کے گواہ قائم ہوں (یعنے مدعا علیہ مفلسی کے گواہ لاوے اور مدعی غیر مفلسی کے) تو غیر مفلسی کے بہتر ہونگے جو تو انگر یعنے غیر مفلس مدعا علیہ مدعی کے حق دینے سے انکار کرے اُسکو ہمیشہ قید رکھنا صحیح ہے (جبتک ادا نکرے) خاوند اپنی بیوی کے نفقے کی بابت قید کیا جاوے نہ باپ بیٹے کے قرض کے سبب سے (مگر اسوقت کہ باپ اُس کے روٹی کپڑے وغیرہ دینے سے انکار کرے۔

باب بیان میں قاضی کے خط لکھنے دوسرے قاضی کو (یا اور کسی کو) ایک قاضی دوسرے قاضی کو سوائے حدود قصاص کے اور حقوق کے باب میں لکھ سکتا ہے اگر اُس قاضی کے پاس گواہوں نے گواہی دی کسی حاضر شخص پر تو یہ قاضی دوسرے کو لکھے کہ میں نے گواہوں کی گواہی سے اُسپر یہ حکم کیا ہے ایسے خط کو سجل کہتے ہیں۔ اور اگر اُس کے پاس گواہ گواہی موجود شخص پر نہ دیں بلکہ غائب شخص پر دیں جو دوسرے قاضی کے علاقہ میں ہو تو اسکو حکم دینا درست نہیں بلکہ گواہی کو لکھ بھیجے کہ گواہ یوں بیان کرتے ہیں تاکہ دوسرا قاضی بموجب اسکے حکم کے کرے اسطرح کو خط کو مکتوب حکمی کہتے ہیں مکتوب حکمی حقیقت میں گواہی کا ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنا ہے یہ قاضی خط کو گواہوں کے روبرو پڑھے اور اُسپر انکے سامنے مہر کرکے انکو دیدے پھر یہ خط جب دوسرے قاضی کے پاس پہنچے تو اس مہر کو دیکھے اور بغیر حاضر ہونے مدعا علیہ اور گواہوں کے اُسکو قبول نکرے پس اگر گواہ گواہی دیں کہ خط فلاں قاضی کا ہے اُسنے اپنی کچہری میں ہمارے سپرد کیا ہے اور ہمارے روبرو پڑھا ہے اور اُسپر مہر کی ہے تو اُسکو کھولے اور مدعا علیہ کے روبرو پڑھے اور جو خط میں ہو وہ اُسپر لازم کرے خط جس قاضی کا ہے اُسکے مرنے خواہ معزول ہونیسے یا جسکو لکھا ہے اسکے مرنیسے باطل ہو جائیگا ہاں اگر مکتوب الیہ کے نام کے بعد یہ لکھا کہ مسلمانوں کے قاضیوں میں جس کے پاس یہ خط پہنچے وہ اس کی تعمیل کرے تو مکتوب الیہ کے مرنیسے باطل نہوگا جسکے باب میں یہ خط لکھا گیا ہے اُسکے مرنیسے خط باطل نہوگا

بقیہ صفحہ ۲۱۷ ؎۴ کیونکہ اگر بھلے نہ میں کسی تخصیص کی یا کسی ایک کیطرف توجہ زیادہ کی یا کسی ایک ہی کان میں بات کی وغیر ذالکہ تو دوسرے کی دل شکنی ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اسمیں تہمت بھی متصور ہے ۱۲ ؎۵ بشرطیکہ صاحب حق اسکو قید کرانا چاہے لیکن اگر حق اقرار کی بنا پر ثابت ہوا ہے تو پہلے حق ادا کرنے کا حکم کرے بعد ادا نہ کرے تو قید کرے کیونکہ قید کرنا ٹال مٹول کے بدلے میں ہوا کرتا ہے اور جب اسنے اقرار کیا تو ٹالنا نہیں پایا گیا لہذا ادائی کا حکم کرے جب ادا نکرے تو ٹالنا پایا گیا پس قید کردیا اگر حق گواہوں سے ثابت تو بلا ادائی کا حکم کئے قید کر سکتا ہے کیونکہ انکار پایا جاچکا ہے ۱۲ ؎۶ یعنے مدت گذرنے کے بعد چھوڑ دے اور یہ مدت کم بیش حاکم کی رائے پر مقدر ہے کیلئے مقرر ہے ؎۱ یعنی اس صورت میں قاضی نے عورت کے نفقہ کی کوئی مقدار مقرر کردی ہو یا دونوں میاں بی بی نے کسی مقدار کو مقرر کرکے صلح کرلی ہو پھر اسکے بعد شوہر نے وہ قاضی کی مقرر کی ہوئی یا آپس کی طے کی ہوئی مقدار ادا نہیں کی اور عورت نے حاکم کے یہاں دعوی کیا تو شوہر قید کیا جاویگا ۱۲ ؎۲ کیونکہ حدود وقصاص شبہ سے دفع ہوجاتے ہیں اور خط میں بدنیت کا شبہہ موجود ہے پس ایسا ہو گیا جیسے شہادت پر شہادت اور یہ حدود وقصاص میں مقبول نہیں پس خط بھی مقبول نہ ہوگا ۱۲ ؎۳ کیونکہ اگر حکم دیگا تو غائب شخص پر حکم ہوگا اور قضا علے

نہ تھی اس لئے کہ اسنے پیش کرنے کے لئے شہادت سنی تھی نہ حکم کرنے کے لئے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

سوای حدود قصاص کے، اور حکموں کی قضا عورت کر سکتی ہے؎ قاضی اپنا نائب نکرے لیکن اگر اسکو نائب رکھنے کا اختیار دیا گیا ہو تو نائب کر سکتا ہے بخلاف اُس شخص کے جو جمعہ کا امام مقرر کیا گیا ہی کہ اُسکو نائب کرنے کا اختیار ہی گو اُس سے نہ کہا گیا ہو، اگر قاضی کے پاس دوسرے قاضی کا حکم آوے تو اُس کی تعمیل کرے بشرطیکہ وہ مخالف قرآن اور حدیث مشہور اور اجماع امت کے نہو۔ اگر جھوٹی گواہی پر قاضی نے حکم کردیا تو صحیح ہی عقدوں میں اور فسخوں میں ظاہر میں اور باطن میں (یعنے قاضی اگر حکم کرے جھوٹی گواہی سے نکاح یا بیع یا ہبہ یا طلاق وغیرہ میں تو یہ حکم جاری ہوگا ظاہر اور باطن دونوں میں یعنی اسچیز سے نفع لینا حلال ہو جائیگا) نہ املاک مرسلہ میں (یعنے اُن ملکوں کے دعوی میں کہ مدعی سبب ملک کا دعوے نکرے صرف ظاہر میں حکم جاری ہوگا باطن میں نہوگا۔ مثلاً زید نے دعوی کیا عورت پر نکاح کا اور وہ دوسرے کے نکاح میں ہی اور یہ بیان نہ کیا کہ شوہر نے اسکو چھوڑ دیا ہی اور قاضی جھوٹی گواہی سے مدعی کو وہ عورت دلادی تو اس کی صحبت اسکو صحیح نہیں اسلیے کہ اپنا نکاح مطلق بیان کیا تھا شوہر کی طلاق کو جو سبب ملک تھی بیان نہیں کیا تھا اور اس مسئلہ امام شافعی رح کا خلاف ہے اور دلیل امام اعظم رح کی یہ ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے ایک شخص نے ایک... عورت نے کہا یا امیر المومنین میرا نکاح اس سے کر دیجئے آپنے فرمایا کہ ان دونوں گواہوں نے نکاح کر دیا یعنے پہلا حکم جاری ہو گیا ظاہر اور باطن میں اور قاضی کا حکم ایک نیا عقد پیدا کر دیتا ہے جسجگہ نیا عقد ہونا ممکن ہو اور جسجگہ نیا عقد نہو سکتا ہو وہاں البتہ حکم قاضی سے نیا عقد نہوگا۔ مثلاً اگر عورت اگر دوسرے کی منکوحہ یا مدعی کی ذی رحم محرم ہو تو قاضی کے حکم سے نکاح نہوگا واللہ اعلم (غائب پر قاضی حکم نہ کرے جبتک اُس کا قائم مقام حاضر نہو جیسے وکیل یا وصی یا وہ چیز جس کا غائب پر دعوی کرتا ہی سبب ہو اُس چیز کا جس کا حاضر پر دعوی کرتا ہی مثلاً دعوی کرے ایک چیز

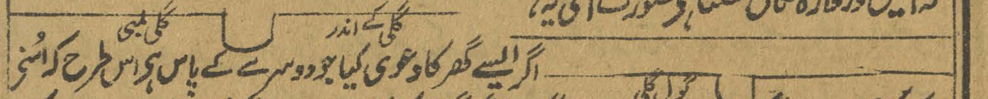
؎۱ یعنے حدود اور قصاص کے علاوہ اور حقوق میں عورت کا فیصلہ جائز ہوگا اور حدود قصاص میں نہ عورت کی گواہی معتبر ہے اور نہ اس کا فیصلہ جائز ہوگا۔ کیونکہ جس بارہ میں جس شخص کی گواہی معتبر ہوتی ہے اس میں اس کا فیصلہ بھی جائز ہوتا ہے حدود قصاص کے علاوہ اور حقوق میں عورت کی گواہی کا اعتبار ہے لہذا فیصلہ بھی ہوگا ۱۲ ؎۲ یعنی اگر جھوٹی شہادت کی بنا پر قاضی نے اسوجہ سے کہ اسکے نزدیک وہ شہادت سچی تھی) بیع یا نکاح یا ہبہ ہوجانیکا فیصلہ کردیا مشتری اور شوہر اور موہوب (کو مبیع اور منکوحہ اور شی موہوب سے نفع اُٹھانا جائز ہو جائیگا ایسے ہی اگر جھوٹی گواہی کی بنا پر طلاق کا فیصلہ کر دیا۔ تو شوہر کو اس عورت سے نفع اٹھانا حرام ہو جائیگا ظاہر میں بھی اور عند اللہ بھی ۱۲ ؎۳ یعنی اس صحبت سے وہ عند اللہ گنہگار ہوگا اور ظاہر میں حکم جاری ہونے کا یہ مطلب ہی کہ قاضی نے عورت اُس کو دلادی اس عورت سے صحبت کرنے میں حد نہ لگائی جائیگی کیونکہ ظاہر میں اسے زنا نہ کہیں اگرچہ باطن میں عند اللہ زنا کے مرتبہ میں ہے ۱۲ ؎۴ یعنی قائم مقام تین طرح ہو سکتا ہے خواہ غائب نے خود کیا ہو۔ جیسے وکیل ہی۔ یا شرع کے رو سے ہو جیسے وصی ہے یا حکماً ہو اس طرح کہ جس چیز کا دعوے غائب پر کرتا ہے وہ چیز حاضر شخص پر دعوے کرنے کی سبب لازم ہو۔ تو اس صورت میں حاضر شخص قائم مقام غائب کا حکماً ہوگا ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

محمد وصی علی ملیح آبادی

معین کا جو ایک حاضر کے قبضہ میں ہے یوں کہہ کر کہ یہ میں نے فلاں غائب سے خریدی ہے کیونکہ خریدنا غائب سے سبب ہے دعوی کا حاضر پر قاضی کو اختیار ہے کہ یتیم کا مال اور کو قرض دیدے اور اس کا خط لکھ لے نہ وصی اور باپ[۱] کو یعنے وصی کو یتیم کا مال اور باپ کو چھوٹے بیٹے کا مال قرض دینے کا اختیار نہیں)۔

باب پنچ بدنے کے بیان میں - اگر دو شخصوں نے ایک شخص کو پنچ بدا تاکہ دونوں میں فیصلہ کر دے پس اس پنچ نے گواہوں سے یا اقرار پر یا قسم سے انکار کر جانے پر سوا ہی حد و قصاص اور دیت کے جو کہ قاتل کے کنبے پر پڑتی اور مقدموں میں حکم کیا تو حکم اس کا صحیح ہے اگر وہ قاضی ہونے کے قابل ہو (یعنے قاضی کی صفتیں اس میں موجود ہوں) دونوں پنچ بدنے والوں کو پنچ کے حکم سے پہلے پنچایت سے پھر جانا درست ہے پس اگر پنچ کا حکم کر چکا تو یہ حکم لازم ہو گیا دونوں پر قاضی پنچ کے حکم کو جاری کرے اگر اس کا حکم اس کے مذہب کے موافق ہو اور اگر نہو تو اس کو باطل کر دے اگر پنچ نے اپنے ماں باپ اور زن فرزند کے نفع کا کوئی حکم کیا تو یہ حکم باطل ہے جیسے قاضی کا حکم ان لوگوں کے نفع کا باطل ہے بخلاف اس حکم کے کہ پنچ ماں باپ با زن و فرزند کے ضرر کا کرے وہ حکم صحیح ہوگا۔

متفرق مسئلے نیچے کا رہنے والا بغیر رضامندی بالاخانہ والے کے گھر میں میخ نہ گاڑے نہ سوراخ[۱] کرے اگر ایک لمبی گلی ہے کہ اسمیں سے دوسری ہے اور سیدھا ہوتی مگر راہ اسمیں نہیں ہے (یعنی غیر نافذہ ہے) تو پہلی گلی کا رہنے والا اس کوچہ غیر نافذہ میں دروازہ نہیں نکال سکتا ہے بخلاف اسکے دوسری گلی گول ہو کہ اسمیں دروازہ نکال سکتا ہے[۲] صورت اسکی یہ ہے



اگر ایسے گھر کا دعوی کیا جو دوسرے کے پاس ہے اس طرح کہ اسنے مجھکو ایک وقت میں یہ گھر ہبہ کر دیا تھا پھر اس سے گواہ مانگے گئے تو کہا کہ مدعا علیہ نے گھر کے ہبہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ تو میں نے اس سے یہ گھر خرید لیا تھا اور خرید کے گواہ لائے تو جسوقت دعوے ڈالنے کا دعوے کیا تھا اس سے پہلے اگر خریدنے کے گواہ ہیں تو قبول نہونگے اور اگر بعد کے ہیں تو قبول ہونگے زید کے پاس ایک لونڈی

ف[۱] وصی اور باپ کو اس لئے اختیار نہیں دیا گیا ہے کہ وہ اس کے وصول کرنے پر قدرت نہیں رکھتے بخلاف قاضی کے کہ ہکو بر آمد کرنا دشوار نہیں وہ اس کے وصول کرنے پر قادر ہے اور قرض دینے میں بچوں کی مصلحت ہے۔ کہ ان کا مال محفوظ ہو جائیگا اسواسطے قاضی کو اختیار ہے کہ بچوں کا مال قرض دیکر لکھ لے تاکہ بھول نہ جائے پس اگر قاضی ایسے شخص کو قرض دے جو کہ دیتے وقت بالکل غریب ہے تو جائز نہیں کیونکہ بالکل غریب آدمی سے قاضی بھی کیونکر وصول کریگا[۲۲] اور ایسے بھی جائز ہے اگر وہ شخص نکو پنچ بدیں لیکن پھر فیصلہ کے وقت دونوں کا موجود ہونا ضرور ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک نے بلا موجودگی دوسرے کے فیصلہ کیا تو جائز نہیں[۳] یعنی نیچے کا رہنے والا بلا رضامندی اوپر کے رہنے والے کے اپنے گھر میں یعنی دیوار میں میخ نہ گاڑے نہ سوراخ کرے کیونکہ اس سے بنا کمزور ہو جائیگی پس اوپر والیکو ضرر پہنچیگا اور ایسے ہی اوپر والیکو کوئی منزل اپنے حصہ پر بلا رضامندی نیچے والے کے بنانا جائز نہیں کہ بوجھ زیادہ ہو جائیگا اور نیچے والیکو ضرر پہنچیگا[۴] کیونکہ اسکا شمار راستہ میں ہے کہ اسمیں سب لوگ شریک ہیں بخلاف اول کے کہ وہ صرف ان لوگوں کی آمد و رفت کیلئے ہے جو اسمیں رہتے

ہبہ

باب پنچ بدنے کے بیان میں
متفرق مسئلے

ہے اُسنے عمرو سے کہاکہ تونے مجھ سے یہ لونڈی خریدی تھی اور عمرو نے خریدنے سے انکار کیا (تو بائع یعنے زید کو) اس سے صحبت کرنی درست ہے[1] بشرطیکہ عمرو سے جھگڑا چھوڑ دے ایک شخص اقرار کرے کہ میں نے فلانے سے دس روپیہ لیے تھے پھر کہے کہ وہ کھوٹے تھے تو قسم کھانیکے بعد اُسکا اعتبار کیا جائیگا۔ جو کہے دوسرے سے کہ مجھپر تیرے ہزار روپیہ آتے ہیں اور دوسرا اسکے کہنے کو رد کرے اور پھر مان لے تو اب اقرار کرنیوالے پر کچھ لازم نہوگا[2]۔ کیونکہ دوسرے نے پہلے بار تو اُسکے اقرار کو نہ مانا تو اب ماننے سے اُسپر کچھ ثابت نہوگا جو شخص دوسرے پر مال کا دعویٰ کرے اور مدعاعلیہ کہے کہ میرے اوپر کبھی تیرا کچھ نہیں تھا اور مدعی گواہ لاوے ہزار کے اور مدعاعلیہ گواہ لاوے اُن ہزار کے ادا کردینے کے یا بخشدینے کے تو گواہ مدعاعلیہ کے کیے جاوینگے اور اگر مدعاعلیہ یہ بھی کہتا کہ میں تجھ کو پہچانتا ہی نہیں تو یہ گواہ قبول نہ کیے جاتے زید نے عمرو پر دعوے کیا کہ تو نے اپنی لونڈی میرے ہاتھ بیچی ہے اور عمرو نے کہا کہ میں تیرے ہاتھ نہیں بیچی پس زید گواہ لایا اپنے خریدنے کے اور قاضی نے وہ لونڈی زید کو دلوادی اور اُسمیں اس نے کوئی عیب پایا پس عمرو نے گواہ گذرانے کہ زید لونڈی کے ہر عیب سے مجھ کو بری ذمہ کرچکا تھا تو یہ عمرو کے گواہ مقبول نہونگے[3] جس اقرارنامے یا وعدے کے اخیر میں لفظ انشاء اللہ ہوگا وہ باطل ہے[4]۔ ایک ذمی مرا اور اُس کی بیوی نے کہا کہ میں اسکے مرنے سے پیچھے مسلمان ہوگئی ہوں۔ خاوند کی میراث مجکو ملنی چاہیے اور ذمی کے وارثوں نے کہا کہ موت سے پہلے مسلمان ہوگئی تھی تو وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور عورت کو میراث نہ ملیگی[5] زید کے پاس عمرو کی کچھ امانت تھی اور عمرو مرگیا زید نے خالد کو کہا کہ یہ عمرو کا بیٹا ہے اور عمرو کا اسکے سوا اور کوئی وارث نہیں تو وہ امانت خالد کو دیدے اور اگر چند روز کے بعد زید بکر کو بتائے کہ یہ بھی عمرو کا بیٹا ہے اور خالد کہے کہ تو جھوٹا ہے تو وہ امانت بکر کو نہیں ملسکتی خالد ہی کو ملیگی۔ اگر کسیکی میراث اُس کے وارثوں یا قرضخواہوں پر بانٹی جاوے تو اُنسے اُس کی ضمانت نہ لیجائے کہ اگر کوئی اور وارث یا قرضخواہ پیدا ہوگا تو اس کا حصہ دینا ہوگا[6] زید نے ایک گھر کا اسطرح دعویٰ کیا کہ یہ میرے باپ کا تھا اور وہ مرگیا میں

---

[1] کیونکہ جب عمرو نے اُسکی خریداری سے انکار کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر بیع ہوئی بھی تھی تو اسے اب فسخ کرتا ہوں اور جب یہ مخاصمت سے باز رہا تو گویا زید نے بھی فسخ کردیا اور نیز جب عمرو سے زرثمن کی وصولیابی متعذر ہوگئی تو زید کی رضامندی بھی باقی نہ رہی پس زید خود اس کے فسخ کرنیمیں متفق ہوگیا پس زید کی ملک اس لونڈی پر باقی رہی لہذا صحبت کرنی درست ہے ۱۲ [2] کیونکہ جب پہلی بار اس نے انکار کیا تو اقرار کرنیوالے کا اقرار رد ہوگیا باقی نہ رہا۔ تو اب پھر اس کا کہنا کہ ہاں میرے تیرے اوپر ہزار روپیہ آتے ہیں یہ دعویٰ جدید ہے جبتک گواہوں سے ثابت نکریگا یا دوسرا تصدیق نہ کریگا دوسرے کے ذمے لازم نہونگے ۱۲ [3] کیونکہ عمرو کے اس قسم کے گواہ گذارنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عمرو نے بیع کی تھی اور پہلے بیع کرنیسے انکار کرچکا ہے اس لیے تناقض پایا گیا۔ اُسکے اس دعویٰ کا اعتبار نہ کرینگے نہ گواہوں کی سماعت کریں گے ۱۲ [4] یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے کیونکہ خدا کی مشیت پر معافی کردینا ہوا اور مشیت خدا کا علم نہیں لہذا وعدہ یا اقرار باقی نہ رہا ۱۲ [5] کیونکہ دین اختلاف مانع میراث ہے اور اسوقت عورت مسلمان ہے ذمی کی میراث سے محروم ہے ظاہر یہی ہے کہ ذمی کے مرنے کے وقت بھی مسلمان ہوگی لہذا ذمی کے ترکے سے محروم ہوگی ۱۲ [6] یہ امام ابو حنیفہ کا

اور میرا بھائی جو یہاں نہیں ہے اُس کے وارث ہیں اور اس دعوی پر گواہ گذرانے تو...زید کو فقط آدھا گھر ملیگا (دوسرے بھائی کا حصہ جو غائب ہے نہیں[1] ملیگا) ایک شخص نے کہا کہ جو میرا مال ہے یا جس کا میں مالک ہوں فقیروں پر صدقہ ہے یہ کہنا اسکے مال میں جاری ہوگا جسمیں زکوٰۃ واجب ہوتی ہو یعنے حاجت سے زاید اور بڑھنے والی چیزوں پر حکم صدقہ کا کیا جاویگا خواہ تھوڑی ہوں یا بہت اُنکے غیر میں جاری نہوگا جیسے سواری کے گھوڑے اور اسباب ضروری) ایک شخص کو کوئی کر مرا اور وصی یہ نہیں جانتا کہ کس باب میں وصیت کی تھی اس کا وصی ہونا صحیح ہے بخلاف وکیل کے (کہ اگر وکیل یہ نہیں جانتا کہ کس چیز کا وکیل کیا تو وکالت صحیح نہیں[2]) اگر وکیل کو وکالت کی خبر کوئی دے تو اُس کو تصرف کرنا موکل کے مال میں صحیح ہے (خبر دینے والا آزاد ہو یا غلام بچہ ہو یا بڑا عادل یا مستور) معزول ہونا وکیل کا بغیر خبر دینے ایک مرد عادل یا دو مرد مستور الحال[3] کے ثابت نہیں ہوتا جیسے مالک کو غلام کی خبر دینی اور شفیع کو بیع شفعہ کی خبر دینی اور کنواری لڑکی کو اُس کے نکاح کی خبر دینی اور اس مسلمان کو جو دارالحرب سے دارالاسلام کو نہ آیا ہو احکام شریعت کی خبر دینی کہ ان سب میں ایک مرد عادل یا دو مستور الحال کا خبر دینا شرط ہے یعنی اگر ایک مرد کسی طرح کا خبر دیگا تو اُس کا ماننا ضرور نہوگا اور عادل کی خبر خواہ دو مستور الحال کی خبر کا ماننا ضرور ہوگا مثلاً مالک کو اگر عادل نے کہا کہ تیرے غلام نے قصور کیا تو مالک پر اس قصور کا تاوان آئیگا اسی طرح اور مثالوں کو سمجھنا چاہیئے) قاضی یا قاضی کا امین اگر کسی کے غلام کو اس کے قرضخواہوں کے لئے بیچکر مشتری سے قیمت لیلی اور وہ قیمت تلف ہو جائے اور غلام کسی اور کا نکلے تو قاضی یا امین قیمت کے ضامن نہیں مشتری قرضخواہوں سے غلام کی قیمت لے جن کے واسطے بیچا تھا اگر قاضی کسیکے وصی کو حکم کرے کہ اُسکے غلام کو قرضخواہوں کیلیے بیچڈال اور غلام کسی اور کا نکلا یا مشتری کے قبضہ سے پہلے مرگیا اور قیمت ضائع ہوگئی تو مشتری قیمت وصی سے لے اور وصی قرضخواہوں سے (جنکے واسطے بیچا تھا) اگر کسی قاضی عالم عادل کہے کہ اس شخص پر میں نے حکم کیا ہے سنگسار ہونیکا

---

[1] یعنی دوسرے بھائی کا حصہ اسی شخص کے ہاتھ میں چھوڑا جائیگا جس کے قبضہ میں ہے جب دوسرا بھائی آئے گا تو اب اسکو دعوی کرکے گواہوں سے ثابت کرنیکی ضرورت نہیں بلکہ پہلے گواہوں اور فیصلہ کی بنا پر قابض کے قبضہ سے نکالکر قاضی اُسی حوالہ کردیگا ۱۲ [2] اور یہ اسوجہ سے کہ وصیت اور وکالت میں فرق یہ ہے کہ وصیت میں نیکے بعد کی قائم مقامی ہوتی ہے اور وکالت میں جیتے جی زندگی کی قائمقامی ہوتی ہے پس اگر وکالت کا علم پر موقوف رکھیں گے تو کچھ حرج نہوگا کیونکہ موکل خود ذیقدرت ہے بخلاف وصیت کے کہ اُسے علم پر موقوف رکھیں گے تو حرج ہے کیونکہ وصیت کرنیوالا فوت ہوچکیگا ۱۲ [3] یعنی جن کا عادل یا غیر عادل ہونیکا حال معلوم نہیں ہے ۱۲ [4] کیونکہ قاضی یا اس کا مقام یعنی امین قاضی اگر ان لوگوں کے ذمہ اس قسم کے تاوان عائد ہوں گے تو لوگ اس کام سے اجتناب کرینگے یہاں تک کہ ان لوگوں کے حقوق ضائع ہوں گے ۱۲ [5] کیونکہ وصی قاضی کا قائمقام نہیں بلکہ میت کا قائمقام ہے اگرچہ قاضی کے قائمقام کرنے سے اسکا قائمقام ہوا ہو ۱۲ مفتاح محمد وصی علی المسیح الزماں ۱۲

یا ہاتھ کاٹنے کا یا حد لگانے کا تو اس کام کو کرے تو قاضی کے حکم کی تعمیل اُس شخص کو جائز ہے اگر معزول قاضی کسی سے کہے کہ میں نے جو تجھ سے ہزار روپے لئے ہیں تو فلاں مقدمہ میں جو زید کے روپیہ میں نے تجھ پر ثابت کئے تھے اسکو دیدیئے اور وہ کہے کہ تو نے مجھ سے ہزار بہ ظلم لئے ہیں تو قاضی کا قول[1] معتبر ہوگا (اور اُس شخص کے ہزار کا ذمہ وار نہوگا) اسی طرح اگر کسی سے قاضی کہے کہ میں نے حق پر تیرے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا یعنے بسبب چوری کے اور وہ کہے کہ میرا ہاتھ تو نے ظلم سے کاٹے ہیں تب بھی قول قاضی کا معتبر ہوگا۔ لیکن یہ دونوں صورتیں، اُس حال میں رہین کہ ہاتھ کٹا ہوا شخص اور جس سے مال لیا گیا ہے وہ اقرار کرے کہ قاضی ہونے کی حالت میں ہاتھ کاٹا ہے یا مال[2] لیا ہے۔

کتاب الشہادۃ

اس میں گواہی کا بیان ہے۔ گواہی کہتے ہیں کسی حال کی خبر دینے کو آنکھوں دیکھ کر نہ فقط اٹکل اور گمان سے اگر مدعی کسی کو گواہی کے لئے طلب کرے تو گواہی دینی اُسکو لازم ہے۔ حدود کی گواہی کا چھپانا مستحب ہے چوری کی گواہی میں یہ کہے کہ فلاں شخص نے مال لیا یوں نہ کہے کہ چرا لیا تاکہ مال ثابت ہوجاوے اور ہاتھ کاٹنا لازم نہو) زنا کے ثبوت کے واسطے چار مردونکی گواہی ضرور ہے اور باقی حدون و قصاص کے واسطے دو مردوں کی کافی ہے۔ اور کنواری ہونے اور جننے اور عورتوں کے اُن عیبوں کے لیئے جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے ہیں ایک عورت کی گواہی کافی ہو اس کے سوا میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی چاہیے اور سب میں گواہ کا عادل ہونا اور گواہی کا لفظ زبان سے کہنا شرط ہے[3] خواہ گواہ مرد ہو خواہ عورت قاضی آدمیوں سے پوشیدہ اور ظاہر میں گواہوں کا جملہ حقوق کے مقدمات میں تحقیق کرے (کہ گواہی کے قابل ہیں یا نہیں صاحب خصومت یعنی) مدعا علیہ اگر مدعی کے گواہوں کو عادل بتاوے تو اس کا اعتبار نہیں گواہونکی عدالت کے تحقیق کرنیکو اور قاصدی اور ترجمہ کرنیکے لئے یعنے دوسرے شخص کی زبان سمجھانیکے لئے ایک شخص کافی ہے (یعنی اگر قاضی ایک ہی شخص سے گواہ کا حال تحقیق کرلے خواہ ایک آدمی کو مزکی[5] کے پاس بھیجے یا گواہ کی زبان کا ترجمہ ایک شخص کردے تو

---

[1] کیونکہ قاضی کا قول ٹھیک ہے۔ اس لئے کہ قاضی بظاہر ظلم نہ کریگا۔ پس بلاقسم کے قاضی کی بات مانی جائیگی اور قاضی کا زید کو دیدینا صحیح ہے کیونکہ اُسنے قاضی ہونیکی حالت میں دیئے تھے ۱۲ [2] اور اگر قاضی تو کہتا ہے کہ حالت قاضی ہونے میں ایسا کیا تھا۔ مگر ہاتھ کٹا ہوا شخص یا جس سے مال لیا تھا وہ کہتا ہے کہ قاضی ہونے سے پہلے ایسا کیا تھا یا معزول ہونیکے بعد ایسا کیا گیا ہے تو متن کی عبارت کا مقتضی تو یہی ہے کہ قاضی کا قول معتبر نہو مگر صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں بھی قاضی کا قول معتبر ہے ۱۲ [3] کیونکہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ جس شخص نے پردہ پوشی کی مسلمان کی اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کریگا دنیا و آخرت میں یہاں تک کہ اگر گواہی کا لفظ نہ کہے یہ کہے مجھے علم ہے یا یقین تو گواہی قبول نہ کیجاویگی ۱۲ [5] ترکی، اس شخص کو کہتے ہیں جو حاکم کی طرف سے لوگوں کی عدالت یعنے راست گوئی اور خوش رویہ ہونا بتلایا کرتا ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

جائز ہے دو کی ضرورت[1] نہیں درست ہے گواہ کو گواہی دینی سُنی ہوئی اور دیکھی ہوئی چیز کی جیسے بیع یا اقرار یا حاکم کا حکم یا چھین لینا یا مار ڈالنا ہو گو اسکو کسی نے گواہ نہ کیا ہو مگر دوسرے کی گواہی دینے پر گواہی نہ دے جبتک کہ اسکو گواہی پر گواہ نہ کیا جاوے۔ قاضی اور گواہ اور راوی کسی نوشتہ پر عمل نہ کریں جبتک کہ وہ مقدمہ یاد نہو[2] ایسی چیز کی گواہی نہ دے جس کو نہ دیکھا ہو سوائے ان چیزوں کے یعنی نسب موت نکاح صحبت کرنا عورت سے حکومت قاضی کی اصل وقف کرنا کسی چیز کا کہ ان چیزوں میں سے کسی معتبر سے سنکر گواہی دے سکتا ہے اگر وقف کرنیوالے جو وقف میں شرطیں کی ہوں اُن کو غیر سے سُن کر گواہی نہ دینی چاہیئے اجس کے ہاتھ میں کوئی چیز سوائے غلام لونڈی کے دیکھے اس کی گواہی دے سکتا ہے کہ یہ اسی کی ہے۔ ان مسئلوں میں اگر قاضی سے صاف صاف کہے کہ میں سُن کر گواہی دیتا ہوں یا قبضہ دیکھ کر قبول نہو گی۔ اگر کوئی ایسی گواہی دے کہ میں فلانے کے دفن میں یا نماز جنازہ میں حاضر تھا تو یہ موت کے دیکھنے کے برابر ہے۔ یہاں تک کہ ایسی گواہی قاضی کے سامنے بیان کرے تو قاضی اسکو قبول کرے۔ واللہ اعلم

باب ان شخصوں کے بیان میں جن کی گواہی مقبول ہے۔ اور جن کی غیر مقبول۔

اندھے[3] اور غلام اور نابالغ کی گواہی مقبول نہیں ہاں اگر غلام یا نابالغ حالت غلامی یا نابالغی میں گواہ ہوئے اور آزادی اور بلوغ کے وقت میں گواہی دیں تو مقبول ہو گی جسکو حد ماری گئی ہو گالی دینے پر گو اس نے توبہ کر لی ہو اس کی گواہی مقبول نہیں[4] لیکن اگر کفر کیحالت میں اسپر حد لگی اور پھر وہ مسلمان ہو گیا ہو۔ تو مقبول ہے لڑکے کو اپنے ماں باپ دادی نانی نانا کی گواہی درست نہیں ہے اور اسکے برعکس بھی نہیں درست ہے۔ یعنے ماں باپ وغیرہ ہا کی گواہی بیٹے پوتے نواسے کے واسطے بھی صحیح نہیں ہے جورو خاوند ایک دوسرے کے گواہ نہیں ہو سکتے۔ مالک اپنے غلام لونڈی اور مکاتب کا گواہ نہیں ہو سکتا ہے ایک شریک دوسرے شریک کا شرکت کے باب میں گواہ نہیں ہو سکتا مخنث[5] اور نوحہ کرنیوالے کی گواہی مقبول نہیں

---

[1] یہ قول امام ابو حنیفہ رح اور امام ابو یوسف کا ہے اور امام محمد رح کے نزدیک اسمیں بھی دو آدمیوں کی ضرورت ہے اور ٹھیک قول امام صاحب اور ابو یوسف رح کا ہے کیونکہ یہ شہادت نہیں جسمیں دو عدد ہونا شرط ہو اسی واسطے لفظ گواہی اور مجلس قضا ہونا بھی شرط نہیں

[2] اور صاحبین کے نزدیک گواہ کو رخصت ہے کہ اپنے لکھے ہوئے کی بنا پر گواہی دے اور بعض نے کہا کہ امام صاحب کا بھی اس میں اتفاق ہے

[3] البتہ اندھے کی گواہی ان چیزوں میں معتبر ہے جن میں سن کر گواہی دینا جائز ہے جیسے نسب موت نکاح وغیرہ جو متن میں مذکور ہوئے کیونکہ ان میں سماعت سے تعلق ہے نہ رویت سے ۱۲

[4] کیونکہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا تقبلوا لہم شہادۃ ابداً یعنی جن کو تہمت لگانے کے جرم میں حد ماری گئی ہے ان کی گواہی کبھی بھی نہ قبول کرو ۱۲

[5] مخنث سے مراد وہ مخنث ہے جو لواطت کرائے ورنہ وہ مخنث نہ کہ جس کی بول چال عورتوں کی جیسی ہوتی ہے اور اس فعل قبیح کے ساتھ مشہور نہیں اس کی گواہی مقبول ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی۔ ملیح آبادی۔

دشمن کسی دشمنی اگرچہ دنیا ہی کیواسطے ہو اور دائم الخمر جو دوا کیواسطے شراب پیتا ہو بلکہ کھیل کیلئے پیتا ہو
اور لونڈوں کی گواہی ثابت نہ ہوگی اور جانور دوڑ کھیلنے والے مثلاً کبوتر باز و مرغ باز وغیرہ اور لوگوں کے سنانے کو
گانیوالے اور ایسے گناہ کرنیوالے جس پر حد جاری ہوتی ہے یا ننگے حمام میں نہانیوالے یا سود کھانے والے
یا چوسر اور شطرنج بد کر کھیلنے والے یا ان دونوں کے سبب نماز کھو دینے والے یا آدمیوں کی راہ میں پیشاب
کرنیوالے یا راہ میں کھانیوالے یا اگلے بزرگوں کو علانیہ برا کہنے والے جیسے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہم اور ان
میں سے کسی کی گواہی مقبول نہیں مقبول ہوگی گواہی ایک شخص کی اپنے بھائی یا چچا یا دودھ کی ماں یا باپ
کے لئے یا اپنی اس بی بی کے بیٹے یا داماد یا بہو یا باپ کی بی بی کے واسطے صحیح ہے گواہی اہل ہوا
یعنی بد مذہب کی مگر فرقہ خطابیہ کہ کٹے رافضی ہوتے ہیں جائز نہیں اسلئے کہ انکے نزدیک مدعی کے
قسم کے لحاظ سے جھوٹی گواہی درست ہے یا ذمی کی گواہی ذمی پر اور حربی کی گواہی حربی پر جائز ہے
مگر حربی کی ذمی پر درست نہیں صحیح ہے گواہی گناہ صغیر کرنیوالے کی اگر کبیرہ سے بچے اور ختنہ نہ کئے ہوئے
کی اور آختہ یعنی خصی اور حرامی اور خنثی کی (جس کے مرد و عورت دونوں کی علامت ہو) اور بادشاہی
عاملوں کی (جو ظالم نہوں) اور آزاد کئے ہوئے کی گواہی آزاد کرنیوالے کے واسطے درست ہے۔
اگر دو شخص گواہی دیں کہ فلاں شخص کو ہمارے باپ نے وصی کیا تھا اور وہ بھی اقرار کرے وصی ہونے کا
تو یہ گواہی درست ہوگی (اور وہ شخص وصی ہوگا) اور اگر انکار کرے تو گواہی مقبول نہوگی۔ اور اگر
یوں گواہی دیں کہ اس شخص کو اپنا قرضہ لینے کا وکیل کیا تھا۔ تو خواہ وہ اقرار وکالت کا کرے یا نکرے
گواہی مقبول نہ ہوگی قاضی گواہوں پر ایسے طعنہ کو جو حق اللہ اور حق العباد سے خالی ہو نہ سنے (جیسے
کہیں کہ گواہ گواہی کے قابل نہیں ہیں مگر ایسے طعنہ کو جو دلیل حق اللہ یا حق العباد ہو سنے) جو شخص
گواہی دے اور کچہری سے جانے کے پہلے کہے کہ میں نے بعض گواہی میں وہم کیا ہے تو یہ کہنا مقبول ہوگا اگر گواہ
عادل ہے۔ باب۔ دو گواہوں کی گواہی کے اختلاف کے بیان میں گواہی اگر دعوے کے موافق ہے تو

لہ دوائم الخمر یعنے ہمیشہ شراب پینے والا یہ قید اسلئے کہ جب ہمیشہ شراب پیئے گا تو لوگوں میں مشہور ہو جائیگا کیونکہ جو شخص اپنے گھر میں
چھپا کر شراب پیتا ہے گا تو اس کی عدالت باطل نہ ہوگی اگرچہ مرتکب گناہ کبیرہ کا ہوگا اور جب شراب پی کر متوالا ہو کر باہر نکلے کہ لوگوں کو ظاہر
ہو جاوے تو اس کی عدالت باطل ہو جائیگی۔ کیونکہ ایسا آدمی جھوٹ بولنے سے احتراز نہ کریگا ۱۲ لہ کیونکہ جو شخص اس قسم کی حقیر باتیں مثلاً
راستہ میں پیشاب کرنا یا کچھ کھانا یا خالی پائجامہ پہنکر بازار میں نکلنا اس قسم کی باتوں سے حیا نہ کریگا وہ جھوٹ بولنے سے بھی پرہیز نہ کرے گا ۱۲
سے اگرچہ دونوں کافر ہیں مگر ذمی چونکہ دار الاسلام میں رہتا ہے اس لئے حربی سے بڑھ کر ہے پس حربی کی گواہی ذمی پر معتبر نہ ہوگی
لکہ کیونکہ قصور اس کے والدین کا ہے نہ اس کا اور جسطرح سے کہ والدین کا کفر لڑکے کیلئے باعث مواخذہ نہیں جبکہ وہ مسلمان ہے اسی طرح
والدین کا فسق بھی اس کی طرف متعدی نہوگا ۱۲ شہ مثلاً مدعا علیہ دعوی کرے کہ گواہوں نے میرے پاس سے کچھ خریدا ہے اور اسپر گواہ
لاوے تو یہ طعن مسموع ہوگا یا کہے کہ شراب خوار ہیں اور کہ شراب خوار ہیں اور ابھی پی کر آتے ہیں عرصہ نہیں گذرا ۱۲ منفی محمد وصی علی ملیح آبادی

باب دو گواہوں کی گواہی کے اختلاف کے بیان میں

قبول ہوگی ورنہ نہیں[۱]۔ مدعی نے ایک گھر کا دعویٰ بسبب وراثت کے یا خرید کے باعث کیا اور اس کے
گواہوں نے گواہی دی کہ یہ گھر کا مالک ہے سبب کو نہ بیان کیا تو یہ گواہی بیکار ہے اور برعکس اسکے
صحیح ہے یعنے مدعی نے فقط ایک گھر کے مالک ہونے کا دعویٰ کیا اور گواہوں نے کہا کہ ورثہ کے
سبب سے خرید کے سبب سے مالک ہوا ہے تو بیکار نہ ہوگی بلکہ مقبول ہوگی دونوں گواہوں کا اظہار متفق چاہیئے
لفظ اور معنی میں پس اگر ایک نے گواہی دی ہزار روپیہ کی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو مقبول نہ ہوگی
اسی صورت میں اگر دوسرے نے ڈیڑھ ہزار کی گواہی دی اور دعویٰ بھی ڈیڑھ ہزار کا ہے تو ہزار کی
قبول ہوگی[۲]۔ دونوں نے ہزار کی گواہی دی مگر ایک نے تو یہ بھی کہا کہ پانسو مدعاعلیہ نے ادا کر دیئے ہیں
تو ہزار ہی کی مقبول ہوگی اور پانسو کے ادا کی نہ سنی جائیگی[۳] لیکن اگر دوسرا بھی اس کے ساتھ پانسو
ادا ہونے کی گواہی دے تو مانی جاویگی مگر چاہیئے کہ جو شخص پانسو وصول جانتا ہے گواہی میں بیان نکرے
جبتک کہ مدعی وصول کا اقبال نکرے[۴]۔ دو شخص گواہی دیں کہ مدعی کے ہزار قرض ہیں اور ایک ان میں سے یہ
کہے وہ ادا بھی ہوگئے ہیں تو یہ گواہی قرض دینے پر جائز ہوگی مگر لینے والے کو اس سے ادا کرنا لازم
نہوگا کیونکہ احتمال ادا کا ہے اگر دو آدمی گواہی دیں کہ فلانے نے عید الضحیٰ کے روز مکہ میں زید کو مار ڈالا
اور دوسرا کہے کہ عید الضحیٰ کے دن مصر میں مار ڈالا تو دونکی مقبول نہوگی۔ ایسی صورت میں اگر ایک
گواہی پر حکم ہوگیا ہو دوسری سے پہلے تو دوسری باطل ہے۔ دو شخصوں نے گواہی دی ایک گائے کی چوری
پر اور گائے کے رنگ میں اختلاف کیا تو چور کا ہاتھ کاٹا جاویگا بخلاف اس کے کہ نر اور مادہ ہونے میں
اختلاف ہو[۵] یا رنگ ہی میں اختلاف ہو چھین لینے کے مقدمہ میں نہ چوری کے کہ ان دونوں صورتوں میں
گواہی میں مقبول نہوگی[۶] اور ہاتھ نہ کٹیگا۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کیلئے گواہی دی کہ اس نے زید سے
ہزار روپیہ کو غلام خریدا ہے اور دوسرے گواہ نے کہا کہ ڈیڑھ ہزار کو خریدا ہے تو گواہی باطل ہے اسیطرح
کتابت اور خلع میں روپیہ کی تعداد کے اختلاف سے۔ گواہی نہ مانی جاوے گی لیکن نکاح تعداد مہر کے

---

[۱] کیونکہ اسی دعوے کے اثبات کو گواہی گذاری گئی ہے پس اگر دعوے کے موافق نہ ہوگی تو کیونکر دعوے ثابت کریگی ۱۲ [۲] کیونکہ ہزار پر
اتفاق ہوگیا ہے اور اس صورت میں اور پہلی صورت میں فرق عربی زبان میں ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں لفظ الف والفین
آئیگا۔ اور دونوں لفظ آپس میں متباین ہیں اور دوسری صورت میں لفظ الف والف وخمسمائۃ ساتھ عطف کے آئیگا پس الف الف
میں دونوں گواہوں کا اتفاق ہوگیا ۱۲ [۳] کیونکہ ایک ہی گواہ کہہ رہا ہے اور ایک کے کہنے کا اعتبار نہیں ۱۲ [۴] جس گواہ کو ہزار
سے پانسو کے وصول ہو چکنے کا علم ہے اسے چاہیئے کہ جبتک مدعی پانسو کے وصول ہو جانیکا اقرار نہ کرے اسوقت تک اس کیواسطے
ہزار کی گواہی نہ دے کیونکہ یہ ظلم پر اعانت ہوگی ۱۲ [۵] کیونکہ چھین لینا دن کو ہوگا اس میں رنگ کا اختلاف مقبول نہ ہوگا۔
اور چوری شب میں ہوگی اندھیرے میں رنگوں کا اختلاف معلوم ہوا ہوگا نیز تطبیق ہو سکتی ہے کہ ایک طرف ایک رنگ کا ہو جو
ایک نے دیکھا اور دوسری طرف دوسرا رنگ ہو جو دوسرے نے دیکھا بخلاف نر اور مادہ کے انمیں تطبیق ممکن نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی عالیہم

اختلاف کی صورت میں ہزار پر ثابت ہو جائیگا جو مورث کا مال ہو اُس کے وارث کو نہ لایا جاوے گا جب تک یہ ثابت نہو کہ وارث کے ملک میں آگیا (یعنے اگر گواہ) گواہی دیں کہ فلان میّت اس چیز کا مالک تھا تو قاضی حکم نہ دیوے کہ اس شئے کو اُس کے وارثوں کو دیدیں جب تک یہ نہ کہیں کہ مورث مر گیا اور اس چیز کو وارث کی میراث چھوڑ گیا) لیکن اگر گواہی دیں کہ میّت مرنیکے وقت اس کا مالک یا متصرف تھا یا موت کے وقت کسی اور نے اس سے مانگ کر اپنا تصرف کر لیا تھا کہ یہ بھی حقیقت میں میّت کا تصرف ہے تو مرنے کے وقت تک قبضہ اور تصرف ثابت ہونے سے بھی قاضی وارثوں کو دلا سکتا ہی اگر گواہی دیں کہ یہ چیز اُس شخص زندہ کے قبضہ میں ایک مہینے سے یا ایک برس سے ہے تو یہ گواہی مقبول[۱] نہوگی (یعنے اس کی ملک ثابت نہوگی مثلاً زید نے عمرو کی شئے پر دعویٰ کیا کہ میری ہی اور گواہوں نے زید کی گواہی دی کہ یہ ایک شئے ایک مہینے سے ہمنے زید کے پاس دیکھی ہی۔ تو اس سے وہ شئے زید کو نہ دلائی جاویگی۔ کیونکہ احتمال ہی کہ زید کے پاس منگنی پر ہو) اور اگر مدعا علیہ اقرار کرے کہ یہ مال مدعی کے پاس ایک مہینے سے ہے یا مدعا علیہ کے اس اقرار پر گواہ گواہی دیں تو قاضی اسکو مدعی کو دلویوے[۲]

باب۔ گواہی پر گواہی دینے کے بیان میں۔

ایسے معاملوں میں جو شبہہ سے ساقط نہیں ہوتے ہیں یعنے سوائے حدود اور قصاص کے) گواہی پر گواہی مانی جاویگی[۳] اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ اصلی دونوں گواہوں میں سے ہر ایک کی گواہی پر دو مرد گواہی دیں اور ایک گواہ کی گواہی پر ایک مرد کی گواہی گواہی مقبول نہوگی۔ گواہ فرعی (یعنے گواہی پر گواہ) بکپڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ اصل گواہ (فرعی سے یون) کہے کہ گواہ رہ میری گواہی کا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلانے نے میرے سامنے اقرار کیا اس بات کا اور ایسی گواہی کے ادا کا یہ طریقہ ہی کہ (فرعی گواہ یوں کہی کہ گواہی دیتا ہوں میں اس کی کہ اصل گواہ نے مجکو گواہ پکڑا ہی اپنی اس گواہی کا فلاں شخص نے فلاں امر کا اقرار اصیل کے سامنے کیا اور اصیل نے مجھ سے

---

[۱] کیونکہ اس گواہی سے یہ بات لازم نہیں آتی۔ کہ وہ مرنے کے وقت تک اس کا مالک رہا ہے کیونکہ بسا اوقات آدمی ایک چیز کا مالک ہوتا ہے۔ اور پھر اُسے الگ کر دیا کرتا ہے مرتے وقت اس کی ملک میں باقی نہیں رہتی اور وارثوں کو وراثت اسی میں ملتی ہے جسکو مرتے وقت میت اپنی ملک میں چھوڑ جائے ۱۲ [۲] کیونکہ کسی چیز کے قبضہ میں ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ اس کا مالک بھی ہو ۱۲ [۳] کیونکہ مدعا علیہ کا اقرار ہے کہ یہ چیز ایک مہینہ سے مدعی کے پاس ہے اور یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میری ملک ہے مدعی ہی مجھے لا دیگا پس وہ مدعی کے پاس چھوڑ دی جاویگی ۱۲ [۴] کیونکہ کبھی اصل گواہ بوجہ بعض عوارض کے شہادت دینے سے معذور ہوگا پس اگر گواہی پر گواہی کا اعتبار نہ کیا جاوے گا۔ تو بہت سے حقوق تلف ہو جائیں گے لیکن اس قسم کی گواہی میں شبہہ باقی رہتا ہے۔ اس لئے حدود اور قصاص میں اعتبار نہ کیا جائیگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

کہدیا ہے کہ تو میرے گواہ ہونیکا گواہ رہنا فرعی گواہ کی گواہی مقبول ہوگی جبتک کہ اصل نہ مرے یا بیمار نہو یا سفر نکرے[1] اگر فرع کے گواہ اصل گواہوں کا عدل ہونا بھی بیان کریں تو اُن کی عدالت ثابت ہوجاویگی ورنہ قاضی اور ون سے اُن کا حال پوچھے۔ اگر اصل گواہ اپنی گواہی سے انکار کریں تو فرع کی گواہی باطل ہے[2] اگر زید اور عمرو نے گواہی دی کہ ہمسے بکر اور خالد نے کہا کہ فلاں شخص کی فلاں عورت پر کہ فلانے کی بیٹی ہے اور فلانے گھرانے کی ہے ہزار آتے ہیں اور ہم یعنے بکر اور خالد اُسکو پہچانتے ہیں تو اس صورت میں اگر مدعی ایک عورت کو لائے اور زید و عمرو کہیں کہ ہم اسکو نہیں پہچانتے ہیں کہ یہ وہی مدعا علیہا ہے۔ یا کوئی اور تو مدعی سے کہا جاویگا کہ اور گواہ لا اس کے کہ یہ عورت وہی ہے جو تیری مدعا علیہا ہے اسیطرح ایک قاضی کا خط جو دوسرے قاضی کیطرف جاوے اگر خط لیجانیوالے دو گواہ مدعا علیہ کو نہ پہچانتے ہوں تو وہ دوسرا قاضی مدعی سے کہے کہ اور گواہ لا اسکے کہ یہی میرا مدعا علیہ ہے اگر ان صورتوں میں فرع کے گواہ یوں کہیں کہ فلاں عورت قبیلہ بنی تمیم سے ہے (یعنی اوپر کا قبیلہ بتلاویں) تو کافی نہوگا۔ جبتک کہ اوپر کے قبیلے میں سے کسی خاص چھوٹے قبیلہ کو ذکر نہ کریں (اسلیئے کہ اوپر کی قوم کے ذکر سے پہچان خوب نہیں ہوتی مثلاً اگر صدیقی کہدیں تو پہچان نہوگی جبتک کہ اس کے باپ دادے کا خاص لقب جو چند پشت سے ہوجایا کرتا ہے بیان نہ کیا جاوے) اگر ایک گواہ نے اقرار کیا کہ میں نے جھوٹی گواہی دی تھی۔ تو اس کو شہر و بازار میں تشہیر[3] کیا جاوے تعزیر نہ کیا جاوے۔

باب۔ گواہی سے پھر جانیکے بیان میں

گواہ کو گواہی سے پھرنا درست نہیں مگر قاضی کے روبرو[4] اگر قاضی کے حکم دینے سے پہلے دونوں گواہ پھر گئے تو قاضی اُن کی گواہی کے بموجب حکم ندے حکم کے بعد پھر جانیسے حکم نہ لوٹے گا۔ اس صورتمیں اگر مدعی نے مدعا علیہ سے کچھ لے لیا ہو دین[5] ہو یا عین تو جتنا مدعا علیہ کو دینا پڑا ہو وہ دونوں گواہ اسکے بھرلے (یعنی قاضی اُن سے دلاوے) اگر ایک پھر گیا تو مدعا علیہ کے آدھے مال کا ضامن ہوگا جتنے گواہ گواہی سے نہ پھریں شمار اُن کی معتبر ہے پھرنے والوں کی گنتی معتبر

باب۔ گواہی سے پھر جانیکے بیان میں

[1] کیونکہ گواہی پر گواہی بوجہ شدت حاجت کے مانی جاتی تھی۔ اور جب تک اصل گواہ کو کوئی عذر نہ ہو وہ خود ادائے شہادت پر قادر رہے۔ لہذا فرعی گواہ کی گواہی کو نہ مانیں گے اور بیمار ہونا یا سفر میں ہونا یا مرجانا ان باتوں سے اصل کی غلط وہی ثابت ہوجائیگی ۱۲ [2] کیونکہ فروع کی شہادت قبول کرنے کے لئے اصل گواہوں کا انہیں گواہ بنانا شرط تھا اور جب اصل گواہ انکار کرتے ہیں تو ان کی طرف سے گواہ بنانا نہ مانا گیا لہذا باطل ہے ۱۲ [3] تشہیر یہ کہ بازاروں اور مجمعوں میں اس بات کی منادی کرادیں کہ فلاں شخص جھوٹا گواہ ہے پس جس سے بچو اور دوسروں کو بچاؤ ۱۲ [4] کیونکہ یہ درحقیقت شہادت کا فسخ کرنا ہے پس جس جگہ شہادت ہوتی ہے وہیں فسخ بھی ہونا چاہیئے ایک وہ جگہ قاضی کی مجلس ہے ۱۲ [5] قولہ دین ہو یا عین یعنے جو مال اس کے ذمے پر گواہی سے لازمی ہو یا کوئی چیز معین دینی پڑی ہو ۱۲ مفتی محمد وصی علی مہم آبادی عفی عنہ

نہیں مثلاً اگر تین گواہوں میں سے ایک پھر گیا تو اس کو کچھ دینا نہ آئیگا اسلیے کہ دو گواہ نہیں پھرے (مال مدعا علیہ کے ذمے میں دو کی گواہی سے بھی ثابت ہے) اور اگر دوسرا اور پھر جاوے تو ان دونوں پھرنیوالوں کو آدھا مال دینا پڑیگا (کیونکہ جو نہیں پھرا ہے وہ ایک ہے اس سے نصف مال ثابت ہوا تو باقی نصف ان دونوں سے لیا جاویگا) اگر دو عورتوں اور ایک مرد نے گواہی دی اور ایک عورت پھر گئی تو چہارم مال کی ضامن ہوگی- اور دونوں پھر گئیں تو آدھے مال کی دونوں ضامن ہونگی اگر ایک مرد اور دس عورتیں گواہ ہیں اور آٹھ پھر گئیں تو انپر کچھ نہیں ہے اور نو پھریں تو انپر چہارم ہے اور اگر سب عورتیں مع مرد پھر گئیں تو نقصان کے چھ حصے برابر ہونگے ایک مرد پر اور پانچ حصے عورتوں پر پڑینگے (کیونکہ دو دو عورتیں ایک ایک مرد کے برابر ہیں تو گویا دس عورتیں بجاے پانچ مردوں کے ہوئیں اور ایک مرد گواہ تھا تو کل گویا چھ مرد ہوے) اگر گواہی دیں دو مرد ایک مرد پر یا ایک عورت پر اس مضمون کی کہ مہر مثل پر نکاح کیا ہے اور پھر اس گواہی سے پھر جاویں تو کسی چیز کے ضامن نہونگے لیکن اگر مہر مثل سے زیادہ کی گواہی دی تھی تو زیادتی کی مقدار کا تاوان دینگے اور (اگر) بیع (کے باب میں) قیمت مثل یا زیادہ قیمت کی گواہی دینگے تو پھر جانے پر کچھ نہ دینا پڑیگا لیکن اگر کم قیمت کی گواہی ہے تو جسقدر بیع کی قیمت سے کم ہوگی اس قدر بائع کے لئے ضامن ہونگے صحبت سے پہلے طلاق کے دونوں گواہ اگر پھر جاویں تو نصف مہر کے ضامن ہونگے اور اگر طلاق کے بعد صحبت کے گواہ پھر جاوینگے تو اُن کو کچھ ضمان نہ دینا ہوگا- اور اگر غلام کی آزادی کے گواہ پھر جاویں تو اُس کی قیمت دینی پڑیگی اگر خون کی گواہی سے پھر جاویں تو خونبہا مقتول کا اُنسے بھر لیا جاویگا مگر قصاص میں مارے نجاوینگے- اگر فرع کے گواہ جنہوں نے اوروں کے گواہ ہونیکی گواہی دی ہے پھر جاوینگے تو وہ ہی ضامن ہونگے بشرطیکہ اصل کے گواہ یوں کہیں کہ ہمنے انکو اپنی گواہی پر گواہ نکیا تھا یا یوں کہیں کہ ہمنے انکو گواہ بیشک کیا تھا مگر ہمسے غلطی ہوئی تھی- اگر اصل و فرع دونوں کے گواہ پھر جاویں تو ضامن فرع

ف۱ کیونکہ اس باب میں اعتبار ان لوگوں کا ہے جو شہادت پر باقی رہیں نہ اس شخص کا جو شہادت سے رجوع کرے اسی واسطے تین گواہوں میں سے اگر ایک نے رجوع کر لیا تو رجوع کرنیوالے پر کچھ واجب ہوگا اور صاحب حق کا حق جیون کا تیوں ثابت رہیگا ۱۲ ف۲ اسی واسطے اگر دو مردوں اور ایک عورت نے کسی مال کی گواہی دی تھی- اور پھر سب نے رجوع کر لیا تو تاوان صرف مردوں سے دلوائیں گے نہ عورت سے کیونکہ ایک عورت بمنزلہ نصف مرد کے ہے تو وہ نصف شاہد ہوئی قاضی کا فیصلہ اس کی طرف منسوب ہوگا- بلکہ مردوں کی طرف ہوگا- پس تاوان بھی دونوں مرد دینگے نہ عورت ۱۲ ف۳ یعنی شوہر کی صحبت کر چکنے کے بعد دو گواہوں نے گواہی دی تھی کہ شوہر نے طلاق مغلظ دیدی ہے- اور فیصلہ کر دیا گیا پھر گواہ پھر گئے- تو جو مہر شوہر نے ادا کیا ہے اس میں گواہوں کے ذمہ کچھ تاوان نہ آئے گا- کیونکہ صحبت کرنے سے مہر اس کے ذمہ موکد ہو گیا لہذا طلاق کو مہر میں کچھ دخل نہوا پس طلاق کے گواہوں پر کچھ تاوان نہ آئے گا ۱۲ ف۴ یعنی بائع کو کچھ نہ دینگے جو چیز بائع کے پاس سے انکی گواہی سے گئی اس کا عوض اسکے پاس آ گیا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

اسکے گواہ ہوئے ہونگے اور اُن کے اس کہنے پر التفات نہ کیا جائیگا کہ ہمسے اصل کے گواہوں نے جھوٹ کہا تھا یا غلطی کی تھی جس شخص نے گواہوں کی عدالت کی تحقیقات کی پھر اُس سے پھر گیا تو وہ خود ضامن نقصان کا ہوگا ایسی قسم کے گواہ جو کسی شرط پر معلق ہو اور زنا کے گواہ ضامن ہونگے لیکن زانی کے محصن ہونے کے گواہ اور شرط کے واقع ہونیکے گواہ کچھ تاوان نہ دینگے یعنے اگر چار گواہوں نے کسی کے زنا کی گواہی دی اور دوسرے دو گواہوں نے اُسکے محصن ہونے کی گواہی دی جس سے سنگساری لازم ہوئی اور پھر یہ سب گواہی سے پھر گئے تو سنگسار کئے ہوئے شخص کا خون بہا زنا کے چاروں گواہوں پر پڑیگا نہ محصن ہونے کے دو گواہوں پر اور شرط کے واقع ہونیکی صورت یہ ہے کہ دو گواہوں نے کہا کہ زید نے اپنے غلام سے کہا تھا کہ اگر تو گھر میں جائے تو آزاد ہے اور دو گواہوں نے گواہی دی کہ وہ غلام گھر میں گیا پھر چاروں گواہ پھر گئے تو پہلے دو گواہ غلام کی قیمت کے ضامن ہونگے نہ دوسرے ۱۲

کتاب الوکالۃ

اس میں وکیل کرنے کا بیان ہے وکیل کرنا صحیح ہے[۱] اور معنی اُس کے یہ ہیں کہ دوسرے کو اپنی ذات کے قائمقام کر دینا ایسے تصرف میں جس کا خود موکل کو اختیار ہے خواہ وکیل لڑکا ہو یا غلام جس کو معاملات کرنے کے لیئے مالک کا حکم نہیں بشرطیکہ وکیل معاملات کی حقیقت سمجھتا ہو جو معاملات موکل خود کر سکتا ہے اُن میں وکیل کو اپنے قائمقام کر سکتا ہے اور وکیل کرنا اپنے جواب سوال کیواسطے حقوق میں طرف ثانی کی رضامندی سے درست ہے لیکن اگر موکل بیمار ہو یا غائب تو تین منزل کے عرصہ سے یا اُس کا سفر کا ارادہ ہو یا عورت پردہ نشین ہو تو ان صورتوں میں طرف ثانی کی رضامندی ضرور نہیں اور اسیطرح صحیح ہے وکیل کرنا کوئی حق دینے یا لینے کے واسطے سوا حد اور قصاص[۲] کے اگر موکل غائب ہو اور اگر اس مجلس میں حاضر ہو تو وکیل کر حد اور قصاص لینے کیواسطے بھی صحیح ہے

۱ے کیونکہ قاضی کی مجلس میں گواہی انھیں سے صادر ہوئی ہے اور قاضی کا فیصلہ بھی انکی گواہی کی بنا پر ہوا ہے پس جو کچھ ضرر مدعا علیہ کو پہنچیگا وہ انھیں کی گواہی کیطرف منسوب ہوگا لہذا وہی اسکے تاوان کے ذمہ دار ہونگے ۱۲ ۲ے کیونکہ سبب سنگساری کا زنا ہے اور محصن ہونا محض شرط ہے پس زنا کی شہادت دینے والے ضرور ہونگے وہی سنگسار کئے ہوئے کے تلف کا باعث ہوئے ہیں ۱۲ ۳ے کیونکہ بسا اوقات انسان خود ایک کام کرنے سے عاجز ہوتا ہے تو اسے ضرورت پڑتی ہے کہ دوسرے سے کرائے پس رفع حاجت کے لئے توکیل یعنی وکیل بنانا صحیح رکھا گیا اور صحیح طور پر ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکیم بن حزام کو قربانی خریدنے کا وکیل بنایا تھا ۱۲ ۴ے کیونکہ حدود اور قصاص شبہ سے دفع ہو جاتے ہیں اور موکل کے غائب ہونے کے وقت میں یہ شبہ موجود ہے کہ شاید ہو تا تو معاف کر دیتا اسلئے موجودگی ضرور ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

کیونکہ موکل کے ہوتے ہوئے وکیل کا کچھ اعتبار نہیں تو گویا یہ امور موکل ہی نے کیئے) جس عقد کو وکیل اپنی طرف نسبت کرے مثلاً بیچنا یا ٹھیکہ دینا اقرار سے صلح کرنا تو اس عقد کے حقوق وکیل سے متعلق ہو جائیں گے[1] بشرطیکہ وکیل وہ غلام نہو جس کو معاملہ کرنے کے لیئے مالک کا حکم نہیں اور حقوق یہ ہیں کہ مبیع کو دینا یا لینا یا اس کی قیمت لینی یا مبیع کسی اور کی نکلی تو بائع سے قیمت پھیر لینی یا مبیع کے عیب میں جھگڑنا یہ سب معاملات وکیل سے متعلق رہتے ہیں) اور ملک موکل کی ثابت ہوتی ہے معاملہ کے شروع ہی سے یہاں تک کہ اگر وکیل اپنے رشتہ دار کو خریدے تو وہ آزاد نہ ہوگا[2] اور جن معاملوں کو وکیل موکل کی طرف نسبت کرے جیسے نکاح یا خلع یا صلح دانستہ خون سے یا انکار سے صلح کرنا تو انکے حقوق متعلق موکل سے ہونگے (نہ وکیل سے) تو اب وکیل شوہر سے نکاح میں مہر کا مواخذہ نہیں ہو سکتا اور عورت کے وکیل سے عورت کے حوالہ کرنے کا مواخذہ نہیں کیا جاویگا[3] خریدنے والے کو اختیار ہے کہ موکل کو قیمت نہ دے (وکیل ہی کو دے کیونکہ بیع وکیل سے متعلق ہے) اور اگر موکل کو دیدے تو بھی صحیح ہے پھر وکیل اس سے مواخذہ نکرے (کیونکہ حق حقدار کو پہنچ گیا)

باب۔ خرید و فروخت کیواسطے وکیل کرنیکے بیان میں۔ اگر وکیل سے کہے کہ مثلاً ٹانڈے کی سوسی یا گھوڑا یا خچر خرید تو صحیح ہے[4] خواہ قیمت مقرر کرے یا نکرے۔ اگر یوں کہے کہ غلام یا مکان خرید تو قیمت اگر بتاویگا تو درست ہے۔ ورنہ جائز نہوگا۔ اگر کپڑا خریدنے کو بغیر قید ٹانڈے وغیرہ کے کہے یا کہے کہ چارپایہ خرید گھوڑے خچر وغیرہ کا نام نہ لے تو صحیح نہیں ہی گو قیمت بتادے اگر مطلق طعام خریدنے کو کہے تو گیہوں یا آٹا مراد ہوگا وکیل کو مبیع کا پھیر دینا بسبب عیب کے صحیح ہے جب مبیع اُس کے پاس ہو اور جب موکل کو دیدے تو بے حکم اس کے پھیر نہیں سکتا۔ اگر مبیع کی قیمت وکیل نے اپنے پاس سے دیدی تو مبیع روک سکتا ہی جب تک موکل قیمت اُس کی نہ دے اگر مبیع وکیل کے پاس سے جاتی رہی تو اگر روکنے سے پہلے گئی تو موکل کی گئی اور موکل کے ذمے سے اُس کے دام ساقط نہونگے اور اگر روکنے کے گئی تو اس کا حکم (اس مبیع کا سا ہے

[1] امام شافعی کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ جملہ حقوق موکل ہی سے متعلق ہونگے کیونکہ اس معاملہ کا جو حکم ہے یعنی ملک اسی کے یہ حقوق تابع ہوتے ہیں اور ملک کا تعلق موکل سے ہوا کرتا ہی۔ لہذا اس کے توابعات بھی موکل سے متعلق ہونگے اور ہمارے نزدیک معاملہ چونکہ وکیل کے الفاظ سے منعقد ہوا ہے لہذا حقوق بھی اسی سے متعلق ہونگے ۱۲ [2] کیونکہ جو شخص اپنے رشتہ دار محرم کا مالک ہوتا ہی تو اس کی طرف سے وہ رشتہ دار فوراً آزاد ہو جاتا ہی۔ اور یہاں آزاد نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وکیل کی ملک نہیں آتی ہی ابتدا ہی سے موکل ہی کی ملک آتی ہے ۱۲ [3] کیونکہ نکاح میں وکیل محض ایلچی ہوتا ہی۔ یہاں تک کہ عقد کی نسبت موکل کی طرف کرنا اسے ضرور ہے۔ خود اپنی طرف نہیں منسوب کر سکتا ہی ۱۲ [4] یعنی جب کبھی کو کسی چیز کی خریداری کا وکیل بنائے تو اس چیز کا نام اور اس کی جنس اور اس کی صفت بتلائے ۱۲ [5] اس لئے کہ جب موکل کو دیدیا تو وکالت ختم ہو گئی اب وکیل کو کچھ تصرف کا نہیں۔ نیز اس میں موکل کے قبضہ کو باطل کرتا ہی لہذا بلا اجازت موکل کے قدرت نہیں ۱۲ مفتی احمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

باب خرید و فروخت کیواسطے وکیل کرنیکے بیان میں

جو بائع کے پاس مشتری کے دینے سے پہلے ہلاک ہو یعنی ایسی مبیع کی قیمت موکل سے لیجائے گی بیع صرف اور سلم جنہیں عاقدین کی جدائی سے پیشتر قبضہ ضروری ہے ان میں وکیل کی جدائی کا اعتبار ہے نہ موکل کی یعنی وکیل کو چاہیئے کہ بیع صرف اور سلم میں بدون قبضہ بدل کے علیحدہ اور موکل علیحدہ ہو تو مضائقہ نہیں، ایک شخص کو وکیل کیا روپیہ کا آٹھ سیر گوشت خریدنے اور وکیل نے وہی گوشت جو آٹھ سیر بکتا ہے روپیہ کا سولہ سیر خریدا تو موکل کو آٹھ آنہ کا آٹھ سیر خرید کرنا ضرور[2] ہے اگر کسی خاص چیز کے خریدنے کو وکیل کیا تو وکیل اپنے واسطے اس چیز کو نہیں لے سکتا اگر ایسی چیز کو وکیل (روپیہ پیسے یعنی) نقد کے عوض نہ لے یا جو موکل نے اسکی قیمت بتادی تھی اسکے خلاف لے تو وہ خرید وکیل ہی کی ہوگی۔ اگر وکیل کرے کسی غیر معین چیز کے خریدنے کا تو وہ خرید بھی وکیل کی ہے لیکن وکیل نے اگر نیت کرلی کہ موکل کے واسطے خریدتا ہوں یا موکل کے مال سے خریدی تو موکل کی ہوگی۔ اگر وکیل کہے کہ اس چیز کو میں نے موکل کے واسطے خریدا ہے اور موکل کہے کہ تو نے اپنے واسطے خریدا ہے تو موکل کا قول معتبر ہے[2] اگر اسی صورت میں موکل نے پہلے قیمت دیدی ہوگی تو وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ زید نے عمرو سے کہا کہ خالد کے واسطے یہ چیز میرے ہاتھ بیچدے اور عمرو نے بیچڈالی اور پھر زید وکالت سے انکار کرے کہ میں نے خالد کیواسطے نہیں خریدی ہے تو خالد اس شے کو لے سکتا ہے لیکن اگر خالد کہے کہ میں نے زید کو وکیل نہیں کیا تھا (کہ میرے واسطے خرید) تو خالد اسکو نہیں لے سکتا ہاں اگر زید یہ شے اُس کو وہ چیز دے چکا ہو (تو البتہ خالد لے سکتا ہے پھر زید کو نہ ملیگی) اگر وکیل سے کہے کہ فلانے دو غلام میرے واسطے خرید اور قیمت نہ مقرر کرے پس وکیل ایک غلام اس کیواسطے خریدے تو صحیح ہے[3] اگر ان دونوں کو ہزار روپیہ میں خریدنے کو کہے اور دونوں کی قیمت برابر ہو پھر ایک کو وکیل پانسو یا کم کو خریدے تو بھی صحیح ہے اور اگر پانسو سے زیادہ کو خریدے تو نہیں صحیح ہے۔ ہاں اگر موکل کے جھگڑنے سے پیشتر دوسرے غلام کو پانسو سے اتنے کم کو خریدے جتنا پہلے میں زیادہ دیا ہے تو صحیح ہے کہ دونوں ہزار میں ہوگئے اگر کوئی اپنے قرضدار کو وکیل کرے کہ فلاں چیز میرے قرض کے بدلے جو تجھ پر آتا ہے خریددے

---

[1] اور اس کا تاوان خود وکیل کو بھگتنا پڑیگا بخلاف اس صورت کے کہ بلا وکیل کے روکے ہوئے وکیل کے پاس ہلاک ہوگئی۔ اس میں خود موکل کا مال ہلاک سمجھا جائیگا کیونکہ وہ وکیل کا قبضہ درحقیقت موکل کا قبضہ ہے اور موکل اس کے ثمن کا ذمہ دار ہے ۱۲ [2] یعنی باقی آٹھ سیر کے متعلق اسے اختیار ہے خواہ اس کو بھی خریدلے خواہ اسکو وکیل کے سر تھوپے اور اپنے آٹھ آنہ پیسے وکیل سے واپس کرلے کیونکہ اسی آٹھ سیر کی خریداری کا وکیل بنایا تھا۔ اور ایک روپیہ اس کا نہیں دیا۔ گوشت مہنگا ہے مگر وکیل کو سستا ملگیا تو اسکو ضرورت ہے نا مذہ لینے کی کیا ضرورت ۱۲ [3] کیونکہ وکیل کا اس کہنے سے کہ میں نے موکل کیواسطے خریدا ہے یہ مطلب ہے کہ موکل سے دام وصول کرے اور موکل دام دینے سے منکر ہے پس قول کا منکر معتبر ہوگا ۱۲ [4] کیونکہ اس نے مطلقاً وکیل بنایا ہے نہ یہ صراحتً کہا کہ الگ الگ خریدے اور نہ یہ کہا کہ اکٹھا خریدے پس دونوں صورتوں کو شامل ہوگا اور تنہا ایک کی خریداری بھی موکل کی طرف سے صحیح ہوجائیگی ۱۲

اور وہ خرید دے تو صحیح ہے اور اگر غیر معین شئی کو اس طرح کہے تو وہ خرید وکیل کی ہوگی[1]۔ اگر ہزار دے کر
ایک شخص کو کہے کہ اتنے کو میرے واسطے لونڈی خرید اور اُس نے خریدی پھر موکل نے کہا کہ یہ پانسو کی ہے
اس صورت میں خریدنے والے (یعنی وکیل) کا قول معتبر ہوگا (کیونکہ موکل اس سے لینا چاہتا ہے
اور وہ انکار کرتا ہے اور منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے) اور اگر پہلے سے ہزار نہیں دیئے
ہیں تو اس صورت میں موکل کا قول معتبر ہوگا (کیونکہ وکیل اس سے پانسو زیادہ لیا چاہتا ہے اور
وہ منکر ہے) اگر ایک معین شے کے خریدنے کو وکیل کیا اور پھر اختلاف ہوا وکیل کہتا ہے کہ ہزار کو خریدی
ہے اور موکل کہتا ہے کہ پانسو کو اور اُس شئی کا بائع وکیل کی سی کہتا ہے تو وکیل و موکل آپس میں قسم کھائیں[2]
(اگر دونوں نے قسم کھائی تو وہ شئی وکیل کی ٹھیریگی نہ موکل کی) ایک غلام زید سے کہے کہ تو مجھ کو میرے
مالک سے میرے لیئے ہزار روپیہ کو خرید دے اور غلام نے ہزار دیدیئے اور زید نے مالک سے کہدیا کہ میں تیرے
فلانے غلام کو خاص اُسی کے لیئے خریدتا ہوں اور مالک اسی شرط پر بیچڈالے تو غلام آزاد ہو جاویگا
اور اولاد اُس کے مالک کو ملیگی اور اگر زید کہے کہ اس غلام کو میں اپنے واسطے خریدتا ہوں تو وہ زید کا ٹھیریگا اور
اُس کے ذمے ہزار روپیہ اور لازم ہونگے (اسلیئے کہ غلام والے ہزار روپیہ تو مالک ہی کے ہیں جو غلام کا مالک
ہے وہ مالک کا ہی اب بدہزار اور قیمت کے دے) اگر کہے کوئی غلام سے کہ تو میرے واسطے اپنے آپ کو
اپنے مالک سے خریدلے اور غلام مالک سے کہے کہ مجھ کو فلاں شخص کیواسطے بیچ اور وہ بیچڈالے تو حکم کرنیوالے کا
غلام ٹھیریگا اور اگر یوں نہ کہے کہ فلانے کیواسطے بیچ تو آزاد ہو جائیگا[3] **فصل** وکیل خرید فروخت کا
ایسے شخص سے معاملہ نکرے کہ جسکے واسطے گواہی نہ دیسکے (مثلاً اپنے ماں باپ لڑکا لڑکی بی بی
خاوند شریک وغیرہ سے معاملے خرید و فروخت کے نکرے کہ خوف ہے تہمت کا) اور صحیح ہے کہ وکیل بیع کا کم زیادہ
قیمت کے عوض میں خواہ اسباب کے بدلہ میں خواہ کسی وقت قرض پر چیز کو بیچدے[4] اور اگر خریدنے کیلئے وکیل ہو

---

[1] یعنے جبتک موکل کے قبضہ میں نہ آئیگی اور وکیل کے ہاتھ میں اگر ہلاک ہوجائیگی تو وہ مشتری یعنی وکیل کے مال سے ہلاک
ہوگی اور جب موکل کے قبضہ میں آچکے اسکے بعد ہلاک ہوگی تو موکل کے مال سے ہلاک ہوگی ۱۲ [2] کیونکہ موکل مدعی ہے کہ پانسو کو
وہ چیز اسے ملنا چاہیئے اور وکیل منکر ایسے ہی وکیل مدعی ہے کہ میں نے موکل کیواسطے ایکہزار کو خریدی ہے اور موکل منکر پس ہر ایک قسم کھائیگا اور قسم
کھانیکے بعد معاملہ فسخ کردیا جائیگا نہ وکیل موکل سے کچھ لے اور نہ موکل وکیل سے اور وکیل کی خریدی ہوئی چیز وکیل کے ذمے پڑیگی ۱۲ [3]
کیونکہ در حقیقت آزاد کرنیوالا مالک ہے اس لئے کہ غلام کو خود غلام کے ہاتھ بیچا غلام کو در حقیقت آزاد کرتا ہے اور غلام کا
خود اپنے کو خریدنا آزادی کو بعوض قبول کرنا ہے اور وہ درمیانی شخص محض ایلچی ہے۔ وکیل نہیں کیونکہ معاملہ کو اصل حکم کرنے
والے کی طرف منسوب کرتا ہے پس آزادی مالک کیجانب سے سمجھی جائیگی ۱۲ [4] کیونکہ جب مطلقاً وکیل بنایا اور کوئی قید
نہیں لگائی کہ ادھار بیچنا یا نقد یا اتنے کو بیچنا یا فلاں چیز سے بیچنا تو اسے اختیار ہے جس طرح سے چاہے بیچے ۱۲

تو اُس کی خرید میں یہ شرط ہے کہ برابر قیمت پر چیز مول لے خواہ دام اتنا بڑھا دے کہ اتنا نقصان[۱] رائج ہو یعنی قیمت لگانیوالے بڑھ کر سے بڑھ کر اتنا دام لگا ئیں (ایسا نہو کہ کوئی اس کی قیمت اتنی نہ لگائے) اگر غلام کے بیچنے کا وکیل کیا اور اُس نے آدھا غلام بیچا تو صحیح اور اگر غلام خریدنے کا وکیل کیا اور آدھا خریدا تو یہ خرید موقوف ہوگی باقی آدھے کے خریدنے پر (اگر وہ بھی خرید لیا تو موکل کو لینا پڑے گا) اگر مشتری عیب کے سبب سے جو مشتری کے گواہوں سے ثابت ہو یا وکیل کی قسم نہ کھانے سے ثابت ہو مبیع وکیل کو پھیر دے تو وہ مُوکل کو پھیر دے[۲] اسی طرح اگر وکیل نے مبیع میں ایک قدیمی عیب کا اقرار کیا ہو جیسے ایک زائد انگلی یا دانت زائد کا مثلاً اور اس عیب سے وہ چیز وکیل کے پاس پھر کر آوے۔ تب بھی مُوکل کو پھیر دے اور اگر ویسے عیب کا اقرار نہو تو وہ چیز صرف وکیل کو واپس ملیگی وہ موکل کو پھیرے گا اور اگر وکیل کچھ اور ادھار پر بیچ ڈالے اور موکل کہے کہ میں نے نقد بیچنے کو کہا تھا اور وکیل کہے کہ مطلق بیچنے کو کہا تھا (نقد اور ادھار کی قید نہیں لگائی تھی) تو موکل کا قول معتبر ہو گا اور اگر عقد مضاربت[۳] میں یہ صورت واقع ہو تو مضارب کا قول معتبر ہوگا بیع کا وکیل اگر کوئی چیز مشتری کے گرد کرے اور وہ وکیل کے پاس ضائع ہو جاوے) یا مشتری سے کوئی ضامن لیلے (اور ضامن مثلاً مفلس ہو کر مرجاوے) اور قیمت ہاتھ نہ لگے تو وکیل ضامن نہ ہوگا (قیمت کا) اگر کسی کے دو وکیل ہوں تو انہیں سے فقط ایک کسی معاملہ میں تصرف نہ کرے مگر جھگڑا کرنے میں کسی سے اور طلاق دینے میں بغیر بدل کے اور آزاد کرنے میں (کہ اگر ان امور میں دو وکیل ہوں تو ہر ایک انہیں سے بغیر دوسرے کے ان معاملات کو ادا کر سکتا ہے اور معاملوں میں دونوں اتفاق سے کام کریں) وکیل اپنی طرف سے کسی اور کو وکیل نکرے[۵] مگر موکل کے کہنے سے یا اس صورت میں کہ موکل نے اُس سے کہہ رکھا ہو۔ جیسا تیری عقل میں آوے ویسا کر

---

[۱] یعنی اگر اتنا خرید یا کہ اتنے داموں کوئی نہ خرید تا تو موکل کیلئے خرید صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ وکیل متہم ہو سکتا ہے۔ کہ شاید اس نے اپنے واسطے خریدا ہوا اور جب گراں دیکھا تو موکل کے گلے منڈھ رہا ہے۔ کہ تم نے منگایا تھا تمہارے واسطے خرید لائے ہیں ۱۲

[۲] یعنے کسی شخص نے کسی کو مثلاً غلام کے فروخت کا وکیل بنایا۔ اور اس نے غلام کو فروخت کیا پھر کسی عیب کیوجہ سے وہ غلام واپس کیا گیا۔ یا اس وجہ سے کہ عیب پر مشتری نے گواہ پیش کئے یا وکیل نے درصورت نہ گواہ پیش کرسکنے مشتری کے قسم کھانے سے انکار کیا تھا۔ تو وہ غلام اب وکیل بھی موکل کو واپس کر دے ۱۲ [۳] مضاربت اس عقد کو کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص کا مال ہو۔ اور دوسرے کی محنت اور نفع میں دونوں شریک ہوں ۱۲ [۴] یعنے اس ڈوبی ہوئی اور ضائع شدہ قیمت کا نقصان موکل کو پہنچیگا ۱۲

[۵] کیونکہ موکل نے اُسے تصرف کرنے کا حق دیا ہے نہ کسی دوسرے کو وکیل بنانے کا نیز اُسے اُس کی رائے کو بہتر سمجھ کر وکیل بنایا ہے پس دوسرے کی رائے سے کیوں راضی ہونے لگا۔ ۱۲

دونوں صورتوں میں وکیل اپنی طرف سے وکیل کرسکتا ہی[۱] اگر وکیل نے بے حکم موکل کے کسی کو وکیل کرلیا پس اس وکیل کے وکیل نے اصل وکیل کے سامنے عقد کیا یا کسی اجنبی آدمی نے کوئی عقد وکیل کی طرف سے کیا اور اس عقد کو اصل وکیل نے جائز رکھا تو صحیح ہی یعنی اگر اجنبی آدمی وکیل کے سامنے خواہ پیچھے عقد کرے اور وکیل اُس کو جائز رکھے تو وہ عقد درست ہو جائے گا۔ گو وہ شخص اجنبی وکیل کا وکیل نہ ہو[۲] اگر نکاح کرے غلام یا مکاتب یا کافر اپنی چھوٹی لڑکی کا جو آزاد اور مسلمان ہو یا ایسی لڑکی کے مال سے کچھ اُس کے لیئے خریدے یا بیع کرے تو یہ صورتیں صحیح نہ ہونگی (کیونکہ غلام یا کافر مسلمان عورت کا ولی نہیں ہوسکتا)۔

باب جھگڑا کرنے کے یا مال لینے کیلئے وکیل کرنیکے بیان میں جو شخص جھگڑنے یا تقاضا کرنیکا وکیل ہو وہ قرض کا روپیہ لینے کا اختیار نہیں رکھتا ہی[۳] اور جو قرض کے وصول کرنے کا وکیل ہے وہ جھگڑنے کا مختار ہے اور جو کسی خاص چیز کے لینے کیواسطے وکیل ہے وہ جھگڑنے کا مختار نہیں۔ اگر اسی صورت میں چیز مذکور کے قابض نے وکیل کے روبرو گواہ قایم کئے کہ اس چیز کو تیرے موکل زید نے میرے ہاتھ بیچڈالا ہے تو حکم موقوف رہیگا[۴] جب تک کہ زید غائب حاضر نہو۔ جب زید حاضر ہو تو حکم کیا جائیگا زید کے سامنے گواہ قائم کرنے کا اسیطرح طلاق اور آزادی کا حال ہے۔ (یعنے ایک شخص کو زید نے وکیل کیا کہ میری بی بی یا میرے غلام کو لے آ اور عورت نے گواہ قایم کئے کہ زید نے مجھ کو طلاق دیدی ہے یا غلام نے گواہ قایم کئے کہ زید نے مجھ کو آزاد کر دیا ہے۔ تو بغیر زید کے حاضر ہونے کے حکم موقوف رہیگا یعنے گواہ اسی کے سامنے سُنے جاویں گے) جو شخص جھگڑا کرنے کا وکیل ہے وہ اپنے موکل کے ذمے بر طرف ثانی کے حق کا اقرار اگر قاضی کے سامنے کرے تو وہ اقرار صحیح ہوگا[۵] اور اگر قاضی کے سامنے نہیں کیا تو معتبر نہیں۔ مال ضامن کو اسی مال کے وصول کرنے کا وکیل کرنا صحیح نہیں (کیونکہ جس مال کا وہ کفیل ہے اُسی کے وصول کرنے

۱؎ اور یہ وکیل دوسرا بھی موکل کیطرف سے وکیل سمجھا جائیگا یہاں تک وکیل اول کو اُس کے معزول کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اور نہ وکیل اول کی موت سے وہ معزول ہوگا۔ بلکہ موکل کی موت سے دونوں معزول ہو جائیں گے ۱۲ ۲؎ کیونکہ مقصد وکیل کی رائے کا پایا جانا اور وہ پائی گئی ۱۲ ۳؎ موکل اس کے تقاضا کرنے سے راضی ہوا ہے نہ وصول کرلینے سے اور یہ قول زفر کا ہی کہ لوگوں کا فتوی ہے کیونکہ اکثر اوقات موکل کسی شخص کے تقاضا کرنے پر اطمینان کریگا اور اسکے وصول کرلینے پر اطمینان نکریگا ۱۲ ۴؎ یعنے نہ بیع کا فیصلہ کیا جائیگا اور نہ وہ چیز وکیل کو دلائی جائیگی اور جب موکل کے سامنے شہادت گذر جائیگی تو بیع کا فیصلہ کردینگے ۱۲ ۵؎ عام اس سے کہ مدعی کا وکیل یا مدعا علیہ کا۔ مدعی کے وکیل کے اقرار کی یہ صورت ہے۔ کہ وہ کہے کہ میرے موکل نے اس مال پر قبضہ کرلیا ہے اور مدعا علیہ کے وکیل کے اقرار یہ صورت ہے کہ وہ کہے کہ میرے موکل پر یہ مال واجب الادا ہے ۱۲

وصول کرنے کا وکیل نہیں ہو سکتا) اگر زید دعویٰ کرے کہ میں فلاں غائب کا وکیل ہوں۔ اُس کے قرض کے وصول کرنے کا اور قرضدار اُسکے کہنے کو درست بتاوے تو اُس کو حکم کیا جاوے گا کہ اُس کیل کو قرض ادا کر دے پس اگر وہ غائب آیا اور اُس نے وکیل کو سچا بتادیا تو خیر ورنہ قرضدار کو دوبارہ قرض ادا کرنا پڑے گا اور وکیل کے پاس اُس کا مال موجود ہی تو پھیر لے اور اگر جا تا رہا تو کچھ نہ پاویگا۔ البتہ اگر وکیل قرض وصول کرتے وقت ضامن ہو گیا تھا (کہ اگر موکل کو یہ مال نہ پہنچے تو میں ذمہ وار ہوں) یا قرضدار نے اُس کی وکالت کو درست نہ کہا ہو۔ تو فقط دعوے وکالت پر اسکو وہ مال دیا ہو ان دونوں صورتوں میں اگر وکیل کے پاس مال بھی ہو گیا ہو تو وصول کرنے) اور اگر ایک شخص کہے کہ میں امانت لینے کے واسطے وکیل ہوں۔ اور جس کے پاس امانت سپرد ہے وہ اُس کو سچا بتاوے تو اس سے وہ امانت وکیل کو نہ دلائی جائیگی[۲] اسی طرح اگر کوئی یوں کہے کہ جس کی یہ امانت ہے۔ اس سے میں نے مول لی ہے اور امانتدار اس امانت کو سچا کہے (تب بھی امانتدار سے وہ امانت دلائی جاویگی) اور اگر یوں کہے کہ مالک اس امانت کا مر گیا یہ امانت میرے لئے میراث چھوڑ مرا ہے اور جس کے پاس امانت ہو وہ اس شخص کو سچا کہے تو وہ امانت اس مدعی کو دلوائی جائیگی اگر قرضخواہ کسی کو وکیل کرے اپنے مال لینے کیواسطے اور قرضدار کہے کہ صاحب مال نے تو اپنا مال لے لیا تو اس کہنے سے مالک کا لے لینا ثابت نہ ہوگا وکیل کی وکالت ثابت ہو چکی ہی تو وکیل کو وہ مال حوالے کرے اور (اسکو حکم ہوگا۔ کہ اگر) مالک (کو مال) ادا کر دیا ہے تو (اس ہی مواخذہ کرے اور (اگر مالک مال لینے سے انکار کریگا تو قرضدار) اُس کو قسم دلا سکیے اگر ایک شخص کو وکیل کیا (کہ) بائع سے اس عیب کی بابت جو خریدی ہوئی لونڈی میں نکلا ہے جواب وسوال کرے (اور اس نے بائع سے حجت کی) اور بائع نے کہا کہ مشتری تو راضی ہو گیا تھا تو وکیل لونڈی کو نہیں پھیر سکتا جب تک مشتری قسم نہ کھائے (کہ میں راضی نہ ہوا تھا۔ اگر قسم کھائے تو پھیر دینے کا حکم ہوگا) زید نے عمرو کو دس روپیہ دیئے کہ انکو میرے گھر والوں پر خرچ کر دے اور عمرو نے اپنے پاس سے دس انپر خرچ کر دیئے تو یہ دس مقابل ہو گئے زید والے دس کے یعنے زید عمرو سے اپنے

---

[۱] کیونکہ جب مدیون نے اس کی تصدیق کر لی تھی۔ تو گویا اس نے اقرار کر لیا تھا۔ کہ وکیل قبضہ کرنے میں حق پر ہے پس اب دوبارہ قرضخواہ کا اس سے قرضہ وصول کرنا ظلم ہوا اور مظلوم کو جائز نہیں کہ دوسرے پر ظلم کرے کیونکہ جب وکیل اپنے گمان کے موافق حق بجانب تھا تو اب چیز ہلاک ہونے کے بعد اس سے لیا جانا ظلم ہوگا ۱۲ [۳] کیونکہ اس طور میں امانت رکھانیوالے کے مرنیکے بعد امانت رکھانے والے کا مال وارث کا اقرار سے اپنا مال دینا واجب ہے تا ہے اور دین اپنا مال خاص امانت ۱۲ [۲] کیونکہ اس صورتمیں امانت رکھانیوالے کے مرنے کے بعد امانت رکھانے والے کا مال امانت نہ باقی رہا اور دونوں کا اتفاق ہو گیا کہ وہ طالب کر نیوالے کا مال ہے پس دلا یا جائیگا ۱۲ [۴] اور قرضدار کو یہ حق حاصل نہیں کہ وکیل سے قسم لے اس بات کی کہ وکیل کو موکل کے وصول کر لینے کا علم نہیں کیونکہ وکیل نائب ہے اس سے نہ قسم لیجائیگی ۱۲ [۵] بخلاف دین یعنی قرضوالی صورت کے کہ وہاں قسم کھلانے سے پہلے وکیل کو مال دلا دیا جائے گا کیونکہ تدارک ممکن ہے وکیل سے مال واپس کرا کے اور یہاں جب بیع کے

باب وکیل کی برطرفی کے بیانمیں

روپے نہیں لے سکتا۔ یوں کہکر کہ تونے اپنے پاس سے خرچ کئے۔

باب۔ وکیل کو برطرف کرنیکے بیان میں۔ اگر وکیل نے موکل کو برطرف کردیا اور وکیل کو اس کی خبر بھی ہوگئی تو وکالت باطل[1] ہوگئی۔ اسی طرح اگر وکیل یا موکل مرگیا یا مجنوں ہوگیا ہمیشہ کو یا وہ مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا یا جن دو شریکوں نے شرکت میں وکیل تھا وہ شریک آپسمیں نہ رہے یا ایسی شرکت تھی کہ وکالت اس کو لازم تھی جیسے مفاوضہ یا موکل مکاتب تھا۔ اور وہ ادائے زرکتابت سے عاجز ہوگیا یا موکل غلام ماذون تھا۔ پھر اسکو عقود سے مالک نے منع کیا ان سب صورتوں میں وکالت باطل ہوجائیگی جس کام کے لئے وکیل کیا ہے۔ اگر موکل اس کو بذات خود کرنے[2] لگے تو وکالت جاتی رہتی ہے۔

کتاب الدعوٰی

اس میں دعوے کا بیان ہی۔ دعوے کہتے ہیں جھگڑے میں کسی چیز کو اپنی طرف نسبت کرنے کو (یعنی یوں کہنے کو کہ یہ میری چیز ہے) مدعی اسکو کہتے ہیں کہ دعوے کرے اور اگر جھگڑا چھوڑ بیٹھے تو اس سے مواخذہ نہو۔ مدعا علیہ مدعی کے خلاف ہے (یعنے جسپر دعوے کیا جائے اور اگر وہ جوابدہی سے چپ ہو رہے تو بزبردستی اس سے جواب طلب ہو) دعویٰ صحیح نہیں جبتک وہ شے جسپر دعوی ہے بیان نہ کردیجائے اور اُس کا اندازہ اور جنس بیان[3] نہو پس اگر وہ شے معین مدعا علیہ کے پاس ہو تو مدعا علیہ کو اسکے حاضر کرنے کی تکلیف دیجاویگی تاکہ مدعی اپنے دعوے میں اس کی طرف اشارہ کرے یہی حال ہے گواہوں کے گواہی دینے اور مدعا علیہ کے قسم دلانے میں (یعنے چیز کا حاضر کرنا چاہیئے تاکہ گواہ اپنی گواہی میں اور مدعا علیہ اپنی قسم میں اس کیطرف اشارہ کریں اگر چیز کا حاضر کرنا دشوار ہو تو مدعی اس کی قیمت ذکر کردے اگر دعوے غیر منقول شئے کا ہو (مثلاً زمین یا گھر کے) تو اسکی حدیں بیان کردے

[1] کیونکہ وکالت موکل کا حق تھا پس جس طرح سے اسے وکیل بنانے کا حق تھا۔ اسی طرح اُسے باطل کرنے کا بھی حق ہے۔ بشرطیکہ وکالت کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہو ۱۲ [2] مثلاً غلام آزاد کرنیکے لئے وکیل بنایا تھا پھر خود آزاد کردیا یا کسی عورت کے نکاح کرا دینے کا وکیل کیا تھا۔ پھر خود کردیا۔ یا کسی چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تھا۔ پھر خود خرید لی یا عورت کو طلاق دینے وکیل بنایا تھا اور پھر خود تین طلاقیں دیدیں یا ایک طلاق دی اور عدت گذر گئی تو ان سب صورتوں میں وکالت جاتی رہے گی ۱۲ [3] کیونکہ دعوی کا فائدہ یہ ہے۔ کہ شہادت قائم کرکے دوسرے پر ایک چیز لازم کریگا اور مجہول چیز کا لازم کرنا ممکن نہیں ۱۲ [4] اور یہ بھی بیان کرے کہ وہ مدعا علیہ کے قبضہ میں ہے اور مدعی اسکو طلب کررہا ہے کیونکہ مطالبہ مدعی کا حق ہے نیز یہ بھی ہوسکتا ہی کہ مدعا علیہ کے قبضہ میں قطور رہن کے ہو مطالبہ کرنیسے یہ احتمال منقطع ہوجائیگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔ اللہم اغفر لکاتبہ

متن حدوں کا بیان کر دینا کافی ہے (کیونکہ چوتھی حد اسی سے معلوم ہو سکتی ہے) ان حدوں کے مالکوں کا
نام بھی ذکر کرے اور جو شخص مشہور نہو اس کے دادا تک کا نام بتانا ضرور ہے یہ بھی ذکر کرے کہ جس چیز کا
دعویٰ ہے وہ بعینہ مدعا علیہ کے قبضہ میں ہے غیر منقول شئے میں قبض و تصرف فقط مدعی مدعا علیہ کے
ایک دوسرے کو سچا کہنے سے ثابت نہو گا جبتک گواہ ہو نسے ہو یا قاضی کے جاننے سے ثابت نہو بخلاف
منقول کے (کہ اسمیں قبض و تصرف طرفین کے اقرار سے بھی ثابت ہو جائیگا) معین چیز کے دعوے
میں ضرور ہے کہ مدعی ذکر کر دے کہ عین شئ مدعا بہا کو مدعا علیہ سے طلب کرتا ہوں اگر وہ شے دین ہو
تو اس کا وصف بیان کرے اور یہ کہ اسکو مدعا علیہ سے چاہتا ہوں جب دعویٰ صحیح ہو جائے تو قاضی مدعا علیہ
سے جواب طلب کرے پس اگر مدعا علیہ اقرار کرے دعوے کا تو اس کے دلانے کا حکم کر دے اور انکار کرے
تو مدعی اپنے گواہ لاوے اور گواہوں کے بعد مدعا علیہ پر حکم کرے (یعنے شے مدعا بہا مدعی کو دلاوے) اور
اگر گواہ مدعی کے پاس نہوں تو مدعا علیہ کو قسم دلائی جاوے اگر مدعی قسم طلب کرے اور مدعی کو قسم نہ دلائی جاوے
(کیونکہ قسم خاص ہے واسطے مدعا علیہ کے) ملک دعوی میں شخص متصرف کے گواہ مقبول نہو وینگے اگر مطلق
ملک بیان کریں۔ (اور سبب ملک کا ذکر نہ کریں جیسے خرید یا ہبہ وغیرہ) اگر دونوں شخص قابض اور
بیذخل گواہ گذاریں تو جو شخص متصرف نہیں ہے اس کے گواہوں کی سماعت (بہ نسبت گواہوں متصرف
کے) بہتر ہے اگر مدعا علیہ سے قسم کھانیکو (ایک بار) کہا گیا اور اس نے انکار کیا یا چپ ہو رہا۔ تو
بدوں قسم دلانے کے اُسپر حکم ہو جائیگا (کہ مدعی کا مدعا حوالہ کرنا) مستحب ہے مدعا علیہ سے تین بار قسم کو
کو کہنا۔ مدعا علیہ منکر سے قاضی ان چیزوں میں قسم نہ لے اوّل نکاح۔ دوم رجعت بعد طلاق کے
سوم رجعت ایلاء کے بعد۔ چہارم لونڈی کو ام ولد کرنے میں پنجم غلام ہونے میں ششم ثبوت نسب میں ہفتم
حق ولاء میں اور حد اور لعان میں بھی قسم نہ دلائی جائے اور قاضی امام فخر الدین رح نے فرمایا ہے
کہ فتوے اسپر ہے کہ مدعا علیہ منکر سے قسم لیجائے چھوں اشیاء مذکورہ میں (یعنے نکاح سے ولاء تک

۱؎ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ چیز کسی تیسرے شخص کے قبضہ میں ہو اور ان دونوں نے آپس میں سازباز کر لی ہو بخلاف منقول شئے کے کہ
اسمیں قبضہ کا مشاہدہ ہو گا ۱۲ ۲؎ یہ ترتیب حدیث شریف سے نکلتی ہے کہ مدعی سے گواہ مانگے اگر مدعی گواہ دینے سے عاجز ہو
تو پھر مدعا علیہ سے قسم کھلائی مدعی کے طلب کرنے پر حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مدعی سے پوچھا کہ کیا تو گواہ رکھتا
ہے اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کہ تو مدعا علیہ سے قسم لے سکتا ہے ۱۲ ۳؎ یعنے قاضی مدعا علیہ سے تین بار قسم کھانے کو
اس طرح کہے کہ میں تجھ پر قسم پیش کرتا ہوں اگر تو قسم کھالے تو خیر ورنہ تیرے اوپر فیصلہ کر دوں گا ۱۲

مفتی محمد وصی علی سلمہ اللہ تعالیٰ ملیح آبادی

فائدہ ۔ جاننا چاہیئے کہ نکاح سے ولا تک سات شئے ہیں ان کو چھ اسواسطے قرار دیا کہ ام ولد بنانا اور اثبات نسب لازم اور ملزوم ہیں گویا وہ دونوں ایک قسم ہیں (چور کو قسم دلائی جائے پس اگر انکار کرے قسم سے تو چوری کے مال کا ضامن ہوجائیگا ۔ مگر ہاتھ نہیں کٹے گا[1] اگر بیوی خاوند پر دعوے کرے کہ مجھ کو صحبت سے پہلے طلاق دی ہے تو خاوند کو قسم دلائی جاویگی اگر انکار کیا قسم سے تو آدھے مہر کا ذمہ وار ہوگیا جو شخص انکار کرے قصاص کے مقدمہ میں تو اس کو بھی قسم دلائی جائے پس اگر جان کی قصاص میں قسم سے انکار کرے تو قید کیا جاوے یہاں تک کہ اقرار خون کا کرے یا قسم کھائے اور جان کے سوا اور چیزوں کے قصاص میں مثل رجم وغیرہ کے بمجرد انکار کے قصاص لیا جاوے اگر مدعی کہے کہ میرے گواہ حاضر ہیں اور پھر مدعا علیہ سے قسم کی درخواست کرے تو اسکو قسم نہ دیجاویگی اور اگر مدعا علیہ سے کہا جاوے کہ مدعی کو تین روز تک کی حاضر ضمانتی دیدے پس اگر مدعا علیہ[4] مسافر ہو تو اس کی ہمراہی قاضی کے محکمہ میں کرے[2] (اس لیئے کہ اس سے زیادہ مسافر کے ساتھ رہنے یا اس سے ضامن لینے میں مسافر کا کمال نقصان ہے) اور قسم جو مدعا علیہ کھاوے تو معتبر خدا کی قسم ہے یعنے یوں کہنا کہ خدا کی قسم مدعی کا حق مجھ پر نہیں طلاق اور آزادی کی قسم نہ کھاوے یعنی یہ نہ کہے کہ اگر مدعی کا حق مجھ پر ہو تو میری بی بی طالق یا غلام آزاد ہے البتہ اگر اصرار کرے (کہ اسکو طلاق یا عتاق کے ساتھ قسم دلائی جاے) تو ایسی قسم کا بھی اعتبار ہے قسم کی تاکید[3] خدا کے اوصاف کے ذکر سے کرنا چاہیئے (کہ عالم الغیب ہے ۔ اور گنہگاروں کو عذاب دینے والا ہے اور جھوٹ پر سزا دینے والا ہے) وقت اور جگہ سے تاکید قسم ضرور نہیں (یعنی مدعی یہ درخواست نہ کرے کہ مثلاً یہ مدعا علیہ عصر کے وقت یا جمعہ کو مسجد میں یا کعبہ شریف میں قسم کھاوے یہودی کو قسم یوں دلائی جاوے کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت اتاری اور نصرانی کو اس طرح کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل کی اور مجوسی آتش پرست کو اس طرح کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے آگ پیدا کی اور بت پرست کو صرف خدا کی قسم دیجاوے بغیر ملانے کسی اور لفظ کے[5] ان سبکو

[4] ضمانت دینے سے انکار کرے تو مدعی اس کے ہمراہ رہے جہاں جائے لیکن اگر مدعا علیہ مسافر ہو تو

[1] کیونکہ ہاتھ کٹنے کے لئے قسم سے انکار کرنا کافی نہیں جب تک کہ شہادت سے ثابت نہ ہو ۔ یا اقرار نہ کرلے اور مال کا ثبوت انکار قسم سے بھی ہوجائیگا ۔ جیسا کہ ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں ۱۲ [2] یعنے جسوقت قاضی اجلاس کرنے بیٹھے تو اتنی دیر اس کے ساتھ رہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [3] یعنے قاضی کو اختیار ہے کہ اگر چاہے قسم کی تاکید ان اوصاف سے کرائے اور اگر نہ چاہے نہ کرائے اور بعضوں نے کہا ہے کہ بڑے معاملہ میں تاکید کرائے اور معمولی چیز میں نہ کرائے ۱۲

[5] کیونکہ بت پرست کافر خدا کو مانتے ہیں مگر بت پرستی اپنے خیال میں خدا سے تقرب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

اُن کے عبادتخانہ نہیں قسم نہ دلائی جاتی حاصل دعوے پر مثلاً بیع کے دعوے میں یوں کہا جائے کہ خدا کی قسم ہم دونوں میں اسوقت بیع قایم نہیں ہے اور نکاح کے دعوے میں یوں کہ قسم خدا کی ہم دونو میں نکاح اسوقت میں قائم نہیں اور غصب کے دعوے میں یوں کہ قسم خدا کی مجھکو اسچیز کا پھیر دینا واجب نہیں اور طلاق کے دعوے میں یوں کہ اللہ کی قسم یہ عورت اسوقت مجھسے بائن نہیں ہے[۱] اگر مدعی پڑوس کے سبب حق شفعہ کا دعوے کرے یا بائن طلاق دی ہوئی عورت نفقہ کا دعوے کرے اور مدعا علیہ (یعنی مشتری یا خاوند) معتقد ان کا نہو (مثلاً شافعی مذہب ہو کیونکہ امام شافعی رح کے یہاں حق شفعہ اور نفقہ مطلقہ بائنہ کا واجب نہیں) تو ایسی صورتمیں قسم دلائی جاویگی سبب دعوے پر (مثلاً مدعا علیہ یوں کہے کہ خدا کی قسم میں نے مدعی کے پڑوس کا گھر نہیں خریدا ہے یا اس عورت کو طلاق بائن نہیں دی ہے) اور غلام کے وارث ہونیمیں قسم جاننے پر دیجائیگی (مثلاً زید ایک غلام کا وارث ہوا اور عمرو نے دعوے کیا کہ غلام میرا ہے تو زید سے یوں قسم لیجاویگی۔ کہ قسم خدا کی میں نہیں جانتا ہوں کہ یہ غلام عمرو[۲] کا ہے) اور اگر زید اس غلام کا ہبہ سے یا خریدنے سے مالک ہوا ہے تو امر واقعی پر قسم دلائی جاویگی نہ جاننے پر (یعنی زید کو یوں کہنا پڑیگا۔ کہ خدا کی قسم یہ غلام عمرو کا نہیں ہے) منکر قسم اگر عوض دیدے قسم کا یا مدعی سے صلح کرلے قسم سے تو یہ صحیح ہے۔ عوض یا صلح کے بعد پھر اُسکو قسم نہ دلائی جاویگی (عوض دینا یا صلح کرنی یوں ہے کہ منکر کہے کہ مجھ پر جو قسم لازم ہے اس کے بدلے میں تجھکو یہ چیز دیتا ہوں یا اپنی قسم سے اسچیز پر صلح کرتا ہوں تو دونوں صحیح ہیں)

باب آپسمیں قسم کھانیکے بیانمیں۔

آپسمیں قسم کھانیکے بیانمیں

اگر بائع اور مشتری اختلاف کریں مقدار مبیع یا مقدار قیمت میں (مثلاً بائع ثمن دوسو بتاوے اور مشتری پونے دوسو یا بائع مبیع بیس من غلہ بتاوے اور مشتری اکیس من) تو جو گواہ لاوے اُس کی خاطر خواہ حکم ہوگا اگر دونوں گواہ لاویں۔ تو جس کے گواہوں سے زیادہ ثابت ہو[۳]۔ اس کے موافق....

---

[۲] یعنی ان مذکورہ صورتوں میں اس طرح نہ قسم کھائی جائے مثلاً بیع میں کہ قسم خدا کی میں نے نہیں بیچا ہو پھر بیع فسخ کی گئی۔ اور ایسے ہی بقیہ میں یوں قسم نہ کھلائی جائے کہ قسم خدا کی میں نے نہیں نکاح کیا یا نہیں غصب کیا یا نہیں طلاق دی کیونکہ ممکن ہے کہ غصب کیا ہو اور پھر غصب کی شے ہبہ ہو ہبہ یا بیع کی وجہ سے اور ایسے ہی نکاح پر کبھی خلع طاری ہوتا ہے اور طلاق کے بعد کبھی تجدید نکاح ہوتی ہے تو ان سب صورتوں میں مدعا علیہ کو ضرر پہنچیگا۔ [۳] کیونکہ اپنے علم کی قسم کھا سکتا ہے قطعی قسم نہیں کھا سکتا کہ یہ غلام عمرو کا نہیں ہے اسلیئے کہ اس کو اپنے مورث کے فعل کی کیا خبر ہے ۱۲ [۴] یعنی جسکو گواہ کرنے ثابت ہو گئے اسکے موافق فیصلہ ہوگا۔ بائع دوسو کے گواہ پیش کرے اور مشتری پونے دوسو کے تو بائع کے موافق فیصلہ ہوگا کیونکہ بائع کے گواہ پچیس[۵] زائد کو ثابت کرتے ہیں اور مشتری کے گواہ اس کا ذکر نہیں کرتے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

حکم ہوگا اگر دونوں گواہ نہ لاسکیں اور آپس میں راضی بھی ہوں تو دونوں قسم کھائیں اور پہلے مشتری کو قسم دلائی جائیگی[1] اور اگر دونوں میں ایک بھی فسخ بیع چاہے تو قاضی بیع کو فسخ کردے اور جو قسم سے انکار کریگا دوسرے کا دعویٰ اُس پر ثابت ہو جائیگا۔ اگر دونوں میں اختلاف ہو وقت ادائے ثمن میں (کہ بائع کہے کہ میں نے نقد بیچا ہے اور مشتری کہے کہ ادھار) یا شرط خیار میں اختلاف کریں (ایک کہے کہ بیع میں خیار تھا دوسرا کہے کہ نہ تھا) یا کسقدر قیمت کے لینے میں (اختلاف ہو) یا مبیع کے سب یا تھوڑے جاتے رہنے کے بعد (مقدار قیمت میں اختلاف ہو) یا (مکاتب اور مالک) زر کتابت کی مقدار مختلف بتاویں (مالک زیادہ کہے اور مکاتب کم) یا بیع سلم کے فسخ کے بعد (سلم کرنیوالا اور جس سے سلم کی تھی وہ شخص) راس المال کی مقدار میں (اختلاف کریں) تو ان سب صورتوں میں دونوں کو قسم نہ دلائی جائے گی۔ بلکہ منکر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اگر بیع کے اقالہ کے بعد بائع اور مشتری مقدار میں اختلاف کریں تو دونوں پر قسم آویگی اگر جورو خاوند مقدار مہر میں اختلاف کریں تو جو گواہ لاویگا وہی جیتے گا۔[2] اگر دونوں گواہ لاویں تو عورت جیتے گی اگر دونوں گواہ نہ لاسکیں تو دونوں قسم کھائیں اور نکاح فسخ نہ کیا جائے بلکہ دونوں کی قسم کی صورت میں مہر مثل کو دیکھا جائیگا اگر مہر مثل خاوند کے قول کے مطابق یا اُس سے کم ہے تو اس کے قول کے موافق حکم ہوگا اور اگر عورت کے قول کے مطابق یا اس سے زائد ہوگا تو حکم اُس کے قول کے بموجب ہوگا اور جو دونوں کے قول کے درمیان ہوگا تو مہر مثل ہی دیا جائیگا اگر (ٹھیکہ دینے والا اور متاجر یعنے ٹھیکہ لینے والا اختلاف کریں ٹھیکہ میں (یعنی اُس کی اجرت خواہ منافع میں) نفع لینے سے پہلے تو باہم قسم کھائیں اور نفع لینے کے بعد دونوں قسم نہ کھائیں بلکہ (اس صورتمیں) قول متاجر کا قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور بعض اختلاف اور کل میں اختلاف ہونے کا ایک حکم ہے (یعنے تھوڑا نفع لینے کے بعد اگر اس کی اجرت کی مقدار میں اختلاف کرینگے تو دونوں کو قسم نہ دیجاویگی بلکہ قول متاجر کا قسم سے معتبر ہوگا ایام گذشتہ کیلیئے اور باقی اجارہ فسخ کردیا جائیگا) اگر عورت اور خاوند گھر کے اسباب میں اختلاف کریں تو اسباب جسکے لائق ہو اُسکو دلایا جاویگا[3] جو دونوں کے کام

[1] اور اگر بیع عین شے کی دوسری عین شے کے ساتھ ہو یعنے اسباب کی بیع اسباب کے ساتھ ہوئی یا نقد کی بیع نقد کے ساتھ ہوئی تو قاضی کو اختیار ہے کہ چاہے جسکو پہلے قسم دلوائے اور یہ مشتری کو پہلے قسم دلوانا اس صورت میں ہے کہ اسباب کی بیع نقد سے ہو ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

[2] مثلاً خاوند کہے کہ ایکہزار مہر تھا۔ اور جورو کہے کہ دو ہزار پر نکاح ہوا تھا تو جو گواہ لائیگا اس کے موافق فیصلہ کیا جائیگا اگر دونوں گواہ لاویں تو عورت کے موافق فیصلہ ہوگا جبکہ اس کا مہر مثل اس کے دعوے سے کم ہو کیونکہ عورت کے گواہوں سے زیادتی ثابت ہوتی ہے ۱۲

[3] مثلاً عمامہ ہو تو مرد کو دلایا جائیگا اور زیور ہو تو عورت کو دلایا جائیگا کیونکہ بظاہر عمامہ مرد کی موافقت کرتا ہے اور زیور عورت کی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

کا ہے وہ خاوند کو دلا جائیگا (یعنے اگر خاوند نے بی بی ہر ایک کل اسباب کا دعوےٰ کریں تو زیور وغیرہ عورت کے کار آمد ہے وہ عورت کو ملیگا اور ہتھیار وغیرہ خاوند کو اور جو چیزیں دونوں کے کار آمد ہوتی ہیں جیسے برتن وغیرہ تو وہ بھی خاوند کو ملینگے) پس اگر دونوں میں سے ایک مرجاوے (اور اُس کا وارث اُس کی جگہ دعوے کریں) تو دونوں کی کار آمد چیز زندہ کو ملیگی اور اگر دونوں میں سے کوئی مملوک ہو تو اسباب آزاد کو پہنچیگا[1] بشرطیکہ وہ دونوں زندہ ہوں اور اگر ایک مرگیا ہو تو زندہ کو ملے گا[2]۔

فصل- اگر مدعا علیہ مدعی سے کہے کہ (اس چیز پر جو تو دعوے کرتا ہے یہ مجکو فلانے غائب نے امانت دی ہے۔ یا کرایہ کو دی ہے یا مانگنی دی ہے یا گرو رکھی ہے میرے پاس یا میں نے اس سے چھین لی ہے۔ اور اس قول کے گواہ گذرانے تو مدعی کا جھگڑا اس سے دفع ہو جائیگا (یعنے مدعی کو اسپر دعویٰ نہیں پہنچتا بلکہ اسی غائب پر دعوے کرے) اور اگر مدعا علیہ کہے کہ میں نے یہ شے مدعا بہا اُس غائب سے خرید کی ہے۔ یا مدعی کہے کہ میرے پاس سے یہ شئے چوری گئی تھی اور مدعا علیہ قابض کہے کہ مجھ کو فلاں شخص نے امانت دی ہے اور امانت ہونیکو گواہوں سے ثابت کردے تو مدعی کا جھگڑا اس سے رفع نہیں کیا جائیگا اور اگر مُدعی کہے کہ یہ چیز میں نے فلاں شخص سے خریدی ہے اور مدعا علیہ قابض کہے کہ مجھ کو یہ چیز اسی فلان شخص نے امانت دی ہے تب بھی خصومت مدعی کی مدعا علیہ سے ساقط ہو جائیگی (کیونکہ قابض اپنی ملک کا دعوے نہیں کرتا ہے پس مدعی کو خریدنے کا ثبوت دینا چاہیئے۔)

باب- ایک چیز پر دو شخصوں کے دعوی کرنیکے بیان میں- اگر دو شخص ایک چیز کا دعوے کریں جو تیسرے کے قبضہ میں ہے اور ہر ایک گواہوں سے ثابت کردے (کہ یہ میری چیز ہے تو وہ چیز دونوں کو نصفا نصف دیجاویگی اگر ایک پر دو شخص اپنی اپنی عورت منکوحہ ہونے کے گواہ قایم کریں تو دونوں کے گواہ نامعتبر ہونگے اور عورت اُسکو ملیگی جس کی بات کو وہ سچا کہے یا جس کے گواہ پیشتر گذر چکے ہوں اگر دونوں مدعی گواہ لاویں کہ یہ چیز کسی تیسرے سے مول لی ہے تو ہر ایک کو نصف شے مدعا بہا ملیگی نصف قیمت کے عوض میں چاہے تو لیلے اگر قاضی کے حکم کرنے کے بعد دونوں میں سے ایک نے

[1] یعنی اگر عورت کسی کی لونڈی ہے اور مرد آزاد ہے تو اسباب سب کا سب مرد کو ملیگا اور اگر وہ کسیکا غلام اور عورت آزاد ہے تو سب اسباب عورت پائیگی کیونکہ آزاد کا قبضہ بمقابلہ لونڈی غلام کے قوی تر ہے ۱۲ [2] کیونکہ مردے کا کسی چیز پر قبضہ نہیں رہتا۔ پس خالی زندہ کا قبضہ باقی رہگیا ۱۲ [3] کیونکہ جب مدعی نے چوری کا دعوے کیا تو چوری کے واسطے چور ہونا چاہیئے اور ظاہر ہے کہ چور وہی ہے جسکے پاس چیز ہے مگر مدعی نے ہراس اسے چور نہیں کہا تاکہ چوری کی حد سے محفوظ رہے۔ پس دعوے باقی رہیگا ۱۲ [4] کیونکہ محل مشترک ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ دونوں کے گواہوں نے خاص تاریخ بیان کی ہو تو جن کے گواہوں نے قبل کی تاریخ بیان کی ہو اس کو عورت ملے گی ۱۲ منہ فتح محمد وصی علی آبادی ۱۲ ۔ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

اللہم اغفر لکاتبہ ولوالدیہ

باب - ایک چیز پر دو شخصوں کے دعویٰ کرنیکے بیان میں

آدھے لینے سے انکار کیا تو دوسرے کو سب نہ ملیگی اور اگر تاریخ خرید کی دو مدعیوں نے بیان کی تو اسکو دلائی جائیگی جو پہلا خریدار ہے[1] اور اگر تاریخ بیان نہ کی تو قابض کو ملیگی۔ خریدنیکا دعوے اور اُسکے گواہ بہ نسبت ہبہ کے دعوے اور گواہوں کے زیادہ مقبول ہیں (مثلاً زید نے کہا کہ یہ چیز میں نے بکر سے مول لی ہے اور عمرو نے دعوے کیا کہ بکر نے مجھ کو ہبہ کر کے قابض کرا دیا اور دونوں نے اپنے دعوے پر گواہ گذرانے تو زید کے گواہوں کا قبول کرنا بہتر ہے) خریدنے کا دعوے اور مہر میں لینے کا دعویٰ دونوں برابر ہیں گرو رکھنے کا دعوے بہ نسبت ہبہ کے قبول تر ہے[2] اگر وہ شخص خارج یعنے غیر قابض گواہ لائیں کسی شئے کی ملکیت کی مع تاریخ کے یا خریدنے کے ایک ہی شخص سے پس پہلی تاریخ والا اس چیز کا زیادہ مستحق ہے اور اگر لائیں دونوں مدعی جدا جدا شخصوں سے چیز مذکور کے خریدنے کے اور دونوں تاریخ بھی بیان کریں تو یہ گواہ دونوں کے آپس میں برابر ہیں خواہ تاریخ ایک ہو یا آگے پیچھے ہو یعنے وہ چیز دونوں کو نصف نصف پہنچیگی اگر گواہ لاوے خارج (جو قابض نہیں ہے) اپنی ملکیت کا کسی تاریخ سے اور قابض اپنی خرید کی تاریخ اس سے پہلے گواہوں سے ثابت کرے یا خارج اور قابض گواہ لاویں اس کے کہ یہ بچہ میرے جانور کا ہے اور میری ملک میں پیدا ہوا ہے یا دونوں گواہ لاویں ملک کے ایسے سبب پر جو مکرر نہیں ہوتا جیسے کہیں کہ یہ کپڑا میں نے بنایا ہے۔ یا پیڑ میرے لگائے ہیں، یا خارج گواہ لاوے مالک ہونے کے اور قابض اپنے خرید پر خارج سے گواہ پیش کرے (تو ان سب صورتوں میں گواہ قابض کے معتبر ہونگے) اگر خارج شخص اور قابض دونوں ایکدوسرے سے خواہ تیسرے شخص سے خریدنا اپنا بیان کریں اور اپنے دعوے پہ گواہ پیش کریں اور تاریخ خرید مذکور نہو تو دونوں کے گواہ ساقط ہیں اور جس گھر کا دعوے ہے قابض ہی کے پاس رہیگا۔ گواہونکی گواہی زیادہ ہونے سے دعوے کو ترجیح نہیں ہوتی ہے (مثلاً ایک مدعی دو گواہ اور دوسرا چار گواہ لائے تو دونوں برابر ہیں)، ایک گھر کسی کے پاس ہے اور عمرو نے اس کے آدھے کا دعوے کیا اور خالد نے سبکا دونوں مدعی دو گواہ لائے قابض پر تو عمرو کو چوتھائی گھر ملیگا اور زید کو باقی تین چوتھائی اور اگر وہ گھر

---

[1] اور اگر ایک نے تاریخ بیان کی اور دوسرے نے نہیں بیان کی تو وہ چیز تاریخ بیان کرنیوالیکو دلائی جائیگی کیونکہ جس نے تاریخ نہیں بیان کیں احتمال ہے کہ قبل ہوا یا بعد پس شک کی وجہ سے کچھ ثابت نہ کرینگے ١٢ ۔

[2] قیاس کا تو مقتضی تھا کہ ہبہ کا دعوے رہن کے دعوے سے مقبول تر ہوتا کیونکہ ہبہ مع القبض مالک ہو جاتی ہے اور رہن سے ملک نہیں آتی مگر چونکہ قبضہ رہن مضمون نہیں اور عقد ضمان قوی تر ہے ١٢ ۔

[3] اس لئے کہ آدھے کا دعویدار آدھے میں تو تکراری نہیں کرتا اور آدھے کا دعوے ثابت کر دو اور کل کے دعویدار نے بھی کل کے ضمن میں ہر آدھے کو اپنا ثابت کیا تو اس لئے جب ایک چیز کو دو شخص اپنا ثابت کرتے ہیں تو لغۃً انصف ملتی ہے اس لئے نصف میں سے آدھا آدھا دونوں مدعیوں کو پہنچا پس عمرو کو ایک چوتھائی ملا اور زید کو تین چوتھائی اور صاحبین کے نزدیک

انہیں مدعیوں نے یعنے خالد اور عمرو کے پاس تھا تو خالد کو جو کل کا دعویدار ہی وہ سب گھر ملیگا۔ اگر دو شخص گواہ لائیں ایک چارپایہ کے جننے پر اپنے اپنے ملک میں اور دونوں تاریخ بھی بیان کریں تو وہ اُسکو دلایا جائیگا جس کی تاریخ بچہ کی عمر کے مطابق ہو اور اگر یہ بات نہ پہچانی جاوے تو دونوں مدعیوں کو شرکت میں دلایا جائے دو خارج شخصوں میں سے ایک گواہ لایا کہ مجھ سے قابض نے یہ شئے چھین لی ہے اور دوسرا گواہ لایا کہ میں نے قابض کو یہ شئے امانت دی ہی تو یہ دونوں گواہ برابر ہیں (یعنے کسی کو شئے مدعا بہانہ دلائی جائے گی) جو شخص سوار ہے سواری پر یا کوئی کپڑا پہنے ہوئے ہی تو وہ ملک کے ثابت ہونیمیں بہ نسبت لگام یا آستین پکڑنیوالے کے زیادہ مستحق ہے (مثلاً زید ایک گھوڑے پر سوار ہی اور عمرو اُس کی لگام پکڑے ہی اگر اس گھوڑے کی ملکیت میں دونوں جھگڑا کریں تو زید ہی کو دلانا بہتر ہے[1]) اگر لدے ہوئے اونٹ میں جھگڑا ہو یا ایسی دیوار میں جسپر چھت کی کڑیاں ہوں یا ایسی دیوار میں کہ ایک گھر سے ملی ہو تو ملک اُس کی زیادہ تر ثابت ہوگی جو اونٹ کے بوجھ یا کڑیوں کا مالک ہے یا جسکے گھر سے دیوار ملی ہوئی ہے۔ ایک شخص کے ہاتھ میں کپڑا ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں اس کا کنارہ ہی اور دونوں اس کا دعوی کرتے ہیں تو آدھا آدھا بانٹ دیا جائے ایک شخص کے پاس ایک لڑکا ہے جو اپنا حال کہہ سکتا ہے (یعنے عاقل ہے) اور وہ لڑکا کہے کہ میں آزاد ہوں تو لڑکے ہی کا قول معتبر ہوگا اور اگر کہے کہ میں فلاں شخص کا غلام ہوں یا کچھ اپنا حال ہی بیان نکرے تو قابض ہی کا غلام ٹھیریگا (بشرطیکہ وہ مدعی ہو) ایک مکان میں اگر دس کوٹھریاں ایک کے قبضہ میں ہوں اور ایک کوٹھری دو کے قبضہ میں تو صحن اس مکان کا جھگڑے کیوقت اُن دونوں کو آدھا آدھا ملیگا[3]۔ زید و عمرو نے دعوے کیا ایک زمین کا اور زید نے پہلے اسمیں اینٹیں بنائی تھیں یا کچھ مکان بنایا تھا یا گڑھا کھودا تھا تو وہ زمین زید کی ٹھیریگی (یعنے جیسے گواہ قبضہ کے لانیسے قبضہ ثابت ہو جاتا ہی اسیطرح یہ امور بھی قبضہ کے شاہد ہیں) باب رشتہ کے ثابت ہونے کے بیان میں۔ زیدنے ایک لونڈی بیچی اور مشتری کے یہاں چھ مہینے

---

[1] اور اگر ایک کے قبضہ میں ہو اور دونوں گواہ قایم کریں تو قبضہ والے کا اعتبار ہوگا اور اسی کو دلایا جائیگا کیونکہ دونوں شہادتیں برابر نہیں قبضہ والے کی شہادت کو قبضہ کیوجہ سے ترجیح ہوگی ۱۲

[2] اور ایسے ہی اگر ایک شخص چار جامے پر بیٹھا ہے اور دوسرا اس کے پیچھے بیٹھا تو چار جامے کا بیٹھنے والا زیادہ مستحق ہے پیچھے بیٹھنے والے سے بخلاف اس صورت کے کہ دونوں داہنے بائیں اس طرح سے سوار ہوں کہ جانور بیچ میں ہو تو کسی کو ترجیح نہ ہوگی ۱۲

[3] کیونکہ صحن دونوں کے استعمال میں برابر رہے گا۔ جس طرح سے صحن میں ہوکر اس کوٹھڑی والے کو گذرنے کی ضرورت ہے پس نصف نصف تقسیم کیا جائیگا ۱۲

مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

سے کم میں جنی اور زید نے دعویٰ کیا کہ یہ بچہ مجھ سے ہے تو زید ہی کا ٹھیریگا اور وہ لونڈی زید کی ام ولد ٹھیریگی اور زید بیع کو فسخ کرکے مشتری کے دام پھیر دے کیونکہ ام ولد کی بیع جائز نہیں اگرچہ مشتری بھی بائع کے دعوے کیساتھ اسکے دعوے کئے[1] سمجھے کہ یہ بچہ مجھ سے ہے اسی طرح اگر زید اس لونڈی کے مرنیکے بعد اس بچہ کا دعوے کرے بخلاف بچہ کے مرنیکے (کہ اگر اسوقت میں دعویٰ کریگا تو بچہ اس کا نہیں ٹھیریگا)[2] مشتری اگر لونڈی مذکور کو یا اس کے بچہ کو آزاد کردے تو اس کا آزاد ہوجانا ثبوت نسبت میں مرنیکے حکم میں ہے اگر یہ لونڈی چھ مہینے سے زیادہ میں جنے تو زید کا دعویٰ رد کیا جائیگا البتہ اگر مشتری زید کا اعتبار کرے تو دعوی رد نہیں کیا جائیگا جو شخص دو لڑکوں توام[3] میں[4] سے ایک کا دعویٰ کرے کہ یہ میرا ہے تو دونوں اسی کے ٹھیرینگے پس اگر مدعی دوسرے کو بیع کردے اور مشتری اسکو آزاد کردے تو مشتری کا آزاد کرنا باطل ٹھیری (اس لئے آزاد کرنا باطل ہوا) زید کے پاس ایک لڑکا ہے اور زید نے کہا یہ عمرو کا لڑکا ہے اور پھر کہا کہ میرا ہے تو زید کا نہ ٹھیریگا گو کہ عمرو اس کو اپنا لڑکا نہ بتاوے[5] ایک لڑکا ایک مسلمان اور نصرانی کے پاس ہے نصرانی کہتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور مسلمان کہے کہ یہ میرا غلام ہے تو نصرانی کا بیٹا اور آزاد ٹھیریگا۔ ایک لڑکا ہے جورو خاوند کے پاس جورو کہتی ہے کہ میرا لڑکا ہے دوسرے خاوند سے اور خاوند کہتا ہے کہ میرا لڑکا ہے دوسری بی بی سے تو دونوں کا ٹھیریگا مشتری نے ایک لونڈی خریدی اور اس کی اولاد مشتری سے ہوئی پھر وہ کسی اور کی نکلی (اور مالک کو دیگئی) تو مشتری لڑکے کی قیمت مالک کو دے اور لڑکا آزاد رہیگا (جو باپ کو وارث ہم پہنچے) اور اگر باپ اپنے آپ اسکو مار ڈالے تو البتہ اس کی قیمت دینی پڑیگی اور لونڈی کے دام اور بچہ کی قیمت بائع سے لیوے مگر اجرت صحبت کی نہ لیوے (یعنی غیر کی لونڈی سے جو صحبت کی اسکی اجرت بھی اگر مشتری سے مالک لیلے تب بھی مشتری بائع سے نہ لیوے۔

ے۱ یعنے تب بھی وہ بچہ بائع کا ہوگا۔ اور مشتری کے اس کہنے کا کچھ اعتبار نہ کیا جائیگا کیونکہ مشتری کے یہاں چھ مہینے سے کم میں جننے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حمل بائع کے یہاں قرار پاچکا تھا پس وہ بائع کی ام ولد ہوگی ۱۲

ے۲ کیونکہ بچے کے مرنے کے بعد نسب ثابت کرنے کی ضرورت نہیں باقی رہی اور ام ولد ہونا ثبوت نفس کے تابع ہے پس وہ لونڈی زید کی ام ولد نہوگی ۱۲

ے۳ یعنے جو ایک ساتھ پیدا ہوئے ہوں جن کو جڑوان کہتے ہیں ۱۲

ے۴ اس لئے کہ نسب ثابت ہو چکنے کے بعد پھر رد نہیں ہو سکتا اسی طرح اقرار نسب بھی ہے کہ رد نہیں ہو سکتا پس وہ لڑکا زید کا نہ ٹھیریگا ۱۲

ے۵ کیونکہ یہ لڑکا ولد مغرور ہے کہ کسی شخص نے کسی عورت سے صحبت کی اس گمان پر کہ وہ اس کی بی بی ہے یا لونڈی اور پھر وہ عورت دوسرے کی نکلی اور وہ ولد مغرور بالقیمت آزاد ہو جائیگا اس پر صحابہ رض کا اجماع ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی رحمۃ اللہ

کتاب الاقرار

(اس میں اقرار کا بیان ہی۔ اقرار کہتے ہیں اس بات کی خبر دینے کو کہ غیر کا حق میرے اوپر ثابت ہے جو شخص اقرار کرتا ہے اُس کو مقر کہتے ہیں اور جس کا حق اپنے اوپر بتاتا ہے اُسکو مقرلہ بولتے ہیں، جبکہ اقرار کرے آزاد عاقل بالغ کسی حق کا تو یہ اقرار صحیح ہے گو مجہول ہو جیسے (یوں کہے کہ مجھ پر فلاں شخص کا) کچھ ہی یا کوئی حق ہے پھر زبردستی اُس سے بیان کرایا جائے[1] اور قیمت والی چیز کو بیان کرے کہ فلاں چیز ہے (یعنے مجہول شئے کا اقرار کیا تو قاضی بجبر اُس سے پوچھے کہ کون حق اور کیا چیز ہے بشرطیکہ حق اور چیز کی کچھ قیمت ہو) اور (اس باب میں) اگر (مقر اور مقرلہ میں اختلاف ہو یعنے) مقر کم بتائے (اور) مقرلہ زیادہ تو مقر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا (اول ایک شخص نے اقرار کیا کہ فلان کا میرے ذمے مال ہے اور جب بیان کیا تو ایک درم سے کم کہا تو اُسکا یہ کہنا مانا نہ جائیگا اس لئے کہ ایک درم سے کم کو عادت میں مال نہیں کہتے) اگر بڑے مال یا بہت مال کا اقرار کرے تو مقدار نصاب[2] لازم ہوگا اور بہت سے مالون کا کرے تو تین نصابین اور بہت روپیہ کہے تو دس روپیہ ہونگے اور اگر کہے کہ روپیہ ہیں تعداد کچھ نہ کہے تو تین کا اقرار ہوگا۔ اگر کذا درہما کہا تو ایک درم کا اقرار ہوا اور کذا کذا گیارہ کا اور کذا کذا (واو عطف کیساتھ) اکیس کا اور تین بار کذا (دو واو عطف سے) ایکسو اکیس کا اور چار بار (تین واو عطف سے ایکہزار ایکسو اکیس کا۔ (غرضیکہ ایک کذا سے صرف ایک مراد ہے اور دوسرے کذا کو اس کے ساتھ بدون عطف ملاویں تو اس سے دس مراد ہونگے اور مع عطف ملاویں تو بیس اور تیسرے کو اگر مع عطف ملاویں تو اس سے سو اور چوتھے سے ہزار مراد ہونگے[3]) اگر کہے کہ مجھ پر یا میری طرف فلانے کا اسقدر ہے تو قرض کا اقرار ہے[4] اور اگر کہے کہ میرے پاس یا میرے ساتھ یا میرے گھر میں یا میرے صندوق میں یا میری تھیلی میں اس کا ہی تو اس کہنے سے امانت کا اقرار ثابت ہوگا۔ زید نے عمرو سے کہا کہ تیرے اوپر میرے ہزار روپیہ ہیں اور عمرو نے کہا کہ ان کو تول لے یا پرکھ لے یا مجھے اُنکے ادا کرنے کی مہلت دے یا میں نے تجھ کو وہ ادا کر دیئے یا وہ دوسرے پر تجھ کو اُتروا دیئے۔ ان سب کلمات سے ہزار عمرو کا اقرار ثابت ہوگا

[1] یعنی جبکہ وہ مجہول طریقہ سے کہتا ہی کہ فلانے کا میرا اوپر کچھ ہی تو قاضی اسے مجبور کر کے بیان کردیگا کہ وہ کیا چیز ہے جیسے کہ کوئی شخص یوں کہی کہ میرے دو غلاموں میں سے ایک آزاد ہی تو قاضی اسے مجبور کریگا کہ وہ متعین کرے کہ وہ ایک غلام کون ہے اسی طرح یہاں بھی مجبور کریگا کہ وہ کیا چیز ہے ۱۲ [2] یعنی دوسو درم چاندی یا بیس مثقال سونا ۱۲ [3] یعنی مقر اگر اس سے کم ظاہر کریگا تو مانا نہ جائیگا اور اگر زیادہ بتائے کہ میری مراد اتنی تھی تو اعتبار اس کے قول کا ہوگا ۱۲ [4] کیونکہ یہ الفاظ اپنے اوپر واجب کرنے کے ہیں پس اسپر بطور قرض کے واجب ہو جائیگا ۱۲ [5] کیونکہ اس کا یہ اشارہ ہی کہ انکو تولے یا ان کے اور کہنے کی مہلت

ضمیر کے اقرار نہو گا (مثلاً کہے کہ تول لے یا پرکھ لے اور اُن کو نہ کہے تو اقرار ثابت نہو گا) اگر کوئی اقرار کرے اپنے اُوپر قرض کا کہ اتنے روز وں میں ادا کرنا ہے اور مقر د کہے کہ بالفعل تجھ کو دینا ہی تو ادا کرنا لازم ہو گا بالفعل[1] - مگر مقرلہ سے جو منکر وعدہ کا ہے وعدہ نہونیکی قسم لیجاد یگی - ایک شخص کہے کہ مجھپر سو اور ایک روپیہ تو سو سے بھی روپیہ مراد ہونگے (یعنے ایک سو ایک روپیہ کا اقرار ہوا) اور اگر کہے کہ سو اور تھان ہے تو پوچھا جائے گا۔ کہ سو سے کیا مراد ہے اسی طرح سو اور دو تھانوں کے اقرار میں البتہ سو اور تین تھانوں کے اقرار میں سب تھان مراد ہونگے[2] ایک نے اقرار کیا کہ مجھے فلانے کے خشک چھوہارے ٹوکرے میں دینے ہیں تو چھوہارے اور ٹوکرے دونوں کا اقرار ہوا (اور دونوں دینے ہونگے) اور اگر یوں کہے کہ اُس نے مجھ کو گھوڑا طویلہ میں دیا تھا۔ تو گھوڑا دینا لازم لاوے گا نہ طویلہ) اور انگوٹھی کے اقرار میں چھلہ اور نگینہ (دونوں لازم ہونگے) اور تلوار کے اقرار میں اُس کا پھل اور میان اور پرتلہ داخل ہے اور چھپر کھٹ کے اقرار میں اُس کی لکڑیاں اور پردے اور پوشش وغیرہ[3] داخل ہیں اگر یوں اقرار کیا کہ کپڑے ٹینے ہیں گٹھری میں یا یوں کہا کہ مجھ پر تھان ہے کپڑے میں تو دونوں کا اقرار ہوا (یعنے کپڑے اور گٹھری پہلی صورت میں اور تھان اور کپڑا دوسری صورت میں لازم ہونگے) اور دس میں ایک کپڑے کے اقرار سے ایک کپڑا لازم ہو گا۔ اگر یوں کہا کہ پانچ درم پانچ میں (اس کے میرے اوپر ہیں) اور اس سے (یعنے پانچیں پانچ سے) ضرب مراد تھی تو پانچ ہی درم لازم ہونگے[4] اور اگر پانچ کے ساتھ پانچ مراد ہیں تو دس دینے ہونگے اگر یوں کہے کہ اسکے مجھ پر ایک روپیہ سے دس تک ہیں یا کہے کہ ایک روپیہ سے دس تک کے درمیان میں ہیں تو نو دینے ہونگے اگر کہے کہ اس کی زمین میرے گھر میں اس دیوار سے اُس دیوار تک کے درمیان ہی تو دیواریں دونوں داخل نہونگی صحیح ہی اقرار کل کا (مثلاً یوں کہے کہ فلاں حمل کے لیئے مجھ پر سو روپیہ ہیں) اس میں یہ شرط ہے کہ کوئی السیا سبب بیان

---

[1] کیونکہ اصل قرض اقرار سے ثابت ہو گیا اب وہ زائد حق اپنا ثابت کرنا چاہتا ہی کہ مجھے مہلت کیساتھ اتنے دنوں میں ادا کرنے کا حق ہے پس اس زائد حق میں اس کی تصدیق نکی جائے گی اور فی الحال ادا کرنا ہوگا ۱۲ [2] یعنے یہ اس صورت میں ہی کہ ایک سو اور تین تھان کہے اور کا لفظ نہ لائے تب سب تھان ہی تھان سمجھے جائیں گے اور اگر اور کا لفظ لائیگا تو پوچھا جائیگا کہ سو سے کیا مراد ہی جیسا کہ ایکسو اور ایک یا ایک سو اور دو میں پوچھا گیا تھا ۱۲ [3] کیونکہ عرف میں چھپر کھٹ کا اطلاق ان سب چیزوں پر ہوتا ہی لہذا یہ سب چیزیں چھپر کھٹ کے اقرار میں داخل ہونگی ۱۲ [4] کیونکہ فقہا کے نزدیک ضرب سے زیادتی شے کی نہیں ہوتی جیسا کہ طلاق میں ذکر ہوا ۱۲ [5] کیونکہ ہو سکتا ہی کہ اس کے مورث نے فلاں شخص کیلئے وصیت کی ہو اور اسکو اس کا حکم ہے اس بنا پر کہتا ہی کہ یہ فلاں کی ملک ہے

[illegible] ۱۲

باب - اقرار میں استثناء کرنے کے بیان میں

کرے جس سے وہ مال حمل کا ہو سکے (مثلاً کسی نے وصیّت کی ہو یا میراث کی راہ سے حمل کو پہنچتا ہو) اور اگر سبب نہ بیان کریگا تو حمل کے لیے اقرار صحیح نہوگا اگر اقرار کرے کسی چیز کا اس شرط کہ مجھ کو اس اقرار میں تین روز تک اختیار ہے تو وہ شئ اُسپر لازم ہوجاویگی اور اختیار اقرار میں باطل ہوگا۔ **باب**۔ اقرار کی چیزمیں سے کچھ خارج کرنے اور اسیطرح کی اور باتوں مثل مشروط کرنے وغیرہ کے بیان ہیں جس چیز کا اقرار کیا ہو اس میں کسی قدر کو استثنا کرنا یعنے خارج از اقرار کر ڈالنا صحیح ہے بشرطیکہ اقرار کے ساتھ ہی خارج بھی کرے (مثلاً کہے کہ مجھ پر زید کے دس روپیہ ہیں دو کم تو دو کم کو ساتھ ہی اگر کہیگا تو اقرار درست ہوگا) اور اس صورتمیں استثنائسے جسقدر بچے اس قدر کا دینا لازم ہوگا (مثلاً مثال مذکور میں آٹھ روپئے دینے ہونگے (سب کا سب میں سے نکالنا صحیح نہیں ہے (مثلاً کہے ہزار میرے اوپر ہیں ہزار کم تو صحیح نہوگا، جو چیزیں بنتی ہیں تا تلتی ہیں اُن کو روپیوں میں سے استثنار کرنا درست ہے اُنکے سوا اور چیزوں کا نکالنا درست نہیں (مثلاً کہے کہ مجھ پر ہزار درہم ہیں دس پیمانہ گیہوں یا دس سیر روغن کم تو صحیح ہے اور اگر یوں کہے کہ دس بکریاں یا دس کپڑے کم تو صحیح نہیں)، اگر اقرار میں انشاء اللہ ملادیگا تو اقرار باطل ہوگا (اگر مکان کے اقرار میں سے عمارت کا استثنار کرے تو صحیح یعنے دونوں مقرلہ کے ہونگے۔ البتہ اگر یوں کہے کہ عمارت میری ہے اور صحن تیرا ہے تو جیسا کہیگا ویسا ہی ہوگا اور اگر کہے کہ اُس کے میرے اوپر ہزار روپیہ ہیں بابت قیمت غلام کے جو میں نے ابھی نہیں لیا ہے پس اگر معین کردیا غلام کو اور مقرلہ نے وہ غلام حوالہ کیا تو مقر کو ہزار دینے ہونگے اور اگر غلام نہ دیا تو کچھ نہیں دینا ہوگا۔ اور اگر مقر نے غلام مقرر نہ کیا تو مقر پر ہزار واجب ہوگئے جس طرح یوں کہنے میں کہ شراب یا سوٗر کی قیمت کی بابت میرے اُوپر ہزار ہیں (تو ہزار دینے ہونگے اور مقر کو شراب یا سوٗر دینا نہوتا) اور اگر کہے کہ میرے اُوپر ہزار ہیں بابت قیمت ایک اسباب کے یا کہے کہ مجھ کو اسنے ہزار قرض دیئے تھے مگر وہ کھوٹی یا غیر مروج تھی

۱ھ کیونکہ اختیار فسخ کرنے کی غرض سے ہوتا ہے اور اقرار کو تا خبر دینا ہے اور خبر دینا فسخ کا متحمل نہیں ہوتا لہذا اختیار کی شرط باطل ہوگی اور شرط باطل سے اقرار یعنے جو چیز اقرار سے لازم ہوئی ہے معدوم نہ ہوگی ۱۲ ۲ھ کیونکہ استثنا کہتے ہیں تکلم بالباقی کو یعنے استثنار کرنیکے بعد جو حاصل ہوا ہے اس کے ساتھ کلام کرنا اور یہاں پر سب کا سب استثنار ہوگیا کچھ باقی نہیں رہا کہ جس کے ساتھ کلام کرے پس یہ استثنار نہ ہوا۔ بلکہ یہ رجوع کرنا ہوا اور رجوع کرنے کی سماعت نہ کیجائیگی ۱۲ ۳ھ کیونکہ یہ خدا کی مشیت پر معلق کرنا ہے اور اقرار میں تعلیق ہوا نہیں کرتی یا اللہ کی مشیت پر معلق کیا ہے اور خدا کی مشیت کا کسی کو علم نہیں لہذا یہ اقرار باطل ہوجائے گا ۱۲ مفتی وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۴ھ کیونکہ ہزار کا اقرار کرتا ہے۔ اور یہ کہنا کہ شراب یا سور کی قیمت کے ہیں گویا ہزار کے اقرار سے رجوع کرتا ہے کیونکہ سور اور شراب کی کچھ قیمت نہیں ہوتی ہے پس رجوع کرنا صحیح نہ ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

تو اُس کو ہزار کھرے دینے ہونگے بخلاف اس کے کہ کہے میں نے اس سے کھوٹے یا غیر مروج ہزار چھین لئے تھے یا اُس ذی حمہ کو امانتاً دیئے تھے (کہ اس صورت میں ویسے ہی دینے ہونگے) اور اگر کہے کہ مجھ پر ہزار ہیں بابت قیمت اسباب کے یا قرض کے یا امانت بطور غصب کے اور ساتھ ہی کہا مگر اسقدر ہزار سے کم ہیں تو اس کے کہنے کا اعتبار نہوگا اور اگر استثنا ٹھہر کر کیا تو معتبر نہوگا جو شخص اقرار کرے کپڑے کے چھین لینے کا پھر عیب دار کپڑا لاوے اور کہے کہ یہ چھینا تھا تو اس کا قول معتبر ہوگا[2]. اگر کہے کہ میں نے تجھ سے ہزار امانتہً لیے تھے اور وہ جلتے رہے اور مقرلہ کہے کہ تو نے چھین لئے تھے تو مقر کے ذمہ پر ہزار ہو جائیں گے اور اگر کہے کہ تو نے مجکو ہزار امانتہً دیئے تھے اور وہ کہے کہ چھین لئے تھے تو اس صورت میں ہزار مقر کے ذمے عائد نہونگے (کیونکہ اس صورت میں مقرلہ کا دینا اس کے اقرار سے ثابت ہے اور پہلی صورت میں مقر کا لینا ثابت ہے اور لینا ظاہر میں غصب کی دلیل ہے نہ امانت کی اسلیئے کہ امانت کو آدمی دیا کرتا ہے اور مغصوب کو دوسرا لے لیا کرتا ہے) اگر زید کہے عمرو سے کہ یہ چیز میری تیری پاس امانت تھی سو میں نے لے لی اور عمرو کہے کہ امانت نہیں تھی بلکہ میری ہی تھی تو عمرو اس شے کو زید سے لیلے (کیونکہ زید کے کہنے سے عمرو کا قبضہ ثابت ہے تو قابض کے حوالے کر دینی پڑیگی پھر اگر زید کو دعوی ہو تو ثابت کر) اگر زید کہے کہ میں نے اپنا اونٹ یا کپڑا اُسکو کرایہ پر دیا تھا پس یہ سوار ہوا یا پہنا اور مجھ کو پھیر دیا اور وہ شخص کہے کہ یہ ہی تھا کرایہ پر نہیں تھا تو زید کا قول معتبر ہوگا[3] اگر کہے کہ یہ ہزار امانت زید کی نہیں ہے بلکہ عمرو کی تو ہزار زید کے اُسپر ثابت ہو گئے اور اسیقدر یعنی ہزار عمرو کے اسپر لازم ہوجائیںگے

باب ۔ مریض کے اقرار کے بیان میں۔ اگر بیمار مرض الموت میں کسی کے دین کا اقرار کرے تو اوّل اس کے ترکے میں سے صحت کیحالت کا قرض یا جو قرض اُسپر بیماری میں دوا خورد و نوش معمولی کے سبب ہوا ہو ادا کیا جائیگا اور بعد اُس کے وہ ادا کرنا ہوگا جس کا اقرار کیا ہے بیماری کیحالت میں مگر دونوں میراث سے پہلے ادا کئے جاوینگے (یعنی ترکہ وارثوں میں اُسوقت تقسیم ہوگا کہ جب سب طرح کے دین ادا ہو چکیں تو بیمار اپنے وارث کے واسطے اگر اقرار کرے تو یہ اقرار

[1] یعنی کچھ دیر کے بعد کہا کہ مگر اسقدر ہزار سے کم ہیں تو اس کہنے کا اعتبار نہوگا اور اسکے ذمے ہزار پورے واجب ہونگے کیونکہ استثنا متصل کا اعتبار ہوتا ہے نہ منفصل کا ۱۲ [2] کیونکہ صحیح سالم کپڑے کے ساتھ چھین لینا مخصوص نہیں ہوسکتا تھا کہ یہی عیب دار کپڑا چھینا ہو لہذا اس کا قول معتبر ہوگا دوسرے کو اگر چہ دعوی ہے کہ صحیح سلامت کرتہ چھینا تھا ۱۲ [3] امانت والی صورت میں زید کا قول معتبر ہے دونوں میں فرق یہ ہے کہ کرایہ والی صورت میں اگرچہ زید کو اقرار ہے دوسرے کے قبضہ کا مگر یہ قبضہ قصد نہوگا کیونکہ کرایہ میں قبضہ مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ حصول منافع مد نظر ہوتا ہے اور قبضہ ضمناً تبعاً ہوتا ہے بخلاف امانت کے کہ اس میں حفاظت کیلئے قبضہ کرانا ہی مقصود ہوتا ہے لہذا امانت کے قبضہ اور کرایہ کے قبضہ میں فرق ہو ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

باب مریض کے اقرار کے بیان میں

باطل ہی[1]. البتہ اگر باقی وارث اُس اقرار کو سچا بیان کریں تو صحیح ہے اور غیر کے واسطے اقرار ہر حال میں صحیح ہے گو مریض کا سب مال اُس میں آجاوے اور اگر اقرار کیا بیگانہ کے قرض کا پھر اقرار کیا بیگانہ کے قرض کا پھر اقرار کیا کہ وہ بیگانہ میرا لڑکا ہی تو لڑکا ہونا ثابت ہو جائیگا اقرار قرض باطل ہوگا اگر بیگانی عورت کے واسطے اقرار کیا، پھر اُس سے نکاح کر لیا. تو اقرار اور نکاح دونوں صحیح ہیں بخلاف ہبہ اور وصیت کے۔ اگر بیمار بیگانی عورت کیلئے ہبہ یا وصیت کریگا اور پھر اُس سے نکاح کرے گا تو نکاح صحیح ہوگا اور ہبہ یا وصیت باطل اگر بیمار اقرار کرے قرض کا اس عورت کیلئے جسکو اپنی بیماری میں تین طلاقیں دیچکا ہے تو عورت کو میراث اور اقرار میں سے جو کم ہوگا وہ ملیگا۔ اگر مقر نے ایک لڑکے پر اپنے بیٹے ہونے کا اقرار کیا اور لڑکے کے باپ کا حال معلوم نہیں تو اتنی عمر کا لڑکا مقر جیسے شخص سے پیدا بھی ہو سکتا ہے اور لڑکا مقر کے کہنے کو سچ بتاوے تو بیٹا ہونا اُس کا ثابت ہو جائیگا اگرچہ مقر بیمار ہو اور وہ لڑکا اور وارثوں کا میراث میں شریک ہوگا۔ مرد کسی کو اپنا بیٹا یا باپ یا ماں یا بی بی یا آزاد کرنیوالا یعنی مولا بتاوے تو درست ہے۔ اسی طرح اگر عورت کسی کو اپنا باپ یا ماں یا خاوند یا مولا بتاوے تو درست ہے لیکن عورت اگر کسی کو اپنا بیٹا بتاوے تو اسمیں یہ شرط ہی کہ دائی کہدے کہ اس عورت سے پیدا ہوا ہے، یا خاوند اس عورت کو سچی کہے اور ان صورتوں میں سب میں یہ شرط ہی کہ مقر لہ مقر کو سچا کہی اگر مقر کے مرنیکے بعد مقر اسکو سچا بتاوے تب بھی درست ہے. مگر تصدیق کرنا شوہر کا زوجیت کو بعد موت زوجہ کے صحیح نہیں اگر اقرار کرے کسی رشتہ دار کا مثل بھائی یا چچا کے تو ثابت نہوگا پس اگر مقر کا کوئی وارث ہی مقر لہ کے سوا نہو نہ وارث قریب نہ بعید تب مقر لہ وارث ہوگا اور اگر کوئی اور وارث ہے تو یہ وارث نہوگا. جس کا باپ مر گیا ہے وہ اگر اقرار کرے کسی کے واسطے اپنے بھائی ہونیکا تو مقر لہ اس کا وراثت میں شریک اور بھائی ٹھہر جائیگا مگر اس کے باپ سے اس کا رشتہ ثابت نہوگا[3] زید مرا اور دو لڑکے چھوڑے اور زید کے ایک پر سو روپیہ آتے تھے اب ان میں سے ایک لڑکے نے اقرار کیا کہ زید نے اس سے پچاس روپیہ لے لئے تھے تو اس لڑکے کو

---

[1] امام شافعی کا ایک قول اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ وارث کیلئے بھی اقرار صحیح ہی جیسا اجنبی کے لیے اور ہماری دلیل حضرت کا فرمان ہے کہ نہ وارث کیلئے وصیت جائز ہی اور نہ اقرار بالدین اور نیز مرض الموت سے تمام ورثہ کا حق مورث کے مال سے متعلق ہو جاتا ہی پس بعض کی تخصیص سے باقیوں کے حق کی نفی ہوگی ہاں اگر باقی ورثہ تصدیق کر دیں تو جائز ہی کیونکہ وہ اپنا حق چھوڑنے پر رضامند ہیں ۱۲ [2] یعنی جس صورت میں کہ لڑکا صغیر ہو تو لڑکے کا تصدیق کرنا بھی ضرور ہے اور یہ کہ اس لڑکے کا نسب کسی دوسرے سے معروف نہیں کیونکہ اس کو اس کے باپ کا حال معلوم ہی تو اس اقرار کرنیوالے سے نسب ثابت نہوگا اور لڑکا اسی سن کا ہی اقرار کرنیوالے کا اتنا بڑا لڑکا ہو سکتا ہی ورنہ صریحاً جھوٹ ہی اور نسب ثابت نہ ہوگا ۱۲ [3] یعنی یہ اقرار دو باتوں کو شامل ہی ایک تو دوسرے شخص پر یعنی والد پر کسی کے نسب کو حمل کر دینا اور اس کی اسے ولایت نہیں دوسرے یہ کہ جو مال پہنچے ترکہ میں اس میں دوسرے کو شریک کرنا اور اسکی اسے ولایت حاصل ہی جیسے اپنے مال میں شریک کر دے ۱۲ مولانا منتی بہ وصی

ان سَو میں سے کچھ نہیں ملیگا اور دو سو روپے زکو بچاس[۳] دلوائے جائیں گے۔

کتاب الصُلح

اس میں صلح کا بیان ہے۔ صلح وہ معاملہ یا ملاپ ہے جو دو شخصوں میں جھگڑا دور کر دے ہر حال میں خواہ مدعا علیہ دعوی کا مقر ہو یا منکر یا چپ[۱] ہو کہ نہ مقر ہو نہ منکر اگر مدعی کو مال کا دعوے ہے اور مدعا علیہ دعوی کا مقر اور اس صورت میں مال مدعا بہا سے اور مال پر صلح کرلے تو یہ صلح بیع کے حکم میں ہے اس میں حق شفعہ ثابت ہوگا اور خیار عیب اور رویت اور شرط کے احکام جاری ہونگے (مثلاً اگر زید عمرو کے مکان پر دعوے رکھتا ہے اور عمر اُسکو سَو روپیہ دیکر یہ صلح کرلے کہ وہ دعوے سے باز رہے تو اُس کے یہ معنی ہیں کہ عمرو نے وہ مکان زید سے سو روپیہ کو خریدا) صلح میں اگر بدل صلح (یعنے جس مال پر صلح ہوئی وہ) معلوم نہو تو صلح فاسد ہوگی اور اگر جس چیز کے دعوٰی سے صلح کی وہ معلوم نہو تو فاسد نہ ہوگی (جیسے دعوٰی کیا کسی حق یا کسی قرض غیر معلوم کا اور مدعا علیہ نے سو درہم پر صلح کرلی تو صحیح ہے کہ بدل صلح یعنی سَو درم معلوم ہیں گو جس سے صلح کی یعنے قرض وغیرہ مجہول ہے) جس شے کے دعوی سے صلح ہوئی اگر وہ تھوڑی سی کسی اور کی نکلے گی تو جسقدر حصہ رسد اسکے مقابل بدل صلح پڑیگا اتنا مدعا علیہ مدعی سے لے لیگا اور کل چیز کا کوئی اور حقدار نکلیگا تو مدعا علیہ نے جو کچھ مدعی کو بدل صلح دیا ہوگا سب مدعی سے واپس[۲] لیلے گا اور اگر بدل صلح اور کا نکلے سب یا تھوڑا تو مدعی مدعا علیہ سے تمام یا بعض چیز جس پر دعوے تھا لیلے۔ صلح میں اگر مال کی جگہ مدعا علیہ کسی چیز کا نفع مدعی کو دیوے (مثلاً کسی دعوے کے عوض کوئی مکان اس کے رہنے کو دیدے) تو یہ صلح اجارے کا حکم رکھتی ہے اس لیۓ اس میں شرط ہے کہ مدت فائدہ لینے کی معین ہو اور باطل ہوگی یہ صلح دونوں میں سے ایک کے مرنے سے جیسا اجارہ حکم ہے جو صلح کہ چپ رہنے یا انکار سے ہو وہ بمنزلہ فدیہ قسم کے ہے منکر کے حق میں[۳] کیونکہ قسم جو اسپر لازم آتی ہے تو گویا اس کا عوض دیتا ہے اور مدعی کے حق میں معاوضہ ہے

---

[۱] یعنی صلح کی تین قسمیں ہیں ایک یہ کہ مدعا علیہ دعوی کا اقرار کرے دوسرے یہ کہ انکار کرے تیسرے یہ کہ سکوت کرے اور تینوں صورتوں میں صلح کرنا جائز ہے کیونکہ فرمایا اللہ تعالے نے والصلح خیر اور فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مسلمانوں کے درمیان ہر صلح جائز ہے۔ سوائے اس صلح کے جو حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال کرے اور امام شافعی کے نزدیک مدعا علیہ کے انکار یا سکوت ان دو صورتوں میں صلح جائز نہیں ۱۲ محمد وصی علی ملیح آبادی [۲] اس کی صورت یہ ہے کہ زید نے عمرو پر گھر کا دعوے کیا اور وہ چپ رہا یا انکار کیا پھر زید کو کچھ دیکر صلح کرلی تو اُس کے یہ معنی نہیں کہ زید نے وہ گھر عمرو کے ہاتھ بیع کیا ہے بلکہ یہ روپیہ جو عمرو نے دیا فدیہ قسم کا ہوگا ۱۲ [۳] کیونکہ مدعا علیہ نے جو کچھ مصالحت کے طور پر دیا ہے وہ اسی چیز سے رفع نزاع کیواسطے دیا ہے جس کا مدعی نے دعوے کیا تھا اور جب وہ چیز کل یا بعض کسی اور کی نکل گئی تو اسی قدر مدعا علیہ کو واپس ملنا چاہیئے ۱۲

مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

پس اگر صلح کرے دعوے سے سکوت یا انکار کی صورت میں تو شفعہ ثابت نہو گا[1] اور اگر اسی صورتمیں گھر پہ صلح کرے (یعنے صلح کا بدل گھر ہو) تو شفعہ ثابت ہو گا اس لیئے کہ یہ گھر مدعی کے پاس آویگا جس کے حق میں صلح بمنزلہ بیع کے ہے (جن اسباب میں جھگڑا تھا وہ اگر کسی اور کا نکلے اس صورتمیں (یعنے صلح سکوت یا انکار میں) تو مدعی اُس مستحق سے جھگڑ سکتا ہے اور مدعا علیہ اوّل سے جو بدل صلح لے چکا ہے پھیرے اور اگر تھوڑی کا مستحق کوئی اور نکلا تو اسی قدر کی خصومت اس سے کر سکتا ہے اور اگر بدل صلح کسی اور کا نکلے سب یا تھوڑا تو مدعی مدعا علیہ اول سے کل کی صورت میں کل دعوے پیش کرے اور بعض کی صورتوں میں بعض بدل صلح کا جاتا رہنا مدعی سے سونپنے سے پہلے دوسرے کے مستحق نکلنے کے حکم میں ہے دونوں صورتوں میں (یعنی اگر مدعا علیہ مقر ہو اور بدل صلح کا کوئی مستحق نکلے تو ویسا ہی اگر بدل صلح جاتا رہے اسکا حکم ہے) اور جس طرح سکوت اور انکار کی صورت میں بدل صلح کسی اور کا نکلے وہی حکم اس کے جاتے رہنے کا ہے

فصل۔ مال کے دعوے اور نفع کے دعوی اور جنایت کے دعوے سے صلح درست ہے خواہ جنایت جان بوجھ کر ہو خواہ بھولکر لیکن حدود میں صلح درست نہیں اسلیے کہ حقتعالیٰ کا حق ہے نکاح کے دعوے اور دوسرے کو اپنا غلام بنانیکے دعوی سے بھی درست ہے[2] اور ان دونوں صلح میں پہلی بمنزلہ خلع کے ہے اور دوسری بمنزلہ آزادی کے ہے مال کے عوض اگر غلام ماذون جسکو تجارت کا حکم ہو اپنے مالک کیطرف سے ایک شخص کو جانکر مار ڈالے تو اس کا صلح کرنا اپنی طرف سے کسی شی پہ صحیح نہیں ہے (کیونکہ وہ خود اپنا مالک نہیں بلکہ اسکے مالک کو چاہیے کہ صلح کرے) اور ایسے غلام کا غلام اگر کسی کو جانکر مار ڈالے تو وہ غلام ماذون اپنے غلام کیطرف سے صلح کر سکتا ہے (کیونکہ اُس کا غلام تو مال تجارت ہے جس کی اُسکو اجازت ہے) چھینی ہوئی چیز اگر غاصب کے پاس ضائع ہو اور اُس سے مالک اُسکی قیمت سے زیادہ پہ یا کسی اسباب پہ صلح کرے تو صحیح ہے[3] اگر دو شریکوں میں سے تونگر شریک شرکت کے غلام آزاد کرے پھر دوسرا شریک نصف قیمت سے زیادہ پہ صلح کرے تو صحیح نہیں ہے

ف[1] کیونکہ مدعا علیہ اس کو اپنے حق کی بنا پر لے رہا ہے اور مال جو دے رہا ہے تو وہ نہ بطور معاوضہ کے ہے بلکہ مدعی کی خصومت دفع کرنیکے خیال سے دے رہا ہے اور مدعی اپنے گمان میں اسے معاوضہ سمجھ رہا ہے تو یہ مدعی تک محدود ہے مدعا علیہ کو اس کا گمان لازم نہوگا پس جبکہ مدعا علیہ کے پاس وہ چیز بطور معاوضہ کے نہیں آئی تو اس میں حق شفعہ ثابت نہو گا ۱۲ ف[2] صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت پر دعوی کیا کہ میرا نکاح اسکے ساتھ ہو گیا ہے اور عورت انکار کرتی ہے پس کچھ دیکر مرد سے صلح کرتی ہے کہ مرد اپنے دعوے سے باز آئے اور عورت کا پیچھا چھوڑے تو یہ صلح جائز ہے اور بمنزلہ خلع کے ہوگی اور ایسے ہی ایک شخص دوسرے پر دعوے کرے کہ یہ میرا غلام ہے اور دوسرا انکار کرے اور کچھ مال دیکر صلح کر لے ۱۲ ف[3] یہ مسئلہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک قیمت سے زیادہ پہ صلح جائز نہیں کیونکہ اس کا یعنے مالک کا حق قیمت کی مقدار ہے پس قیمت سے زائد لینا سود ہو گا اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ جو مقدار دونوں میں طے ہو گی وہ مالک کے حق میں مقابلہ میں ہے پس سود نہ ہوگا

(کیونکہ شریک کا حق نصف سے زیادہ میں نہیں) اگر کسی کو صلح کرنے کے لیئے اپنی طرف سے وکیل کرے اور وکیل صلح کرے تو وکیل پر بدل صلح جس پر اُسنے صلح کی لازم[1] نہ ہوگا۔ بلکہ اُسکے موکل پر لازم ہوگا لیکن اگر وکیل بدل صلح کا ضامن بھی ہو تو اُس کے ذمہ پر لازم ہوگا۔ اگر وکیل موکل کیطرف سے بغیر حکم موکل کے صلح کرے تب بھی صحیح ہے بشرطیکہ ضامن ہو بدل صلح کا یا نسبت کرے صلح کی اپنے مال کیطرف یعنے اصلح میں اپنا مال دینا کرے یا کہے کہ میں نے ہزار پر صلح کی اور ہزار مُدعی کو دیدے اگر یہ شرطیں نہ ہونگی تو صلح موقوف رہے گی موکل کی اجازت پر اگر اجازت دی تو لازم ہوجائے گا مدعا علیہ موکل پر اور نہیں تو باطل۔

باب۔ قرض واجب الادا سے صلح کرنیکا بیان ۔ اُسچیز سے صلح کرنا جو عقد دین میں لازم ہو بمنزلہ بعض حق لینے اور باقی چھوڑ دینے کے ہے نہ بمنزلہ معاوضہ کے اگر صلح کرے ہزار سے پانسو پر یا ہزار پر یا کچھ وعدے کیساتھ تو صلح صحیح ہے اور اگر ہزار درہم قرض سے اشرفیوں پر یا کچھ وعدے کے ساتھ صلح کی یا وعدہ والے درموں یا سیاہ رنگ کے درموں سے صلح کی آدھے درموں پر اسی وقت میں یا سفید رنگ کے درموں پر تو صحیح نہیں (کیونکہ سفید رنگ والے اس کا حق نہ تھے جو بعض لینا اور باقی چھوڑ دیتا[2]) جس کے کسی پر ہزار روپیہ ہوں اور مُدیون سے کہے کہ اگر تو کل کو آدھے ادا کرے تو باقی چھوڑ دونگا اگر وہ ایسا ہی کرے تو باقی سے بری الذمہ ہوجائیگا اور اگر کل ادا نہ کرے تو بری الذمہ نہوگا۔ زید عمرو سے کہے کہ میں تیرے مال کا اقرار قاضی کے سامنے نہیں کرونگا جبتک کہ تو کچھ نہیں چھوڑے گا یا مُہلت نہ دیگا تو اسپر صلح صحیح ہے پس جب اقرار کرے عمرو تو زید اُس کو مُہلت دے یا کچھ قرض چھوڑے شرط کے موافق فصل اگر قرض دو کی شرکت کا ہے اور اُنمیں سے ایک نے اپنے حصہ سے کسی کپڑے پر صلح کی تو دوسرے شریک کو اختیار ہے کہ اپنا نصف قرضہ مدیون سے خواہ نصف کپڑا شریک سے لیلے ہاں اگر ضامن ہو وہ شریک چوتھائی حصہ

---

[1] یعنے یہ اس صورت میں ہے کہ قتل عمدہ سے صلح ہو کہ جس کا مدعی نے دعوی کیا تھا کیونکہ اس صورت میں وکیل سفیر محض ہوگا جیساکہ نکاح کا وکیل ہاں اگر ضمانت کرلی تو وہ اور بات ہے لیکن اگر صلح مال کی مال سے ہو تو وہ بمنزلہ بیع کے ہوگا اور جس طرح کہ بیع میں وکیل ذمہ دار ہوتا ہے یہاں بھی وکیل ذمہ دار ہوگا بلاضمانت کئے ہوئے بھی ۱۲ [2] یعنی اس صلح میں شفعہ وغیرہ جو معاوضہ پر متفرع ہوتا ہے درست نہ ہوگا ۱۲ [3] اور اشرفیوں اور کالی درموں کی صورتوں میں ربوا لازم آتا ہے۔ کیونکہ جب درموں سے اشرفیوں پر صلح کی اور کچھ وعدہ کیا ضرور ہے کہ اشرفیوں کی درموں سے بیع ہورہی ہے اس لئے کہ قرض درم تھے نہ اشرفی لامحالہ اشرفی معاوضہ سمجھی جاویگی اور درموں کا معاوضہ اشرفیوں سے وعدہ کیساتھ اُدھار جائز نہیں سود ہوجائیگا اور ایسے ہی سفید رنگ کے درموں میں مراد سفید رنگ کے درموں سے وہ درم ہیں جنمیں کھوٹ زیادہ ہو اور سیاہ رنگ سے وہ جنمیں چاندی زیادہ ہو۔ ۱۲۔ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

باب قرض فوری واجب الادا سے صلح کرنیکا بیان ۔ فصل

قرض کا تو بمنزلہ آدھے کپڑے دینے کے ہوگیا۔ ان دونوں میں سے اگر ایک اپنا حصہ قرضدار سے وصول کرے تو اس میں دوسرا بھی شریک ہوگا اب دونوں قرضدار سے باقی کا مطالبہ کریں اور اگر ایک عوض اپنے قرض کے قرضدار سے کچھ خرید لے تو یہ مشتری دوسرے شریک کے واسطے کل قرض کے چہارم کا ذمہ وار ہوگا۔ باطل ہے۔ صلح و بیع سلم والوں میں سے ایک کی اپنے حصہ کے مال سے اسپر جو ان سنے راس المال دیا ہو صورت اس کی یہ ہے کہ زید و عمرو شریک ہوئے اور خالد سے عقد سلم کیا پھر زید نے خالد سے صلح کی کہ جو میں نے تجکو دیا تھا اس کو پھیر دے میں سلم کی چیز کے حصہ سے درگذرا تو یہ صلح صحیح نہیں ہے کسی کے وارث اگر آپس میں ایک وارث کو کچھ اسباب عوض مال منقول یا غیر منقول کے دیگر ورثہ سے علیحدہ کر دیں یا سونے کے بدلے میں چاندی دیکر اسکے برعکس پر تو یہ صلح صحیح ہے خواہ عوض بہت ہو اس کے حق سے خواہ تھوڑا اگر ترکہ متوفی کا روپیہ اشرفی نقد اور اسباب دونوں ہوں اور وارث مذکور کو صرف چاندی یا روپیہ یا صرف سونا اور اشرفیاں دیکر خارج از میراث کریں تو درست نہوگا جبتک کہ بدل صلح اس مقدار سے زیادہ نہو جو وارث مذکور کو اسی جنس میں سے حصہ پہونچے کہ اس صورت میں یہ زیادتی دوسری جنس کے عوض ہو جائیگی جس سے صلح کی ہے ۱۲ اگر بدل صلح زیادہ نہوگا۔ تو ربوا لازم آویگا کہ بہت سا سونا یا چاندی تھوڑی کے مقابل ہو جاویگی) زید مرا اور لوگوں پر اپنا قرض چھوڑ گیا اب زید کے وارثوں نے ایک کو کچھ دیکر علیحدہ کر دیا اسپر کہ قرض کے مستحق ہم ہیں تو یہ باطل ہے (اس لیے کہ یہ صورت مدیون کے سوا اور لوگوں کو دین کے مالک کرنیکی ہے جو درست نہیں) اور اگر وارث مذکور سے یہ شرط کر لیں کہ بدل صلح لیکر قرضداروں کو اپنا حصہ معاف کر دے تو درست ہے (اسلیے کہ اس صورت میں دین کا مالک انھیں کو کرے گا جن کے ذمے پر قرض ہے اور یہ صورت جائز ہے!

كتابُ المضاربة

اس میں عقد مضاربت کا بیان ہے۔ مضاربت وہ شرکت تجارت کی ہے جسمیں مال ایک کا ہو اور محنت

ف ۱ اس مشتری نے اپنے نصف قرض کے بدلہ زمین کوئی چیز خرید لی ہے اگر نصف قرض وصول کرتا تو وہ دوسرے شریک دار کو حق تھا کہ اسمیں سے آدھا بانٹ لیتا اسی طرح اس خریدی ہوئی چیز میں تو حق ہو نہیں سکتا البتہ نصف قرض کے عوض میں وہ چیز خریدی گئی ہے تو نصف کا آدھا یعنی چوتھائی قرض اس مشتری سے وصول کر سکتا ہے ۱۲ ف ۲ کیونکہ یہ بیع ہوئی ایک جنس کی دوسری جنس سے یعنی چاندی کی سونے سے یا سونے کی چاندی سے اور مختلف جنس کی بیع میں اگر کمی بیشی ہو تو جائز ہے مضائقہ نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ف ۳ یعنی جو وارث کچھ لیکر الگ ہو رہا اور اپنے مورث کا قرضہ جو لوگوں پر تھا اس سے دست بردار ہو رہا ہے تو گویا کہ اس قرضہ کا مالک بقیہ وارثوں کو بنا رہا ہے اور قرض یعنی دین کا مالک کسی دوسرے کو بنانا جائز نہیں البتہ اگر خود اسی قرضدار کو مالک بنا دیا یعنی معاف کر دیا۔ تو جائز ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

دوسرے کی (اول کو رب المال یعنی مالک مال کہتے ہیں اور دوسرے کو مضارب یعنی نفع کی شرکت تجارت کرنیوالا) مضارب یعنی محنت والا اصل مال میں تصرف سے پہلے امین[1] کے حکم میں ہے (یعنی اگر مال جاتا رہیگا تو اسکو دینا نہ پڑیگا) اور بعد تصرف کے وکیل کے حکم میں ہے اور نفع ہونے کے بعد شریک ہے نفع کا اور عقد مضاربت فاسد ہونیکے بعد بمنزلہ مزدور کے ہے اور درصورت نافرمانی (صاحب مال کے) غاصب کا حکم رکھتا ہے اور درصورت شرط کرنے سب نفع اپنے واسطے قرض لینے والے کے حکم میں ہے اور درصورت شرط ہونے تمام نفع کے رب المال کیلیے سرمایہ[2] لینے والے کے حکم میں ہے صحیح نہیں مضاربت مگر اس مال میں جسمیں شرکت صحیح ہے (جیسے درہم اور دینار میں) اگر نفع کی شرکت حصہ سے نہوگی (یعنی آدھوں آدھ یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ) تب بھی مضاربت درست نہوگی) اور وہ مزدوری مشروطہ سے زیادہ نہ دیجاویگی (نفع کل رب المال کا ہوگا) جو شرط کہ نفع میں جہالت پیدا کرے وہ عقد مضاربت کو فاسد کر دیتی ہے (جیسے یہ شرط کہ رب المال ایک سال تک مضارب کے گھر رہے کہ اس میں مضارب نے آدھے نفع کو اپنی محنت اور گھر کے کرایہ کے عوض کر دیا یہ معلوم نہوا کہ کام کے عوض کتنا نفع لگایا اور کرایہ کے عوض کتنا) اور جو شرط ایسی نہو وہ عقد کو فاسد نہیں کرتی بلکہ خود وہ شرط باطل ہے (جیسے یہ شرط کہ نقصان مضارب کے ذمے[3] ہے نہ رب المال کے) رب المال مال مضارب کو دیدے پھر مضارب اختیار ہے کہ اس مال سے خرید و فروخت کرے نقدوں اور قرضوں اور اصالتاً اور وکالتاً اور وطن میں اور سفر میں اور دوسرے کو سرمایہ دیدے تجارت کے واسطے اور کسیکو امانت سونپ دے (یہ سب امور اسکو جائز ہیں) نکاح نکرے مضاربت کسی لونڈی غلام کا مال مضاربت سے اور نہ اپنا کسیکو مضارب بنائے مگر رب المال کے حکم سے یا اسکے یوں کہدینے سے کہ اپنی عقل سے کام کر اور اگر رب المال نے کوئی شہر یا کوئی اسباب یا کوئی وقت معین یا کوئی معاملہ والا معین بتادیا ہو تو اس سے تجاوز نکرے جیسے ایک شریک کے کہنے سے دوسرا تجاوز نکرے اور

[4] پس اگر مالک کیواسطے کی گئی حصہ سے دس روپیہ زیادہ تو مضارب کو اس کی محنت ضرور ملے گی

[1] یعنی مال مضارب کے ہاتھ میں امانت سمجھا جائیگا کیونکہ مالک کی اجازت سے اپنے قبضہ کیا ہے نہ بطریق ہدیہ کے نہ بطریق دین کی مضبوطی جیسا کہ رہن میں ہوتا ہے رہن کی مضبوطی کیواسطے شے مرہون پر قبضہ کیا جاتا ہے پس اسکے یہ نہیں کہ قبضہ بطور امانت سمجھا جائیگا ۱۲ [2] یعنی مال بضاعت کے حکم میں ہے مال بضاعت وہ ہے کہ ایک کا مال دوسرا بیچے اور اصل نفع سب مالک کو دے بیچنے والا کچھ نہ لے اور اس کا حکم بھی امانت کا ہے ۱۲ [3] تو یہ شرط خود باطل ہو جائیگی یعنے اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر نقصان ہوا تو رب المال کے ذمہ جائیگا مضارب کو کچھ نہ برداشت کرنا پڑے گا ۱۲

[4] کیونکہ مضاربت کا معاملہ درحقیقت توکیل ہے پس جسقدر اختیار ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

نہ خریدے اُس غلام لونڈی کو جو رب المال کے مالک ہونیسے آزاد ہوجاوے[1] (یعنی رب المال کے ذی رحم محرم کو اگر مملوک ہو مال مضاربت سے نہ خریدے[2] (اسی طرح جو خود اس کے مالک ہونے سے آزاد ہوجائے اسکو بھی نہ خریدے بشرطیکہ تجارت میں صورت نفع کی معلوم ہوتی ہو: اس لیئے کہ اسوقت اگر خریدیگا تو نفع ہی میں شامل ہوگا اور مضاربت کیطرف سے آزاد ہوجائیگا) بلکہ اگر خریدیگا تو ضمان دیگا۔ اور تجارت میں نفع ظاہر نہوا ہو تو خرید صحیح ہے کیونکہ مضارب نفع میں شریک ہے اور نفع ابھی معلوم نہیں ہوا ہے تو مضارب اس غلام کا مالک ہی نہیں جو وہ آزاد ہوجاوے (پس اگر ایسے غلام کے خریدنے کے بعد نفع ظاہر ہو تو یہ غلام آدھا یعنے مضارب کا حصہ آزاد ہوجائیگا اور مضارب کو ضمان دینا نہوگا کیونکہ اپنے اختیار سے اُس نے آزاد نہیں کیا اب یہ غلام اپنی آدھی قیمت جو رب المال کا حصہ ہے اسکو کماوے۔ اگر مضارب کو ہزار روپیہ دیئے آدھوں آدھ نفع پر اور اُس نے اس قیمت کی ایک لونڈی خریدی اور ایک لڑکا جنی کہ وہ برابر ہزار روپیہ کے تھا اب مضارب نے اپنے تونگر ہونیکی[3] حال میں دعوے کیا کہ یہ لڑکا میرا ہے اور لڑکے کی قیمت ڈیڑھ ہزار روپیہ یعنی زیادہ ہوگئی تو وہ لڑکا رب المال کیواسطے سوا ہزار کماوے یا رب المال چاہے تو آزاد کردے پس اگر رب المال نے ہزار روپیہ لڑکے سے لے لئے تو مضارب رب المال کو آدھی قیمت لونڈی کے پانسو روپیہ اور دے کیونکہ یہ لڑکا نفع میں تھا لیکن اصل مال مشتبہ تھا جب قیمت اُس کی پانسو زیادہ ہوگئی تو اسکے نفع ہونیکو ترجیح ہوئی اور رب المال نے جب ہزار روپیہ اس لڑکے سے لے لئے تو اسکی اصل مال ہونے کی جانب کو ترجیح ہوگئی کیونکہ مضاربت کے معاملہ میں پہلے راس مال لیتے ہیں اب لونڈی بالکل نفع میں رہی اس لئے مدعی نسب یعنی مضارب ضامن ہوگا نصف قیمت لونڈی کا اور ڈھائی سو بابت قیمت لڑکے کے بھی ادا کرے کہ اس کی قیمت جو پانسو زیادہ ہوگئے تھے وہ بھی نفع میں شمار ہونگے فائدہ۔ جاننا چاہیے

ا؎ جیسے رب المال کا باپ یا بیٹا یا وہ غلام کہ جس کے متعلق رب المال نے قسم کھائی ہو کہ اس کا مالک ہوں تو وہ آزاد ہے مضارب کو بچنا چاہیے کہ مال مضاربتہ سے ان لوگوں کو نہ خریدے کیونکہ یہ لوگ خریدنے سے آزاد ہوجائیں گے نفع کیا ہوگا اور معاملہ مضاربتہ نفع حاصل کرنے کے لئے ہی بنایا گیا ہے اسیواسطے معاملہ مضاربتہ میں ایسی چیز کی خریداری داخل نہیں ہے کہ قبضہ کے بعد اس کے مالک نہ ہوسکیں جیسے شراب کی خریداری ۱۲ ۲؎ اور اگر خریدے گا تو وہ خریداری مضارب ہی کیجانب سے سمجھی جائیگی مال مضاربتہ سے نہ ہوگی کیونکہ رب المال کو ضرر پہنچیگا جیسا کہ خریداری کا وکیل جب موکل کے خلاف کرے تو وہ خریدی ہوئی چیز وکیل کی ہوگی موکل کیطرف سے نہ سمجھی جائیگی ۱۲ ۳؎ یعنے مضارب مالدار ہو کوئی مفلس آدمی نہ ہو اور مالداری کی حالت میں دعوے کرے ۱۲

منشی محمد وصی علی ملیح آبادی رحمتہ اللہ علیہ

کہ اس مسئلہ میں مضارب کے تونگر ہونیکی جو قید ہے اس کا یہ نفع ہے کہ اگر مفلس ہوگا تو بطریق اولےٰ قیمت لڑکے کا ضامن نہو گا اور شرکت کے غلام کے آزاد کرنے میں آزاد کرنیوالا اگر تونگر ہو تو ہو سکتا ہے کہ دوسرا شریک اس سے اپنے حصّہ کے دام بھر لے لیکن اس صورت مضاربت میں سوای لڑکے سے اپنا حصّہ مکوانے یا اسکو آزاد کر دینے کے اور صورت نہیں یعنی مضارب سے اُس کا تاوان لینا جائز نہیں ہے کیونکہ مالک ہو جانا مضارب کا اس لڑکے کو بسبب دعوے نسب کے ایک امر لابدی ہے کچھ مضارب کے کرنے سے نہیں ہوا تا کہ اس کو قیمت دینی پڑے بخلاف نصف قیمت لونڈی کے کہ یہ ضمان تصرف کے سبب سے ہے اور تصرف مضارب کے کرنے پر منحصر ہے۔

باب مضارب کے مضارب کرنے کے بیان میں۔ اگر مضارب اپنی طرف سے کسیکو بے اذن رب المال کے مضارب کرے تو راس المال کا ضامن نہو گا جبتک کہ دوسرا مضارب عمل نکرے[۱]) اور جب دوسرا مضارب عمل بیع و شرا کا کرے تو مضارب اوّل مال کا ضامن ہو جائیگا) اگر رب المال کے حکم کر نیسے زید مضارب نے عمرو کو تہائی نفع پر مضارب کیا اور زید سے رب المال نے کہدیا کہ جو کچھ خدا نفع دے وہ ہم تم میں آدھوں آدھ ہے پس جو نفع ہوگا اس میں سے آدھا رب المال کا اور چھٹا حصّہ[۲] زید مضارب اول کا اور تہائی عمرو مضارب ثانی کا ہوگا[۲] اور اگر یوں کہا تھا کہ جو کچھ اللہ تعالےٰ جو تجھ کو نفع دے وہ ہم تم میں آدھوں آدھ ہے تو عمرو کو تہائی اور باقی دو تہائی ان دونوں میں یعنے رب المال اور مضارب اول میں آدھوں آدھ بٹ جائینگی اور اگر رب المال نے زید سے یوں کہا کہ جو تو نفع پائے وہ ہم تم میں آدھوں آدھ ہوگا اور مضارب اول کو مضارب ثانی کو نصف نفع پر مال دے تو آدھا نفع مضارب ثانی کو ملیگا اور آدھا رب المال اور مضارب اول میں نصفا نصف بٹ جائے گا (یعنے ہر ایک کو چوتھائی ملیگا) اور اگر رب المال نے مضارب اول سے کہدیا کہ جو اللہ نفع دے اسمیں سے [illegible] آدھا لونگا اور مضارب مال دوسرے کو نصف نفع پر دے تو اس صورت میں نصف[۳] نفع مالک کو ملیگا اور نصف مضارب دوم کو اور مضارب اوّل کو کچھ نہ ملیگا

[۱] کیونکہ جبتک دوسرا مضارب عمل نکریگا وہ مال دوسرے مضارب کے ہاتھ میں امانت ہوگا اور امانت رکھنا اس اول مضارب کو اختیار تھا پس کیوں ضامن ہونے لگا۔ لیکن جب دوسرا مضارب اس میں عمل شروع کر دے گا تو دوسرا معاملہ مضاربت متعین ہو جائیگا پس اول مضارب رب المال کے مال کا ضامن ہو جائیگا [۲] یعنے نفع کے چھ حصّے کرکے تین حصّے رب المال کو دیدیے جائینگے کیونکہ نفع کا آدھا اس کو ملنا چاہیے اور دوسرا حصہ عمرو مضارب ثانی کو ملیں گے کیونکہ تہائی کا اس سے اقرار تھا۔ اور باقی ایک حصہ چھ حصوں سے زید مضارب اول کو ملیگا [۳] کیونکہ مالک نے یہ کہا ہے۔ کہ اللہ جو نفع دیگا اس کا نصف میں لونگا بخلاف پہلی صورت کے کہ اس میں مالک کو چوتھائی ملا تھا کیونکہ اس نے مضارب اول سے یوں کہا تھا کہ جو نفع تو پاوے وہ ہم تم میں آدھوں آدھ ہوگا۔ پس مضارب ثانی کو آدھا اور بچا مضارب اول نے آدھا پایا۔ وہ آدھا نصفا نصف دونوں میں بٹ جائیگا ۱۲

اور اگر پہلا مضارب دوسرے مضارب کے لئے دو تہائی نفع شرط کرلے اور رب المال کو آدھا نفع بدستور ہے۔ تو پہلا مضارب دوسرے کیواسطے چھٹے حصہ کا ضامن ہوگا (کیونکہ رب المال جب آدھا لے لیگا تو دوسرے مضارب کو دو تہائی سے چھٹا حصہ کم پہنچیگا یہ مقدار مضارب اول کو اپنے پاس سے دینی ہوگی) اگر مضارب نفع میں تہائی رب المال کی اور تہائی اُس کے غلام کی اس شرط سے کہ غلام بھی اس کے ساتھ کام کرے اور تہائی اپنے واسطے ٹھہراوے تو درست ہے رب المال یا مضارب کے مرجانے سے اور رب المال کے مرتد ہو کر دار الحرب کو چلے جانے سے مضاربت باطل ہو جاتی ہے[ف۱] مالک کے برطرف کرنے سے مضارب معزول ہو جاتا ہے۔ اگر اسکو برطرف کرنا معلوم ہو جاوے پس اگر معلوم ہوا برطرف کرنا اس حال میں کہ مال مضاربت اسباب تھا تو مضارب اسکو بیچکر نقد کرلے اور ثمن میں تصرف پھر نہ کرے۔ اگر رب المال اور مضارب دونوں عقد مضاربت کو فسخ کردیں اور مال مضاربت لوگوں پر قرض ہو اور نفع بھی ہو تو حاکم مضارب سے بزور قرضداروں پر تقاضا کراوے اور اگر نفع اس تجارت میں نہو تو تقاضے کا جبر اُسپر نہوگا۔ بلکہ مضارب اپنی طرف سے تقاضا کرنیکا رب المال کو وکیل کردے۔ دلال جبر کیا جاویگا تقاضا کرنے پر اور مبیع کی قیمت مشتری سے لینے پر جو مال مضاربت سے جاتا رہے وہ نفع سے لیا جاویگا[ف۲] اگر نفع سے بھی زیادہ جاتا رہا تو مضارب کو وہ دینا نہوگا[ف۳]۔ اگر نفع تقسیم ہوگیا اور عقد مضاربت باقی رہا پھر سب مال جاتا رہا یا بعض مال تو نفع جو دونوں نے بانٹ لیا ہے پھر سے جمع کریں اور اب رب المال اپنا مال پورا کرلے جو بچے اسے دونوں پھر بانٹ لیں اور اگر وہ نفع اصل مال کو کفایت نکرے یعنے اصل مال کم رہے تو مضارب پر دینا نہ آئیگا اور نفع بانٹ لیا اور مضاربت کو فسخ کردیا۔ بعد اس کے ازسر نو عقد مضاربت کی اور اب مال کل یا بعض تلف ہوگیا تو پہلا نفع اسمیں نہیں لگایا جاوے گا۔ (کیونکہ یہ تو نیا عقد ہے۔)

فصل عقد مضاربت مالک کو بضاعت کے طور پر مال دینے سے نہیں ٹوٹتا ہے[ف۴] (یعنے اگر مضارب مال مالک کو دے یہ کہکر کہ اس میں جو نفع ہو سب مجکو دینا تو مضاربت نہ جاویگی) اگر مضارب

ف۱ کیونکہ مضاربت وکیل بناتا تھا اور جس طرح سے موکل یا وکیل کے مرنے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے۔ کہ اس میں وراثت نہیں جاری ہوتی اسی طرح معاملہ مضاربت باطل ہو جائیگا اور رب المال کا مرتد ہو کر دار الحرب میں لاحق ہو جانا بھی بمنزلہ موت کے ہے ف۲ کیونکہ پونجی اصل ہے اور نفع اسکے تابع اور جو کچھ نقصان ہو یعنی ہلاک ہو اس کی تابع کی طرف پھیرنا بہتر ہے جیسا کہ زکوۃ میں ہلاک پہلی مقدار عفو کیطرف پھیرا جاتا ہے ف۳ اسلئے کہ وہ امانتدار نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا ہے ۱۲ ف۴ کیونکہ مال مضاربت کے حوالے ہو گیا تو مضارب کو اس میں تصرف کا حق حاصل ہوگیا پس درست ہے۔ کہ مضارب المال کو تصرف کا وکیل بنادے اور بضاعت میں مالک نیا وکیل بناتا ہے پس اس سے مضاربت نہ ٹوٹیگی اور رب المال کو خرید و فروخت کرے جو حاصل کریگا وہ مضاربت میں سمجھا جائیگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی رحمۃ اللہ علیہ

تو اس کا کھانا پینا پہننا سواری سب مال مضاربت کے صرف سے ہوگی۔ اور اگر شہر میں تجارت کرے گا۔
تو یہ سب خرچ اپنے مال میں سے اٹھائے جیسے خرچ بیماری دوا وغیرہ[1] شہر میں ہو خواہ سفر میں
اپنے پاس سے کرے۔ اگر مضارب کو نفع ہوا تو مالک وہ خرچ وضع کرلے جو اصل مال سے مضارب کے
صرف میں آیا اسپر جو نفع رہے اسے بانٹ لے (کیونکہ اصل مال مقدم ہے) اگر مضارب کوئی چیز خرید پر نفع
سے بیچے تو جو کچھ اسپر صرف ہوا ہے جیسے دھلائی رنگائی ڈھلائی وغیرہ سب لگا لے اور یوں
کہے کہ اتنے کی خریدی ہے اور یہ صرف ہوا ہے اور یہ نفع لوں گا اور جو کچھ اپنی ذات پر صرف کیا ہے اسکا
اسمیں حساب نہ لگائے اگر ڈھلائی یا دھلائی مضارب اپنے پاس سے دے اور اس سے مالک نے کہدیا ہو
کہ اپنی عقل سے کام کرنا تو مضارب کا سلوک اپنی طرف سے ہوگا (مالک کے ذمے یہ خرچ نہ
ٹھیرے گا) اگر تھان کو مضارب سرخ رنگائے تو جسقدر قیمت رنگ کے سبب سے بڑھ جاویگی اسی قدر کا
شریک ہوگا اور مالک کیواسطے سفید تھان کی قیمت کا ذمہ دار نہ ہوگا اگر مضارب نے ہزار روپیہ
مالک سے آدھوں آدھ نفع پر لئے پھر اسنے کپڑا خرید کر دو ہزار کو بیچا اور ان دو ہزار سے غلام خریدا
اور غلام کی قیمت دینے سے پہلے وہ دونوں ہزار جاتے رہے تو بائع کو مضارب اور مالک دونوں ملکر
ہزار روپیہ دیں اور مالک ایکہزار اور دے (کیونکہ ہزار نفع کے دونوں شرکت میں تھے اور ہزار
صرف مالک کے تھے غرضکہ مالک پندرہ سو دے اور مضارب پانسو) اب غلام کی ایک چوتھائی
تو مضارب کی ہے اور باقی تین حصے مال مضاربت کا اور اصل مال ڈھائی ہزار ہوا (کیونکہ اس
غلام پر مالک کے ڈھائی ہزار صرف ہوئے یعنے پندرہ سو اب دیئے اور ایک ہزار پہلے دیئے
تھے) اور اگر مضارب اس غلام کو مرابحت پر بیچے تو نفع دو ہزار پر لے (کیونکہ قیمت غلام کی دو
ہی ہزار تھی) اگر مضارب نے رب المال سے ایک غلام ہزار کو خریدا جو مالک نے پانسو کو مول
لیا تھا تو مرابحت پر بیچنے کے وقت مضارب کہے کہ پانسو کو پڑا ہے (اسپر نفع لیتا ہوں)۔ اگر
مضارب کے پاس ہزار ہیں آدھوں آدھ نفع پر اور ان ہزار سے ایک غلام خریدا جسکی قیمت دو ہزار ہے

[1] یعنے جس طرح بیماری دوا کا خرچ خود برداشت کریگا اسی طرح شہر میں تجارت کرنیکی صورت میں نفقہ کا بھی خود بار اٹھائیگا
اور سفر میں اور وطن میں تجارت میں فرق یہ ہے کہ نفقہ محبوس ہونیکے عوض میں ملتا ہے جیسے قاضی کا نفقہ اور زوجہ کا نفقہ پس جو
وطن میں تجارت کر رہا ہے تو اپنے اصلی مسکن میں سکونت کئے ہوئے ہے اور جب سفر کریگا تو مضاربت کی وجہ سے محبوس ہوگا پس اسکا
نفقہ کا بار مال مضاربت پر ہوگا بخلاف اس شخص کے کہ جس کو اجرت پر کام کرنیکو لیا ہو تو اس کا نفقہ خود اس کے ذمہ ہوگا۔ اور
اس میں اور مضارب میں فرق یہ ہے کہ وہ اجرت پر کام کرتا ہے اس کو اجرت ضرور ملیگی۔ نفع ہو یا نقصان پس اس کو خود
نفقہ کا بار اٹھانیمیں کچھ ضرر نہ ہوگا اور مضارب نفع پر کام کرتا ہے اور نفع میں تردد ہے ملے یا نہ ملے اس لئے اگر وہ اپنا پیسہ
اپنے نفقہ میں خرچ کریگا تو اسے ضرر پہنچے گا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

اور اس غلام نے براہ خطا یعنے نادانستہ کسیکو مار ڈالا تو اس قتل کا خونبہا تین چوتھائی مالک کے ذمے ہوگا
اور ایک چوتھائی مضارب کے ذمے اور غلام مالک کی تین روز خدمت کرے اور مضارب کی ایکروز
کیونکہ اسی حساب سے عوض دیا ہے اور اسی حساب سے دونوں کی ملک میں ہے، مضارب کے پاس
ہزار ہیں اور اُسنے ایک غلام خریدا اور قیمت ادا کرنے سے پہلے یہ ہزار تلف ہوگئے تو مالک کو دینے ہونگے
اور اگر پھر جاتے رہیں تو اور دینے ہونگے اور اصل مال ٹھیریں گے سب جسقدر دیئے ہیں اگر مضارب
کے پاس دو ہزار ہوں اور رب المال سے کہے کہ تونے مجکو ایکہزار دیے ہیں اور ایک ہزار نفع کے
ملے ہیں اور مالک کہے کہ یہ سرمایہ تجارت کے ہیں یعنی نفع میں شرکت نہیں ہے تو مالک ہی کا قول معتبر ہے

کتابُ الودیعۃ

اس میں امانت سپرد کرنے کا بیان ہے۔ امانت سپرد کرنا اس کا نام ہے، کہ دوسرے کو اپنی مال پر قبضہ
کرادے تاکہ وہ مال کو بچائے رکھے (اور اس شخص کو امین کہتے ہیں اور جو مال اُسکے پاس چھوڑ دیتے ہیں
وہ ودیعت کہلاتا ہے اور وہ اسکے پاس امانت رہتا ہے کہ اُسکے جاتے رہنے سے وہ تاوان نہ دیگا امین
کو اختیار ہے کہ امانت کی محافظت خود کرے یا اپنے گھر والوں کے پاس رکھ دے پس اگر ان کے سوا کسی اور
کو سونپے گا تو در صورت جاتے رہنے امانت کے ضامن ہوگا۔ البتہ اگر آگ لگنے کے خوف سے اپنے
پڑوسی کو یا ڈوبنے کے خوف سے دوسرے کشتی والے کو سونپ دیگا تو بوقت تلف ضامن نہوگا
اگر مالک نے امانت طلب کی اور امین نے باوجود قدرت دینے کے ندی یا اپنے مال میں ملالی کہ اس کی
پہچان نرہی تو امین اس کا ضامن ہوگا اور اگر امانت خود مل گئی ہے اُس کے ملانے کے تو اس امانت
میں دونوں شریک ہوجائیں گے اگر اس امانت میں سے کسی قدر اپنے خرچ میں لائے اور اسکی جگہ ویسی
ہی اور ملادے تو سب کا ضامن ہوگا اسلیئے کہ اُس نے اپنے مال کو مال امانت میں خلط کر دیا اگر

ہیں اور رب المال کہے کہ میں نے تجھ کو دو ہزار دیئے ہیں تو مضارب کا قول معتبر ہوگا۔ ایک
کے پاس ہزار ہیں اور کہتا ہے کہ یہ مضارب کے ہیں آدھوں آدھ نفع پر ان سے ہزار نفع کے

[1] اور مضارب پر کچھ تاوان نہ آئیگا کیونکہ ہر بار وہ ہزار مضارب کے ہاتھ میں امانت ہیں اور امانت کے ہلاک سے امانتدار پر کچھ
تاوان نہیں آتا ۱۲ [2] یعنے مال بضاعت کے ہیں تو مالک کا قول قسم کے ساتھ اس لئے معتبر ہوگا کہ دوسرا معاملہ مضاربت کا مدعی
اور مالک انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب میرا ہے تو نفع میں شریک نہیں ہے اور جب مدعی اپنے دعوی کے گواہ نہ لاسکے تو قسم کے ساتھ منکر
کے قول کا اعتبار کرتے ہیں ۱۲ [3] کیونکہ ایسے وقت میں یہی طریق حفاظت ہے اور مالک کی رضا بھی اسپر ہوگی بخلاف اس پہلی صورت کے
کہ کسی اور کو سونپنے یا اس میں ضامن ہوگا۔ کیونکہ مالک اس کے ہاتھ میں رہنے سے راضی تھا نہ دوسرے کے ہاتھ میں کیونکہ امانت
رکھنے میں ہاتھ ہاتھ برابر نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی سلطے ملیح آبادی۔

امانت میں ایسی تعدی کرے کہ ضمان دینا آوے پھر وہ تعدی دور ہو جائے تو ضمان بھی موقوف ہو جائیگا (جیسے کسی اجنبی کو امانت سونپ دے پھر اس سے لیلے) بخلاف عاریت لینے والے اور ٹھیکہ لینے والے کے (کہ اگر یہ دونوں اس قسم کی تعدی کریں تو باوجود جاتے رہنے تعدی کے ضمان اُن کو دینا ہوگا) اور بخلاف اقرار کرنے کے بعد انکار کے (یعنی مالک کی طلب پر اگر انکار امانت کا کیا پھر گو اقرار کرلے مگر ہلاک کی صورت میں ضمان دینا ہوگا) امین کو جائز ہے سفر کرنا ساتھ امانت کے اگر مالک نے منع نکیا ہو[1] اور خوف جاتے رہنے کا بھی نہو اگر دو شخص ملکر امانت سونپیں تو امین ان میں سے ایک کو حصہ ندے جبتک کہ دوسرا حاضر نہو اگر ایک شخص نے دو امینوں کو ایسی امانت سونپی جو تقسیم ہوسکتی ہے تو دونوں کو چاہیئے کہ آدھی آدھی تقسیم کرکے ہر ایک اپنے اپنے حصہ کی محافظت کرے اگر ایک اپنا حصہ دوسرے کو دیدے گا تو اُس کا ضامن ہوگا بخلاف اُس امانت کے جو بٹ نہیں سکتی (کہ اس میں ضامن نہوگا) اگر سونپنے والا امین سے کہے کہ اس کو اپنے کنبے والوں کو ندینا یا اس کو اسی کوٹھری میں محفوظ رکھنا اور امین نے ایسے شخص کو سپرد کی جسکے دیے بدون چارہ نہیں (جیسے بی بی یا نوکر) یا اس مکان کی کسی کوٹھری میں اُس کی محافظت کی اور امانت ضایع ہوگئی تو ضامن[2] نہوگا اور اگر بے ضرورت دیدی یا کسی اور مکان میں حفاظت کی تو ضامن ہوگا۔ غاصب کا امین درصورت تلف امانت کے ضامن ہوگا نہ امین کا امین (یعنے اگر کسی نے کسی کی چیز چھین کر امین کے سپرد کردی اور وہ جاتی رہی تو امین کو دینی آوے گی اور اگر عمرو نے زید کو امانت سونپی اور زید نے وہی امانت بکر کو تو بکر درصورت تلف ضامن نہوگا) زید کے پاس ہزار ہیں عمرو کہتا ہے کہ یہ میری امانت ہیں اور بکر کہتا ہے کہ میری اور زید کہتا ہے کہ دونوں کی نہیں ہیں اور قسم[3] نہیں کھاتا تو یہ ہزار بکر اور عمرو کے ٹھیرینگے اور ایک ہزار زید کو دینے ہونگے اور بکر اور عمرو ان کو بھی آدھوں آدھ لیویں (کیونکہ ہر ایک نے ایک ایکہزار کا دعوے کیا تھا اور دونوں کے دعوی کے انکار پر اس نے قسم نہ کھائی

---

[1] اور اگر مالک نے منع کیا ہو کہ اس کی امانت کے ساتھ سفر نہ کرے اور باوجود ممانعت کے پھر بھی امانت لیکر نکلا تو ضامن ہوگا یہاں تک کہ اگر ضائع ہوگئی تو دینا پڑیگی کیونکہ اسکی ممانعت خالی از نفع نہیں شہر میں جتنی حفاظت ہوسکتی ہے سفر میں نہیں ہوسکتی ۱۲۔ [2] کیونکہ امانت کا یہ قاعدہ ہے کہ اسکی ہلاکت میں امانتدار کو دخل ہو تو امانتدار کو دینا پڑیگی ورنہ نہیں اور اس صورت میں جبکہ دوسری کوٹھری میں رکھا اپنی بی بی یا نوکر کو سپرد کیا تو یہ امانت کی حفاظت میں کوتاہی نہیں لہذا ضامن نہ ہوگا ۱۲۔ [3] یعنی درصورت مدعیان کے گواہ نہیں پیش کرنے کے اگر ایک مدعی بھی گواہ پیش کریگا تو اُس کے حق میں فیصلہ ہوگا اور جبکہ گواہ ہیں تو زید سے دو قسمیں کھلائی جائیں گی ایک عمرو کے اور ایک بکر کیلئے اور قاضی کو اختیار ہے چاہے جسکے واسطے پہلے کھلائے اور اگر ہر ایک اپنے واسطے پہلے کھلانے کی کوشش کرے۔ تو قرعہ ڈالا جائے گا ۱۲ مغنی

کتاب العاریۃ

اس میں مانگنے کی چیز کا بیان ہے۔ عاریت کہتے ہیں اپنی چیز کے نفع پر مالک کر دینے کو بغیر عوض کے (یعنے کسی شخص کو ایک چیز کے نفع کا مالک کر دینا اور اُس سے کچھ عوض نہ لینا) ان الفاظ سے عاریت صحیح ہو جاتی ہے یہ چیز میں نے تجکو عاریت دی یا زمین کا اناج میں نے تجھ کو دیا یا اپنا کپڑا پہننے کو تجھ کو دیا یا اپنی سواری سوار ہونیکو تجھ کو دی یا اپنا غلام تیری خدمت کو دیا یا میرا گھر تیرے رہنے کو ہے یا میرا گھر عمر بھر تیرے رہنے کو ہے۔ عاریت دینے والا جب چاہے اپنی چیز پھیر لے[1]۔ اگر ہلاک ہو جائے بغیر تعدی کے تو مانگنے والا ضامن نہو گا[2] مانگی کی چیز کو کرایہ پر دینا اور گروی رکھنا صحیح نہیں ہے مثل امانت کے اگر کرایہ دے اور جاتی رہے تو ضمان دینا ہو گا جس کے پاس مانگی ہو وہ دوسرے کو مانگی دے سکتا ہے ایسی چیزیں جو استعمال کرنیوالے کے بدلنے سے مختلف نہوں (جیسے گھر کا رہنا یا غلام کی خدمت اور جو چیز مستعمل کے اختلاف سے مختلف ہو جائے جیسے گھوڑی کی سواری کا اُسکا دوسرے کو عاریت دینا نہیں صحیح ہے اگر مالک عاریت کسی وقت خاص یا نفع خاص سے مقید کر دے (مثلاً کہدے کہ فلانے دن اس سے نفع لینا یا فلاں کام میں لانا) یا دونوں کی قید کر دے تو مانگنے والا اس قید سے تجاوز نکرے اور اگر کوئی قید نہیں ہے تو نفع ہر وقت لے سکتا ہے روپیہ اشرفی اور کیل کی چیز (جیسے گیہوں وغیرہ) اور تول کی (جیسے شہد روغن وغیرہ) اور شمار کی (جیسے انڈے اخروٹ وغیرہ) کا عاریت دینا بمنزلہ قرض کے ہے[3] کہ اسکو خرچ کر کر اور دیدینا صحیح ہے اور اگر عاریت اشیاء مذکورہ بالا میں سے نہو تو بعینہ اُسی کو واپس کرنا چاہیئے مثلاً اگر کپڑے یا ہتھیار ہوں تو اُنھیں کا پھیر دینا ضرور ہو گا مکان بنانے یا درخت لگانے کیواسطے زمین کا عاریت دینا صحیح ہے اور مالک کو پھیر لینے کا اختیار ہے اور مانگنے والے سے کہدے کہ اپنی عمارت اور درخت دور کر دو اور اگر عاریت کا وقت مقرر نہ کیا تو تاوان کچھ نہ دے لیکن اگر کسی وقت تک عاریت دی تھی اور اس سے پہلے پھیر لینا چاہے تو جو کچھ مکان وغیرہ اکھڑنے سے مانگنے والے کا نقصان ہو گا

---

[1] کیونکہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ عاریت ادا کیجائے یعنے مالک کو واپس کیجائے۔ اور اسوجہ سے بھی کہ مالک نے منافع کا مالک بنایا تھا اور منافع ایکدم سے نہیں حاصل ہو جاتے بلکہ تھوڑے تھوڑے حاصل ہو کر ملوک ہوتے رہتے ہیں پس جو منافع ابتک پیدا ہو کر حاصل نہیں ہوئے وہ ملوک بھی نہیں ہوئے لہذا مالک واپس کر سکتا ہے ۱۲ [2] کیونکہ مانگنے والے ہاتھ میں وہ چیز امانت ہوتی ہے اور امانت کا یہی حکم ہے ۱۲ [3] اس لئے کہ عاریت دینا درحقیقت اسچیز کے نفع کا مالک بنانا ہے۔ اور ان چیزوں میں یہ ممکن نہیں کہ بغیر ہلاک کئے نفع اٹھا سکیں لہذا ان کو عاریت دینا درحقیقت قرض دینا ہے ۱۲

مفتی محمد وصی علی رحمۃ اللہ علیہ

مالک کو دینا پڑیگا۔ اگر کھیتی کرنے کے لئے زمین عاریت دی تو جبتک کھیتی کا وقت نہ آوے نہیں پھیر سکتا خواہ وقت معین کیا ہو خواہ نہ کیا ہو چیز کے واپس کرنے میں جو خرچ پڑے وہ عاریت میں مانگنے والے کے[1] ذمہ ہے اور امانت میں مالک کے ذمہ اور ٹھیکہ میں ٹھیکہ دینے والے کے ذمہ اور غصب میں چھیننے والیکے ذمہ اور گرو میں گرو رکھنے والے کے ذمہ۔ اور مستعیر یعنے عاریت لینے والے نے عاریت کے جانور کو مالک کے اصطبل وغیرہ میں پہنچا دیا یا غلام کو مالک کے گھر پہونچا دیا تو مستعیر بری الذمہ ہوا بخلاف غاصب اور امین کے (کہ غصب اور امانت کی چیز کو مالک کے سپرد کر دینا ضرور ہے) اگر مستعیر نے اپنے غلام یا اپنے نوکر و ماہوار کے ہاتھ یا مالک کے غلام یا نوکر کے ہاتھ بھیجدیا[3] یا تو بری الذمہ ہو جائیگا بخلاف اجنبی کے ہاتھ بھیجنے کے (کہ اس صورت میں اگر ضایع ہو گی تو ضمان دینا ہوگا) جس کو زمین عاریت دی گئی ہو وہ عاریت نامے میں واسطے اطمینان کے لکھدے کہ تو نے اپنی زمین مجکو عاریت دی۔

کتاب الہبہ

اسمیں ہبہ کا بیان ہے۔ ہبہ اُسکو کہتے ہیں کہ آدمی اپنی چیز کسی کو مفت بلا عوض مالک کر دے (جو چیز دیتا ہے اسکو واہب کہتے ہیں اور جس کو اس کا مالک کرتا ہے اسکو موہوب لہٗ کہتے ہیں اور جس چیز کو ہبہ کرتا ہے وہ موہوب کہلاتی ہے) ہبہ اسوقت تک درست ہے کہ واہب کیطرف سے ایجاب ہو اور موہوب لہ اس کو قبول کر کے قبضہ[1] کر لے) ہبہ کے ایجاب کے یہ الفاظ ہیں کہ واہب یوں کہے کہ میں نے ہبہ کیا یا دے ڈالا یا میں نے کھانا کھانے کیلئے تجھے دیا یا اُسکو تیرا ہی کر دیا یا یہ چیز عمر بھر کو تجھے دی یا ہبہ کی نیت سے یہ کہا کہ سواری میں نے سوار ہونیکو تجھے دی یا یہ کپڑا پہنا دیا یا میرا گھر تیرے لئے ہبہ ہے اسمیں رہیو اگر یوں کہیگا کہ میرا گھر رہنے کو ہبہ ہے یا ہبہ کا رہنا ہے تو ان دونوں لفظوں سے ایجاب نہ ہوگا (ایجاب کے بعد درستی ہبہ کیلئے موہوب لہ کا قبول کرنا چاہیئے اور قبضہ اسی مجلس میں بغیر حکم واہب کے صحیح ہے اور بعد مجلس کے حکم ضرور ہے ہبہ کرنا ایسی چیز کا درست ہے جو واہب کے

---

[1] اور بعض نے کہا ہے کہ مالک زمین کا اس مکان وغیرہ کی قیمت دیدے اور لیلے البتہ اگر مانگنے والا قیمت لینا نہیں چاہتا تو اکھاڑ لیجائے شارحین نے کہا ہو کہ اگر اکھاڑنے سے زمین کو ضرر پہنچتا ہو تو مالک زمین کو اختیار ہے ۱۲۔ [2] کیونکہ اس چیز کا واپس کرنا مانگنے والے پر واجب اس لئے کہ اسی نے اپنے نفع کے واسطے اس چیز پر قبضہ کیا تھا پس جس شخص پر واپس کرنا واجب ہے اس کا خرچ بھی واجب ہوگا ۱۲۔ [3] کیونکہ مالک کے جانور غلاموں اور نوکروں کے حوالے رہا کرتے ہیں پس غلام یا نوکر کو دیدینے سے مالک کی رضامندی ہوگی اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ انہیں غلاموں یا نوکروں کے دیدینے سے بری الذمہ ہوگا جو ان جانوروں پر کام کرتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ہر ایک کو دینے بری الذمہ ہو جائیگا خواہ وہ غلام و نوکر ہوں جو اسکے جانور پر کام کرتے ہیں یا اُن کے علاوہ ۱۲۔ [4] قبضہ ہبہ میں شرط ہے بغیر قبضہ کے ہبہ صحیح نہ ہوگی ۱۲۔
[5] کیونکہ ہبہ میں تمام و کمال طریقہ سے قبضہ ہونا چاہیئے اور اگر مشترک چیز ہوگی تو اُسپر تمام و کمال قبضہ نہ ہوگا۔ پس جو چیزیں تقسیم ہو سکتی ہیں اور تقسیم کے بعد نفع اٹھانے کے باقی رہ سکتی ہیں انکا ہبہ بغیر تقسیم کے درست نہیں اور جو ایسی نہیں ان میں قبضہ

قبضہ میں تقسیم ہو کر آگئی ہو اور (اگر مشترک چیز جو تقسیم نہیں ہو سکتی (جیسے کنواں اور چھوٹا حمام وغیرہ میں سے کوئی حصہ ہبہ کرے تو درست ہے) اور جو تقسیم ہو سکتی ہے اسمیں سے کوئی حصہ ہبہ کرنا درست نہیں ہاں اگر مشترک کو تقسیم کر کے موہوب لہ کے حوالے کریگا تو درست ہو جاوے گا (مثلاً ایک مکان کئی شخصوں میں مشترک ہے اور انمیں سے ایک شخص نے اپنا حصہ بلا تقسیم ہبہ کر دیا تو درست نہو گا۔ ہاں اگر شرکا سے تقسیم کر کے اپنا حصہ علیحدہ کر لیا اور ہبہ کیا تو درست ہوگا) اگر گیہوں کے اندر آٹا ہبہ کیا تو صحیح نہیں گو اس کو پیسکر حوالے کرے۔ اسی طرح تلوں کے اندر کا تیل اور دودھ کے اندر کا گھی ہبہ کرنا صحیح نہیں۔ جو چیز ہبہ کی ہے اور اگر وہ شے موہوب لہ ہی کے پاس ہے تو بغیر قبضہ کے مالک ہو جائیگا دوسرا قبضہ ضرور نہیں اگر باپ اپنے بچہ کو ہبہ کرے تو فقط ایجاب سے ہبہ پورا ہو جائیگا (یعنے باپ ہی کا قبضہ بچہ کیطرف سے کافی ہے[2] اگر کوئی اجنبی بچہ کو کچھ دے تو اس کے ولی یا ماں کے قبضہ کرنے سے یا اجنبی کے جس کی گود میں بچہ ہے ہبہ تمام ہوگا اور اگر لڑکا قبض کرنا جانتا ہو تو اس کے قبض سے تمام ہو جائیگا اگر دو آدمی ایک گھر کسی شخص کو ہبہ کر دیں تو صحیح ہے نہ برخلاف[4] اس کا (یعنے ایک آدمی کو ایک گھر دے بلا تفصیل حصص کے تو نہیں صحیح کیونکہ قبضہ ہر ایک کا اپنے حصہ مشترک پر کامل نہیں ہے۔ دس روپیوں کو دو فقیروں پر تصدق کرنا اور ہبہ کرنا صحیح ہے تو دو تونگر پر صحیح نہیں کیونکہ دو فقیروں کو دنیا ایسا ہے جیسا خدا کو سب دیا کہ نیت خدا کے واسطے ہوتی ہے بخلاف تونگروں کے کہ اُس میں نیت انھیں کے دینے کی ہے اور ہبہ کرنا مشترک چیز کا بلا تعین درست نہیں ہے۔

باب ہبہ پھیر لینے کے بیان میں صحیح شے ہے دیکر پھیر لینا لیکن پھیر نے سے سات امر منع کرتے ہیں (جوامع و خزقہ (سے سمجھے جاتے ہیں) د سے تو وہ زیادتی مراد ہے جو موہوب چیز سے جدا نہو سکتی ہو جیسے زمین موہوبہ میں درخت لگانا یا مکان بنوانا یا جانور موہوب کا موٹا ہو جانا (کہ اس صورت میں ہبہ نہ پھریگا) اور م سے مراد ہے مرنا ایک کا واہب اور موہوب لہ میں سے (اگر کوئی مرجائیگا تو ہبہ واپس نہوگا) اور ع سے عوض مراد ہے

[1] یعنے جسوقت ہبہ کیا تھا اسوقت مشترک تھا پھر بعد کو اپنا حصہ تقسیم کر کے موہوب لہ کے قبضہ میں دیا تو صحیح ہو جائیگا۔ کیونکہ ہبہ کی تمامیت قبضہ سے ہوتی ہے اور تمام ہونے کیوقت یعنے قبضہ کیوقت شے مشترک نہیں ہے لہذا صحیح ہو گیا ۱۲ [3] کیونکہ اگر کوئی دوسرا شخص بچہ کو ہبہ کرتا تو بھی بچہ کیطرف سے باپ اسکا ولی ہے قبضہ کرتا اور جب خود ہبہ کر رہا ہے تو اس کا پہلے کا قبضہ کافی ہے اب ہبہ بیٹے کی طرف سے سمجھا جائیگا ۱۲ [4] یعنی ایک آدمی دو آدمیوں کو ایک گھر ہبہ کرے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک درست نہیں کیونکہ ہر شخص نصف النصف کا مالک ہوگا اور وہ مشترک ہے علیحدہ تقسیم شدہ نہیں اور مشترک قابل تقسیم جبتک تقسیم نہو جائے اس کی ہبہ جائز نہیں ۱۲ [5] امام شافعی رح کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے ان کے نزدیک پھر واپس کرنا جائز نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

بجو ہبہ کے عوض میں واہب نے موہوب لہ سے ایسا ہی اور اگر ہم موہوب لہ واہب سے کہے کہ تو نے اپنی ہبہ کا عوض یا بدل یا اس کے مقابلہ میں یہ چیز مجھ سے لے لے تو اختیار موہوب کے پھیر لینے کا واہب کو نہ رہے گا۔ اور اگر کوئی اجنبی جو موہوب لہ نہیں ہے ہبہ کا بدلہ دیدے تو جائز ہے اور واہب کو اب بھی اختیار نہ رہیگا اگر عوض دینے کی صورت میں آدھا موہوب کسی اور کا نکلا تو واہب آدھا موہوب واپس نہیں لے سکتا۔ جبتک کہ موہوب لہ دوسرا نصف بھی نہ واپس کرلے اگر آدھا موہوب کا بدلہ پہنچ گیا تو باقی آدھے کا پھیر لینا صحیح ہے اور خ سے مراد ہے موہوب کا خارج ہوجانا موہوب لہ کی ملک سے ذکریہ بھی مانع واپسی ہے اگر موہوب لہ نے آدھا موہوب بیچڈالا تو واہب آدھا باقی پھیر لے سکتا ہی جسطرح کہ اگر بالکل نہ بیچا ہو تو پھیر سکتا[۱] ہے اور ز سے مراد زوجیت ہے یعنے موہوب کا خاوند یا جورو ہونا مانع ہبہ کے پھیرنے کا ہی پس اگر ایک اجنبی عورت کا کچھ ہبہ کیا پھر اُس سے نکاح کیا تو ہبہ پھیر سکتا ہی نہ اس کے عکس میں یعنے پہلے نکاح کرے اور پھر اسکو کچھ دے تو نہیں پھیر سکتا اور ق سے مراد قرابت ہے پس اگر اپنے ذی رحم محرم کو کچھ دے تو پھیر نہیں[۲] سکتا اور ھ سے مراد ہلاک ہے (یعنے موہوب کا موہوب لہ کے پاس سے جاتا رہنا کہ اس سے ہبہ واپس نہوگا) اگر موہوب لہ دعوی کرے کہ موہوب جاتا رہا تو اس کا کہنا معتبر پھیر لینا جب ہی صحیح ہے جب دونوں واہب اور موہوب لہ راضی ہوں یا حاکم حکم کرے[۳] کیونکہ دیکر پھیر لینا مسئلہ مختلف فیہ ہی پس ان دو امروں میں سے ایک ہونا ضرور چاہئے تاکہ جائز ہونے کی جانب قوت پکڑے پس اگر عین موہوب تلف ہوگیا اور پھر اس کا کوئی مستحق پیدا ہوا اور موہوب لہ نے مستحق کو موہوب کے بدلہ میں تاوان دیا تو یہ تاوان واہب سے وصول نہیں کرسکتا۔ ہبہ کرنا عوض لینے کی شرط پر ابتداءً ہبہ کا حکم رکھتا ہی جیسے شرط ہی کہ واہب و موہوب لہ دونوں پر قابض ہوجاویں اور اگر موہوب مشترک بے تقسیم ہوگا تو یہ معاملہ باطل ہوگا

۱؎ یعنے اگر بالکل نہ بیچا ہو تو کل پھیر سکتا ہی اور اسی طرح نصف پھیرنا چاہے تو نصف پھیر سکتا ہے کیونکہ کل کے پھیرنے کا حق حاصل ہے تو نصف کا بدرجہ اولی ہے ۱۲ ۲؎ کیونکہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب ذی رحم محرم کے لئے ہبہ کیا ہو تو نہ واپس کرے اور یہ بھی وجہ ہے کہ ذی رحم محرم کو دینے سے مقصود صلہ رحمی ہی اور وہ حاصل ہوگئی پس اب لازم ہوگیا ۱۲ ۳؎ اور جب حاکم کے حکم یا دونوں کی رضامندی سے شئی موہوبہ پھیری جائے۔ تو یہ کوئی جدید معاملہ نہ سمجھا جائے گا۔ بلکہ اس پہلے معاملہ کو سرے سے فسخ سمجھینگے یہاں تک کہ واجب کے قبضہ کی شرط نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

(جیسا کہ ہبہ کا حال ہے) اور انتہا میں یہ عقد بیع کا حکم رکھتی ہے پس پھیر سکتا ہے بسبب عیب اور خیار رویت[1] کے اور (اگر موہوب گھر یا زمین ہوگی تو پڑوسی کو حق شفعہ پہنچ سکتا ہے) جیسے بیع میں پہونچ سکتا ہے۔

فصل جسنے حاملہ لونڈی کو ہبہ کیا اور اُس کا حمل نہ ہبہ کیا یا اس شرط پر لونڈی کو ہبہ کیا کہ مجھ کو پھیر دیدینا یا اسکو آزاد کر دینا یا اُم ولد کر لینا یا گھر ہبہ کیا اس شرط پر کہ تھوڑا اسمیں سے مجکو پھیر دینا یا تھوڑے کا عوض دینا تو دہبہ صحیح ہے اور استثنای حمل اور دوسری شرطیں باطل[2] ہیں۔ اگر قرضخواہ قرضدار سے کہے کہ جب کل ہو تو وہ قرض تیرا ہے یا تو اس سے بری الذمہ ہی یا کہی کہ مجھ کو آدھا قرض ادا کر دے تو باقی آدھا تیرا ہے یا تو اس سے بری الذمہ ہے تو یہ قول باطل ہے (اس لیئے کہ دونوں صورتوں میں قرض کے ہبہ کرنے کو شرط پر مشروط کیا ہے اور وہ درست نہیں) صحیح ہے ہبہ عُمری معمر لہ کیواسطے اس کی زندگی تک اور اس کے مرنیکے بعد اُس کے وارثوں کیواسطے عُمری اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنا گھر کسی کو اس کی زندگی تک دیدے اور جب وہ مر جاوے تو مالک کو پھیر[3] دیا جاوے یوں کہہ کر ہبہ صحیح نہیں کہ اگر میں تجھ سے پہلے مر جاؤں تو یہ چیز تیری ہے اور اُس کو فقہا کی اصطلاح میں رقبی کہتے ہیں صدقہ کا حکم ہبہ کا سا ہے کہ صحیح نہیں ہوتا بغیر قبضہ کے اور بھی نہیں صحیح نہیں ہوتا ایسی مشترک شئے میں جو تقسیم کے قابل ہے مگر صدقہ کو مثل ہبہ کے پھیر لینا صحیح نہیں ہے (کیونکہ صدقہ تو خدا کے واسطے ہے نہ ہبہ)۔

کتاب الاجارة

اسمیں ٹھیکہ اور کرایہ دینے کا بیان ہی۔ اجارہ[4] کہتے ہیں ایک نفع معلوم کو بیچنا چیز معلوم[5] کے بدلہ میں اور جو چیز قیمت ہو سکتی ہی وہ اجرت اجارہ کی بھی ہو سکتی ہے ٹھیکہ کی مدت کے بیان کر دینے سے نفع معلوم ہو جاتا ہی۔ جیسے گھر میں رہنے یا زمین کی کھیتی کرنے میں ایک سال یا دو سال مقرر

؎۱ اور اسی طرح اس میں شفعہ کا حق بھی حاصل ہی بشرطیکہ مکان یا زمین ہو اور امام شافعی رح کے نزدیک ایسا ہبہ ابتداءً اور انتہاءً دونوں حالت میں بیع ہے ١٢ ؎۲ کیونکہ ہبہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا بلکہ شروط فاسدہ خود لغو ہو جاتی ہیں اور یہی حکم نکاح و خلع اور قتل عمد سے صلح کا ہے کہ یہ معاملے شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتے بخلاف بیع اور اجارہ اور رہن کے کہ یہ معاملے شروط فاسدہ سے باطل ہو جاتے ہیں ١٢ ؎۳ پس اس صورت میں اس کے مرنے کے بعد وہ گھر اس کے ورثے میں تقسیم ہوگا دینے والے کیطرف واپس نہوگا کیونکہ یہ پھیر دینے کی شرط فاسد تھی لغو ہو گئی اور ہبہ صحیح ہوگا ١٢ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ١٢ ؎۴ ؎۵ یہاں تک کہ اگر نفع معلوم نہ ہو یا اجرت معلوم نہ ہو تو اجارہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو شخص کسی مزدور کو مزدوری میں لے تو مزدوری بتلادے ١٢ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ١٢ اللہم اغفر لکاتبہ ولوالدیہ و اغفر جمیع المومنین والمومنات ١٢

کردے تو گھر کا یا زمین کا نفع مجہول نہ رہا بلکہ معلوم ہو گیا، تو بڑی چھوٹی مدت، دونوں مقرر کرنا صحیح ہے مگر وقفوں کے اجارہ میں تین برس سے زیادہ مدت مقرر نہ کیجائیگی۔ اجارہ کی چیزوں کا نام لے دینے لے دینے سے بھی نفع معلوم ہو جاتا ہے جیسے رنگائی یا سلائی کے لیئے اجارہ کرنا یا دھلائی وغیرہ میں اشارہ کرنے سے نفع معلوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً یوں کہنا کہ اس غلہ کو یہاں سے وہاں تک پہنچادے اجیر یا مزدور فقط عقد اجارے سے اجرت کا مستحق اور مالک نہیں[1] بلکہ چار صورتوں سے ہو سکتا ہے یا اجرت بلا شرط پہلے دیدیجائے یا پیشگی اجرت کی شرط ہو جاوے یا کام تمام کر چکے یا مستاجر اجارے کی چیز پر قادر ہو جاوے (مثلاً اگر گھر رہنے کو کرایہ دیا اور کرایہ دار نے اپنے قبضہ میں کر لیا تو گو اس میں نہ رہے مگر مالک مستحق کرایہ کا ہوگا) اگر کپڑے وغیرہ کے لیئے مزدور کیا اور اسکو اس سے کسی نے چھین لیا تو اس کی مزدوری ساقط ہو جائیگی گھر کا یا زمین کا مالک کرایہ دار سے کرایہ روز وصول کر سکتا ہے اور اونٹ والا اپنے اونٹ کا کرایہ ہر منزل پر پہنچکر لے سکتا ہے اور دھوبی درزی اپنے کام سے فراغت ہو کر اور نانبائی روٹی تنور سے نکالکر پس اگر روٹی تنور سے نکالے اور وہ جلی ہو تو مزدوری اس کی دینی ہوگی[2] اور روٹی کا تاوان اس کے ذمے نہیں ہے اور باورچی شوربا نکالنے پر اور خشت ساز بعد تیار کرنے اور کھڑا کرنے اینٹ کے لیسکتے ہیں۔ جس کے کام کا اثر معین شئے میں قائم ہو جیسے رنگریز اور دھوبی (کہ ان کے رنگنے اور دھونے کا اثر یعنے رنگ اور سفید ہونا کپڑے میں موجود ہوتا ہے) تو وہ اپنی مزدوری کے بدلہ میں اس شئے معین کو روک سکتا ہے پس اگر بعد روکنے کے وہ شئے تلف ہو گئی تو اس کی قیمت دینی نہ آویگی اور مزدوری بھی نہ ملیگی اور جس کے کام کا اثر قائم نہو اس کو اس شئے کا روکنا مزدوری کیواسطے نہیں صحیح ہے (جیسے پلہ دار اور ملاح وغیرہ کہ انکو مزدوری کے لئے چیز کو روکنے کا اختیار نہیں) اگر مزدوری سے ٹھہر گیا ہو کہ کام وہ خود کرے تو وہ دوسرے شخص کو اپنی جگہ مزدور نہیں کر سکتا اور اگر یہ شرط نہیں تو درست ہے اور اگر ایک کو مزدور کیا اپنے گھر والوں کے لانے کیواسطے اور بعض ان میں

---

[1] امام شافعی رح کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے ان کے نزدیک فقط عقد اجارے سے اجر اجرت کا مالک ہو جاتا ہے کیونکہ منافع جو غیر موجود ہیں علما صحیح کرنیکی ضرورت سے موجود شمار کیئے جائیں گے پس ان کے مقابلہ میں جو بدل ہے اس میں ملک ثابت ہو جائیگی اور ہم کہتے ہیں کہ معاملہ تھوڑا تھوڑا منعقد ہوتا رہتا ہے جوں جوں کہ منافع پیدا ہوتے رہتے ہیں اور عقد اجارہ عقد معاوضہ ہے جس کا مقتضے مساوات ہے پس جس طرح منفعت آئندہ اسوقت حاصل نہیں اسی طرح بدل کا بھی اسوقت مستحق نہ ہوگا ۱۲ [2] ہدایہ میں لکھا ہے اگر نانبائی کو اجرت میں لیا کہ روٹی پکا جاوے اور اسنے روٹی تنور سے جلی ہوئی نکالی یا اسکے ہاتھ سے قبل نکالنے کے روٹی تنور میں چھوٹ گئی۔ تو اسکو کچھ اجرت نہ ملے گی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

مر گئے اور مزدور باقیوں کو لے آیا تو اسکو مزدوری حصہ رسد ملیگی (یعنے مردوں کا حصہ کم ہو جائیگا)
زید کو مزدور کیا عمرو کے پاس خط بھیجا کر جواب[1] لانے پر یا کھانا لیجانے پر اور عمرو کے مر جانے کے سبب
سے زید خط یا کھانا لوٹا لایا تو زید کو مزدوری نہیں ملیگی۔

باب۔ اجارہ کی قسموں میں سے جو درست ہیں۔ اور جن میں اختلاف ہے اُن کے بیان میں صحیح

ہے۔ گھروں اور دوکانوں کا کرایہ لینا بغیر بیان کرنے اُس کام کے جو اُنمیں کیا جاوے گا اور کرایہ دار
کو اختیار ہے کہ جو کام چاہے اُن میں کرے مگر یہ کہ لوہار یا دھونی یا آٹا پیسنے والے[2] کو اُن میں نہ رکھے
(کہ اُن کے رکھنے سے عمارت کو نقصان پہنچتا ہے) کھیتی کیواسطے زمین کا کرایہ لینا صحیح ہے بشرطیکہ
جو شئے اُس میں بووے اُسے بیان کر دے یا یوں کہدے کہ جو چاہوں گا بوؤں گا۔ زمین کا ٹھیکہ عمارت
بنانے اور درخت لگانے کے واسطے بھی صحیح ہے پس جبکہ ٹھیکہ کی مدت گذر جائے تو ٹھیکہ دار درخت
اور عمارت کو اکھیڑے اور زمین کو خالی کر کر دیدے۔ لیکن اگر مالک زمین اس عمارت یا درخت کی
وہ قیمت ادا کر دے جو اکھیڑنے کے بعد ملے اور آپ اس کا مالک ہونا چاہے تو اس صورت میں اُن کا
اکھیڑنا ضرور نہیں، یا عمارت و درخت رہنے دینے پر راضی ہو جاوے تو اب درخت اور عمارت مستاجر یعنے
ٹھیکہ لینے والے کے ہونگے اور زمین موجر یعنے ٹھیکہ دینے والے کی اور رطبہ[3] کا حکم درخت کا سا ہے اگر کھیتی تیار
نہیں ہوئی ہے اور مدت ٹھیکہ کی پوری ہو گئی تو ٹھیکہ کے نرخ پر پکنے تک زمین میں رہنے دیجاوے گی۔
چار پایہ کا ٹھیکہ واسطے سوار ہونے کے اور لادنے کے درست ہے اور کپڑے کا واسطے پہننے کے پس اگر ٹھیکہ
میں سوار یا پہننے والے کا نام نہیں لیا ہے تو دوسرے کو بھی سوار کرا سکتا ہے اور اگر سوار یا پہننے والے
کو معین کر دیا پھر دوسرے کو سوار کیا یا پہنایا تو ہلاک ہونے پر ضمان دینا آوے گا۔ اسی طرح حال
ہے ہر چیز کا جو استعمال کرنیوالے کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہو جو چیز ایسی نہیں ہے اسمیں
قید لگانا باطل ہے جیسے قید کرے کہ گھر میں فلاں شخص ہی رہے تو اُس کا کچھ اعتبار نہیں مستاجر جس کو
چاہے رکھے جانور کے ٹھیکہ میں اگر بوجھ کی قسم مقرر کر دے جیسے گیہوں کی گون تو مستاجر کو ویسی ہی

[1] جواب لانیکی شرط اس لئے لگائی کہ اگر صرف پہنچا دینے پر مزدور کیا اور اس نے مکتوب الیہ کو مردہ پا کر خط وہیں چھوڑ دیا تو پوری مزدوری کا مستحق ہو گا۔ اور امام محمد کے نزدیک جواب لانے کی شرط پر بھی اگر مکتوب الیہ فوت ہو چکا۔ تو ایک طرف کی مزدوری کا مستحق ہو گا۔ اور اگر خط لوٹا کر نہیں لایا بلکہ وہیں چھوڑ آیا تو سب کے نزدیک پوری مزدوری پائیگا ۱۲ [2] آٹا پیسنے والے سے مراد وہ شخص ہے جو پانی کی چکی یا بیل چکی وغیرہ نصب کرے کیونکہ اس میں عمارت کو ضرر پہنچے گا۔ بخلاف ہاتھ کی چکی کے کہ وہ عام طور پر سکونت کے تابع ہوا کرتی اس کے نصب میں کچھ ضرر نہیں ۱۲ [3] رطبہ نہایت نرم گھاس ہے جس کو فارسی میں سپت کہتے ہیں اور جانوروں کو مثل خوید کے دیتے ہیں۔ ایک دفعہ کا بویا ہوا بہت برسوں تک رہتا ہے [4] کیونکہ لوگ سواری اور پہننے میں مختلف ہوتی ہیں پس معین کر دینا صحیح ہو گیا اور معین سے تجاوز کرنا جائز نہیں پس جب تجاوز کیا تو ضمنت دینا پڑے گا ۱۲

اس سے ہلکی اور چیز کے لادنے کا اختیار ہے نہ زیادہ نقصان کرنیوالی چیز کا جیسے نمک (کہ گیہوں سے بھاری ہے) اگر سواری دوسرے کو پیچھے بٹھا لینے سے مرگئی تو مستاجر کو نصف قیمت ڈینی ہوگی اور اگر مقرر بوجھ سے زیادہ کرنے کے سبب مرگئی تو جسقدر زیادہ کیا اُسی کے موافق ادا کرنی ہوگی مارنے یا لگام کھینچنے یا زین اُتار لینے یا پالان باندھنے یا ایسی زین باندھنے سے کہ اس جیسے جانور پر نہ باندھتے ہوں[۲] یا جو راہ ٹھیر گیا تھا اسکو چھوڑ کر دوسرا اختیار کرنے سے بشرطیکہ دونوں راہوں میں فرق ہو یعنے دوسرا زیادہ سخت ہو یا جنگل کے واسطے کرایہ کیے ہوئے جانور کو دریا میں لادنے سے ہلاک ہو جاوے تو سب قیمت دینی ہوگی اور اگر منزل مقصود کو پہنچا دیا تو جو کرایہ ٹھہرا تھا وہی دینا ہوگا۔ اگر گیہوں کی کھیتی ٹھیری تھی اور رطبہ بو دیا تو جو کچھ رطبہ بونے سے زمین کا نقصان ہوا وہ دینا ہوگا اجرت لازم نہوگی اگر کرتا سینے کو کہا تھا اور قبا دی تو کپڑے کی قیمت دینی ہوگی اور مالک اگر قبا کی سلائی دستور کے موافق دیکر قبا ہی لیلے تب بھی صحیح ہے باب اجارہ فاسد کے بیان میں۔ اجارہ فاسد ہو جاتا ہی۔ اُس شرط سے (جو عقد کے خلاف ہو) اور اس صورت میں اگر مزدور کام کریگا ویسی ہی مزدوری ملیگی مگر جو پہلے ٹھیری تھی اس سے زیادہ نہوگی۔ اور اگر کرایہ لیا ہر مہینے پر تو فقط ایک مہینے کے لئے صحیح ہی مگر یہ کہ بیان کردے سب مہینوں کو جس مہینے کی ایک ساعت بھی رہیگا تو اس مہینہ کا کرایہ صحیح ہو جائیگا اگر مکان ایک سال کیواسطے کرایہ لیا تو صحیح ہی گو ہر مہینے کا کرایہ مقرر نکرے شروع مدت ٹھیکہ کی عقد کے وقت سے ہے پس اگر جسوقت چاند دیکھا اسوقت عقد کیا تب تو مہینے ہی کا حساب رہیگا اور جو نہیں تو دونوں کا حساب رہیگا پچھنے لگانے اور حمام میں نہلانے کی اجرت لینی درست ہے مگر مادہ پر نر کے ڈالنے کی مزدوری لینی درست نہیں۔ اسی طرح اذان کہنے کی مزدوری اور حج کرنے کی مزدوری اور امامت کی مزدوری اور قرآن اور علم فقہ کے سکھلانے کی مزدوری ناجائز ہے مگر اس زمانہ میں فتوی[۱] اسپر ہی کہ قرآن سکھلانیکی مزدوری صحیح ہی[۴] اسلئے کہ لوگوں کو مفت سکھلانیکی توفیق نہیں

---

[۱] اور اسمیں بوجھ کا اعتبار نہیں کیونکہ بہت سے ہلکے بوجھ سواری نہ جاننے کے جانور پر بھاری ہو جاتے ہیں اور ہلاک کر ڈالتے ہیں اور بہت سے بھاری بوجھ چابک سواری کے جانور پر ہلکے ہوتے ہیں پس وزن کا اعتبار نہیں تعداد کا اعتبار ہی۔ اور تعداد دو نفر ہے لہذا نصف دینا پڑیگا[۱۲]

[۲] کیونکہ مالک کی اجازت ایسے زین کو شامل ہی جو ایسے جانور پر عادۃً باندھتے ہیں پس جب اس سے زیادہ بھاری زین باندھا کہ جسکی اجازت مالک نے دی تھی تو زیادتی کا ذمہ وار ہوگا اور اگر ایسا زین باندھا جو ویسے جانور پر نہیں باندھا جاتا تو کل قیمت کا ذمہ وار ہوگا کیونکہ مالک کی اجازت کے خلاف کیا[۱۲]

[۳] یعنے اگر کسیکو ایک روپیہ اجرت پر لیا اور کوئی ایسی شرط لگادی تھی جو اجارہ کے معاملہ کے مقتضی کے خلاف تھی تو عقد اجارہ فاسد ہو جائیگا اور اس صورت میں اگر اس کے اجیر نے آٹھ آنے کا کام کیا تو آٹھ آنے ملینگے اور بارہ آنے کا کام کیا تو بارہ آنہ ملینگے لیکن اگر ایک روپیہ سے زیادہ کا کام کیا تو ایک روپیہ سے زیادہ نہ ملیگا[۱۲]

[۴] اور اسی طرح فقہ کی تعلیم پر اجرت لینے کے جواز کا فتوے[۱] ہی اور بعض لوگوں سے مروی ہی کہ ہمارے اس زمانہ میں معلم اور امام اور موذن ان سب کو اجرت لینا جائز ہے[۱۲] واللہ اعلم مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

عدم جواز اجرت اذان و امامت و تعلیم فقہ باب اجارہ فاسدہ کے بیان میں

رہی اور گانے اور نوحہ کرنے اور ستار اور دف وغیرہ بجانے پر مزدوری لینی درست نہیں زمین مشاع کا اجارہ فاسد ہے[1] (یعنی آدھی یا تہائی غیر معین کو اجارہ دے تو فاسد ہی) لیکن اگر شریک کو دے جس کے پاس باقی ہے تو درست ہے[2]۔ دایہ کا نوکر رکھنا اجرت معلوم پر صحیح ہی اور کھانے پہننے پر رکھنا بھی صحیح ہے[1]۔ دایہ کے خاوند کو اسکے صحبت کرنیسے نہ منع کرے پس اگر دایہ حاملہ ہو جاوے یا بیمار ہو جاوے تو عقد اجارہ فسخ ہو جاویگا اور دایہ کو لڑکے کی خوراک کا درست کرنا لازم ہی پس اگر لڑکے کو بکری کا دودھ پلائیگی تو مزدوری نہ ملیگی۔ اگر سوت دیا کہ آدھے کا کپڑا بن دے اور آدھا بنائی میں لے یا مزدور کیا کہ میرا اناج فلان جگہ تک پہونچا دے اور اسمیں سے سیر بھر لینا یا مجکو کسیقدر آٹے کی روٹی آج ایک درم کے بدلے میں پکاوے یہ سب جائز نہیں اگر زمین ٹھیکہ میں لی اس شرط پر کہ اُس میں ہل جوتوں گا اور کھیتی کروں گا یا اسکو پانی دونگا اور کھیتی کرونگا تو صحیح ہی پس اگر شرط کرے کہ زمین پھیرتے وقت پھر ہل جوتیو یا مکرر ہل جوتیو یا اسمیں نالیاں کھودیو یا کھاد ڈالیو یا اجرت اس کے ٹھیکہ کی مقرر کی کہ اس زمین کے عوض میں اپنی زمین مجکو زراعت کے لیے دینا تو یہ سب صورتیں صحیح نہیں جیسے گھر میں رہنے کے کرایہ کے عوض کرایہ دار کا گھر رہنے کو لے تو یہ بھی درست نہیں[2] اگر مزدور کیا اُس اناج کے اٹھانے کے واسطے جو اس کی اور مزدور کی شرکت میں ہی تو اسکو مزدوری نہ ملیگی جیسے راہن کا مرتہن سے مرہون چیز کا کرایہ لینا ہے (یعنے زید نے اپنا گھر عمرو کے پاس رہن رکھا پھر عمرو سے کرایہ کو لیلیا تو یہ صحیح نہیں ہی اور کرایہ عمرو کو نہیں پہنچتا) اگر زمین ٹھیکہ میں لی اور یہ بیان نہ کیا کہ اسمیں کھیتی کروں گا یا کونسی چیز بوؤنگا۔ پھر اسمیں کھیتی کی اور ٹھیکہ کا وقت گذر گیا تو جو اجرت ٹھیری تھی وہی دینی ہوگی[3] اگر سواری کو مکہ معظمہ تک کرایہ کیا اور یہ نہ مقرر کیا کہ کیا لادوں گا۔ پھر جیسا لوگ لادتے ہیں موافق دستور کے اسپر لادا اور سواری ہلاک ہو گئی تو قیمت کا ضامن نہوگا۔ اگر اس نے مکہ شریف تک پہنچا دیا تو ٹھیرا تھا وہ دینا ہوگا۔ اگر موجر اور مستاجر میں جھگڑا ہوا زمین کے بونے یا جانور کے لادنے سے پہلے یوں کہ مستاجر کسی چیز کو بونا یا لادنا چاہی اور موجر اور چیز کو یا کم لادے

[1] اور صاحبین کے نزدیک کھانے کپڑے پر دایہ کو دودھ پلانے کیلئے اجرت پر لینا درست نہیں کیونکہ اجرت معلوم نہیں نہ اسکی جنس نہ صفت نہ قدر مگر ٹھیک مذہب امام حنیفہ کا ہی کیونکہ اس قسم کی جہالت سے کچھ جھگڑا نہیں پڑیگا کیونکہ یہ دستور ہی دودھ پلانیوالیونکو اچھا ہی اور اچھی طرح کھلایا کرتے ہیں اولاد پر شفقت کی راہ سے ۱۲ [2] امام شافعی کے نزدیک یہ صورت درست ہے اور ایسے ہی اگر اپنی زمین زراعت کیلئے دی اسکی اجرت یہ کہ دوسرا اپنی زمین اس سے زراعت کیواسطے دے یا پہننے اور سواری کے مقابلہ میں سواری کو اجرت ٹھیرایا تو یہ سب صورتیں اختلاف کی ہیں ۱۲ [3] یہ ٹھیکہ فاسد تھا۔ کیونکہ معلوم نہیں وہ کونسا فائدہ اٹھائیگا اس لئے کہ زمین زراعت وغیر زراعت دونوں کے لئے لیجاتی ہے مگر جبکہ اس نے زراعت کرلی تو نفع متعین ہو گیا اور معاملہ صحیح پلٹ آیا لہذا مقررہ اجرت دینا ہوگی مثل نہ دینا ہوگا جو اجارہ فاسد کا قاعدہ ہے ۱۲

اور یہ دونوں قاضی کے پاس جھگڑا لیجاویں تو قاضی عقد اجارہ توڑ دے تاکہ فساد رفع ہو جاوے

باب۔ اجیر کے ضامن ہونے نہ ہونے کے بیان میں۔ اجیر مشترک وہ ہے جو کسی خاص شخص کا کام نکرے بلکہ جو چاہے اُس سے کام لے) اور مستحق مزدوری کا نہیں ہوتا جبتک وہ کام نہ دے جیسے رنگریز یا دھوبی اور اسباب اسکے پاس امانت رہتا ہے یعنے ہلاک ہونے پر تاوان ندیگا، جو چیز اجیر کے کام سے تلف ہو جاوے جیسے کپڑا دھوبی کے کوٹنے سے پھٹ جاوے یا مزدور کے پھسلنے سے خواہ جس رسّی میں بوجھ باندھا ہو اُس کے ٹوٹنے سے اسباب ٹوٹ جاوے یا ملّاح کشتی کو کھینچ لے اور اسلیے کشتی ڈوب جاوے تو جتنا مال کا نقصان ہوگا اُس کا تاوان ان صورتوں میں لیا جاویگا۔ مگر وہ آدمی کہ اس کشتی کے ڈوبنے سے ضائع ہو گئے ہوں اُن کا تاوان نہیں لیا جائے گا پس اگر مزدور سے مٹکا جسکے اٹھانے کے واسطے مزدور ہوا تھا راہ میں ٹوٹ جاوے تو مزدور اُسکی قیمت مالک کو وہاں دیوے جہاں سے مٹکا اٹھایا تھا اور اس صورت میں مزدوری اُسکو نہ ملے گی یا وہاں سے دے جہاں ٹوٹا ہے۔ اور مزدوری اس قدر لے جتنی راہ طے کر چکا تھا، پچھنے لگانیوالا اور فصد کھولنے والا جانوروں خواہ انسانوں کا اگر پچھنے لگانے خواہ نشتر مارنے میں معمولی جگہ سے فرق نکریں تو تاوان ندینگے خاص مزدور اپنی مزدوری کا مستحق ہو جاتا ہے جب سے کہ مدت اجارہ میں کام پر مستعد ہو جاوے خواہ اس سے کام لیا جاوے یا نہ لیا جاوے جیسے کسی کو خدمتگاری کیواسطے یا بکریاں چرانیکے واسطے نوکر رکھا اور یہ مزدور تاوان نہ دے اُس چیز کا جو اُس کے پاس سے تلف ہو جاوے یا اُس کے کام کرنیسے سے جاتی رہے صحیح ہے[2] مزدوری مقرر کرنی دوسری قسم کے کام پر یا دوسرے کے اعتبار سے پہلی شرط میں (یعنی یہ اجارہ دو مزدوری کا دو طرح کے خواہ دو وقتوں کے کام و نیز درست ہے۔ مگر اجرت موافق شرط اول کے دینی آتی ہے مثلاً اگر درزی سے کہے کہ اگر اس کپڑے کی قبا فارسی سئیگا تو ایک روپیہ اور اگر رومی قبا سئیگا تو آٹھ آنہ دونگا پس اگر موافق شرط اول یعنی

---

[1] امام شافعی کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے ان کے نزدیک تاوان نہ لیا جائیگا کیونکہ مالک نے اس کو مطلقاً فعل کی اجازت دی ہے پس اچھے برے دونوں فعلوں کو شامل ہوگا اور ہمارے نزدیک معاملہ اچھے فعل پر ہوا ہے کیونکہ اچھا فعل ہی مطلوبہ کام کا وسیلہ ہے پس اجازت اچھے فعل کو شامل ہوگی لہذا دھوبی کا اسطرح کپڑے کو کوٹنا کہ پھٹ جائے یا مزدور کا بے احتیاطی سے چلنا یا بوجھ باندھنا یا ملاح کا بے احتیاطی سے کشتی کو کھینچنا ان سب فعلوں کو اجازت شامل نہیں پس نقصان کا تاوان لیا جائیگا ۱۲ [2] ایک نسخہ میں یہاں باب جدا لگا ہے یعنے باب دو شرطوں سے ایک ہی اجرت میں لینے کے بیان میں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

فارسی سے تو ایک روپیہ مزدوری دے اور دوسری شرط کیموافق یعنے رومی سیے تو جو اُس کی مزدوری[1] کا دستور ہے وہ دینا ہوگا۔ آٹھ آنے دینے نہونگے اسی طرح اگر یوں کہا کہ اگر آج سی دے گا تو ایک روپیہ کل سی دیگا تو آٹھ آنے تو اُسدن سیگا تو ایک روپیہ دینا ہوگا اور دوسرے روز سیئے گا تو دستور کیموافق مزدوری دینی ہوگی نہ آٹھ آنے[2]) ایسا ہی حال دوکان اور حجرے میں (مثلاً کہے کہ دکان میں درزی بٹھائیگا۔ تو اس کا کرایہ ایک روپیہ ہے اور اگر لوہار بٹھائیگا تو دو روپیہ پس اگر پہلی شرط کے موافق درزی کو بٹھائیگا تو ایک روپیہ کرایہ کا ہوگا اور اگر دوسری شرط کے موافق بٹھائیگا تو کرایہ مثل یعنی دستور کیموافق لازم آئیگا (نہ دو روپئے) اسی طرح چارپایہ میں دوسری اجرت باعتبار مسافت کے یا بوجھ کے مقرر کرنی درست ہے (جیسے کہے کہ اگر مکے تک لیجاوے یا دس من لاوے تو ایک روپیہ اور اگر طائف تک لیجاوے یا پانچ من لاوے تو آٹھ آنے تو اگر پہلی شرط کیموافق کیا تو موافق ٹھیرے ہوئے کے دینا ہوگا اور جو دوسری شرط کے موافق کیا تو موافق دستور کے دینا ہوگا نہ جو ٹھیرا تھا) جس غلام کو خدمت کے واسطے حالت اقامت میں اجیر مقرر کیا اسکو سفر میں ساتھ لیجانا صحیح نہیں ہے[3] بغیر پہلے سے شرط کرنیکے (اگر سفر کی شرط بھی کرلی ہو تو لیجانا درست ہے) مستاجر غلام ممنوع العمل تھا۔ مالک کیطرف سے تو اب یہ مزدوری[4] پھیر نہیں سکتا۔ زید نے ایک غلام عمرو سے چھین لیا پھر اُس سے مزدوری کرا کر اُس کی کمائی کھا گیا تو واپس کرنا اُس اجرت کا زید پر نہ آویگا۔[5]
اگر غلام ممنوع کا مالک مزدوری جو اُس نے کی اس غلام کے ہاتھ میں موجود پاوے تو لے سکتا ہے۔ صحیح ہے غلام ممنوع کو اپنی مزدوری کا لے لینا (یعنے متاجر اگر غلام کے حوالے کر دے اور وہ قبضہ کر لے تو بری الذمہ ہوگا) اگر غلام کو دو مہینے کے واسطے اسطرح نوکر رکھا کہ ایک مہینہ چار روپیہ پر اور ایک مہینہ پانچ پر صحیح ہے پہلے مہینہ میں چار اور دوسرے میں پانچ لازم ہونگے (پہلے میں پانچ اور دوسرے میں

---

[1] ہدایہ میں ہے کہ جو کام کریگا اس کی مزدوری کا مستحق ہوگا یعنی اگر فارسی سیے گا تو ایک روپیہ کا مستحق ہوگا اور اگر رومی سیے گا تو آٹھ آنہ کا مستحق ہوگا۔ اس اعتبار سے متن کا مسئلہ ٹھیک نہیں ۱۲ [2] مگر آٹھ آنہ سے زیادہ نہ دئیے جاوینگے یعنی اگر دستور آٹھ آنے یا اس سے کم مزدوری دینے کا ہے تو جتنا دستور ہے اتنی مزدوری دلائی جائیگی۔ اگر آٹھ آنے سے زائد مزدوری کا دستور ہے تو آٹھ آنے دلائے جائیں گے ۱۲ [3] کیونکہ سفر کی خدمت میں بہ نسبت اقامت کی خدمت کے زیادہ مشقت ہے پس جبتک پہلے سے اجرت میں لیتے وقت شرط نہ کریگا سفر میں پہنچانے کا مستحق نہیں پس اگر پہلے سے شرط نہیں کی اور سفر میں لیجانا چاہتا ہے۔ تو غلام کو حق حاصل کہ اجارے کو فسخ کر دے یہ اس کے لئے عذر ہوگا ۱۲ [4] یعنی قیاس تو یہ چاہتا تھا۔ کہ زید مزدوری واپس کر سکے یعنی غلام کو اذن مالک نہ ہونے کی وجہ سے اجارہ جائز نہ ہوا۔ مگر جب غلام صحیح وسالم کام سے فراغت پا گیا تو اجارے کو صحیح سمجھیں گے اس لئے زید مزدوری واپس کرنیکا مستحق نہیں ۱۲ [5] یعنے اگر مالک متاجر پر دعوی کریگا تو مسموع نہ ہوگا ۱۲

جائز نہیں ہو سکتے اگر ایک غلام کے موجر اور مستاجر آپس میں اختلاف کریں مستاجر کہے کہ تو نے جو غلام مجھ کو کرایہ میں دیا تھا۔ وہ بھاگ گیا یا بیمار ہو گیا اور موجر کہے کہ ایسا نہیں ہوا تو دیکھا جائیگا کہ اگر جھگڑے کے وقت واقع میں بھاگا ہوا ہے یا بیمار ہے تو مستاجر کا قول معتبر ہوگا اور جو نہیں تو قول موجر کا کپڑے کے مالک کا قول معتبر ہوگا۔ کرتے یا قبا کے سینے میں اور سرخ یا زرد رنگنے میں اور مزدوری لازم ہونے یا نہونے میں (صورت اخیر یہ ہے کہ مستاجر کہے کہ یہ کام تو نے اس کپڑے میں مفت کیا ہے اور اجیر کہے کہ اجرت کے عوض میں یہ میں نے کیا ہے تو مالک کا قول معتبر ہوگا۔

باب۔ ٹھیکہ توڑنے کے بیان میں ایسے عیب کے سبب جو نفع لینے سے مانع ہو اور کرایہ کے مکان کے خراب ہو جانیسے اور کھیتی کی زمین اور پنچکی کے بند ہونیسے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے۔ اگر عاقدین میں سے ایک بھی مر جاوے درصورتیکہ اجارہ اپنی ذات کے واسطے کیا ہو تو اجارہ فسخ ہو جائے گا اور اگر غیر کے واسطے عقد کیا تھا جیسے وکیل اور وصی اور متولی وقف کا اجارہ کرتا ہے تو فسخ نہوگا ٹوٹ جاتا ہے اجارہ خیار شرط[1] اور خیار رویت سے (مثلاً کہے کہ مجھ کو تین روز تک اختیار ہے چاہے رہنے دوں چاہے توڑ ڈالوں یا یہ کہے کہ جب دیکھوں تو مجھ کو اجارہ توڑ ڈالنے کا اختیار ہے) اور اجارہ عذر سے بھی فسخ ہو جاتا ہے اور عذر اسکو کہتے ہیں کہ مستاجر اجارہ کی تکمیل سے بدون برداشت کرنے زیادہ نقصان کے جو عقد اجارہ سے اُسپر ضرور نہیں عاجز ہو مثلاً کسی نے درد کی جہت[2] اپنی ڈاڑھ نکلوانے کو دوسرے کو مزدور کیا پھر درد جاتا رہا یا ولیمہ کا کھانا پکانیکے واسطے مقرر کیا پھر عورت نے اُس سے خلع کر لیا یا دکان تجارت کیواسطے کرایہ لی پھر مفلس ہوگیا یا دکان کرایہ پر دی پھر اُسکے ذمے قرض لازم ہو گیا ظاہر میں یا اُس کے بیان سے یا اُس کے اقرار سے اور سواری اس دکان کے اور کچھ مال اُس کا نہیں یا جانور سفر کیلئے کرایہ کیا پھر ایسی کوئی بات نکل آئی کہ سفر اسکو نہ کرنا مصلحت[3] ہو ان سب صورتوں میں فسخ اجارہ کر سکتا ہے۔ اگر جانور کرایہ دینے والے کو کوئی ضرورت مانع سفر پیش آگئی تو وہ اجارہ نہیں توڑ سکتا کیونکہ وہ دوسرے کے ساتھ اپنی جگہ جانور کیساتھ بھیج سکتا ہے

---

[1] یعنے دونوں ایک احتمالی صورت میں اختلاف کر رہے ہیں پس اسوقت جو حالت ہوگی اُسکو ترجیح دینگے وہ اسوقت کیحالت اس بات کی دلیل ہو سکتی ہے کہ اس سے پہلے بھی یہی حالت ہوگی گو یہ فی نفسہ حجت نہیں تو دو احتمالوں سے ایک کو ترجیح دینے کیلئے ہے ۱۲ [2] ہدایہ میں لکھا ہے کہ خیار شرط سے اجارہ نہیں ٹوٹتا اور امام شافعی کا اختلاف ہے کہ انکے نزدیک اجارہ میں خیار شرط صحیح نہیں اور ہمارے نزدیک جسطرح بیع میں خیار شرط صحیح ہے اجارہ میں بھی رفع حاجت کیلئے درست ہے پس مفتی بہ یہی ٹھیک نہیں ۱۲ [3] مثلاً حج کو جانا تھا اور اس کا وقت نکل گیا یا کسی کی تلاش میں جاتا تھا اور وہ آگیا پس اگر کرایہ میں لینے کی ایسی کرے تو زیادہ نقصان ہوگا پس یہ عذر ہے ۱۲ مفتی محمد شفیع علی ملیح آبادی

مسائل متفرقہ۔ اگر منگنی کی زمین یا ٹھیکہ میں لی ہوئی زمین کی کھیتی جلادی اور اُس کے سبب سے دوسرے کی زمین کی کھیتی بھی جل گئی تو اُسپر تاوان نہیں آویگا (اگر ہوا نہو گی اور جلانیکے وقت ہوا تھی تو تاوان دینا ہوگا) اگر درزی یا رنگریز اپنی دُکان میں کسی کو بٹھالے تاکہ کام کردے اور نصف اجرت لے صحیح ہے اگر اونٹ کرایہ کیا تاکہ اسپر کجاوہ رکھے اور دو سواریاں بٹھلاوے تو صحیح ہے اور اُسکو اختیار ہے کہ ایسا کجاوہ رکھلے جو مروج ہو مگر اس کجاوہ کا دیکھ لینا بہتر ہے تاکہ پھر بکھیڑا نہو چھوٹے بڑے میں اگر توشہ کے لادنے کیلئے کرایہ کیا اور مقدار توشہ کی معین کردی تو اگر اسمیں سے کچھ کھالے تو اتنا ہی اور اُسکے عوض رکھ سکتا ہے[2] صحیح ہے۔ اجارہ کرنا اور اُس کا فسخ کرنا اور کھیتی کرنا اور سینچنے کا معاملہ کرنا اور مضاربت اور وکالت اور کفالت اور کسی کو وصی کرنا اور مال کی وصیت کرنا اور قاضی کرنا اور امیر کرنا اور طلاق دینا اور آزاد کرنا اور وقف کرنا کسی طرف نسبت کرکر (مثلاً کہے کہ میں نے ٹھیکہ کیا مہینہ کے شروع سے یا سال کے شروع سے) و علی ھذا القیاس دوسری چیزیں (بیع اور بیع کی اجازت درصورت کسی اجنبی کی بیع کرنے کے اور فسخ کرنا بیع کا خیار شرط کے بعد اور قسمت اور شرکت اور ہبہ اور نکاح اور رجعت بعد طلاق اور صلح مالی سے اور بری الذمہ کرنا قرض سے) ان امور کو کسی اور وقت کی طرف مضاف کرنا نہیں صحیح ہے (مثلاً یوں کہنا کہ کل سے میں بیع کرتا ہوں یا کل کو میں اجازت دونگا وغیرہ)

کتاب المکاتب

اس میں مکاتب کا بیان ہے (اور مکاتب وہ غلام ہے جس سے مالک نے اُسکے آزاد کرنیکے لئے کچھ روپیہ ٹھیرا لیا ہو کہ اتنا دیدے تو آزاد ہے) کتابت میں غلام تصرف پر قادر ہونے کی راہ سے تو فوراً اُسیوقت آزاد ہو جاتا ہے اور ذات کے اعتبار سے انجام کو آزاد ہوتا ہے جبکہ کتابت کا بدلہ ادا کردے زید اگر اپنے چھوٹے غلام کو جو عقد کو سمجھتا سکتا ہے مال کے عوض

---

[1] یعنی جسوقت اُس نے اپنی کھیتی میں آگ دی تھی اسوقت ہوا بھری ہوئی تھی۔ بعد آگ دیے چکنے کے پھر ہوا اندر کر گئی اور آگ نے اثر کر دوسرے کی کھیتی جلادی تو تاوان نہ دینا پڑیگا اور اگر آگ دیتے وقت ہوا چل رہی تھی تو تاوان پڑیگا کیونکہ اس کو علم تھا کہ یہ آگ اسی کے کھیت تک محدود نہ رہیگی پس اس کی تعدی ثابت ہوگی [2] اسی طرح علاوہ اور کوئی ناپنے تولنے والی چیز میں بھی اگر کچھ کمی ہوگئی ہو تو بجائے اس کے اور زیادہ کر سکتے ہیں تاکہ اپناٹ شدہ وزن پورا ہوجائے ۱۲ [3] عقد کتابت کو بارہ کے بعد لانا اس مناسبت سے ہے کہ جس طرح اجارہ میں مال حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح کتابت میں بھی غیر مالی کے بدلے میں مولے کو مال حاصل ہوتا ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

میں بالفعل یا بمدت ٹھیرا کر یا قسطوں کے ساتھ مکاتب کرے اور وہ قبول کرے[1] تو صحیح ہے اسیطرح اگر مالک یوں کہے کہ میں نے تیرے ذمے ہزار کیئے انکو تو قسطوں میں ادا کرے جنمیں سے اول قسط اتنی ہو اور آخر اتنی پس اگر تو ان کو ادا کرے تب تو آزاد ہے اور نہیں تو غلام تو وہ غلام مالک کے تصرف سے نکلجائیگا نہ اس کی ملک سے (یعنی غلام تجارت اور بیع اور شرا وغیرہ کرسکتا ہے اور روپیہ کما سکتا ہے) مالک اگر لونڈی مکاتبہ سے صحبت کرے یا اسپر یا اسکے لڑکے پر کوئی جنایت یعنے قصور کرے (مثلا اسکو مارڈالے یا ہاتھ پاؤں توڑ ڈالے) خواہ مکاتبہ کا مال تلف کردے تو ان صورتوں میں مالک کو تاوان دینا آوے[2] گا۔ اگر زید اپنے مملوک کو مکاتب کرے عوض شراب[3] یا عوض سور[4] یا عوض سو روپیہ کے اس شرط پر کہ مالک غلام مذکور کو کوئی غلام غیر معین واپس دے ان سب صورتوں میں کتابت باطل ہو جائے گی۔ پس[5] اگر قیمت غلام کی اس شرط سے کم نہ ہوگی تو کم نہ لی جاویگی اور اگر زیادہ ہوگی تو زیادہ لیجاوے گی اگر ایک جانور کے بدلے میں مکاتب کیا اور اس کی قسم مثلاً اونٹ یا گھوڑا وغیرہ بیان کردے تو کتابت صحیح ہے گو وصف اس جانور کا نہ بیان کیا جاوے صحیح ہے مالک کافر کا غلام کافر کو مکاتب کرنا شراب کے بدلہ[6] میں اور ان میں سے اگر ایک بھی ایمان لایا تو مالک کو قیمت شراب کی پہنچے گی اور شراب کے لے لینے سے بھی آزاد ہو جائے گا ✦

باب جن افعال کا مکاتب کو کرنا درست ہے اور جنکا درست نہیں انکے بیان

مکاتب کو بیع اور شرا اور سفر درست ہے گو مالک نے شرط کردی ہو کہ شہر سے نہ نکلنا اور اپنی لونڈی کا نکاح کر دینا اور اپنے غلام کو مکاتب کرنا پھر اگر مکاتب کے مکاتب نے بدل کتابت مکاتب اول کے آزاد ہونیسے پہلے ادا کر دیا تو اس کی ولا مالک کو پہنچے گی اور نہیں تو مکاتب اول کو مکاتب کو اپنا نکاح

[4] یا سور یا قیمت اس مملوک کے یا بدلے میں ایسی شئے کے جو اس مملوک کی ملک نہو

[5] اگر ادا کردے غلام وہ شراب تو آزاد ہو جائے گا اور اپنی قیمت مالک کو کما دینی پڑے گی

[1] یعنے ایجاب اور قبول عقد کتابت کے رکن ہیں جب مولا اس کی آزادی کے عوض میں اسکے ذمے کچھ مال لازم کر رہا ہے تو ضرور ہے کہ غلام بھی اپنے ذمے لازم کرنا قبول کرلے ورنہ کیسے لازم ہوگا ۱۲ [2] کیونکہ مولا نا مکاتبہ لونڈی کے نفس اور کمائی میں مثل اجنبی شخص کے ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو مولا مکاتب کی کمائی تلف کرتا رہیگا اور اسطرح بدل کتابت کبھی نہ ادا ہوگا اور آزادی جو مقصود من العقد تھی حاصل نہ ہوگی ۱۲ [3] کیونکہ کافروں کے یہاں شراب مال ہے جس طرح کہ ہمارے یہاں سرکہ ہے اگر دونوں میں سے ایک بھی مسلمان ہو گیا تو مولا کو شراب کی قیمت دیجائیگی۔ کیونکہ مسلمان کو شراب کے لین دین کی ممانعت ہے پس بدل کتابت کیونکر ادا ہو سکتا ہے اسلئے قیمت پہنچیگی ۱۲

باب جن افعال کا مکاتب کو کرنا درست ہے

کرنا بے اذن مالک کے اور ہبہ کرنا اور ادنےٰ چیز کے سوا تصدق کرنا اور کسی کا ضامن ہونا۔ اور قرض دینا اور اپنے غلام کا آزاد کرنا گو مال کے عوض میں ہو اور اپنی ذات کا بیچنا اور نکاح کر دینا اپنے غلام[1] کا درست نہیں۔ باپ اور وصی چھوٹے بچے کے مملوک کے حق میں حکم مکاتب کا رکھتے ہیں (یعنے جو امور مذکورہ سابق مکاتب نہیں کر سکتا ہے وہ باپ اپنے بچے کے مملوک سے اور وصی اپنے موصی کی اولاد صغیر کے مملوک سے بھی نہیں کر سکتا) مضارب اور شریک کو امور مذکورہ میں سے کسی کا اختیار نہیں ہے اگر زید مکاتب اپنے باپ یا بیٹے کو خریدے تو وہ زید پر مکاتب ہو جائیں گے (یعنے کتابت اوّل میں داخل ہونگے اور مکاتب کے ساتھ آزاد ہو جائیں گے اور اگر بھائی یا کسی اور رشتہ دار قریب کو خریدے تو مکاتب نہ ہونگے[2]۔ اگر مکاتب ایسی لونڈی کو خریدے جو اس کی بی بی تھی غیر شخص کی مملوک اور اس سے اولاد بھی تھی تو اگر لونڈی مع لڑکے کے خریدا تو لڑکا زید پر مکاتب ہو جائیگا۔ اور لونڈی کو بیچنا صحیح نہ ہوگا۔ اور بغیر لڑکے کے خریدے تو اُس کا بیچنا صحیح ہے اگر مکاتب کی لونڈی مکاتب سے لڑکا جنے تو لڑکا مکاتب ہو جائیگا اور جو کمائی اس کی ہوگی وہ باپ کو ملیگی اگر مکاتب اپنی لونڈی کا اپنے غلام سے نکاح کر دے پھر دونوں کو مکاتب کر دے اور اُن سے لڑکا پیدا ہوا تو لڑکا ماں کی کتابت میں داخل ہو کر مکاتب ہو جائے گا اور اس کی کمائی ماں کو ملے گی۔ اور اگر مکاتب یا غلام ماذون نے مالک کی اجازت سے ایک عورت سے جو اپنی دانست میں اپنے آپکو آزاد جانتی ہے نکاح کیا اور اس کے اولاد ہوئی پھر معلوم ہوا کہ کسی اور کی لونڈی ہے تو وہ لڑکا اسی کا غلام ٹھیریگا جس کی لونڈی ہے۔ اگر مکاتب یا ماذون ایک لونڈی خرید کر اس سے صحبت کریں پھر وہ کسی اور کی نکلے یا خرید فاسد سے خریدی تھی اور صحبت کرنے کے بعد وہ واپس ہو گئی تو صحبت کی کی اُجرت دونوں مسئلے میں مالک کے ذمے محسوب[3] ہوگی اور بے اجازت مالک کے نکاح کر کر صحبت کی ہوگی تو اُس میں جو تاوان صحبت کا دینا ہے وہ گا وہ مکاتب کی آزادی کے بعد اس سے وصول کیا جائے گا

فصل اگر مکاتب لونڈی کے مالک سے اولاد ہوئی تو مکاتب ہی رہیگی (یعنے بدل کتابت ادا کر کر

---

[1] اپنے غلام کا نکاح کر دینا مکاتب کو جائز نہیں کیونکہ یہ غلام کا عیب دار و ناقص کر دینا ہوا اور اسکی ذات نفقہ و دین مہر کے ساتھ مشغول ہو گئی بخلاف لونڈی کے نکاح کے کہ وہ مکاتب کو جائز ہے اسلئے کہ مکاتب کو وہ باتیں جائز ہیں جنکے ذریعہ سے کچھ کما سکے اور لونڈی کے نکاح کر دینے سے مہر حاصل ہوگا ۱۲ [2] کیونکہ مکاتب کی خریداری سے مکاتب ہونے کے لئے ولادت کا تعلق ہونا شرط اور آزاد شخص کسی کو خریدے تو وہ ذی رحم محرم بھی ہوگا تب بھی آزاد ہو جائیگا عام اس سے کہ تعلق ولادت ہو یا نہ ہو ۱۲ [3] کیونکہ مالک نے جب مکاتب بنایا تو اسکو خرید و فروخت کی اجازت دی اور یہ اجازت صحیح و فاسد دونوں قسم کے معاملوں کو شامل ہے پس صحبت کی اجرت مولا کے ذمے ہوگی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

آزاد ہو سکتی ہے اور بدل کتابت ادا نہو تو اُمّ ولد ٹھیرے گی - اگر کوئی شخص اپنے مدبر یا امِ ولد کو مکاتب کرے تو یہ صحیح ہے[1] اور امِ ولد تو مالک کے مرنے پر مفت بلا عوض آزاد ہو جاوے گی مگر مدبر دو ثلث اپنی قیمت کے وارثوں کو کما دیگا اور اگر مالک فقیر ہو کر مر گیا ہو تو تمام بدل کتابت اُسکو کما دینا ہوگا اگر کوئی اپنے مکاتب کو مدبر کرے تو یہ بھی صحیح ہے پس اگر یہ بدل کتابت ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائیگا ورنہ مدبر رہیگا اور اگر مالک اسکا فقیر مرے تو دو ثلث اپنی قیمت کے یا دو ثلث بدل کتابت کے کما دے اگر مکاتب کو مالک آزاد کر دیگا تو آزاد ہو جائیگا اور بدل کتابت اس کے ذمّے سے اُتر جائیگا - اور اور اگر ہزار روپیہ پر جو کسی وقت تک ادا ہونا ٹھہرے تھے مکاتب کیا تھا پھر اُس سے صلح کر لی فی الحال پانسو دینے پر تب بھی صحیح ہے[2] اگر کوئی بیمار جسنے اپنے غلام کو دو ہزار کے عوض ایک برس تک کی مدت میں ادا کر دینے پر مکاتب کیا تھا مر جاوے اور غلام کی قیمت ایکہزار ہے اور وارثوں نے بدل کتابت کو دیر میں دینا روا نہ رکھا تو غلام مذکور دو تہائی بدل کتابت فی الحال ادا کر دے اور باقی ایک تہائی سال بھر میں دیتا رہے یا اگر عاجز ہو بدل کتابت سے تو غلامی میں رہے اور اگر سال کے اندر ہزار دینے پر مکاتب کیا تھا اور قیمت اس کی دو ہزار ہے اور وارثوں نے سال بھر کی دیر روا رکھی تو دو ثلث اپنی قیمت کے بالفعل ادا کر دے یا غلامی میں رہے اگر ایک آزاد نے کسی غلام کو اسکے مالک سے ہزار پر مکاتب کرایا اور بدل کتابت بھی ادا کر دیا تو وہ غلام آزاد ہو گیا پھر اگر غلام نے بعد اطلاع اپنے مکاتب ہونیکو جائز رکھا تو وہ مکاتب ہوگا (یعنی جو مال آزاد شخص نے اُس کے مالک کو دیا ہے وہ اسکے ذمے پر لازم ہوگا) اگر ایک شخص دو غلاموں کو مکاتب کرے جسمیں ایک موجود اور ایک غائب ہے اور بدل کتابت کو غلام حاضر قبول کرے تو صحیح ہے اب ان دونوں میں سے جو مال کتابت ادا کر دیگا دونوں آزاد آزاد ہو جائیں گے اور جو ادا کرے وہ دوسرے سے اُسکا حصہ نہیں لے سکتا اور کتابت کا مواخذہ غائب سے کچھ نہیں ہوگا بلکہ مالک مال کا مواخذہ حاضر ہی کرے اور غائب کا عقد قبول کرنا لغو ہے (یعنے اس کے قبول

---

[1] اسلیئے مدبر یا ام ولد بعد مرنے مولا کے آزاد ہوتے ہیں اور انھیں مولا کی زندگی ہیں آزاد ہونے کی حاجت ہے اور یہ کتابت سے حاصل ہو جائیگی اور دونوں میں کوئی منافات بھی کیونکہ دونوں طریقے آزادی کے ہیں مدبر ہونا اور مکاتب ہونا - یا ام ولد ہونا اور مکاتب ہونا ۱۲

[2] قیاس کا مقتضی تھا کہ معاملہ صحیح نہ ہوتا کیونکہ پانسو روپیہ ہو مولا چھوڑ رہا ہے وہ اس مدت کے مقابلہ میں چھوڑ رہا ہے اور مدت کوئی مال نہیں ہے لیکن اسوجہ سے جائز ہو گیا ہے - کہ مکاتب کے حق میں ایک طرح یہ بھی مال ہے کیونکہ بغیر مدت کے کما کر کیونکر ادا کریگا - ۱۲ [3] کیونکہ معاملہ کتابت حاضر - کے ذمہ لازم تھا کیونکہ یہ معاملہ حاضر پر بغیر غائب کے قبول کئے ہوئے بھی نافذ تھا لیس غائب کے قبول کرنے کا کچھ اثر نہ ہوگا جس طرح کوئی کسی کی غیر موجودگی میں ضمانت کرے اور پھر اسکو خبر پہنچے اور وہ اجازت دیدے تو حکم نہ بدلے گا - وہی رہیگا یہاں تک کہ اگر ضامن نے ادا کر دیا تو مدیون سے پانے کا مستحق نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

سے بدل کتابت اُسکے ذمہ لازم نہوگا اگر ایک لونڈی اپنے اور اپنے دو بچوں کیطرف سے جو چھوٹے ہوں عقد کتابت تو صحیح ہو اب ان تینوں میں سے جو مال ادا کر دیگا وہ دوسرے سے نہیں لے سکتا۔

باب مشترک غلام کے مکاتب کرنیکے بیان میں زید و عمرو ایک غلام میں شریک ہیں انمیں سے ایک نے مثلاً زید نے عمرو کو اجازت دیدی کہ میرے حصہ کو ہزار کی عوض مکاتب کرکے بدل کتابت وصول کر لینا اور عمرو نے مکاتب کیا اور کچھ بدل کتابت وصول کیا۔ پھر وہ غلام ادا سے عاجز ہو گیا تو جو کیا ہے وہ عمرو کا ہی نہ زید کا زید و عمرو کی شرکت میں ایک لونڈی ہے اور دونوں نے اُسے مکاتب کیا پھر زید نے اس سے صحبت کی اور بچہ جنی تو زید نے کہا کہ یہ میرا بچہ ہے پھر عمرو نے صحبت کی اور دوسرا بچہ ہوا اور عمرو نے کہا کہ یہ میرا ہے پھر لونڈی ادائے بدل کتابت سے عاجز ہو گئی تو لونڈی زید کی ام ولد ٹھیریگی اور زید عمرو کو آدھی قیمت لونڈی کی اور آدھا تاوان صحبت کا ادا کرے اور عمرو زید کو سارا تاوان صحبت کا اور دوسرے لڑکے کی قیمت ادا کرے اور یہ دوسرا لڑکا عمرو کا ٹھیریگا اور زید و عمرو میں سے جو کوئی صحبت کا تاوان اس لونڈی مکاتب کو دیگا تو درست ہوگا دوسرا شریک اُس سے مواخذہ نہیں کر سکتا مگر یہ حکم اُس کے عاجز ہونے سے پہلے کا ہی اور بعد عاجز ہونیکے تاوان صحبت زید کو پہنچیگا نہ لونڈی کو۔ اور اگر عمرو نے اس لونڈ مشترک کو زید کی صحبت کیے اور لڑکے کے دعوے کرنے کے بعد مدبر کر دیا۔ اور عمرو نے صحبت نہیں کی ہے۔ پھر لونڈی ادائے بدل سے عاجز ہوئی تو عمرو کا مدبر کرنا باطل ہے اور زید کی یہ لونڈی ام ولد ٹھیریگی اور زید عمرو کو نصف قیمت لونڈی کی اور نصف تاوان صحبت کا دے اور لڑکا زید کا ہوگا۔ اگر زید و عمرو میں سے کوئی اس لونڈی مکاتب کو آزاد کر دے اور وہ مالدار ہو پھر لونڈی ادائے زر کتابت سے عاجز ہو تو آزاد کرنیوالا دوسرے شریک کو نصف قیمت لونڈی کی دیدے اور یہ نصف اس لونڈی سے وصول کرے اگر وہ دوسرا شریک بھی آزاد کر دے یا اس لونڈی سے نصف قیمت کموالے تو پہلے آزاد کرنیوالے سے کچھ نہیں لے سکتا) اگر زید و عمرو میں ایک غلام مشترک ہے اور پھر زید نے اُسکو مدبر کر دیا اور عمرو نے

۱؎ اسلئے کہ جب زید نے لڑکے کا دعویٰ کیا تو دعویٰ اُس کا صحیح ہو گیا کیونکہ زید کی ملک لونڈی میں موجود ہی اور اس کے حصہ بھر ام ولد ہو جائیگی کیونکہ دوسرے کا حصہ اسکی ملک میں نہیں آسکتا۔ اسوجہ سے کہ مکاتب انتقال ملک کی صلاحیت نہیں رکھتا اور جب وہ عاجز ہو گئی تو مانع دور ہو گیا اب دوسرے یعنی عمرو کا حصہ بھی زید کیلئے ام ولد ہو جائیگا ۱۲ ۲؎ کیونکہ جب وہ بدل کتابت سے عاجز ہو گئی تو پھر ام ولد ہو کر زید کی ملک میں لوٹ آئی اس لئے زید کو پہنچیگا ۱۲ ۳؎ کیونکہ وہ لونڈی جب بدل کتابت سے عاجز ہوئی تو پھر ملک میں لوٹ آنا چاہیے مگر جبکہ شریک اپنا آزاد کر چکا ہے تو اس نے دوسرے کا حصہ کو ناقص کر دیا۔ کہ وہ بھی بلا آزاد ہوئے نہیں رہ سکتا لہذا امیر ہونے کی صورت میں شریک کے حصہ کی قیمت دے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

اپنا حصہ حالت توانگری میں آزاد کر دیا تو زید عمرو سے نصف قیمت لے سکتا ہے اور اگر عمرو کے آزاد کرنے کے بعد زید مدبر کرے تو کچھ نہیں لے سکتا (ان غلام سے چاہے تو نصف کموا لے چاہے آزاد کر دے)

باب مکاتب کے مرنے اور بدل کتابت سے عاجز ہونے اور مالک کے مرنیکے بیان میں

مکاتب اگر بدلِ کتابت کی ایک قسط کے ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور کہیں سے اس کا مال جلد ملنے کو ہو تو تین روز تک حاکم اُس کے عاجز ہونیکا حکم نکرے اور اگر کوئی مال اس کا نہیں ہے تو حاکم[۱] اسکو عاجز ٹھہرا کر عقدِ کتابت فسخ کر دے یا مالک اس کی رضا مندی سے فسخ کر دے اور اب اُسپر غلام کے سب احکام لوٹ آوینگے اور جو مال اُس کے پاس ہوگا وہ مالک کا ہو جائیگا اگر مکاتب کچھ مال چھوڑ کر مر جاوے تو عقد کتابت فسخ نہیں ہوگا۔ بلکہ بدل کتابت اسکے مال سے ادا کیا جاوے گا اور زندگی کے آخر دنوں میں اُسپر حکم آزادی کا کیا جاویگا (یعنی موت آزادی کے بعد متصور ہوگی) اگر مکاتب نے لڑکا چھوڑا جو ایام کتابت میں پیدا ہوا ہے اور کوئی مال بدل کتابت کے ادا کرنے کے لئے نہو تو یہ لڑکا باپ کیطرح بدلِ کتابت کی قسطوں کے ادا کرنے میں کوشش کرے۔ پس اگر بدل ادا کر دیگا تو یہ لڑکا بھی آزاد ہوگا اور اُس کا باپ بھی موت سے پہلے[۲] آزاد ٹھہرے گا۔ اگر مکاتب نے اپنا لڑکا چھوڑا جسکو خریدا تھا تو اس لڑکے کو بدل کتابت اکٹھا دینا ہے کہ نہ قسطوں[۳] سے پس اگر ادا کر دیا۔ تو آزاد ہے اور نہیں تو غلام ہو جائیگا اور اگر مکاتب نے اپنے بیٹے کو خریدا اور مر گیا اور اتنا مال چھوڑا۔ کہ بدل کتابت کو کافی ہو تو یہ لڑکا اُس کا وارث ہوگا۔ کیونکہ جب لڑکے نے زرِ کتابت ادا کیا تو باپ آزاد ہوا اور یہ لڑکا بھی اُس کا تابع ہوا۔ آزاد ہونے میں تو لڑکا باپ کا وارث ہوگا (جس طرح کہ اگر باپ بیٹے دونوں کو ساتھ ہی مکاتب کیا ہوتا اور باپ مرتا تو بیٹا وارث اس کا ہوتا) اگر مکاتب آزاد عورت سے ایک بیٹا چھوڑے اور اس قدر قرض اپنا اوروں پر چھوڑے جو بدل کتابت کو کافی ہو۔ اور اس لڑکے نے کوئی تقصیر کی

---

[۱] یعنی اس صورت میں جبکہ حاکم کے یہاں مالک مطالبہ کرے کہ میرا غلام بدل کتابت کی ایک قسط دینے سے عاجز ہوا ہے۔ اور کہیں سے مال ملنے کی بھی امید نہیں لہذا معاملہ کتابت فسخ کر دیا جائے ۱۲ [۲] اسلئے کہ وہ لڑکا داخل ہے معاملہ کتابت میں لڑکے کی کمائی مثل باپ کی کمائی کے ہے پس ادا کرنے میں باپ کا خلیفہ ہوگا اور ایسا ہو گیا کہ جیسے باپ خود بدل کتابت چھوڑ مرتا ۱۲ [۳] جیسا اس لڑکے کے لئے تھا جو کتابت کے وقت میں پیدا ہوا تھا کہ قسطوار ادا کرے ویسا حق قسطوار ادا کرنے کا اس لڑکے کو حاصل نہیں جس کو کتابت کے وقت میں خرید کیا ہے کیونکہ نیت معاملہ میں شرط تھی۔ پس اس لڑکے کے حق میں ہوگی جو معاملہ کے تحت میں داخل ہوگا اور کتابت کے وقت کا پیدا ہوا لڑکا داخل ہے نہ خرید ہوا۔ ۱۲۔

باب مکاتب کے مرنے اور بدل کتابت سے عاجز ہونے اور مالک کے مرنیکے بیان میں

جس کے تاوان کا قاضی نے اُس کی ماں کے کہنے پر حکم کیا تو اس حکم سے یہ ثابت ہوگا کہ قاضی نے مکاتب کو ادائے بدل کتابت سے عاجز ٹھہرا یا (کیونکہ مقتضائے کتابت یہی تھا کہ لڑکے کو ماں کے کہنے میں ملاوین تا کہ باپ کی طرف سے بدل کتابت کے ادا ہونے پر باپ سے لاحق ہو جاوے اور اگر بچہ کے ماں باپ کے آزاد کرنیوالے اُس کی ولا میں جھگڑیں اور قاضی ماں کے آزاد کرنے والے کو ولا بچہ کی دلوا دے تو اس حکم سے مکاتب کا عاجز ہونا ثابت ہوگا (اس لیے کہ ماں کے آزاد کرنے والے کو ولا کا دلانا اسبات کی دلیل ہے کہ اس کا باپ قابلیت اُس کی نہیں رکھتا کہ اپنے لڑکے کی ولا اپنے آزاد کرنیوالے کو پہونچا دے اور یہ قابلیت نہ رکھنا آزاد نہونے کے سبب سے ہوتا ہے اور آزاد نہونا بغیر بدل کتابت سے عاجز ہونیکے نہین ہو سکتا اس لیے اس حکم سے اُس کا عاجز ہونا ثابت ہوگا) اگر مکاتب نے زکوٰۃ و صدقہ وغیرہ کا مال لوگوں سے لیکر مالک کو بدل کتابت مین دیا۔ اور پھر عاجز ہو گیا تو یہ مال اب مالک کو درست ہوگا گو زکوٰۃ و صدقہ مالک کو خود لینا درست نہو (اس کی وجہ یہ ہے کہ سبب[1] ملک کا بدل گیا یعنی مکاتب تو اس مال کا بطور صدقہ اور خیرات کے مالک ہوا تھا۔ اور مالک کو اپنے آزاد کرنے کے عوض میں ملا اگرچہ آزادی بعد کو ہوئی) غلام اگر تقصیر کرے پھر اُس کو اس کا مالک مکاتب کر دے اور اُس کی تقصیر کرنیکی مالک کو اطلاع نہو پھر یہ مکاتب ادائے زر کتابت سے عاجز ہو تو مالک اس غلام کو اُس شخص کے حوالے کرے جس کا اُس نے نقصان کیا ہے یا اُسکے قصور کا تاوان دے۔ اسیطرح اگر مکاتب تقصیر کرے اور ابھی تاوان دینے کا حکم نہ ہوا ہو کہ عاجز ہو جاوے ادائے بدل کتابت سے تو اس صورت مین بھی نقصان والیکو یا غلام دیا جاوے گا یا تاوان۔ پس اگر مکاتب پر حکم تاوان دینے کا کیا جاوے پھر اُس کے بعد بدل کتابت سے عاجز ہو تو یہ تاوان اس کے ذمہ بمنزلہ قرض کے ہوگا کہ اُسمیں غلام مذکور بیچا جاویگا (اگر مالک مرجاوے۔ تو عقد کتابت فسخ نہوگا بلکہ مکاتب کے وارثوں کو بدل کتابت اپنی قسطوں سے ادا کرے اور اگر وارث اُس کو آزاد کریں تو آزاد ہو سکتا ہے بیبدل کے

[1] اور اصل اس باب میں ہے حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا کی کہ وہ آزاد کردہ شدہ لونڈی تھیں بی بی عائشہ کی ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لیگئے تو انھوں نے حضور کے ناشتہ کیواسطے کچھ کھجوریں پیش کیں اور گوشت ہانڈی میں پک رہا تھا آپنے فرمایا کہ گوشت میں ہمارا حصہ کیوں نہ لگایا تو عرض کیا کہ یہ صدقہ کا گوشت ہے اور حضور صدقہ کھاتے نہیں میرے لیے صدقہ میں آیا ہے۔ آپنے فرمایا کہ تیرے لیے صدقہ ہے اور ہمکو دو گی تو ہمارے واسطے ہدیہ ہو جائیگا پس معلوم ہوا کہ ملکیت بدلنے سے حکماً وہ شئے بھی بدلجاتی ہے پس جبکہ مکاتب کی ملک میں آیا تھا۔ تو صدقہ تھا اور جب مولا کی ملک میں آیا تو معاوضہ ہے۔ اب غلام کے عاجز ہونے کے بعد بھی وہ مولا کو حلال رہیگا کیونکہ ایسا ہو گیا ہے جیسے فقیر صدقہ لے چکنے کے بعد پھر غنی ہو جائے تو جو مال صدقہ اس کے ہاتھ میں ہے وہ اسکے لئے حلال ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

سے ادا کرے اور اگر وارث اُس کو آزاد کریں تو آزاد ہو سکتا ہے بے بدل کے اور اگر بعض وارث آزاد کریں تو اُن کا آزاد کرنا جاری نہوگا۔

کتاب الولاء

اس میں ولاء کا بیان ہے (یعنی جو کیا ہو مملوک اگر مر جاوے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو اُس کا ترکہ آزاد کرنیوالے کو پہونچتا ہے اور اس ترکہ کو ولا کہتے ہیں) ولا اُس کو ملے گی جس نے آزاد کیا ہے گو مدبر کرنے یا مکاتب کرنے یا اُمّ ولد کرنے یا قریب کے مالک ہونیسے آزاد ہوا ہو (مثلاً زید نے اپنے کسی ذی رحم محرم کو خریدا اور بسبب قرابت کے مالک ہوتے ہی وہ آزاد ہو گیا تو اسکی ولا زید کو پہونچیگی) اور شرط ولا کے نہ پہونچنے کی لغو ہے (یعنے اگر بر وقت آزاد کرنے کے یہ شرط کیجاویگی کہ ولا آزاد کرنے والے کو نہ ملے یہ شرط لغو ٹھہرے گی۔ سائبہ جو عبارت کنز میں ہے اُسکے معنی آنے جانے والے کے ہیں یعنی جو کسی کی قید مین نہو) اگر زید اپنی لونڈی ہندہ کو آزاد کر دے جو اپنے خاوند سے کہ وہ بھی غلام ہے حمل رکھتی ہو تو لونڈی کے بچے کی ولا زید سے کبھی تجاوز نہ کرے گی (یعنی اُس کی ماں کے آزاد کرنیوالے کو ملے گی۔ اگرچہ آزادی کے بعد چھ مہینے سے کم مین جنے) اور اگرچہ چھ مہینے سے زیادہ میں جنے تب بھی بچہ کی ولا اُسکی ماں کے مولا کو (یعنے زید ۱۲) ملیگی (اگر اس بچّہ کا باپ آزاد نہو جائے) اور اگر وہ آزاد ہو تو اپنے آزاد کرنے والے کی طرف ولا کو کھینچ لے گا (خلاصہ یہ کہ آزادی سے چھ مہینے کے اندر اگر لونڈی جنے تو بہر صورت بچہ کی ولا اسکی ماں کے آزاد کرنے والے کو ملے گی اور اگر چھ مہینے سے زائد میں جنے اور شبہہ ہو کہ آزاد ہونے کے وقت لونڈی کو حمل تھا یا نہ تھا تب بھی ولا ماں کو پہونچیگی۔ لیکن اگر اس بچّہ کا باپ آزاد ہو جائے تو وہ ولا کو اپنے آزاد کرنے والے کیطرف کھینچ لے گا۔ اس لیئے کہ باپ کی جانب قوی تر ہے اگر ایک عجمی نے نکاح کیا ایک آزاد کی ہوئی عورت سے پھر وہ جنی تو اُس لڑکے کی ولا اُسکی ماں کے آزاد کرنیوالے کو ملیگی گو اُس عجمی نے کسی سے عقد موالات کیا ہو (کیونکہ ترکہ پانے میں مولی عتاقہ مقدم ہے مولا موالات پر

---

۱ کیونکہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ولا اس شخص کو ملیگی جسنے آزاد کیا ہو نیز اگر وہ آزاد کردہ شدہ غلام کسیکو خطاءً قتل کردے تو مولا دیتا ہے لہذا جو نقصان اٹھائیگا اسکو نفع بھی پہونچنا چاہیئے پس اسکے ترکے کا بھی مالک ہوگا ۱۲ ۲ یعنے اگر یہ شرط کی کہ وہ غلام سائبہ ہے تو یہ شرط باطل ہے اور ولا آزاد کرنیوالے کو ملیگی۔ کیونکہ یہ شرط خلاف عقد ہے۔ اس لئے صحیح نہ ہوگی اور سائبہ سے مطلب بیان تو یہ ہے کہ آزاد کیا اس شرط پر کہ اس غلام کے ترکہ سے کچھ مطلب نہیں ۱۲ ۳ کیونکہ ماں کے ساتھ حمل بھی آزاد ہو گیا ہے نہ ضمناً تبعاً بلکہ قصداً کیونکہ ماں کا جزو ہے قصداً آزادی کے قابل ہے پس اس حمل کا آزاد کرنیوالا لونڈی کا مولا ہوا اس لئے ولا اس کو ملینگی ۱۲ ۴ جو شخص اپنے غلام یا لونڈی کو آزاد کرتا ہے اسکو مولی عتاقہ کہتے ہیں اور مولی موالات کی صورت فصل ذیل میں مندرج ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی۔ ملیح آبادی ۱۲

اور عقد موالات یہ ہے کہ ایک شخص کافر ایک مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لائے اور یہ عہد کرے کہ میرے بعد میراث تجکو پہنچیگی اور عجمی کی قید اسواسطے ہی کہ اگر باپ عربی ہوگا تو لڑکا منسوب ہوگا اپنے باپ کی قوم کیطرف نہ ملنے آزاد کرنیوالے کیطرف) آزاد کرنیوالا میراث لینے مین مقدم ذوی الارحام[1] پر اور مؤخر ہے عصبہ نسبی سے پس اگر آزاد کرنیوالا اوّل مرجائے پھر اسکے بعد آزاد کیا ہوا مرجائے تو اس آزاد کیے ہوئے کی میراث آزاد کرنیوالے کے اس عصبہ کو پہونچیگی جو سب سے نزدیک ہے (یعنے اس کے سب وارثو نکو نہین ملیگی) عورتون کو ولا عنافہ نہیں ملتی ہے. مگر اس کی جس کو انہوں نے خود آزاد کیا ہو یا اُن کے آزاد کئے ہوئے نے آزاد کیا ہو اور اُنکے مکاتب کی اور مکاتب کے مکاتب کی (یعنے عورتین اپنے مورث کے ترکہ میں سے ولا کا حصہ نہیں لے سکتیں مثلاً اگر شخص مرے اور کچھ ترکہ چھوڑے اور اس کے ترکہ میں سے ولا کا مال بھی ہو اور وارث مرد اور عورتیں ہوں تو عورتوں کو ولا میں حصّہ نہ ملیگا اُسکے مالک فقط مرد[2] ہونگے ہان جسکو انھوں نے خود آزاد کیا ہو یا مکاتب کیا ہو یا اُس آزاد اور مکاتب نے کسیکو آزاد اور مکاتب کیا ہو اُس کی ولا عورت کو ملے گی بخلاف مردوں کے کہ وہ مورث کی ولا میں سے بھی وارث ہوتے ہیں ﴿)

فصل - ایک شخص ایک کے ہاتھ پر اسلام لایا (یعنے اس کی رہنمونی سے مسلمان ہوا) اس شرط پر کہ نومسلم کے مرنیکے بعد اُسکے مال کا وارث وہ شخص ہادی ہو اور اگر وہ نومسلم کسی کا کچھ نقصان کرے تو اس نقصان کا تاوان بھی وہی ہادی دیوے یا ہادی کے سوا کسی غیر سے یہ معاملہ کرے تو درست ہے (غرض جس سے اس طرح کا عقد کریگا اُسکو مولی الموالات کہتے ہیں بعد اس عقد کے) اگر نومسلم جنایت کرے گا تو تاوان مولی کو دینا ہوگا اور اگر مرجائیگا) اور اس کا کوئی وارث نہوگا تو میراث بھی اُسی کو ملے گی اور مولی الموالات میراث لینے میں ذوی الارحام کے بعد ہے (یعنے میت کے ذوی الارحام میں سے بھی اگر کوئی نہوگا تب بھی اسکو ترکہ پہنچیگا) جائز ہے اس نومسلم کو کہ ایک مولی الموالات سے اُسکے سامنے عقد موالات فسخ کرکر دوسرے سے منعقد کرے جبتک

---

[1] بوجہ فرمان حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک شخص سے جسنے ایک غلام لیکر آزاد کیا تھا کہ وہ غلام تیرا دینی بھائی اور آزاد کردہ شدہ غلام ہے اگر وہ تیرے احسان کا شکر ادا کرے تو اسکے حق میں بہتر اور تیرے لئے بُرا ہے کیونکہ اس کے احسان کا بدلہ کچھ دنیا میں ہی ملگیا اتنا آخرت کے اجر سے کم ہوجائیگا اور اگر ناشکری کرے تو تیرے لئے خیر اور اس کے لئے بُرا ہے اور اگر وہ مرجاوے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو اس کا عصبہ ہے ۱۲

[2] یہ صورت متن کی غلط ہے - بلکہ صورت یہ ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا اور کچھ لڑکے لڑکی وارث چھوڑے اس کے بعد اس کے آزاد کردہ شدہ غلام کا انتقال ہوا تو اس کی ولا آزاد کرنیوالے کے لڑکوں کو ملیگی - نہ لڑکیوں کو اور متن کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے - کہ غلام کا انتقال پہلے ہو اور آزاد کرنے والے کو اسکی ولا پہنچی پھر آزاد کرنیوالے کا انتقال ہوا تو جو مال ولا میں مورث کی ملک ہوا تھا - اس میں اس کی لڑکیاں حصّہ نہ پاویں گی ۱۲

کہ اُس بیٹے نے اُسکے بدلے تاوان قصور نہ دیا ہو (اور اگر اُس کے عوض کچھ ڈنڈ بھر چکا ہو تو عقد موالات کا توڑنا درست نہوگا) آزاد کئے ہوئے غلام کو درست نہیں ہی کہ کسی سی عقد موالات کرے (کیونکہ مولےٰ اُس کا وہی آزاد کرنیوالا ہوگا نہ دوسرا) اگر عورت سے عقد موالات کرے اور پھر جنے تو اُس کا لڑکا بھی ماں کے تابع ہوگا اس عقد میں (یعنے لڑکے کا مولی الموالات بھی وہی ہوگا جو اسکی ماں کا ہی) واللہ اعلم

کتاب الاکراہ

اسمین کسی سے زبردستی کام لینے کا بیان ہی اکراہ اس کام کو کہتے ہیں جسکو آدمی دوسرے کے سبب سے کرے تو ظاہر ہے کہ وہ خود اُس کام پر رضی نہین اور زبردستی مین دو شرطین ہیں اوّل یہ کہ زبردستی کرنیوالا (مثلا بادشاہ ہو یا چور جس چیز سے کہ ڈراتا ہو اُس کے کرنے پر قادر ہو (مثلاً مار ڈالنے سے اگر ڈراتا ہو تو یہ شرط ہی کہ مار ڈالنا اُس کے قابو میں ہو) دوسری شرط یہ ہے کہ جسپر زبردستی ہو وہ اس شے کے واقع ہونے سے ڈرے اب اسکے احکام بیان کئے جاتے ہیں اگر کسیکو دوسرے نے ڈرایا کہ تو یہ چیز بیچڈال یا مول لے یا اقرار کرلے یا اجارہ دیدے ورنہ میں تجکو مار ڈالونگا یا سخت مار مارونگا یا بہت دنوں قید کرونگا اور اُسنے ڈر کر اختیار کرلیا تو بعد اسکے اُسکو اختیار ہی چاہے اس بیع کو رکھے چاہے توڑدے اور اُس بیع سے ملک اُسوقت ثابت ہوگی جسوقت مبیع پر قبضہ ہوجائیگا (قبضہ سے پہلے پہل مِلک نہوگی کیونکہ زبردستی کی وجہ سے مِلک مین فساد آگیا ہے) قیمت اپنی خوشی سے لے لینا بیع کی اجازت ہے جسطرح مبیع کا اپنی خوشی سے دیدینا اجازت ہے (یعنے اس صورت میں حکم زبردستی نہ کیا جائیگا) اگر مشتری نے اپنی رغبت سے کوئی چیز مول لی مگر بائع نے کسی کی زبردستی سے فروخت کی اور وہ شے مشتری کے پاس جاتی رہی تو مشتری کو اُس کا دام وہ نرخ بازار بائع کے حوالے کرنا چاہیئے اور بائع کو یہ بھی اختیار ہے کہ جس نے اسپر زبردستی کی اس سے چیز کا تاوان لے (مشتری سے دام نہ لے) اگر سور کا گوشت یا مردار کھانے یا خون یا شراب پینے پر کوئی زبردستی کرے یا باندھنے یا پیٹنے یا قید کرنے سے ڈراوے تو ان چیزوں کا کھانا

ا؎ اس لئے کہ مولا عتاقہ بہ نسبت مولا موالات کے قوی تر ہی کیونکہ عقد موالات کو فسخ کرسکتے ہیں مگر موالات عتق قابل فسخ نہیں لازم ہی لیس قوی کے ہوتے ہوئے ضعیف کا کوئی اثر نہوگا ۲؎ اور یہ ڈرنا اس طور سی ہوگا کہ اسکو غالب گمان ہو کہ یہ ڈرانے والا جس چیز سے ڈراتا ہے اسکو کر گذریگا اگر میں اس کے کہنے کے موافق کام نہ کروں گا پس اس غلبہ ظن سی اُس کا اس کام پر مجبور ہونا ثابت ہوجائیگا ۳؎ یعنی زبردستی اس طور کی کہ باندھنے قید کرنے پیٹنے سے ڈراوے تو اس سی یہ چیزیں حلال نہونگی کیونکہ ضرورت کیوقت یہ چیزیں جائز ہو جاتی ہیں جیسے مخمصہ کیحالت یعنی کئی دن کے فاقہ کے بعد اور پیٹنا باندھنا قید کرنا اس سے ضرورت متحقق نہوگی جبتک ضرب شدید کا گمان غالب نہو ۱۲

پینا حلال نہ ہوگا اور اگر مار ڈالنے یا کسی عضو کے کاٹ ڈالنے سے ڈرا دے تو انکا کھانا پینا حلال ہو جائے گا بلکہ اگر نہ کھائیگا اور اپنے قتل پر یا عضو کے کٹنے پر صبر کریگا تو گنہگار ہوگا[1] اگر کفر کرنے یا مسلمان کا مال ضائع کرنے پر کوئی قتل کرنے یا عضو کے کاٹ ڈالنے سے ڈرا دے تو ان کاموں کے کرنے کی رخصت ہے[2] اور اگر صبر کرے اور یہ کام نہ کرے تو ثواب دیا جاویگا اور سوائے خوف قتل اور عضو کٹنے کے اور باتوں سے کفر کرنا اور مسلمان کا مال ضائع کرنا درست نہیں اور جس کا مال تلف ہو وہ اس سے لے سکتا ہے جس نے تلف پر زبردستی کی ہو اگر زید نے عمرو کو دبایا کہ بکر کو مار ڈال ورنہ میں تجھ کو جان سے مارے دیتا ہوں تو عمرو کو بکر کے مار ڈالنے کی اجازت نہیں[3] اگر مار ڈالے گا تو گنہگار ہوگا مگر قصاص اس سے نہیں لیا جائیگا بلکہ فقط زید سے لیا جائے گا۔ اگر زید نے کسی زبردستی کی لونڈی کے آزاد کرنے یا بی بی کے طلاق دینے پر اور اس نے ایسا کیا تو آزادی اور طلاق واقع ہو جائے گی اب زید اپنی زبردستی کرنیوالے سے قیمت لونڈی کی اور نصف مہر بی بی کا لے اگر بغیر صحبت کئے ہوئے طلاق دی[4] اور اگر اکراہ کیا جاوے گا مرتد ہونے پر تو بی بی اس کی بائن نہ ہوگی۔

کتاب الحجر

اس میں تصرف روکنے کا بیان ہے۔ حجر اسکو کہتے ہیں کہ بچہ ہونے یا غلام ہونے یا دیوانہ پن کے باعث قول کے تصرف سے شرعاً روک دیا جائے اور فعل میں روک نہ ہو یعنی اگر ایسا شخص وہ امر کرے جو قول پر منحصر ہے تو ناجائز ہو جیسے معاملات ہیں اور اگر ایسی بات کرے جو کرنے سے متعلق ہے۔ تو وہ ممنوع نہ ہو مثلاً کسی کا نقصان کردے تو اس کا تاوان دینا پڑے گا صحیح نہیں ہے تصرف بچہ اور غلام کا بے اذن ولی یا مالک کے[5] اور نہ تصرف مجنون کا کسی حال میں نہ اذن سے نہ بغیر اذن کے، اگر عقد کرے ان میں سے کوئی اور اسکو عقد کی سمجھ بھی ہو تو ولی کو اختیار ہے چاہے عقد کو رہنے دے چاہے فسخ کرے اور اگر یہ تلف کر دینگے کوئی شئے تو اس کے ضامن ہوں گے۔

[1] اسلئے کہ جب اس کے لئے مباح کر دیا گیا تو اب کھانا یہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے پر دوسرے کی مدد کرنا ہوا اور مباح چیز سے باز رہ کر اپنے نفس یا عضو کو ہلاک کر دینا حرام ہے اسلئے گنہگار ہوا ۱۲ [2] مگر کفر میں شرط یہ ہے کہ دل سے نہ کہے خالی زبان پر جاری کر دے کیونکہ جبر کرنے والے کو دل کی بات کا کیا علم دل خود اسکے اختیار میں ہے دل سے کفر کرنا ہر حال میں حرام ہے اس کی کبھی رخصت نہیں ۱۲ [3] کیونکہ قتل مسلمان کا کسی ضرورت کیلئے بھی جائز نہیں پس اس ضرورت میں بھی جائز نہ ہوگا ۱۲ [4] اور اگر بعد دخول طلاق دی تو کل مہر نہیں لے سکتا اسلئے کہ مہر دخول کے طلاق دی تو کل مہر نہیں لے سکتا اس لئے کہ مہر دخول کے باعث اس کے ذمے ہو چلا ہے نہ طلاق کی جہت سے ۱۲ [5] بچہ کا اسواسطے کہ وہ کم عقل ہوگا اور غلام کا مالک کے حق کیواسطے کہ اگر بلا اجازت مالک کے اس کا تصرف جائز ہوگا تو قرضدار ہو کر مولی کے ہاتھ نہ لگیگا اور اگر اجازت دی گئی تو لڑکے میں اسکے عقل والا ہونیکی دلیل ہے اور غلام میں اس کا مالک خود اپنا حق فوت کر رہا ہے ۱۲

اقرار کرنا بچہ اور دیوانے کا معتبر نہیں ہے اور غلام کا اقرار غلام کے حق میں معتبر ہے مالک کے حق میں نہیں اگر غلام کسی مال کا اپنے ذمے پر اقرار کرے تو اس مال کا ذکر نا اُس کے ذمے پر بعد آزادی کے لازم ہوجاویگا۔ کیونکہ اسوقت اُس کا مال ملک مالک ہے بعد آزادی کے اس کا خود کا ہوگا) اور اگر اقرار کرے گا حد کا یا قصاص کا اپنے ذمے پر تو اسیوقت جاری کی جاویگی[۱] بے وقوفی تصرف کی مانع نہیں ہے[۲] پس اگر بالغ ہو بیوقوف اسکو اُس کا مال نہ دیا جاوے جبتک کہ ۲۵ برس کا نہ ہولے اور جو بیع وشرا اس عرصہ میں کرے وہ درست ہوگی جب (۲۵) برس کو پہنچ جاوے تب مال حوالے کر دیا جاوے گو خراب کرے اور بدکاری اور کاروبار سے غفلت کرنی بھی مانع تصرف نہیں اگر قرضخواہ ایسے شخص سے اپنا قرض مانگے تو قید کیا جاویگا تاکہ اپنا مال قرض میں بیچے پس اگر اس پر قرض بھی روپیہ ہو اور اُس کا مال بھی روپیہ ہوں تو قرض بدون اس کی اجازت کے ان روپیوں سے ادا کر دیا جاوے اور اگر اس کے ذمے قرض اشرفیاں ہیں اور مال روپیہ ہو یا قرض روپیہ ہیں اور مال اشرفیاں ہوں تو ان روپوں اشرفیوں کو بیچکر قرض ادا کر دیا جاوے اور اسباب اور زمین وغیرہ اس کی بے اجازت قرض کیواسطے نہ بیچے جاویں لیکن قید کیا جاویگا تاکہ خود بیچدے مفلسی بھی مانع نہیں ہے اگر کوئی چیز خریدی۔ اور مفلس ہوگیا تو بیچنے والا قیمت کے لینے میں اور قرضخواہوں کے برابر ہے یعنے وہ چیز بیچکر سبکو حصہ رسد دام ملیں گے یہ نہیں کہ فقط بائع ہی کو وہ شئے ملجائے

فصل۔ بالغ ہونا لڑکے کا ان امور سے ثابت ہوتا ہے یا احتلام سے یا کسی عورت کو حاملہ کرنے سے یا انزال سے پس اگر یہ کوئی بات نہیں ہے تو پوری اٹھارہ برس کی عمر میں بالغ ٹھہرے گا اور عورت کا بالغ ہونا ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے یا حیض کے آنے یا حاملہ ہونے یا انزال سے اور اگر یہ باتیں نہوں تو جب پوری سترہ برس کی ہوجاوے اور لڑکا لڑکی دونوں کے بالغ ہونے پر پندرہ برس کی عمر میں فتوی دیا جاتا ہے[۳]۔ کم سے کم عمر بالغ ہونیکی صغیر کے حق میں بارہ برس ہیں اور صغیرہ کے حق میں

ف۱ کیونکہ حدود وقصاص مولا کی ملک نہیں کیونکہ یہ آدمی کے خواص سے ہیں اس اعتبار سے کہ وہ آدمی ہے اسیلئے اگر مولا حدود وقصاص کا اپنے غلام پر اقرار کرتا ہے تو معتبر نہیں ہوتا پس اس اعتبار سے جب حدود قصاص مولا کی نہیں تو اسیوقت جاری کئے جائینگے اور مولا کا نقصان ضمناً تبعاً ہے اس کا اعتبار نہیں ۱۲ ف۲ اس مسئلہ میں صاحبین اور امام شافعی کا اختلاف ہے ان کے نزدیک بیوقوفی مانع تصرف ہے کیونکہ بیعقلی سے اپنا مال فضول خرچی کر کے تلف کرڈالیگا پس مثل لڑکے کے اسکو بھی تصرف سے روکنا چاہیئے اور امام صاحب کے نزدیک اگر اسکو اہل تصرف نہ رکھا جائے تو اسکو آدمیت سے گذار دینا ہے اور جانوروں کے ساتھ لاحق کر دینا ہوا جو تلف مال سے زیادہ اسکے لئے برا ہے ۱۲ ف۳ اور یہی مذہب صاحبین اور امام شافعی کا ہے اور امام صاحب سے بھی ایک روایت میں یہی ہے لہذا اسی پر فتویٰ ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی مليح آبادی ۱۲

نو برس پس اگر قریب البلوغ ہوگئے صغیر اور صغیرہ اور بولے کہ ہم بالغ ہوگئے تو اُن کا کہنا معتبر[1] ہوگا اور حکم اُنکا بالغوں کا سا ہوجائیگا ۔

کتابُ الماذون

اسمین اذن دیئے ہوئے کا بیان ہے۔ اذن روکنے کے دُور کرنے اور اپنے منع کے حق کو ساقط کرنیکو کہتے ہیں اور اذن کیوقت معین اور خاص مین منحصر نہیں رہتا اگر مالک نے خاص کسی تجارت کا اذن دیا ہو۔ مالک اگر اپنے غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر چپ ہو رہے تو اذن ثابت ہوجاتا ہے پس اگر مالک اذن عام دیدے نہ کسی خاص چیز کے مول لینے کا تو غلام کو درست ہے خرید بیچنا خرید و فروخت کیواسطے وکیل کرنا گرو رکھدینا گرو رکھ لینا ٹھیکہ لینا مضاربت کرنا اپنی ذات یا اسباب کو ٹھیکہ مین دینا قرض یا غصب یا امانت کا اقرار کرنا مگر نکاح کرنا یا اپنے غلام لونڈی کا مکاتب کرنا اور آزاد کرنا اور قرض دینا اور ہبہ[2] کرنا صحیح نہوگا اور ماذون کو درست ہے کہ تھوڑا سا کھانا تحفہ کے طور پر کسی کو بھیجدے یا جو اُسکو کھلاوے اس کی دعوت کردے یا عیب کے سبب چیز کے دام کم دے ماذون کے ذمے پر اگر قرض ہوجاوے تو وہ اس کی ذات سے متعلق ہوگا یعنے اگر مالک اُسکی طرف سے نہ دے تو قرض کے عوض میں فروخت ہوگا اور سب قرضخواہ کو حصہ رسد بٹجائیگا اور اگر پھر بھی کچھ باقی رہیگا تو آزاد ہونیکے بعد باقی کا مطالبہ اُس سے رہیگا ماذون کا تصرف مالک کے روکنے سے رُکجائیگا بشرطیکہ اکثر بازار والے اُس کے رُوک دینے سے مطلع[3] ہوجاویں اور اگر مالک مرجاوے یا دیوانہ ہوجاوے یا دین سے پھر کر دار الحرب میں چلا جاوے یا خود غلام ماذون بھاگ جاوے تب بھی تصرف سے رُکجاویگا اور اگر مالک ماذون لونڈی کو ام ولد بنالے تو تصرف سے رکجاویگی لیکن اگر مالک غلام ماذون کو مدبر کردے تو اذن مین نقصان نہوگا اور ام ولد بنانے اور مدبر کرنے سے مالک کو ان کی قیمت قرضخواہوں کو دینی ہوگی اس لئے کہ ان دونوں کی بیع ناجائز ہے تو قرضخواہ اپنے قرضہ میں اُن کو نہ بیچ سکیں گے اسلیے مالک کے ذمے

---

[1] کیونکہ بالغ ہونا یہ ایک ایسا امر ہے کہ بغیر انکے بتلائے معلوم نہیں ہوسکتا پس جب انہوں نے بتلایا اور انکی تکذیب کی نہیں جاسکتی کیونکہ ایسے وقت میں کہہ رہے ہیں کہ اسوقت میں انکا بالغ ہونا ممکن ہے پس انکی بات نہ مانی جائیگی ۱۲ [2] کیونکہ مولا نے تجارت کی اجازت دی ہے اور نکاح کرنا یا آزاد کرنا تجارت نہیں اور ایسے ہی مکاتب کرنے میں گو مال حاصل ہوتا ہے مگر تجارت نہیں ہے کیونکہ تجارت کہتے ہیں مال کو مال سے بدلنے کو اور یہاں مال بدلہ میں آزادی کے ملا ہے اور آزادی کوئی مال نہیں اسی طرح قرض دینا یا ہبہ کرنا بھی کوئی تجارت نہیں ۱۲ [3] کیونکہ اگر بلا واقفیت بازار والوں کے ... ہوجائے تو بازار والوں کو ضرر پہنچیگا۔ کیونکہ لوگ ماذون سمجھ کر معاملہ کرینگے اور وہ مجور ہوچکا ہے پس لوگوں کے حقوق آزاد ہونے تک اٹھ رہیں گے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

ان کی قیمت دینی آوے گی) اگر غلام ماذون بعد روک دینے کے اقرار کرے کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ دوسرے شخص کا ہے تو یہ اقرار درست ہے اگر ماذون کے پاس کا مال مع اس کی قیمت کے اس کے ذمے کے قرض نہ ہو تو مالک اسکے پاس کے مال کا مالک[1] نہ ہوگا اس سے یہ نکلا کہ اگر غلام ماذون کے پاس کوئی غلام ہو اور مالک اسکو آزاد کر دیگا تو یہ آزاد کرنا درست نہو گا۔ ہاں اگر قرض اس کی قیمت اور مال سے کم ہوگا۔ تو آزاد کر دینا اس غلام کا درست ہوگا[2] غلام ماذون جو قرضدار ہو وہ اگر مالک کے ہاتھ کچھ بیچے تو بیع جب ہی درست ہوگی کہ وہ قیمت مثل ہے (یعنی کم دام پر نہ بیچے) اسی طرح مالک اگر اس کے ہاتھ کوئی چیز قیمت مثل یا کم دام پر بیچے تو درست ہے زیادہ پر بیچنا درست نہیں اس لئے کہ قرضخواہوں کی حق تلفی ہوگی) اگر مالک غلام ماذون قرضدار کے ہاتھ کچھ بیع کرے اور قیمت لینے سے پیشتر مبیع کو اس کے حوالے کر دے تو اب قیمت اس کی جاتی رہی (اس لئے کہ جب مبیع اپنے غلام کو دیدی تو ثمن اس کے ذمہ قرض ہو گیا اور غلام مالک کا قرضدار ہوا۔ یہ نہیں ہو سکتا) ہاں مبیع کو اگر مالک ثمن کے لئے روک رکھے تو درست ہے۔ اگر غلام ماذون قرضدار کو مالک آزاد کر دے تو درست ہے مگر اس صورت میں غلام مذکور کی قیمت قرضخواہوں کو دینی ہوگی اور اگر مالک قیمت بھی قرضخواہوں کو دیدے اور پھر بھی قرض باقی رہے تو بقیہ کا مطالبہ غلام مذکور سے آزادی کے بعد ہوگا اگر ماذون قرضدار کو مالک فروخت کر دے اور مشتری اسکو قرضخواہوں سے چھپاوے (ان کے حوالے نکرے) تو قرضخواہ اس کی قیمت مالک سے بھر لینگے پھر اگر غلام مذکور مالک کے پاس عیب کے باعث پھر کر آوے تو مالک نے جو کچھ قرضخواہوں کو دیا ہو ان سے پھیر لے اور ان کا قرض غلام مذکور سے متعلق رہیگا غلام کو ان کے حوالے کرے کہ اگر قرضخواہ چاہیں تو مشتری سے غلام کی قیمت بھر لیں جسنے اسکو چھپا دیا ہو یا اس بیع کو جائز رکھیں اور اس کے دام مشتری مذکور سے لے لیں اگر مالک غلام مذکور کو فروخت کر دے اور مشتری سے مالک کہدے کہ اس کے ذمے قرض ہے تو قرضخواہوں کو اختیار ہے کہ

---

[1] اس لئے کہ غلام ماذون پر مولا کی ملک خلافتاً ہوتی ہے یعنی جس وقت غلام کی حاجت سے مال زائد ہو تو غلام کی جگہ پر اس کا مالک اس مال کا مالک ہو جائیگا۔ اور جس مال کو دین یعنی قرض محیط ہو وہ غلام کی حاجت میں سمجھا جائیگا پس مولا اس مال کا فیفتاً مالک نہ ہوگا۔ جس طرح کہ مورث کے اس مال کا جو قرض سے فارغ ہو وارث خلافت مالک ہوتا ہے [2] جبکہ مولا کی ملک اسمیں باقی ہے تو آزاد کرنا صحیح ہو گیا مگر چونکہ قرضخواہوں کی حق تلفی کی اس لئے اسکی قیمت بھر کا ضامن ہوگا کیونکہ قرضخواہوں کو حق حاصل تھا کہ غلام کو فروخت کر کے قرض وصول کر لیں اور آزاد ہو جانے کی وجہ سے اب فروخت نہیں ہو سکتا [3] یعنی اس صورت میں کہ ان کو ثمن نہ وصول ہوا ہو۔ اگر وصول ہو گیا اور بیع واجبی داموں پر ہوئی تھی تو پھر قرضخواہوں کو توڑنے کا اختیار نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

کہ اس بیع کو توڑ ڈالیں اور اگر بائع بیع کے بعد چلا جاوے تو مشتری قرضخواہوں کا مدعا علیہ نہ ہوگا بلکہ
اس سے مواخذہ نہ کریں بلکہ بائع کو جب پاویں مواخذہ کریں اگر ایک غلام نے کسی شہر میں آکر کہا کہ میں
زید کا غلام ہوں اور خرید اور فروخت کی تو اسپر تجارت میں کی ہر چیز کا مواخذہ لازم ہو جائیگا اور
یہ غلام سوداگروں کے قرضہ میں فروخت نہوگا جب تک کہ اس کا مالک نہ آئے[1] اور اس کے اذن
دینے کا اقرار نکرے، پس اگر زید آکر اُسکو تجارت کی اجازت دینے کا مقر ہوگا تب وہ قرض میں
فروخت ہوگا ورنہ نہوگا۔ اگر لڑکے یا کم سمجھ شخص کو جو خرید و فروخت کو سمجھتے ہوں اُن کا ولی
خرید و فروخت کی اجازت دیدے تو اُن کا حکم خرید و فروخت میں غلام ماذون کا سا ہے۔

کتابُ الغصب

اسمیں (غصب یعنی) کسی چیز کو چھین لینے کا بیان ہے غصب اُسکو کہتے ہیں کہ ایک شخص جو اپنی
چیز پر تصرف حق طور پر رکھتا ہے اُسکو دوسرا شخص اپنے تصرف ناحق سے دور کر دے مثلاً کسی کا
غلام چھین کر اُس سے اپنی خدمت کراوے یا جانور چھین کر اس پر اپنا بوجھ لادے تو یہ غصب میں
داخل ہے اور اگر مالک فرش پر بیٹھا ہو اور اسپر کوئی جا بیٹھے تو یہ غصب نہیں ہے اسلیئے
کہ اُسمیں مالک کے تصرف کو دور نہیں کیا جس چیز کو غصب سے لے لیا ہو اس کے احکام یہ ہیں اگر
وہ بعینہٖ غاصب یعنے چھیننے والے کے پاس موجود ہو تو واجب ہے کہ اسکو جس جگہ میں چھینا ہو اُسی جگہ
مالک کو پھیر دے اور اگر چھینی ہوئی چیز غاصب کے پاس سے جاتی رہی ہو تو اُس کی دو صورتیں
ہیں ایک یہ کہ وہ چیز مثلی تھی تو اُسی جیسی اور چیز دیوے اور اگر اُس چیز کا مثل اُسوقت نہ
پایا جاتا ہو تو اُس کا دام جھگڑے کے دن جو کچھ ہو وہ مدعی کے حوالے کرے دوسرے یہ کہ چیز مذکور
قیمت کی چیزوں میں سے ہو تو اس صورت میں اُس کا دام وہ دینا ہوگا جو چھیننے کے روز کا ہو۔ اگر
غاصب نے دعوے کیا۔ کہ وہ چیز جاتی رہی تو قاضی اسکو اُتنے دنوں کو قید رکھے کہ یقیناً جان لے
کہ اگر اس کے پاس ہوتی تو اس اثنا میں ضرور ظاہر کر دیتا پھر اُسپر حکم کر دے کہ اُس شئے کا عوض

[1] کیونکہ اگر اس نے یہ بیان کیا کہ ماذون ہوں تو اس کا بیان کرنا حجت ہے اور اگر یہ نہیں بیان کیا تو بھی ظاہر یہی ہے کہ ماذون ہوگا۔ ورنہ کیوں خرید و فروخت کرتا اور معاملات میں ظاہر کا اعتبار کیا جاتا ہے تاکہ لوگ خشکی میں نہ پڑیں ۱۲ [2] اور غصب کا یہ حکم ہے کہ اگر غیر کی ملک جان بوجھ کر پھر اپنا تصرف کیا تو وہ شئے واپس کریگا اور گنہگار بھی ہوگا اور اگر غیر کی ملک کا علم نہیں ہے مثلاً کوئی چیز خریدی اور پھر اُس کا کوئی مستحق نکلا تو اس صورت میں جو تصرف کیا تھا اس میں گنہگار نہوگا مگر وہ چیز واپس کرنا پڑیگی ۱۲ [3] جو چیز پیمانہ سے یا تول کر بکتی ہے اسکو اصطلاح فقہ میں مثلی کہتے ہیں جیسے گیہوں یا تیل وغیرہ ۱۲ [4] جیسے بکری اور کوئی شے جانور ہو یا اس کے علاوہ مگر آپس میں اکم و بیش کے مثل نہ ہو ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

حوالے کرے۔ اور غصب مال منقول میں ہوا کرتا ہے پس اگر زمین کو غصب کیا اور وہ غاصب کے پاس سے جاتی رہی (مثلاً دریا برد ہو گئی) تو اُس کا تاوان نہ دے گا ہاں اگر مکان مغصوب اُسکے رہنے کے باعث یا زمین اُس کے زراعت کرنے سے ناقص ہو جاوے گی تو جسقدر نقصان ہو گا وہ غاصب کے ذمے پڑے گا جیسا منقول چیز کا حال ہے (کہ اگر غاصب کے استعمال کرنے سے اس میں کچھ نقصان آجاوے گا تو غاصب کو دینا پڑے گا) اگر زمین مغصوب کا غلہ اور محصول غاصب نے لیا ہو تو اُسکو خیرات[۲] کرے اور یہی حال ہے اُس نفع کا جو غاصب شئے مغصوب میں تصرف کرنے سے پیدا کرے یا امین مال ودیعت سے تجارت وغیرہ کر کے نفع حاصل کرے (تو یہ نفع بھی خیرات کر دینا چاہیئے) مغصوب چیز کو اگر غاصب اپنے تصرف سے کچھ کا کچھ کر دے تو وہ چیز اُس کی ملک ہو جاتی ہے مگر اس سے تاوان دینے کے پیشتر نفع لینا حلال نہو بن مثلاً بکری بکری چھین کر اس کو بھونے پکاوے یا گیہوں مغصوب کو پیسے بووے یا لوہا چھین کر تلوار بنالے خواہ سونے چاندی کے سوا اور چیز تانبا وغیرہ چھین کر برتن بناوے یا سال کی لکڑی چھین کر اُس پر عمارت قائم کرے (تو ان اعمال سے اِن چیزوں کا مالک تو ہو جائے گا۔ مگر ان سے نفع جب حلال ہوگا۔ کہ ان کی قیمت مالک کے حوالے کرے اور اگر چاندی سونا چھین کر برتن بنالے گا تو اُن کا مالک بھی نہو گا[۳]) اگر غاصب نے بکری چھین کر ذبح کی یا کپڑا چھینکر بہت سا پھاڑ ڈالا تو مالک کو اختیار ہے کہ خواہ قیمت ان کی غاصب سے لیوے۔ اور وہ چیزیں اس کے حوالے کرے۔ یا چیزیں آپ رکھے اور غاصب سے اُن کا نقصان بھر لے اور اگر تھوڑا پھاڑ دیا ہو تو اس صورت میں مالک کپڑا آپ رکھے اور غاصب سے نقصان لیوے۔ اگر غاصب نے کسیکی زمین میں عمارت بنائی یا درخت لگا دیئے تو عمارت و درخت اُکھاڑ کر زمین مالک کو دیجاویگی اور اگر انکے اکھاڑنے سے زمین کا نقصان ہوتا ہو تو مالک اُن کو رہنے دیگا اور اکھڑنے کے بعد جو دام[۴] ان کے ہوتے وہ غاصب کے حوالے کر دیگے۔ اگر غاصب نے کپڑا لیکر اُسکو رنگ لیا یا ستو چھینکر اس میں گھی ملا دیا تو مالک اختیار ہے

[۱] کیونکہ امام صاحب کے نزدیک زمین کا غصب اسطرح ہو سکتا ہے کہ غاصب اُس غصب شدہ زمین میں اپنے کسی فعل سے مالک کا قبضہ اٹھا کر اپنا قبضہ ثابت کرے۔ اور زمین میں یہ صورت بن سکتی پس جبکہ غصب ثابت نہو تو تاوان دینا ہوگا اور اس مسئلہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے ۱۲ [۲] کیونکہ خبیث ذریعہ سے حاصل ہوا ہے اور جو چیز ایسی ہو اسکو خیرات کرنا چاہیئے ۱۲ [۳] کیونکہ چاندی وغیرہ کے برتن بنانے سے اُس کے نقد ہونے میں کچھ فرق نہیں ہوتا اور صنعت یعنی بنوائی جو اس میں زیادہ ہو گئی ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں قبل بنانے کی جو حالت تھی بعد بنانے کے شروع سے وہی سمجھی جائیگی [۴] یعنے ان کے اکھاڑنے کے حکم کے بعد جو دام ان کے ہوں وہ مالک غاصب کے حوالے کرے نہ یہ کہ اکھاڑے اور کے دام دے ہدایہ میں ایسا ہی لکھا ہے ۱۲ مفتی محمود وصی علی ملیح آبادی ۱۲

چاہے سفید کپڑے اور بنے ستو کے دام غاصب سے بھر لے چاہے یہ چیزیں آپ لے لے اور جسقدر رنگ اور گھی سے اُن کا دام بڑھا ہو وہ غاصب کو دیدے[۱] فصل اگر غاصب نے مغصوب چیز کو چھپا دیا بعد اُس کی قیمت مالک کو دیدی تو اس چیز کا مالک ہو جاوے گا قیمت کے باب میں قول غاصب کا مع قسم معتبر ہے اور اگر مالک زیادتی قیمت کے گواہ پیش کرے تو اس کے گواہ معتبر ہوں گے۔ اگر غاصب کا مغصوب کو چھپا کر اسکی قیمت جو مالک نے کہی یا اُس کے گواہوں سے ثابت ہوئی یا غاصب پر قسم لازم ہوئی تھی اُس نے قسم سے انکار کیا اس جہت سے وہ قیمت مالک بھر دی اور پھر وہ چیز ظاہر ہوئی تو معلوم ہوا کہ قیمت مذکور سے زیادہ کی ہے تو اُس صورت میں چیز غاصب ہی کی رہیگی مالک کو اختیار نہو گا (کہ غاصب کی دی ہوئی قیمت کو واپس کر کے اُس چیز کو خود لے لے) ہاں اگر غاصب نے مغصوب کا دام اپنی قسم پر دیا ہو اور پھر زیادہ کی نکلی تو مالک کو اختیار ہو گا کہ چاہے اُسی قیمت پر اکتفا کرے چاہے چیز کو لیلے اور قیمت مذکور غاصب کو پھیر دے[۱] اگر غاصب غلام مغصوب کو بیچ ڈالے پھر غلام کا مالک غاصب سے اُس کا تاوان بھر لے تو غاصب کی بیع درست ہوگی اور اگر غاصب غلام مذکور کو آزاد کر دے اس کے بعد مالک اس غلام کی قیمت کا تاوان لے تو آزاد کرنا صحیح نہو گا مغصوب چیز میں جو چیزیں بڑھیں وہ غاصب کے پاس امانت ہونگی (مثلاً مغصوب لونڈی کے بچہ ہو یا باغ مغصوب میں پھل لگے تو بچہ اور میوہ دونوں غاصب کے پاس امانت رہینگے (یعنے اگر آپ سے جاتے رہیں گے تو غاصب کے ذمہ تاوان[۲] نہو گا اور اگر زیادتی کر کے اُن کو ہلاک و برباد کر دیگا یا مالک کے مانگنے پر اُنکو اُس کے حوالے نکرے گا اور جاتے رہینگے تو قیمت دینی آویگی مغصوب لونڈی بچہ جننے سے جسقدر کم ہو جاوے گی اس تاوان غاصب کو دینا ہو گا لیکن بچہ اگر موجود ہو گا تو اُسی سے نقصان پورا کیا جاویگا (یعنے لونڈی کے نقصان کے عوض میں وہ بچہ بھی مالک کو ملیگا) اگر غاصب نے مغصوب لونڈی سے زنا کیا پھر مالک کو پھیر دی اور بچہ پیدا ہونے سے وہ مرگئی تو غاصب سے اُس لونڈی کی قیمت لیجاویگی اور اگر آزاد عورت

---

[۱] اس طرح دونوں نقصان سے بچیں گے نہ مالک کا نقصان ہو گا اور نہ غاصب کا اور مالک کو اس لئے اختیار دیا۔ کہ وہ اصل چیز کا مالک ہے۔ اور کپڑے والی صورت میں امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ غاصب سے کہا جائیگا کہ اپنا رنگ نچوڑ لے اور مالک سے قیمت رنگ نہ دلائی جائے گی مگر ہمارے نزدیک وہی حکم ہے جو مذکور ہوا ۱۲ [۲] امام شافعی رح کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے ان کے نزدیک تاوان دینا پڑے گا کیونکہ جب اصل چیز کا غصب ہوا تو زوائد کا بھی ہو گا۔ اور ہمارے نزدیک زوائد پر غصب کی تعریف صادق نہیں آتی لہذا ان کا تاوان نہ ہو گا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

بزور زنا کیا اور بچہ جننے میں مرگئی تو اُس کا خونبہا زانی غاصب کو دینا ہوگا[1]۔ مغصوب چیز کے منافع کا تاوان غاصب کے ذمے کچھ نہوگا مثلاً اگر کسی شخص کی سواری چھینکر اُسپر سوار ہوا یا گھر چھین کر اُسمیں رہا تو سوار ہونے اور رہنے کی اُجرت اُسپر لازم نہوگی اگر غاصب کسی مسلمان کی شراب یا سُور چھینکر ضائع کردے تو اُسپر تاوان نہ آئیگا لیکن اگر شراب اور سُور ذمی کے ہونگے اور تلف کردیگا تو قیمت[2] دینی ہوگی۔ اگر غاصب نے مسلمان سے شراب چھین کر سرکہ بنا لیا یا مردار کی کھال چھین کر اُسکو دباغت دی تو مالک کو اختیار ہے کہ یہ چیزیں غاصب سے لیلے اور جسقدر کہ دباغت سے دام چمڑے کے بڑھ گئے ہوں گے وہ غاصب کو دیدے اور اگر غاصب ان دونوں چیزوں کو تلف کردے تو تاوان صرف سرکہ کا دینا ہوگا (چمڑے کی قیمت نہ دینا پڑے گی) اور جو شخص گانے کے آلات توڑ ڈالے یا چھوارے کی شراب یا شراب منصف گرادے تو اُس کو اُن کی قیمت دینی ہوگی اور ان چیزوں کا بیچنا درست ہے[3]۔ اور منصف اسکو کہتے ہیں کہ انگور کے شیرہ کو جوش کریں یہانتک نصف رہجائے پھر اسکو رہنے دیں تاکہ شراب بنجاوے) اگر کوئی شخص کسی کی ام ولد یا مدبر لونڈی کو چھین لے اور وہ غاصب کے یہاں مرجائے تو مدبر لونڈی کی قیمت دینی ہوگی ام ولد کی نہ دینی ہوگی۔

کتاب الشفعۃ

کتاب الشفعہ

اسمیں شفعہ کا بیان ہے۔ شفعہ اُسکو کہتے ہیں کہ جتنے کو کوئی زمین مشتری کو پڑی ہو اتنے کے عوض بلا اُسکی رضامندی کے دوسرا شخص زمین کا مالک ہوجائے اور اس سے وہ زمین لیلے۔ شفعہ اوّل خلیط کو پہنچتا ہے یعنے ایسے شریک کو جو مبیع کی ذات میں شریک ہو پھر اسکو جو مبیع کے حقوق میں شریک ہو مثلاً گھاٹ اور راستہ میں اگر یہ دونوں حق خاص ہوں (اور اگر سب لوگوں کے ہونگے تو اُسمیں حق شفعہ کسی کا حق نہیں) پھر اسکے بعد حق شفعہ ہمسایہ کا ہے جو متصل مبیع کے ہو (اور امام شافعی رح کے نزدیک ہمسایہ کو حق شفعہ نہیں پہنچتا اور امام اعظم رح کی دلیل آنحضرت کا قول ہے کہ جار الدار احق بالدار یعنے

[1] کیونکہ غصب اموال میں ہوتا ہے اور تاوان آتا ہے اور آزاد عورت مال نہیں کہ غصب سے اس کا تاوان لازم آوے بخلاف لونڈی کے کہ وہ مال ہے اس کا تاوان دینا پڑیگا اس لیے کہ غاصب کے یہاں حاملہ ہونے سے پھر اس کا واپس ہونا صحیح نہ ہوا کیونکہ جس وصف کے ساتھ غصب کیا تھا اسی اسی وصف پر واپس نہیں کیا غصب کی تھی حاملہ لوٹا واپس کی حاملہ ۱۲ [2] امام شافعی کے نزدیک ذمی کی شراب اور سور تلف کردینے سے بھی قیمت نہ دینا پڑے گی۔ کیونکہ اس کا متقوم ہونا مسلمان کے حق میں ساقط ہے پس ذمی کے حق میں بھی ساقط ہوگا۔ کیونکہ ذمی احکام میں مسلمانوں کے تابع ہیں۔ اور ہمارے نزدیک سور اور شراب ذمی کے حق میں متقوم ہے جیسے ہمارے حق میں سرکہ اور بکری پس مسلمان کے سور اور شراب کے تلف سے کچھ تاوان نہ ہوگا اور ذمی سور یا شراب تلف کریگا تو قیمت دینا پڑے گی ۱۲ [3] یہ امام صاحب کے نزدیک ہے یعنی ان چیزوں کے تلف ہوکر قیمت واجب ہونا یا ان چیزوں کے بیچنے کا جواز امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ہے اور صاحبین رح کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں معصیت کیواسطے ہیں لہذا احکام تقوم باطل ہوگا نہ تلف سے تاوان دینا پڑیگا نہ بیچنا جائز اور کہا گیا ہے کہ تاوان کے بارے میں فتوے صاحبین کے قول پر ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

مکان کا ہمسایہ مکان کا مستحق زیادہ ہو اسکو ابوداؤد نے روایت کیا ہو) اور جس کی چھت کسی مکان کی دیوار پر ہو ایک کڑی میں شریک ہو جو مکان کی دیوار پر رکھی ہو تو اس مکان کا ہمسایہ ہے شریک نہیں ہے یعنی اگر کوئی شریک نہوگا تو اس کو شفعہ پہنچے گا) شفعہ شفیعوں کی گنتی کے موافق ہوتا ہے (یعنے جتنے شفیع ہونگے اتنے حصے برابر اس زمین کے کرکے ہر ایک کو ایک ایک پہونچیگا - یہ نہوگا کہ جو شریک زیادہ سہام کا ہے اسکو زیادہ ملے اور کم سہام والے شریک کو کم ملے) شفعہ زمین کے بیع ہونے پر ثابت ہوتا ہو اور طلب شفعہ پر گواہی کر دینے سے مقرر ہو جاتا ہے اور زمین مبیع ملک میں شفیع کے یا مشتری کی رضامندی سے آتی ہے یا قاضی کے حکم سے -

باب - شفعہ کے طلب کرنے کے بیان میں - جب شفیع کو زمین کے فروخت کرنے کی خبر ہو تو اسی مجلس میں طلب شفعہ پر گواہی کر دے پھر بائع پر گواہ کرے (یعنی اول گواہ کرے اپنی طلب[۲] پر پھر گواہ کرے بائع پر کہ یہ بیچتا ہے یا مشتری پر کہ وہ خریدتا ہے یا زمین پر کہ یہ بکی ہے اور میں اس کا شفیع ہوں تم گواہ رہو کہ میں اسکو چاہتا ہوں جب اس طرح گواہ کر چکے گا) تو اب طلب میں تاخیر کرنے سے حق شفعہ کا جاتا نہ رہیگا (جب چاہے لیوے) جب شفیع قاضی کے یہاں شفعہ طلب کرے تو قاضی مدعا علیہ یعنی مشتری سے سوال کرے کہ جس زمین کی ملکیت سے شفیع حق شفعہ کا طالب ہے وہ اس کی ملک ہے یا نہیں مشتری اقرار کرے کہ جس زمین کے ہمسایہ کے باعث شفعہ چاہتا ہے وہ شفیع ملک ہے یا مشتری پر قسم لازم ہوئی اور وہ قسم[۳] سے انکار کر گیا یا شفیع نے اپنی ملک کے گواہ قائم کر دیئے (تو ان صورتوں میں دعوائے شفیع کا مسموع ہوگا) پھر قاضی مشتری سے زمین متنازع کے خریدنے کا حال پوچھے کہ تو نے مول لی ہو یا نہیں اگر وہ خریدنے کا اقرار کرے یا قسم کھانے سے انکار کرے یا شفیع گواہوں سے اس کی خرید ثابت کر دے تو قاضی حکم کرے کہ زمین شفیع کو پہنچتی ہو اور مشتری سے اسکو دلا دے

۴ اگر اس نے زمین مذکور مشتری کے حوالے نہ کی ہو یا مشتری پر یا زمین مبیع پر گواہ کرے -

[۱] ہمسایہ کا حق شفعہ اسوقت پہنچتا ہو - جب کوئی شریک دار نہو شریک دار کا حق ہمسایہ پر مقدم ہے - پس ایک کڑی میں شریک ہونے سے ہمسایہ ہوگا شریک دار نہ ہوگا کیونکہ شریک دار وہ ہوگا جو زمین میں شریک ہو

[۲] صورت اس کی یہ ہے کہ کہے فلاں شخص نے اس جگہ کو خرید کیا ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور پہلے بھی میں نے شفعہ طلب کیا تھا اور اب بھی طلب کرتا ہوں تم لوگ اس بات پر گواہ رہو - اور چاہیئے کہ مبیع کے حدود بھی بیان کر دے ۱۲ [۳] اور صورت قسم کھانے کی یہ ہے مشتری قسم کھائے کہ قسم خدا کی مجھے نہیں معلوم کہ شفیع اس چیز کا مالک ہے جس کے سبب سے اس نے شفعہ کیا ہے اور مشتری پر قسم اسوقت لازم ہوگی جب شفیع طلب کرے ۱۲

اور شفیع پر لازم نہیں کہ دعوی شفعہ کے وقت ثمن بھی لاوے بلکہ بعد حکم قاضی کے ثمن کا موجود کرنا زمین کے لینے کے لیے ضروری ہے[1] اور اگر بیع بائع ہی کے قبضہ میں ہو تو شفیع اسی پر نالش زمین کے دلانے کی کرے اور قاضی شفیع کے گواہ نہ سُنے جبتک مشتری حاضر نہو جب مشتری حاضر ہو تو اُس کے سامنے بیع کو توڑ دے (اور زمین شفیع کو دلا دے) اور زمین کی قیمت کا ضمان بائع پر ہے۔ (یعنی زمین اگر دوسرے کی نکلی تو ثمن کا ضمان بائع دیگا مشتری سے سروکار نہیں) اور جو شخص خریدنے کے لیئے وکیل ہو وہ شفیع کا مدعا علیہ ہو سکتا ہی جبتک کہ زمین بیع کو اپنے موکل کے سپرد نکر دے (یعنی قاضی کے یہاں شفیع اُسپر نالش طلب شفعہ کی کر سکتا ہے) اور اگر وکیل زمین کو موکل کے سپرد کر دے تو اُس وقت وکیل سے کچھ سروکار نہیں مدعا علیہ موکل ہی ہوگا۔ شفیع کے دیکھنے کے بعد اور عیب نکلنے پر بیع کو پھیر دینے کا اختیار ہی گو مشتری نے بائع سے کہلیا ہو کہ عیب نکلیگا تو نہ پھیروں گا اگر شفیع اور مشتری قیمت مبیع کی مختلف بتاویں تو مشتری کی کچھ قیمت کہی اور بائع اُس سے کم کہی۔ اور ابھی بائع نے قیمت وصول نہ کی ہو تو شفیع اسقدر قیمت دیوے جو بائع کہتا ہے۔[2] اور اگر بائع قیمت مشتری سے لے چکا ہو تو شفیع اسقدر دیوے جو مشتری بیان کرتا ہی ثمن میں سے کچھ کم کر دینا شفیع کے حق میں ظاہر ہوگا (یعنی اگر مشتری کے لیئے بائع نے کچھ ثمن کم کر دیا ہو تو شفیع بھی اسی قدر کم لیگا) لیکن اگر بائع نے مشتری کو بالکل معاف کر دیا ہو یا مشتری نے کچھ زیادہ ثمن سے دیا ہو تو یہ دونوں شفیع کے لیئے لازم نہونگے اگر مشتری نے زمین کے عوض میں اسباب یا کوئی زمین دی ہو تو شفیع کو مشتری کے اسباب یا زمین کی قیمت دینی آویگی اور اگر اسباب مثلی چیزوں میں سے ہوگا تو اُس جیسا دینا آویگا۔ اگر مشتری نے ثمن کے دینے کی کوئی مدت ٹھیرائی ہو تو شفیع کو اختیار ہے چاہے اُسی وقت دام دیکر زمین لیلے خواہ صبر کرے یہانتک کہ مُدت گذر جائے اور وعدہ پر ثمن دیکر لیوے[3] اگر ذمی نے شراب یا سور کے بدلے میں زمین خریدی ہو تو شفیع بھی

کا قول معتبر ہوگا اور اگر دونوں گواہ پیش کریں تو شفیع کے گواہ مقبول ہوں گے تو مشتری

[1] کیونکہ وہ چیز اگر بائع کے قبضہ میں ہو لیکن چونکہ ملک مشتری کی ہی اسلئے مشتری کا موجود ہونا بھی ضرور ہے کیونکہ قاضی شفیع کے حق میں ملک اور قبضہ دونوں کا فیصلہ کریگا بخلاف اس صورت کے کہ جب چیز مشتری کے قبضہ میں آچکی ہو تو پھر بائع کی حاضری کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ نہ وہ مالک ہی ہے نہ قابض ہی جب مالک مشتری کو حاضر ہونا چاہئیے بائع مثل اجنبی شخص کے ہوگیا ۱۲ [2] کیونکہ اگر بائع کا کہنا ٹھیک ہی تو شفعہ اسی مقدار پر واجب ہے جو بائع بیان کرتا ہی اور اگر مشتری کا کہنا ٹھیک ہے۔ تو یہ سمجھیں گے کہ بائع اس زیادتی کو جو مشتری بیان کرتا ہی ساقط کر رہا ہے اور ثمن سے یہ سقوط شفیع کے حق میں بھی ظاہر ہوگا لہذا شفیع وہی قیمت دے جو بائع کہ رہا ہے ۱۲ [3] یہ نہیں جائز کہ فی الحال زمین لیلے اور دام پھر دے کیونکہ ادھار کی شرط نہ بائع مشتری میں ہوئی تھی نہ بائع اور شفیع میں ۱۲

اگر ذمی ہو تو شراب اور سور دیکر اُسکو لیلے اور اگر شفیع مسلمان ہو تو ان دونوں کی قیمت دیکر لیوے۔ اگر مشتری نے زمین بیع میں عمارت بنائی ہو یا درخت لگائے ہوں تو شفیع کو اگر وہ عمارت و درخت لینے منظور ہوں تو ثمن زمین کے ساتھ اُنکی قیمت جسقدر لوگ دیویں مشتری سے بزور اُن کو اکھڑوا ڈالے اور ثمن دیکر زمین لے لے ۔ اگر زمین شفعہ میں عمارت و درخت شفیع نے قائم کیئے پھر زمین دوسرے کی نکلی اور اُس نے لے لی تو شفیع بائع سے صرف زمین کا ثمن پھیرے (عمارت اور درخت کے دام اس سے نہیں پھیر سکتا) اگر زمین بیع میں کوئی مکان تھا۔ کہ مشتری کے قبضہ میں آکر گر گیا یا درخت تھا۔ کہ سوکھ گیا تو شفیع کو زمین کا کل ثمن دینا ہوگا (اِس نقصان کا اعتبار نہ کیا جاویگا) اگر مشتری زمین بیع کے مکان کو توڑ ڈالے تو شفیع صرف میدان کی قیمت دیکر زمین لیلے بلبہ مشتری کا رہیگا (اس کے دام مجرے) اگر مشتری نے زمین اور درخت مع پھلوں کے لے لیگا اور اگر پھل پہلے سے لگے ہوئے تھے مشتری نے ان کو توڑ لیا تو شفیع ثمن میں سے اُنکے دام کم کر دے ۔

باب۔ اُن چیزوں کے بیان میں جنمیں شفعہ ہوتا ہے۔ اور جن میں نہیں ہوتا شفعہ اسی زمین میں متحقق ہوتا ہے جو مال کے بدلے میں ملک میں آئے اور جس صورت میں کہ عوض مال نہو گا اُس میں شفعہ بھی نہو گا (مثلاً کوئی مکان مہر میں لیا جاوے تو اُسمیں شفعہ نہو گا) اسباب منقول میں اور کشتی میں اور عمارت اور درخت میں جو بدون زمین کے فروخت ہوں شفعہ نہیں ہوتا۔ مکان جو مہر میں ٹھہرا دیا ہو یا اجرت کے عوض میں کسی کو دیا ہو یا عورت نے طلاق لینے کے عوض میں شوہر کو دیا یا خون کے مقدمے میں کسی مکان پر صلح ہوئی یا غلام کے آزاد کرنے کے عوض میں کسیکے ملک میں آیا ہو یا کوئی مکان کسی نے دوسرے کو ہبہ کر ڈالا اور موہوب لہ سے اُسکا عوض کچھ نہ ٹھیرایا ہو تو ان صورتوں میں حق شفعہ شفیع کو نہیں پہنچتا۔ اگر مکان یا زمین اسطرح بیع ہوئی کہ بائع کو اُسکے پھیر لینے کا اختیار رہا تو جبتک بائع کو اختیار رہیگا تب تک اُسمیں شفعہ ثابت نہو گا۔ اگر بیع فاسد سے کوئی زمین بکی تو جبتک

ف اور اس کے اندر درخت مع پھل پھول لئے یا درختوں پر پھل مشتری کے پاس آکر لگے تو شفیع

ف امام ابو یوسف رح کے نزدیک شفیع کو اختیار ہوگا۔ کہ ثمن اور قیمت مکان اور درخت کی دیکر زمین لیلے یا شفیع چھوڑ دے یہ اختیار نہیں کہ مشتری کو زور اس کے اکھاڑنے پر مجبور کرے یہی قول امام شافعی رح کا ۱۲ ف۲ کیونکہ مشتری نے بالقصد اسکو توڑا ہے پس اس کے حصہ کی ثمن ساقط کیجاویگی اور شفیع کو اختیار دیا جائیگا کہ میدان بھر کی قیمت دیکر وہ میدان زمین لیلے یا شفعہ چھوڑ دے بخلاف پہلی صورت کے کہ جس میں مکان مشتری کے پاس آکر خود بخود گر گیا اس میں مکان کی قیمت مجرا نہ ملیگی اور سب دام شفیع دیوے تب پائیگا ۱۲ ف۳ کیونکہ حق شفعہ اس لئے ملا ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے برے پڑوس کے نقصان سے بچے اور منقولہ چیزیں ایسی اتنی پائدار ملک نہو گی جتنی غیر منقولہ پر ہو گی مفتی محمد وصی علی ایچ آبادی

دس میع کے فسخ کرنے کا حق مشتری کو رہیگا تب تک اُسمیں شفعہ نہوگا ہاں اگر مشتری زمین میں یا مکان یا درخت تیار کرے اور حق فسخ جاتا رہے البتہ اُس صورتمیں شفعہ ثابت ہوگا اگر شرکت کی زمین شریکوں نے باہم تقسیم کی تو اُس میں شفعہ نہوگا[1]۔ اگر شفیع نے حق مشتری کو دیدیا پھر زمین بیع مشتری نے بسبب خیار رویت کے یا خیار شرط یا خیار عیب کے بائع کو حاکم کے حکم سے پھیری تو اب اُسمیں حق شفعہ ثابت نہوگا ہاں اگر بدون حاکم کے حکم کے واپس کی یا بائع و مشتری نے بیع کا اقالہ کر لیا تو بیع کا شفعہ ثابت ہوگا۔

باب شفعہ کی باطل کرنیوالی چیزون کے بیان میں (جاننا چاہیئے کہ شفعہ کی طلب کے دو طور ہیں ایک) طلب موافبت (کہ لفور سُننے خبر بیع کے اُٹھ کھڑا ہو) اور اپنے شفعہ کے طلب کرنے پر گواہ کر دے دوسرا) طلب تقریر (کہ بائع یا مشتری یا مبیع کے پاس جاکر گواہ طلب شفعہ کے کرے پس ان دونوں کے نکرنے سے شفعہ باطل ہوجاتا ہے یعنے اگر مبیع کی خبر سُنتے ہی شفعہ طلب کریگا تو دعوی سُنا نہ جائیگا) اگر شفیع مشتری سے کچھ لے کر شفعہ سے دست بردار ہو تو شفعہ باطل ہے اور شفیع پر اس عوض کا مشتری کو پھیر دینا واجب ہے[2] شفیع اگر مر جائے تو شفعہ باطل ہوگا مگر مشتری کے مرنے سے شفعہ باطل نہوگا اگر شفیع نے کسی زمین کی جہت سے دعویٰ شفعہ کیا اور ہنوز قاضی نے حکم شفعہ کے ملنے کا نہیں کیا تھا کہ شفیع نے وہ زمین بیچڈالی تو اُس کا حق شفعہ باطل ہوجائیگا۔ اور شفعہ نہیں ہے اُس شخص کو جو کسی کے لیئے وکالتًا فروخت کرے یا خود اسکے لئے فروخت ہوئی ہو اول مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ بائع نے ایک مکان کے فروخت کا زید کو وکیل کیا اور اُس نے مکان کو فروخت کیا مگر اُس کا شفیع بھی زید ہے تو اب زید کا شفعہ بیع کا وکیل ہونے سے جاتا رہا اور دوسری کی صورت یہ ہے کہ مکان کا بائع زید کا مضارب ہے (کہ اُس کے لیئے مال فروخت کرتا ہے) اگر مضارب زید کو مال مضارب میں سے کسی مکان کو بیچے گا تو زید کو اُس میں شفعہ نہ پہونچیگا) اگر زید نے ایک مکان بیچا اور عمرو نے مشتری سے ضمان درک کیا (یعنے یہ کہا کہ اگر کسیکا نکلیگا تو میں ضامن ہوں تو اس ضمانت سے عمرو کا شفعہ جاتا رہیگا۔ اور شخص کسی کے لیئے وکالتًا خریدے یا خود اس کیلئے خرید واقع ہو تو اسکو شفعہ پہنچیگا

[1] یعنے اگر پڑوسی اس میں شفعہ کرنا چاہیں تو حق حاصل نہ ہوگا کیونکہ شفیع کی مشروعیت مطلق مبادلہ میں ہے جو ہر طریق سے مبادلہ ہو اور تقسیم کرنا اپنے حصہ کا الگ کر لینا ہے مطلقًا مبادلہ نہیں ہے [2] کیونکہ حق شفعہ کوئی املاک نہیں بلکہ مالک بننے کا حق ہے۔ اسلیئے اس کا عوض صحیح نہیں پس معاوضہ میں جو کچھ لیا ہے واپس کرے [3] کیونکہ اس صورت میں اگر اس کا شفعہ صحیح ہو تو یہ معنی ہونگے کہ اسکی جانب سے جو بیع تمام ہو چکی اسکو توڑ کر شے مشفوعہ کو لینا چاہیئے [4] کیونکہ اس صورتمیں بھی بیع اسی ضامن کیجانب سے تمام ہوئی اس لئے کہ اگر یہ ضمانت نہ کرتا تو مشتری لینے پر راضی نہ تھا پس اس کا شفعہ کرنا یہ کوشش ہے اپنی جانب سے تمام شدہ بیع کے توڑنے کی لہذا جائز نہیں[4]

باب شفعہ کو باطل کرنیوالی چیزوں کے بیان میں

(یعنے خریدنے کا وکیل اگر شفعہ کا مدعی ہو یا مضارب کسی مکان کو مال مضاربت سے خریدے اور رب المال دعوے شفعہ کرے تو دعوی مسموع ہوگا، اگر شفیع نے لوگوں سے سنا کہ مکان ہزار روپیہ کو بکا تو اس نے شفعہ طلب کیا لیکن پھر معلوم ہوا کہ وہ کم کو بکا ہے یا گیہون خواہ جو کے عوض میں بکا ہے جن کی قیمت ہزار زیادہ ہے تو اس صورت میں شفعہ کا دعوی کر سکتا ہے اور اگر یہ معلوم ہوا کہ اشرافیون کے عوض میں فروخت ہوا ہے جنکی قیمت ایک ہزار ہے تو شفعہ نہ پہونچیگا اگر شفیع نے سنا کہ مشتری زید ہے اور وہ شفعہ سے دست بردار ہوا پھر معلوم ہوا کہ مشتری عمرو ہے تو اسکو شفعہ پہونچ سکتا ہے اگر کسی نے اپنی زمین اسطرح بیچی کہ جو جانب شفیع کیطرف ملی تھی اُدھر سے ایک گز کم کر گئے بیچدی (یعنے شفیع کیطرف کی گز بھر زمین فروخت نہ کی) تو شفیع کو شفعہ نہ پہونچیگا (اس لیئے کہ شفیعہ کی زمین مبیع سے ملی ہوئی نہ رہی اور یہ امر شفعہ کے ساقط کرنے کا ایک حیلہ ہے) اگر مکان میں سے ایک حصہ مثلاً تہائی یا چوتھائی کسی ثمن کی عوض مشتری نے خریدا بعد اس کے باقی سہاموں کو خرید لیا تو ہمسایہ کا حق شفعہ صرف پہلے حصہ میں ہوگا۔ باقی حصوں مین نہ ہوگا۔ اس لیئے کہ مشتری جب اول خرید چکا تو صرف مشتری ہی نہیں رہا بلکہ اس مکان کا شریک ہو گیا اور شریک ہمسایہ سے مقدم ہوتا ہے اور یہ صورت بھی شفعہ ساقط کرنے کی تدبیر ہے کہ اول ایک سہام کو بہت سے دام دیکر لے لیا بعد اُس کے باقی ثمن سے بقیہ سہاموں کو خرید لیا تاکہ ہمسایہ باقی سہامونکو تو اسوجہ سے نہ لے کہ مشتری بوجہ خرید اول کے شریک ہو گیا ہے۔ اور اول سہام کو بسبب گرانی قیمت اور کار آمد نہونے کے نہ خریدے) اگر زمین کو ثمن کے عوض خرید کر اس کے بدلہ میں کپڑا بائع کو دے تو شفیع کو شفعہ میں وہی ثمن دینا ہوگا نہ کپڑا (اور شفعہ کے ساقط کرنے اور زکوۃ کے نہ واجب ہونے کے لئے حیلہ کرنا مکروہ نہیں لیکن علما کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اگر حیلہ شفیع کے ضرر سے بچنے کے لئے ہو تو اسکا کچھ مضائقہ نہیں جائز ہی اور اگر ایسا نہیں تو مکروہ ہی باقی رہا زکوۃ کے ساقط کرنیکی تدبیر تو وہ دینداری کے خلاف ہے چنانچہ دیندار پر یہ امر مخفی نہیں) اگر بائع

ف۱ے کیونکہ ان لوگوں کا مدعی شفعہ ہونا خریداری کے توڑنیکی سعی نہ ہوگی اس لئے کہ شفعہ سے لینا بھی مثل خریداری کے ہی جس طرح کہ مرغوب شے کی خریداری کیجاتی ہی یعنی جس چیز کو انسان خریدتا ہی اس کی رغبت ہوتی ہی اسی طرح جس چیز کو شفعہ سے لیتا ہی اسکی رغبت ہوتی ہی اور حق شفعہ اعراض کرنے ہوتا ہی رغبت سے ۱۲ ف۲ے کیونکہ پڑوس یکساں نہیں ہوتا بعض پڑوسی اچھا ہوتا ہی بعض نہیں اور اسیطرح اگر نصف کی خریداری کی خبر پہونچی اور شفعہ چھوڑ دیا پھر کل کی خریداری ظاہر ہوئی تو شفعہ کا حق پہنچتا ہی کیونکہ نصف کا شفعہ کا چھوڑنا شرکت کی خرابی کیوجہ سے ہو سکتا ہی اور کل میں خرابی نہیں اور اس کے برعکس میں حق شفعہ نہ ہوگا یعنی کل کی خریداری کی خبر ملی اور شفعہ چھوڑ دیا کہ نصف فروخت ہوا ۱۲

ایک ہو اور کئی مشتریوں کے ہاتھ اپنی زمین فروخت کرے تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ کچھ مشتریوں کا حصہ لیلے اور بعض کا ترک کرے اور اگر چند بائع زمین مشترک کو ایک مشتری کے ہاتھ بیچیں تو شفیع کو اختیار نہیں کہ بعض کا حصہ لے اور بعض کا چھوڑ دے[۱] اگر مشتری نے آدھا مکان بغیر تقسیم کیا ہوا لیا تو شفیع مشتری کا حصہ لیسکتا ہی جو بائع تقسیم کرے۔ اگر مالک کوئی مکان بیچے اور غلام ماذون قرضدار اسکو شفعہ میں لیلے تو درست ہی اسی طرح اُس کا عکس بھی جائز ہی یعنے مالک کو بھی حق شفعہ غلام مدیون ماذون کی فروخت میں پہنچتا ہی) اگر کمسن لڑکے کا باپ یا وصی حق شفعہ سے دست بردار ہوں تو درست[۲] اور اگر وکیل شفعہ لینے کے لئے موکل کیطرف سے حق شفعہ سے درگذرے تب بھی درست ہے

کتاب القسمۃ

اس میں مشترک چیز کے بانٹنے کا بیان ہی جو حصہ سب چیز معین میں پھیلا ہوا ہی۔ اس کو ایک جا کر دینے کا نام قسمت ہی (مثلاً نصف زمین کا حصہ جو متعین نہیں کہ کونسا ہی قطعہ خاص میں اسکو علیحدہ اور معین کردیں تو یہ قسمت ہوگی) پھر قسمت میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک حصہ کا جدا کرنا دوسرے ایک حق سے دوسرے حق کا بدلجانا (اس لئے کہ حصہ دونوں شریکوں کا ہر جزو میں مشترک چیز کے موجود ہے تو بانٹنے میں مبادلہ ضرور ہوگا) اور مثلی چیزوں (یعنے کیلی[۳] اور موزونی وغیرہ کے بانٹنے میں جدا کرنے کو غلبہ ہے اسی لیئے ایک شریک اپنا حصہ دوسرے شریک کے غائب ہونیکی صورتمیں مثلی چیزوں میں لے سکتا ہی (کیونکہ اپنے حق کے جدا کرنے میں صاحب دوسرے کے آنیکی نہیں) اور جو چیزیں غیر مثلی ہیں اُن کی تقسیم میں مبادلہ کو غلبہ ہی اسیوجہ سے ایک شریک دوسرے کی غیبت میں اپنا حصہ نہیں لے سکتا (کیونکہ ایک مال کو دوسرے مال سے بدلنے میں دونوں بدلنے والونکی حاجت ہوتی ہی اگر مال ایک جنس کا ہے جسمیں بہت لوگ شریک ہین اور کوئی شریک درخواست اُس کی تقسیم کی ایک شریک موجودسی کرے تو شریک مذکور یہ تقسیم کرنے کے

۱؎ کیونکہ اس صورت میں مشتری پر معاملہ مختلف ہو جائیگا پس اسکو بہت زیادہ ضرر پہنچیگا اس لئے کہ اسکی زمین کے ٹکڑے ہو جائنگے اور یہ عیب ہے اور پہلی صورت میں بائع ایک ہو اور مشتری چند ہوں تو نہ بائع کا نقصان کیونکہ وہ تو بیچ چکا ہی اور نہ مشتریان کا نقصان اس لیے کہ شفیع بعض مشتریان قائم مقام ہو جائیگا بقیہ مشتریاں کے حق میں کوئی نئی حالت پیدا ہوگی جو اُن کی مرضی کے خلاف ہے ۱۲

۲؎ اس صورتمیں جبکہ وہ چیز اپنی قیمت پر بکی ہو اور اگر بہت زیادہ قیمت پر بکی ہو تو جس طرح اس کا خریدنا بچہ کیلئے اُن دونوں کو درست نہ تھا چھوڑنا بھی درست نہیں ہی اور بہت ہی کم پر وہ چیز فروخت ہو تو بھی چھوڑنا درست نہیں ہی۔ یہاں تک کہ بعد بلوغ لڑکے کو حق شفعہ حاصل ہوگا

۳؎ کیلی وہ چیزیں ہین جو ناپ کو بکتی ہیں ان کا اندازہ پیمانہ سے ہوتا ہی اور موزونی جو تولکر بیچی جائیں ان کا اندازہ وزن سے ہوتا ہے ۱۲ مفتی محمد وصی

لیے جبر کیا جاویگا اور شریکون کو انتظار نہوگا) لیکن اگر مال مختلف جنسوں کا مشترک ہوگا تو
اُس میں زبردستی موجود شریک پر تقسیم کیلئے نہوگی (اس لیے کہ ایک جنس ہونے میں تو جدا کرنیکو غلبہ ہے
پس حاکم حق جدا کرنے پر جبر کرسکتا ہے اور مختلف جنسوں مین مبادلہ کی صورت کو غلبہ ہے جسکے لئے جبر
نہیں کرسکتا) مستحب ہے کہ قاضی ایک بانٹنے والا مقرر کرے جو شرکا میں مال کو تقسیم کر دیا کرے
اور اُنسے اپنی اجرت نہ لے بلکہ اُس کا روزینہ بیت المال سے ملے[۱] اگر بیت المال میں گنجایش نہو
تو بانٹنے والے کو اجرت شرکا سے بحسب شمار شریکوں کے ملنی چاہیئے (یعنے اجرت سہام پر موقوف
نہو بلکہ شرکا کے شمار پر ہو مثلاً اگر ایک مال میں دو شخص شریک ہون ایک تہائی کا اور دوسرا
دو تہائی کا تو اور دو تہائی نہ ہوگی) بانٹنے والے کا عادل اور امانتدار اور تقسیم کے علم سے
واقف ہونا ضرور ہے قسمت کرنے کو ایک ہی شخص خاص نہ کرنا چاہیئے کہ اُسکے سوا دوسرا
تقسیم نکرے[۲] ایک اسباب کی تقسیم مین قسمت کرنے والے شریک نہ ہونے پاویں اگر وارث کسی گھر
جبتک وارث اپنے مورث کے مرنیکے اور وارثون کے شمار کے گواہ نہ گذرانین اور اگر چند شرکا
منقول چیز کی تقسیم کے خواستگار ہون یا یہ کہین کہ یہ زمین ہمنے خریدی ہے اُسکی تقسیم چاہتے ہیں یا
ملک کا دعوی کریں کہ ہماری ملک میں ہے سبب ذکر نکریں کہ کس وجہ وہ ملک میں آئی تو اِن صورتوں
مین تقسیم کر دینا درست ہے اور اگر دو شریک دعوی کرین کہ یہ زمین ہمارے تصرف میں ہے
اُسکو تقسیم کر دو تو تقسیم نکیجاوے جبتک کہ دونوں اپنی ملک کے گواہ پیش نکریں[۳] اگر دو وارثون نے
گواہ گذرانے کہ ہمارا مورث مرگیا اور اُس کے وارث اتنے ہی ہیں جتنے ہم کہتے ہیں اور مکان
موروثی اُن کے قبضہ میں ہے اور اُن کے ساتھ ایک وارث ہے جو اسوقت موجود نہیں اور مکان موروثی
اُن کے قبضہ میں ہے اور اُن کے ساتھ ایک وارث ہے جو اسوقت موجود نہیں یا صغیر ہے۔ اور
درخواست تقسیم کی کرین تو قاضی اس مکان کو تقسیم کر دے اور غائب کی طرف سے وکیل خواہ

ھ اور قاضی کا امین دونوں مین اُس کو تقسیم کرے تو اُسکی اجرت دونوں سے آدھوں آدھ ہوگی تہائی

حہ زمین کو میراث میں ملنے کا اقرار کرین اور تقسیم کے خواہاں ہوں تو وہ زمین تقسیم نہ کی جاوے

[۱] کیونکہ تقسیم کرنا بھی منجملہ عمل قضا کے ہے اسلیئے کہ تقسیم کر دینے سے جھگڑا منقطع ہوجاتا ہے پس جس طرح قاضی کا روزینہ بیت المال سے ہوتا ہے اسکا بھی ہونا چاہیئے دوسرے یہ کہ تقسیم کرنیوالے کے مقرر کرنے کا نفع عام لوگوں کو پہونچیگا پس اسکی روزی بھی عام لوگون کے مال سے ہونا چاہیئے ۱۲
[۲] کیونکہ معاملہ اجارہ ہے اور معاملات پر جبر نہیں ہوتا ہے کہ کسی خاص شخص سے معاملہ کیا جائے دوسرے سے نہ کیا جائے دوسری بات یہ کہ اگر ایک ہی شخص خاص کر لیا جاویگا تو دستور سے زیادہ اجرت طلب کریگا ۱۲ [۳] کیونکہ تصرف میں ہونا یہ دلیل ملک نہیں اسی لیئے ملک کے گواہ پیش کریں تاکہ ملک ہوجانیکا احتمال نہ رہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی مسیح آبادی۔ ۱۲ ۱۲

بچہ کیطرف سے وصی مقرر کردے کہ وہ اپنے موکل خواہ بچہ کا حصّہ اپنے قبضہ میں رکھے اور اگر جو
لوگ باہم تقسیم مکان چاہتے ہیں وہ سب خریدار ہوں اور ایک مشتری ان میں سے غائب ہو یا
مکان مشترک صورت سابقہ میں غائب وارث کے یا صغیر کے قبضہ میں ہو یا قاضی کے سامنے وارثوں
میں سے ایک ہی[1] ہو اور باقی غائب ہوں تو ان سب صورتوں میں مکان تقسیم نہ کیا جاوے گا۔
اگر مال مشترک کی تقسیم کا ایک شخص خواستگار ہو اور تقسیم سے ہر شریک اپنے حصّہ سے نفع لے سکتا ہے
تو تقسیم کردیا جاوے گا اگر سب کا نقصان مقصود ہو تو قسمت نہ کیا جائیگا۔ جبتک کہ سب راضی نہوں
اور اگر بعضوں کا فائدہ ہوتا ہو اور بعضوں کو تھوڑا حصّہ ملنے کی جہت سے نقصان ہوتا ہو تو اس صورت
میں اگر بڑا حصّہ دار خواستگار تقسیم ہوگا تو تقسیم کردیا جائیگا چھوٹے حصہ والے کی درخواست
سے تقسیم نہوگا[2]۔ اگر اسباب ایک جنس کا ہو تو شرکا میں تقسیم کردیا جاوے گو سب راضی ہوں
یا نہوں اگر مال مشترک دو جنس ہوں خواہ جواہر یا غلام یا حمام یا کنواں یا چکی ہو تو ان کو قاضی بدون
سب شرکا کی مرضی کے تقسیم نکرے۔ اگر مال مشترک کئی حویلیاں ہوں یا ایک مکان اور زمین
زراعت ہو یا مکان اور دوکان ہو تو ہر ایک چیز کی تقسیم جدا جدا ہوگی کیونکہ ہر ایک چیز میں
ہر شریک مشترک ہیں تقسیم کرنے والے کو چاہیئے کہ جس مکان یا زمین کو تقسیم کرے اس کا نقشہ
کھینچے اور حصہ برابر درست لگاوے اور گز سے پیمایش کرے اور ملبہ کے دام لگاوے اور ہر ایک شریک
حصّہ مع راہ آمد و رفت اور پانی کے حق کے جدا کردے اور ان حصوں پر نشان اوّل اور دوم اور
سوم لکھدے پھر شریکوں کے نام لکھ کر قرعہ ڈالدے جس کا نام پہلے نکلے اسکو پہلا حصہ دے
جس کا دوسری بار نکلے اسکو دوسرا اور علی ھذا القیاس اور روپیوں کو بدون رضامندی شرکا
کے قسمت میں داخل نکرے[3] اسلیئے کہ روپیوں میں کسی کے تقسیم کردینے کی حاجت نہیں ان
میں گن لینا کافی ہوتا ہے۔ اگر مکان یا زمین کی تقسیم ہوئی اور ایک شریک کے پانی بہنے کی راہ یا
آمد و رفت کا راستہ دوسرے کی ملک میں رہا اور تقسیم کیوقت اسطرح نہیں ٹھیر چکا تھا۔ تو اگر ہو سکے

۱ کیونکہ ایک ہی شخص مدعی اور مدعا علیہ نہیں ہو سکتا اسی طرح ایک حاضر شخص تقسیم کا طالب بھی ہو اور اسی سے تقسیم مطلوب بھی ہو البتہ اگر دو وارث ہوں اور شہادت پیش کریں تو تقسیم کرادیجائیگی ۱۲ ۲ کیونکہ بڑا حصّہ دار نفع پائیگا ہے اسکا یہ درخواست کرنا کہ وہ اپنی ملک سے نفع اٹھائے دوسرے کو روکے حق بجانب ہے لہذا اس کی درخواست منظور کیجائیگی اور چھوٹے حصہ دار کا درخواست کرنا بیکار ہے کیونکہ وہ اپنے قلیل حصہ سے کیا نفع اٹھائیگا لہذا قاضی اسکی درخواست اسوجہ سے نامنظور کریگا ۱۲ ۳ یعنے جب کسی زمین کو تقسیم کیا اور ایک کے حصہ میں کچھ زیادہ گئی تو وہ اس زیادتی کے مقابلہ میں کچھ روپیہ دینا چاہے تو جبتک دوسرا روپیہ لینے پر راضی نہو تو اہل بٹوارہ اسے مجبور نہیں کرسکتا۔ ۱۲

تو اس کا راستہ اُسی کی ملک میں کو کر دیا جائے اور اگر نہ ہو سکے تو یہ تقسیم توڑ دیجائے اور از سر نو تقسیم ہو
کہ اُسمیں یہ خلجان نہ پڑے، اگر مال مشترک ایک مکان ہو جسکے اوپر بالاخانہ ہو اور ایک مکان بدون
بالاخانہ کے ہو اور ایک مکان صرف بالاخانہ ہی ہو تو اُن کی تقسیم اس طرح ہو گی کہ ہر ایک کی
قیمت علیحدہ علیحدہ لگا کر قیمت کے اعتبار سے تقسیم کر دیئے جائیں گے[۱]۔ اگر شرکا میں سے کوئی کہے کہ
میں نے اپنا حق نہیں پایا اور دو بانٹنے والے گواہی حق بانٹ لینے کی دیویں تو اُن کی گواہی مقبول
ہو گی اور اگر اول ایک شریک نے اقرار کیا کہ میں اپنا حصہ پا چکا پھر دعوے کیا کہ میرا کسیقدر
حصہ فلاں شریک کے قبضہ میں ہے تو بدون گواہی کے اس کا قول معتبر نہوگا اور اگر دوسرے
شریک سے کہے کہ میں اپنا حق سارا پا چکا تھا مگر بعد کو تو نے کچھ دبا لیا تو مدعا علیہ یعنی دوسرے شریک
کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر مدعی نے اپنے حصہ کے بھر پانے کا اقرار کیا ہو اور دعوے
کرے کہ فلاں جگہ تک میرا حصہ ہے مدعا علیہ نے مجھے نہیں دیا[۲] اور مدعا علیہ نے اُس کو جھوٹا بنایا
تو دونوں کو قسم کھانی پڑے گی اور قسم کے بعد قسمت توڑ دیجاویگی۔ اور اگر حاکم کو تقسیم میں
بہت سا غبن معلوم ہو تو تقسیم کو توڑ دے اگر شرکا میں مکان تقسیم ہو گیا اور ایک شریک
دوسرے شریکوں سے بقدر حقدار کے حصہ دلا پائیگا اور تقسیم کو فسخ نہ کریں گے اگر دو شریک
ایک مکان یا دو مکانوں میں رہنے کی باری مقرر کر لیں یا ایک غلام خواہ دو غلاموں سے خدمت
لینے کی نوبت مقرر کر لیں یا ایک احاطہ یا دو احاطہ کے کرایہ کی باری ٹھیرا لیں (مثلاً یوں ٹھیرا
کہ اس گھر میں ایک مہینہ ایک رہے اور ایک مہینہ دوسرا یا ایک مہینہ کا کرایہ ایک لے
اور ایک کا دوسرا یا غلام سے ایک مہینہ ایک کام لے اور ایک مہینہ دوسرا تو درست ہے،
اگر ایک غلام یا دو غلاموں کی اجرت میں یا ایک خچر یا دو خچروں کے کرایہ میں یا اُن کی سواری
میں یا کسی درخت کے پھل میں یا بکری کے دودھ میں باری ٹھیرا دیں تو درست[۳] نہیں ٭

کے حصہ میں کچھ سہام کا حقدار کوئی اور نکلا جس نے اپنا حق اس شریک سے لے لیا تو یہ شریک

۱ کیونکہ نیچے کے حصہ میں بعض ایسے کام نکل سکتے ہیں جو اوپر کے حصہ میں نہیں مثلاً کنواں کھودنا یا تہ خانہ بنانا یا اصطبل بنانا پس بغیر قیمت لگا کر تقسیم کرنیکی برابری نہیں ہو سکتی ۱۲ ۲ یعنے کہا کہ فلاں جگہ تک مجھے نہیں پہونچا تھا تو یہ اختلاف اس مقدار میں ہوا جو تقسیم میں اسکو پہنچی تھی لہذا دونوں کو قسم کھلا کر تقسیم فسخ کر دیجائیگی ۳ غلاموں کی اُجرت یا خچر کا کرایہ ایک عین شئے ہے جس کا تقسیم کر لینا ممکن ہے اور ایسے ہی خچر وغیرہ کی سواری میں بھی باری مقرر کر لینا درست نہیں کیونکہ سوار سوار میں فرق ہوتا ہے اور ایسے ہی پھل اور دودھ بھی تقسیم نہیں ہو سکتے ہیں بخلاف غلام کی خدمت اور مکان کی سکونت کے کہ وہ اعراض میں سے ہے اس کی تقسیم اس طرح جائز ہے اور مکان کے کرایہ کی باری اسواسطے جائز ہوئی کہ وہ یکساں رہیگی اسمیں بہت کم تغیر ہوگا بخلاف جائداد کے کہ اس میں تغیر ۴

۴ اکثر ہوگا اس کا کرایہ متفاوت ہوگا لہذا برابری نہ ہو سکیگی ۱۲۔

کتاب المزارعۃ

کتابُ المزارعۃ

اسمین زراعت کا بیان ہے مزارعت اُس معاملہ کو کہتے ہیں کہ زمین کی پیداوار میں سے کسی قدر کے عوض میں اُس کو کاشت کرایا جاوے اُس معاملہ کی درستی کے لئے اتنی شرطیں ہیں اوّل زمین کا قابل زراعت ہونا۔ دوم زمیندار و کسان کا عاقل و بالغ ہونا سوم مدّت زراعت کا بیان کر دینا۔ چہارم بیج کے مالک کا بیان کر دینا کہ زمیندار کا ہوگا یا کسان کا، پنجم اُس کی جنس بیان کر دی۔ کہ گیہوں ہونگے یا جو) ششم کسان کے حصہ کا ذکر ہو جانا کہ کل پیداوار میں سے کسقدر ہوگا) ہفتم زمین کو خالی کر کے کسان کے حوالے کرنا ہشتم زمین کی پیداوار میں مالک اور کسان کا شریک رہنا۔ نہم زمین اور تخم ایک شخص کا ہونا اور بیل اور محنت وغیرہ امور دوسرے کے ہونے یا ایک کی فقط زمین ہو اور باقی چیزیں دوسرے کے متعلق ہوں (اِن شرائط سے اگر کاشت کرائی جاویگی تو درست ہوگی) اگر زمین اور بیل ایک کے ہوں اور بیج اور محنت دوسرے کی یا بیج ایک کا ہو۔ اور باقی لوازم دوسرے کے یا بیج اور بیل ایک کے ہوں اور باقی دوسرے کے یا زمین کی پیداوار میں سے ایک کے لئے چند پیمانے معین کر دیے (اسکو مشترک نہ رکھا) یا یوں ٹھیرایا کہ جو کچھ پانی کی نالیوں اور گولوں کے قریب اُگے وہ ایک کا اور باقی دوسرے کا یا یہ کہ بیج والا صرف اپنے بیج لیلے باقی دونوں کے ساجھے میں ہے یا خراج یعنے حق حاکم پیداوار میں سے مجرا دیکر باقی مشترک رہے تو ان سب صورتوں میں مزارعت فاسد ہو جائیگی ہاں اگر خراج معیّن پیمانے نہیں بلکہ پیداوار کا کوئی حصہ معیّن مثلاً چوتھائی ہوگا تو مزارعت درست ہوگی (پچھلی صورتمین) مزارعت فاسد میں پیداوار سب بیج والے کی ہوگی اور دوسرے کو جسقدر اُسنے کام کیا ہوگا اُس کی مزدوری معمول کے موافق ملیگی (اور یہ صورت اسوقت ہے کہ زمین دوسرے کی نہو۔ اور اگر زمین بھی اسی کی ہو تو) زمین کا کرایہ بھی ملیگا مگر یہ مزدوری اور کرایہ اُسقدر سے زیادہ نہ دیا جاویگا جو آپس میں دونوں کے ٹھیر چکا تھا اور اگر مزارعت شرائط کے ساتھ ہو تو پیداوار

لہ یہ معاملہ امام صاحب کے نزدیک درست نہیں کیونکہ اس میں اجرت مجہول ہے کہ نہیں معلوم کس قدر کام کرنیوالے کو ملے اور صاحبین کے نزدیک یہ درست ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل خیبر سے پھلوں اور کھیتوں کے آدھوں آدھ پر معاملہ کیا تھا اور اس کی ضرورت پڑتی ہے ایک کے پاس زمین ہے کاشتکاری نہیں جانتا اور دوسرا کاشتکاری جانتا ہے مگر اس کے پاس زمین نہیں تو اس قسم کے معاملہ کی ضرورت پڑے گی اور امت کا اسپر عملدرآمد ہے پس فتوی امام صاحب کے قول پر نہیں صاحبین کے قول پر ہے ۱۲ صاحبین کے قول یہ ہے ۱۲ ؎ مثلاً یہ ٹھیرا کہ پیداوار سے پانچ من تک زمین کا ہے اور باقی کاشتکار کا تو یہ اسوجہ سے جائز نہیں کہ ممکن ہے پانچ ہی من پیدا ہوا تو پھر کاشتکار کو کیا ملیگا شرکت کیسے ہوئی ۱۲ اور اس صورت میں جو کچھ پیداوار ہوگی کام کرنیوالا موافق اپنے حصہ کے شریک ہوگا اور اگر کچھ نہ پیدا ہوا تو کام کرنیوالا بھی کچھ نہ پاویگا بخلاف مزارعت فاسدہ کے کہ اسمیں ؎

اُسی طرح تقسیم ہوگی جو انھوں نے آپس میں شرط کرلی ہو اگر زمین میں کچھ پیدا نہو محنت کرنیوالے کو کچھ نہ ملیگا بعد معاملہ زراعت کے اگر دونوں میں کوئی شرط کے بموجب کام کرنے سے انکار کرے تو اُس کو بزور کام لیا جاویگا لیکن اگر بیج والا انکار کرے تو اُسپر زبردستی نہ کیجاویگی[۱] اگر دو والا عقد کرنیوالوں میں سے کوئی مرجائے تو مزارعت باطل ہوجاویگی اگر مدت جو زراعت کے لئے مقرر کی تھی۔ گذر جائے اور کھیتی پکی نہو تو کسان کو زمین کی اُجرت اسجگہ کے معمول کے موافق دینی ہوگی جب تک کہ کھیتی تیار نہ ہو یعنے زائد دنوں کا کرایہ مثل اس کے ذمہ ہوگا[۲] (کھیتی میں جو خرچ پڑے مثلاً کاٹنے اور اُٹھانے اور دائیں چلانے اور سیلانے میں) وہ دونوں کے ذمہ حقوق کے موافق پڑیگا اور اگر شرط کرلیں کہ سب کا خرچ کسان کے ذمے ہو تو عقد فاسد ہوجاویگا[۳]۔

کتاب المساقاۃ

اس میں درختوں کو پانی دینے کے معاملہ کرنیکا بیان ہو۔ مساقاہ اُس عقد کو کہتے ہیں کہ اپنے درخت کسی شخص کو پرورش کرنے کے لئے یہ ٹھیرا کردے کہ انمیں جو پھل لگے وہ ہم دونوں میں مشترک ہوگا اس عقد کا حال سب باتوں میں مثل مزارعت کے ہی میوہ کے درختوں اور انگوروں اور رطبہ میں اور بینگنوں کی جڑوں میں یہ معاملہ کرنا درست ہی اگر پھل لگے درخت پرورش کو دے اور پھل ایسے ہوں کہ پانی دینے اور محنت کرنے سے بڑھتے ہوں تو درست ہے اور اگر ان کا بڑھنا پورا ہو چکا ہو تو مساقات درست نہوگی جیسے مزارعت (کہ کھیتی تیار ہونیکے بعد درست نہیں ہوتی) اور عقد مساقات جب فاسد ہوجاے تو پھل سب درخت والے کے ہونگے اور کام کرنے والے کے معمولی مزدوری ملیگی۔ یہ عقد دونوں عقد والوں میں سے ایک کے مرجانے سے باطل ہوجاتا ہے اور عذر کے سبب سے فسخ ہوجاتا ہے جیسے مزارعت عذر کے سبب سے ٹوٹ جاتی ہے اور عذر یہ ہے کہ مثلاً کارکن چور ہو یا بیمار ہو کہ کام نہ کرے۔

ف ۱ کیونکہ اس کو معاملہ پر عملدرآمد کرنا بغیر ضرر کے ممکن نہیں اور ضرر یہ ہو کہ اپنا تخم خاک میں ملاویگا اور یہ علم بھی نہیں کہ نکل ہی آئیگا بخلاف اس شخص کے کہ جس کا تخم نہیں اُسکو عمل کرنے پر مجبور کرینگے اسلئے کہ سوائے کام کرنے کے کہ جس کو اُسنے اپنے ذمہ لازم کیا ہو اور کوئی ضرر نہیں ۱۲ ف ۲ حاصل یہ کہ کھیتی کے تیار ہونے تک جو کام ہوگا مثلاً سینچنا حفاظت کرنا یہ سب کام کرنیوالیکے ذمہ ہوگا اور بعد تیار ہونیکے جو کام ہوگا مثلاً کاٹنا دائیں چلانا یا انڈنا اور بھوسہ الگ کرنا یہ سب کام تقسیم ہونے سے پہلے موافق حصہ کے دونوں کے ذمے ہونگے اگر کسان کے ذمے ہونے کی شرط کی تو عقد فاسد ہوجائیگا ۱۲ ف ۳ اس لئے کہ اس صورت میں زمین والے کو نقصان پہنچیگا۔ جس کے برداشت کرنے کے لئے وہ تیار نہ تھا اسی طرح سے جب کام کرنے والا بیمار ہوجائے تو اگر مزدور سے کام کرائیگا نقصان پہنچےگا جس کے واسطے اس نے التزام نہیں کیا تھا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

کتابُ الذبائح

اسمیں ذبح کیے ہوئے جانوروں کا بیان ہے۔ ذبائح جمع ذبیحہ کی ہے اور ذبیحہ اس جانور کو کہتے ہیں
جو ذبح کیا جائے اور ذبح[1] گلے کی کاٹنے کو کہتے ہیں مسلمان اور اہل کتاب (یعنے یہودی اور
نصرانی کا) اور لڑکے اور عورت اور گونگے اور بے ختنہ شخص کا ذبیحہ (یعنے حلال کیا ہوا جانور)
حلال ہے اور آتش پرست اور بت پرست اور مرتد اور احرام باندھے ہوئے شخص کا اور ذبح کے
وقت جانکر بسم اللہ کے چھوڑنیوالے کا ذبیحہ درست نہیں لیکن اگر بھولکر بسم اللہ نہ کہے تو اُس کا ذبیحہ
حلال ہے اور امام شافعی رح کے نزدیک اگر جانکر بھی بسم اللہ نہ کہے تو اس کا ذبیحہ حلال ہے اور دلیل امام اعظم رح
کی قول اللہ تعالے کا ہے وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ یعنی مت کھاؤ اُن جانوروں میں
سے کہ جنکے ذبح کیوقت خدا کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو اور اگر بھول کر بسم اللہ چھوڑ دی ہو تو حلال ہوگا
اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رُفِعَ عَنْ اُمَّتِیْ الْخَطَاءُ وَالنِّسْیَانُ (یعنے
میری اُمت سے بھول چوک معاف ہے) اور ذبح کے وقت خدائے تعالے کے نام کیساتھ اور کسیکا
نام لینا یا یوں کہنا کہ الٰہی اس کو فلانے کی طرف سے قبول کر ذبیحہ کو مکروہ کر دیتا ہے اور یہ الفاظ اگر بسم اللہ
سے اور جانور کے لٹانے سے پیشتر کہیگا تو مکروہ نہیں اور ذبح کا مقام گلے کے اور سینہ کے
اُوپر کی ہڈی کے بیچ میں ہے اور ذبح میں نرخرا یعنے سانس کی رگ اور کھانے پینے کی رگ اور
دو[2] شہ رگیں اُس کے آس پاس کی کاٹنی چاہیئں اور چاروں میں سے اگر تین بھی کٹ جاویں گی
تو کافی ہوگا اگرچہ ناخن سے یا دانت سے کہ بدن میں نہ لگے ہوں علیحدہ ہوں یا سینگ سے یا ہڈی
سے یا نرکل کے پوست یا تیز پتھر سے یا ایسی چیز سے جو خون جاری کر دے ذبح کیا ہو لیکن اگر دانت
اور ناخن بدن میں لگے ہوں تو انسے ذبح درست نہوگا ذبح کیواسطے چھری کا تیز کر لینا مستحب ہے
ذبح میں اتنا کاٹنا کہ گلے کی ہڈی کے گودے تک چھری پہنچ جاوے یا سر علیحدہ ہو جاوے
مکروہ ہے (اور) گدی کی طرف سے بھی ذبح کرنا مکروہ ہے اور جو شکار وحشی کہ ہل گیا ہو اسکو

[1] ذبح کی دو قسمیں ہیں ایک تو ذبح اختیاری دوسری ذبح اضطراری اور ذبح اختیاری یہ ہے کہ لب اور جبڑے کے درمیان کاٹنا اور ذبح اضطراری یہ کہ سارے جسم سے جس جگہ پر ہوسکے مجروح کر دینا مثلاً ایسے وحشی جانور کو جس کے ذبح اختیاری پر قدرت نہیں بسم اللہ اکبر کہہ کر تیر یا اور کوئی آلہ جو جرح کر دے لگا دیا یا شکاری کتا یا چیتا یا باز نہ چھوڑا اور وہ مجروح ہو کر مرا تو ذبح اضطراری ہے اس کا کھانا حلال ہوگا پتھر غلہ کا مارا مذبوح نہ ہوگا کیونکہ یہ چیزیں توڑ جاتی ہیں جرح نہیں کرتیں اُنکے مارے ہوئے میں ذبح اختیاری کی ضرورت ہے کیونکہ ذبح اختیاری اصل ہے اور ذبح اضطراری اس کا بدل ہے۔ اسواسطے کہ ذبح اختیاری میں پورے طور سے اخراج خون ہوتا جاتا ہے اور اضطراری میں کمی کے ساتھ پس جسوقت ذبح اختیاری سے عاجز ہو ذبح اضطراری پر کفایت کرے ۱۲۔
[2] ان کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ واو کے ساتھ ملانا مثلاً بسم اللہ محمد رسول اللہ کی دال کو زیر کہا تو ذبیحہ حرام ہو جائیگا بقیہ صفحہ ۳۰۴

بقیہ صفحہ ۳۰۴

ذبح کرنا چاہیئے اور جو چوپایہ پلاؤ کہ وحشی ہوکر بھاگ جائے یا کنوئیں میں گر پڑے اور اُس کا ذبح کرنا ممکن نہو تو اُسکو زخم لگا دینا چاہیئے (کہ پھر ذبح کی حاجت نہوگی) اونٹ کے لئے نحر مسنون ہے (یعنے اُس کے سینے کے اُوپر اور گردن کے نیچے نیزہ ماریں) اور گائے بکری کا ذبح کرنا مسنون ہے اور اس کا اُلٹا کرنا (کہ گائے بکری کو نحر کریں اور اونٹ کو ذبح) یہ مکروہ ہے (ایسا نہ کرنا چاہیئے اور اگر ایسا کریں تو جانور حلال ہو جائیگا- ماں کے ذبح ہونے سے اس کے پیٹ کا بچہ ذبح نہیں ہوتا (یعنے اگر کسی گائے بکری کو ذبح کیا اور اس کے پیٹ کے اندر سے مرا ہوا بچہ نکلا- تو وہ بچہ ذبیحہ میں داخل نہوگا مردار ہوگا اور اگر زندہ بچہ نکلا تو اس کو ذبح کرنا چاہیئے ورنہ حرام ہوگا- اور امام شافعی کے نزدیک ماں کے ذبح کے نزدیک بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے اور اُس کا کھانا حلال ہے چنانچہ بعض حدیثوں سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور دلیل امام اعظم رح کی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے منخنقہ کو حرام فرمایا ہے یعنی اُس جانور کو جو سانس رک کر مر جائے اور یہ بچہ بھی ایسا ہی ہے کہ سانس رکنے سے مر جاتا ہے یا اس میں شبہ ہے کہ ماں کے ذبح سے مر جاتا ہے یا سانس رکنے سے اور جس چیز میں شبہ حلال اور حرام ہونیکا ہوتا ہے اُسمیں حرام ہونیکی طرف کو غلبہ ہوتا ہے اس لئے حرام ہے

فصل

فصل- اُن جانوروں کے بیان میں جن کا کھانا درست ہے- اور جن کا نادرست درندوں میں سے کچلیوں والے جانور یعنے ٹیڑھے دانت کے اور پرندوں میں سے جو پنجہ سے شکار کریں حرام ہیں جو کوا کھیتی کھاتا ہے (اور ناپاکی نہیں کھاتا) حلال ہے مگر جو کوا ابلق کہ مردار کھاتا ہے حرام ہے اور مراد ابلق سے یہی دیسی کوا ہے کہ اُس کی گردن کا رنگ بہ نسبت پروں کے سفید ہوتا ہے اُس کا کھانا حرام ہے- گفتار اور گوہ اور بھڑ اور کچھوا اور زمین میں رہنے والے جانور (جیسے چوہا اور سانپ اور بچھو) اور بستی کا گدھا اور خچر اور گھوڑا حلال نہیں (اور بستی کا گدھا اس لئے کہا کہ وحشی گدھا یعنے گورخر حلال ہے اور خرگوش حلال ہے جس جانور کا کھانا درست نہیں ذبح کرنیسے اس کا گوشت اور پوست پاک ہو جاتا ہے

اور اگر پیش کہا تو حلال رہیگا دوسرے یہ کہ بلا واو کے کہا مثلاً بسم اللہ محمد الرسول اللہ اس صورت میں حرام نہیں ہوا مگر مکروہ ہے تیسرے یہ کہ الگ الگ کہے اور اسمیں کچھ مضائقہ نہیں ۱۲ — ۵؎ اسواسطے کہ ذبح اختیاری سے جب عاجز ہو گئے تو ذبح اضطراری اس کے بدلے میں کافی ہوگا بخلاف اُس صورت کے کہ جب وحشی شکار ہلگیا ہو تو اسکو ذبح کرنا پڑیگا کیونکہ ذبح اختیاری پر قدرت ہے ۱۲ ۲؎ اور یہی مذہب صاحبین کا ہے کہ وہ بچہ پورے طور سے بن چکا ہو لیکن مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کا وہ احتیاط ہے ۱۲ ۳؎ اور اسمیں بجو اور لومڑی بھی داخل ہے- کہ ان کا کھانا بھی حرام ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ ان دونوں کو مباح کہتے ہیں واللہ اعلم ۱۲ ۴؎ یہ قول امام صاحب حنفی رح اور امام مالک رح کا ہے امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک حلال ہے دلیل ان کی حدیث شریف ہے اور امام صاحب رح دوسری حدیث سے دلیل لاتے ہیں کہ انکو حلال کرنے میں آلات جہاد کی کمی کرنا ہے ۱۲

ہے (اگرچہ کھانا حرام ہے لیکن آدمی اور سور کو اگر ذبح بھی کرے تو چمڑا اور گوشت پاک نہوگا) پانی کے جانوروں میں سے مچھلی کے سوا اور کوئی حلال نہیں۔ اور اسمیں بھی یہ شرط ہے کہ خود مرکر پانی پر نہ تیر آئی ہو (کہ اُس کا کھانا حرام ہے) اور مچھلی بدون ذبح کے حلال ہے جیسے ٹیڑھی (بے ذبح کئے ہوئے حلال ہے) اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک سب جانور دریا کی پیدائش کے حلال ہیں اور دلیل امام اعظمؒ کی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَائِثَ یعنی حرام کرتا ہے اُنپر خبیث چیزیں اور مچھلی کے سوا دریائی جانور لطیف طبعوں کے نزدیک سب خبیث ہیں اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ یعنی تم کو دریا کا شکار حلال ہے اس سے مراد مچھلی ہی ہے کہ عرف میں اس کے سوا اور چیز کا شکار نہیں کہتے اور آنحضرت صلعم نے جس دوا میں مینڈک ہو اسکے کھانے سے منع فرمایا اور کیکڑے کی بیع سے منع فرمایا (اگر ذبح کرنیوالے کو بکری خواہ دوسرے جانور کی موت حیات کا حال نہ معلوم ہو اور ذبح کرنے سے وہ حرکت کرے یا خون نکلے تو وہ حلال ہے اگر ان دونوں میں سے کچھ نہو تو حرام ہے اور اگر اسکو ذبح کے وقت اُس کا جینا معلوم ہو تو حلال ہے اگرچہ حرکت نہکرے اور خون نہ نکلے

کتابُ الاضحیۃ

اسمیں قربانی کا بیان ہے۔ قربانی کرنا اُس مسلمان پر واجب ہے جو آزاد اور مقیم اور توانگر ہو قربانی اپنی طرف سے چاہیئے مالدار لڑکے کی طرف سے اسپر واجب نہیں اور قربانی کم سے کم ایک بکری کی یا ساتواں حصہ بدنہ کا یعنے گائے اور اونٹ کا ہے عید الضحیٰ کی صبح سے بارھویں تاریخ کی شام تک اس کا وقت ہے شہر کا رہنے والا نماز عید سے پہلے قربانی نہ کریگا گانوں والے کو اختیار ہے کہ نماز سے پہلے قربانی کردے۔ قربانی کا جانور اگر بے سینگ کا ہو یا خصی ہو یا دیوانہ ہو قربانی اُس کی درست ہے لیکن اندھا یا کانا اور اتنا دبلا کہ ہڈیوں میں گودا نہو اور لنگڑا اور کان اور دُم اور آنکھ اور چکدی میں سے زیادہ حصہ کٹا ہو درست نہیں اونٹ کی اور گائے کی اور بھیڑ بکری ہی کی قربانی درست ہے نر ہوں یا مادہ اونٹ کی عمر کی پانچ برس سے کم نہو اور گائے کی دو برس سے کم نہو اور بکری سال بھر سے کم نہو اور بھیڑ

---

۱ کیونکہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی خشک ہو کر مچھلی ظاہر ہو جائے یا پانی کی لہر اسے باہر پھینکدے تو اسے کھالو اور جو بلا کسی آفت کے مرکر اوپر تیر آئے اس کو نہ کھاؤ یہ حدیث حضرت جابر سے مروی ہے اور عربی میں اس مچھلی کو طافی کہتے ہیں امام صاحب کے نزدیک بموجب اس حدیث شریف کے حرام ہے اور امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ اسکو حلال کہتے ہیں ۱۲ ۲ اگر مالک نصاب ہو اگرچہ وہ مال نامی نہو جسپر زکوۃ واجب ہوتی ہے مثلاً مکان جو سکونت سے زائد ہو پس جو ایسے نصاب کا بھی مالک ہو اس پر قربانی جائز نہیں اور ایسے ہی غلام اور مسافر پر واجب نہیں ۱۲ ۳ کیونکہ اسکا گوشت نہایت عمدہ ہوگا اور ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپنے دو مینڈھے چت کبرے رنگ پر خصی تھے قربانی کئے ۱۲ مفتی محمد وصی علی

میں سے وہ بھی درست ہے جس کی عمر چھ مہینے سے زیادہ ہو بشرطیکہ بڑی بھیڑ و نہیں ملجائے یعنے بچہ نہ معلوم ہوتی ہو) اگر سات شریکوں نے ایک گائے یا اونٹ کی قربانی چاہی اور ایک اُن میں سے مرگیا اور اُس کے وارثوں نے کہاکہ اسکو میت کیطرف سے اور اپنی طرف سے ذبح کرلو تو یہ قربانی کرنی درست ہے اگر چھ آدمی قربانی کرنا چاہتے ہیں اور ساتواں شریک نصرانی یا مُرتد ہی یا مسلمان ہی کہ اُسکی نیت قربانی کرنے کی نہیں بلکہ گوشت کا شریک ہے تو یہ قربانی کسی کی طرف سے درست نہوگی قربانی کے گوشت میں سے آپ کھانا اور مُفلس اور تونگر کو کھلانا اور رکھ چھوڑنا درست ہے اور مستحب ہے کہ مفلسوں کو تہائی سے کم خیرات نکرے قربانی کے چمڑے کو خیرات کردینا چاہیئے یا اس کا کوئی تھیلا یا چھلنی بنالے کہ لوگوں کے کام آئے اگر ذبح کرنا جانتا ہو تو مستحب یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے ذبح کرے یہودی اور نصرانی سے ذبح کرانا مکروہ ہے اگر دو شخص غلطی سے ایک دوسرے کی قربانی کو ذبح کردیں تو دونوں کی طرف سے قربانی ہوگئی اور کسی کو دونوں میں سے دوسرے کے جانور کی قیمت دینی نہ پڑے گی

کتابُ الکراہیۃ

کتاب الکراہیۃ

اس میں ممنوع چیزوں کا بیان ہی مکروہ چیز حرام کے قریب ہے اور امام محمد صاحب نے تصریح فرمائی ہی کہ ہر مکروہ حرام ہے **فصل** کھانے پینے کی چیزوں کے بیان میں مکروہ ہی گدھی کا دودھ پینا اور سونے اور چاندی کے برتن میں کھانا اور پینا اور تیل اور خوشبو لگانا مردوں عورتوں سب کو مگر رانگ اور کانچ اور بلور اور عقیق کے برتن میں کھانا پینا وغیرہ مکروہ نہیں جس برتن پر چاندی لگی ہو یا زین پر یا کرسی پر چاندی کا کام ہو اُس کا استعمال حلال ہی مگر اس طرح استعمال کرے کہ چاندی کی جگہ بچی رہے (مثلاً برتن کے کنارے پر نہو کہ منھ اُسپر لگے یا زین اور کرسی پر بیٹھنے کی جگہ خالی ہو) اور کافر کا قول حلال اور حرام ہونے میں مقبول ہوگا (مثلاً کسی مسلمان کا خادم آتش پرست ہو اور وہ گوشت لائے اور کہے کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے تو اُس مسلمان کو اس کا کھانا درست ہوگا[۳] اور غلام اور لڑکے کا قول ہدیہ اور اذان کے باب میں مقبول ہی (مثلاً غلام یا لڑکا کہے کہ یہ کھانا

[۱] اور اگر وارثوں نے اجازت نہیں دی اور بقیہ چھ آدمیوں نے قربانی کرلی تو قربانی نہیں ہوئی کیونکہ بغیر ورثہ کی اجازت کے میت کا قربت نہیں واقع ہوا اور جبتک کہ سب حصے قربت کے قصد سے نہوں کسی کی بھی قربانی نہیں ہوتی اسواسطے مرتد یا نصرانی جو اہل قربت سے نہیں اگر قربانی میں شریک ہوجائیں یا مسلمان گوشت کی غرض سے شریک ہوجائے تو بقیہ کی بھی قربانی نہ ہوگی اور یہ ضرور ہی نہیں کہ جہت قربت متحد ہو بلکہ اگر چھ آدمی قربانی کرنا چاہتے ہیں اور ایک آدمی عقیقہ تو جائز ہی کیونکہ عقیقہ بھی قربت ہے ۱۲ [۲] لیکن اس کی حرمت کی کوئی نص قطعی نہیں ملی اس لیئے کہ اس کو حرام نہیں کہا ہی ۱۲ [۳] کیونکہ کافر کا قول معاملات میں مقبول ہوتا ہی ۱۲ اسلیئے کہ معاملات کے کثیر الوقوع ہونیکی وجہ سے کافر کی بات

کی بات بھی ماننے کی ضرورت پڑتی ہی ۱۲

کھانا تم کو ھدیہ بھیجا ہے یا کسی شخص سے کہے کہ تم کو صاحبخانہ اندر بلاتا ہی تو اس کا کھا مان لیا جاویگا) بدکار شخص کا قول معاملات مین مقبول ہی اور دین کی باتوں مین معتبر نہیں[1] (مثلاً اگر مضاربت اور وکالت اور قاصدی اور تجارت میں بدکار کچھ کہیگا تو مان لین گے اور اگر پانی کی نجاست وغیرہ امور دینی میں کچھ کہیگا تو نہ مانیں گے) اور جس شخص کی کوئی ضیافت ولیمہ میں کرے اور وہان راگ رنگ ہو تو یہ شخص بیٹھکر کھانا کھالے مترجم کہتا ہے کہ اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر شخص مذکور اُن لوگوں میں سے ہو جن کے افعال کی سند لوگ پکڑتے ہوں اور وہ راگ رنگ کو منع بھی کر سکتا ہو تو وہ بھیڑا موقوف کرائے اور کھانا کھائے اور اگر منع نہیں کر سکتا تو شریک دعوت نہو چلا آوے اور اگر عامی شخص ہی تو اُس کا حکم وہی ہے جو کتاب میں ہے اور یہ سب اسوقت ہے کہ پہلے علم نہو اور اگر پہلے سے معلوم ہو کہ وہاں بدعت ہے تو جانا ہی نہ چاہیئے کذا فی العینے **فصل** پہننے کے احکام کے بیان میں۔ مردوں کو ریشمی کپڑا حرام ہی ایسے جس کا تانا بانا دونوں ریشم ہوں مَردوں کو (حرام ہے) عورتوں کو حرام نہین اور ریشمی کپڑے کی گوٹ مقدار چار انگل کے مردون کو بھی حلال ہی ریشمی کپڑے کا تکیہ یا بچھونا مردونکو درست ہے جس کپڑے کا تانا ریشم اور بانا روئی یا اون کا ہو اس کا پہننا مرد کو حلال ہی۔ اور جس کا تانا سوت یا اون کا ہو اور بانا ریشم کا اس کا پہننا مردوں کو صرف لڑائی مین حلال ہی۔ مرد سونے چاندی کا زیور نہ پہنے کہ حرام اگر چاندی کی انگوٹھی اور پیٹی اور تلوار کا ساز ہو تو مضائقہ نہین اور سواری بادشاہ اور قاضی کے اور لوگوں کے حق میں افضل یہ ہے کہ انگوٹھی نہ پہنین اور پتھر اور لوہے اور پیتل اور سونیکی انگوٹھی پہننی حرام ہے نگینہ کے سوراخ میں سونے کی کیل لگانی اور دانتوں کو چاندی کے تاروں سے باندھنا درست ہے سونیکے تار سے درست نہیں لڑکوں کو سونا اور ریشمی کپڑا پہننا مکروہ ہے وضو کا پانی خشک کرنے کو رومال رکھنا یا ناک صاف کرنیکو کپڑا رکھنا یا بات یاد رکھنے کو انگلی میں دھاگا باندھنا مکروہ نہیں **فصل** دیکھنے اور ہاتھ لگانے کے بیان میں۔ آزاد عورت جو اجنبی ہو مرد کو اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا اور کچھ

---

[1] فرق کی وجہ یہ ہے کہ معاملات کا وجود بہت ہوا کرتا ہی اگر انمین زیادہ شرطیں لگائی جائیں تو حرج واقع ہوگا پس اسی واسطے ایک آدمی کی بات معاملات مین قبول کیجائیگی بدکار ہو یا نیکوکار کافر ہو یا مسلمان غلام ہو یا آزاد عورت ہو یا مرد اور دین کی باتیں اتنی زیادہ واقع نہیں ہوتیں جتنی معاملات کی اسلئے اسمیں شرط زائد لگائی گئی پس دین کی بات مسلمان نیکوکار ہی سے قبول کرینگے ۱۲ [2] اگر تانا ریشم اور بانا سوت ہو تو جائز ہی اور عورتونکو دونوں طرح کا جائز ہی کیونکہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریشمی کپڑا وہ پہنے جس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہاتھ پر سونا اور ایک ہاتھ پر حریر لیے ہوئے نکلے اور فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں پر حلال ہیں [3] اور فقہانے جو رومال رکھنا پسینہ پونچھنے کی غرض سے مکروہ کہا۔ تو یہ اسوقت ہے کہ تکبر کی راہ سے ہو اگر ضرورت سے ہے تو مکروہ نہیں ۱۲

دیکھنا درست نہیں اور جس مرد کو دیکھنے سے شہوت ہوتی ہو اُس کو چہرہ کا دیکھنا بھی نہ چاہیئے مگر حاکم گواہ اور نکاح کا پیام دینے والا یعنے جو اس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو۔ وہ اگر چہرہ دیکھے تو مضائقہ نہیں) اور طبیب کو بیماری کی جگہ دیکھنا درست ہے مرد کو تمام بدن سوائے برہنگی (یعنے ناف سے زانو تک) کے مرد کا دیکھنا جائز ہے اور عورت کا دیکھنا مرد اور عورت کے چہرہ اور سر اور سینے اور پنڈلیوں اور بازوؤں کو دیکھ سکتا ہے مگر پیٹھ اور پیٹ اور زانوؤں کو دیکھنا درست نہیں جن اعضا کا دیکھنا جائز ہے اُنکو ہاتھ لگانا بھی درست ہے۔ غیر کی مثل محرم عورت کے ہے۔ یعنے اس کے سر اور بازو وغیرہ دیکھنا درست ہے) اور اگر اس کے خریدنے کا ارادہ ہو تو جن اعضا کو دیکھنا درست ہے انکو ہاتھ بھی لگا دے۔ گو شہوت ہو جب لونڈی بالغ ہو جاوے تو اس کو صرف ایک تہمد بندھا کر مردوں کے سامنے نہ آنے دیں (بلکہ اوپر کوئی کپڑا ضرور ہونا چاہیئے) اور خصی اور آلت کٹا ہوا اور ہیجڑا مردوں میں شمار ہیں (یعنے دیکھنے اور ہاتھ لگانے میں جو مردوں کو جائز ہے وہ ہی اُن کو بھی درست ہے) عورت کا غلام مثل اجنبی مرد کے ہے (یعنے عورت کو اس سے بھی پردہ ضرور ہے) مرد کو اپنی لونڈی سے بدون اجازت اور بی بی سے اُس کی اجازت کے ساتھ عزل درست ہے

فصل

عورت کے رحم کو صاف کرلینے کے بیان میں جس شخص کی ملک مین کوئی لونڈی آئے تو اسکو اس کے ساتھ صحبت کرنا اور ہاتھ لگانا اور اُس کی شرم گاہ کو شہوت سے دیکھنا درست نہیں جبتک کہ اُس کو ایک حیض نہ آچکے ایک شخص کے پاس دو بہنیں اسکی لونڈیاں ہیں اور اُس نے دونوں کا بوسہ شہوت سے لیلیا تو اب اُن کو اُن میں سے کسی کے ساتھ صحبت کرنی یا لوازم صحبت کرنے (مثلاً مساس یا گلے چمٹانا) حرام ہے جبتک کہ ایک کی شرمگاہ کو اپنے اوپر حرام نہ کرے (یعنی جبتک ایک کو اپنی ملکیت سے باہر

کو بھی ایسا ہی ہے) مرد اپنی بی بی اور لونڈی کے مقام مخصوص کو دیکھ سکتا ہے۔ اور محرم عورت

یعنے صحبت کیوقت انزال باہر کرنا لونڈی سے بلا اجازت اور بی بی سے باجازت درست ہے۔

۱؎ یہ حکم ہر زمانہ کے لئے ہے مگر اس سے پہلا حکم کہ اگر شہوت نہ ہوئی ہو تو آزاد اجنبی عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے یہ اگلے زمانہ کے لئے تھا۔ اور اس زمانہ مین جوان اجنبی عورت کا چہرہ دیکھنا مطلقاً جائز نہیں شہوت ہو یا نہ ہو سوائے ضرورت کے وقت کے کیونکہ اسمیں فتنہ کا خوف ہے نہ یہ کہ چہرہ ستر ہے اور مختار اور شامی وغیرہ نے اسکی تصریح کی ہے ۱۲ ۲؎ لیکن اگر عورت کو شہوت موجود ہو یا شہوت کا گمان غالب ہو یا شک ہو تب بھی مستحب ہے کہ مرد کیطرف نہ دیکھے آنکھیں نیچی کرے ۱۲ ۳؎ امام محمد رح سے روایت ہے۔ کہ اگر بالغ نہ ہوئی ہو بلکہ شہوت کے قابل ہو اور اتنی بڑی لڑکی کی صحبت کیجاتی ہو تو وہ بھی مثل بالغہ کے ہے اس حکم میں ۱۲ ۴؎ کیونکہ بی بی کا حق جس طرح صحبت کرنے میں ہے اسی طرح کا ہے میں بھی اور باہر انزال کرنے میں کمی ہو گئی ہے لہذا صاحب حق کی اجازت ضرورت ہے بخلاف لونڈی کے کہ اُس کا صحبت ہی میں کوئی حق نہیں ۱۲

نکردے، مثلاً دوسرے کے ہاتھ بیچدے یا ہبہ کردے یا کسی کے ساتھ اُس کا نکاح کردے یا آزاد کردے تب تک دوسرے سے صحبت نہ کرے۔[۱] مرد کو مرد کا بوسہ لینا اور معانقہ کرنا ایک تہمد باندھے ہوئے مکروہ ہے اور اگر تہمد پر کرتا بھی پہنے ہو تو درست ہے جیسے ہاتھ ملانا جائز ہے **فصل**۔ بیع اور غلہ بھرنے اور اجارہ وغیرہ کے بیان میں۔ آدمی کے پاخانہ کا بیچنا مکروہ ہے مگر گوبر اور لید کی بیع مکروہ نہیں۔ اگر بکر نے عمرو سے کہا کہ یہ لونڈی زید کی ہے اور اُسنے اسکے بیچنے کیلئے مجھے وکیل کیا ہے تو عمرو کو اُس کا خریدنا جائز ہے گواہوں کی گواہی پر خرید کو موقوف نہ رکھے (کہ وکالت ثابت ہو تو خرید کروں) اگر زید کا قرضہ عمرو کے ذمے ہے اور دونوں مسلمان ہیں اور عمرو کافر ہے تو شراب بیچکر وہ قرضہ ادا کیا تو زید کو شراب کا دام قبضہ میں لینا مکروہ ہے اور اگر عمرو کافر ہے تو شراب بیچکر اگر قرضہ ادا کرے تو زید کو دام لینے مکروہ نہیں آدمیوں کی غذا مثل گیہوں وغیرہ کے اور جانوروں کی کی غذا مثل بھس وغیرہ کے گرانی کی نیت سے ایسے شہر میں بند رکھنا مکروہ ہے جہاں بند رکھنے سے لوگوں کو تکلیف ہو لیکن اپنی زمین کا غلہ بند کر رکھنا یا دوسرے شہر سے تجارت کے لیئے لاکر روک رکھنا مکروہ نہیں۔[۲] حاکم اپنی طرف سے نرخ مقرر نہ کرے مگر جس صورت میں کہ غلہ فروش نہایت گراں کردیں اُسوقت نرخ مقرر کرنا درست ہے، شراب بنانے والے کے ہاتھ شیرہ بیچنا جائز ہے اور نواح شہر میں گھر کا کرایہ دینا۔ کہ کرایہ دار اُسمیں آگ کو پوجے یا یہودی خواہ نصرانی اس کو اپنی عبادت گاہ مقرر کریں یا اُس میں شراب بکا کرے درست ہے (اور نواح کی قید اسلیئے ہے کہ خاص شہر کے اندر یہ امور ہونے بادشاہ کیطرف سے ممنوع ہونے چاہیئں اسلیے یہ باتیں شہر کے باہر ہی ہوں گی تو اُن کے لیئے وہاں مکان کرایہ دینا جائز ہے)[۳] ذمی کی مزدوری کرنی شراب اٹھانے کے لئے جائز ہے (اور صاحبین رح کے نزدیک مکروہ ہے) شہر مکے کے مکانوں کی عمارت اور زمین کا بیچنا اور قرآن مجید میں دس آیتوں پر عب یا ی کا) کرنا اور اسکے حروف پر نقطے اور اعراب لگانے اور سونے چاندی سے اُسکو مزین کرنا اور ذمی کا مسجد کے اندر آنا اور ذمی کی

---

[۱] کیونکہ جسطرح دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا ناجائز ہے اسی طرح صحبت کرنے میں بھی دو بہنوں کو جمع کرنا ناجائز ہے اور اس صورتمیں لونڈی ہونیکی وجہ سے نکاح میں تو جمع نہیں ہوئی مگر صحبت میں جمع ہو گئیں کیونکہ شہوت سے بوسہ لینا یا چھو لینا یا فرج کی طرف نظر کرنا یہ سب حکم میں قائمقام صحبت کے ہیں پس جو صحبت کا حکم ہوگا وہ ان کا ہوگا لہذا طریقوں مذکورہ میں سے کسی ایک طریق پر دونوں میں سے ایک کو اپنے اوپر حرام کرلے تب دوسری حلال ہوگی ورنہ نہیں ۱۲ [۲] یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے اپنے شہر سے پیدا ہو یا دوسرے شہر سے لاکر روکے اور امام محمد کے نزدیک اگر اتنے دور کے شہر سے لاکر روکا ہے کہ جہاں سے لادکر عادتاً لوگ نہیں لاتے ہیں تو مکروہ نہیں ہے ۱۲ [۳] یہ امام صاحب کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک ان امور کیلئے کرایہ دینا ناجائز ہے اس لئے گناہ پر اعانت ہے اور شمس الائمہ سرخسی اور فخر الاسلام رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے ۱۲

بیمار پرُسی کرنی اور چوپایونکو بدھیا کرنا اور گدھوں کو گھوڑیوں پر خچر کی نسل کیلئے ڈالنا اور ماذون غلام تاجر کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کی ضیافت ماننی اور اُس سے سواری کا جانور مانگ لینا یہ سب باتیں جائز ہیں اگر غلام ماذون کسی کو کپڑا پہننے کو دے یا ہدیہ میں روپیہ اشرفی بھیجے تو مکروہ ہے خصیہ نکلے ہوئے آدمی کو زنانہ مکان میں آنے دینا اور یوں دعا مانگنی کہ الٰہی عرش پر اپنی عزت کے انعقاد کی جگہ کے طفیل سے کام کردے یا یوں دعا کرنا کہ الٰہی بحق فلاں یہ کام کردے مکروہ ہے شطرنج کھیلنا اور گوٹوں سے کھیلنا اور تمام کھیل مکروہ ہیں اور غلامی کا نشان مثل لوہے کے طوق وغیرہ کے غلام کے گلے میں ڈالنا مکروہ ہے مگر اس کو قید کرنا درست ہے۔ دوا کیلئے حقنہ کرنا اور قاضی کا روزینہ بیت المال میں سے مقرر کرنا اور لونڈی اور ام ولد کو بدون محرم سفر کرنا اور جو چیزیں بچہ کے لئے ضروری ہوں اُنکو اُسکے چچا خواہ ماموں کا مول لینا یا بیچ ڈالنا جائز ہے اسیطرح جو شخص کوئی بچہ پڑا ہوا پائے وہ بھی بچہ کی ضروریات کی بیع وشرا کر سکتا ہے بچہ کو کسی کا مزدور کرانا یا نوکر رکھانا صرف ماں باپ کو جائز ہے دوسرے کو اختیار نہیں۔

کتاب احیاء الموات

اسمیں ویران زمین کے زراعت کرنے کا بیان ہے مُوات اُس زمین کو کہتے ہیں جسمیں کھیتی پانی کے نہ ہونے یا پانی کی کثرت کے باعث نہو سکے اور زمین بستی سے دور ہو کر چلانے کی آواز وہاں سے بستی میں نہ پہنچے اور کسی کی ملک نہو پس ایسی زمین کو اگر کوئی شخص بادشاہ کی اجازت سے اُٹھائے (یعنی کھیتی کے قابل کرے) تو وہ زمین اُسی کی ہو جاتی ہے۔ اگر مُوات زمین کے گرد کوئی پتھروں کی مینڈھ باندھ دے (یا کوئی نشان خندق وغیرہ کا کردے) تو اس سے اُس کا مالک نہ ہوگا اور آبادی کے قریب زراعت کے قابل کرنا جائز نہیں (یعنے زراعت کرنے سے اس کا مالک نہوگا) ویران زمین میں اگر شخص کنواں کھدوا دے تو کنوئیں کے سب طرف سے

[1] ذمی کے مسجد میں داخل ہونے کے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک کافروں کو مسجد میں نہ داخل ہونے دینا چاہیئے کیونکہ وہ اکثر جنبی ہوتے ہیں اُن کا غسل کرنا ایسا نہیں جو اس کو جنابت سے نکال سکے اور امام شافعی کے نزدیک کافر کو مسجد حرام کے اندر نہ داخل نہ ہونے دینا چاہیئے. کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے انما المشرکون نجس فلا یقربو المسجد الحرام بعد عامہم ھذا یعنی مشرک نجس ہیں پس اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آویں اور ہماری دلیل امام مالک کے مقابلہ میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ ثقیف کو مسجد میں اتارا تھا اس حال میں کہ وہ کافر تھے اور امام شافعی رح کا یہ جواب ہے کہ مشرکوں کے عقیدے نجاسات مراد ہے نہ جسم کی کیونکہ کوئی مشرک اچھی طرح نہاوے تو بھی اس آیت کا مصداق رہیگا اس کے بعد کلمہ پڑھ لے بصدق دل سو اب اس آیت کا مصداق رہیگا تو معلوم ہوا کہ اسکی نجاست کو کلمہ نے دور کردیا اور کلمہ عقیدہ کی نجاست کو دور کرتا ہے نہ جسم کی ورنہ جنبی کا کلمہ پڑھ لینا غسل سے کافی ہو جاتا اور مسجد حرام کے قریب نہ آئیں یعنی غلبہ کر کے نہ آویں یا جس طرح زمانہ جاہلیت میں ننگے ہو کر طواف کرنے آتے تھے اسطرح نہ آویں واللہ اعلم [2] احیاء کے معنی زندہ کرنا اور مُوات زمین مردہ یعنے ویران کو کہتے ہیں جس سے کچھ فائدہ نہ ہو ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ اللہ تعالےٰ

چالیس[1] گز اُس کا حق ہوگا اور چشمہ (یعنی تالاب وغیرہ) کا گرد چار طرف پانسو گز ہوگا) پس اگر کوئی شخص کنوئیں کے گرد چالیس گز کے اندر اور چشمہ کے گرد پانسو گز کے اندر دوسرا کنواں یا چشمہ بنانا چاہے تو اُسکو بنانے دینگے۔ بڑی نہر کا گرد وہ اُسقدر ہوتا ہے جو اُس کے مناسب ہو دریا برآورد زمین اگر ایسی ہو کہ پھر وہاں دریا نہ آویگا تو اُس کا حکم موات کا ہے۔ اور اگر احتمال دریا کے پھر آنے کا ہو تو موات نہیں۔ اگر موات زمین میں کوئی نہر کھودے تو اس کا گرد وہ کچھ نہوگا (یعنی صرف کناروں کی مٹی جس جگہ پڑی ہے وہی اس کا حق ہے اور کچھ نہیں) **فصل** پانی کے گھاٹ کے مسائل میں گھاٹ میں سے کھیتی اور جانوروں کے لیئے حصہ اور باری ہونیکا نام شرب ہے۔ بڑی نہریں مثلاً دجلہ اور فرات اور گنگا جمنا کسی کی ملک نہیں اُن سے اپنی زمین کو پانی دینا اور وضو کرنا اور پینا اور پنچکی قائم کرنی اور ان میں سے نہر کھود کر اپنی زمین لانی بشرطیکہ عام لوگوں کا ضرر نہو ہر شخص کو اختیار ہے اور نہریں کہ کسی کی ملک ہوں اُن سے اور کنوؤں اور حوضوں سے ہر شخص کو پانی پینے اور اپنے جانوروں کو پانی پلانے کا اختیار ہے مگر زمین کے سینچنے کا اختیار نہیں اور اگر بیلوں کی کثرت سے نہر کے خراب ہونے کا خوف ہو تو ان کو پانی پلانے سے مالک روک سکتا ہے اور پانی جو مٹکے وغیرہ میں رکھا ہوا ہو اُسکو بدون اجازت مالک کے کام میں لانا درست نہیں۔ اور چھوٹی نہروں کا صاف کرنا جو کسی کی ملک نہوں بیت المال میں سے چاہیئے اور اگر بیت المال میں خرچ صفائی کا نہو تو لوگوں سے اُسکے لیئے بزور لینا چاہیئے اور نہر جو کسی کی ملک ہو اُس کی صفائی اس کے ذمے لازم ہے اگر مالک انکار کرے تو بزور اس سے صفائی کرائی جائے اور مشترک نہر کے کوڑے وغیرہ نکالنے کا خرچ شریکوں کے ذمے ہے نہر کی اوپر کی جانب سے یعنے شروع منبع کی طرف سے ہوگا پس جس شریک کی زمین سے نہر آگے بڑھ جاوے گی وہ صفائی کے خرچ سے بری ہو جائے گا اور جو آدمی اور جانور ایسی نہروں سے پانی پیتے ہوں اُن پر اُن کا صاف کرنا لازم نہیں گھاٹ پر اپنے پانی لینے کا دعوےٰ کرنا بدون زمین کی ملکیت کے بھی درست ہے کچھ لوگوں میں ایک نہر مشترک ہے اور وہ اُس سے پانی لینے جھگڑا کریں تو نہر مذکور میں ہر ایک شریک

---

[1] اور امام محمد سے مروی ہے کہ جس قدر استحقاق کنوئیں کے گرد حاصل ہوگا اتنا ہی نہر کے گرد بھی حاصل ہوگا یعنے چالیس ہاتھ اور فقہا نے کہا ہے کہ جب اسکا پانی زمین پر ظاہر ہو تو سکی حالت نہر جیسی ہے یعنی پانسو گز گرد حق ملیگا ۱۲ [2] کیونکہ انسان کو بسا اوقات پیاس معلوم ہوتی ہے اور وقت اور ہر جگہ پانی لاد پھرے یہ ممکن نہیں اور اسی طرح اس کی سواری اونٹ گھوڑے وغیرہ کا حال ہے پس ان کے پینے کی اجازت ہونا ضرور ہے اور اگر روکا جائیگا تو اس میں بڑا حرج ہے جسکو شرع نے برابر دفع کیا ہے ۱۲ [3] کیونکہ اس کا نفع عام لوگوں کو پہنچتا ہے پس اس کا حرج عام لوگوں کے مال یعنی بیت المال سے ہونا چاہیئے اور خراج وجزیہ کی آمدنی اس میں خرچ کرنا چاہیئے نہ عشر وزکوٰۃ کی کیونکہ یہ مسکینوں کا حق ہے اور وہ ایسی ضرورتوں کے لئے ہے ۱۲ -

کا حصّہ اُتنا ہوگا جتنی اُس کی زمین ہی اور وہ مشترک رہیگی، شریکوں میں سے کسیکو اختیار نہو گا کہ نہر مشترک میں سے دوسری نہر اپنی زمین میں کھود لاوے یا اُسپر پن چکی لگاوے یا رہٹ یا چرخہ سے پانی لیوے یا اُسپر پل باندھے یا نہر کے ہانے کو چوڑا کرے یا پانی کی تقسیم دونوں کے اعتبار سے کرے اور پہلے قلابون کے اعتبار سے ہو چکی ہو یا اپنے حصّہ کا پانی اس نہر کا اپنی دوسری زمین میں لیجاوے جس کا پانی دینا اس نہر میں سے نہوتا ہو اور یہ امور اگر شرکا کی رضامندی سے کرے تو مضائقہ نہیں بدون رضامندی کسیکو اختیار انکا حاصل نہیں، پانی دینے کا حق میراث میں وارث کو پہنچتا ہی اور بعضیہ اس سے نفع لینے کی وصیت دوسرے کو کر دینی (کہ میرے بعد تو کام میں لائیو) درست ہے۔ مگر مگر اس حق کا بیچنا اور ہبہ کرنا درست نہیں اگر ایک شخص نے اپنے کھیت کو پانی سے بھرا اور اس کے ہمسایہ کی زمین کو ضرر ہوا یا ڈوب گئی تو اُسپر اُس زمین کا کچھ تاوان دینا نہ آوے گا۔

کتاب الاشربۃ

اسمیں شرابوں کا ذکر ہے، شراب شریعت میں اُس چیز کا نام ہی جو نشہ کرے چار طرح کی شرابیں حرام ہین اوّل خمر یعنے انگور کا کچا پانی جب جوش مارنے لگے اور اسپر جھاگ آجاویں تو اسمیں سے تھوڑا اور بہت حرام ہو جاتا ہے اور دوسری شراب طلا ہے کہ انگور کو نچوڑ کر اتنا پکاویں کہ ایک تہائی سے زیادہ رہجاوے اور باقی جلجاوے تیسری شراب کا نام سکر ہے کہ تر چھوہارون کو پانی میں بھگو دیا اس کچے پانی کو سکر کہتے ہیں، چوتھی شراب نقیع زبیب ہے یعنے کشمش کو پانی میں تر کر کے بدون پکائے رہنے دیا یہ تینوں پچھلی قسمیں اگر اُٹھ جاویں اور کڑی ہو جاویں تو حرام ہیں اُن کی حرمت خمر کی نسبت کم ہے یعنی ان تینوں کو اگر کوئی حلال جانیگا تو کافر نہو گا بخلاف خمر کے (کہ اس کا حلال جاننے والا کافر ہے) اور چار قسمیں حلال ہیں ایک یہ کہ خشک چھوہارے خواہ کشمش پانی میں تر کر کے اُس پانی کو جوش خفیف دیا جاوے تو یہ پانی اگرچہ اُٹھ کھڑا ہو مگر اُسمیں سے اسقدر پینا کہ نشہ نہ لاوے جائز ہے اور خوشی اور کھیل کیلئے یہ بھی درست نہیں دوسری قسم یہ ہے کہ خشک چھوہاروں اور کشمش کو جدا تر کر کے دونوں کا پانی

ا؎ اجیٹ اگر شریک اروں کی اجازت اور مرضی سے لگاوے تو مضائقہ نہیں مگر اسے حق نہیں حاصل ہے کیونکہ نہر کا کنارا ٹوٹ جائیگا اور شرکت کی زمین پر عمارت بنائی جائے گی جسمیں دوسرے شریک والے انکو نقصان پہنچیگا اور اگر نقصان نہ پہنچے نہر کو نہ پانی کو جیسے عمارت اپنی ذات خاص کی زمین پر بنالے اور پانی کے جاری رہنے میں کچھ فرق نہ آوے تو شرکا کی بلا اجازت ہی ۱۲ ۲؎ کیونکہ تاوان تو زیادتی کرنے سے دینا پڑتا ہے اور اسنے کچھ زیادتی نہیں کی اپنی زمین میں پانی بھرا ہے لیکن اگر اپنی زمین کی حیثیت سے زائد پانی بھر لیگا اور اس سے دوسرے کھیت والونکو نقصان پہنچیگا۔ تو تاوان دینا پڑیگا ۱۲ ۳؎ یعنے ان میں جوش آکر جھاگ آجائے اور تیزی آجاوے تو حرام ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

ملاکر جوش خفیف کے بعد رکھ چھوڑیں یہانتک کہ اٹھ کھڑا ہو تیسری یہ کہ شہد یا انجیر یا گیہوں یا جو یا چینا پانی میں تر کرکے رکھ چھوڑیں جوش دیں یا نہ دیں اور پھر پانی اٹھ کھڑا ہو چوتھے یہ کہ انگور کے عرق کو اتنا پکادیں کہ دو تہائی اُڑ جائے بعد اس کے رکھ چھوڑیں کہ اٹھ آوے اور ان چار قسموں میں امام شافعی رح کا اختلاف ہی انکے نزدیک نشہ آور چیزیں حرام ہیں اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ چارون اگر نشہ نہ کریں اور کھیل اور ترنگ کی راہ سے نہ پائی جاویں تو حرام نہیں یعنی مرض میں انکا استعمال کرنا درست ہے کہ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہی حُرِّمَ الْخَمْرُ بِعَيْنِهَا وَالسُّكْرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ یعنی خمر تو خود حرام ہی اور باقی شرابوں کا نشہ حرام ہی اس حدیث کو اوروں نے مرفوع[1] روایت کیا ہے اور نسائی نے ابن عباس رض پر موقوف روایت کیا ہی اکدو کے تونبے اور شراب کے کوزے اور مزفت[2] اور نقیر[3] میں نبیذ بنانا یعنے پھلوں وغیرہ کا پانی ان برتنوں میں رکھنا حلال ہے شروع اسلام میں ان برتنوں میں نبیذ بنانا حرام ہو گیا تھا اس لئے کہ یہ برتن شراب کے ہوتے تھے بعد اسکے حرمت منسوخ ہوئی کہ برتن کی جہت سے حرام نہیں بلکہ حرمت کا سبب نشہ ہی اگر شراب خود بخود سرکہ ہو گئی یا کچھ ڈالکر سرکہ بنا لیا تو اس کا کھانا جائز ہی شراب کی تلچھٹ کا پینا اور اسمیں تر کرکے کنگھی کرنی جیسے بعض عورتوں کی عادت ہی مکروہ ہی اور جو شخص تلچھٹ پیوے اُسپر حد نہ ماریجاوے جب تک کہ مست نہ ہو

کتاب الصید

اسمیں شکار کرنے کے مسئلے ہیں شکار کرنا سکھلائے ہوئے کتے اور چیتے اور باز اور سب سکھائے ہوئے شکاری جانوروں سے حلال ہی شکار کرنے میں تین باتیں ضروری ہیں اول تو جانور شکاری کی تعلیم اور کتے کا تعلیمیافتہ ہونا یہ ہی کہ شکار کو پکڑے خود نہ کھانے لگے جب تین بار ایسا کرے تو وہ تعلیمیافتہ ہو گیا اور باز کی تعلیم یہ ہے کہ بُلانے سے پھر آوے دوسری بات یہ ہے کہ جب شکار پر جانور چھوڑا جائے اُسوقت بسم اللہ کہہ کر چھوڑے تیسرے یہ کہ شکاری جانور کے کسی جگہ میں زخم کرے اگر شکار پکڑ کے باز خود کھانے لگے تو اس شکار کو کھانا جائز ہے اور اگر کتا یا چیتا کھانے لگے تو اسکا درست نہیں[4] اگر شکار کھیلنے والا اُسکا کو زندہ پاوے تو اسکو ذبح کرے اگر زندہ

[1] مرفوع اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس کی سند حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی ہو یعنے راوی حضور کا قول یا فعل بیان کرے اور موقوف وہ حدیث ہو کہ صحابی تک اسکی سند پہنچی ہو یعنے صحابی کا قول یا فعل منقول ہو اور جب صحابی سے ایسی باتیں منقول ہوں جسمیں اجتہاد وقیاس کی گنجائش نہیں تو وہ حدیث اگرچہ موقوف ہو لیکن حکماً مرفوع ہوگی۔ اس لئے کہ ظاہر ہی صحابی نے حضور سے سنا ہوگا ۱۲ [2] مزفت اس برتن کو کہتے ہیں جسکو رال سے لیپا ہو اور نقیر اسکو کہتے ہیں جو لکڑی کھود کر بناتے ہیں ۱۲ [3] کیونکہ اس کے خود کھانے سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ وہ تعلیم بھول گیا کیونکہ اسکے تعلیمیافتہ ہونیکی علامت یہی تھی کہ خود نہ کھائے بخلاف باز کے کہ اسکا کھانا اسکے تعلیمیافتہ ہونیکی علامت نہیں جو کھالینے سے غیر تعلیمیافتہ سمجھیں ۱۲

ملنے کی صورت میں ذبح نہ کریگا تو وہ شکار حرام ہوجائے گا۔ اور یہی حال ہے اگر کتا شکار پر زخم نہ لگاوے بلکہ گلا گھونٹ کر مار ڈالے یا شکاری کتے کیساتھ بدون تعلیم کیا ہوا کتا یا کسی کافر غیر کتابی کا کتا یا ایسا کتا جس کے چھوڑتے وقت شکاری نے قصداً بسم اللہ نہ کہی ہو شکار مارنے میں شریک ہوگیا تو شکار حرام ہوجائیگا اگر ایک مسلمان نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا پھر اسکو کسی مجوسی نے ہلکارا اور کتے نے ہلکار سے تیز ہوکر شکار مار لیا تو یہ شکار حرام ہوگا اور اگر کتے کو کسی نے نہیں چھوڑا تھا بلکہ وہ آپ ہی شکار پر چلا تھا پھر اسکو کسی مسلمان نے ہلکار دیا اور اس نے چستی کرکے شکار مارا تو یہ شکار حلال ہوگا اگر مسلمان بسم اللہ کہکر شکار کے تیر مارے اور تیر سے وہ شکار زخمی ہوجائے تو اس کا کھانا درست ہوگا اور اگر شکار کو زندہ پاوے تو ذبح کرلے اور باوجود زندہ ملنے کے اگر ذبح نہ کریگا تو حرام ہوجاویگا اگر شکار کے تیر لگا اور تیر کھاکر وہ غائب ہوگیا اور شکاری اسکو ڈھونڈھتا رہا پھر زخمی مرا ہوا ملا تو حلال ہے اور اگر تیر مارنے کے بعد شکاری نے اس کی جستجو نہ کی اور بیٹھ رہا اور پھر وہ شکار مردہ پایا تو حلال نہ ہوگا اگر شکار کے تیر لگا اور وہ پانی میں گر گیا یا کسی چھت پر پہاڑ پر گرا پھر وہاں سے زمین پر گر کر مرگیا یا غلہ اور گولی سے شکار مارا تو حرام ہوگا اگر شکار کے تیر مارا اور اس سے کوئی عضو اس کا جدا ہوگیا تو شکار کھایا جاویگا اور وہ عضو نہیں کھایا جائیگا اور اگر شکار کو دو ٹکڑے اس طرح کیا کہ تہائی سر کی طرف اور دو تہائی دھڑ کیطرف ہوں تو سارا شکار کھایا جاویگا مثلاً اگر ہرن کو تلوار سے مارا اور اس کے ایسے دو ٹکڑے ہوئے کہ تہائی سر کیجانب رہی تو سب کا کھانا درست ہے اور اگر ٹکڑے ایسے ہوں کہ سر کیجانب آدھے سے زیادہ ہے اور چوتڑوں کیطرف کم رہے تو اس صورت میں چوتڑوں کیطرف کا حصہ نہ کھایا جاوے گا۔ اور مجوسی اور بت پرست اور مرتد کا مارا ہوا شکار حرام ہے اس لئے کہ ان کا ذبیحہ درست نہیں اگر زید نے شکار کے تیر مارا مگر وہ سست نہ ہوا پھر اسکے عمرو نے تیر مارا اور شکار مرگیا تو وہ شکار عمرو کا ہوگا اور اس کا کھانا حلال ہوگا۔ اور اگر زید کے تیر سے شکار ڈھیلا پڑ گیا اور پھر عمرو کے تیر سے مرگیا تو شکار زید کا ہوگا

۴ تو وہ حرام ہوگا اور اگر اول ہی زمین پر گر کر مرجائیگا تو حلال رہیگا اگر تیر کو لکڑی کی طرح مارا اور شکار مرگیا

سلہ یعنے مجوسی بت پرست کا کتا کیونکہ اگر کتابی یعنے اہل کتاب یعنی یہودی اور نصرانی کا کتا ہوگا تو یہ حکم نہ ہوگا کیونکہ کتا چھوڑنا مانند ذبح کرنے کے ہے اور یہودی و نصرانی کا ذبیحہ جائز ہے نہ مجوسی بت پرست کا پس مجوسی کے چھوڑے ہوئے کتے کا شکار حرام ہوگا ۱۲ سلہ۲ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکروہ فرمایا اس شکار کے کھانے کو جو شکاری کی نظر سے پوشیدہ ہوکر مرا ہو کیونکہ شاید کسی دوسرے موذی جانور نے ہلاک کر ڈالا ہو چونکہ شکار میں عام طور سے یہ اتفاق ہوتا ہے کہ شکار بھاگ کر شکاری کی نظروں سے غائب ہوجاتا ہے اس لئے جب تک شکاری اسکی تلاش میں رہیگا اسے نظروں کے سامنے ہی حکماً سمجھیں گے اور مالکؒ کے نزدیک رات گذر گئی ہے تو حرام ہے ورنہ حلال ۱۲ سلہ۳ اور امام شافعیؒ کے نزدیک وہ عضو بھی حلال ہے کیونکہ ذبح اضطراری سے الگ ہوا ہے جیسا کہ ذبح اختیاری سے الگ ہوجاوے اور وہ حلال رہتا ہے ۱۲
مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

اور اس کا کھانا حرام ہوگا اس لئے کہ جب شکار مضمحل ہوگیا تھا تو چاہیے تھا کہ اسکو ذبح کرتا چونکہ مار ڈالا اسلئے حرام ہوگیا اور عمرو[1] اس شکار کے دام زید کو دیوے مگر اس کی قیمت میں سے اسقدر دام مجرا کرلے جو زید کے تیر کے زخم سے اسمیں نقصان ہوا ہو۔ شکار کرنا سب جانوروں کا درست ہے خواہ گوشت ان کا کھایا جاتا ہو یا نہو اس لئے کہ جن کے گوشت سے نفع نہیں اُن کی ہڈی اور چمڑے سے نفع ہوسکتا ہے۔

كتابُ الرَّہن

اسمیں گرو کرنے اور رکھنے کا بیان ہے کسی کے حق کے عوض میں مثل قرض وغیرہ کے ایسی چیز کے روک رکھنے کو رہن[2] کہتے ہیں جس سے روکنے والا اپنا حق وصول کرسکے اس سے یہ نکلا کہ حد و قصاص کے عوض میں اگر گرو کر دیوے گا تو درست نہ ہوگا اسلیے کہ گرو کی چیز سے حد و قصاص کا ملنا ممکن نہیں گرو کرنیوالیکو راہن کہتے ہیں اور جو گرو رکھتا ہے اُسے مرتہن بولتے ہیں اور گرو کی چیز کو مرہون۔ یہ معاملہ ایجاب قبول اور راہن کی چیز پر مرتہن کے قابض ہو نیسے لازم ہوجاتا ہے مگر مرہون چیز تقسیم کی ہوئی اور راہن کے تصرف اور ملک سے خالی چاہیے اگر راہن نے مرہون چیز کو اپنی ملک اور تصرف سے خالی کرکے مرتہن کے سامنے کر دیا اس طرح کہ وہ اس کو لے سکے یا بائع نے مبیع کو مشتری کے سامنے اسی طرح رکھدیا تو یہ صورت قبضہ کرنے میں داخل ہے راہن کو اختیار ہے کہ اگر مرتہن نے شے مرہونہ پر قبضہ نہ کیا ہو تو اپنے عقد رہن سے رجوع کرے یعنی اپنی چیز ہٹا لے اور گرو نہ رکھے اور مرہون چیز اگر مرتہن[3] کو دینا آویگا یعنی اگر قرض کی مقدار کم ہوگی تو وہ دینی آویگی اور اگر اُس شئے کی قیمت کم ہووے تو اتنی ہی دینی آویگی اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس صورت میں مرہون چیز ہلاک ہو اور اس کی قیمت اور راہن کے ذمے جو قرضہ مرتہن کا چاہیے دونوں کی تعداد برابر ہو تو اس صورت میں مرتہن اپنا روپیہ بھر چکا کہ جتنا اس کا راہن کے ذمے تھا اتنا ہی راہن کی چیز کا اسکے ذمے ہوگیا اور اگر مرہون چیز کی قیمت قرض ذمگی راہن سے زیادہ ہو تب بھی اپنا

صکے پاس سے جاتی رہے تو اس کی قیمت اور قرض ذمگی راہن میں سے جونسا کم ہوگا اتنا تاوان مرتہن

[1] لیکن اگر زید کے تیر سے شکار اس نوبت کو پہنچگیا تھا کہ کسی طرح جانبر نہ ہوسکتا اور صرف اتنی دیر زندہ تھا کہ ذبح کیا ہوا جتنی دیر زندہ رہتا ہے تو کھانا اس کا حلال ہے کیونکہ زید کا تیر کاری تھا تو اس کے بعد عمرو کے تیر کا کچھ اعتبار نہیں۔ [2] یہ تعریف شرعی ہے اور لغت میں کسی چیز کے روک رکھنے کو مطلقاً رہن کہتے ہیں اور یہ معاملہ شریعت سے مشروع ہے قرآن پاک میں فرھان مقبوضہ اور خود حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی سے طعام خرید کیا تھا اور اس کے عوض میں اپنی زرہ رہن رکھی تھی اور اس کے جواز پر امت کا اجماع ہے ۱۲ [3] امام شافعی رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک شئی مرہونہ مرتہن کے پاس امانت سمجھی جائیگی پس اگر مرتہن کے پاس ہلاک ہوگئی تو کچھ تاوان نہ دینا پڑیگا جیسا کہ امانت کا حکم ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

حق پا چکا اور جسقدر قرض سے زیادہ کی چیز وہ تھی وہ زیادتی مرتہن کے پاس امانت ہے[1] یعنی اس کا تاوان کچھ نہ دینا ہوگا اور اگر قرض راہن کے ذمہ زیادہ ہوا اور مرہون کی قیمت کم تو اس صورت میں مقدار قیمت مرہون کی مرتہن گو پا چکا مگر باقی قرضہ راہن سے وصول کریگا مرتہن کو اختیار ہے کہ بعد رہن کے راہن سے اپنے قرضہ کا تقاضا کرے اور قرضہ کی بابت اسکو قید کرے غرضکہ رہن کے دینے سے یہ نہیں ہوتا کہ قرضخواہ مانگنا اور مواخذہ چھوڑ دے رہن کے چھڑانے میں مرتہن کو حکم ہوگا کہ مرہون چیز حاضر کرے[2] پھر راہن کو حکم ہوگا کہ قرضہ اسکا اول ادا کرے پھر اپنی چیز لے لے اور جبکہ مرہون چیز مرتہن کے پاس ہو اس کو اختیار ہے کہ راہن کو اس کے بیچنے سے روکدے جب تک کہ اپنا قرض راہن سے نہ بھر لے اور جب قرضہ وصول کر چکے تو مرہون کو اس کے حوالے کرے مرتہن کو مرہون چیز سے فائدہ لینا یعنے اگر غلام وغیرہ ہو تو اس سے کام لینا اور مکان وغیرہ ہو تو اس میں رہنا اور کپڑا ہو تو اسکو پہننا یا مرہون چیز کو مزدوری پر چلانا یا مانگے دینا درست[3] نہیں مرہون چیز کی حفاظت مرتہن اپنے آپ کرے یا اس کی بی بی خواہ لڑکا خواہ خادم جو اس کے متعلق ہو یعنی خوراک پوشاک وغیرہ اس کے ذمے ہو کرے اگر ان کے سوا کسی اور سے حفاظت کراویگا یا کسی کو بطور امانت سپرد کریگا اور کسی طرح کی زیادتی مرہون چیز پر کریگا اور وہ تلف ہو جاویگی تو مرتہن کو اس کی قیمت دینی آویگی جس گھر میں مرتہن چیز کی حفاظت کرے اس کا کرایہ اور محافظ کی تنخواہ مرتہن کے ذمے ہے اور مرہون چیز کے چرانیوالے کی اجرت اور اس کے کھانے پینے کا دام اور اگر زمین خراجی ہو اس کا خراج راہن کے ذمے ہوگی[4]

باب - اُن چیزوں کے بیان میں جن کا رہن کرنا اور جنکے عوض رہن کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے

غیر معین چیز کا بدون تقسیم رہن کرنا مثلاً یوں کہنا کہ اس گھر کا نصف یا تہائی گرو کرتا ہوں بدون تقسیم کے درست نہیں اسی طرح پھلوں کا گرو کرنا بدون درخت کے اور کھیتی کا رہن کرنا بدون زمین کے اور زمین بین کے درخت کو زمین کے گرو کرنا اور آزاد اور مدبر اور مکاتب اور ام ولد کو رہن کرنا درست

---

[1] کیونکہ مروی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہ المرتھن امین فی الفضل یعنے مرتہن شی مرہونہ کی اس مقدار میں جو اس کے قرض سے زیادہ ہے امانتدار ہے ۱۲ [2] لیکن اگر اپنا قرض ایسے شہر میں طلب کر رہا ہے کہ جہاں معاہدہ رہن نہیں ہوا تھا اور شی مرہون اس قبیل سے ہے کہ جس کے لیے مزدوری اور باربرداری کی ضرورت ہے تو مرہون چیز کے حاضر کرنے کی تکلیف نہ دیجاویگی کیونکہ اس میں اس کو زیادہ نقصان پہنچے گا [3] یہ باتیں نفع اٹھانے میں داخل ہیں اور اس کو نفع اٹھانے کا حق نہیں ۱۲ [4] پس اگر خراج مرتہن ادا کر دیگا تو راہن سے کچھ نہ پائیگا البتہ اگر راہن یا قاضی کی اجازت سے ادا کریگا تو راہن سے وصول کر لیگا کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہے قاضی کی اجازت گویا خود راہن کی اجازت ہے ۱۲

مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ اللہ تعالی

نہیں اور امانت کے عوض رہن کوئی چیز راہن کی گرو رکھنی[1] یا اس خوف سے کہ مبیع کسی اور کی نہ نکل آوے کوئی
چیز بائع کی گرو لینی یا مشتری نے ابھی مبیع پر قبضہ نہیں کیا تو بائع سے اس کی عوض کوئی چیز گرو کرنی درست
نہیں۔ رہن رکھنا اس قرض کے عوض میں درست ہے جو واجب الادا ہو گو اس کے ادا کا وعدہ دوسرے
وقت پر ہو اور اگر رب المال مضارب سے راس المال کی عوض کوئی چیز رہن رکھ لے تو درست ہے۔ اگر
بیع صرف میں ثمنیت کے عوض کوئی چیز گرو رکھ لے یا بیع سلم میں جس چیز سلم کی ہے اس کی قیمت کے
بدلے میں کوئی چیز گرو کر لے تو جائز ہے پس اگر ایسی صورتوں میں مرہون چیز ہلاک ہو جائے تو مرتہن اپنا
حق لیچکا۔ اب راہن سے کچھ نہ پاویگا باپ کو اختیار ہے کہ اپنے ذمے کے قرض میں اپنے نابالغ لڑکے کے غلام
کو رہن[2] رکھ لے چاندی سونے کو رہن رکھنا اور کیلی چیزوں کو مثل گیہوں اور جو وغیرہ کے اور وزنی
چیزوں کو مثل تانبے اور لوہے کے گرو رکھنا درست ہے اور اگر ایک جنس کو اسی کے عوض رہن رکھا اور
مرہون چیز جاتی رہی تو اسی قدر قرض میں مجرا ہو جاویگی اور کھرے کھوٹے کا اس میں اعتبار نہ ہوگا۔ یعنی مرہون
چیز اور جس کی عوض میں رہن ہوا ہے اگر دونوں ایک جنس ہوں تو کھرے کھوٹے ہونے کا فرق
دونوں میں نہ کرنا چاہیے اگر ایک شخص نے اپنا غلام فروخت کیا اس شرط پر کہ مشتری ثمن کے بدلے
میں ایک معین چیز بائع کے پاس رہن کر دے پھر مشتری نے اس چیز کے گرو رکھنے سے انکار کر دیا تو اب مشتری
پر زور نہ کیا جاوے گا کہ خواہی نخواہی گرو کر دے مگر بائع کو اختیار ہے کہ اگر مشتری ثمن نقد ادا کرے
یا اس شے کی قیمت جسکو رہن کرنا مشروط کیا تھا رہن کے اعتبار سے نہ دیدے تو بیع کو توڑ ڈالے اگر کوئی
مشتری بائع سے کہے جب تک میں تم کو دام دوں تم اس کپڑے کو رکھ لو تو وہ کپڑا رہن[3] ہو جائیگا۔ گو زبان سے
لفظ صریح رہن نہ کہا ہو۔ اگر دو غلاموں کو ایک ساتھ ہزار کے عوض میں گرو کیا تو یہ نہیں ہو سکتا کہ
راہن ان میں سے ایک حصہ کا روپیہ ادا کر کے اسکو پھیر لے جیسے یہ نہیں درست ہے کہ مشتری ثمن میں
سے کسیقدر ادا کر کے حصہ رسد مبیع کو لے لے اگر ایک شی معین کو دو شخصوں کے پاس رہن رکھا تو درست ہے
مگر تلف ہونے کی صورت میں تاوان دونوں پر بقدر حصہ ہر ایک کے قرضہ پر تقسیم ہوگا۔ پس اگر

---

[1] جیسے کسی کی پاس کوئی چیز امانت رکھائی یا کسی کو کوئی چیز مانگے دی یا مضاربت پر مال حوالہ کیا تو امانتدار اور مانگ کر لیجانیوالے اور مضارب کی کوئی چیز اپنے پاس رکھنا صحیح نہ ہوگا ۱۲ [2] کیونکہ باپ کو بچے کے مال کا کسی کے پاس امانت رکھ دینا جائز ہے۔ اس لئے کہ باپ پر بچہ کے مال کی حفاظت لازم ہے اور امانت رکھدینے میں حفاظت ہی ہے کیونکہ مرتہن تاوان دینے کے خوف سے حفاظت کریگا پس اگر بچہ بالغ ہو گیا اور باپ کا انتقال ہو گیا تو جبتک زر رہن ادا نکریگا شی مرہون واپس نکریگا ۱۲ [3] اور بعض لوگوں کے نزدیک یہ امانت ہے گا یہاں تک کہ اگر بائع کے پاس وہ کپڑا ہلاک ہو جائیگا تو کچھ تاوان نہ ہوگا اور ہمارے نزدیک رہن ہے کیونکہ زر ثمن کے بدلہ میں رکھا ہے پس ہلاک ہونے سے بائع پر تاوان ہوگا ۱۲ [4] مثلاً ایک شے دو آدمیوں کے پاس رہن رکھی تھی ایک سے سو روپیہ لئے اور دوسرے سے دو سو لئے تھے تو ہلاک ہونے پر سو روپیہ والے کو ایک ثلث تاوان دینا ہوگا اور دو سو والے کو دو ثلث

راہن نے دونوں میں سے ایک کا قرض ادا کردیا تو وہ چیز دوسرے کے پاس رہن رہیگی جس کا قرض ادا نہیں کیا ہے زید اور عمرو دونوں بکر کے غلام کے مدعی ہیں یعنی ہر ایک اس سے یہ کہتا ہے کہ اس غلام کو تونے میرے پاس گرو رکھا تھا اور میں نے اُسپر قبضہ کرلیا تھا اب تو ہٹا لایا ہے اور دونوں نے اپنے دعوے کے گواہ گذرانے تو دونوں کے گواہ باطل ہوجاوینگے بلکہ کسی کا دعوی ثابت نہوگا[1] اگر راہن دو مرتہنوں کے قبضہ میں غلام چھوڑ کر مرجاوے اور دونوں مرتہن گواہ بموجب بیان سابق گذرانیں یعنی ہر ایک یہی ثابت کرے کہ میت نے میرے پاس گرو رکھا ہے تو اس صورت میں وہ غلام دونوں کے پاس ان دونوں کے حق کے عوض آدھا آدھا رہن رہے گا

باب مرہون چیز کو قرضخواہ کے سوا کسی اور معتبر آدمی کے پاس رکھنے کے بیان میں

اگر راہن اور مرتہن مرہون چیز کو کسی دوسرے معتبر کے پاس رکھدیں تو درست ہے۔ اور دونوں سے کسی کو اس کے لینے کا اختیار نہوگا۔ اور اگر وہ چیز جاتی رہیگی تو اس کا تاوان مرتہن پر ہوگا یعنی اس کا قرضہ راہن کے ذمہ سے ساقط ہوجائیگا۔ اگر راہن قرضہ کی میعاد پوری ہونے پر مرتہن یا اس معتبر شخص کو یا کسی اور کو مرہون چیز کے فروخت کرنیکا وکیل کردے تو درست ہے اور اگر رہن کرتے وقت یہ وکالت ٹھیری ہو تو وکیل مذکور راہن کے موقوف کرنے سے اور اس کے مرنے سے اور مرتہن مرجانے سے معزول نہ ہوگا۔ بلکہ اس کی وکالت بدستور قائم رہیگی[2] وکیل کو مرہون چیز کا بیچنا راہن کے وارثوں کے پیٹھ پیچھے درست ہے۔ اگر وکیل مرجاوے تو اس کی وکالت باطل ہوجائیگی راہن اور مرتہن میں سے کسی کو مرہون چیز کے بیچنے کا اختیار بدون دوسرے کی رضامندی کے حاصل نہیں اگر مدت وعدہ کی پوری ہوجاوے اور راہن موجود نہ ہو تو اس کے وکیل پر شی مذکور کے فروخت کرنے کے لئے جبر نہ کیا جاویگا جیسے جوابدہی کے وکیل کا حال ہے۔ اگر موکل جوابدہی نہ کرے اور غائب ہوجاوے تو وکیل سے مقدمہ کی جوابدہی بزور کرائی جاویگی۔ اگر معتبر شخص نے اس شے کو بیچکر مرتہن کو اس کا دام دیدیا اب وہ مرہون چیز کسی اور کی نکلی اور معتبر شخص سے اُس کا

[1] اس لئے کہ دونوں گواہوں سے ثابت ہوا کہ کل غلام ایک کی طرف سے رہن ہو۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک حالت میں ایک غلام پورا دونوں کیطرف سے رہن ہو۔ اس صورت میں کسی کو نہ دلایا جاوے گا۔ ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی اور نہ نصف ہر ایک کو دلایا جائیگا کہ اس سے اشتراک لازم آئیگا تو ضرور ہوا کہ گواہ باطل کئے جائیں ۱۲ [2] کیونکہ جب معاملہ کے اندر شرط کردی تو اسی معاملہ رہن کے اوصاف اور حقوق سے اُس کا شمار ہوگا۔ کیونکہ یہ دین کو اور زیادہ مضبوطی دیتا ہے بس معاملہ کے اندر اس شرط کا اعتبار رہیگا۔ اور اس کے اُٹھا دینے کا اختیار نہ ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ اللہ تعالے۔

تاوان[1] لیا گیا تو وہ مرہون چیز کی قیمت یا راہن سے بھر لے یا مرتہن سے وہ دام وصول کرے جو اس سے مستحق کو دلوائے گئے ہوں۔ اگر غلام یا گھوڑا مرہون مرتہن کے یہاں مرجاوے اور وہ کسی دوسرے کا نکلے اور مالک راہن سے اس کی قیمت بھر لے تو اب یہ مرہون مرتہن کے قرض کے عوض مریگا یعنے مرتہن کو راہن سے اب کچھ نہ ملیگا اور اگر مالک مرتہن سے مرہون کا دام وصول کرے تو مرتہن یہ دام جو اُسنے مالک کو دیے اور نیز اپنا قرضہ راہن سے لیوے اس لئے کہ قرضہ ابھی ادا نہیں ہوا ہے۔

باب مرہون کے اندر تصرف کرنے اور اسمیں نقصان ڈالنے اور مرہون کے دوسروں کا نقصان کر دینے کے بیان میں۔

اگر راہن نے مرہون کو بیچ ڈالا تو یہ بیع مرتہن کی اجازت پر ملتوی رہیگی خواہ مرتہن کے قرض کے ادا کر دینے پر موقوف رہیگی یعنے اگر مرتہن اس بیع کی اجازت دیدے یا راہن مرتہن کا قرضہ ادا کر دے تو بیع جاری ہوجاے گی اگر راہن نے غلام مرہون کو آزاد کر دیا تو آزاد ہو جائیگا لیکن اگر قرضہ کی میعاد نہیں ہے تو راہن سے مرتہن کے قرضہ کا مواخذہ کیا جاویگا اور اگر قرضہ کی میعاد ہے تو راہن سے غلام مذکور کی قیمت لیکر مرتہن کے پاس غلام کے عوض رکھدیجائیگی اور اگر راہن مفلس ہو گا کہ غلام کی قیمت نہیں دے سکتا تو غلام مذکور اپنی قیمت یا مرتہن کا قرض دونوں میں سے جونسا کم ہو مرتہن کو کما کر دے اور جو کچھ مرتہن کو دیوے اپنے مالک یعنی راہن سے لیوے جس کی عوض مرتہن کو دیا تھا اور اگر راہن مرہون چیز کو تلف کر دے یا مار ڈالے تو اس کا حکم مثل آزاد کرنے کے ہے۔ اگر مرہون کو کسی اجنبی شخص نے تلف کر دیا تو مرتہن اس کی قیمت اجنبی سے وصول کرے[1] اور یہ قیمت مرتہن کے پاس رہن[2] رہیگی اگر مرتہن مرہون چیز راہن کو مانگے دیدے تو اس کے تاوان سے بری ہو جائیگا یعنی اگر وہ چیز ہلاک ہو جائیگی تو مفت میں راہن کی جائے گی ہاں اگر راہن پھر مرتہن کو دیدے تو مرتہن پر تاوان پھر آوے گا اور اگر راہن یا مرتہن نے ایک دوسرے کی اجازت سے مرہون چیز کسی کو مانگے دی تو اس کا تاوان مرتہن کے ذمہ نہ رہیگا اور دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ مانگنے والے سے اس کو واپس لے کر بدستور گرو رکھے

[1] یعنے مرہون چیز جسکو معتبر شخص نے بیچ ڈالا ہے کسی اور کی نکلی تو مالک کو اختیار ہے کہ درصورت ہلاک ہوجانے مرہون مبیع کے چاہے اس کا تاوان راہن سے لیوے اس لئے کہ اسکے حق میں غاصب کا حکم رکھتا ہے اس کی قیمت کا تاوان معتبر شخص سے لیو کہ اُسنے بیچکر اور سپرد کر کے اس کے حق میں تعدی کی ہے پس جب معتبر شخص سے اُس کا تاوان لیا جاویگا۔ تو معتبر شخص کو اختیار ہوگا کہ راہن سے اس کی قیمت بھر لے یا مرتہن سے وہ دام وصول کرے جو مستحق کو دیئے ہیں ۱۲ [2] کیونکہ مرتہن کا حق اس سے متعلق ہے پس مرتہن کی اجازت پر موقوف رہے گی اگرچہ راہن اپنی ہی ملک میں تصرف کر رہا ہے مگر دوسرے کا حق تو متعلق ہے ۱۲ [3] کیونکہ وہ قیمت مرہون شی کے قائمقام ہے اور اجنبی سے اس دن کی قیمت کا تاوان لیا جائیگا جو قیمت ہلاک کرنے کے دن تھی مثلاً رہن والے دن اسکی قیمت ایک ہزار تھی اور ہلاک کرنے کے دن پانسو رہ گئی۔ تو اجنبی سے پانسو لیے جائیں گے ۱۲ [4] بخلاف اس صورت کے کہ راہن نے مرتہن کی اجازت سے یا مرتہن نے راہن کی اجازت سے کسی اجنبی کو کسی سے

کرایہ پر دیا یا بیچ ڈالا یا ہبہ کر دیا تو رہن باطل ہو جائیگا اب اگر اسے پھر رہن میں لوٹانا چاہیگا تو بدستور گرو نہ ہوگا۔ بلکہ جدید عقد کی

اگر رہن کے لئے کسی سے کپڑا مانگے تو درست ہے لیکن اگر مالک مقدار اور جنس اور شہر کو معین کر دے مثلاً
کہدے کہ اس کپڑے کو دس روپیہ یا دس من گیہوں کے عوض یا فلاں شہر میں رہن رکھنا اور راہن مالک کے
کہنے کے بموجب نہ کرے تو مالک کو اختیار ہے چاہے اپنے کپڑے کے دام راہن سے لیوے خواہ مرتہن سے اور اگر راہن
مالک کے کہنے کے بموجب کرے اور وہ کپڑا مرتہن کے پاس جاتا رہے تو مرتہن تو اپنا دین بھر پاوے گا اور
راہن کو واجب ہوگا کہ جسقدر دین مرتہن کا اس کے ذمہ سے ساقط ہوا ہے اُس قدر حوالے مالک کے کرے
اور اگر مالک اپنا کپڑا مرتہن سے طلب کرے اور[1] راہن مرتہن کا قرض ادا کر چکا ہو تو مرتہن اس کے دینے میں
تامل نہ کرے راہن اور مرتہن اگر مرہون چیز کا نقصان کریں تو اُس کا تاوان دینا ہوگا یعنی اگر راہن اُسکو
تلف کر دیگا تو اُس کی جگہ اور چیز رہن کرنی پڑے گی یا مرتہن کا قرض ادا کرنا ہوگا اور اگر مرتہن اُس کو
تلف کریگا تو اُسکا دین ساقط ہو جائیگا۔ مرہون چیز اگر راہن خواہ مرتہن کا کچھ نقصان کر دے یا انکے مال
کو بگاڑ دے تو کچھ تاوان نہ ہوگا۔ اگر ہزار روپیہ کا غلام ہزار روپیہ کے عوض رہن رکھا اور روپیوں کے
ادا کا مدت پر وعدہ ٹھیرا اس اثنا میں غلام کی قیمت کم ہوکر سو روپیہ رہ گئی اب اس غلام کو کسی نے مار
ڈالا اور قاتل کو سو روپیہ تاوان دینے آئے اور مرتہن کے قرضہ کی میعاد پوری ہوگئی تو مرتہن سو
روپیہ قاتل سے اپنے حق میں وصول کر لے اور راہن سے کچھ نہ پاویگا اور اگر مرتہن راہن کی اجازت سے
اُسکو سو روپیہ کو بیچدے تو سو مشتری سے لیوے اور نو سو راہن سے طلب کرے اور اگر غلام
مذکور کو کوئی دوسرا غلام مار ڈالے جسکی قیمت سو روپیہ کی ہو اور غلام قاتل مقتول کے عوض میں مرتہن
کو ملجاوے تو راہن اس غلام کو تمام قرضہ کے عوض میں چھڑا لے یعنی قرض اس کے ذمہ ہو سب مرتہن
کو دیکر فک رہن کرے اگر راہن مر جاوے تو اُس کا وصی[2] مرہون کو بیچکر مرتہن کا قرضہ ادا کر دے اور اگر اُس کا
وصی کوئی نہ ہو تو قاضی ایک وصی مقرر کر دے اور اسکو مرہون کے بیچنے کا حکم کرے۔

فصل دس روپیہ کا شیرہ انگور دس روپیہ کے عوض میں رہن رکھا پھر وہ شیرہ شراب فصل
بن کر سرکہ ہو گیا اور سرکہ کے دام بھی دس روپیہ ہیں تو یہ سرکہ شیرہ کی عوض میں رہن

---

[1] راہن کا قول اس لئے کہ خود اسی کی چیز ہے وہ کس سے تاوان لیگا اور مرتہن کا اگر نقصان کیا تو مرتہن راہن سے اسکے تاوان لے کہ مرتہن کی ذمہ داری میں نقصان کیا ہے مرتہن پر واجب ہے کہ اُسے نقصان سے پاک و صاف واپس کرے پس مرتہن کے واسطے تاوان واجب ہونے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا جبکہ مرتہن پر مرہون کو تاوان سے خلاص کرنا بھی واجب ہے ۱۲ [2] کیونکہ اگر موصی یعنی وصیت کرنے والا زندہ ہوتا اور مرتہن کی اجازت سے تو اُسکو حق بیچنے کا حاصل تھا پس اس کے مرنے کے بعد اس کے وصی کو بھی حق حاصل ہے اسلئے کہ وہ اس کا قائم مقام ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

رہیگا اور اگر دس روپیہ کی بکری دس روپیہ کے عوض گرو رکھی اور مرگئی اور اسکی کھال کو پکا لیا اور کھال ایک روپیہ کی ہوئی تو یہ کھال مرتہن کے پاس ایک روپیہ کے عوض میں رہن رہے گی اور باقی نو روپیہ راہن کے ذمے قرض رہیں گے مرہون میں جو کچھ بڑھے مثلاً لونڈی مرہونہ بچہ جنے اور درخت مرہون پر پھل لگے یا دودھ کا جانور دودھ دے یا اس کی اون اترے یہ سب راہن کا ہوگا اور اصل کے ساتھ گرو رہیگا اور اگر یہ زیادہ ہوئی چیز جاتی رہے تو مفت جاویگی یعنی اس کے مقابل میں کچھ قرض مرتہن کا ساقط نہ ہوگا اور اگر اصل جاتی رہی اور زیادتی بچ رہی تو راہن اس کے موافق دام حصہ رسد دیکر چھڑالے اس طرح کہ اصل رہن کے وہ دام لگائے جو مرتہن کے قبضہ کرنے کے دن تھے اور زیادتی کے وہ دام جو فک رہن کے روز ہوں اور ان دونوں کے مجموعہ پر مرتہن کے قرضہ کو بانٹے اب جس قدر اصل رہن کے مقابل پڑے تو وہ اس کے ذمے سے ساقط ہوگا اور جسقدر زیادتی کے مقابل پڑے اسقدر مرتہن کو دیکر اس کو چھڑالے مرہون چیز کا زیادہ کرنا درست ہے مگر اس کی عوض کے قرض کا بڑھانا درست نہیں یعنی اگر ایک کپڑے کو دس روپیہ کے عوض رہن کیا ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس کے ساتھ دوسرا کپڑا اور شامل کردے یہ نہیں ہوسکتا کہ اسی کپڑے کو رہن رہنے دے اور دس کیجگہ بیس روپیہ کرلے ٣ اگر ایک غلام ہزار روپیہ کے عوض رہن رکھا پھر دوسرا غلام اس کی جگہ پر مرتہن کے حوالے کیا اور ان دونوں غلاموں سے ہر ایک کی قیمت ہزار روپیہ ہے تو اس صورت میں اول ہی غلام رہن ہوگا۔ اور دوسرا نہ ہوگا لیکن اگر مرتہن اول کو راہن کے سپرد کردے تو اب البتہ دوسرا رہن ہوگا اور جبتک دونوں مرتہن کے پاس رہیں تو مرتہن دوسرے غلام کے باب میں امانتدار ہوگا یعنی اگر وہ مرجاویگا تو اس کا قرضہ ساقط نہوگا نہ تاوان دینا ہوگا ہاں اگر دوسرے کو اول کی جگہ رہن کرلیگا تو تاوان دینا آئے گا اس لئے کہ اب دوسرا غلام رہن ہوگیا اول غلام رہن سے باہر ہوا۔

کتاب الجنایات

اس میں خون کرنے اور اعضا کے نقصان کرنے کا بیان ہے قتل یعنے جان سے مار ڈالنے کی چار

١؎ کیونکہ جس طرح وہ مال تھا سرکہ بھی مال ہے اور جسطرح مال بیع کا محل ہوتا ہے رہن کا بھی محل ہوگا اس لیے وہ سرکہ بجائے شیرہ کے رہن سمجھا جائیگا ۱۲ ٢؎ کیونکہ زوائد کے مقابلہ میں زر رہن کوئی چیز نہ تھا اس لیے کہ ان زوائد پر بالقصد معاملہ رہن نہیں ہوا تھا پس جملہ زر رہن اصل کے مقابلہ میں تھا اور اصل باقی ہے لہذا زر رہن سے کوئی حصہ ساقط نہوگا ۱۲ ٣؎ کیونکہ اس سے شیوع فی الرہن لازم آئیگا اور وہ جائز نہیں شیوع فی الرہن اس طور سے ہوگا کہ جب اسی کپڑہ پر دس روپیہ زیادہ کرے گا تو ضرور ہے کہ یہ دوسرے دس روپیہ کچھ حصہ کپڑہ کے مقابل نہ ہونگے جو حصہ کہ پہلے دس روپیہ کے مقابل ہوگا تو پہلے دس روپیہ کے مقابل کپڑہ کا کچھ حصہ مشترک رہن ہوگا اور یہ جائز نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

صورتیں ہیں اور ہر ایک کا جدا حکم ہے اول قتل عمد ہے یعنے جان بوجھکر کسی کو ہتھیار سے یا ایسی چیز سے مارے جو بدن کے اجزا جدا کر سکے مثلاً دھار دار لکڑی یا دھار دار پتھر یا بانس کی کھپاچ تیز سے قصداً مارے یا آگ سے جلاوے اس کا حکم یہ ہے کہ قاتل گنہگار ہوتا ہے اور قصاص معین لازم آتا ہے یعنے قاتل بھی مقتول کے عوض مارا جائیگا اور اس قتل کا کفارہ نہیں یعنی سوائے قصاص کے اور کوئی عوض مقرر نہیں لیکن اگر مقتول کے وارث معاف کر دیں تو قاتل پر سے قصاص جاتا رہتا ہے۔ دوسرا قتل شبہ عمد یعنے قصداً مارنے کی مثل ہے وہ اس طرح ہے کہ قاتل ان چیزوں کے سوا جو اوپر مذکور ہوئیں یعنی ہتھیار ایسی چیز جس سے بدن کے اجزا جدا ہو سکیں کسی اور چیز سے قصداً مارے اس قتل کا یہ حکم ہے کہ قاتل پر گناہ ہوتا ہے اور کفارہ لازم آتا ہے اور اس کے قبیلہ پر دیت مغلظہ لازم ہوتی ہے اور قاتل پر قصاص اس صورت میں نہیں تیسری قسم قتل خطا یعنی چوک اور دھوکہ سے مارنا قصداً نہ مارنا اس کی یہ صورت ہے کہ کسی کو اس خیال سے تیر مارا کہ شکار ہے یا کافر جانکر مارا اور مسلمان نکلا یا تیر نشانہ پر مارتا تھا وہ کسی آدمی کے لگ گیا اور کوئی اسی طرح کی صورت ہو مثلاً کوئی سوتا ہوا دوسرے پر گر پڑے اور دوسرا شخص دبکر مر جاوے اور اس قتل کا حکم یہ ہے کہ قاتل پر کفارہ اور اس کے کنبہ پر دیت لازم ہوتی ہے چوتھی قسم قتل بسبب ہے یعنے قاتل نے ایسا سبب کیا جس سے مقتول مر گیا مثلاً قاتل نے دوسرے کی ملک میں کنواں کھودا اور اسمیں کوئی گر کر مر گیا یا دوسرے کی زمین میں پتھر رکھدیا اور اس سے کوئی ٹھوکر کھا کر مر گیا اور اس قتل کا حکم قاتل کے کنبہ پر دیت ہے کفارہ قاتل پر نہیں ان چاروں صورتوں میں تین صورتوں میں اول کی قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کر دیتی ہیں مگر پچھلی صورت سے یعنی سبب سے اگر قتل ہوگا تو قاتل میراث سے محروم نہ ہوگا شبہ عمد جان کے مار ڈالنے کے سوا اور اعضا کے نقصان میں حکم عمد رکھتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص دھار دار پتھر یا لکڑی سے کسی کا ہاتھ کاٹ ڈالے تو ایسا ہوگا کہ گویا چھری اور خنجر سے کاٹا اور اس کا قصاص اس سے لازم ہوگا یعنی اس کا ہاتھ بھی کاٹا جاوے گا۔

۱؎ اور فقہ کی کتابوں میں پانچ صورتیں مذکور ہیں ایک یہ کہ قائمقام خطا کے ہو جیسے سونیوالا کسی شخص پر پلٹا لے اور کچلکر مار ڈالے اس کا حکم بھی شرع میں وہی ہے جو قتل خطا کا ہے اسی لیے شاید اسکو علیحدہ قسم بناکر کتاب میں ذکر نہیں کیا ۱۲ ۲؎ قاتل سے صلح کر لیں تب بھی قصاص دفع ہو جائیگا ۳؎ مثلاً پتھر بڑا یا لٹھ بڑا تو یہ امام صاحبؒ کے نزدیک شبہ عمد ہوگا ۱۲ ۴؎ اسکی فقہ میں دو قسمیں کی ہیں ایک خطائی قصدی کہ شکار سمجھکر مارا اور نکلا آدمی دوسری خطائی فعلی کہ مارا شکار کو اور بہک کر جا لگا کسی آدمی کے ۱۲ ۵؎ دوسرے کی ملک کی قید اسلئے لگائی کہ اگر اپنی ملک میں کھودیگا تو یہ حکم نہ ہوگا ۶؎ یعنے شبہ عمد جانکر مار ڈالنے کے سوا اور کسی صورت میں نہیں ہوتا عمداً ہوتا ہے یا خطا ۱۲ کذا فی الہدایہ ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

باب۔ اُن صورتوں کے بیان میں جنمیں قصاص واجب ہوتا ہے یا نہیں ہوتا خون کا قصاص

یعنے عوض میں مار ڈالنا ایسے شخص کے قصداً خون کرنے سے ہوتا ہے جس کے مار ڈالنے کی اجازت شریعت میں کبھی نہیں اور وہ ہمیشہ کو قتل سے محفوظ ہے یعنے جسکا خون کرے وہ کافر حربی اور مستامن اور محصن زنا کار اور مرتد نہو آزاد شخص آزاد اور غلام کے عوض میں مار ڈالا جاوے گا اور مسلمان اگر ذمی کو مار ڈالے تو اس کے عوض میں مارا جاویگا مگر مسلمان یا ذمی اگر مستامن کو مار ڈالیں تو اسکے عوض میں نہ مارے جاوینگے مرد اگر عورت کا خون کرے یا بڑا آدمی یعنے بالغ کسی نابالغ کو مار ڈالے یا تندرست آدمی اندھے کو خواہ اپاہج کو یا جس کے ہاتھ پاؤں نہ ہوں اسکو یا دیوانے کو قتل کرے تو قصاص لیا جاویگا۔ بیٹا اگر باپ کو جان سے مار ڈالے تو اس سے قصاص لیا جاویگا۔ اور امام شافعی کے نزدیک آزاد آدمی کو غلام کے عوض اور مسلمان کو ذمی کے عوض نہیں کرتے اور امام اعظم کی دلیل قول اللہ تعالے کا ہے کہ النفس بالنفس یعنے جان کے عوض جان اور دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو ذمی کے عوض میں قتل فرمایا اور امام محمد نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے مسلمان کو ذمی کے عوض قتل کیا اور بیہقی اور عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے مسلمان کو ذمی کے عوض قتل کیا باپ اگر اپنے لڑکے کو مار ڈالے یا ماں اپنے بچہ کو مار ڈالے تو انکو لڑکے کے عوض نہ مارا جائیگا۔ اور دادا دادی نانا اور نانی مثل ماں باپ کے ہیں یعنی اگر اپنے پوتے یا نواسے کو مار ڈالیں تو ان سے قصاص نہ لیا جاویگا مالک اگر اپنے غلام یا مدبر یا مکاتب کو مار ڈالے یا اپنے بیٹے کے غلام کو قتل کرے یا ایسے غلام کو قتل کرے جسمیں تھوڑا قاتل کا ہے تو اُس سے قصاص نہ لیا جاویگا اور جو شخص اپنے باپ پر قصاص کا وارث ہو جاوے تو قصاص جاتا رہتا ہے مثلاً ایک شخص نے اپنی بی بی کو مار ڈالا اور اس کا لڑکا قصاص کا وارث ہے۔ تو وہ باپ سے قصاص نہ لیوے قصاص تلوار ہی سے لیا جاتا ہے یعنی قاتل کو تلوار سے مارنا چاہیے گو قاتل نے مقتول کو تیر یا خنجر سے مارا ہو اگر مکاتب کو کوئی شخص قصداً مار ڈالے

۱؎ امام شافعی رحمہ کے نزدیک غلام کے بدلہ میں آزاد شخص نہ مارا جائیگا کیونکہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے الحر بالحر والعبد بالعبد یعنی آزاد بدلہ میں آزاد کے اور غلام بدلہ میں غلام کے اس مقابلہ سے یہ نکلا کہ آزاد بدلہ میں غلام کے اور غلام بدلہ میں آزاد کے نہ مارا جاوے مگر چونکہ غلام آزاد سے کمتر ہے اسلئے غلام تو آزاد کے بدلہ میں مارا جاویگا مگر آزاد غلام کے بدلہ میں نہ مارا جاویگا اور ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ کہیں نہیں کہا ہے کہ غلام کے بدلہ میں آزاد سے قصاص نہ لیا جاوے بلکہ یوں کہا ہے ان النفس بالنفس یعنی جان کے بدلہ میں جان بس قصاص میں معصوم الدم ہونا دیکھا جاتا ہے فضیلت و شرافت کوئی چیز نہیں یہاں تک کہ جاہل کے بدلہ میں عالم اور رذیل کے بدلہ میں شریف کا قتل کیا جائیگا ۲؎ ان النفس بالنفس کا مقتضا تو یہی تھا کہ مارا جاتا مگر حدیث شریف نے اسے خاص کر لیا فرمایا حضور نے لایقتل الوالد بولدہ یعنے بیٹے کے بدلہ میں باپ سے قصاص نہ لیا جاوے ۳؎ اور امام شافعی رحمہ کے نزدیک برابری کی غرض سے جس طرح قاتل نے مارا ہے اسی طرح قاتل بھی مارا جاوے بشرطیکہ فعل مشروع ہو یعنی اگر کسی نے کسی کا ہاتھ کاٹ دیا یا جان بوجھ کر اسکے بعد وہ مر گیا تو ہاتھ کاٹنے والیکا ہاتھ بھی کاٹ کر اتنی مدت تک چھوڑ دیا جاوے اگر مر گیا تو خیر ورنہ پھر گردن کاٹ دیجاوے اور اگر فعل مشروع نہیں مثلاً کسی

۴؎ صغیرہ بچی کو زنا کے صدمہ سے مار ڈالا یا کسی کو شراب پلا کر مار ڈالا تو پھر قاتل کیساتھ یہ نامشروع امور نہ کئے جا سکیں اور ہماری دلیل حدیث شریف ہے کہ لاقود الا بالسیف یعنی قصاص نہ ہوگا مگر تلوار سے۔ باب قصاص کی صورتونکے بیان میں

اور مکاتب مذکور اتنا مال چھوڑ بے کہ بدل کتابت اُس سے ادا ہو سکے اور اسکے آقا کے سوا کوئی اُس کا دوسرا وارث نہ ہو یا اُس کا دوسرا وارث تو ہو مگر مال جو بدل کتابت کو کافی ہو نہ چھوڑے تو ان دونوں صورتون مین اُس کے قاتل سے قصاص لیں گے اس لیئے کہ ان صورتوں میں قصاص کا مدعی اُس کا مالک ہوگا اسی کے دعویٰ سے قصاص لیں گے اور اگر مکاتب مذکور مال بھی اتنا چھوڑے کہ بدل کتابت کیلیے کافی ہو۔ اور مالک کے سوا دوسرا وارث بھی اس کا ہے تو اس صورت میں قصاص اسکے قاتل سے نہ لیا جاویگا کیونکہ اس صورت میں مدعی میں شبہہ پڑ گیا ہے اس لئے کہ اگر مال کے موجود ہونیکے باعث مکاتب مذکور کو آزاد کہیں تو اُسکا مدعی وارث ٹھیرتا ہے اور چونکہ مال کے مالک تک ابھی نہیں پہنچا اس لحاظ سے اگر اُس کو غلام کہیں تو مدعی قصاص کا اس کا مالک ہوا مالک ہوتا ہے پس مدعی میں شبہہ ہونے کی جہت سے قصاص ساقط ہو گیا قاتل سے قیمت غلام مذکور کی لیکر اُس کے وارث کو دلائی جائے گی اگر غلام مرہون کو کوئی قتل کر ڈالے تو اس کے قاتل سے قصاص نہ لیا جاویگا جب تک کہ راہن اور مرتہن دونوں دعوی قصاص نہ کریں[1] اگر بیعقل آدمی کو کوئی مار ڈالے تو اُس کے باپ کو اختیار ہے کہ قاتل سے اُس کا قصاص لے یا مال لے کر اس سے صلح کر لے لیکن اگر بیعقل کا ولی اسکو مار ڈالے تو اُس کو اسکے خون کا معاف کرنا درست نہیں[2] مثلاً بیعقل کا لڑکا اپنے باپ کو مار ڈالے تو بیعقل کا باپ اپنے پوسے یا قصاص اپنے بیٹے کا لے یا مال لیوے معاف نہ کرے اور اس مسئلہ میں قاضی باپ جیسا ہے یعنی اگر بیعقل کا باپ نہ ہو تو قاضی اُس کا قصاص لے یا مال پر صلح کر لے اور اگر بیعقل کا وصی ہو اور باپ نہ ہو تو وصی کو بھی اختیار ہے کہ مال پر صلح کر لے قصاص کا اختیار نہیں اور صغیر سن بچہ اس حکم میں مانند بیعقل کے ہے اسکی صورت یہ ہے کہ لڑکے کی ماں اپنے بچہ کو مار ڈالے تو بچہ کا باپ یا اس سے قصاص لے یا مال لے کر معاف نہ کرے اگر مقتول کے وارث نابالغ اور بالغ دونوں طرح کے ہیں۔ تو بالغوں کو اختیار ہے کہ قاتل سے اپنے مورث کا قصاص لے لیں انتظار نابالغوں کے بالغ ہونے کا نہ کریں[3]

[1] کیونکہ تنہا مرتہن بوجہ عدم ملک ولی قصاص نہیں اور تنہا راہن اگر قصاص لیلے تو مرتہن کا حق باطل ہوتا ہے اسلئے دونوں کا ہونا ضروری ہے ۱۲ [2] یعنی اگر بیعقل کے لڑکے کو کوئی مار ڈالے تو بیعقل کے باپ کیطرف سے معاف کر دینے کا اختیار نہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے بیعقل پسر کی طرف سے اپنے پوتے کا قاتل سے قصاص لیلے یا صلح بعوض مال کر لے ۱۲ [3] اور اگر بعض وارث موجود ہیں اور بعض غائب ہیں تو حاضرین کو اختیار نہیں کہ بلا غائبین کے آئے ہوئے قصاص لیں اس لئے کہ یہ احتمال باقی ہے کہ شاید غائبین نے معاف کر دیا ہو۔ کیونکہ غائبین کا معاف کرنا صحیح ہے برخلاف نابالغوں کے کہ ان کے بلوغ کا انتظار کیئے بغیر قصاص لے سکتے ہیں اس لئے کہ ان میں معافی کا احتمال نہیں کیونکہ نابالغ کا معاف کرنا صحیح نہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی اللہم اغفر لکاتبہ ولوالدیہ۔

اگر کوئی شخص کسی کو کدال وغیرہ سے مار ڈالے تو اگر تیز طرف سے مار ڈالے تو قاتل سے قصاص لیا جاویگا اور اگر موٹھ کی طرف سے ماریگا تو قصاص نہ لیا جاویگا۔ اسلیئے کہ موٹھ کی طرف سے مارنا ایسا ہے جیسا پتھر اور لاٹھی سے مارنا ہے پس اس صورت میں دیت واجب ہوتی ہے اور یہی حال ہے اگر کسی کو گلا دبا کر یا پھانسی دیکر مارے یا پانی میں ڈبوئے کہ اس صورت میں بھی قاتل کے کنبہ پر دیت ہوتی ہے قصاص نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص نے دوسرے کو قصداً زخمی کیا جس سے مجروح بہت دنوں چارپائی سے نہ اٹھا اور آخر کو مرگیا تو اوّل شخص سے اُس کا قصاص لیا جاویگا گو اس زخم سے اُسی وقت نہیں مرا اگر ایک شخص نے اپنے زخم لگایا اور زید نے بھی مجروح پر ایک زخم لگایا اور شیر نے بھی اُسکو زخمی کیا اور ایک سانپ نے بھی اُسے کاٹا اور ان چاروں کے بعد وہ مرگیا تو زید پر اُس کی تہائی دیت لازم ہوگی اس لیئے کہ اس کی موت تین طرح کے فعلوں سے ہوئی ایک اس طرح کا فعل ہے کہ اس کی پوچھ دنیا اور آخرت دونوں میں کچھ نہیں وہ شیر اور سانپ کا زخم ہے اور ایک فعل ایسا ہے کہ اس کا مواخذہ صرف آخرت میں ہے دنیا میں نہیں وہ اپنے آپ کو زخمی کرنا ہے اور ایک ایسا ہے کہ اُس کی بازپرس دنیا اور آخرت دونوں میں ہے وہ زید کا زخمی کرنا ہے پس اُسکی دیت تین جگہ ہٹ گئی اور زید کو تہائی دینی آئی[1] جو شخص مسلمان پر تلوار کھینچے یعنی اُس کے خون کا ارادہ کرے تو اس کا مار ڈالنا واجب ہے اور ایسے شخص کے مار ڈالنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا نہ قصاص نہ دیت اگر زید نے رات کو یا دن کو شہر میں یا غیر شہر میں عمرو پر ہتھیار کھینچا یا رات کو شہر میں اور دن کو غیر شہر میں اُس پر لاٹھی اُٹھائی اور عمرو نے اسکو مار ڈالا تو عمرو پر کچھ دیت یا قصاص لازم نہ ہوگا اور اگر زید نے عمرو پر دن کو شہر میں لاٹھی اُٹھائی تھی اور عمرو نے زید کو مار ڈالا تو عمرو سے قصاص لیا جائیگا اگر دیوانہ آدمی زید پر مثلاً ہتھیار کھینچے اور زید اُسکو قصداً مار ڈلے تو زید پر اُس دیوانہ کی دیت ادا کرنی واجب ہوگی اسی طرح اگر لڑکا کسی پر تلوار کھینچے اور وہ لڑکے کو مار ڈالے تو اس پر دیت واجب ہوگی اور اگر کوئی جانور کسی پر حملہ کرے اور وہ شخص جانور کو مار ڈالے تو جانور کی قیمت مالک کے حوالہ کرنی ہوگی[2] اگر زید عمرو پر ایک تلوار کا ہاتھ لگا کر چلا گیا

---

[1] کیونکہ جب اور کوئی سبب بنایا جائیگا تو لامحالہ اس کا مرنا اسی زخم کی طرف منسوب کریں گے اور زخمی کرنیوالے سے قصاص لیں گے ۱۲ [2] کیونکہ حملہ کرنیوالا خود جانور تھا مالک اور مار ڈالنے سے مالک کا نقصان کیا لہذا مالک کو قیمت دیوے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔ اللھم اغفر لکاتبہ ولوالدیہ ورحمۃ اللہ و بر کاتہ

اور بکر نے اگر اُس کو مار ڈالا تو بکر کو اُس کے عوض میں قتل کرین گے[1] لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ عمرو زید کے زخم سے نہ مرا ہو اور اچھا ہو گیا ہو مسئلہ اگر کسی کے گھر میں چور گھس آئے اور مال چرا کر باہر نکلے اور مالک اُس کے پیچھے پڑے اور چور کو مار ڈالے تو مالک کے ذمہ کچھ لازم نہ ہوگا۔

باب جان مار ڈالنے سے نیچے کے نقصانونکا قصاص یعنی عوض لینے کے بیان میں

باب القصاص فیما دون النفس کے بیان میں

اگر زید نے عمرو کا ہاتھ پہونچے سے کاٹ ڈالا ہو تو زید کا ہاتھ بھی گٹے سے اُڑا دیا جائے گو زید کا ہاتھ عمرو کے ہاتھ سے بڑا ہو اور پاؤن کا حال بھی یہی ہے کہ اگر جوڑ پر سے کاٹا ہوگا تو اُس کا پاؤں بھی جوڑ پر سے کاٹا جاویگا اور اگر زید نے عمرو کا نتھنا ناک کا خواہ کان کاٹ لیا یا آنکھ ایسی پھوڑی کہ اُسکا نور جاتا رہا مگر اپنی جگہ قائم رہی تو زید سے قصاص لیا جاویگا اور اگر آنکھ کو بالکل نکال لے تو اسمین قصاص[2] نہ ہوگا اور اگر دانت توڑ دے تو اُس کے دانت بھی توڑے جاوینگے گو دونون کے دانتوں مین بڑے چھوٹے ہونیکا فرق ہو جو زخم اس طرح کے ہوں کہ ویسا زخم زخمی کرنیوالے پر کر سکتے ہیں تو اُس کا عوض لیا جاویگا اور جو زخم اس طرح کے نہ ہوں یعنی یکسان نہو سکتے ہوں ان میں قصاص نہوگا مثلاً اگر زید عمرو کی ہڈی توڑ دے تو زید سے قصاص نہ لیں گے اسلیے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ جسطرح عمرو کی ہڈی ٹوٹی ہے اسی طرح زید کی بھی ٹوٹے اسی طرح اگر زید کسی مرد کا ہاتھ یا پاؤن کاٹ ڈالے یا عورت مرد کا ہاتھ یا پاؤن کاٹے تو قصاص نہ لیا جائے گا اس لیے کہ عورت مرد کے ہاتھ پاؤن مین مماثلت نہیں اور آزاد آدمی اگر غلام کا ہاتھ کاٹ ڈالے یا ایک غلام دوسرے کا ہاتھ کاٹے تو نیز مماثلت کے نہ ہونے سے بھی قصاص نہین ہان مسلمان اور کافر کے ہاتھ آدھے پہونچے سے کاٹ ڈالے تو قصاص نہوگا اس لیے کہ ہڈی ٹوٹنے مین برابری ممکن نہین اور پیٹ کا زخم اگر اچھا ہو گیا ہو تو اسمین قصاص نہین اور زبان اور ذکر کے کاٹ ڈالنے مین قصاص نہین اس لیے کہ یہ دونوں چیزین

---

[1] ہدایہ میں یہ صورت لکھی ہے کہ زید نے عمرو پر تلوار کا ہاتھ لگایا اور پھر واپس ہوا کہ اب نہ ماریگا پس عمرو نے اس کو ختم کر دیا تو عمرو سے قصاص لیا جاویگا کیونکہ یہ قتل مدافعانہ نہ سمجھا جائیگا جبکہ زید ایک ہاتھ مار کر نہ مارنیکے خیال سے واپس ہوا تو معصوم الدم ہو گیا اور اگر زید واپس نہ ہوا تھا اور عمرو نے مار ڈالا تو یہ مار ڈالنا مدافعت سمجھا جائیگا پس عمرو سے قصاص نہوگا ۱۲ [2] کیونکہ برابری ممکن ہے ہو سکتا ہے کہ نکالنے میں دوسرا زخم زیادہ ہو جائے اور جب آنکھ جگہ پر قائم رہے اور صرف روشنی جاتی رہے تو قصاص اس طرح ہوگا کہ برابری ممکن ہے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایسا واقعہ پیش آیا تھا تو آپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ قصاص لیا جائے اور برابری اس طرح سے ممکن ہے کہ فولاد جیسے صیقل ہو گرم کر کے آنکھ سامنے کیا جائے اور سارے منھ پر بھیگی ہوئی روٹی رکھدیجائے تو آنکھ کی روشنی جاتی رہے گی چنانچہ سب نے اتفاق کیا اور یہی کیا گیا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ اللهم اغفر لکاتبہ ولوالدیہ

سُکڑتی پھیلتی ہیں ان میں مساوات ممکن نہیں لیکن اگر سپاری کاٹی ہوگی تو البتہ قاتل سے قصاص لیا[1] جاویگا۔ اگر زید نے عمرو کا ہاتھ کاٹ لیا اور زید کا ہاتھ سوکھا ہوا ہے یا انگلیاں چھوٹی ہیں اور عمرو کا ہاتھ اچھا انگلیاں پوری تھیں تو عمرو کو اختیار ہے چاہے زید سے قصاص لے یا قیمت اپنے ہاتھ کی لیلے اور یہی حال ہے اگر زید نے عمرو کے سر میں زخم کیا ہو اور زید کا سر بہت بڑا ہو اور عمرو کا ذرا سا ہو۔

فصل

فصل اگر قصاص کے طالب مال لیکر صلح کرلیں تو مال دینا قاتل پر اُسی وقت واجب ہو جائیگا اور قصاص ساقط ہو جائیگا۔ اگر ایک شخص آزاد اور دوسرا غلام ملکر زید کو مار ڈالیں تو آزاد اور غلام کا مالک عمرو سے کہیں کہ زید کے وارثوں سے اس خون کی صلح ہزار روپیہ کے عوض کرادو اور عمرو انکو ہزار روپیہ لینے پر راضی کردے تو آزاد شخص اور غلام کو آدھے آدھے دینے ہونگے (یعنی ہر واحد کے ذمہ پانسو ادا کرنے ہونگے اگر مقتول کے وارثوں میں سے کوئی اپنے حصہ کے عوض مال لینے پر صلح کرلے یا قاتل کو اپنا حق معاف کردے تو اس صورت میں بھی قصاص جاتا رہیگا[2] اور باقی وارثوں کو خونبہا کا حصہ ہی ملیگا اگر کئی شخص ملکر ایک کو قتل کریں تو سب قتل کئے جاوینگے اور اگر ایک شخص کئی کو قتل کرے تو صرف اُس قاتل کا قتل کرنا کافی ہے۔ پس اگر مقتولوں کے وارثوں میں سے ایک مقتول کے وارث آویں اور قاتل سے قصاص کی درخواست کریں تو اس کے عوض میں قاتل کو قتل کیا جائیگا اور باقی مقتولوں کے وارثوں کا حق ساقط ہوگا جیسے قاتل کے مرنے سے حق قصاص کا جاتا رہتا ہے اور قاتل کے وارثوں سے اس کا مواخذہ نہیں رہتا۔ اگر دو شخصوں نے ملکر ایک کا ہاتھ کاٹا ہو تو دونوں کا ہاتھ نہ کٹیگا بلکہ ہاتھ کی دیت دونوں سے لی جاویگی اگر ایک شخص دو آدمیوں کا ہاتھ کاٹ ڈالے تو ان دونوں کو اختیار ہے کہ اُس کا ہاتھ کاٹیں اور آدھی دیت ہاتھ کی اُس سے وصول کریں اور اگر ان دونوں میں سے ایک حاضر ہو کر خواہاں مجرم کے ہاتھ کٹنے کا ہو اور اس کا ہاتھ کاٹا جاوے تو دوسرا دادخواہ نصف دیت ہاتھ کی پاویگا اگر کوئی غلام اقرار کرے کہ میں نے دانستہ خون کیا ہے تو اس سے قصاص لیا جاویگا اگر

[1] کیونکہ برابری ممکن ہے کاٹنے کی جگہ معلوم ہے جیسے ہاتھ کا جوڑ سے کاٹ دینا ہاں اگر بعض سپاری کاٹی کل نہیں تو بعض کی مقدار نہیں معلوم لہذا قصاص نہ ہوگا بخلاف کان کے کہ کل کان کاٹا ہو یا بعض کان اسمیں برابری ممکن ہے کیونکہ کان پھیلتا سمٹتا نہیں ہے پس کان کا ہر حال میں قصاص لیا جاویگا ۱۲ [2] کیونکہ قصاص میں کوئی ٹکڑے نہیں ہو سکتے کہ جس بعض وارث نے معاف کردیا ہے یا صلح کرلی ہے اس کا حصہ چھوڑ کر بقیہ اپنے حصہ کا قصاص لے لیں جب یہ نہیں ہو سکتا تو بقیہ ورثہ حق قصاص میں باقی نہ رہیگا ۱۲ [3] کیونکہ ہر ایک نے بعض کا ہاتھ کاٹا لہذا دیت ہوگی بخلاف مار ڈالنے کے کہ اگر ایک آدمی کو کئی آدمی ملکر مار ڈالیں تو سب سے قصاص لیا جائیگا اس لئے کہ ہر ایک روح کا نکالنے والا ہوا کیونکہ روح کے نکالنے میں ٹکڑے نہیں ہو سکتے اور ہاتھ کے کاٹنے میں ہو سکتے ہیں کہ اگر ایک طرف سے ایک چھری رکھے دوسری طرف سے دوسرا ایک ساتھ چلائیں ہاتھ کٹ جاوے ۱۲ مفتی محمد دین علی ملیح آبادی

ایک شخص نے قصداً تیر دوسرے کے مارا اور وہ تیر دوسرے کے پار ہوکر تیسرے کے لگا اور دونوں مر گئے تو تیر مارنے والے کو دوسرے کے عوض قتل کیا جاویگا اور تیسرے شخص کے عوض میں اُسپر دیت[1] لازم ہوگی

فصل

فصل اگر زید عمرو کا ہاتھ کاٹے اور پھر اسکو مار ڈالے تو زید سے دونوں قصوروں کا مواخذہ ہوگا۔ اگرچہ دونوں حرکتیں اُس نے دانستہ کی ہوں خواہ خطا سے خواہ ایک دانستہ کی ہو اور دوسری چوک میں ہو گئی ہو اور دو کاموں کے بیچ میں عمرو اچھا ہوا ہو یا نہ ہو۔ غرضکہ ان سب صورتوں میں دونوں جرموں کا مواخذہ اس سے ہوگا لیکن اگر چوک میں ہاتھ کاٹا ہو اور ابھی عمرو اس سے اچھا نہوا تھا کہ چوک ہی سے اسکو قتل کیا تو اس صورت میں البتہ ایک دیت زید کے ذمہ پر واجب ہوگی اسی طرح یہ صورت ہے کہ زید نے عمرو کے سو کوڑے لگائے نوّے سے تو وہ اچھا ہو گیا مگر دس سے مر گیا تو اس صورت میں بھی ایک ہی دیت لازم آویگی اگر زید نے عمرو کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور عمرو نے یہ ہاتھ کاٹنا زید کو معاف کر دیا اور پھر اسی تکلیف میں مر گیا تو زید کو اس کی دیت[2] دینی ہوگی اور اگر یوں معاف کیا کہ یہ ہاتھ کاٹنا اور جو کچھ اس کے آگے ہو میں نے معاف کیا یا یہ کہا کہ یہ تقصیر زید کی معاف کی اور مر گیا تو اس صورت میں دیت زید پر نہ آویگی اور اگر زید نے خطا سے ہاتھ کاٹا تھا اور عمرو نے معاف کر دیا تو عمرو کے تہائی مال میں سے دیت معاف ہوگی اور اگر قصداً تھا تو کل مال سے دیت معاف متصور ہوگی

اگر ایک عورت نے زید کا ہاتھ قصداً کاٹ ڈالا پھر زید نے اُس سے نکاح کیا اور مہر اپنے ہاتھ کا تاوان مقرر کیا اور اسی تکلیف میں مر گیا تو عورت کو اُس کا مہر مثل[3] ملیگا اور دیت عورت کے مال میں سے دیجاویگی اور اگر خطا سے کاٹا ہوگا تو دیت ہاتھ کی اس عورت کی قوم پر پڑیگی اور اگر زید نے اس سے نکاح کیا اس طرح کہ ہاتھ کٹنا اور جو کچھ اُس سے آئندہ کو پیش آوے یا اس عورت کی تقصیر کو مہر قرار دیا اور ہاتھ کے درد سے مر گیا تو عورت کو دونوں صورتوں میں مہر مثل ملیگا اور عورت پر کچھ دینا لازم نہ آویگا۔ اگر اس نے قصداً ہاتھ کاٹا ہوگا اور اگر براہ خطا کاٹا ہوگا تو عورت کی قوم پر سے مہر ساقط ہو جائیگا اور جو کچھ زید نے اپنی دیت سے چھوڑا ہوگا اُس کا تہائی حصہ عورت کی قوم کو پہنچیگا

---

[1] کیونکہ پہلا فعل قصداً ہے اور دوسرا خطا کی ایک قسم ہے جیسے نشانہ لگا کر مارا اور کسی آدمی کے جا لگا اگر یہ کہا جائے کہ ایک فعل عمد اور خطا دونوں کیسے ہو سکتا ہے تو جواب یہ ہے کہ فعل متعدد ہیں اس سبب سے کہ اثر متعدد ہوئے ہیں جیسے کوئی شخص کسی کی لونڈی سے زنا کرے اور لونڈی تاب نہ لا سکے ہلاک ہو جائے تو ایک ہی فعل اثر متعدد ہونیکی وجہ سے متعدد شمار کیا جائیگا یعنی زنا کرنا اور لونڈی کے مالک کا مال تلف کرنا لہٰذا دیت اور حد دونوں واجب ہونگے لہٰذا اس صورت میں قصاص اور دیت ہوگی ۱۲ [2] کیونکہ معاف کیا تھا ہاتھ کے قطع کو نہ قتل کو اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ قطع درحقیقت قتل ہے لہٰذا ہونا قصاص چاہیے تھا مگر معافی شبہ ڈالتی ہے لہٰذا قصاص دفع ہو کر دیت واجب ہوگی ۱۲ [3] کیونکہ یہ قصاص پر نکاح کرنا ہوا اور قصاص کوئی مال نہیں لہٰذا مہر مثل

واجب ہوگی ۱۲

وصیت کے سبب سے (اسلیئے کہ زید مر گیا تو معلوم ہوا کہ عورت پر نفس یعنی جان کی دیت واجب تھی ہاتھ کی نہ تھی اور دیت مہر ہو سکتی ہی مگر چونکہ زید نکاح کے وقت بیمار تھا اور بیمار اگر کسی عورت سے کسی مال کے عوض میں نکاح کیا کرتا ہے تو عورت کو مہر مثل ملا کرتا ہے اور جو کسی مہر مثل سے زیادہ ہوتا ہے اسکو وصیت میں شمار کیا کرتے ہیں اور اس صورت میں عورت کو لیاقت وصیت کی نہیں۔ اس لئے کہ میت کی قاتل ہے اور قاتل کے حق میں وصیت نہیں ہو سکتی تو ضرور ہوا کہ یہ وصیت زید کی اُس عورت کے کنبے کے لیے ہوے جب زید کی دیت عورت کے کنبے کے لیئے وصیت ٹھیری تو عورت کا حق اس دیت مین صرف مہر مثل ہے اس لئے مہر مثل اُس کی قوم پر سے ساقط ہوا اور دیت کا تہائی حصہ اس کے کنبہ کو ملیگا لیکن یہ تہائی اُس صورت میں ہو گی کہ مہر نکالنے کے بعد جو کچھ دیت میں سے بچے وہ ترکہ میت کی تہائی ہو سکے تاکہ وصیت اسمین جاری ہو سکے) اگر زید نے عمرو کا ہاتھ کاٹا اور اس کے عوض میں زید کا ہاتھ کاٹا گیا اور پھر عمرو ہاتھ کے درد سے مر گیا تو زید کو بھی قتل کیا جائے گا یعنی ہاتھ کٹنے کے باعث جان کا قصاص اس کے ذمہ سے نجائیگا اگر مقتول کا وارث قاتل کا ہاتھ کاٹ ڈالے اور مقتول کا خون اسکو معاف کر دے تو وارث مذکور کو قاتل کے ہاتھ کی دیت دینی ہو گی اس لئے کہ اس کا حق قصاص لینے کا تھا کاٹنے کا نہ تھا جب قصاص کو معاف کر دیا تو ہاتھ کاٹنا اس کی طرف سے زیادتی ہوئی اس لئے ہاتھ کی دیت لازم آئے گی۔

باب۔ خون کے باب مین گواہی دینے کے بیان میں۔ موجود شخص جس صورت میں کہ اُس کا بھائی غائب ہو اور مدعی نہ ہو اپنے گواہوں کے باعث قصاص نہیں لے سکتا یعنی اگر مقتول کے دو لڑکے ہوں ایک موجود ہو اور ایک غائب موجود پر دعویٰ قتل قاتل پر پیش کر کے گواہ گذرانے تو ان گواہون کے سبب سے قاتل سے قصاص نہ لے سکیگا جب وہ غائب لوٹ آئے تو گواہوں کو پھر سے حضر عدالت کرین تاکہ قاتل سے قصاص دونوں بھائی لیوین اور قتل خطا سے ہوا ہو

۱؎ کیونکہ ہاتھ کٹنے کے صدمہ سے جب مر گیا تو ظاہر ہوا کہ زید قتل عمد کے جرم کا مرتکب ہے اور اس سے قصاص لینا چاہیئے پس مجرد ہاتھ کٹنے کے باعث زید کے ذمہ سے قصاص جان ساقط نہ ہوگا ۱۲ ۲؎ خواہ اس کا معاف کرنا قاضی کے فیصلہ قصاص سے پہلے ہو یا بعد میں بہر حال ہاتھ کی دیت دینا ہو گی قیاس کا مقتضی تو یہ تھا کہ مقتول کے وارث سے قصاص لیا جاتا یعنی اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا کیونکہ اُسنے عمداً قاتل کا ہاتھ کاٹا تھا مگر چونکہ تلف نفس کے ضمن میں ہاتھ کا تلف کرنا بھی آجاتا ہے اس لیئے جب شبہہ پڑ گیا کہ اس کو ہاتھ کاٹنے کا حق تھا اور شبہہ سے قصاص یعنی ہاتھ کٹنا ساقط ہو گیا اور صرف دیت لازم ہوئی ۱۲ ۳؎ مگر قاتل کو غائب کے آنے تک قید کر دیا جائیگا کیونکہ اُسپر قتل کا الزام لگ چکا ہے اور ملزم کو قید کرنا چاہیئے تاکہ کہیں بھاگ نہ جائے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

تو دیت ثابت کرنے کے لئے دوسرے بھائی کا آجانا شرط نہیں موجود شخص گواہوں سے قتل خطا ثابت کردے تو قاتل پر دیت لازم ہوجاویگی اسی طرح اگر ان کے باپ کا کسی کے ذمہ قرض ہو اور موجودہ بھائی گواہوں سے مدیون کے ذمہ قرض ثابت کردے تو غائب کے آنے پر اور گواہوں کے دھرانے پر منحصر نہ ہیگا۔ اگر صورت مذکورہ بالا میں قاتل ثابت کردے کہ غائب شخص نے اپنا حق مجکو معاف کردیا ہے تو اس سے قصاص نہ لیا جائیگا[1] اور اگر دو بھائیوں کا غلام مشترک مارا جاوے اور ایک بھائی وہاں وہاں موجود نہ ہو تو قاتل سے بدون غائب کے موجود ہونے کے قصاص نہ لینا چاہیئے اگر مقتول کے تین وارث ہیں ان میں سے دو نے گواہی دی کہ تیسرے نے اپنا حق قاتل کو معاف کردیا تو یہ گواہی لغو ہوگی پھر اگر قاتل نے ان دونوں کو سچا کہا تو قاتل سے دیت لیکر تینوں وارثوں کو ایک ایک تہائی برابر ملیگی اور اگر قاتل نے ان کو جھوٹا بتایا تو ان دونوں وارثوں کو کچھ نہ ملیگا تیسرے کو تہائی دیت کی پہونچے گی[2]۔ دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ قاتل نے مقتول کو پیٹا تھا اسوقت سے وہ چارپائی ہی پر پڑا رہا اور صحت نہ پائی یہاں تک کہ مرگیا تو قاتل سے قصاص لیا جائیگا اگر دونوں گواہ جگہ اور وقت میں یا جس آلہ سے قتل کیا مثلاً لاٹھی خواہ ہتھیار میں اختلاف کریں یا ایک گواہ کہے کہ لاٹھی سے مارا اور دوسرا کہے کہ مجکو معلوم نہیں کہ کس چیز سے مارا تو گواہی باطل ہوگی اور اگر دونوں گواہوں نے بالاتفاق بیان کیا کہ مقتول کو اس قاتل نے مارا اور ہمکو معلوم نہیں کہ کس چیز سے تو قاتل پر دیت آویگی اور اگر دو قاتلوں نے ایک مقتول کے[3] اقرار کیا کہ ہر ایک نے کہا کہ میں نے صرف تنہا قتل کیا ہے اور مقتول کے وارث نے دعوے کیا کہ تم دونوں نے مل کر قتل ہے تو وارث مذکور کو اختیار ہے کہ دونوں کو قتل کرے اور اگر اقرار کی جگہ گواہی ہوتی تو لغو ہوتی یعنی اگر دو گواہ گواہی دین کہ اُس کو زید نے تنہا مارا ہے اور وہ یہ کہیں کہ صرف عمرو نے مارا ہے اور وارث کہے کہ عمرو و زید دونوں نے ملکر مارا ہے تو اس صورت میں چاروں گواہوں کی گواہی بےکار ہوگی۔

[3] کو مارنے کا اس طرح اقرار کیا کہ ہر ایک نے کہا کہ میں نے صرف تنہا قتل کیا ہے اور مقتول کے

[1] اگر یہ کہا جائے کہ قاتل غائب شخص کے معاف کرنیکا مدعی ہے تو جب تک غائب شخص حاضر نہو اس کا ثبوت سنکر قاضی کیونکر فیصلہ کردیگا غائب شخص پر فیصلہ کرنا لازم آئیگا اور یہ جائز نہیں جواب یہ ہے کہ اس صورت میں قاتل مدعی اور حاضر شخص مدعا علیہ ہے کیونکہ قاتل گویا اس بات کا مدعی ہے کہ اس حاضر شخص کا حق قصاص میں نہیں رہا بلکہ دیت کیطرف منتقل ہوگیا ہے اور اس کے ثابت کرنے کی یہی صورت ہے کہ غائب کا معاف کرنا ثابت کردے پس غائب شخص پر فیصلہ کرنا نہوا[12]

[2] وجہ اسکی یہ ہے کہ جب دونو وارث اس بات کے مدعی ہیں کہ تیسرے نے اپنا حق معاف کردیا تو گویا اس سے یہ نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ان کو دو ثلث دیت کا مال مجائے اور اس خواہش سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنا حق قصاص چھوڑ دیا لیکن جب قاتل نے ان کی تکذیب کی تو قاتل پر اُن کا دو ثلث مال دیت سے بغیر دلیل کیونکر ثابت کیا جائے گا لہذا ان دونوں کو کچھ نہیں ملا اور تیسرا جو معاف کرنیکا منکر ہے اس کا حق ایک تہائی دیت میں باقی رہگیا کیونکہ اسکے دونوں شریک نا دروں سے معاف کرنا ثابت ہوگیا ہے لہذا اسکو ایک تہائی دیت کی ملیگی [12] مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

باب قتل کی حالت کا اعتبار ہوتا ہے

کتاب الدیات

باب قتل کیحالت کے بیان میں۔ کہ کسوقت قتل معتبر ہوتا ہے دیت وغیرہ کے باب میں تیر چلانیکا وقت معتبر ہے اُسوقت مقتول جیسا ہوگا اس کے اعتبار سے دیت ہوگی مثلاً اگر مسلمان پر تیر چلایا اور ہنوز اُسکے تیر نہ لگا تھا کہ وہ مرتد ہوگیا اور تیر لگ کر مرگیا تو دیت واجب ہوگی اس لیے کہ تیر چلانے وقت وہ مسلمان تھا اور اگر کافر کے تیر مارا اور وہ تیر لگنے سے پیشتر مسلمان ہوگیا اب تب سے مرگیا تو دیت نہ آویگی اس لئے کہ وہ تیر چلانے کے وقت کافر تھا اور اگر غلام کے تیر مارا اور تیر لگنے سے پیشتر آزاد ہوگیا اور تیر سے جان بحق ہوا تو غلام کی قیمت دینی ہوگی دیت نہ دینی ہوگی اسلئے کہ تیر پھینکنے کے وقت غلام تھا گو تیر لگنے وقت ان مقتولوں کا حال بدلگیا اگر زید کو سنگسار کرنیکا حکم ہوا اور عمرو نے اس کی طرف پتھر پھینکا اور پتھر لگنے سے پیشتر کوئی گواہ اُس کے زنا کا اپنی گواہی سے پھر گیا پھر زید پتھر لگنے سے مرگیا تو عمرو پر اسکی دیت نہ آوے گی اس لئے کہ پتھر پھینکنے کا وقت اس باب میں معتبر ہے پس جسوقت عمرو نے پتھر پھینکا تھا اسوقت زید کا سنگسار کرنا واجب تھا گو بعد کو گواہ زنا پھر گیا اور زید قابل رجم نہ رہا[۲] اگر تیر چلانے والا حالت اسلام میں شکار کیطرف تیر چلائے اور پھر مرتد ہو جائے اور مرتد ہونے بعد تیر شکار کے لگے تو وہ حلال ہوگا اور اگر حالت کفر میں تیر چلایا اور پھر مسلمان ہوگیا تو شکار حرام ہوگا۔ اگر محرم آدمی شکار پر تیر مارے اور تیر لگنے سے پیشتر حلال ہو جاوے تو شکار کی جزا دینی پڑے گی کیونکہ تیر مارنے کے وقت احرام باندھے ہوئے تھا اور اگر تیر چلا کر احرام باندھ لیا پھر تیر شکار کے لگا اور مرگیا تو جزا واجب نہ ہوگی اس لئے کہ تیر چلاتے وقت محرم نہ تھا۔

کتاب الدیات

اس میں دیتوں کا یعنی خونبہا کی تعداد وغیرہ کا بیان ہے قتل شبہ عمد[۳] کی دیت سو اونٹ چار طرح کے ہیں پچیس[۲۵] ایسے جن کو دوسرا برس ہو اور پچیس[۲۵] جنکو تیسرا برس اور پچیس[۲۵] جنکو چوتھا سال ہو اور پچیس[۲۵] جنکو پانچواں سال ہو اور دیت سخت فقط اونٹوں ہی میں ہے کہ کئی طرح کے دینے پڑتے ہیں اگر درم یا دینار سے دیت ادا کرے تو ایک طرح کے دلیساتا ہے قتل خطا کی دیت بھی سو اونٹ ہیں مگر

۱؎ بہر حال تیر چلانے کے وقت کا اعتبار ہوگا پس اگر کسی مسلمان نے بسم اللہ کہہ کر کسی شکار پر تیر چلایا اور قبل اسکے کہ تیر نشانے پر پڑے مرتد ہوگیا نعوذ باللہ تو وہ شکار جو اس تیر سے مرا ہے حلال ہوگا کیونکہ تیر چلاتے وقت مسلمان تھا اور مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے ۱۲ ۲؎ کیونکہ زنا کے چار گواہوں سے رجم یعنی سنگسار کئے جانے کے پہلے اگر ایک گواہ بھی پھر جائیگا تو زانی سے سنگساری ساقط ہو جائیگی پس اس کا پتھر پھینکنا قابل رجم کیطرف تھا اگرچہ پتھر پڑتے وقت قابل رجم نہ رہا ۱۲ ۳؎ شبہ عمد کی تعریف اوپر گذر چکی ہے کہ قصداً کسی ایسی چیز سے مارا جو ہتھیار نہیں اور نہ ایسی چیز ہے جس سے جسم کٹ جائے اور اسکی دیت وہی ہے جو متن میں مذکور ہوئی اور اس کو دیت مغلظ کہتے ہیں اور یہ دیت قاتل کے قبیلہ والوں پر ہوگی اور قاتل پر کفارہ ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی

پانچ طرح کے بیس دو برس کے بربس ہیں کے نر اور بیس اسی عمر کے مادہ اور بیس تیسرے برس کے اور بیس جو چوتھے سال میں ہوں اور بیس جو پانچویں میں ہوں یا ہزار دینار یا دس ہزار درم سوا نوٹوں کے عوض دیوے اور قتل شبہ عمد اور خطا دونوں کا کفارہ وہ ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے یعنی مسلمان بردہ کا آزاد کرنا اور اگر بردہ نہ ہو سکے تو دو مہینے لگاتار روزے رکھنے کا کفارہ میں قتل کے کھانا مساکین کو کھلا دینا جائز نہیں اور نہ ماں کے پیٹ کے اندر کے بچے کو آزاد کرنا درست نہیں[1] ہاں اگر بچہ دودھ پیتا ہو اور اس کے والدین میں سے کوئی مسلمان ہو تو اس کا آزاد کرنا کفارہ میں درست ہوگا اور والدین میں سے کسی کا مسلمان ہونا اسلیئے ہے کہ بچہ بھی انکی بعیت سے مسلمان ہوگے عورت کی دیت خواہ جان کا بدلہ ہو خواہ ہاتھ پاؤں وغیرہ کا مرد کی دیت سے آدھی ہے، اور مسلمان اور ذمی کی دیت[2] برابر ہے۔

فصل صورتوں مفصلہ ذیل میں پوری دیت واجب ہوتی ہے یعنی جان مارنے سے اور ناک کاٹنے اور زبان کاٹنے اور ذکر کاٹنے اور سُپاری کاٹنے اور عقل دور کرنے اور قوت سننے یا دیکھنے یا سونگھنے یا ذائقہ کے دور کرنے اور ڈاڑھی اور سر کو اس طرح مونڈنے میں کہ پھر بال نہ جمین اور دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالنے اور دونوں ہاتھ خواہ دونوں پاؤں خواہ دونوں کان خواہ دونوں خصیے خواہ عورت کی دونوں چھاتیاں کاٹ ڈالنے میں اور دونوں ابرو کے مونڈ ڈالنے میں کہ پھر نہ جمین دیت کامل دینی ہوگی جو چیزیں کہ دو دو ہیں مثلاً آنکھ اور کان اور ہاتھ اور پاؤں انمیں سے ایک کے کاٹنے یا پھوڑنے سے نصف دیت لازم آویگی اگر دونوں آنکھوں کی چاروں پلکوں کے بال دور کر دے تو پوری دیت ہوگی اور ایک ایک پلک کے بال دور کیے تو چوتھائی دیت دینی آویگی ہاتھ اور پاؤں میں سے ایک انگلی کے کاٹنے سے دیت کا دسواں حصہ ہوگا اور جن انگلیوں میں تین پوریں ہیں اُن کی ایک پور کی دیت انگلی کی دیت کی تہائی ہے اور جنمیں دو پورے ہیں مثلاً انگوٹھا تو اس کی پور کی دیت انگلی کی دیت کی آدھی ہوگی۔ ایک دانت کی دیت پانچ اونٹ یا پانسو درم ہیں جو عضو کہ ضرب کے باعث بیکار ہو جائے یعنی جس کام کا تھا اُس سے جاتا رہے مثلاً ہاتھ سوکھ جاوے یا آنکھ میں بینائی نہ رہے تو اس میں

---

[1] کیونکہ پیٹ کے اندر معلوم نہیں کہ بچہ نر ہے یا مادہ ہے اور زندہ ہے یا نہیں اور اسکے ہاتھ پیر سلامت ہیں یا نہیں کیونکہ کفارہ میں ایسے ہی غلام کو آزاد کرنا چاہیئے کہ جس کے ہاتھ پیر سلامت ہوں ۱۲ [2] کیونکہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ہر عہد والے یعنی ذمی کی دیت اسکے عہد کے زمانے میں ایکہزار دینار ہوگی پس معلوم ہوا کہ ذمی کی دیت مسلمان کی برابر ہے کیونکہ مسلمان کی دیت بھی ایکہزار دینار سونے کے یا دس ہزار درہم چاندی کے ہیں اور مسلمان کے برابر ذمی کی دیت کا فیصلہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے ۱۲ [3] کیونکہ اس میں جمال کی منفعت کا فوت کر دینا ہوا یہانتک کہ اگر کوسج کی ٹھوڑی پر چند گنتی کے بال ہوں اور انکو کسی نے مونڈ دیا تو کچھ نہ واجب ہوگا۔ کیونکہ انکے ہونے سے بدہیئتی تھی نہ زینت ۱۲ مفتی محمد وصی علی

پوری دیت لازم ہوگی **فصل**۔ زخموں کی دیت کے بیان میں۔ جس زخم سے کہ سر کی ہڈی کھلجائے اس کی دیت بیسواں حصہ دیت کا ہے اور جس سے ہڈی سر کی ٹوٹ جاوے تو دیت کا دسواں حصہ اور جس سے ہڈی ٹوٹ کر سرک جاوے اُس کی دیت دسواں اور بیسواں حصہ دیت کا ہے یعنی دونوں کا مجموعہ اگر زخم مغز تک پہنچا ہو تو تہائی دیت کی اُس کی دیت ہے اسی طرح پیٹ کا زخم جو اندر تک پہنچے اُس کی بھی دیت تہائی ہے۔ لیکن اگر پیٹھ کیطرف پہنچگیا تو دو تہائی دیت کی آگی دیت ہوگی اور جس زخم سے صرف سر کی کھال چھلجائے اور خون نہ نکلے یا خون چھلکے اور بہے نہیں یا خون بہے یا کھال کٹجاوے یا گوشت کٹجاوے یا ہڈی کے پاس کی جھلّی تک زخم پہنچ جاوے تو یہ زخم اگر خطا سے ہوے ہوں تو جو ایک مرد عادل انکی دیت دینے کو کہے اسقدر دیت دینی ہوگی[1] زخموں میں سوا اس زخم کے جس سے ہڈی کھلجاوے اور دانستہ زخم کیا ہو اور کسی زخم میں قصاص نہیں ایک ہاتھ کی سب انگلیوں میں اگرچہ مع ہتھیلی کٹی ہوں نصف دیت ہوگی اور اگر نصف گٹے تک کٹی ہوں تو انگلیوں میں نصف دیت ہوگی اور باقی میں مرد عادل کا قول۔ اگر ہتھیلی مع ایک انگلی کے کاٹی تو دسواں حصہ دیت کا اور دو انگلیوں کے ساتھ میں پانچواں حصہ دیت کا ہوگا[2] اور ہتھیلی میں کچھ واجب نہیں اگر کسی کی زائد انگلی کاٹی یا بچہ کی آنکھ میں چوٹ لگائی یا اسکا عضو تناسل کاٹا یا زبان کاٹی اور بچہ کے دیکھنے سے آنکھ کا حال اور بولنے سے زبان کا اور ہلنے سے ذکر کا حال معلوم ہو کہ یہ اعضا اچھے ہیں تو مرد عادل کے کہنے کے بموجب دینا پڑے گا اور اگر انکی صحت کا حال معلوم ہو تو بچہ کا حال مثل کے اعضا کے ہوگا جن کا بیان اوپر گذر چکا ہے اگر زید نے عمرو کے سر پر زخم لگایا جس سے اُسکی عقل جاتی رہی یا سر کے بال اُگے تو زید کو دیت کامل دینی ہوگی اور اس دیت میں زخم کی دیت بھی آگئی[3] اور زخم مذکور سے اُس کے سننے کی قوت یا دیکھنے یا بولنے کی بھی جاتی رہی۔ تو اُن دیت اس کی دیت میں داخل نہوگی بلکہ انکی دیت جُدا دینی پڑے گی اگر زید کے سر پر ایسا زخم لگایا جس سے اُسکی آنکھیں جاتی رہیں یا ایک انگلی کاٹی اور دوسری انگلی بھی سوکھ گئی یا اوپر کی

---

[1] بشرطیکہ خطا سے لگایا ہو اور اگر قصداً لگایا ہو تو لگانیوالے سے قصاص لیا جائیگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپنے ایسے زخم میں قصاص کا فیصلہ فرمایا ہے یعنو لگانیوالے کے بھی اتنا ہی زخم لگایا جائے اس لیئے کہ اسمیں برابری ممکن ہے ۱۲ [2] کیونکہ ایک انگلی میں دسواں حصہ دیت کا ہوتا ہے تو پانچ انگلی میں نصف دیت ہوگی نیز انگلیوں سے گرفت کی منفعت حاصل ہوتی ہے اسکے کٹجانیسے یہ منفعت فوت ہو جائیگی اسلیئے دیت واجب ہوئی ۱۲ [3] کیونکہ عقل جانے سے تمام اعضا بیکار ہو جائیں گے پس ایسا ہوا کہ جیسے سر پر زخم لگنے کے بعد وہ ہلاک ہو جاتا تو اس صورت میں صرف ہلاک ہونے کی کل دیت دینا پڑتی اور سر کے زخم کی دیت اُسی میں آجاتی ویسے ہی یہاں بھی ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

پور کاٹی اُس سے نیچے کی باقی انگلی سوکھ گئی یا ہاتھ نکما ہو گیا یا آدھا دانت توڑا اور باقی رہا ہوا سیاہ پڑ گیا تو ان سب صورتوں میں قصاص نہ لینا چاہیئے بلکہ مجرم پر دیت یعنی ہر قصور پر واجب ہوگی) اگر ایک شخص کا دانت دوسرے نے اکھاڑ ڈالا اور اُسکی جگہ دوسرا نکل آیا تو دوسرے پر کچھ تاوان نہ رہیگا اور اگر دوسرے سے قصاص لیا گیا بعد قصاص کے اُس شخص کا وہی دانت جم آیا تو اول پر دوسرے کے دانت کا تاوان واجب ہوگا اگر زید نے عمرو کے سر پر زخم لگایا اور وہ زخم بھر گیا اور اُس کا نشان بھی باقی نہ رہا یا زید کی مار کی جہت سے عمرو مجروح ہو گیا تھا پھر اچھا ہو گیا اور نہ نشان نہ رہا تو زید پر کچھ تاوان نہوگا اور زخم کرنے کا قصاص جبتک مجروح اچھا نہولے لینا نہ چاہیئے اس لیئے کہ احتمال ہے۔ کہ زخم شاید بگڑ جائے اور مجروح مرجاوے تو اس صورت میں مدعاعلیہ کو جان سے مارنا لازم آویگا جس قتل عمد میں کہ شبہہ سے قصاص جاتا ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو قصداً مار ڈالے کہ اسمیں یہ شبہہ ہے کہ اگر قصاص لیویں تو خون کے وارث کو خون کے عوض میں مارنا ہوگا تو ایسے قتل میں مقتول کی دیت خاص قاتل کے مال میں ہوگی اُسکی قوم کے مال پر نہ آویگی اور یہی حال ہے اگر خون سے یا زخم سے مال پر صلح کی ہو یا خون اور زخم قاتل کے اقرار سے ثابت ہوا ہو یا دیت بیسویں حصہ سے کم ہو تو مال بھی قاتل کے مال میں سے دینا ہوگا بچہ اور دیوانہ جو کچھ تقصیر خون اور زخم کی قصداً کریں تو اُس کا حکم خطا کا سا ہے اور اسکی دیت اُنکے کنبہ پر ہوگی اور اُنپر کفارہ نہیں ہوتا[۱] اور نہ مقتول کی میراث اُسے محروم ہوں۔

فصل حمل کے بچے کے قتل کی صورتیں۔ اگر کسی نے حاملہ عورت کے پیٹ پر مارا اور اُس کا بچہ مرا ہوا گر پڑا تو مجرم پر ایک بردہ یوری دیت کے بیسویں حصہ کا دینا آویگا اور اگر جیتا بچہ گر کر مرجاوے تو پوری دیت لازم ہوگی اور اگر مردہ بچہ گرے اور پھر وہ عورت مرجاوے عورت کی اور بچہ کے عوض بردہ لازم آویگا اور اگر عورت پہلے مرجاوے پھر مردہ بچہ نکلے تو صرف دیت عورت کی لازم ہوگی اور

۱ کیونکہ ان صورتوں میں برابری ممکن نہیں اور جہاں کہیں برابری ممکن نہیں ہوتی دیت واجب کیجاتی ہے اگرچہ جرم قصداً ہی کیوں نہ کیا ہو جیسا کہ ہڈی کھلجانے والے زخم کے علاوہ اور زخموں میں گذر چکا ہی کہ عمداً ان کے ارتکاب سے بھی دیت واجب ہوتی ۱۲ ۲ امام شافعی رح کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے انکے نزدیک فوراً قصاص لینا چاہیئے جیسا کہ قتل ڈالنے میں فوراً قصاص ہوا کرتا ہی ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہی کہ زخموں کے قصاص میں ایک سال کی تاخیر کرنا چاہیئے۔ اور مصلحت وہی ہی جو متن میں ذکر ہوئی ۱۲ ۳ کیونکہ یہ لوگ غیر مکلف ہیں اس لیئے اُنپر کچھ سزا نہوگی کنبے والوں پر دیت دینے کی سزا اس لیئے کہ ان کا قصور ہے انھوں نے روک تھام کیوں نہ کی ۱۲ ۴ اور امام شافعی رح کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے ان کے نزدیک علاوہ عورت کی دیت کے اس بچہ کے عوض بھی ایک بردہ دینا ہوگا جیسا کہ ماں اگر زندہ رہتی اور مردہ بچہ گر پڑتا اور بھی کہتے ہیں کہ ماں کا مرجانا بھی بچہ کی موت کا ایک سبب ہے کیونکہ ماں کی موت سے بچہ گھٹ کر مرتا ہی اسلیئے کہ ماں کی سانس سے ہی بچہ بھی سانس لیتا ہی لہٰذا شک کی وجہ سے بچہ کا ضمان واجب ہوگا ۱۲

جو حمل کہ اُس کے گرا دینے میں بردہ لازم ہوتا ہے اُس سے وراثت لیجاویگی اسلیے کہ اسکو حیات کا حکم ہے یعنے گویا زندہ پیدا ہو کر مرا پس میراث بھی اُسکے وارثوں کو ملنی چاہیے مگر مجرم اُسکے مال سے کچھ نہ پاویگا مثلاً ایک شخص نے اپنی بی بی حاملہ کے پیٹ پر مارا اور اُس شخص کا لڑکا جو پیٹ تھا وہ مردہ نکل پڑا تو اُس شخص کے کنبہ پر بردہ اس بچہ کے عوض لازم ہوگا اور باپ کو اس بچہ کی میراث نہ پہنچیگی اور لونڈی کے پیٹ کے بچہ کی یہ صورت ہے کہ اگر لڑکا گرے تو یہ دیکھا جاویگا کہ اگر جیتا تو کتنے کا ہوتا جتنی قیمت کا ٹھیرتا اُس کا بیسواں حصہ مجرم کو دینا آویگا اور اگر لڑکی گرے تو بچہ کی قیمت کا دسواں حصہ لازم آویگا اگر زید نے عمرو کی لونڈی کے پیٹ میں مارا پھر عمرو نے اُسکے حمل کو آزاد کردیا بعد اُسکے اس لونڈی کا وہ حمل گر گیا اور بچہ مر گیا تو زید کو زندگی کے حال کے اعتبار سے اُسکی قیمت دینی آویگی اور بچہ کے عوض میں بردہ کا کفارہ لازم نہ ہوگا[1] اگر عورت نے حمل گرانے کی دوا پی یا اپنی شرمگاہ میں کچھ رکھ لیا جس سے بچہ گر گیا تو اگر یہ کام بدون شوہر کی اجازت کے کیا ہوگا تو عورت کے کنبہ پر بردہ دینا بیسواں حصہ دیت کا لازم ہوگا۔ اور اجازت سے کیا تو کچھ لازم نہ ہوگا۔

فصل راہ میں اگر کوئی کچھ امر نیا کرے اُسکے بیان میں۔ اگر کوئی شخص شارع عام کیطرف سنڈاس یا پرنالہ نکالے یا برج یا چبوترہ یا دکان بناوے تو ہر شخص کو اُن چیزوں کے توڑنیکا اختیار ہے[2] کوچہ نافذہ میں گھر والے کو یہ امور کرنے درست ہیں بشرطیکہ لوگوں کو ضرر نہو اور سربند کوچہ میں بدون اُس کے باشندوں کی اجازت کے اسطرح کا تصرف جائز نہیں اگر ایسی چیزوں کے کرنے سے کوئی مرجاوے تو میت کی دیت اُس شخص صاحب خانہ کے کنبہ پر ہوگی اور یہی حال ہے اگر راہ میں کنواں کھودے یا سل رکھدے اور اُن کے سبب سے کوئی آدمی ضائع ہوجاوے تو اُس کی دیت بھی اُس شخص کے کنبہ پر ہوگی لیکن اگر کوئی جانور تلف ہوگا تو اسکا تاوان اُس شخص کے مال میں ہوگا قوم پر دینا نہ آویگا اگر کوئی شخص بادشاہ کی اجازت سے رستہ میں پاخانہ وغیرہ کے لیے کھتا بناوے یا اپنی ملک میں کھودے یا رستہ میں بلا اجازت بادشاہ کے لکڑی رکھدے یا پل بناوے اور کوئی شخص قصداً اس لکڑی اور پل پر ہو کر گذرے اور تلف ہوجاوے تو ان سب صورتوں میں تاوان دینا ہوگا اگر کوئی

---

[1] اور امام شافعی رح کے نزدیک بچہ کا کفارہ بھی لازم ہوگا۔ کیونکہ وہ من وجہ نفس ہے اور ہمارے فقہانے کہا ہے کہ اگر مارنے والا کفارہ دینا چاہے تو دیدے افضل ہے کیونکہ اس نے ممنوع فعل کا ارتکاب کیا ہے پس بذریعہ کفارہ کے خدا کا تقرب حاصل کرکے استغفار کرے ۱۲

[2] کیونکہ ہر شخص کو مشترک طور اسی شارع عام پر چلنے کا حق حاصل ہے لہٰذا ہر ایسی نئی بات جو تکلیف دہ ہو اُس کے مٹانے کا ہر شخص کو اختیار ہوگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

شخص راہ مین بوجھ اُٹھائے ہوئے جاتا ہی اور وہ بوجھ کسی پر گر پڑا اور وہ دبکر مرگیا تو اُس شخص پر ضمان ہوگا
ہوگا اور اگر چادر پہنے جاتا تھا اور اُس کے گرنے سے کوئی مرگیا تو تاوان نہوگا[1]- اگر محلہ کے آدمیون میں
سے کسی نے وہاں کی مسجد میں قندیل باندھی یا بوریے ڈالے یا کنکر بچھائے اور اس سے کوئی آدمی
مرگیا تو اُس شخص پر ضمان نہوگا اور اگر اِن کاموں کا کرنے والا اُس محلہ کا رہنے والا نہو تو ضامن ہوگا
اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھا تھا کہ اُس سے دبکر دوسرا ہلاک ہوگیا تو بیٹھنے والا کو اسی محلہ کا ہو اگر نماز
میں[2] نہوگا تو ضمان دینا پڑے گا اور نماز میں ہوگا تو ضمان لازم نہ آوے گا۔

فصل جھکی ہوئی دیوار کے بیان میں- اگر زید کی دیوار شارع عام کی طرف جھکی ہوئی ہو اور کسی مسلمان
خواہ ذمی نے زید سے اُس کے توڑ ڈالنے کو کہدیا ہو اور جتنے عرصہ میں کہ وہ توڑ وا سکتا تھا اتنی مدت
گذر گئی تو اب جو کچھ اُس دیوار سے جان خواہ مال کا نقصان ہوگا وہ زید کو دینا پڑے گا۔ اور
اگر اول ہی سے زید نے اُسکو جھکی ہوئی بنی تو اس صورت میں کسی کے مکان کیطرف کو جھکی تو اس کے
توڑوانیکی درخواست اس مکان کے مالک کے ذمے ہی اگر مالک مکان دیوار والے کو مہلت دے
یا بری الذمہ کردے تو درست ہے یعنے پھر مالک کا نقصان ہوگا دیوار والے کو دینا نہ آوے گا۔ بخلاف اُس
صورت کے کہ دیوار شارع عام کی طرف کو جھکے کہ اس صورت میں کسی خاص آدمی کی مہلت دینے
اور بری الذمہ کردینے سے دیوار والے پر سے مواخذہ نہ جائیگا[3] اگر ایک دیوار پانچ آدمیوں کی ملک
ہے اور انمیں سے ایک پر گواہ کر دیئے گئے کہ تیری دیوار جھک گئی ہے اُسکو توڑ ڈال پھر وہ دیوار گری
اور کوئی شخص دبکر مرگیا تو جس شخص سے توڑ ڈالنے کو کہدیا تھا اُسپر پانچواں حصہ دیت کا لازم ہوگا اگر
ایک احاطہ میں تین شریک ہیں اور ان میں سے ایک نے اسمیں کنواں کھودا یا دیوار بنائی اور اُس
سے کوئی شخص ہلاک ہوگیا تو اُس کے ذمے دو تہائی دیت کی دینی آویگی[4] اس لیئے کہ اپنے حصہ میں اُن

م کسی کو کچھ کہنے وغیرہ کی کچھ شرط نہیں جو کچھ اُس سے نقصان ہوگا وہ زید کو دینا پڑیگا اور اگر دیوا

[1] چادر اور بوجھ میں فرق یہ ہوگا کہ بوجھ اُٹھانیوالا اُسکی حفاظت کا بھی قصد رکھتا ہی پس اسکی حفاظت کا اُسے ذمہ دار بنائیں گے اگر حفاظت نہ
کی اور کسی پر گر پڑا تو تاوان لینگے بخلاف چادر پہننے والے کے کہ اسکو حفاظت مقصود نہیں ہوتی لہذا اگر کسی پر چادر گر پڑی اور وہ مرگیا تو پہننے والا اُس کا
ذمہ دار نہوگا نہ تاوان دے گا ۱۲ [2] یہ شامل ہی اس صورت کو بھی کہ قرآن شریف کی تلاوت کے لئے بیٹھا ہو یا فقہ وحدیث کی تعلیم دینے کے لیے
بیٹھا ہو یا نماز کے انتظار میں بیٹھا ہو یا باتین کرنے کو بیٹھا ہو یا سوتا ہو یا گذر رہا ہو ان سب صورتوں میں ضمان دینا پڑیگا اور اگر معتکف ہوگا تو
بعض کی روایت کی بنا پر وہ مثل نماز پڑھنے والے کے شمار کیا جائیگا اور کچھ تاوان نہ دیگا ۱۲ [3] کیونکہ وہ عام گذرگاہ ہے عام لوگوں کو مشترکہ
طور پر اسمیں حق حاصل ہی پس کسی خاص شخص کا بری کر دینا یا مہلت دینا سب کی طرف سے نہوگا ۱۲ [4] یعنے اس کے کنبہ والوں کو دینا پڑیگی
اور یہ اس صورت میں ہے کہ بلا رضامندی دونوں شریکوں کے دیوار بنائی ہو یا کنواں کھودا ہو ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

چیزوں کے بنانے سے ضمان نہیں لازم آتا مگر چونکہ اپنے دوسرے شریکوں کے حصے میں یہ امر کیا تو گویا غصب کی راہ سے کیا اس لئے دو تہائی دیت کی دینی ہوگی۔

باب۔ جانور اگر کسی کا نقصان کرے یا کوئی جانور کا نقصان کرے اور دوسرے مسائل کے بیان میں

اگر سوار کی سواری کا جانور کوئی چیز یا آدمی اپنے ٹانگوں میں ملدے یا سر کی ٹکر سے یا منہ کے کاٹنے سے یا ہاتھ پاؤں مارنے سے تلف کردے تو سوار پر ضمان ہوگا لیکن اگر جانور لات مارے یا دم سے کچھ نقصان کرے تو ضمان نہ ہوگا[1] مگر اس صورت میں کہ سواری کو راہ میں کھڑا کردیا ہو کہ اس صورت میں نقصان کا ضمان دینا پڑے گا اگر جانور کی ٹانگوں سے کوئی کنکر یا گٹھلی اچھلی یا خود اس نے ٹانگوں سے غبار یا چھوٹے ڈھیلے اڑائے اور ان میں سے کسی کی آنکھ میں کوئی کنکر گٹھلی وغیرہ جا لگی اور اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو سوار پر ضمان نہ ہوگا اور اگر جانور نے بڑے ڈھیلے اڑائے تو ضمان[2] ہوگا اور سوار اگر راہ میں جانور کو لید پیشاب کرنے کے لئے کھڑا کیا اور اس نے لید یا پیشاب کیا اور اس سے کوئی تلف ہوگیا تو سوار پر ضمان نہ ہوگا اگر اور کسی سبب کیلئے کھڑا کیا تھا اور جانور نے ہگ موت دیا اس سے کوئی ضائع ہوا تو ضمان ہوگا اور جو کام کہ اس سے سوار پر ضمان آتا ہے انھیں سے جانور کے ہانکنے والے اور باگ پکڑ کر لیجانے والے پر بھی ضمان آتا ہے فرق اتنا ہی[3] کہ اگر کوئی جان سے مر جاوے تو سوار کو کفارہ دینا بھی لازم آتا ہے اور ہانکنے والے اور لیجانے پر کفارہ لازم نہیں اگر دو سوار یا دو پیادے آپس میں ٹکرا کر ایک دوسرے کے دھکے سے مر جاویں تو ہر شخص کی دیت دوسرے کے کنبہ پر ہوگی۔ اگر ایک شخص نے اپنے جانور کو پیچھے سے ہانکا اور اس کا زین کسی آدمی پر گر پڑا اور وہ مر گیا تو ہانکنے والے پر دیت کا ضمان ہوگا اگر زید اونٹوں کی قطار کی نکیل تھامے آگے لئے جاتا تھا اور ایک اونٹ کے پاؤں تلے کوئی آدمی روندا گیا تو زید کے کنبہ پر میت کی دیت آوے گی اور اگر زید کے ساتھ بکر قطار کو پیچھے سے ہانکتا تھا تو میت کی دیت زید اور بکر دونوں پر آوے گی اور اگر اونٹ مذکور کو کسی نے قطار میں باندھ دیا تھا تو جو کچھ آگے سے لے جانے والے کے کنبے کو میت کے عوض دینا پڑے گا وہ اونٹ باندھنے والے کے کنبہ سے

---

۱ کیونکہ ان باتوں سے جانور کو روک لینا سوار کے لئے ممکن ہے پس ضمان دینا پڑے گا بخلاف لات مارنے اور دم سے نقصان کر دینے کے کہ سوار کو باوجود سواری پر چلنے کے اس سے بچانا ناممکن ہے ہاں اگر راستہ میں کھڑا کردیا ہو تو اس میں بھی ضمان دینا پڑے گا کیونکہ ممکن تھا راستہ میں کھڑا نہ کرتا ۱۲ ۲ کیونکہ جانور کے چلنے میں چھوٹی کنکریاں عادۃً اڑا کرتی ہیں نہ بڑی ۱۲ ۳ اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ سوار خود کچلنے کے فعل کا مرتکب ہے اس لئے کہ اسی کے بوجھ سے کچلا ہے اور جانور کا بوجھ اس کے تابع ہے کیونکہ جانور کا چلنا اسی کی طرف منسوب ہے اور جانور مثل آلہ کے ہے بخلاف ہانکنے
اسکے بوجھ سے کچلا ہے اور جانور کا بوجھ اسکے تابع ہے کیونکہ جانور کا چلنا اسی کی طرف منسوب ہے اور جانور مثل آلہ کے ہے بخلاف ہانکنے اور لیجانے

[illegible]

بھر لیٹ[1] اگر کوئی شخص کسی جانور کو دوڑائے اس طرح کہ پیچھے سے اُسے ہانکدے تو اوّل ہی دوڑنے میں اگر آدمی یا مال کا نقصان ہوجاویگا تو وہ اُس کو دینا پڑیگا اور اگر یہ ند جانور کو اڑایا یا کتا چھوڑا اور پیچھے سے نہ مارا یا چوپایہ خود بخود بھاگا اور اُس سے کسی جان یا مال کا نقصان ہوا دن کو خواہ رات کو تو ضامن نہوگا۔ اگر قصائی بکری آنکھ نکال لے تو جسقدر بکری کی قیمت مین نقصان ہوگا[2] اتنا دینا پڑے گا اور اگر بدنہ یعنی قربانی کی گائے اور اونٹ کی آنکھ نکالی تو اُس کا مثل دینا ہوگا اور اگر گھوڑے یا گدھے کی آنکھ نکالی تو چوتھائی قیمت دینی ہوگی۔

باب۔ بردہ کے نقصان کے بیان مین۔ یعنی وہ کسی کا نقصان کرے یا اُس کا کوئی نقصان کرے بردہ اگر بہت سے نقصان کرے تو واجب ہے کہ اسکو ایک بار مالک نقصان والوں کے حوالے کرے بشرطیکہ بردہ مذکور حوالے کرنیکے قابل ہو اور اگر وہ قابل حوالے کرنے کے نہ رہا ہو (مثلاً بعد قصور کے مالک نے اُس کو آزاد کردیا ہو) تو مالک اس کی قیمت سب نقصان والوں کے حوالے کردے یعنی سب نقصان والوں کو ایک ایک قیمت مالک نہ دیوے بلکہ ایک ہی قیمت سب کے حوالے کردے[3] غلام نے قصداً کسی کا نقصان کیا اور مالک نے غلام مذکور کو اس کے حوالے کیا۔ تو وہ اس غلام کا مالک ہوجائے گا۔ جب تک کہ مالک اُسکے نقصان کا عوض دیکر نہ چھڑا لے اب اگر مالک تاوان نقصان دیکر چھڑا لے اور غلام پھر کسی کا نقصان کرے تو اُسکا حکم مثل نقصان گذشتہ کے ہے کہ مالک یا نقصان والے کو غلام دیڈالے یا اُسکے نقصان کا تاوان ادا کردے اگر غلام دو نقصان ایک ہی دفعہ کرے تو اس میں بھی مالک یا دو نقصان والوں کو غلام دیڈالے یا دونوں کے نقصان کا تاوان دے۔ اگر غلام نے قصور کیا اور مالک کو اُس کا علم نہ ہوا اور اُسکو آزاد کردیا تو مالک کو اُس نقصان کے تاوان اور غلام کی قیمت میں سے جو کم ہوگا وہ دینا آویگا اور اگر اُس کے قصور کا حال معلوم تھا اور آزاد کردیا تو نقصان کا تاوان ہی دینا لازم ہوویگا اسی طرح بیع کا حال ہے کہ اگر قصور سے مطلع ہوکر غلام کو بیچڈالے گا تو قصور کا تاوان دینا پڑے گا اور اگر مالک غلام کی آزادی کو کسی شخص

بردہ کے نقصان کے بیان میں

---

[1] یہ اس صورت میں ہے کہ چلتے چلتے قطار میں کسی نے اونٹ باندھ دیا تھا اور اگر قطار کھڑی تھی اور کسی نے پیچھے سے اونٹ جوڑ دیا اس کے بعد آگے سے لیجانیوالا کھینچ لے چلا اور نقصان ہوگیا تو آگے سے لیجانیوالے ہی کے کنبہ کو تاوان دینا پڑیگا پیچھے باندھ دینے والے کنبہ سے کچھ وصول نہیں کرسکتے ۱۲

[2] کیونکہ اس سے قصاب کو صرف گوشت مقصود ہے پس جسقدر مالیت میں نقصان ہوگا اس کا اعتبار کیا جائیگا ۱۲

[3] اور وہ لوگ اسکو اپنے نقصان کی نسبت سے تقسیم کرلیں گے مثلاً ایک شخص کے دو سو روپیہ کا نقصان کیا تھا اور دو شخصوں کے سو سو روپیہ کا نقصان کیا تھا اور قیمت غلام کی سو روپیہ تھی تو پچاس روپیہ دو سو والا لے لیگا اور پچیس پچیس روپیہ سو والے لیں گے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲

کے مار ڈالنے یا تیر مارنے یا اُس کو زخمی کرنے پر شرط کرے اگر غلام مذکور ان حرکات کا مرتکب ہو تو آزاد ہو جائیگا اور مالک کو تاوان میت یا مجروح کا دینا ہوگا۔ اگر غلام نے کسی آزاد کا ہاتھ قصداً کاٹ لیا اور مالک نے وہ غلام اُس آزاد کو دیڈالا اور اُس نے غلام مذکور کو آزاد کردیا اور پھر اُس ہاتھ کے درد میں مرگیا تو اس غلام کا دیڈالنا اس تقصیر سے صلح ہوگی یعنی تاوان آزاد کے قتل کا مالک کے ذمے کچھ نہ ہوگا (ہان اگر آزاد نے اُس غلام کو آزاد نہ کیا ہو اور ہاتھ کے درد سے مرگیا ہو تو غلام مالک کو پھیر دینگے اور غلام سے قصاص لینگے اگر غلام ماذون قرضدار کسی کا نقصان خطا سے کردے اور مالک کو اس کے قصور کی اطلاع نہ ہو اور وہ اُس کو آزاد کردے تو مالک غلام مذکور کی ایک قیمت تو قرضدار کو دے اور ایک قیمت نقصان والے کو حوالے کرے اگر لونڈی ماذون قرضدار ہو اور بچہ جنے تو اُس کو مع بچہ کے قرضہ میں فروخت کیا جائیگا لیکن اگر ماذون لونڈی کسی کا نقصان کرے اور بچہ جنے تو نقصان والے کو صرف لونڈی ملیگی (اُسکا بچہ نہ دلایا جائیگا۔ زید کا ایک غلام ہے اور عمرو نے اقرار کیا کہ اُس کے آقا نے اس کو آزاد کردیا ہے اب اگر غلام مذکور عمرو کے ولی مثلاً باپ کو خطا سے مار ڈالے گا تو عمرو کو اُس سے کچھ نہ ملیگا اس لیئے اُس کے کنبہ والوں سے دیت کا مطالبہ نہ چاہیے اگر آزاد کیئے ہوئے غلام نے کسی شخص سے کہا کہ مین نے تیرے بھائی کو حالت غلامی میں قتل کیا ہے اور اُس نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے آزاد ہونے کے بعد قتل کیا ہے یعنے اس کا قصاص یا دیت تیرے ذمہ ہے مالک کے ذمے نہیں) تو اس صورت میں غلام کا قول معتبر ہوگا اور اُس سے قصاص یا دیت کا مواخذہ نہ کیا جاویگا (اگر مالک نے اپنی لونڈی آزاد سے کہا کہ جب تو میری لونڈی تھی مین نے تیرا ہاتھ کاٹا تھا اور لونڈی نے کہا کہ تو نے آزاد کرنے کے بعد میرا ہاتھ کاٹا ہے یعنی قصاص یا دیت تجھ پر لازم ہے تو لونڈی کا قول معتبر ہے ور یہی حال ہے ان چیزوں میں جو آزادی کی ہوئی لونڈی سے مالک لے لیوے اور دعوی کرے کہ میں نے آزادی سے پیشتر لی ہیں اور لونڈی کہے کہ بعد آزادی کے تو قول لونڈی کا معتبر ہوگا مگر اُس سے صحبت کرنے میں اور مزدوری کی کمائی میں اگر اختلاف ہو تو

۲ کہ عمرو کے گمان میں وہ آزاد تھا اس لیئے مالک سے مواخذہ نہ رہا اور چونکہ واقع میں غلام ہے

۱ مثلاً کسی نے اپنے غلام سے یہ کہا اگر تو فلانے کو مار ڈالے یا اس کے تیر مارے یا اسکو زخمی کرے تو تو آزاد ہے اور ہیئتو مین لکھا ہے کہ اگر ایسی چیز پر غلام کی آزادی کو مشروط کیا جس سے غلام کے ذمے قصاص لازم ہو تو اس صورت مین مالک پر کچھ لازم نہ ہوگا کیونکہ آزاد ہونے اور غلام ہونے سے قصاص مین کچھ فرق نہ ہوگا بس مالک نے اسی جرم کرنے پر اسکی آزادی کو مشروط کرکے نقصان والونکی کچھ حق تلفی نہین کی ۱۲ ۲ کیونکہ مالک نے آزاد کرکے دو حق تلف کیے ایک قرضداروں کا کہ وہ بھی غلام کی پوری قیمت کے مستحق تھے اور دوسرا نقصان والے کا کہ وہ بھی پوری قیمت کا اس طرح سے مستحق تھا کہ غلام اسکے حوالہ کیا جاتا لہذا ۱۲

۱۲ [illegible]

قول مالک کا معتبر ہوگا نہ لونڈی کا ایک غلام جو تجارت سے ممنوع تھا اُسنے ایک آزاد لڑکے سے کسی شخص کے مار ڈالنے کو کہا اور اس لڑکے نے مار ڈالا تو اس میت کی دیت لڑکے کی قوم پر ہوگی اسی طرح اگر غلام کو کوئی کسی کے مار ڈالنے کو کہے اور وہ مار ڈالے تو دیت اسکے مالک پر ہوگی یا غلام کو مقتول کے وارث کے حوالے کرنا پڑے گا ایک غلام نے زید اور عمرو کو قصداً مار ڈالا اور زید کے بھی دو وارث ہیں اور عمرو کے بھی دو وارث ہیں جنمیں سے ایک ایک نے خون غلام کو معاف کر دیا تو مالک اس غلام کا آدھا زید اور عمرو کے دو وارثوں کو دیوے جنھوں نے معاف نہ کیا۔ اور اگر آدھا غلام نہ دے تو دیت آدھی آدھ اُن دونوں کو دیدے اور اگر زید کو غلام نے قصداً مار ڈالا اور عمرو کو خطا سے اور زید کے دو وارثوں میں سے ایک نے معاف کر دیا تو مالک یا تو پوری دیت عمرو کے دونوں وارثوں کو آدھی دیت زید کے ایک وارث کو جس نے معاف نہیں کیا حوالے کرے یا غلام کو ان تینوں کے حوالے کرے کہ تہائی تہائی لے لیں یعنی ایک حصہ زید کے ایک وارث کا اور دو حصہ عمرو کے دونوں وارثوں کے دو حصوں میں ایک غلام مشترک تھا۔ اُس نے اُن دونوں کے رشتہ داروں کو مار ڈالا اور ان دونوں میں سے ایک نے یہ خون اسکو معاف کر دیا۔ تو مقتول کا سب خون ویسے ہی گیا یعنی دوسرے مالک کو اس کے باب میں معاف کرنیوالے پر کچھ مواخذہ نہیں پہونچتا۔

فصل - ایک غلام کو کسی نے خطا سے مار ڈالا تو قاتل سے اسکی قیمت مالک کو دلائی جائے گی لیکن اگر اُس کی قیمت دس ہزار درم ہوگی تو اس میں سے دس درم کم لیں گے تاکہ غلام کو خونبہا آزاد شخص کی دیت کے برابر نہ ہو جاوے اور اگر قیمت دس ہزار سے زیادہ ہوگی تب بھی دس ہزار دلاویں گے اور اگر لونڈی کو کوئی مار ڈالے اور اسکی قیمت پانچہزار درم ہو تب بھی دس کم پانچہزار دلائے جاویں گے بخلاف اس غلام کے کہ جو کسی نے غصب کر لیا ہو اور غاصب کے پاس مر جاوے کہ اس صورت فصل

ف کیونکہ لڑکے کا فعل قصداً ہو یا خطاءً دونوں برابر ہیں اسلئے دیت اب ہوگی اسی طرح اگر ایک لڑکے نے دوسرے لڑکے سے کسی کو مار ڈالنے کے لئے کہا اور اس نے مار ڈالا تو دیت مار ڈالنے والے لڑکے کے کنبہ والوں کو دینا پڑیگی حکم کرنیوالے لڑکے کے اور ان کو کچھ نہ دینا پڑیگا کیونکہ کیونکہ ان دونوں کی بات کا شرع نے کچھ اعتبار نہیں کیا ہے ہاں لڑکے کے کنبہ کے لوگ غلام سے جب وہ آزاد ہوگا بھر لیں گے کیونکہ غلام تو اہل تھا مگر مالک کا حق اس وصول کرنے میں مانع تھا اب مالک کا حق زائل ہوگیا اور لڑکے سے قاتل لڑکے کے کنبے والے کسی وقت نہیں وصول کر سکتے نہ اب بعد بلوغ کے ۱۲ ف کیونکہ تینوں کا حق غلام کی ذات سے وابستہ ہوا ہے پس تینوں اتنا ہی ہو ۱۲ ف اس مسئلہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے ان کے نزدیک جتنی قیمت ہو دینا پڑیگی خواہ دس ہزار سے زائد کیوں نہ ہو اور ہم کہتے ہیں کہ غلام کو مار ڈالنے میں دو ضمان جمع ہوگئے آدمیت کا اور مالیت کا پس آدمیت اعلے ہے اس کا اعتبار کریں گے اور آدمیت میں حر کو شرافت ہے لہذا حر یعنی آزاد کی قیمت سے کچھ گھٹا کر دیں گے ۱۲ مفتی محمد وصی علی مسیح آبادی

ہیں غلام مذکور کی پوری قیمت دینی غاصب پر لازم ہوگی گو دسہزار سے کتنی ہی زیادہ ہو[۱] اور آزاد کیلئے
نقصان کے عوض میں جتنی دیت ٹھیری ہوئی ہے اُتنے ہی غلام کے نقصان میں اس کی قیمت
میں سے ہوگی مثلاً اگر غلام کا ہاتھ کاٹ ڈالے تو غلام کی نصف قیمت اسکو دینی ہوگی اس لئے کہ آزاد کے
ہاتھ کاٹنے میں نصف دیت لازم ہوتی ہے اگر کسی غلام کا ہاتھ کسی نے کاٹ ڈالا اور اس کے مالک نے
اُسکو آزاد کردیا اور آزاد ہونے کے بعد وہ ہاتھوں کے درد میں مرگیا اور اُس کے دوسرے وارث
بھی ہیں تو قاتل سے قصاص لیا جاویگا۔ اسواسطے کہ قصاص کا مدعی معین نہیں ہے کہ مالک ہوگا
یا وارث) اور اگر اس کا وارث اور کوئی نہو تو قاتل سے قصاص لیا جاویگا (اس لئے کہ اس صورت
میں مدعی قصاص کا مالک ہی ہے) اگر زید کے دو غلام ہیں اور اُس نے دونوں سے کہا کہ تم میں سے
ایک آزاد ہے پھر کسی نے ان دونوں کے سر کو زخمی کردیا اور اب مالک نے بیان کیا کہ میں نے اُن
میں سے فلان کو آزاد کیا تھا تو دونوں کے سر کے زخم کا تاوان مالک کو ملیگا۔ اگر زید عمرو کے غلام کی
دونوں آنکھیں پھوڑ دے تو عمرو کو اختیار ہے چاہے غلام زید کے حوالے کردے اور اس سے پوری
قیمت لیلے یا غلام اندھا اپنے پاس رکھے اور زید سے کچھ نہ لے اس لئے کہ غلام جسم کے اعتبار سے زندہ آدمی
ہے اور فائدے کے اعتبار سے مردہ اور آنکھیں پھوڑنے کی صورت میں تمام قیمت واجب ہوتی ہے
اور وہ بدن اور آنکھوں دونوں کی ہیں پس اگر غلام کو رکھیگا تو آدمی ہونے کا اعتبار لحاظ
کیا جائےگا اور فائدہ اس کا تابع متصور ہوگا۔ کیونکہ صفات تابع ذات کے ہیں پر اس صورت
میں اگر زید سے کچھ لے گا تو بدل اور مبدل منہ دونوں اُس کے پاس ہو جاویگے اور یہ درست نہیں
اگر مدبر یا ام ولد کسی کا کچھ نقصان کردیں تو مالک کو اُن کی قیمت اور تاوان کے لئے بہ نسبت [illegible] ہوگا دینا
ہوگا اور اگر مالک قاضی کے حکم سے اُن کی قیمت نقصان والے کو دیچکا ہو اور پھر وہ نقصان
کریں تو دوسرے نقصان والا پہلے نقصان والے کا شریک ان کی قیمت میں ہوگا جو مالک سے
اسے ملی ہے اور اگر مالک نے بدون حکم قاضی کے قیمت پہلے نقصان والے کو دی ہو تو دوسر

---

[۱] کیونکہ غصب مال کا ہوا کرتا ہے اور غلام کا غصب کرنا مال ہی کی جہت سے ہوا ہے پس ہم آدمیت کا لحاظ نکریں گے بلکہ مالیت کا لحاظ کرینگے جتنی کا مال ہوگا
اتنی قیمت دلائیں گے خواہ دسہزار سے زیادہ ہو جاوے ۱۲ [۲] کیونکہ آزادی کسی معین غلام پر نہیں پڑی پس دیت حق ہیں ہر ایک غلام کو مالک کی ملک میں سمجھیں گے
اور دونوں کا تاوان مالک کو دلائیں گے اور اگر مالک کے اس کے کہنے کے بعد کسی نے دونوں کو مار ڈالا تو ایک غلام کی قیمت اور ایک آزاد کا خونبہا دینا پڑیگا
کیونکہ ایک کا آزاد ہونا یقینی ہے اور اگر ایک شخص نے ایک کو مارا اور دوسرے نے دوسرے کو مارا تو ہر ایک غلام کی قیمت دینا پڑے گی
کیونکہ اُن دونوں میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں کہسکتے یقینی طور پر کہ اُس نے آزاد کو مارا ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ اللہ تعالیٰ

باب غلام و مدبر و طفل کے غصب کی اور اس میں نقصان پڑ جانے کے بیان میں

کو اختیار ہے کہ مالک اپنے نقصان کے تاوان کا مواخذہ کرے یا پہلے نقصان والے سے

باب۔ غلام اور مدبر اور لڑکے کے غصب کی اور اس ثنا میں انمیں نقصان جانیکی بیانمیں

اگر ایک غلام کا ہاتھ کسی نے کاٹ ڈالا ہو پھر اس کو کوئی دوسرا شخص چھین لے اور غاصب کے پاس وہ غلام ہاتھ کی تکلیف سے مرجاوے تو غاصب پر ہاتھ کٹے غلام کی قیمت دینی آویگی (یعنی صحیح سالم کی دینی نہ آویگی) اگر زید نے کسی کا غلام غصب کیا اور عمرو نے زید کے یہاں اس کا ہاتھ کاٹا اور وہ غلام مرگیا تو زید اس کے تاوان سے بری ہوگیا یعنی اب تاوان عمرو پر دینا آویگا ایک غلام نے جس کو تجارت کی اجازت نہ تھی آپ جیسے غلام کو چھین لیا اور دوسرا غلام اس غلام غاصب کے پاس مرگیا تو غاصب پر قیمت دوسرے غلام کی آویگی اپنے آزاد ہونے کے بعد ادا کرے عمرو نے بکر کے مدبر غلام کو غصب کیا اور مدبر نے عمرو کے یہاں خالد کا قصور کیا پھر وہ مدبر بکر کو مل گیا اور اب[۱] زید کا اس نے نقصان کیا تو بکر اس مدبر کے دام آدھوں آدھ خالد اور زید کے حوالے کرے یعنی غلام مذکور کی نصف قیمت اول عمرو سے لیکر خالد کو دے اس لیئے کہ اوّل خالد ہی مستحق تمام قیمت کا ہوا تھا زید اسوقت اس کا مزاحم اور شریک نہ تھا پھر بکر عمرو سے آدھی قیمت غلام مدبر کی اور لے اور یہ آپ رکھے اور اس صورت کے عکس میں غاصب سے نصف قیمت ایک بار لیجاویگی یعنے اگر مدبر نے بکر کے یہاں زید کا نقصان کر لیا تھا کہ عمرو نے اس کو غصب کیا اب عمرو کے یہاں خالد کا بگاڑ کیا تو اس صورت میں عمرو سے صرف آدھی قیمت لیجاویگی) اور غلام مثل مدبر کے ہے اس حکم میں صرف اتنا فرق ہے کہ غلام کی صورت میں مالک کو غلام حوالے کرنا پڑتا ہے قصور والوں کو اور مدبر کیصورت میں اسکی قیمت دینی پڑتی ہے اگر عمرو نے بکر کا مدبر غصب کیا اور عمرو کے یہاں اُسنے زید کا بگاڑ کیا پھر وہ مدبر بکر کو مل گیا مگر عمرو دوبارہ اس کو چھین لیگیا اس دفعہ اُس نے خالد کا نقصان کیا تو بکر پر مدبر مذکور کی قیمت زید اور خالد کو دینی لازم ہوگی اور پوری قیمت مدبر کی عمرو سے بھر لے اور اسمیں سے نصف زید کو دیدے اور یہ نصف جو زید کو دیا اُسکو عمرو سے پھر وصول کرے[۲] غاصب نے ایک آزاد لڑکا

---

[۱] ان دو صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں جب ہاتھ کٹے غلام کو غصب کیا تھا تو اگرچہ غاصب کے یہاں ہاتھ ہی کی تکلیف سے مرا ہو مگر اس کے ہاتھ کی تکلیف کا جو سلسلہ چلا تھا وہی منقطع سمجھیں گے پس غاصب کے اوپر ہاتھ کٹے غلام کی قیمت واجب ہوگی اور دوسری صورت میں ہاتھ کٹنے سے پہلے فعل غصب پایا گیا تھا ہاتھ کٹنے کے بعد نہیں پایا جو تکلیف کے سلسلہ کو منقطع کر دیتا لہذا ہاتھ ہی کے صدمہ میں اسکی موت سمجھی جائیگی اور غاصب پر تاوان نہوگا بلکہ ہاتھ کاٹنے والے پر ہوگا ۱۲ [۲] یعنے زید نے عمرو کا غلام غصب کیا اور زید کے پاس اس غلام نے کچھ نقصان بکر کا کر ڈالا اسکے بعد زید نے وہ غلام عمرو کو واپس کر دیا اور اس نے عمرو کے پاس آکر کچھ نقصان خالد کا کر دیا تو مالک غلام دونوں نقصان والوں کو وہ غلام حوالہ کر دیگا اور آدھی قیمت غاصب یعنے زید سے وصول کریگا ۱۲

غصب کیا جو اُس کے یہاں آکر ناگہانی موت یا بخار سے مر گیا تو غاصب پر ضمان نہوگا اور اگر بجلی اُس پر گری یا سانپ نے کاٹا اور مر گیا تو اس کی دیت غاصب کی قوم پر ہوگی اور یہی حال ہے اگر کسی لڑکے کے سپرد کوئی غلام کیا جاوے امانت کے طور پر اور وہ لڑکا غلام کو مار ڈالے تو لڑکے کے کنبہ پر غلام کی دیت آویگی اور اگر لڑکے کو کھانا امانت سپرد کیا جاوے اور وہ کھالے تو ضامن نہوگا۔

کتاب القسامۃ

اسمیں قسامہ یعنی خون کے باب میں جو محلہ والوں پر قسم لازم آتی ہے اُس کا ذکر ہے اگر کسی محلہ میں مقتول پایا گیا جسکے قاتل کا حال معلوم نہیں تو مقتول کا وارث اس محلہ والوں سے پچاس آدمیوں کو چھانٹنے اور ان سے یہ قسم لیجاوے کہ بخدا نہ ہم نے قتل کیا نہ اسکے قاتل کو جانیں اگر اس طرح کی قسم کھالیں تو محلہ والوں پر اس مقتول کی دیت ہوگی اور اگر خون کا وارث اسی محلہ میں رہتا ہو تو اُس کو قسم نہ دیجاوے گی اور جو شخص قسم کھانے سے انکار کرے اسکو قید کیا جاوے یہاں تک کہ قسم کھاوے اور اگر محلہ کے قسم کھانیوالے پچاس نہ ہوں تو موجود شخصوں کو مکرر قسمیں دیکر پچاس قسمیں پوری کر لیجاویں گی مثلاً اگر چالیس ہوں تو دس آدمیوں کو دو بار قسم دینگے اور باقی کو ایک بار اور اگر دس ہی ہوں تو سب کو پانچ پانچ بار قسم دیں گے) لڑکے اور دیوانے اور عورت اور غلام پر قسامہ نہیں یعنی خون کے مقدمہ میں ان کو قسم نہ دینی چاہیے) اور جس صورت میں نشان زخم یا مار کا نہ ہو یا یہ کہ ناک یا منہ سے یا مقام پاخانہ سے خون جاری ہو تو اس صورت میں نہ محلہ والوں پر قسم واجب ہوگی نہ اس میت کی دیت دینی ہوگی (ناک منہ مقام پاخانہ سے خون جاری ہونے کی صورت میں دیت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں احتمال بیماری کا ہے یقینی مار ڈالنا ثابت نہ ہوگا) لیکن اگر آنکھوں سے یا کانوں سے خون چلتا ہو تو قسامہ واجب ہوگا اس لیے کہ ان جگہوں سے خون بدون چوٹ نہیں بہتا اگر مقتول کسی جانور پر لدا ہوا پایا گیا اور اس جانور کو کوئی آگے سے پکڑے لئے جاتا ہے یا پیچھے سے ہانکتا ہے یا اُس پر سوار ہے تو اس ساتھ والے کے

۱؎ قیاس کا مقتضے تو یہ تھا کہ اس صورت میں غاصب کی قوم پر دیت نہوتی ہو اسلئے کہ آزاد شخص میں غصب متحقق نہیں ہو سکتا کیونکہ غصب ملک کا ہوا کرتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اور آزاد شخص مال نہیں ہو سکتا اور یہی مذہب امام شافعیؒ کا ہے کہ سانپ کاٹنے یا بجلی گرنیکی صورت میں بھی دیت نہوگی لیکن ہم کہتے ہیں کہ دیت غصب کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ اسوجہ سے ہوئی کہ وہ اس کو ایسی جگہ لیجا کر جہاں بجلیاں گرتی ہیں یا سانپ ہوتے ہیں اس کے تلف کا سبب بنا کیونکہ یہ حوادث ہر مقام پر یکساں نہیں ہوا کرتے ہیں اور بخار یا اچانک موت ہر جگہ یکساں ہے یہاں تک کہ اگر کسی ایسے مقام پر لیگیا جہاں بخار کی فصل ہے اور وہ بچہ بخار میں مر گیا تو دیت دینا پڑیگی ۱۲
مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ اللہ تعالے

مسائل قسامت

جو دفع کرنے کی غرض سے قسم نہیں کھاتا بلکہ قصاص اور قید سے دفع کرنے کیلئے قسم کھانا حکم ہے بلکہ دیت واجب ہوگی ۱۲

کنبہ پر مردہ کی دیت[۱] ہوگی اگر کوئی جانور جسپر مقتول شخص ہے دونوں گانوؤں کے درمیان ہوکر نکلا اور کوئی اسکے ساتھ نہ تھا تو جو گانون نزدیک ہوگا اُسپر قسامہ اور دیت لازم ہوگی اور اگر دونوں برابر ہوں تو دونوں پر لازم ہوگی، اگر مقتول آدمی کسی کے مکان میں پایا جاوے تو مالک مکان پر قسامہ ہوگا یعنی پچاس قسمیں کھاوے گا اور دیت اُس کے کنبے پر لازم ہوگی۔ قسامہ زمینداروں[۲] پر واجب ہے نہ رہنے والوں اور خریدنے والوں پر یعنی جن لوگوں کو بادشاہ نے زمین دی ہوان لوگوں پر قسم واجب ہے جو بات سُنے کے اور خریدار زمین کے ہوں انپر واجب نہیں لیکن اگر زمینداروں میں سے کوئی نہ رہا ہو تو اس صورت میں خریدنے والوں پر قسم ہوگی اگر مقتول کسی حویلی مشترک میں پایا جاوے اور شرکا کا حصّہ یکساں نہیں ہے کوئی نصف کا شریک ہے کوئی چوتھائی وغیرہ کا تو قسامہ اور دیت شریکوں کے عدد کے اعتبار سے ہوگی نہ اُن کی ملکیّت کے سہاموں کے اعتبار سے، اگر ایسی حویلی میں مقتول ملا کہ اسکی بیع ہو چکی تھی مگر مشتری کے قبضہ میں نہیں آئی تھی تو دیت بائع کی قوم پر ہوگی اور اگر بیع خیار کے ساتھ ہوئی تھی تو وہ حویلی جس کے قبضہ میں ہوگی اُس کے کنبہ پر دیت لازم آویگی خواہ قابض بائع ہو یا مشتری لیکن قابض کی قوم دیت نہ ادا کرے جبتک اس بات کے گواہ نہ گذر چکیں کہ یہ حویلی قابض کی ملکیت ہے ورنہ صرف مکان میں رہنے سے بدوں ملکیّت کے دیت اس کی طرف سے لازم نہ ہوگی اگر کشتی میں مقتول ملے تو جو اس میں سوار اور ملاح ہوں انپر قسامہ اور دیت ہوگی اور کسی محلہ کی مسجد میں اگر ملے تو محلہ والوں پہ ہوگی اور شارع عام یا جامع مسجد میں ملے تو قسامہ اس صورت میں نہیں اور دیت بیت المال سے دی جاوے گی اگر جنگل میں مقتول ملے یا بیچ میں دریا کے پایا جاوے تو اُس کی کچھ پرسش نہ ہوگی نہ قسم ہوگی نہ دیت اور اگر دریا کے کنارے لٹکا ہوا یا بندھا ہوا ملے تو جو گانوں وہاں سے زیادہ نزدیک ہوگا اُس پر قسامہ لازم آوے گا۔ اگر خون کے وارث نے اہل محلہ کے سوا کسی اور پر دعویٰ خون کا کیا تو قسامہ اُس محلہ والوں سے جاتا رہیگا اور اگر محلہ والوں ہی میں سے ایک شخص معیّن پر دعویٰ کیا

---

[۱] اور محلہ والوں پر نہ ہوگی کیونکہ مقتول شخص اس کے ہاتھ میں پایا گیا پس وہی اُس کی دیت ادا کریگا اسی طرح سے اگر کسی کے گھر میں پایا جاوے تو گھر والے کی قوم پر دیت ہوگی اور اس صورت میں کہ قاتل کی قوم کا پتہ نہ لگے ۱۲ [۲] کیونکہ زمینداروں کی سکونت دائمی ہے اور ان کا قیام لازمی ہے پس محلہ کی درستی اور اصلاح کی ولایت انہیں کو حاصل ہوا کرتی ہے اس لئے تقصیر بھی انہیں کی طرف منسوب کیجائیگی ۱۲ [۳] کیونکہ شارع عام جامع مسجد کا تعلق عام لوگوں سے ہے کوئی شخص واحد اس کے ساتھ مخصوص نہیں اور یہی حال اُس پل کا ہے جو عام گذر گاہ میں ہو پس اسکی دیت بھی عام لوگوں کے مال سے ادا کیجائے گی اور بیت المال میں عام لوگوں کا مال ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی رحمہ اللہ

تو قسامہ اُنپر سے نجاوے گا۔ اگر ایک قوم تلوارین کھینچکر بھڑین اور ایک مقتول کو چھوڑ کر جدا ہوں تو قسامہ محلہ والوں پر ہوگا جہان لڑائی ہوئی لیکن اگر خون کا وارث اُن لوگوں پر جو تلوارین لیکر لڑے تھے دعوی کرے یا اُن میں سے ایک شخص معین پر مدعی ہو تو البتہ محلہ والونپر قسامہ نہو گا۔ محلہ والوں میں سے قسم والون نے بیان کیا کہ مقتول کو ایک شخص خاص مثلاً زید نے مارا ہے تو اُس کو اس طور پر قسم دیجاوے گی۔ کہ بخدا میں نے مقتول کو نہیں مارا نہ سوا زید کے اُس کے قاتل کو جانون محلہ والوں میں سے اگر کچھ لوگ گواہی دین کہ غیر محلہ کے آدمی نے مارا ہے یا اُس محلہ کے ایک شخص معین کا نام لیں کہ ہم میں سے فلان شخص نے مارا ہے تو یہ گواہی باطل ہوگی ۔

كتابُ المعاقل

اسمین دیتوں کا بیان ہو کہ کون کون آدمی دیت دین، مَعَاقل جمع مَعقلہ کی ہے جسکے معنی دیت ہیں جو خونبہا کہ نفس قتل پر دینا آتا ہے وہ عاقلہ پر ہوتا ہی (نفس قتل کی قید سے وہ خونبہا نکل گیا جو صلح کی راہ سے دیا جاے یا شبہ کی راہ ہی مثلاً باپ اپنے بیٹے کو عمداً مار ڈالے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں خونبہا خاص قاتل کے مال میں ہوتا ہے نہ عاقلہ پر) اگر قاتل روزنیہ دار یا سپاہی بادشاہی ہو تو اُس کے عاقلہ وہ لوگ ہیں جنکے نام دفتر بادشاہی میں ہوں یعنی بادشاہ کے دفتر میں اگر خاص قوم کے روزنیہ دار خواہ فوج کے لوگ لکھے ہوں اور انہیں سے کوئی قاتل ہو تو باقی لوگ اسکے عاقلہ ہیں (ع) دیت کا روپیہ اُنکی تنخواہ سے تین برس کے عرصہ میں وصول کرلیا جاوے اور اگر اُن کی تنخواہ تین برس سے زیادہ عرصہ میں یا کم میں وصول ہو تو اُسی وقت دیت کو مجرا کرلیں اور اگر قاتل دفتر والوں میں سے نہو تو اُس کا عاقلہ اس کا قبیلہ یعنی برادری والے رشتہ دار ہیں دیت اُن سے تین برس میں بھانٹ کر لیجاوے گی اور ایک شخص سے سال بھر کے عرصہ میں ایک درم خواہ ایک

۱؎ اور اسمین اور اُس سے پہلے والی صورت میں فرق یہ ہو کہ اُس صورت میں جو قسامہ محلہ والونپر ہوگی وہ آپ کی دلیل ہو کہ قاتل انہیں محلہ والوں سے کوئی ہوگا پس اگر خون کا وارث انہیں سے ایک کو معین کر کے مدعی ہوا تو کچھ منافاۃ نہیں بخلاف اس صورت کے کہ جب محلہ والوں کے علاوہ غیر محلہ والے شخص پر دعوے کیا تو یہ اس بات کا ظاہر کرنا ہے کہ محلہ والے بیقصور ہیں لہذا ان پر قسامہ نہوگی ۱۲ ۲؎ کیونکہ قسامہ اور دیت جب ہی واجب ہوتی ہے جب مقتول کا وارث محلہ والونپر مدعی ہو صرف مقتول کے انہیں پائے جانیسے دیت و قسامہ نہیں ہوتی پس جبکہ دعوے محلہ والوں پر ہوا تو محلہ والے مدعا علیہ ہوئے اب جو لوگ اس قسم کی شہادت دینگے ان کے متعلق یہ خیال ہو سکتا ہی کہ اپنے اوپر سے دعوے ہٹانے کی غرض سے یہ شہادت دیتے ہیں لہذا مقبول نہوگی ۱۲ ۳؎ عاقلہ کے معنے روکنے والے کے ہیں پس ہر شخص کے عاقلہ اُس کے یار و مددگار ہونگے پس انھیں کے بر تے پر قاتل سے اس قسم کی بیجا حرکت ہوئی

کتاب المعاقل

[illegible]

درم اور ایک درم کی تہائی سے زیادہ نہ لیا جائیگا تو اس حساب سے ایک آدمی سے تین برس کے عرصہ میں چار درم سے زیادہ نہیں لیا جائیگا اگر اس قبیلہ کے لوگ اتنے نہوں کہ اس حساب سے پڑت پڑے بلکہ کم ہوں اور چار درم سے زیادہ اُنپر پڑتا ہو تو ان میں عصبات کی ترتیب سے دوسرا قبیلہ اُن کا رشتہ دار ملا لیا جاویگا یعنی اوّل بھائیوں کو پھر بھتیجوں کو پھر چچاؤں کو پھر اُنکے بیٹوں کو قاتل کے منجملہ عاقلہ کی شمار کیا جاویگا یعنی جیسے اوروں سے دیت وصول ہوگی ویسے ہی اُس سے بھی لیجاویگی آزاد کئے ہوئے کا عاقلہ اُسکے کنبہ کے لوگ۔ غلام کے بگاڑ کرنے کا تاوان عاقلہ پر نہیں اور نہ اُس قصور کا کہ آدمی جانکر کرے اور نہ اُس کا جو صلح کرے یا اقرار کرے کہ ان میں صرف مدعا علیہ پر تاوان ہوتا ہے لیکن اگر مدعا علیہ کے اقرار کی تصدیق عاقلہ کرے تو عاقلہ پر تاوان ہوگا اگر آزاد آدمی غلام کا بگاڑ خطا کی راہ سے کرے تو اسکا تاوان اُس کی برادری پر ہوگا[2] یعنی خطا کی راہ سے بگاڑ کرنے میں برادری پر دیت آتی برابر ہے خواہ آزاد کا نقصان ہووے یا غلام کا)۔

کتاب الوصایا

اس میں وصیتوں کا بیان ہے اور وصیت وہ ہے کہ اپنے مرنے کے بعد کسی کے لیئے کچھ مقرر کرے جو وصیت کرتا ہے اس کو موصی یعنی وصیت کرنیوالا کہتے ہیں اور جس کے لیئے وصیت کی ہو اسے موصیٰ لہٗ کہتے ہیں اور جس شخص کو وصیت کی تعمیل کے لیئے کہا ہو اُس کو وصی[3] کہتے ہیں وصیت مرنیکے بعد کے زمانہ میں کسی چیز کے مالک کرنے کو کہتے ہیں اور وصیت کرنا مستحب ہے۔ میت کے مال متروک کی تہائی سے زیادہ کی وصیت درست نہیں۔ قاتل کیلئے وصیت درست نہیں موصی اگر اپنے قاتل کے لئے کچھ وصیت کرے تو جائز نہو گی) مورث اگر اپنے وارث کیلیے وصیت کرے تو درست نہیں بشرطیکہ دوسرے وارث جائز نہ رکھیں لیکن اگر اور وارث اس وصیت کو جائز رکھیں تو درست ہی مسلمان اگر ذمی کے لیئے وصیت کرے یا ذمی مسلمان کیلیے تو درست ہے۔ وصیت کا قبول

---

[4] اُس کے آزاد کرنیکی برادری ہے اور مولی موالات کا عاقلہ وہ ہے جس کے ہاتھ پر وہ مسلمان ہوا اور اُسکے

[1] اور یہ الحاق محض اسوجہ سے ہے کہ دینے والونکو تخفیف ہو قاتل کے آباء اور اولاد کو بعضوں نے دیت دینے والوں میں شمار کیا ہے اور بعضوں نے نہیں شمار کیا کیونکہ دوسرا قبیلہ اسوجہ سے ملایا کہ کثرت آدمیونکی وجہ سے ہر شخص پر چار درم سے زیادہ نہ آوے جو دشواری ہے پڑتا اور یہ دشواری کثرت تعداد ہی کے وقت دفع ہوگی اور باپ یا بیٹے سے تعداد کی کثرت نہ ہوگی ہو [2] یعنے اگر خطا سے کسی آزاد آدمی نے غلام کو مار ڈالا تو اسکی دیت عاقلہ پر ہوگی اور اس مسئلہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔ ان کا ایک قول ہے کہ خود مارنیوالے کے مال سے دیجاوے کیونکہ غلام مالی ہے اور مال کے تاوان قصور کرنیوالے کے ذمے ہوتے ہیں اور ہمارا جواب ہے کہ اسکی مالیت سے آدمیت کو شرافت ہے اسوجہ سے آدمیت کا بدلہ دلائینگے اور دیت ہو پس عاقلہ پر واجب ہوگی [3] یعنے وصیت کیا ہوا اور جس چیز کی وصیت

کرنا موصی کی موت کے بعد ہونا چاہیئے اور اگر اس کی زندگی میں موصیٰ لہ اُس کو قبول نہ کرے یا قبول کرلے تو باطل ہے (بلکہ موت کے بعد کا اعتبار ہے) اور مستحب ہے۔ کہ مال کی تہائی سے وصیت کم کرے اور جب موصیٰ لہٗ وصیت کی چیز کو قبول کرلے تو وہ اُس کی ملک میں آجاتی ہے ہاں اگر موصی کہ موصیٰ کے مرنے کے بعد ہی مرجاوے تو نوبت قبول وصیت کی نہ پہنچے تو بدون قبول کے بھی ملک موصیٰ لہٗ کی ثابت ہوجاوے گی۔ قرضدار کا قرض اگر اس کے مال کا محیط ہو یعنی اس کے برابر ہو یا زائد تو ایسے قرضدار کی وصیت درست نہیں اسی طرح لڑکا اور مکاتب اگر کچھ وصیت کریں۔ تو درست نہیں حمل کے لیے کچھ مال کی وصیت کرنی مثلاً یوں کہنا کہ میرا اس قدر مال اس پیٹ کے بچہ کو ملے اور حمل کی وصیت کسی اور کو کرنی مثلاً یہ کہنا کہ میری لونڈی کے حمل سے جو بچہ پیدا ہو وہ فلاں شخص کو دیدینا درست ہے۔ بشرطیکہ وصیت کے وقت سے چھ مہینے کے اندر پیدا ہوا ور اگر چھ مہینے یا زائد میں ہوگا تو وصیت دونوں صورتوں میں نہ ہوسکیگی اسلیئے کہ وصیت کے وقت حمل کا یقین نہ رہیگا۔ حمل کے واسطے کوئی چیز ہبہ کرنی درست نہیں۔ اگر لونڈی کی وصیت اور اس کے حمل کو خارج رکھا تو درست ہے موصیٰ لہٗ کو لونڈی ملیگی حمل کا بچہ نہ ملیگا۔ موصی اپنی وصیت سے قول اور فعل سے پھر سکتا ہے۔ قول اسطرح کہ کہے کہ میں نے جو وصیت کی تھی اُس سے رجوع کی۔ اور فعل سے اس طرح کہ جس چیز کی وصیت کی تھی اسکو بیچڈالا یا ہبہ کردیا یا کپڑا تھا اسکو بیونت لیا بکری تھی اس کو ذبح کرلیا۔ اگر موصی وصیت سے انکار کرے تو اس سے رجوع ثابت نہ ہوگا مثلاً یوں کہے کہ میں نے وصیت نہیں کی اور موصیٰ لہٗ گواہوں سے ثابت کردے کہ وصیت کی تھی۔ تو موصیٰ لہٗ کو وصیت کی چیز پہنچے گی)۔

باب۔ اپنے مال کی تہائی کی وصیت کرنے کے بیان میں۔ اگر موصی نے تہائی مال کی زید کے لیے وصیت کی اور دوسری تہائی کی عمرو کے لیئے اور وارثوں نے دو تہائی کی وصیت درست نہ رکھی تو ایک تہائی زید اور عمرو کو برابر تقسیم ہوجاویگی اگر زید کے لئے تہائی کی وصیت

ـــــــــــــــ

ـلہ یعنی موصی کو تہائی مال تک وصیت کرنیکا حق حاصل تھا پس مستحب ہے۔ کہ تہائی مال سے کم ہی کم کی وصیت کرے عام اس سے کہ اس کے ورثا امیر ہوں یا غریب کیونکہ پوری تہائی کی وصیت میں اپنا پورا حق وصول کرلینا اور کم میں تہائی سے کچھ کم اپنا حق چھوڑ کر قرابت والوں پر صلہ رحمی کرنا ہے پھر تہائی سے کم کی وصیت کرنا بہتر ہے یا ترک وصیت اسمیں فقہانے کہا ہے کہ اگر ورثہ غریب ہیں اور جو کچھ ان کو اپنے حصہ میں ملیگا اس سے امیر نہیں ہوسکتے تو پھر موصی کو ترک وصیت اولے ہے کیونکہ اس میں فقرا کے حق کی رعایت بھی ہے اس لئے کہ وہ قرابت دار فقیر ہیں اور صلہ رحمی بھی ہے۔ اور اگر ورثہ امیر ہیں یا وصیت کے بعد جو کچھ انکو حصہ میں ملیگا اس سے تونگر ہوجائینگے تو پھر وصیت کرجانا بہتر ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اسوقت موصی کو اختیار ہے ہر صورت

باب اپنے مال کی تہائی کی وصیت میں

کی اور عمرو کے لیے چھٹے حصہ کی اور وارثوں نے جائز رکھا تو تہائی ترکہ موصی کا زید و عمرو کو اس طرح تقسیم ہوگا کہ تین حصہ کرکے دو حصہ زید کو اور ایک حصہ عمرو کو دیا جاویگا۔ اگر زید کے لئے کل مال کی وصیت کی اور عمرو کے لیے تہائی مال کی اور ورثہ نے وصیت کو جائز رکھا تو ترکہ موصی کی تہائی زید و عمرو میں آدھوں آدھ تقسیم ہوگی۔ موصی لہ کو ترکہ کی تہائی سے زیادہ حصہ نہ ٹھیرایا جاوے۔ مگر تین صورتوں میں اول محابات[1] کی صورت میں محابات بیع میں رعایت کرنے کو کہتے ہین کہ ہزار کا مال مثلاً سو کو بیڈالے پس اگر موصی کے دو غلام زید کے ہاتھ دو سو کو بیچڈالنا اور چھ سو کا عمرو کے ہاتھ سو کو بیچڈالنا اور دوسرا کوئی مال اُس کے پاس نہو اور اُس کے وارث اس وصیت کو جائز نہ رکھین پس چونکہ صورت مذکورہ مین زید کے ساتھ ہزار روپیہ کی رعایت کی تو گویا ہزار اس کیلئے وصیت کیے اور عمرو کے ساتھ پانسو کی وصیت کی تو کل ترکہ مین سے تہائی بیکر یعنی دونوں غلاموں کی قیمت جو اٹھارہ سو ہوتے ہیں اُس کی تہائی چھ سو روپیہ زید و عمرو مین بموجب وصیت کے تقسیم کرینگے یعنی زید کا حصہ عمرو سے دونا تھا تو اسقدر کی تہائی عمرو کو دیں گے اور دو تہائی زید کو یعنی دو سو عمرو ملیں گے اور چار سو زید کو حالانکہ اس نظر سے کہ زید کو ہزار کی وصیت ہے چوتھائی ترکہ سے زائد ہے اوپر کے قاعدے کے بموجب تہائی میں دونون شریک برابر کے ہوکر ہر ایک کو تین سو ملنے چاہئیں مگر محابات کی وجہ سے اوپر کا قاعدہ جاری نہوا دوم سعایت کی صورت میں اور اُس کی کیفیت یہ ہے۔ کہ موصی کے دو غلام ہوں ایک دو ہزار کا دوسرا ایک ہزار کا اور وہ وصیت اُن کے آزاد کرنے کی کرجائے اور سوا ان غلاموں کے اور کچھ مال اُس کا نہو اور اسکے وارث وصیت کو جائز نہ رکھیں تو کل ترکہ کی تہائی سے یہ وصیت جاری ہوگی یعنی بقدر ہزار کے آزاد ہوں گے اور دو تہائی اپنی قیمت کی یعنے دو ہزار ورثہ کو کما کر دیں گے اور ہزار کی آزادی میں وصیت کے بموجب ہر ایک کو حصہ ملیگا دونوں کو برابر نہ ملیگا سوم دراہم مرسلہ یعنی مطلق کی صورت میں جنمیں

دو ہوں جنمیں سے ایک کی قیمت بارہ سو ہو اور ایک کی چھ سو اور وصیت کرے کہ بارہ سو کو غلام

[1] امام ابو حنیفہ رح کے یہی مذہب ہے۔ اور صاحبین رح کے نزدیک اس صورت میں ثلث مال یعنی تہائی مال کے چار حصہ زید کو دیئے جائیں جس کے لئے کل مال کی وصیت تھی اور ایک حصہ عمرو کو دیا جاوے جس کے واسطے تہائی مال کی وصیت تھی اور دلیل امام صاحب رح کی یہی ہے کہ موصی کا کل مال کی وصیت کرنا جب ورثہ نے جائز نہیں رکھا تو وہ وصیت نافذ نہوگی کیونکہ غیر مشروع ہے پس اسی مقدار کی رہیگی جتنے کا استحقاق تھا اور استحقاق ثلث تک تھا پس وصیت بھی ثلث کی سمجھی جاویگی لہذا زید اور عمرو دونوں وصیت میں برابر رہے اور ایک ثلث سے دونوں کو آدھا آدھا ملیگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی بلیح آبادی ۱۲

قید مال کی تہائی اور چوتھائی کی نہو مثلاً زید کو تیس روپیہ کی وصیت کرے اور عمرو کو ساٹھ کی اور اُس کے پاس ان روپیوں کے سوا اور مال نہو تو در صورت نارضامندی ورثاء کے وصیت مذکور تہائی مال سے جاری ہوگی اور زید و عمرو کو موافق اُن کی وصیت کے حصہ رسد ترکہ کی تہائی میں سے دیا جائیگا برابر نہ دیا جائیگا اگر وصیت کی موصی لہ کو میرے بیٹے کا حصہ ملے تو یہ وصیت باطل ہے اس لیئے کہ بیٹے کا حصہ کسی کو نہیں پہنچ سکتا ہاں اگر یوں وصیت کہ میرے بیٹے کے حصہ کے برابر اسکو دینا تو درست ہے۔ اس صورت میں اگر موصی کے دو بیٹے ہوں تو موصی لہ کو تہائی مال ملیگا اس لیے کہ بیٹے کا حصہ تو آدھا ہے وہ تو اس کو مل نہیں سکتا۔ کیونکہ تہائی سے بڑھ جاویگا اسی جہت سے تہائی مال دیا جاویگا۔ اور اب بھی اس کا حصہ بیٹوں کے برابر ہی رہیگا اور اگر وصیت کی کہ میرے مال کا ایک سہام یا ایک جزو فلانے کو دیدینا تو اس کا بیان کرنا ورثہ کے اختیار میں ہے جو کتنا سہام چاہیں فلانے کے لئے ہی پھر دوبارہ کہا کہ فلانے کے لئے میرے مال کی تہائی موصی لہ کو دیں اگر یہ کہا کہ میرے مال کی تہائی یعنی ایک تہائی ایک شخص کے لئے دو بار کہی تو موصی کو ایک تہائی ہی ملیگی اس سے زیادہ نہ ملے گا اسی طرح اگر مال کے چھٹے حصہ کو موصی لہ کے لیئے مکرر کہے تو اس کو ایک چھٹا حصہ ملیگا دو حصے نہ ملیں گے اگر یوں وصیت کی کہ میرے نقد روپیوں یا بکریوں سے تہائی فلاں کو دینا پھر دو تہائی روپیہ خواہ بکریاں تلف ہو جائیں تو موصی لہ باقی بکریاں یا بچے روپے لیلیگا اور اگر غلاموں یا تھانوں یا گھروں کی نسبت ایسا کہا تھا اور انمیں سے دو تہائی جاتی رہی تو اب موصی لہ کو باقی نہ ملیں گے بلکہ باقی کی تہائی ملیگی اگر وصیت کی کہ ہزار روپیہ فلاں کو دیدینا اور ترکہ مال موجود اور لوگوں کے ذمے قرض ہو پس اگر مال موجود کی تہائی ہزار روپیہ ہو سکتے ہیں تب تو ہزار روپیہ موصی لہ کو دیدیں اور اگر موجود مال اتنا نہو تو جسقدر اُسکی تہائی ہو وہ موصی لہ کو حوالہ کریں اور پھر قرض میں سے جسقدر آتا جاوے اس کی تہائی اسکو دیتے ہیں یہاں تک کہ ہزار پورے ہو جاویں اگر وصیت کی کہ میرے مال کی تہائی زید و عمرو کو دینا اور عمرو اُسوقت زندہ نہ ہو تو تہائی ساری زید کو ملے گی اور اگر یوں کہا کہ میرے مال کی تہائی میں شریک زید

لے یہاں ورثہ سے یہی مراد ہے کہ جو ورثہ تجویز کریں سمجھا جائیگا کہ یہی مورث کا مقصود ہے اسلیئے کہ مورث کا ایک جز کی وصیت کرنا مجہول تھا جز قلیل کو بھی کہیں گے اور کثیر کو بھی چاہیئے تو یہ تھا کہ مجہول چیز کی وصیت باطل ہوتی مگر چونکہ باب وصیت زیادہ وسیع ہے اس لئے یہ جہالت وصیت کی صحت کو مانع نہو گی پس جب صحیح ہو گئی اور موصی بہ مجہول ہے تو اس کے بیان کرنے کے لئے موصی کے ورثا موصی کے قائمقام ہونگے جتنا وہ تجویز کردینگے اتنا ہی اس شخص کو دیا جائیگا ۱۲

ے کیونکہ مال ایک جنس کا ہے موصی لہ کا حصہ بچے ہوئے روپیہ اور بکریوں میں اکٹھا کر کے قرار دینگے اور تقسیم ترکہ سے وصیت مقدم ہے لہذا موصی لہ

ہے۔ اور عمرو زندہ نہ ہو تو زید کو چھٹا حصہ[1] ملیگا اور عمرو کو کچھ نہ ملیگا کہ وہ مردہ ہے اگر یہ کہا کہ فلانے کو میرا تہائی مال ملے اور مال موصی کے پاس کچھ نہیں تو موصی اپنے مرنے کے وقت جس چیز کا مالک ہوگا۔ اسکی تہائی موصی لہ کو پہونچیگی۔ اگر وصیت کی۔ کہ میرے مال میں سے تہائی میری تین ام ولد کو اور فقیروں اور مسکینوں کو دینا تو ترکہ پانچ حصے کر کے تین حصہ تین ام ولد کو اور ایک حصہ فقیروں کو اور ایک مسکینوں کو دیا جاویگا۔ اگر وصیت کی کہ ترکہ کی تہائی زید اور مساکین کو دینا تو ترکہ کی تہائی میں سے آدھا زید کو اور آدھا مسکینوں کو ملیگا۔ اگر سو روپیہ کی وصیت زید کو کی اور سو کی عمرو کو پھر بکر سے کہا کہ مین نے تجھے اُن دونوں کا شریک کیا تو بکر کو دونوں سو میں سے تہائی ملیگا یعنی سو کی تہائی زید سے لے اور سو کی عمرو سے اس صورت میں ہر ایک کا حصہ مساوی ہوگا۔ کہ ہر ایک کے پاس سو کی دو تہائی ہوں گی اور اگر زید کو وصیت چار سو کی کی اور عمرو کو دو سو کی اور بکر سے کہدیا کہ تجھ کو دونوں کا شریک کیا تو بکر کو ہر ایک سے آدھا حصہ ملیگا یعنی زید کو چار سو کی وصیت تھی تو دو سو اس کے حصہ میں سے اور عمرو کو دو سو کی تھی سو اس کے حصہ میں سے بکر کو ملیں گے غرضکہ بکر کو تین سو اور زید کو دو سو اور عمرو کو سو ملینگے اگر موصی نے اپنے وارثوں سے کہا کہ زید کا مجھ پر قرض ہے اور وارثوں نے اُس کا قول مان لیا تو یہ تہائی ترکہ میں ہوگا یعنی اگر زید دعوی قرض کا کرے گا تو تہائی تک سماعت ہوگی ترکے کی تہائی سے زاید میں دعوی مقبول نہوگا اگر موصی نے اول اپنے ذمے زید کے دین کا اقرار کیا بعد اسکے بہت سی وصیتین کیں تو موصی کے مال کی ایک تہائی وصیت والون کیلئے اور دو تہائیاں وارثوں کے لئے علیحدہ کر کے دونوں جماعتوں سے کہیں کہ تمکو اپنے حصہ میں سے جسقدر قرضہ کے مدعی زید کو سچا ٹھیرانا ہو بیان کرو جب وہ دونون گروہ بیان کر دین تو ہر ایک کے حصہ میں سے اُسی قدر زید کو دیویں اور اہل وصیت کے تہائی میں سے جسقدر بچے اس کو وہ تقسیم حصہ رسد کریں اور ورثہ کی دو تہائی میں سے جو رہے وہ اس کو بانٹ لیں۔ اگر موصی نے کسی قدر مال کی وصیت اجنبی شخص اور اپنے

[1] اس لئے کہ پہلی صورت میں اگر اتنا ہی کہتا کہ میرے مال کی تہائی زید کو ہے تو بھی پہنچتی مگر پچھلی صورت میں اگر اتنا ہی کہتا کہ میرے مال میں شریک زید ہے تو زید کو تہائی نہ دیجاتی اسلئے کہ اگر دونوں صورتوں میں مردہ کا بھی نام لیا تو کچھ حرج موصی کی غرض میں نہ ہوگا بلکہ اول صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ کل تہائی زندہ کو دینا چاہتا ہے اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری دینی منظور نہیں ۱۲ [2] کیونکہ وصیت ایک ایسا معاملہ ہے جو مرنیکے بعد کے وقت کیطرف منسوب ہوتا ہے اور اس کا حکم بھی مرنیکے بعد ثابت ہوتا ہے پس موت کے وقت مال کا موجود ہونا شرط ہے اور اسی طرح اگر وصیت اپنی بکریوں کی نسبت کی اور حقیقت میں اس وقت اس کے پاس بکریاں نہ تھیں ... پھر انتقال ہوا تو صحیح یہ ہے کہ وصیت صحیح ہوگئی اور بکریاں سب موصی لہ کو ملیگا کیونکہ اگر مال کے لفظ سے کہتا تو وصیت صحیح تھی پس ایسے ہی اگر مال کی قسم کا نام لیدیا تو وصیت صحیح ہونا چاہئے ۱۲ [3] کیونکہ شرکت کے معنے مساوات کے ہیں تو پہلی صورت میں تینوں مساوی ہو سکتے ہیں اور اس صورت میں چونکہ حصہ زید و عمرو کا کم یا زیادہ ہے بطور سابق مساوات ممکن نہیں لہذا بکر کو دونوں کے حصہ میں مساوی کر دیا گیا ۱۲ [4] قیاس کا مقتضی تو یہ تھا کہ یہ دعوی تہائی تک مقبول نہ ہوتا کیونکہ مورث نے کوئی مقدار قرض کی مقرر نہیں کی تھی مگر چونکہ مقصود مورث کا نہ تھا کہ ترکہ پانیمیں لیدیا ورثہ سے مقدم ہے اور یہ وصیت میں بھی متصور تھا لہذا وصیت قرار دیکر تہائی تک سماعت کرینگے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

ایک وارث کو کی تو اجنبی کو مال موصیٰ بہ کا آدھا ملیگا اور وارث کے لئے وصیت باطل ہوگی۔
اس لیئے کہ وارث کیلیے وصیت درست نہیں اگر تین مختلف صفت کے یعنی ایک بہت عمدہ اور
ایک میانہ اور ایک گھٹیا زید اور عمرو اور بکر کو بترتیب وصیت کیے اور ان میں سے ایک جاتا رہا
اور یہ معلوم نہوا کہ کس کے حصہ کا گیا اور وارث میت تینوں موصی لہ میں سے ہر ایک سے کہتا ہے کہ
تیرے ہی حصہ کا گیا تو اس صورت میں وصیت باطل ہوگی کسی کو کچھ نہ ملیگا لیکن اگر میت کا وارث
دونوں باقی کے تھان ان تینوں کے سامنے لا رکھے اور کہدے کہ ان کو آپس میں تقسیم کر لو تو وصیت
جائز ہے اور زید کو عمدہ تھان کی دو تہائی ملیں گی اور بکر کو دو تہائی گھٹیا تھان کی اور عمرو ایک
تہائی اچھے تھان کی لے اور ایک تہائی برے کی یعنی ان دونوں باقی تھانوں کو دو آدمی نہیں لے
سکتے مگر بطور مذکورہ بالا تینوں تقسیم کر سکتے ہیں[۱] اگر عمرو اور بکر یا آپس میں راضی ہو کر دو ہی شخص
ان کو لے لیویں تو ہو سکتا ہے اگر ایک حویلی مشترک میں سے موصی نے ایک کوٹھری کی وصیت زید کو کی اور
وہ حویلی بعد موصی کے مرنے کے تقسیم ہوئی اور وہ کوٹھری موصی بہ موصی کے حصہ میں پڑی تو وہ زید
کو ملیگی اور اگر وہ کسی اور شریک کے حصہ میں آگئی تو موصی کے حصہ میں پڑی تو زید کو ملے گی اور اگر
وہ کسی اور شریک کے حصہ میں گئی تو موصی کے حصہ میں سے اسقدر زمین جتنی کوٹھری میں ہے زید کو
دیجاویگی اور اس باب میں اقرار کا حال مثل وصیت کے ہے یعنے اگر اپنی مشترک حویلی میں سے
کسی خاص کوٹھری کا عمرو سے اقرار کرلے تو بعد تقسیم حویلی کے اگر وہ کوٹھری بکر کے حصہ میں پڑے
تو بعینہ اسی کو حوالے عمرو کے کرے ورنہ جسقدر زمین اسکوٹھری میں ہو اسقدر اپنے حصہ میں سے اس کے
عوض دیدے اگر زید نے عمرو کے مال میں سے ہزار روپیہ معین کی وصیت بکر کو کردی اور مالک مال یعنی
عمرو نے موصی کے مرنیکے بعد اس کی وصیت جائز رکھی اور ہزار روپیہ بکر کو دیدیے تو درست
ہے مگر عمرو کو اختیار ہے کہ اجازت کے بعد چاہے تو روپیہ لے۔ موصی کے دو بیٹے اگر اسکا مال باہم
بانٹ لیں اور پھر ان میں سے ایک اقرار کرے کہ ہمارے باپ نے اتنے کی وصیت کی تھی تو اس اقرار
سے صرف مقر کے حصہ کی تہائی میں وصیت جاری ہوگی دوسرے بھائی کے حصہ میں جاری نہوگی۔

[۱] بخلاف اس صورت کے ایک زندہ اور ایک مردہ کو وصیت کی تو اس صورت میں کل مال وصیت زندہ کا ہوجاتا ہے اور مردہ کے حق میں وصیت باطل ہوجاتی ہے اور
یہاں وارث کے حق میں وصیت باطل ہوگئی اور اجنبی کو مال وصیت کا نصف ہی ملا فرق یہ ہے کہ مردہ میں بالکل اہلیت نہیں اسلیے کل مال وصیت زندہ کو ملگیا اور وارث
میں وصیت کی اہلیت موجود ہے حتیٰ کہ اگر باقی ورثا جائز رکھیں تو وارث کے حق میں وصیت جائز ہوگی لہٰذا اس کا حصہ نکالکر باقی آدھا اجنبی کو ملیگا ہدایہ[۲]
یعنے دوسرے شریک وارث کے حصہ میں نہیں گئی[۲] مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی[۳] یعنے تہائی مال کی وصیت کی تھی پس یہ اس بات کا اقرار ہے کہ کل مال
مشترک سے ایک تہائی کی وصیت کی تھی اگر دوسرا بھائی مان لے تو خیر ورنہ اس کہنے والے کے حصہ میں اس تہائی کا نصف آیا ہے اس سے دلایا جاویگا کیونکہ النعمان

اگر عمرو کے لیئے لونڈی دینے کی وصیت کی اور موصی کے مرنے کے بعد اُسکے بچہ ہوا تو اگر اس لونڈی اور اس کے بچہ کی قیمت ملکر کل مال کی تہائی سے زیادہ نہو تو دونوں عمرو کو ملینگے اور اگر دونوں کی قیمت ترکہ کی تہائی سے زائد ہو تو اول عمرو لونڈی لے اور پھر جسقدر اسمین تہائی ترکہ کی کمی ہے وہ بچہ میں مجرا کرے یعنی اس کے دام کر کے ترکہ کی تہائی پورا کر کے باقی بچتا وارثوں کو پھیر دے) موصی نے اپنے بیٹے کافر یا دوسرے کے غلام کے لئے اپنے مرض میں وصیت کی پھر وہ کافر مسلمان ہو گیا یا اس کا بیٹا جو غلام تھا آزاد ہو گیا تو یہ وصیت باطل ہے اسی طرح اگر بیٹا کافر ہو یا دوسرے کا غلام ہو اسکو کچھ ہبہ کرنا یا اس کے لیے اقرار کرنا باطل ہے) اپاہج اور فالج زدہ اور لنجا اور سل کی بیماری والا اگر ان کا مرض بڑھتا جاوے اور اس مرض سے انکے مرنیکا خوف نہو تو تمام مال سے اُن کا ہبہ کرنا معتبر ہوگا اس لئے کہ اس طرح کا مریض تندرست کے حکم میں ہے اور اگر مرض مذکور سے اُن کے مرجانیکا ڈر ہو تو صرف تہائی مال ہی ہبہ کرنا معتبر ہوگا

باب مرض موت میں آزاد کرنے کے بیان میں

مرض موت میں اپنے غلام کو آزاد کرنا یا اپنے مال کو کم قیمت پر فروخت کرنا یا کسی کو کچھ ہبہ کرنا وصیت کے حکم میں ہے یعنی یہ امور مریض کے تہائی مال میں سے جاری ہونگے) اور اگر اس کے وارث اُس کے بعد غلام کی آزادی جائز نہ رکھیں تو وہ وارثوں کے لیے کچھ نہ کماوے۔ زید کے دو غلام ہیں سالم اور غانم اور اُس نے مرض موت میں سالم کو تو کم قیمت پر بیچا پھر غانم کو آزاد کر دیا اور اول کی فروخت میں جتنی رعایت کی ہے اور دوسرے کی قیمت ہر ایک زید کے ترکے کی تہائی کے برابر ہے تو اس صورت میں سالم کی فروخت کا اعتبار کرنا بہتر ہے کہ اس میں معاوضہ ہے یعنے سالم کی فروخت جائز ہوگی اور غانم آزاد نہ کیا جائیگا۔ اور اگر پہلے غانم کو آزاد کر دیا پھر سالم کو رعایت کے ساتھ بیچا تو اب دونوں باتیں برابر ہیں خواہ اس کا اعتبار کریں خواہ اس کا موصی نے وصیت کی کہ ان خاص سو روپیوں کے عوض میری طرف سے ایک غلام کو آزاد کر دینا اور ان میں سے ایک روپیہ جاتا رہا تو وصیت مذکور جاری نہوگی بخلاف وصیت حج کے کہ اگر معین روپیوں سے حج اپنی طرف سے کرانے کی وصیت کرے اور ان میں سے کچھ جاتے رہیں

باب مرض موت میں آزاد کرنے کے بیان میں

---

۵۱ کیونکہ مسلمان کا وارث کافر نہیں ہوتا ہے نہ آزاد کا وارث غلام پس جسوقت موصی نے وصیت کی تھی یہ دونوں لڑکے کافر و غلام تھے وارث نہ تھے اور بعد میں جب مسلمان آزاد ہو گئے تو وارث بنجائیں گے اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں اگرچہ وصیت کرتے وقت وارث نہ تھے مگر چونکہ وصیت بعد موت کا تصرف ہے اس لئے مرنے کے وقت یا بعد مرنیکا اعتبار ہے اور اُسوقت یہ دونوں وارث ہیں ۵۲ کیونکہ مرض الموت کی وجہ سے ورثا کا حق اُس کے دو تہائی مال سے متعلق ہو گیا پس ایک تہائی کا جو اُس کا حق ہے اسمیں یہ تصرفات نافذ ہونگے اور مثل اُنھیں تصرفات کے ہر تصرف ہوگا جس کو مریض ابتداءً اپنے اوپر لازم کرے مثلاً کسی کی ضمانت کرنا وغیرہ ۵۳ کیونکہ وصیت آزادی کی اس غلام کیلئے کی ہے جو سو روپیہ کا قیمتی ہو۔ پس ایک کم سو سے جو خریدا جائے گا وہ موصی لہ نہوگا اور وصیت اسکو شامل نہ تھی لہذا اُس وصیت کی کوئی صورت نہیں پس وصیت باطل ہوگی

تو وصیت اسکی دوسرے روپیوں سے جاری کرین گے اگر اپنے غلام کے آزاد کرنے کی وصیت کی اور موصی
کے مرنے کے بعد غلام نے کسی کا نقصان کیا اور وارثون نے غلام کو نقصان کے عوض نقصان والے
کے حوالے کیا تو وصیت باطل ہوگی اور اگر وارث نقصان کا عوض اپنے مال سے ادا کر دین تو
وصیت باطل نہو گی یعنے غلام آزاد ہو جاویگا اگر موصی اپنے مال کی تہائی زید کو وصیت کرے اور
ترکہ میں ایک غلام بھی ہے جس کو زید کہتا ہے کہ موصی نے ایام صحت میں آزاد کیا ہے اور وارث کہتا
ہے کہ مرض موت میں اسکو آزاد کیا ہی (یعنے یہ غلام بھی داخل وصیت ہی) تو اس صورت مین وارث کا
قول مع قسم معتبر ہوگا اور اگر وہ غلام ترکہ کی تہائی سے کم کا نہ ہوگا تو زید کو کچھ نہ پہونچیگا اس لئے کہ وصیت
تہائی مال ہی مین ہوتی ہے وہ غلام کے آزاد کرنے سے پوری ہوگئی اور اگر غلام کی قیمت تہائی ترکہ سے
کم ہو تو جسقدر غلام کی قیمت سے ترکے کی تہائی زیادہ ہوگی اُسقدر زید کو ملیگا یا زید گواہوں سے
ثابت کر دے کہ موصی نے غلام کو صحت کی حالت میں آزاد کیا تھا تو اب پوری تہائی ترکے کی زید کو
ملیگی ایک شخص نے میت پر دعویٰ کیا کہ میرا قرض اُس کے ذمے تھا اور اس کے غلام نے یہ دعویٰ کیا کہ
مجھ کو آزاد کر مرا ہے اور وارث نے دونوں کا کہنا معتبر جانا اور اس میت کا مال اور کچھ نہیں تو غلام
اپنی قیمت کمائے[۱] اور آزاد ہو جاوے اور یہ قیمت قرضخواہ کے حوالے کیجائے۔ اور اگر موصی نے وصیت
کی کہ جو حقوق اللہ تعالے کے میرے ذمے ہیں اُن کو ادا کرنا تو اول فرائض ادا کیے جائیں گے بعد
اُن کے واجبات[۲] گو موصی نے اپنے کہنے میں فرائض کو پیچھے کہا ہو پس حج اور زکوۃ اور کفارے پہلے
ادا ہوں گے اور اگر حقوق قوت مین برابر ہون یعنی سب فرض ایک طرح کے ہوں یا واجب
یکساں ہون تو اول وہ ادا کیا جاویگا جو موصی کی زبان سے اول نکلا ہوگا اور جو بعد کہا ہوگا وہ بعد
ادا کیے جائیں گے۔ اگر موصی نے اپنی طرف سے حج فرض کرنے کی وصیت کی ہو تو اس کے کسی شخص کو موصی
کے شہر سے حج کرنے کو سوار کر کے روانہ کریں اور اگر خرچ اس شہر سے نائب بھیجنے کو کافی نہو تو
جہاں سے کافی ہو وہاں سے روانہ کریں۔ ایک شخص اپنے شہر سے حج کے ارادہ سے نکلکر راہ میں مر گیا اور وصیت

۱ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق محض قربت ہی قربت ہے پس جتنے روپیوں سے کیا جائیگا اور جن روپیوں سے کیا جائیگا وہی حج ہوگا جو واجب ہوا تھا کچھ تغیر نہ
ہوگا ۱۲ ۲ کیونکہ جب ترکہ کے وارثوں کی تصدیق کی تو قرض مقدم رکھا جائیگا کیونکہ قرض کا اقرار تمام مال سے نافذ ہوتا ہے اور مرض الموت مین آزادی
کا اقرار صرف تہائی مال ہی سے نافذ ہوتا ہے اور قوی ضعیف کو دفع کر دیا کرتا ہے اس کا مقتضی یہ تھا کہ آزادی بالکل باطل ہو جاتی مگر آزادی پڑ چکنے کے
بعد پھر واپس نہیں ہوتی ہے لہذا اُس کے بدلے مین اسکی قیمت لیوائیں گے ۱۲ ۳ اور واجبات مین بھی مراتب ہین مثلاً قتل و ظہار اور قسم کا کفارہ مقدم ہوگا صدقہ
فطر پر کیونکہ ان چیزوں کا وجوب اُن سے صدقہ فطر کا اور صدقہ فطر مقدم ہے قربانی سے کیونکہ صدقہ فطر کے وجوب میں سب کا اتفاق ہے اور قربانی کا وجوب امام صاحب کے
نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت ہے ۱۲ منہ

کی میری طرف سے حج کرایا جاوے تو اُس کے نائب کو اُسکے شہر سے حج کے لیے روانہ کریں گے جہاں وہ مرا ہے وہاں سے روانہ نہ کریں گے ؁ اور دوسرے کی طرف سے حج کرنیوالے کا حال بھی ایسا ہی ہے یعنی اگر وہ راستہ میں مرجاوے تو دوبارہ حج کے لئے منیب کے وطن سے کسی کو روانہ کرنا پڑے گا مرنے کے مقام سے روانہ نہ کریں گے ؎

باب - رشتہ داروں وغیرہ کیلئے وصیت کرنے کے بیان میں۔

موصی کے ہمسایہ وہ ہونگے جن کے گھر اس کے گھر سے ملے ہوں ؁ اور اسکے سسرے وہ ہونگے جو اس کی بی بی کے رشتہ دار محرم ہوں یعنی جن کا نکاح اُس کی بی بی سے ہمیشہ کو حرام ہو اور اسکے داماد وہ ہونگے جو اُن عورتوں کے شوہر ہوں جن سے اُسکا نکاح نہیں ہو سکتا اور اس کے اہل اُس کی بی بی ہو گی اور آل سب گھر کے لوگ اور جنس باپ کے گھر والے ہوں گے یعنی اگر وصیت کریگا کہ میرا مال ہمسایوں کو یا میرے سسروں یا داماد یا اہل یا آل یا جنس کو دینا تو ان سے یہ لوگ مراد ہوں گے اسی طرح اگر یوں کہے کہ میرا مال فلانے کے اہل یا عیال یا جنس وغیرہ کو دینا تو ان الفاظ سے وہی لوگ سمجھے جائیں گے جو اوپر مذکور ہوے اگر اپنے قرابت والوں یا اقارب یا ذوی الارحام یا اپنے خاندانیوں کو وصیت کی تو اول جو سب سے قریب ہو اسکو دینگے اور اگر وہ نہ ہو تو جو اُس کے بعد قریب تر ہو اُس کو دیں گے اور اس وصیت میں ماں باپ اور لڑکا اور جو موصی کا وارث ہو سکتا ہے داخل نہیں اس لئے کہ وصیت وارث کے لیے درست نہیں اور اس وصیت کے مستحق دو شخص یا زیادہ ہونگے اس لیئے کہ جمع کا لفظ موصی نے کہا ہے وہ ایک پر نہیں بولا جا سکتا ؁ اگر موصی نے اقارب کیلئے وصیت کی اور اُس کے دو چچا اور دو ماموں ہیں تو وصیت مذکور دونوں چچا کو ہو گی اور اگر ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو آدھی چچا کو اور آدھی دونوں ماموں کو ملے گی اور اگر ایک چچا اور ایک پھوپھی ہو تو دونوں کو برابر نصف نصف ملیگی اگر کہے کہ فلانے کی اولاد کو اسقدر دینا تو مرد اور عورت کو برابر ملے گا اور اگر کہے کہ فلاں کے وارثوں کو تو مرد کو دو حصّے اور عورت کو ایک حصّہ ملیگا

؎۱ یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک اسی مقام سے حج کرایا جاوے جہاں انتقال ہوا ہے اور یہی ٹھیک ہے کیونکہ حج کی نیت سے جو سفر کیا گیا ہے وہ قربت ہے پس جتنی دور جا چکا ہے اتنی ہی مسافت فرض سے ساقط ہو جائیگی کیونکہ ادا ہو چکی اس کا ثواب ملے گا پس اسی جگہ سے اس کا حج بدل کرایا جاوے ۱۲

؎۲ یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے۔ ایک محلہ کے رہنے والے جو محلہ کی مسجد میں جمع ہوتے ہوں ہمسایہ کہلائیں گے اور دلیل کے اعتبار سے یہی ٹھیک ہے ۱۲

؎۳ اس لیئے کہ وصیت میں لفظ جمع ہے تنہا چچا پر صادق نہ آویگا بخلاف اول صورت کے کہ اس میں دو چچا تھے انپر جمع کا اطلاق ہو سکتا ہے اس لئے کہ وصیت اور میراث میں جمع کا اطلاق کم سے کم دو پر ہو سکتا ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

رشتہ داروں وغیرہ کو وصیت کرنے میں

اس لیئے کہ وارثوں کا حصہ اسی طرح ہے۔

باب۔ غلام کی خدمت اور مکان کی سکونت اور کھیتوں میوہ کی وصیت کسی کو کرنیکے بیان میں

اپنے غلام کی خدمت اور مکان میں رہنے کی وصیت کرنی دوسرے کے لئے مدت معین تک یا ہمیشہ کو درست ہی پس اگر غلام مال کی تہائی سے زائد نہ ہو تو موصی لہ کے حوالے کردیا جاے گا کہ اُس کی خدمت کرے اور اگر غلام کی قیمت مال کی تہائی سے زائد نہ ہو تو دو روز وارثوں کی خدمت کرے اور ایک روز موصی لہ یعنے اپنی مالیت کے حساب سے خدمت کرے جسقدر کہ مالیت وصیت میں آوے اتنی موصی لہ کی خدمت کرے اور باقی ورثہ کی) اگر موصی لہ مرجاوے تو غلام موصی کے وارثوں کو پھیر دیا جاویگا اور اگر موصی لہ موصی کی زندگی ہی میں مرجاوے تو وصیت باطل ہوگی اگر موصی نے اپنے باغ کی میوے کی وصیت کی اور مرگیا اور باغ میں میوہ موجود ہی تو موصی لہ کو میوہ موجود ملیگا اور اگر موصی نے وصیت میں لفظ ہمیشہ بھی کہا تھا تو موصی لہ کو میوہ موجود اور جو آگے اُس باغ میں ہو سب ملیگا جیسے یوں کہے کہ باغ کی آمدنی دیجاوے تو جو پیدا وار اسوقت ہوگی یا آگے کو وہ سب موصی لہ کو ملیگی اگر اپنی بکری کی اُون یا بچہ یا دودھ کی وصیت کی تو جسقدر ان میں سے موصی بہ موصی کے مرنیکے وقت موجود ہوگی وہ موصی لہ کو ملے گی خواہ لفظ ہمیشہ کہا یا نہ کہا ہو۔

باب۔ ذمی کے وصیت کرنیکے بیان میں۔

اگر ذمی اپنے گھر کو حالت صحت میں گرجا نصرانی کا یا یہودیوں کی عبادت گاہ بناوے تو اس کے مرنے بعد وہ مکان اُس کے وارثوں کو میراث میں ملیگا اور اگر یوں وصیت کی کہ میرے مکان کو بعد میرے فلاں قوم کا گرجا بنادینا تو یہ وصیت اُس کے مال کی تہائی سے جاری ہوگی اور اگر معین قوم کی عبادت گاہ بنانیکو نہ کہے بلکہ غیر معین قوم کیلیے عبادتگاہ کی وصیت کرے تو درست ہے اسیطرح اگر کافر مستامن اپنے تمام مال کی وصیت کسی مسلمان خواہ ذمی کے لیے کرے تو درست ہے۔

باب۔ وصی کرنے کے بیان میں۔

یعنی کسی کو اپنے بعد سربراہ کار کرنا کہ مال کو وارثوں میں تقسیم

۱ کیونکہ اپنی چیز کے نفعوں کا کسی کو بعوض جیسے اجارہ میں یا بلا عوض جیسے عاریت میں جبکہ مالک بنانا جائز ہے ویسے ہی بعد مرنیکے جائز ہے کیونکہ موصی کے مرنیکے بعد بھی حاجت ہے پس غلام یا مکان موصی کی ملک میں رہیگا اور اس کی خدمت یا سکونت کا مالک موصی لہ ہوگا مگر اس مقدار میں کہ جس کا حق موصی کو حاصل ہے یعنے ثلث مال تک ۱۲ ۲ اور موصی لہ کے وارثوں کو اس سے خدمت لینے کا حق ہوگا کیونکہ وصی نے موصی لہ کو صرف یہ حق دیا تھا جب موصی لہ کا انتقال ہو گیا تو وہ موصی کے وارثوں کیطرف لوٹ آئیگا کیونکہ اسکی ذات کا مالک موصی رہا تھا ۱۲ ۳ اس لیئے کہ اوپر جو بیان ہو چکا ہے کہ تہائی مال سے زیادہ دینا جائز نہیں یہ حکم اس حربی کیلیے نہیں ہے جو دار الاسلام میں امن لیکر داخل ہوا ہے کیونکہ تہائی سے زیادہ کی وصیت کا حق نہونا وارثوں کے حق کیوجہ سے تھا اور اسکے وارثوں کے حق کی رعایت کچھ نہ کیجاوے گی کیونکہ وہ ہم لوگوں کے نزدیک مردہ ہیں ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

باب غلام کی خدمت اور مکان کی سکونت اور کھیتوں میوہ کی وصیت کے بیان میں

باب ذمی کے وصیت کرنیکے بیان میں

کر دے اور جس کے ذمے میت کا حق آتا ہو اس کے وصول کرے اور جو باتیں وہ کہہ مرے اُن کی تعمیل کر دے ایک شخص نے دوسرے کو اپنا وصی کیا اور اُسنے موصی کے سامنے وصی ہونا منظور کر لیا اور اُسی کے سامنے پھر انکار کر دیا تو اس انکار سے وصی نہ رہیگا اور اگر سامنے انکار کرے اسکے بعد انکار کرے تو وصی ہونا رد نہ ہوگا۔[۱] وصی اگر موصی کے ترکے کو فروخت کرے تو یہ بیع کرنا اپنے وصی ہونے کو منظور کر لینا ہے اگر موصی مر جاوے اور وصی کہے کہ مجھے وصی ہونا قبول نہیں اور پھر قبول کر لے تو درست ہے بشرطیکہ قاضی اس کے انکار کرنے کی جہت سے اس کو وصی ہونے سے برطرف نہ کر دے ورنہ پھر اُسکا قبول کرنا معتبر نہ ہوگا۔ اگر دوسرے کے غلام کو یا کافر کو یا فاسق کو اپنا وصی کرے تو قاضی اسکو معزول کر کے دوسرا وصی اس کی جگہ مقرر کرے اور اگر خاص اپنے غلام کو وصی کرے اور اس کے وارث صغیر سن ہوں تو وصی کرنا درست ہے اور اگر وارث بالغ ہوں تو غلام کو وصی کرنا درست نہیں اگر وصی وصیت کی بجا آوری سے عاجز ہو یعنے اس کے حقوق ادا نہ کر سکے تو قاضی اسکے ساتھ دوسرے شخص کو کر دے تاکہ اس کی اعانت سے وصیت کی تعمیل کرے وصی اگر دو ہوں تو ایک کا فعل بدون دوسرے کے ہوئے باطل ہوگا لیکن مردے کے دفن کے لوازم اور کفن خریدنا اور صغیر سن وارثوں کے لیے اُنکی حاجت کی چیز مول لینی[۳] اور اُن کو اگر کوئی کچھ دے اس کو لے لینا اور امانت معین کا مالک کو دیدینا اور موصی کا قرضہ ادا کرنا اور معین وصیت کا جاری کرنا اور معین وصیت کا آزاد کرنا اور میت کے حقوق میں جوابدہی کرنی (یہ امور اگر دو وصیوں میں سے ایک بھی کریگا تو درست ہونگے وصی کا وصی دونوں ترکوں میں وصی ہوتا ہے یعنی اگر زید نے عمرو کو وصی کیا تھا اور عمرو نے مرتے دم بکر کو وصی کر دیا تو بکر زید اور عمرو دونوں کے ترکوں کا وصی ہوگا) وارثوں کی طرف سے موصیٰ لہ سے مال کی تقسیم وصی کو جائز ہے اور اُس کا عکس درست نہیں یعنی موصی نے اگر زید کو کچھ مال کی وصیت کی اور موصی کے وارث موجود نہ ہوں تو قاضی وارثوں کی طرف سے اُن کا

۱ اسواسطے کہ وصیت کرنیوالا وصی پر اعتماد کر کے مر گیا اب اگر وصی کا رد کر دینا وصیت کرنیوالے کے پیٹھ پیچھے خواہ اس کی زندگی میں یا بعد موت کے صحیح ہو جاتا تو اس وصی کی طرف سے موصی دھوکے میں رہیگا جس سے اسے ضرر پہنچیگا لہذا اس انکار سے وصی وصی ہونے سے نہ نکلیگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔ ۲ کیونکہ غلام وصیت انجام دینے کیلئے مالک کی اجازت کا محتاج ہے اور اجازت کے بعد بھی مالک کو پھر روکدینے کا اختیار ہے اور کافر مذہبی تعصب کیوجہ سے مسلمان کے حق میں شفقت نہ کریگا اور فاسق شخص کا کیا ٹھیک اس کا اور وصیت میں خیانت کرنا بالکل ممکن ہے اسلیے کامل شفقت اسی میں ہے کہ ان لوگوں کی جگہ پر قاضی دوسرا وصی مقرر کر دے ۱۲ ۳ کیونکہ اگر اس میں ایک دوسرے کی موجودگی کا انتظار کریگا تو خوف ہے کہ بچے بھوکوں مر جائیں گے اور اسی طرح اگر سامان تجہیز و تکفین خریدنے میں ایک دوسرے کا انتظار کریگا تو لاش کے خراب ہونیکا خوف ہے ۱۲ مفتی محمد وصی

حصہ موصی لہ کے حصہ سے جدا کر سکتا ہے اور اگر موصی لہ نہ ہو اور وارث ہوں تو موصی لہ کا حصہ وارثوں سے تقسیم نہیں کر سکتا اور اگر وارثوں سے موصی لہ کا حصہ لے لیا اور وصی کے پاس جاتا رہا تو موصی لہ باقی مال کی تہائی وارثوں سے لے لیگا۔ اگر موصی نے اپنی طرف سے حج کرانے کی وصیت کی تھی اور وصی نے مال وارثوں میں تقسیم کر دیا اور حج کرانیکا خرچ اپنے پاس رکھا اور اُس کے پاس سے وہ خرچ جاتا رہا یا وہ خرچ کرنیوالیکو دیدیا تھا اس کے پاس سے جاتا رہا۔ تو اب باقی ترکے کی تہائی میں سے موصی کیطرف سے حج کرایا جائیگا اگر موصی لہ غائب ہو تو قاضی کو جائز ہے۔ کہ وارثوں میں مال تقسیم کر دے اور موصی لہ کا حصہ آپ اپنے پاس رکھے وصی کو جائز ہے کہ موصی کے قرضخواہ اگر موجود نہ ہوں تو اُنکے پیٹھ پیچھے ترکے کے غلام کو فروخت کر دے[2] اگر موصی نے وصیت کی تھی کہ میرا غلام بیچکر اس کی قیمت خیرات کر دینا اور وصی نے غلام فروخت کر دیا اور قیمت اپنے پاس رکھی اور وہ تلف ہو گئی پھر غلام کسی اور کا نکلا تو وصی کو اس کی قیمت مشتری کو پھیرنی ہو گی اور جو کچھ مشتری کو دیوے وہ ترکہ موصی میں سے لیلے۔ اگر موصی کا ایک وارث صغیر سن لڑکا ہو۔ اور اس کے حصہ میں کوئی غلام آئے اور وصی اُس غلام کو بیچکر اس کی قیمت اپنے پاس رکھے اور اس کے پاس سے دام جاتے رہیں اور وہ غلام کسی اور حقدار کا نکلے تو لڑکا وہ دام اور وارثوں سے لیوے لڑکے کے مال کا اگر کوئی دوسرے پر حوالہ کرے یعنی اُتار دے مثلاً لڑکے کا مال زید کے ذمے ہے اور وہ عمرو پر اُتار دے تو وصی کو اس حوالہ کا قبول کرنا درست ہے بشرطیکہ حوالہ مذکور لڑکے کے حق میں بہتر ہو وصی اگر لڑکے کے مال کو فروخت کرے یا اُس کے مال سے کچھ خریدے اور اسمیں کچھ نقصان ہو تو اگر اتنا نقصان ان جیسے معاملات میں لوگوں کو ہو جایا کرتا ہے تو وصی کی بیع و شرا درست ہو گی اور اگر بہت سا نقصان ہو گا تو بیع و شرا مذکور درست نہو گی وارث بالغ کے پیٹھ پیچھے اگر وصی اسکی چیز بیچڈالے تو جائز ہے لیکن زمین اور عمارت کی بیع درست نہو گی[3] وصی کو چاہیئے کہ موصی کے مال میں سوداگری کرے

[1] اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وارث لوگ موصی کے پورے طور پر قائم مقام ہیں اور وصی بھی موصی کا خلیفہ پس وصی موصی کے قائم مقاموں کا بھی خلیفہ ہوا لہذا ان قائم مقاموں یعنی وارثوں کی طرف سے قائم مقام ہو گیا ہے اور ان کی طرف سے ان کے حصہ کا بٹوارہ کرانا تو جائز ہے بخلاف موصی لہ کے کہ وہ موصی کا پورے طور قائم مقام نہیں لہذا وصی اس کا خلیفہ اسکی عدم موجودگی کے وقت نہ ہوگا ۱۲ [2] کیونکہ وصی کا قائم مقام جو اگر موصی اپنی زندگی میں بلا موجودگی قرضخواہوں کے غلام کو فروخت کرتا تو جائز ہوتا ایسے ہی اُس کے قائم مقام کا فروخت کرنا بھی جائز ہوگا نیز کیونکہ قرضخواہوں کا حق مالیت سے تعلق رکھتا ہے اور مالیت ثمن کی شکل میں موجود ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی [3] کیونکہ ان چیزوں کے بیچنے میں مصلحت نہیں اس لئے ان کا ثمن اکثر محفوظ نہیں کیونکہ روپیہ پیسہ چور بھی لیجا سکتے ہیں زمین و عمارت کون لیجائیگا ۱۲

لڑکے کے مال کے تصرف میں اس کے دادا کی نسبت کہ اسکے باپ کا وصی بہتر ہے یعنی باپ کے وصی کے ہوتے ہوئے دادا کو تصرف کرنا پوتے کے مال میں اچھا نہیں (لیکن اگر باپ نے کسی کو وصی نہ کیا ہو تو دادا اس لڑکے کے مال میں تصرف کرنے میں باپ کے مانند ہے۔

فصل وصی کے گواہی دینے کے بیان میں۔ بکر اور عمرو میت کے دو وصیوں نے گواہی دی کہ میت نے زید کو بھی ہمارے ساتھ وصی کیا ہے (یعنی تینوں شخصوں کو وصی کیا ہے) تو یہ گواہی لغو ہوگی لیکن اگر زید اپنے وصی ہونے کا دعویٰ کرے اور بکر اور عمرو اس کی گواہی دیں کہ میت نے زید کو اپنا وصی کیا ہے اور زید وصی ہونے کا منکر ہو تو ان دونوں کی گواہی لغو ہوگی لیکن اگر زید اپنے وصی ہونے کا دعویٰ کرے تو البتہ گواہی ان دونوں کی مقبول ہوگی اسی طرح اگر دو وصی گواہی دیں کہ فلاں مال صغیر سن کے وارث کا ہے یا یہ مال فلاں وارث بالغ کا ہی میت کے ترکے میں سے نہیں تو یہ گواہی لغو ہوگی اگر زید اور عمرو یہ گواہی دیں کہ بکر و خالد کا قرضہ میت کے ذمے ہزار روپے ہیں اور بکر اور خالد یہ گواہی دیں کہ زید اور عمرو کا قرضہ میت کے ذمے ہزار روپیہ ہیں تو یہ گواہیاں مقبول ہونگی اگر وصیت کے باب میں اسی طرح گواہیاں ہوں مثلاً زید اور عمرو گواہی دیں کہ میت نے ہزار روپیہ کی وصیت بکر اور خالد کے لئے کی ہے اور بکر اور خالد گواہی دیں کہ زید اور عمرو کے لئے میت نے ہزار روپیہ کی وصیت کی ہے تو یہ گواہیاں لغو ہوں گی۔ اور مقبول نہ ہوں گی۔

کتاب الخنثیٰ

اس میں خنثیٰ کا بیان ہے خنثیٰ اسکو کہتے ہیں جس کے مرد اور عورت دونوں کی علامتیں یعنی ذکر اور فرج دونوں ہوں پس اگر وہ ذکر سے پیشاب کرے تو مرد کا حکم ہے اور دوسرے مقام سے پیشاب کرے تو عورت کا حکم ہے۔ اور دونوں مقاموں سے پیشاب کرے تو جس مقام سے اول پیشاب نکلتا ہو ویسا ہی حکم ہوگا۔ اور دونوں مقاموں سے پیشاب برابر نکلتا ہے تو خنثیٰ مشکل ہے اور زیادہ ہونے کی تمیز اس میں نہیں ہو سکتی اور ایک

۱ـ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے انکے نزدیک دادا زیادہ مستحق ہے کیونکہ شرع نے دادا کو باپ کا قائم مقام کیا ہے جس وقت کہ باپ نہو جیسا کہ ترکہ میں باپ نہو تو دادا سب کا مالک بجائے باپ کے ہو جاتا ہے جب اور کوئی وارث نہوں ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت کرنے سے باپ کی ولایت وصی کی طرف منتقل ہو گئی تھی پس گویا کہ معنے باپ کی ولایت موجود ہے وصی میں لہذا وصی ہوتے ہوئے دادا مستحق نہیں ایک بات اور قابل غور ہے کہ دادا کے ہوتے ہوئے باپ دوسرے کو وصی بنایا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وصی کا تصرف دادا سے زیادہ بہتر ہوگا ۱۲ء ۲ـ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے خنثیٰ کے بارہ میں سوال کیا کہ اس کو ترکہ کیونکر دینگے تو آپنے فرمایا کہ پیشاب کے لحاظ سے یعنی اگر پیشاب ذکر سے ہو تو اسکو مرد کا ترکہ ملیگا اور اگر فرج سے ہو تو عورت کا کیونکہ پیشاب جس مقام سے آئیگا اسی کو اصلی سمجھیں گے اور دوسرے کو بمنزلہ عیب کے ۱۲ء وصی علی

راہ سے بہت پیشاب کا نکلنا معتبر نہیں یعنی اس سے نر و مادہ کا حکم نہیں ہو سکتا[1] اور یہ علامتیں بالغ ہونے سے پیشتر کی ہیں اب بالغ ہونے پر اگر اس کے ڈاڑھی نکلی یا عورتوں سے صحبت کی تو مرد ہوگا اور اگر چھاتیاں اُبھریں یا چھاتیوں میں دودھ آگیا یا حیض اس کو ہوا یا حمل رہ گیا یا اس سے مرد صحبت کر سکتا ہے تو عورت ہوگی اور اگر کوئی علامت مرد و عورت کی ظاہر نہ ہووے۔ یا دونوں علامتیں متعارض ہوئیں تو خنثیٰ مشکل ہوگا خنثیٰ مشکل نماز میں مردوں کی صف کے پیچھے اور عورتوں کے آگے کھڑا ہو اور اُس کے مال میں سے ایک لونڈی خریدی جائے جو اس کی ختنہ کرے اور اگر اس کے مال نہ ہو تو بیت المال میں سے لونڈی خریدیں[2] اور ختنہ کے بعد لونڈی بیچ ڈالی جاوے خنثیٰ مشکل کو بیٹے اور بیٹی کے حصے میں سے جو نسا کم ہوگا وہ ملیگا مثلاً ایک شخص مرے اور ایک بیٹا اور ایک خنثیٰ چھوڑے تو بیٹے کو دو حصے ملیں گے اور خنثیٰ کو ایک حصہ[3]

مسائل متفرقہ۔ گونگے کا اشارہ کرنا اور لکھنا وصیت اور نکاح اور طلاق اور بیع اور شرا اور قصاص میں مثل زبان کے بیان کے ہے مگر حد کے باب میں اس کا اشارہ اور لکھنا معتبر نہیں مثلاً اگر کسی کو اشارے سے یا لکھنے سے زنا کی تہمت لگاوے تو اسکو حد نہ ماریں گے اور اگر خون قصداً کرنیکا اقرار کریگا تو اُس سے قصاص لینگے بخلاف اُس شخص کے جس کی زبان گویائی کے بعد بند ہوگئی ہو کہ اس کا لکھنا مثل بیان زبانی کے متصور نہ ہوگا۔ اگر بہت سی بکریاں بعضی ذبح کی ہوئی اور بعضی مری ہوئی ہوویں اور آپس میں ملجاویں تو ان میں اگر ذبح کی ہوئی بہت ہوں تو دل سے اٹکل کر کے ان میں سے کھالے اور اگر مری ہوئی زیادہ ہوں تو ان میں سے نہ کھاوے ناپاک کپڑا بھیگا ہوا ایک پاک کپڑے خشک میں لپیٹ لیا اور ناپاک کی تری اس پاک میں آگئی مگر اتنی ہے کہ اگر اس کو نچوڑیں تو کچھ نہ نکلے تو وہ پاک کپڑا اس تری سے ناپاک نہوگا بکری کا سر خون میں لتھڑا ہوا اگر جلایا جاوے اور خون اُس پر سے جاتا رہے اور اسکا شوربا تیار کیا جاوے تو اس کا کھانا درست ہے نجاست کے دور کرنے میں جلا دینا مثل پانی سے دھو ڈالنے کے ہے۔ اگر بادشاہ زمین کا خراج زمیندار کو دیدے اور نہ لیا کرے

[1] امام ابو حنیفہ رح کا یہی مذہب ہے کیونکہ کسی مقام سے زیادہ پیشاب آنا اور دوسرے مقام سے کم آنا ہو سکتا ہے۔ کہ اسکی وسعت اور تنگی کی وجہ سے ہو نہ یہ کہ جس سے زیادہ آیا وہ اصلی ہے اور دوسرا غیر اصلی ہے ۱۲ [2] یعنی امام بیت المال سے اس کیلئے لونڈی خرید کرے کیونکہ اسکا ختنہ نہ کوئی مرد کو کرنا چاہیئے کہ شاید عورت ہو اور نہ کسی عورت کو کرنا چاہیئے کہ شاید مرد ہو اور لونڈی مملوکہ کو بہر حال نظر جائز ہے عورت ہو یا مرد ۱۲ [3] اسلیئے کہ آلہ نطق موجود ہے اور بند ہونا عارضی ہے تو بیان زبانی کے ترک کرنیکی چنداں ضرورت نہیں ہے نیز یہ کہ گونگے کے اشارے مقرر ہوتے ہیں اور یہ ابھی نو گرفتاروں میں ہے یہاں تک کہ اگر ایک عرصہ تک زبان بند رہے اور اشارے مقرر ہو جائیں تو فقہا نے کہا ہے کہ اس کا اشارہ اور لکھنا بھی مثل گونگے کے متصور کیا جائیگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی

تو درست ہے، لیکن اگر پیداوار کا عشر یعنی دہ یکی[1] مالک کے لئے مقرر کردے تو درست نہوگا۔ اگر بادشاہ اپنے ملک کی زمین کسی قوم کو دیدے کہ وہ خراج دیا کریں تو درست ہے۔ اگر ایک شخص نے روزہ قضاء رمضان کا رکھا اور یہ نہ نیت کی کہ فلان روز خاص کا ہے تو یہ روزہ قضا میں محسوب ہوگا جیسے نماز قضا پڑھی اور یہ نیت نہ کی کہ یہ شروع کی نماز ہے یا پچھلی قضا نمازوں میں کی ہے اسی طرح اگر روزہ قضا رکھا اور نیت کی کہ وہ رمضان کے دو روزوں کا ہے تو ایک رمضان کے ایک روزے میں محسوب[2] ہوگا اگر روزہ دار کسی کا تھوک نگلجاوے تو وہ شخص اگر روزہ دار کا محبوب ہے تب تو کفارہ دینا آوے گا ورنہ کفارہ نہوگا[3] روزے کی قضا ہوگی بعض حاجیوں کا جان سے مارا جانا حج کرنیوالے کے لیئے اس سال حج کو نہ جانے کیواسطے عذر ہے اس لیئے کہ راستہ میں امن نہ رہا۔ اگر کسی عورت سے کہا کہ تو زن من شدی یعنی تو میری عورت ہوئی اور اُسنے جواب دیا کہ شدم یعنی ہوئی تو نکاح نہوگا اور اگر کہا کہ خویشتن را زان من گردانیدی یعنے تونے اپنے آپ کو میری بی بی بنایا اور اس نے جواب دیا کہ گردانیدم یعنی بنایا اور زوج نے پھر کہا کہ پذیرفتم یعنے میں نے قبول کیا تو نکاح ہوجائیگا[4] اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ دختر خویش را بہ پسر من ارزانی داشتی یعنی تونے اپنی لڑکی میرے بیٹے کو دی اور اُسنے کہا کہ داشتم یعنی دی تو نکاح ہوگا۔ اگر عورت نے اپنے شوہر کو اپنے پاس آنے سے منع کیا حالانکہ شوہر اس کے ساتھ ہی رہتا ہے تو نافرمانی میں داخل ہے عورت کے لئے نان و نفقہ شوہر پر واجب نہوگا) اور اگر شوہر غصب کے مکان میں رہتا ہو اور اسوقت عورت اس کے پاس آنے سے رُکے تو نافرمان نہ ہوگی اُس کا نان و نفقہ شوہر پر واجب ہوگا، عورت کا شوہر سے یہ کہنا کہ میں تیری لونڈی کے ساتھ نہیں رہتی اور مکان علیحدہ چاہتی ہوں نہ چاہیے۔ ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ طلاق دہ یعنی طلاق دیدے اور اُسنے جواب میں کہا کہ دادہ گیر یا کردہ گیر یا دادہ باد یا کردہ باد یعنی دی ہوئی یا کی ہوئی سمجھ لے یا ہو طلاق واقع نہوگی لیکن اگر شوہر طلاق کی نیت کریگا تو ہوجائیگی اور اگر شوہر کہے کہ دی ہے اور کی ہے تو طلاق پڑجاویگی خواہ نیت کرے یا نہ کرے اور اگر کہے کہ دی ہوئی جان یا کی ہوئی فرض کر تو نہ پڑے گی

---

[1] دہ یکے یعنی دسوان حصہ اور اس کا مصرف مساکین ہیں اور خراج کا مصرف مجاہدین وغیرہ جیسا کہ گذر چکا ۱۲ [2] کیونکہ روزہ عبادت ہے اس میں تداخل نہیں ہوتا ہے جب روزے الگ الگ واجب ہوئے تھے تو دونوں کی قضا بھی الگ ہونا چاہیئے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ الھادی۔ [3] کیونکہ ماکول شے کو عمداً کھالینے سے روزہ کا کفارہ لازم آتا ہے اور محبوب کا تھوک ماکولات سے ہے اس کے کھانے میں مزا ملتا ہے نہ دوسرے کا تھوک ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ اللہ الھادی۔ [4] کیونکہ پہلا قول استفہام تھا ایجاب نہ تھا لہذا عورت کے ایجاب کے بعد قبولیت کی ضرورت ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی

کو نیت طلاق کی کرے۔ اگر بی بی کے تذکرے کیوقت شوہر کہے کہ وہ مجھے قیامت تک یا عمر بھر
نہیں چاہیئے تو طلاق بدون نیت کے نہ پڑیگی۔ شوہر نے اپنی بی بی سے کہا کہ حیلہ زنان کن یعنے
تو عورتوں کا حیلہ کر تو یہ تین طلاقوں کا اقرار ہوا اور اگر یہ کہا کہ حیلہ خویش کن یعنی اپنا حیلہ کر تو ان کا
اقرار نہ ہوگا۔ عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں نے تجھ کو مہر بخشا مجھ سے ہاتھ اٹھالے اور شوہر اسی
میں اسکو طلاق دیدے تو اُس کا مہر ساقط ہو جائیگا ورنہ ساقط نہوگا کیونکہ مہر کو طلاق کا عوض کیا تھا
جب طلاق نہ ہوئی تو مہر بھی ساقط نہوا اگر آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ اے میرے مالک یا لونڈی سے
کہا کہ میں تیرا غلام ہوں تو وہ ان الفاظ سے آزاد نہونگے[1] اگر کسی نے کہا کہ مجھ پر قسم ہے کہ یہ کام نہ کرونگا
تو اللہ تعالیٰ کی قسم کا اقرار ہوا اور اگر یوں کہا کہ مجھ پر طلاق کی قسم ہے کہ یہ کام نہ کروں گا تو یہ طلاق
کی قسم کا اقرار ہوا۔ اس شخص کو وہ کام نہ کرنا چاہیئے اگر کریگا تو اس کی بی بی کو طلاق پڑجاویگی
اور اگر شوہر کہے کہ میں نے یہ جھوٹ کہا تھا تو اس کا قول نہ مانیں[2] گے طلاق پڑجاویگی۔ اور اگر کہے
کہ مجھے گھر کی قسم ہے کہ یہ کام نہ کروں گا تو یہ اقرار طلاق کی قسم کا ہوگا اگر مشتری نے بائع سے کہا کہ قیمت
ہٹائے اور بائع نے کہا دیتا ہوں تو بیع فسخ ہوگئی۔ اگر کسی نے یوں کہا کہ بخارا میں جبتک میں ہوں اگر
فلاں کام کروں تو ایسا ہو پھر بخارا سے چلا گیا اور دوبارہ آکر اس کام کو کیا تو قسم[3] ٹوٹے گی۔ اگر کسی
نے گدھی فروخت کی تو اس کا بچہ اس کی بیع میں داخل نہوگا۔ جس زمین کی بابت جھگڑا ہو اسکو
قبضہ والے کے تصرف سے نکالنا نہ چاہیئے جب تک کہ مدعی اس بات کے گواہ نہ گذرانے کہ یہ
زمین میری ملک ہے۔ جو زمین قاضی کی حکومت کے ماتحت نہیں اس کے باب میں قاضی کو حکم نہ کرنا چاہیئے[4]
جب دعویٰ صحیح ہو اور گواہ ٹھیک ہوں اور قاضی گواہ سن سنکر کچھ حکم اس مقدمہ میں کرے
پھر کہے کہ میں نے اپنے حکم سے رجوع کیا یا مجھ کو پہلے فیصلے کیخلاف ثابت ہوا یا میں گواہوں کے دام میں
آگیا یا میں نے اپنا حکم باطل کر دیا اور ایسا ہی کلمہ کہے تو معتبر نہ ہوگا اور وہی پہلا حکم جو دیچکا ہے
جاری رہیگا۔ اگر زید نے کچھ لوگوں کو چھپادیا اور پھر عمرو سے جو مدعا علیہ ہے کسی چیز کا سوال کیا اور یہ

---

[1] کیونکہ اس قسم کے الفاظ آزادی کیواسطے نہیں وضع کئے گئے ہیں ۱۲ [2] کیونکہ وہ اپنی تخفیف کی غرض سے ایسا کہتا ہے ۱۲ مفتی محمد وصی علی
ملیح آبادی [3] کیونکہ قسم کا دارومدار عرف پر ہے اور اس کہنے سے عرف میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس قیام کے ساتھ جب تک بخارا میں ہے وہ کام نہ کرے گا۔
اور بخارا سے جاکر پھر واپس آنے میں اب دوسرا قیام ہے پہلے والا قیام نہ رہا لہذا اب اگر وہ اس کام کو کرے اب قسم نہ ٹوٹے گی ۱۲ [4] بلکہ جس کی حکومت
میں ہونگے وہ اس میں حکم کرے گا ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ اللہ تعالیٰ

عمرو نے اُس کا اقرار کر دیا تو اگر ایسے لوگ عمرو کو دیکھتے ہوں اور اس کی گفتگو سنتے ہوں اور عمرو انکو نہ دیکھتا ہو تو ان لوگوں کی گواہی عمرو کے اقرار پر درست ہو گی اور اگر عمرو کے کلام تو انہوں نے سُنے مگر اس کو دیکھا نہیں تو اس کے اقرار کی گواہی درست نہوگی۔ بالغ نے ایک زمین فروخت کی اور اُس کا کوئی رشتہ دار موجود ہے اور بیع کی اُسکو خبر ہے پھر اس کے بعد اگر وہ رشتہ دار اُس زمین کا دعویٰ کریگا کہ میری ہے تو سنا نہ جاویگا[1]۔ ایک عورت نے اپنا مہر شوہر کو بخشدیا اور مرگئی پھر اس کے وارثوں نے شوہر سے مہر کا مطالبہ کیا اور کہا کہ عورت نے مہر اپنے مرض موت میں بخشا تھا (یعنے وصیت کے حکم میں ہے) اور خاوند نے کہا کہ حالت صحت میں بخشا تھا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا[2]۔ زید نے عمرو کے قرض یا کسی اور چیز کا اپنے ذمہ اقرار کیا پھر کہا کہ میں نے تو جھوٹا اقرار کیا تھا تو عمرو سے یہ قسم لیجاویگی کہ زید اقرار میں جھوٹا نہ تھا اور میں اپنے دعوے میں باطل نہیں ہوں اقرار کرنا ملک کا سبب نہیں ہوتا ہے (یعنے اگر کسی کے لیئے کچھ مال کا اقرار کر دیا کہ واقع میں اپنے ذمے پر نہیں تو جس کے لئے اقرار کیا ہوگا اس کو اس مال کا لینا درست نہوگا اس معاملہ میں جو اُس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان ہے ہاں اگر اقرار کرنے والا اپنی خوشی سے دیدے تو لیلے کیونکہ یہ از سر نو مالک کرنا ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں نے اس چیز کے بیچنے کا تجھکو وکیل کیا اور دوسرا سُن کر چپ رہا (نہ اقرار کیا نہ انکار کیا) تو وکیل ہو جائے گا[3] اگر ایک نے اپنی بی بی کو اُسی کے طلاق دینے کا وکیل کیا تو پھر شوہر کو اس عورت کے معزول کرنے کا اختیار نہیں۔ زید نے عمرو سے کہا کہ میں نے تجھ کو اس کا وکیل کیا اس شرط پر کہ جب میں تجھ کو وکالت سے معزول کروں تب تو میرا وکیل ہے پس اس صورت میں اگر زید عمرو کو معزول کرنا چاہے تو معزول کرنے کے الفاظ یوں کہے کہ میں نے تجھے معزول کیا پھر اور معزول کیا (دوسری دفعہ معزول کرنے کو کہنا اسلئے ہے کہ جو وکالت معزول کرنے پر مشروط کی تھی وہ بھی برطرف ہو جاوے) اور اگر یوں کہا کہ جتنی دفعہ میں تجھے معزول کروں اتنی ہی بار تو میرا وکیل ہے تو اس کے معزول کرنے کو یوں کہے کہ میں نے جو وکالت مشروط کی تھی اس سے رجوع کیا اور جو وکالت اب ہے اُس سے

---

[1] کیونکہ جب بالغ شخص بیع کرتا ہے تو لامحالہ یہ بیع مکمل ہے اور اس کو باوجود مکمل بیع کا علم ہونے کے پھر اسوقت کچھ اعتراض نہوا یہ دلیل ہے کہ یہ زمین اسکی نہیں ہے ورنہ اُسوقت ضرور اعتراض کرتا ۱۲ [2] اس لیئے کہ مدعا علیہ کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے اور اس معاملہ میں شوہر مدعا علیہ ہے اس لیئے کہ وارثان شوہر پر مہر کے مدعی ہیں اور شوہر کو مہر سے انکار ہے اس بنا پر کہ وہ معاف ہو چکا ہے اور منکر کو قسم دلا کر اُسی کے قول کا اعتبار کرتے ہیں ۱۲ [3] کیونکہ اسے اگر وکیل بننا منظور نہ ہوتا تو صاف صاف کہدیتا سکوت کرنا رضامندی کی دلیل ہے ۱۲

مفتی محمد حسن ملیح آبادی سلمہ اللہ تعالیٰ

معزول کیا جس صورت میں کہ صلح دین سے دین کے عوض میں ہو تو اس صورت میں (صلح کے جائز ہونے کے لئے جس دین پر صلح ہو اُس کا) قبضہ کرنا شرط ہے (اسی مجلس میں) ورنہ صلح درست نہ ہوگی اور اگر صلح ایک اسباب سے دوسرے اسباب معین[1] کے عوض یا دین سے اسباب معین کے عوض کی تو ان صورتوں مین (اسی مجلس مین) قبضہ کرنا شرط نہین (دین سے دین کے بدلے صلح کرنے کی صورت یہ ہو کہ مثلاً زید کے ہزار روپیہ عمرو پر آتے ہین اور عمرو نے انکار کر دیا پھر حجت کے بعد دس اشرفیون پر دس روز کے وعدے پر دونوں نے صلح کر لی تو دس اشرفیان زید اگر اسی مجلس میں لے لیگا تو صلح درست ہوگی ورنہ نہ ہوگی[2]) ایک شخص نے ایک بچہ کے مکان پر دعویٰ کیا اس کے باپ نے اس بچہ کا کسی قدر مال مدعی کو دیکر صلح کر لی تو اگر مدعی کے پاس اس کے دعوے کے گواہ تھے اور مال جو باپ نے دیا وہ بھی گھر کی قیمت کے برابر یا کسی قدر زائد ہو کہ اتنے کی لوگ پرواہ نہ کرتے ہوں تب تو یہ صلح درست ہوگی اور اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہونگے یا گواہ ہوں مگر عادل نہ ہوں تو صلح ناجائز[3] ہوگی۔ مدعی نے اول بیان کیا کہ میرے پاس گواہ نہیں پھر گواہ پیش کیے یا گواہ نے اول کہا کہ میری گواہی نہیں ہے پھر گواہی دیدی تو یہ گواہی مقبول ہوگی اگر بادشاہ نے امام کو حکومت دی ہو تو امام کو اختیار ہے کہ شارع عام میں سے کسی شخص کو کوئی قطعہ زمین دیڈالے بشرطیکہ راستہ چلنے والوں کو ضرورت نہو جس شخص پر بادشاہ ڈنڈ ڈالا ہو اور یہ نہ کہا کہ اپنا مال بیچکر ادا کرنا اور وہ شخص اپنا مال بیچکر تاوان ادا کردے تو اس کی بیع درست ہوگی اور اگر بادشاہ نے کہدیا ہو کہ اپنا مال بیچکر ڈنڈ ادا کر اور اس صورت میں فروخت کرے تو یہ بیع درست نہ ہوگی اسلیے کہ زبردستی سے ہوئی اس کی رضا سے نہیں ہوئی اور اگر اس صورت میں بھی قیمت کو بائع اپنی رغبت سے قبض کرے تو درست ہوگی کیونکہ نارضامندی اور زبردستی نہ رہی) اگر اپنی بی بی کو ملا سے ڈرایا تاکہ وہ مہر بخشدے اور شوہر اس کے مارنے پر قادر بھی ہو تو اس صورت میں اگر بخشدے گی تو یہ ہبہ درست نہ ہوگا کہ زبردستی سے ہوا اور اگر

[1] مثلاً زید نے عمرو پر ایک اونٹ کا دعویٰ کیا حجت کے بعد پھر دونوں کی رضامندی سے ایک گھوڑے پر صلح ہو گئی کہ عمرو بجائے اونٹ کے زید کو گھوڑا دیدے تو کچھ ضرور نہیں کہ عمرو اسی جگہ اونٹ پر زید کا قبضہ کرادے ۱۲ [2] کیونکہ جب حجت سے زید نے عمرو پر ہزار روپیہ ثابت کر دیا اور پھر انھیں کے بدلے عمرو دس اشرفی صلح کر کے دیرہا ہے تو گویا ایکہزار روپیہ کی دس اشرفی سے بیع ہو رہی ہے اور روپیہ کی اشرفی سے بیع نقد انقد چاہیئے اور جب اسی مجلس میں زید کے قبضہ میں اشرفیان نہ آئیں اور عمرو کے پاس ہزار روپیہ ہو چکا تو یہ ادھار ہو گیا لہذا جائز نہیں ۱۲ [3] کیونکہ باپ کو بچہ کے مال میں کوئی ایسا تصرف جائز نہیں جو شفقت کے خلاف ہو پس جب مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں یا قابل اعتماد نہ ہوں تو دعوے غیر ثابت ہے ایسے وقت میں کچھ مال دیکر صلح کرنا بچہ کے واسطے سراسر شفقت کے خلاف ہے ۱۲

شوہر مارنے پر قادر نہ ہو۔ اور وہ عورت مہر بخشدے تو درست ہے اس لئے کہ زبردستی ثابت نہ ہوئی، اور اگر عورت پر خلع کرنے کو زبردستی کی تو طلاق ہو جاویگی اور خلع کے عوض کا مال لازم نہوگا۔ ایک عورت کے ذمے زید کا کچھ قرض ہے اُس نے اپنے مہر میں وہ قرضہ شوہر پر اُتار دیا پھر شوہر کو مہر بخشدیا تو ہبہ درست[1] نہوگا۔ زید نے اپنی ملک میں کنواں یا پاخانہ کا کھتا بنایا اُس سے اُس کے ہمسایہ کی دیوار کو تری پہنچی اور ہمسایہ نے اُس کے ہٹائے جانے کی درخواست کی تو زید پر اس کے ہٹا لینے کے لیے جبر نہ کیا جاویگا اور اگر ہمسایہ کی دیوار گر پڑے تو زید پر اس کا تاوان[2] نہ ہوگا شوہر نے اپنی بی بی کے احاطہ میں اپنے مال سے اسکی اجازت لیکر عمارت بنائی تو یہ عمارت اس کی بی بی کی ہوگی اور جو کچھ اسمیں خرچ پڑا ہوگا وہ عورت کے ذمے قرض ہوگا اور اگر عمارت اپنے لیے بدون اجازت کے بنائی تو عمارت شوہر کی ہوگی اور اگر بی بی کے لیئے مکان بدون اس کی اجازت کے بنایا تو مکان بی بی کا ہوگا اور روپیہ جو عمارت میں لگا وہ سلوک کے طور پر ہوگا[3] یعنے عورت کے ذمے پر قرض نہ ہوگا۔ اگر کسی قرضخواہ نے قرضدار کو پکڑ پایا اور کسی شخص نے اُسکے ہاتھ سے قرضدار کو چھین کر چھوڑ دیا تو یہ چھوڑنیوالا قرض کا ذمہ دار نہوگا[4] کسی شخص کے پاس دوسرے آدمی کا مال ہے۔ اور بادشاہ نے اس سے کہا کہ یہ مال مجھے دیدے ورنہ تیرا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا یا پچاس کوڑے ماروں گا اور وہ شخص مال بادشاہ کے حوالے کردے تو اس مال کا تاوان مالک کیلئے اسکو نہ دینا آوے گا۔ شکاری نے بسم اللہ کہکر برچھی گاڑدی کہ گورخر کا شکار کرے اور دوسرے دن آگر گورخر کو زخمی اور مرا ہوا دیکھا تو اس کا کھانا درست نہیں۔ حلال جانور کی یہ چیزیں کھانی مکروہ ہیں۔ اوّل شرمگاہ دوم کپورے۔ سوم غدود۔ چہارم پھکنا۔ پنجم پتا۔ ششم خون جاری۔ ہفتم آلہ تناسل ہشتم پیٹھ کی ہڈی کا گودا۔ واضح ہو کہ خون روان مطلق حرام ہے اور باقی سات چیزیں مکروہ ہیں غائب شخص اور لڑکے کے مال کا اور پڑے پائے مال کا قاضی کو قرض دینے کا اختیار ہے جسکو چاہیے

ا؎ یعنی یہ بخشنا درست نہ ہوگا اس لئے کہ اس مہر سے زید کا تعلق ہوگیا دہ زید کرا دینے سے اب عورت کو اس کے معاف کرنیکا کچھ اختیار نہیں ۱۲

۲؎ اس لئے کہ زید اپنی ملک میں تصرف کررہا ہے لہذا نہ اسے ہٹانے پر مجبور کریں گے اپنی خوشی سے ہٹالے تو اور بات ہے ورنہ منہدم ہونے کی صورت میں اس سے تاوان لیں گے کیونکہ کوئی تعدی اسکی نہیں پائی گئی ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۳؎ کیونکہ بی بی کی اجازت سے ہوتا تو بی بی کیطرف سے سمجھا جاتا اور بی بی اس کی ذمہ دار ہوتی مگر بلا اجازت ہے تو شوہر کا بی بی پر احسان ہوگا اور روپیہ کا شوہر مستحق نہیں ۱۲ ۴؎ کیونکہ اسنے محض چھوڑا دیا اور اس کے چھوڑنے اور اس کے حق ضائع ہونے میں ایک اور ذی اختیار شخص کا فعل حائل ہے اور وہ غلام کا بھاگ جانا ہے۔ لہذا چھوڑنے والا ذمے دار نہیں ۱۲

مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

قرض کے طور پر دیدے) جس لڑکے کی سپاری اتنی کھلی ہو کہ اگر کوئی دیکھے تو ختنہ کیا ہوا جانے اور اسکے ذکر کی کھال مشکل سے کٹتی معلوم ہو تو اُس کی ختنہ نہ کرنی چاہیے اسی طرح اگر کوئی بوڑھا شخص مسلمان ہو اور تجربہ کار لوگ کہیں کہ اسمین طاقت ختنہ کی نہیں تو اسکی ختنہ بھی نکریں[1] ختنے کے لیے مستحب وقت ساتواں سال ہے. گھوڑ دوڑ کرنی اور اونٹوں کو آپس میں لڑانا یا پیادہ دوڑانا کہ کون آگے نکلتا ہی یا تیر چلانا کہ کس کا نشانے پر لگتا ہے درست ہے اور دونوں طرف شرط بدنی حرام ہی (یعنی اگر زید و عمرو گھوڑ دوڑ کرین اور یہ بدین کہ زید کا گھوڑا آگے نکلے تو عمرو سو روپیہ دے اور عمرو کا نکلے تو زید سو روپیہ دے تو یہ حرام ہے) اور اگر شرط ایک طرف سے ہو (مثلاً زید کا گھوڑا نکلجاویگا تو عمرو سے لیے جاوینگے) یہ حرام نہیں پیغمبروں اور فرشتوں کے سوا دوسرے شخص پر درود و سلام بھیجنا نہ چاہیے لیکن انکے ساتھ مین مضائقہ نہیں (مثلاً یون نہ کہنا چاہیے کہ اللھم صل وسلم علی فلان یعنے الٰہی درود و سلام بھیج فلان شخص پر بلکہ یوں کہے تو درست ہی اللھم صل وسلم علی محمد و علی فلان یعنے الٰہی درود و سلام بھیج اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور فلان شخص پر) کافروں کے تیوہار (مثلاً نوروز اور مہرگان) کے نام سے (کہ شروع ماہ بیساکھ اور کاتک کا نام ہے) کسی کو کچھ دینا جائز نہیں[2]. گوشہ دار ٹوپی کے پہننے میں مضائقہ نہیں سیاہ کپڑے کا پہننا اور عمامے کا شملہ دونوں مونڈھوں کے درمیان مین آدھی کمر تک رکھنا مستحب ہے بوڑھے آدمی جاہل سے جوان آدمی عالم کا بڑھ کر چلنا جائز ہے. حافظ قرآن کو مناسب ہے کہ چلہ مین ایک ختم کر لیا کرے (یعنی پڑھنے میں جلدی نہ کرے.

کتابُ الفرائضِ[3]

اس مین میت کے وارثوں کے حصے جاننے کا بیان ہے (مردہ کے مال سے اول وہ قرض ادا کرنا چاہیے جو اس مال سے متعلق ہو مثلاً اگر مال کچھ لے ہیون کے عوض گرو ہوا اور اسکا ترکہ اور کچھ نہ ہو تو

١ اس لئے کہ ختنہ صفائی اور پاکی کے لیے ہوتا ہے، ورنہ سات برس کے بچہ کیلیے حکم ہے کہ اسکو نماز کا حکم کرو پس ساتویں برس بچہ کا ختنہ کرانا مستحب ہے تاکہ صفائی اور طہارت حاصل ہو ١٢ ٢ یہی حال ہولی دیوالی کا کہ اس میں اہل ہنود سے تحفہ تحائف کرنا جائز نہیں اور اسیطرح ٢٥ دسمبر کا بڑا دن ہے کہ اسمیں نصاریٰ کو ڈالیان لگانا جیسا کہ اس زمانہ میں ہندوستانی خوشامد خور بڑے دن میں انگریزوں کے سامنے ڈالیا لگاتے ہیں یہ نہ چاہیے اور اگر اس دن کی تعظیم کی راہ سے کرتے ہوں تو بعض علماء کے نزدیک یہ کفر ہے ١٢ ٣ فرائض جمع فریضہ کی ہے فریضہ اُسی کہتے ہیں جو مکلف یعنی عاقل بالغ پر فرض ہو ١٢ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ الہادی

اول رہن کا روپیہ اس مال سے ادا ہوگا بعد اُس کے وہ ترتیب ہے جو کتاب الا کہتا ہی) ترکہ میت سے اُس کے کفن و دفن[۱] کا سرانجام پہلے کیا جاوے پھر جو کچھ بچے اُس سے اُس کا قرض ادا کیا جائے پھر باقی میں سے اسکی وصیت پوری کیجاوے[۲] پھر جو بچے اس کے وارثوں میں تقسیم کرنا چاہیے (اور وارث تین طرح کے ہیں۔ فرض والے اور عصبے اور ذوی الارحام۔

فرض والوں کا بیان۔ فرض والے وہ وارث ہیں جن کا حصہ کلام مجید میں (یا شریعت میں) ٹھیر چکا ہے (اور وہ بارہ آدمی ہیں اول میت کا باپ ہی اُسکو میت کے پسر خواہ پوتے پڑوتے یعنی اولاد مذکر کے ساتھ میں چھٹا حصہ ملتا ہے اور اگر میت کی بیٹی یا پوتی یا پڑوتی یعنے مونث اولاد ہو تو چھٹا حصہ بھی ملیگا اور جو فرض والوں سے کچھ بچ رہے وہ بھی ملیگا اور اگر میت کے اولاد نہ مذکر ہو نہ مونث تو باپ عصبہ ہوگا۔ دوسرا صحیح دادا کہ جس کا ناتا اگر میت سے بیان کریں تو اس ناتے میں میت کی ماں نہ آوے (مثلاً باپ کا باپ اور باپ کا دادا وغیرہ) تو ایسے باپ اور دادا کا حکم فرض میں ایک ہے (یعنی اگر باپ نہو تو دادا کے وہی تین حال ہیں جو اوپر مذکور ہوے) لیکن دو باتوں میں دادا اور باپ میں فرق ہی اول یہ کہ اگر میت کے ماں باپ اور شوہر یا بی بی بچے ہوں تو دونوں صورتوں میں شوہر کے حصہ کے بعد جو باقی بچتا ہے اس کی تہائی ملتی ہے دادا کے ہوتے یہ صورت نہ ہوگی مثلاً ایک عورت مری اور اس نے شوہر اور ماں باپ چھوڑے تو اس میں شوہر کو نصف ترکہ پہنچیگا اور ماں کو نصف کا تہائی یعنے چھٹا حصہ اور باپ کو باقی ملے گا۔ اور اگر اس صورت میں باپ کی جگہ دادا ہو تو نصف[۳] ترکہ شوہر کو اور کل ترکہ کی تہائی ماں کو اور باقی بچتا دادا کو ملیگا۔ ایک مرد مرا اور اُس نے ایک بی بی اور ماں باپ چھوڑے اس صورت میں چوتھائی بی بی کو دیکر باقی کی تہائی ماں کو اور پھر جو کچھ بچے باپ کو ملیگا اور اگر باپ کی جگہ دادا ہو تو ماں کو کل ترکہ کی تہائی ملتی ہے دوسرا فرق یہ ہی کہ باپ کے ہوتے ہوے باپ کی ماں کو یعنے دادی کو حصہ نہیں ملتا) اور دادا کے ہوتے ہوے دادی محروم نہیں ہوتی (اور باقوں میں با

[۱] یعنی کفن دفن کا سرانجام بلا فضول خرچی اور بلا کمی کرنے کے ہو یعنی نہ ایسا اعلیٰ درجہ کا سامان کفن وغیرہ ہو کہ جسمیں بہت دام وغیرہ خرچ ہو جائیں نہ ایسا ادنے درجہ کا ہو کہ اسکے لائق نہو بلکہ متوسط درجہ کا ہو جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں استعمال کرتا ہو اور ایسے ہی ضرورت سے زائد نہو جیسے مرد کو چار کپڑے مثلاً کفن میں دیئے جائیں یا عورت کو چھ کپڑے یا باوجود مقدرت کے مرد کو دو کپڑے اور عورت کو چار کپڑے دیئے جائیں اتنی کمی بھی نہو بلکہ کفن مسنون مرد کو تین اور عورت کو پانچ کپڑے دیئے جائیں ۱۲ [۲] یعنے باقی مال میں ایک تہائی تک سے وصیت پوری کیجائے کچھ وصیت کی ہو ۱۲ [۳] یعنی چھ چھ کرکے تین حصہ شوہر کو اور دو حصہ ماں کو اور باقی ایک حصہ دادا کو اور اگر دادا کی جگہ باپ ہوتا تو ماں کو ایک ہی حصہ ملتا اور دو باپ کو ملجاتے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی

دادا یکساں ہیں) چنانچہ بھائی بہنوں کو دادا کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں ملتا جیسے باپ کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں ملتا (تیسری[۳] اہل فرض) میت کی ماں ہے اس کو میت کی اولاد خواہ اولاد کی اولاد کے ساتھ کتنے ہی نیچے کی ہو (اور مذکر ہو یا مؤنث) اور نیز میت کے دو یا زیادہ بھائی یا بہن کے ساتھ خواہ حقیقی ہوں خواہ علاتی خواہ اخیافی (نہ بھائی بہنوں کی اولاد کے ساتھ) ترکے کا چھٹا حصہ ملتا ہے اور میت کے باپ اور خاوند یا بیوی کے ساتھ تہائی اس کا[۱] ملیگا جو خاوند یا بی بی کو دیکر بچے (چنانچہ اس کی مثالیں ابھی اوپر گذریں) (چوتھی[۲] اہل فرض) میت کی جدہ صحیحہ[۳] ہے جس کا نانا میت سے بیان کرنے میں جد فاسد یعنی نانا میت کا نہ آوے تو وہ دادی اور نانی اور پردادی اور نانی کی ماں وغیرہ ہوگی نانا کی ماں یا دادی ہوگی اور جدہ ایک ہو یا بہت ہوں چھٹا حصہ ملیگا اور جس جدہ کی میت سے دو ناتے ہوں اور جس کا صرف ایک ناتا ہو وہ دونوں برابر ہونگی[۴] (دو ناتے اسطرح ہو سکتے ہیں مثلاً دادا کی ماں بھی وہی ہو اور نانی کی ماں بھی وہی مثلاً ہندہ کے ایک پوتا اور ایک نواسی ہے اور پھر ان دونوں کا آپس میں نکاح ہوگیا تو ان کی اولاد کا رشتہ ہندہ سے دو قرابت کا ہوگا اور جس جدہ کا ناتا میت سے دور ہو وہ قریب کے ناتے والی سے محروم ہو جائیگی) اور سب جدات خواہ دور کی ہوں خواہ نزدیک کی ماں کے ہوتے ہوئے محروم رہتی ہیں (پانچویں[۵] اہل فرض) میت کا شوہر ہے اس کو بی بی کے ترکے کا نصف ملتا ہے اور میت کی اولاد کے ہوتے ہوئے ترکے کا چہارم[۶] ملتا ہے خواہ اولاد کتنے ہی نیچے کی ہو (چھٹی[۷] اہل فرض) میت کی بی بی ہے۔ اس کو شوہر کے مال میں سے چہارم ملتا ہے۔ اگر شوہر کے اولاد نہ ہو اور اولاد کے ساتھ میں خواہ کتنے ہی نیچے کی ہو بی بی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے اگر بیبیاں دو یا تین ہوں تو ان کا حصہ زیادہ نہ ہوگا۔ چوتھائی بلا اولاد کے اور آٹھواں مع اولاد کے سب آپس میں تقسیم کر لیں (ساتویں) فرض والی بیٹی ہے اور وہ اگر ایک ہو تو ترکے کا آدھا اس کو ملیگا اور دو بیٹیاں یا زیادہ ہوں تو ترکے کی دو تہائیاں پاوینگی اور اگر وارث بیٹا اور بیٹی دونوں ہوں تو (بیٹوں کے ساتھ) (ملکر بیٹیاں عصبہ ہو جاتی ہیں اور اس

۱ے یعنے یہ صرف دو ہی صورتوں میں ہوگا ایک یہ کہ اگر میت مذکر ہے وارثوں میں بی بی اور ماں کو چھوڑا اور دوسرا یہ کہ میت مونث ہے اور وارثوں میں شوہر اور ماں باپ کو چھوڑا تو ان دونوں صورتوں میں شوہر کا نصف نکالکر باقی کا تہائی ماں کو ملیگا ۱۲ ۲ے یعنی السانہ ہوگا کہ چھٹے حصہ میں دو ناتے والی کو دوہرا ملے اور ایک ناتے والی کو اکہرا ملے بلکہ برابر بانٹ لیں گے ۱۲ ۳ے پس اس کی یہی دو حالتیں ہیں کہ میت کی اولاد ہوتے ہوئے خواہ اولاد مذکر ہو یا مونث اسی شوہر سے یا پہلے والے سے چوتھائی ملیگا اور اگر میت لاولد تھی تو شوہر کو پھر ترکہ ملیگا ۱۲

مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ اللہ تعالی

صورت میں بیٹی کو پسر کے حصہ سے آدھا ملتا ہے یعنی کوئی حصہ مقرر ہی نہیں رہتا بلکہ ایک پسر کا حصہ جسقدر ہو اُس کا آدھا بیٹی کو ملتا ہے (پوتا مثل میت کے بیٹے کے ہے جبکہ بیٹا نہو اور بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کو کچھ نہیں ملتا۔ اگر بیٹی پوتے کے ساتھ ہو تو جو ذکر قریب ترمیت کے ہوگا اس کو باقی ملے گا یعنے آدھا بیٹی کو دیکر باقی پوتے کو ملیگا۔ اس لئے کہ عصبہ ہو اور کتر ہیں اقرب ذکور اس لیے کہا کہ لاولد للابن پوتی کو بھی کہہ سکتے ہیں مگر اس کو باقی نہیں ملتا اس کا حال آگے آتا ہے (آٹھویں شخص فرض والی میت کی پوتی ہے اُس کو سگی بیٹی کے ساتھ چھٹا حصہ ملتا ہے تاکہ دو تہائی کامل ہو جاویں (کیونکہ پوتی بھی گویا بیٹی ہی ہے تو دو تہائی جو بیٹیوں کا حق ہے وہ ان دونوں کو ملیگا اس طرح کہ آدھا بیٹی کو دیں گے ساتھ چھٹا حصہ پوتی کو تا دونوں ملکر دو تہائی ہو جاویں لیں) پوتی ایک ہو یا زیادہ (ایک بیٹی کے ساتھ میں چھٹا حصہ پاویگی اور اگر بیٹیاں ایک سے زیادہ ہوں تو پوتیاں محروم رہیں گی لیکن اگر اس صورت میں پوتیوں کے ساتھ ہیں یا اُن سے نیچے کوئی لڑکا ہوگا تو وہ اپنے ساتھ والوں اور اوپر والیوں کے سوائے فرض والی بیٹیوں کے عصبہ کر دیتا ہے اور مرد کو دونا حصہ عورت سے ملجاتا ہے اور جو اُس سے نیچے ہوں انکو کچھ نہیں پہنچتا مثلاً اگر میت کے دو بیٹیاں اور ایک پوتی اور ایک پڑوتا) اور ایک پڑوتی اور ایک پوتے کی پوتی ہوں تو بیٹیوں کو دو ثلث ملیں گے اور ایک تہائی ترکے کی جو بچی وہ پڑوتے کے سبب سے پڑوتی اور پوتی اور پڑوتے میں مرد کو عورت سے دونا تقسیم ہو جاوے گی اور پوتے کی پوتی جو پڑوتے سے نیچے درجے میں ہے اُس کو کچھ نہ ملیگا۔

حاصل یہ کہ پوتیوں کی چھ حالتیں ہیں۔ اگر ان کے ساتھ بیٹی کوئی نہ ہو تو ایک پوتی کو آدھا اور دو کو دو تہائی اور اگر ان کے ساتھ لڑکا ہو تو سوائے فرض والیوں کے برابر اور اوپر والیوں کو عصبہ کر دیتا ہے اور ہل مرد کو دوہرا حصہ اور عورت کو ایک اُن میں تقسیم ہوتا ہے۔ اور اگر میت کے بیٹا ہو تو پوتیوں کو کچھ نہیں پہنچتا (نویں اہل فرض میت کی حقیقی بہنیں ہیں اُن کا حال بیٹیوں کا سا ہے جس صورت میں کہ بیٹیاں اور پوتیاں نہوں (یعنی بہن ایک ہو تو آدھا مال پاوے گی اور دو ہوں تو دو تہائی اور

سلہ بلکہ ملتا ہے اس صورت میں جب فرض والوں سے کچھ بچ رہے اور اگر فرض والوں سے کچھ نہ بچے تو پھر نہ ملیگا جیسے میت دو لڑکیاں اور شوہر اور باپ اور پوتا چھوڑا تو اس صورت میں ترکے کی تیرہ حصہ کر کے آٹھ دونوں لڑکیوں اور شوہر اور باپ کو ملجائیں گے پوتے کو کچھ نہ ملیگا کیونکہ اس صورت سے بچ نہیں سکتا بلکہ اور کم پڑتا ہے کیونکہ فرض یہ ہے کہ بارہ سے دو تہائی لڑکیوں اور چوتھائی شوہر اور چھٹا حصہ باپ کو پہنچے اور حساب لگاتے ہیں تو تیرہ حصہ ہوتے ہیں اس لئے بارہ کے بجائے تیرہ حصہ کیئے اور ہر ایک حصہ رسدی کم کیا اور پوتے کو محروم رکھا ۱۲ سلہ اس لئے کہ بیٹا عصبہ ہو جاتا اور سب مال لے لیتا ہے اور اگر اس کے ساتھ بیٹی ہوتی تو اس کو بھی عصبہ بنا لیتا ہے بیٹی فرض والی نہیں رہتی جو اس کے دو ثلث پورا کرنے کیلئے پوتیوں کو چھٹا حصہ دیا جاوے ۱۲ مفتی محمود حسن غفرلہ کان اللہ لہ

بھائی اگر ان کے ساتھ ہو تو مرد کو عورت کی نسبت دونا حصہ ملیگا) بھائیوں کے ساتھ بہن عصبہ ہو جاتی ہیں
اور اگر بہنوں کے ساتھ بیٹیاں یا پوتیاں ہونگی تب بھی بہنیں عصبہ ہینگی - اور فرض والوں سے
بچا مال پاوینگی (ساتویں فرض والی علاتی بہنیں ہیں) اُن کا حال پوتیوں کا سا ہے (یعنے حال
پوتیوں کا) بیٹیوں کے ساتھ تھا وہ حال علاتی بہنوں کا سگی بہنوں کے ساتھ ہے کہ اگر سگی بہنیں نہ
ہوں تب تو ایک علاتی بہن کو آدھا اور زیادہ کو دو تہائی اور ایک سگی بہن کے ساتھ میں چھٹا حصہ ملیگا
علاتی بہن ایک ہو خواہ زیادہ اور دو سگی بہنوں کے ساتھ میں کچھ نہیں ملتا ہاں اگر انکے ساتھ علاتی
بھائی اس صورت میں ہو تو وہ اُن کو عصبہ کرتا ہے اور عصبہ کے ساتھ میں اُن کو مرد کے حصہ سے آدھا
ملتا ہے اور بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ میں علاتی بہنیں بھی عصبہ ہو جاتی ہیں اور اُس وقت اہل فرض
سے جو مال بچتا ہے وہ اُن کو پہونچتا ہے خواہ ایک ہو یا زیادہ (گیارھویں اہل فرض) میت کی اخیافی
بہن ہے اور (بارھویں اہل فرض) اخیافی بھائی ہے ان دونوں کا یہ حال ہے کہ اگر ایک ہو تو چھٹا
حصہ پاتا ہے اور زیادہ ہو تو تہائی مال کی ملتی ہے اور ان میں عورت مرد کا برابر حصہ ہے یہ نہیں کہ
مرد کو عورت سے دونا ملے (بھائی اور بہن خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی میت کے پسر اور پسر کے
پوتے وغیرہ اولاد نر کے ہوتے ہوئے خواہ میت کے باپ یا دادا کے ہوتے ہوئے کچھ نہ پاوینگے
اور اس کی بیٹی اور پوتی یعنے میت کی اولاد مونث) صرف اخیافی بہن بھائی کو محروم کرتی ہے
(سگی اور علاتی کو نہیں کرتی)

عصبوں کا بیان) عصبہ اُس وارث کو کہتے ہیں کہ اگر اکیلا ہو تو تمام مال لیوے اور اگر
فرض والوں کے ساتھ ہو تو باقی مال لیوے (جو ان سے بچے) اور عصبہ دو قسم پر ہے ایک نسب کا
یعنی بباعث میت کی قرابت کے - دوسرا عصبہ سبب کا یعنی میت کا آزاد کرنے والا - نسبی عصبہ
دوسرے سے میراث میں مقدم ہے) اور ترتیب یوں ہے کہ سب سے زیادہ حقدار بیٹا ہے پھر
پوتا پھر پڑپوتا پھر اُس کی اولاد نر کتنے ہی نیچے کی ہو پھر باپ پھر دادا پھر دادا کا دادا کتنے ہی اوپر کا ہو پھر سگا بھائی

ف۱ مثلاً کسی شخص نے وارثوں میں دو یا زیادہ بیٹیوں کو چھوڑا یا بیٹیوں کے بجائے پوتیاں چھوڑیں اور ایک یا اس سے زیادہ بہنیں چھوڑیں تو ترکہ کی
دو تہائی بیٹیوں کو ملجاویگا یا بجائے بیٹیوں کے پوتیوں کو ملجاویگا اور باقی ایک تہائی بہن کو ملجاویگا یا اگر زیادہ ہیں تو تقسیم ہو جاویگا کیونکہ حضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنا دو اور پوتیاں بیٹیوں کے حکم میں ہیں لہذا ان کے ساتھ بھی عصبہ ہو جاوینگی ۱۲ ف۲
یعنے حاصل یہ کہ مادری بھائی بہنوں کی صرف تین حالتیں ہیں ایک یہ کہ اگر تن تنہا ایک ہے تو چھٹا حصہ ملیگا اور اگر دو یا اس سے زیادہ ہوں
تو تہائی مال ملیگا اور یہ حالت دوسری ہے اور تیسری حالت یہ ہے کہ اولاد وارث اور باپ دادا کے ہوتے ہوئے ساقط ہو جاوینگے کچھ نہ پاوینگے ۱۲

پھر علاتی بھائی پھر سگے بھائی کا بیٹا پھر علاتی بھائی کا بیٹا (پھر میت کے چچے تائے پھر باپ کے چچے
تائے پھر دادے کے چچے تائے بترتیب سابق یعنے سگے اور علاتی بعد ہوں گے) ان عصبات نسبی
بعد عصبہ سببی (یعنے آزاد کرنے والا) میت (کا اُس) کے کُل کا حقدار ہے اور اگر وہ نہ ہو تو اُس کے
عصبوں کو اسی ترتیب سے پہونچیگا یعنے اوّل اس کی اولاد نر پھر باپ یا دادا پھر بھائی وغیرہ کو جیسا
اوپر بیان ہوا) جو عورتیں ایسی ہیں کہ حصہ ان کا آدھا اور دو تہائی ہے (یعنے بیٹیاں اور پوتیاں
اور سگی علاتی بہنیں) وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ میں عصبہ ہو جاتی ہیں انکے سوا اور عورتیں اپنے
بھائیوں کے ساتھ میں عصبہ نہیں ہوتیں (اور جب اُنکے ساتھ اُن کے بھائی ہوتے ہیں تو مال
ان میں اسطرح تقسیم ہوتا ہے کہ مرد عورت سے دونا پاوے بخلاف اخیافی بہنوں کے جن کا حصہ آدھا
اور دو تہائی نہیں تو ان میں مال کی تقسیم مرد و عورت میں برابر ہے) جس شخص کا ناتا میت سے
کسی کے ذریعہ سے ہوتا ہو تو وہ اُس ذریعہ کے ہوتے ہوئے مال نہیں پاتا (مثلاً پوتا یا دادا کہ اُن کا رشتہ
میت سے بذریعہ بیٹے یا باپ ہی کے ہے تو بیٹے کے ہوتے پوتا اور باپ کے ہوتے دادا حصہ نہ پاوے گا) مگر
اخیافی بہن بھائی (اس قاعدے سے خارج ہیں اُن کا رشتہ میت سے بذریعہ ماں کے ہے اور
ماں کے ہوتے ہوئے وہ محروم نہیں ہوتے) جو شخص محجوب ہو (یعنے کسی رشتہ دار قریب کی جہت سے
ترکے سے محروم ہو) یا وہ دوسرے کو محجوب کر سکتا ہے (مثلاً اگر میت کا باپ اور ماں اور بھائی یا دو
بہنیں ہوں تو باوجودیکہ باپ کے ہونے سے بھائی بہنوں کو کچھ نہ ملیگا مگر وہ) ماں کے حصہ کو تہائی
سے چھٹا کر دینگے (اگر یہ نہ ہوتے تو ماں کو تہائی ملتا ان کے سبب سے ماں کے حصہ میں نقصان
ہو گیا گو وہ خود محروم ہیں) جو شخص غلام ہونے کی جہت سے یا میت کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے
کے باعث یا دین کی اختلاف کی جہت سے یا دار کے جدا ہونے کی جہت سے محروم ہو
وہ دوسرے کو محروم نہیں کر سکتا (مثلاً میت کا بیٹا اگر دوسرے کا غلام ہو یا میت کا قاتل ہو یا
کافر ہو یا دار الحرب میں رہتا ہو تو میت کے اور وارثوں مثلاً بھائی بہن وغیرہ کو

لے اصل یہ کہ میت کی اولاد نرینہ مقدم ہوگی خواہ کتنا ہی نیچے تک چلی گئی ہو اگر یہ نہ ہو تو بطور عصبیت کے استحقاق اسکی اصل کو حاصل
ہوگا اور اس میں قریب کے ہوتے ہوئے دور والے کو نہ ملیگا، باپ دادا سے قریب ہے اور دادا پردادا سے قریب ہے اور پردادا چھردادا سے قریب ہے،
اسی طرح اوپر تک پھر اگر یہ لوگ نہ ہوں تو ان کی اولاد نرینہ میں یہی ترتیب ہے۔ کہ باپ کی اولاد نرینہ خواہ نیچے تک ہو مستحق ہوگی دادا کی
اولاد نرینہ سے اسی طرح اوپر تک ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی۔ ؎۲ مثلاً ایک شخص نے انتقال کیا اور ایک بیٹا اور ایک پوتا چھوڑا خواہ اسی
لڑکے کا لڑکا ہو یا دوسرے کا ہو جو اس مورث کی حیات میں مرچکا تھا تو متروکہ سب لڑکے کو ملیگا اور پوتا محروم رہیگا ۱۲ مفتی محمد وصی علی

محروم[1] نہ کرے گا) ایک کافر دوسرے کافر کا وارث ہوتا ہے جس طرح ایک مسلمان دوسرے کا وارث ہوتا ہے خواہ نسب کی جہت سے (مثلاً باپ بیٹا بہن بھائی ہونے کی جہت سے) یا سبب کے علاقے سے (مثلاً شوہر اور بیوی ہونیسے) یا آزاد کرنے سے وارث ہو اور دو جہتوں سے بھی وارث ہوتا ہے مثلاً شوہر اپنی بیوی کا آزاد کرنیوالا بھی ہو تو شوہر ہونے کی جہت سے اور آزاد کرنے کے سبب سے دونوں سے وارث ہوگا[2]) اگر کافر کی دو قرابتوں میں سے ایک محجوب ہے اور ایک حاجب تو وہ حاجب کی قرابت سے میراث پاوے گا نہ محجوب کی (مثلاً کسی کافر نے اپنی لڑکی سے نکاح کیا اور اُس سے لڑکا ہوا تو یہ لڑکا اس کافر سے دو قرابت رکھتا ہے اُس کا بیٹا بھی ہے اور نواسا بھی مگر نواسا ہونیکی قرابت محجوب ہے اور بیٹے کی قرابت حاجب تو اُس کافر کی میراث بیٹے ہونے کی جہت سے پاویگا نہ نواسہ ہونے کے سبب سے) کافر اگر اپنی محرم سے نکاح کر لے (مثلاً ماں سے یا بیٹی سے) تو شوہر ہونے کی میراث اُس کو نہ ملیگی۔ حرام کی اولاد اور وہ بچہ جس کی جہت سے شوہر بی بی میں لعان ہوا ہو وہ ماں ہی کی طرف سے میراث پاویں گے (یعنے ماں کے ترکے میں سے اُسکو حصہ ملیگا باپ کے ترکہ میں سے نہ ملیگا کیونکہ باپ سے اُس کا رشتہ علیحدہ ہو گیا ہے) حمل کے واسطے ایک بیٹے کا حصہ علیحدہ کر لیا جاویگا (یعنے اگر میت کی جورو حاملہ ہے اور وارث خواہاں تقسیم ترکہ ہوں تو حمل کے لیے ایک پسر کا حصہ رکھ چھوڑیں گے باقی مال بانٹ دینگے) پھر وہ بچہ آدھے سے زیادہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہو کر اگر مر جاویگا تو وارث ہوگا اور اگر تھوڑا ہی سا نکل کر مر جاویگا تو وارث نہ ہوگا۔ چند شخص اگر جل جاویں یا ڈوب کر مر جاویں تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہونگے[3] ہاں اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ فلانا پہلے مرا اور فلانا پیچھے تو ان میں وراثت جاری ہوگی۔

ذوی الارحام کا بیان) ذو رحم اُس رشتہ دار کو کہتے ہیں جس کا حصہ شریعت میں مقرر نہ ہو اور نہ وہ عصبہ ہو۔ ذو رحم کسی فرض والے اور عصبہ کے ساتھ میں وارث نہیں ہوتا بجز شوہر یا بی بی کے ساتھ کے اسلیے کہ اُنپر مال رد نہیں ہوتا یعنے اگر شوہر یا بی بی کے ساتھ میں ذو رحم ہوگا تو باوجودیکہ یہ دونوں

[1] یعنی یہ لوگ جب مذکورہ وجوہ کی بنا پر خود ترکہ پانے سے محروم ہو گئے تو دوسرے وارثوں کے حق میں یہ لوگ مثل نہ ہونے کے ہیں یعنی جو وارث کہ ان کے ہوتے ہوئے میراث سے محروم ہوئے جاتے تھے اب محروم نہ ہونگے ١٢ [2] مثلاً کسی شخص نے لونڈی کو آزاد کیا اور پھر اُس سے نکاح کر لیا اس کے بعد اس عورت کا انتقال ہوا اور سوائے شوہر کے اور کوئی فرض والا یا عصبہ نہیں چھوڑا تو نصف ترکہ شوہر کو حق شوہری میں ملیگا اور باقی نصف شوہر کو آزاد کرنے کی جہت سے ملجائیگا ١٢ [3] یعنے ان کے متعلق یہ حکم دیا جاویگا کہ سب کا دم ایک ساتھ نکلا ہے کیونکہ کسی کا واقعی حال معلوم نہیں ١٢ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سلمہ الهادی۔

صاحب فرض ہیں مگر ان کے ساتھ بھی وہ وارث ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر یا بی بی کو بچتا مال دوبارہ نہیں دیتے بخلاف اور فرض والوں کے کہ اگر ان کے حصوں سے کچھ مال بچتا ہے تو پھر وہ انہیں حصہ رسد دیا جاتا ہے پس جب شوہر یا بی بی کو دیکر کچھ بچے اور وہ ان کو لوٹایا نہیں جاتا تو اس کا وارث بجز ذوی رحم کے اور کون ہے اس لیئے ان کے ساتھ بھی وارث ہوتا ہے ذوی الارحام کی ترتیب مثل عصبات کی ترتیب کے ہے یعنے اول میت کے فروع یعنی بیٹیوں پوتیوں کی اولاد گو نیچے کی ہوں پھر اس کے اصول یعنی جد فاسد اور جدات فاسدہ کتنے ہی اوپر کے ہوں پھر اس کی ماں باپ کے فروع یعنی عینی یا علاتی یا اخیافی بہن بھائیوں کی اولاد پھر اس کے جد اور جدہ کی فروع یعنے ماموں خالہ پھوپھی تائی اور چچا کی لڑکیاں پھر باپ کے ماموں خالہ وغیرہ) ذوی الارحام میں درجے کے قرب سے ترجیح ہوتی ہے یعنے قریب رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دور والے کو نہ ملیگا اور اگر قرب میں برابر ہوں تو پھر اس بات کو دیکھتے ہیں کہ اس کی اصل وارث رہا نہیں اگر وارث ہو تو اس کو مقدم کرتے ہیں۔ اس پر جس کی اصل وارث نہ ہو مثلاً بھتیجے کی بیٹی اور ہمشیرزادی کا بیٹا اگر وارث رہیں تو مال برادر زادہ کی دختر کو ملیگا اس لئے کہ اس کی اصل یعنے برادر زادہ عصبہ ہے اور ہمشیر زادی کے پسر کو نہ دیں گے اس لئے کہ اس کی اصل یعنی ہمشیرزادی وارث نہیں ذوی رحم ہے جسوقت ذوی الارحام کی جہت قرابت میت سے مختلف ہو تو جس کی قرابت باپ کیطرف سے ہوگی اس کو دونا ملیگا اور جس کی طرف سے ہوگی اسکو ایک حصہ ملیگا (مثلاً میت اگر اپنے باپ کا نانا اور ماں کا دادا چھوڑے تو اول کو دو تہائی اور دوم کو ایک ملیگی ذوی الارحام کی اصلیں اگر ایک سی ہوں تو ترکے کو ان کی گنتی پر تقسیم کرینگے (مثلاً ایک بہن کی اولاد یا دو بہنوں کی اولاد ہو تو سب بھانجوں بھانجیوں کو شمار کر کے ترکہ برابر تقسیم کریں گے اگر سب مذکر ہوں یا سب مؤنث اور اگر کچھ مرد کچھ عورتیں ہوں تو مرد کو دونا حصہ عورتوں کی نسبت دیویں) اور اگر ان کے اصول متفق نہ ہوں یعنے بعضوں کی اصل مرد ہو اور بعضوں کی عورت) تو شمار شخصوں کا اسوقت بھی انہیں سے ہوگا مگر جس درجہ میں کہ پہلے اختلاف ہوا

ا؎ ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں ایک یہ کہ میت کی طرف سے منسوب ہوں جیسے لڑکی کی اولاد اور پوتی کی اولاد اور دوسری قسم وہ کہ میت خود ان کی طرف منسوب ہو اور وہ ساقط شدہ جد اور جدات ہیں اور تیسری قسم وہ کہ میت کی والدین کی طرف منسوب ہوں اور وہ بھانجا بھانجی اور بھتیجی اور برادر زادہ بھتیجے ہیں اور چوتھی قسم وہ ہے جو میت کے نانا دادا اور نانی دادی کی طرف منسوب ہوں اور وہ پھوپھی خالہ ماموں اور برادر زاد چچا ہیں ١٢ ؎٢ مثلاً کسی کا انتقال ہوا اور اس نے ایک نواسی اور ایک پوتی کی لڑکی کو چھوڑا تو نواسی کو سب ملجائیگا اور پوتی کی لڑکی محروم رہ جائیگی ١٢

مفتی محمد مہدی حسن شاہجہانپوری سلمہ اللہ تعالیٰ

ہے مرد و عورت کا فرق اُس میں کر لیا جائے گا (مثلاً میت کے ایک نواسی کی بیٹی اور ایک نواسے کی
بیٹی پہنچے تو اوّل کو ایک تہائی دینگے اور دوسری کو دو تہائی اس لیے کہ اوّل جہاں اختلاف
ہوا ہے وہاں ایک نواسی ہے اور دوسری جانب نواسا اس لیے تہائی عورت کے اعتبار سے اور دو تہائی مرد
کے اعتبار سے اور شمار پچھلوں کے بموجب ہوتی ہے یعنی مثلاً اگر پہلی صورت میں چار بیٹیاں ہوں اور
دوسری میں تین ہوں تو پہلی صورت والیوں کو وہی ایک تہائی چار حصہ مساوی میں تقسیم کر دیجاویگی
اور دوسری صورت والیوں کو دو تہائی تین جگہ تقسیم برابر کر دیجاویگی حصے (جو کلام مجید میں مقرر
ہیں وہ چھ ہیں تین ایک قسم کے یعنی) آدھا چوتھائی۔ آٹھواں اور تین دوسری قسم کے یعنی) دو
تہائی تہائی اور چھٹا اور ان کے مخرج (یعنے ایسے عدد کہ اُن سے یہ حصّے نکل سکیں سات ہیں (آدھے
کے لیئے چار کا عدد ہے اور آٹھویں حصے کے لیے آٹھ کا عدد ہے اور دو تہائی اور تہائی کے لیئے تین کا
عدد ہے اور چھٹے حصہ کیلیئے چھ کا اور ان دونوں قسموں میں پچھلا عدد اپنے پہلے حصہ کا بھی مخرج
ہو سکتا ہے مثلاً چار کا عدد آدھے کا بھی مخرج ہے اور آٹھ کا عدد چوتھائی اور آدھے کا مخرج ہے اور
چھ تہائی کا مخرج ہے) اور ایک دوسرے کے ملنے سے بارہ اور چوبیس مخرج ہوتے ہیں (یعنی
ایک قسم کا حصہ جب دوسری سے ملیگا خواہ سب حصوں سے ملے خواہ ایک سے تو اُن کی صورتیں
تین ہیں اوّل یہ کہ آدھا دوسری قسم سے ملے اس صورت میں چھ مخرج ہوگا دوسرے یہ کہ چوتھائی
دوسری قسم سے ملے اس صورت میں بارہ مخرج ہوتا ہے تیسرے یہ کہ آٹھواں حصہ دوسری قسم سے ملے
اس میں چوبیس مخرج ہوتا ہے) اور مخارج زیادہ ہو جاتے ہیں حصوں کے مخرج کے کمی کے باعث
یعنی جس صورت میں کہ عدد حصوں کے مخرج کا کم ہو اور سہام اس کے ملکر زیادہ ہو جائیں تو کچھ
مخرج میں زیادہ کر دیا جاتا ہے تاکہ سب حصہ والیوں کو اُن کے سہام پہنچ جائیں اور اس بڑھانیکو
عول کہتے ہیں اور یہ بات تین مخرجوں میں ہوتی ہے جو دونوں قسموں کے ملنے سے پیدا ہوتے ہیں

ہو دو کا عدد ہے (یعنی جس کو نصف مال پہنچتا ہے چاہیئے کہ مال کے دو سہام مقرر کریں) اور چوتھائی کے لیئے

ل یعنے ذوالفرض کے حصہ چھ قسم کے ہیں یعنے نصف جیسے ایک لڑکی کو یا بوقت نہ ہونے اولاد کے شوہر کو نصف ملتا ہے اور بعض چوتھائی
جیسے شوہر کو بوقت اولاد ہونے کے اور آٹھواں زوجہ کو بوقت اولاد ہونے کے اور دو تہائی جیسے دو لڑکیوں پوتیوں وغیرہ کو اور ایک تہائی جیسے
والدہ کو اور چھٹا حصہ جیسے والد کو ۱۲ احمد هادی کو ۱۲ ٢ یعنے آدھا اور دو تہائی سے ملے یا ایک تہائی سے یا چھٹے حصہ سے ملے تو مخرج چھ ہوگا
۳ یعنے یہ حصہ چھ سے بلا کسر کے نکل آدینگے ۱۲ اور حصہ بعد ہر ایک یہ میں کمی کر دیجاے مثلاً خاوند اور دو بہنیں چھوڑیں تو خاوند کو چھ میں سے تین
ملنا چاہیئے تھا اور اب بجائے چھ کے تو کے کے سات حصے کر کے تین دیئے گئے اور ایسے ہی بہنوں کو چھ سے چار حصہ ملنا چار حصہ ملنا چاہیئے
تھے اور اب سات میں سے چار دیئے گئے ۱۲ مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی ۱۲ سلمہ اللہ تعالے ۱۲

عول کا بیان

پس چھ کا عدد دس تک عول ہو جاتا ہے طاق اور جفت دونوں (مثلاً ایک میت کا خاوند اور دو بہنیں سگی بچیں تو یہاں خاوند کا نصف اور بہنوں کا دو ثلث ہے عدد چھ سے دونوں نکل سکتے ہیں لیکن کا آدھا تین ہے اور دو تہائی چار مجموعہ سہاموں کا سات ہوا تو چھ کو عول کر کے سات کر دینگے جو طاق ہے اور ترکے کے سہام سات کر کے تقسیم کیئے جاویں گے اور اگر مثال مذکور میں میت کی ماں بھی ہو تو چھٹا حصہ یعنی ایک اسکو بھی ملنا چاہیئے تو سہام آٹھ ہو جائیں گے اس صورت میں چھ کا عول آٹھ کریں گے یہ عول جفت ہے اور ایک بہن اخیافی بھی مثال میں ہو تو ایک سہام اُس کا ہوگا اور تعداد سہاموں کی نو ہو گی اور اگر یہ عول طاق ہوتا ہے جفت نہیں ہوتا یعنے تیرہ پندرہ سترہ میں عول ہوتے ہیں مثلاً ایک میت کی بی بی اور دو بہنیں علاقی اور ایک ماں وارث ہوں تو یہاں بی بی کا چوتھائی اور بہنوں کا دو تہائی اور ماں کا چھٹا حصہ ہے اور یہ سب حصے بارہ میں سے نکل سکتے ہیں مگر بارہ کی چوتھائی تین اور دو ثلث آٹھ اور چھٹا حصہ دو ہیں اور یہ کل تیرہ ہوئے تو بارہ کا عول تیرہ کیا جائیگا[۲] اور اگر ان وارثوں میں ایک اخیافی بہن بھی ہو تو چھٹا حصہ بارہ کا یعنے دو سہام اسکو بھی ملنا چاہئیں تو اب پندرہ سہام ہوں گے اور بارہ کا عول پندرہ کر لیا جائیگا۔ اور اگر دو بہنیں اخیافی ہوں تو سہام سترہ ہونگے اور عول بھی سترہ اور چوبیس کا عول صرف ایک ہی ہوتا ہے یعنی ستائیس اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک میت کی بی بی اور دو بیٹیاں اور ماں اور باپ وارث رہیں یہاں سب وارثوں کے حصے چوبیس سے نکل سکتے ہیں مگر اُن کے سہام یعنے تین سہام بی بی کے اور سولہ سہام بیٹیوں کے اور چار چار ماں باپ کے ملکر ستائیس سہام ہوتے ہیں پس چوبیس کا عول ستائیس کر لیا جاتا ہے اور اس مسئلہ کو مسئلہ منبریہ[۳] کہتے ہیں اور یہ عول سب اعداد کی تلاش سے اتنے ہی نکلتے ہیں)، اگر ایک فرقہ کا حصہ اُسکے شخصوں یعنے مستحقوں پر پورا نہ تقسیم ہو (مثلاً سہام حصہ کے چار ہوں اور اُن کے لینے والے چھ) تو اگر دونوں میں توافق کی نسبت ہو تو مستحقوں کے شمار کا

۴ ہوگا اور دو بہنیں اخیافی ہوں تو چھ کا عول دس ہونا چاہیئے) اور بارہ کا عول سترہ تک طاق

[۱] تو ان دونوں کو ایک تہائی ملنا چاہیئے یعنی چھ میں سے دو ملنا چاہیئے اور یہ دو حصے آٹھ میں جمع کیے جائیں تو حصے دس ہو جاوینگے اور ترکہ میت کے بجائے چھ حصے کرنیکے اب دس حصے کرینگے اور اسمیں سے تین خاوند کو اور چار دونوں سگی بہنوں کو اور ایک ماں کو اور دو دونوں اخیافی بہنوں کو ملیں گے ۱۲

[۲] یعنے بجائے بارہ کے اب ترکہ میت کے تیرہ حصہ کر کے تین حصے بی بی کو اور آٹھ حصے دونوں علاقی بہنوں کو اور دو حصے ماں کو ملیں گے ۱۲

[۳] اس مسئلہ کو منبریہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ منبر پر خطبہ پڑھنے کے واسطے چڑھے اُسوقت آپکے سامنے یہ صورت پیش کر کے مسئلہ دریافت کیا گیا آپنے فوراً جواب دیا کہ ستائیس حصے کر کے تقسیم کیا جائے پوچھنے والے نے اعتراض کیا کہ زوجہ کو آٹھواں فرمایا کہ آپنے فی البدیہہ فرمایا کہ ہاں اس صورت میں آٹھواں نواں ہو جائیگا یعنی چوبیس کا آٹھواں تین ہے ستائیس کا نواں ہو جائیگا ۱۲ منتی محمد وصی علی ساکن آباد سلمہ

وفق لیکر اصل مسئلہ مین (جو مخرج سب حصون کا قرار دیا گیا تھا) ضرب کرینگے (جیسے اوپر کی مثال مین چار اور چھ مین توافق ہے یعنی دونون نصف ہو سکتے ہین تو چھ کے وفق تین کو مخرج اصلی مین ضرب کرینگے) اور جو کچھ حاصل ضرب ہوگا وہ مسئلہ کا مخرج ہوگا (اُس سے سب کو پورا حصہ پہنچیگا) اور اگر کسر کئی جگہ ہو (یعنی وارث کئی فرقے ہون اور ہر فرقہ پر اُس کے سہام ٹھیک نہ بٹین کسر پڑے) اور وہ فرقے آپس مین تماثل رکھتے ہون (یعنی شمار مین برابر ہون) تو ایک فرقہ کی شمار کو اصل مسئلہ مین ضرب کر لینا چاہیے اور اگر فرقے آپس مین متداخل ہون تو جن کی شمار سب مین زیادہ ہو اُن کے عدد کو اصل مسئلہ مین ضرب کر لیں اور اگر توافق رکھتے ہوں تو ایک کی شمار کے وفق کو دوسرے مین ضرب کریں اور حاصل ضرب کو اصل مسئلہ مین ضرب کریں[2] اور حاصل ضرب کو تیسرے کی تعداد مین اور حاصل اخیر کو اصل مسئلہ مین ضرب دیکر تصحیح مسئلہ کی کریں اور اگر اصل مسئلہ عول رکھتا ہو تو عول مین ضرب کرنا چاہیے (واضح ہو کہ دو عددوں مین چار نسبتوں مین سے ایک ہوا کرتی ہے تماثل یا تداخل یا توافق یا تباین تماثل دونون عددوں کے برابر ہونے کو کہتے ہین جیسے چار چار یا دس دس اور تداخل اس کو کہتے ہین کہ دو عددون مین سے بڑا چھوٹے پر پورا بٹ جاوے کسر نہ پڑے یا یہ کہ اگر چھوٹے کو اس مین سے نکالتے چلے جاویں تو دو بار یا زیادہ مین بڑا عدد ہو چکے مثلاً پچیس اور پانچ مین تداخل ہے کہ پچیس پانچ پر پورا بٹ جاتا ہے یا پچیس مین سے پانچ پانچ اگر کم کرتے جائیں تو پانچ دفعہ مین پچیس فنا ہو جاویگا۔ اور توافق اسکو کہتے ہین کہ دو عددوں کو کوئی تیسرا عدد ایک سے زیادہ فنا کرے جیسے آٹھ اور بیس کہ ان دونوں کو عدد چار فنا کرتا ہے اور اس تیسرے عدد مثلاً چار کو وفق کہتے ہین اور ان دونوں عددوں توافق بالربع کہلاتا ہے اور ایک کے ربع کو ضرب کرنا پڑتا ہے اور اگر تہائی مین موافق ہوں تو ایک کی تہائی کو ضرب کرتے ہین اور علی ہذا القیاس اور تباین اُس کو کہتے ہین کہ کوئی تیسرا عدد بھی ان دونوں کو فنا نہ کرے صرف عدد ایک کا دونوں کو

[2] اگر سب فرقوں کی تعداد آپس مین متباین ہو تو ایک کی تعداد دوسرے کی تعداد مین ضرب کریں

[1] مثلاً کسی نے اپنے ورثا مین سے چھ لڑکیاں اور اپنے والدین کو وارث چھوڑا تو مسئلہ چھ سے ہوگا اور اس مین سے ایک حصہ باپ کو اور ایک حصہ ماں کو اور دو تہائی یعنے چھ سے چار حصے چھ لڑکیوں کو ملا اب چار حصے چھ لڑکیوں میں بلا کسر کے تقسیم نہیں ہو سکتے لہذا پورا پورا تقسیم کرنے کے لئے تصحیح کریں گے اس طرح سے کہ لڑکیوں کی تعداد اور ان کے حصہ کی تعداد کو دیکھیں گے اگر ان کی مقسوم علیہ اعظم نکلتا ہو گا تو نکالکر لڑکیوں کی تعداد تقسیم کرینگے اور حاصل تقسیم کو اصل مسئلہ مین ضرب دینگے تصحیح ہو جائیگی چنانچہ چار اور چھ کا مقسوم علیہ اعظم دو ہے دو سے چھ کو تقسیم کیا اور حاصل تقسیم تین کو اصل مسئلہ میں چھ میں ضرب دیا تو اٹھارہ ہوئے یہی تصحیح ہے اٹھارہ کا چھٹا تین حصہ باپ کو اور تین حصہ ماں کو اور اٹھارہ کا دو تہائی یعنے بارہ حصہ چھ لڑکیوں میں برابر تقسیم ہو جائے گا اور ہر ایک لڑکی کو دو دو حصہ ملیگا ۱۲

فنا کرے جیسے نو اور دس ہین اور ترکیب ان تینوں نسبتوں اخیر کے معلوم کرنے کی یہ ہے کہ بڑے عدد کو چھوٹے پر تقسیم کریں اگر اول تقسیم میں کچھ نہ رہے تو متداخل ہے اور اگر کچھ باقی رہے تو باقی پر چھوٹے کو تقسیم کریں[1] اور پھر بھی بچے تو دوسری باقی پر پہلی باقی کو تقسیم کریں اور اسی طرح کرتے جاویں اگر کسی تقسیم میں کچھ نہ رہے تو دیکھیں کہ اسکا مقسوم علیہ کیا ہے اگر دو ہو تو دونوں عدد ہیں توافق بالنصف ہوگا اور اگر تین ہو تو بالثلث اور علی ہذا القیاس اور اگر پہلی تقسیم میں یا کسی اور تقسیم میں عدد ایک بچ رہے تو ان دونوں عددوں میں تباین ہوگا) اور اگر وارثوں کے سہام اصل مسئلہ سے کم ہوں اور اس جہت سے کچھ مال بچ رہے تو وہ مال اہل فروض کو موافق اُن کے حصوں کے دیدینا چاہیے لیکن شوہر یا بی بی کو اس مقدار زائد میں کچھ نہ ملیگا (اور اگر وارثوں کو مال زائد اس طرح دیتے ہیں کہ جن وارثوں پر رد ہوسکتا ہے اگر وہ ایک جنس کے ہوں تو مسئلہ کو اُن کے شمار کے موافق کر لیں گے مثلاً اگر میت کی وارث دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں تو چونکہ اُنکا حصہ دو تہائی تھا اس جہت سے مسئلہ تین سے ہوگا اور دو تین کی دو تہائی یعنے دو بیٹیوں خواہ بہنوں کو ملیں گی اور باقی ایک تہائی زائد رہیگا۔ اس کو بھی اُنپر بٹا دینے کی ضرورت ہوئی اس لئے چونکہ ایک جنس کے حصہ دار تھے اُن کے شمار کے موافق مال کے دو حصے کرکے ایک ایک ہر ایک کو دیں گے اس بٹا دینے کو رد کہتے ہیں) اگر جن وارثوں پر رد ہوسکتا ہے وہ کئی جنس کے ہوں تو مسئلہ ان کے سہاموں کے شمار سے ہوگا (یعنے اصل مسئلہ میں سے جس قدر سہام اُن کو پہنچے ہوں یا جمع کرکے جو حاصل جمع ہوں وہی مسئلہ قرار دیا جائیگا اگر دو سدس جمع ہوں (جیسے میت کی جدہ اور اخیافی بہن رہی تو مسئلہ چھ سے ہوگا اور اس میں سے ایک ایک سہام دونوں وارثوں کو ملیگا اور دونوں کا مجموعہ دو ہیں) تو مسئلہ دو سے کیا جاویگا اور اگر تہائی اور سدس جمع ہوں) تو مسئلہ تین سے ہوگا (جیسے جدہ اور دو یا زیادہ اخیافی بہنیں جمع ہو کہ جدہ کو چھٹا حصہ اور دو یا زائد اخیافی بہنوں کو تہائی ملتا ہے اور دونوں کو سہام اگر چھ سے نکالیں تو تین ہوتے ہیں اسلئے مسئلہ تین سے ہوگا) اور اگر نصف اور سدس جمع ہوں تو مسئلہ چار سے ہوگا

---

[1] یعنے جس طرح مقسوم علیہ اعظم حساب میں نکالا جاتا ہے اسی طرح عمل کریں اگر مقسوم علیہ اعظم ایک نکلے یعنی کچھ مقسوم علیہ اعظم نکلے تو وہ دونوں عدد جنمیں عمل جاری کیا ہے آپس میں متباین کہیں گے اور اگر مقسوم علیہ اعظم مثلاً تین عدد مقسوم علیہ اعظم ہو اسی کا نام ہے ان دونوں عددوں میں توافق کہلاتا اسکا مقسوم علیہ اعظم پانچ نکلا تو توافق بالخمس ہوگا کیونکہ پانچ کو عربی میں خمسہ کہتے ہیں اور اگر مقسوم علیہ اعظم سات نکلا تو توافق بالسبع ہوگا کیونکہ سات کو عربی میں سبعہ کہتے ہیں اور باقی اسی قیاس پر [2] یعنے ذوالفروض میں سب بچا ہوا مال رد ہوگا مگر شوہر کے اوپر رد نہ ہوگا مگر یہ اسوقت میں ہے کہ وارث ذوالفروض یا ذوالارحام موجود ہوں اور اگر میت کے سوا شوہر یا زوجہ اور کوئی اقارب سے موجود نہیں تو پھر زوجین پر بھی رد ہوگا اور اسی پر فتوے ہے

ردّ کا بیان